سلسلۂ نصابیات جامعۂ عثمانیہ

تاریخ دولت عثمانیہ

(تا سنہ ۱۹۱۴ء)

جلد دوم

تصنیف

ڈلاژوں کیئر

کا

فرانسیسی سے انگریزی

اور

انگریزی سے اُردو ترجمہ

باہتمام

مولوی محمد مارماڈیوک پکتھال صاحب و مولوی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی

سنہ ۱۳۵۸ھ م سنہ ۱۳۴۸ف م سنہ ۱۹۳۹ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

فہرست مضامین

تاریخ دولت عثمانیہ جلد دوم

فہرست مآخذ

تاریخ دولت عثمانیہ کی پوری فہرست مآخذ کی یہاں تشریح ناممکن ہے۔ان ناظرین کے لئے جو مزید تفصیلات کے شائق ہوں اس تاریخ میں جو مآخذ دیے گئے ہیں ان کے علاوہ چند مآخذ یہاں درج کیے گئے ہیں جو ان کے کارآمد ہوں گے۔

عام تاریخ :۔ دواسون D'Ohsson اور فان ہامر Von Hommer کی مشہور تصنیفات اور کینٹمر Cantemir جو شیرو دے سنٹ ڈونیس Juehereau de St. Denis اور دے لیولٹی De Levaltee کی تواریخ کے علاوہ رسالہ جات ایشیاٹک جرنل انسائکلوپیڈیا آف اسلام اور حسب ذیل کتابیں مآخذ ہیں۔

تاریخ زوال سلطنت یونان وقیام سلطنت ترک مصنفہ Chal Condyle and d'Embry

سلسلۂ تاریخ بالا از تباہی پلوپانیس تا ۱۶۱۲ء مصنفہ Artus Thomas Sieur d'Embry جلد اول پیرس ۱۶۳۲ء۔

تاریخ سنین از حاجی خلیفہ المعروف بہ کاتب چلپی مترجمہ Rinaldo Carli از زبان ترکی بزبان اطالوی۔ جلد اول۔ وینس ۱۶۹۷ء

دولت عثمانیہ کے عام حالات از ابتدائے سلطنت تا دور حاضر مصنفہ Petis de la Croix نیز مختصر سوانح شہنشاہان ترک (ایک ترک درویش کی زبانی) سہ جلد۔ پیرس ۱۶۹۵ء

عام تاریخ آغاز و اقتدار ترک مصنفہ Francesco Lansovino جلد اول وینس ۱۵۸۲ء

ترکوں کے عادات و اطوار ان کا مذہب اور حکومت مع ملخص تاریخ آل عثمانیہ

بمصنفۂ (Guer) دو جلد۔ پیرس سنہ ۱۷۴۶ء۔

مشرقی فہرست کتب مولفہ D'Herbelot

سلسلۂ بالا مولفہ Galland and Visdelon

جلد اول Mæstricht سنہ ۱۷۷۶ء

جلد دوم La Haye سنہ ۱۷۷۹ء

تاریخ دولت عثمانیہ از آغاز تا صلح بلغراد۔ ۴ جلد پیرس سنہ ۱۷۷۱ء مصنفۂ Abbe Mignot

تاریخ دولت عثمانیہ تا سنہ ۱۷۹۲ء ۴ جلد۔ پیرس سنہ ۱۸۱۳ء Count de Salaberry

خلاصہ تاریخ دولت عثمانیہ۔ ۳ جلد۔ پیرس سنہ ۱۸۲۱-۲۲ء Alix

تاریخ ترکی۔ یک جلد پیرس سنہ ۱۸۴۰ء مصنفہ Jouanin and Von Gaver

بوسنیا۔ سرویا وغیرہ۔ جلد اول۔ پیرس سنہ ۱۸۵۶ء مصنفۂ Chapin and Ubicini (سلسلۂ پکچرسک ورلڈ)

روس۔ کریمیا۔ آرمینیا۔ دو جلد پیرس سنہ ۱۸۳۸ء مصنفۂ Chopin, Tamin, Bore (سلسلۂ پکچرسک ورلڈ)

تاریخ قسطنطنیہ یعنی سلطنت بزنطین و عثمانیہ۔ دو جلد پیرس سنہ ۱۸۵۳ء مصنفۂ Poujoulat

تاریخ ترکی ۸ جلد۔ پیرس سنہ ۱۸۶۱ء مصنفۂ Lamartine

سلاطین عثمانی۔ دو جلد۔ پیرس سنہ ۱۹۰۱ء مصنفۂ خلیل خانم

مجموعۂ بین الاقوامی قوانین دولت عثمانیہ۔ ۴ جلد۔ پیرس سنہ ۱۸۹۷-۱۹۰۳ء مولفہ۔ G. Noradounghian

مقدمہ

مقالہ بر تاریخ عرب قبل اسلام۔ ۳ جلد۔ پیرس سنہ ۱۸۴۷ء Cassin de Perceval

سیاحت عرب ترجمہ از جرمن۔ ۲ جلد۔ پیرس سنہ ۱۷۷۹ء مصنفۂ Carsten Niebuhr

سیرت محمدیہ از ابو الفدا مترجمہ Noel des vergers یک جلد پیرس سنہ ۱۸۳۷ء۔

سیرت محمدیہ مصنفۂ واشنگٹن ارونگ Washington Irving ترجمہ ازانگریزی بفرنچ از ہنری جارجس جلد اول پیرس ۱۸۹۵ء۔

تذکرۂ اسلام مصنفہ Leonce Caetani, Prince of Teano سہ جلد روما ۱۹۰۵ء۔ ۱۹۱۰ء۔

سیاحت ملک امیر اعظم سرتاج والیان عرب بحکم شاہ لوئی چہاردہم بشمول حالات عربستان رقم زدۂ سلطان اسماعیل ابوالفدا مصنفہ De la Roque جلد اول۔ پیرس ۱۸۷۴ء۔

اسلام من حیث القرآن مصنفہ Garcin de Tassy ایک جلد پیرس ۱۸۷۴ء۔

اسلام مصنفہ Count H. de Castries ایک جلد پیرس۔

قانون اسلام مصنفہ Nicholas de Tormanauw

ترجمہ از زبان روسی از Pierre Valtier ایک جلد۔ پیرس ۱۹۰۵ء۔

تذکرہ حملہ ہائے فرنگ بہ ممالک اسلام مصنفۂ ابن خلدون بارہ صدی عیسوی کی دو مشرقی شاہزادیاں مصنفہ L. du Sommerard جلد اول پیرس

اعداو بزنطین مصنفۂ Charles Diehl

دسویں صدی عیسوی کی رزمی تاریخ بزنطین مصنفہ Gustave Schlumberger دو جلد۔ ۱۸۹۶ء تا ۱۹۰۰ء۔

جلد اول ۱۸۹۸ء Renaud de chatillon مصنفہ ایضاً

حملۂ المرغوری یا مشرقی ممالک میں کیتلان والوں کی بادیہ پیمائی مصنفہ ایضاً ۱۳۰۲ء تا ۱۳۱۱ء جلد اول ۱۹۰۲ء۔

بیت المقدس بارھویں صدی عیسوی میں مصنفہ ایضاً جلد اول پیرس ۱۹۰۶ء۔

تاریخ حروب صلیبیہ مصنفۂ Michaud چھ جلد۔ پیرس ۱۸۴۱ء یوجالٹ اڈیشن۔

مقابلہ بر حکومت الکزس اول کمین مصنفہ Ferd Chalandon ایک جلد پیرس ۱۹۰۰ء۔

تاریخ آل تاتار ترجمہ از مخطوطۂ تاتاری ابوالغازی بہادر خاں یک جلد لیڈ۔

سنہ ۱۸۲۶ء مترجمہ Bentick

تاریخ عرب مصنفہ Sedillot یک جلد۔ پیرس سنہ ۱۸۵۴ء

تاریخ عرب مصنفہ Clement Hurat ۲ جلد پیرس سنہ ۱۹۱۲ء

تمدن عرب مصنفہ گستاولیبون Le Bon جلد اول سنہ ۱۸۸۴ء

تاریخ قسطنطنیہ تحت شاہان فرانس مصنفۂ Ducange یک جلد پیرس سنہ ۱۶۵۷ء

ہن، ترک، مغل اور دیگر اقوام تاتاری مصنفۂ Deguigne ماخوذ از کتب چینی۔ چار جلد سنہ ۱۷۵۶ء تا سنہ ۱۷۵۸ء۔

تاریخ قسطنطنیہ از حکومت جسٹن قدیم تا ختم سلطنت مصنفۂ Cousin ۸ حصص در ۱۰ جلد پیرس سنہ ۱۶۸۵ء۔

تاریخ سلطنت بزنطین مصنفۂ Lebeau ۲۲ جلد۔ پیرس سنہ ۱۷۵۷ء تا سنہ ۱۷۷۹ء

تاریخ بزنطین یک جلد۔ پیرس سنہ ۱۶۸۰ء مصنفہ Ducange

تاریخ سلطنت بزنطین مصنفہ Count de Segur

تاریخ ترکی تا عہد حکومت مراد اول مصنفہ سعد الدین (در ترکی و لاطینی مرتبہ (Ad Kollar de Kerenstch) یک جلد وائنا سنہ ۱۷۵۵ء

مقدمۂ تاریخ ایشیا، ترک و مغل از زمانۂ ابتدا تا سنہ ۱۴۰۵ء مصنفہ Leon Cahun یک جلد۔ پیرس۔

تاریخ حکومت جمہوری وینس مصنفہ Count Daru ۹ جلد۔ پیرس سنہ ۱۸۵۳ء

تاریخ و حالات بالائی البانیا مصنفہ Hecquard یک جلد پیرس سنہ ۱۸۵۳ء

ماضی و مستقبل سرویہ مصنفہ H. Thiers یک جلد پیرس سنہ ۱۸۶۲ء

اسلامی عسکری نظام علی الخصوص ترکی مصنفہ Belin یک جلد پیرس سنہ ۱۸۷۰ء

تاریخ تیمور صاحبقران مصنفہ احمد افندی مترجمہ از عربی Pierre Vattier یک جلد۔ پیرس سنہ ۱۶۵۸ء۔

تاریخ تیمور بیگ (فارسی) مصنفہ شرف الدین مترجمہ Petis de la Croix ۴ جلد۔ پیرس سنہ ۱۷۲۲ء۔

ابتدائی سلطنت ترک و نظم و نسق مملکت مصنفہ Georgievitz ایک جلد پیرس سنہ ۱۵۶۸ء

ترکوں کے مذہب وعادات واطوار پر ایک رسالہ مصنفہ George de Hemgaria (ایک ہنگری کے رہنے والے یا ایک رومانی کے بیان سے ماخوذ) جو ۱۴۳۶ء سے ۱۴۵۵ء تک ترکی میں مقید رہا۔ ایک جلد۔ لائپزگ ۱۴۸۰ء۔

تاریخ مصر مصنفہ عبداللطیف طبیب بغدادی بشمول مختلف اقتباسات از مصنفین مشرق وصوبجات ودیہات مصریہ شانزدہ صدی عیسوی (عربی) مترجمہ S. De Sacy

تاریخ ملوک سلاطین مصر (عربی) مصنفہ تقی الدین احمد مقریزی ترجمہ کواترمیر ایک جلد دو حصوں میں۔ پیرس ۱۸۳۷ء۔ ۱۸۴۰ء۔

مقالہ بر ولیکی ومالدیویہ مصنفہ Count de Salaberry پیرس ۱۸۲۱ء

بربری جہازراں۔ مصنفہ Admiral Jurien de la Graviere

تاریخ مالٹا (۷ جلد۔ پیرس ۱۷۷۲ء) مصنفہ Vertot مخطوط بیرون دے بزبک ترجمہ بزبان فرانسیسی مع حواشی۔ از Abbe de Foy ۳ جلد۔ پیرس ۱۷۴۸ء

سیاست وینس اور فرمانروایان یورپ سولھویں صدی عیسوی میں مصنفہ Armand Baschet جلد ایک۔ پیرس ۱۸۶۲ء۔

سفرائے وینس کے خطوط بنام مجلس اعلیٰ (سنیٹ) سولھویں صدی مصنفہ Alberi پندرہ جلد۔ فلورنس ۱۸۳۹ء تا ۱۸۶۳ء۔

تاریخ پاپائیت سولھویں اور سترھویں صدی عیسوی میں بزبان جرمن مصنفہ L. de Ranke ترجمہ بزبان فرانسیسی از Heber ۴ جلد۔ پیرس ۱۸۴۴ء۔

دولت عثمانیہ اور ہسپانوی بادشاہت بزبان جرمن ایضاً ایک جلد۔ لائپزگ ۱۸۵۷ء۔

تاریخ مہم موہاکز مصنفہ کمال پاشا شہزادے ترجمہ از ترکی بہ فرانسیسی۔ مترجم de Courteille ایک جلد۔ پیرس ۱۸۵۹ء۔

فرانسیسی سیاست کی عام توضیحی تاریخ۔ فرانسیسی قوم کی ابتدا سے تا ختم عہد لوئی شانزدہم مصنفہ Flassan ۶ جلد۔ پیرس ۱۸۰۹ء۔

مشرق میں مسیحی کلیساؤں کے تحفظ اور دول یورپ کی باہمی رقابت کی تاریخ

مصنفہ Famin ایک جلد۔ پیرس ۱۸۵۳ء

تاریخ تجارت مابین مشرق قریب و یورپ مصنفہ Depping ۲ جلد پیرس ۱۸۳۰ء۔

مشرق قریب میں فرانسیسی قوم کا عمل دخل مصنفہ Charriere ۱۸۵۰ء۔ ۱۸۵۰ء، ۱۸۴۸ء، ۱۸۵۳ء۔ ۴ جلد۔ پیرس۔

فرانسس اول کی گرفتاری مصنفہ Champollion Figeac ایک جلد۔ پیرس ۱۸۴۷ء

خطوط و تذکرۂ مملکت۔ دو جلد پیرس ۱۶۶۶ء مصنفہ۔ Ribier

تذکرۂ تاریخی و سیاسی مصنفہ Pouqueville

ہنگری پر عثمانیہ تسلط کے دور میں مگیاروں کی حالت مصنفہ Albert Lefawre از ۱۵۲۶ء تا ۱۷۲۲ء۔ ۲ جلد۔

Sundar Rang F. Denis { الجزائر میں تولیت کی بناء۔ تاریخ باربروسا۔ سولھویں صدی کی عربوں کی تاریخ۔ مہم چارلس پنجم۔ دو جلد۔ پیرس ۱۸۳۷ء۔ سرزمین مقدس، مصر، الجزائر، تونس اور یونان میں موسیو دے بریوز کے سفر کے حالات مع صلحنامہ ۱۶۰۴ء مابین ہنری اعظم و شہنشاہ ترکی ایک جلد۔ پیرس ۱۶۲۸ء۔

رسالہ و مکاتبت عنیدان ترک (Gedoyn) قونصل فرانسیسی A Boppe متعینۂ حلب (۱۶۲۵ء تا ۱۶۲۳ء) ایک جلد پیرس۔

واقعۂ وفات سلطان عثمان و تاجپوشی سلطان مصطفیٰ (ترجمہ از ترکی) Galland ایک جلد۔ پیرس ۱۶۷۸ء۔

Petis de la Corix { سلیمان کے عہد حکومت کے حالات جو مراد چہارم کی واقفیت کے لئے بیان کئے گئے۔ سلاطین عثمانیہ کے حالات خفیہ اسناد پر مبنی ہیں اور سیاسی و عسکری کوائف پر مشتمل ہیں۔ ترجمہ از ترکی ایک جلد ۱۶۸۵ء۔

سیاحت شام و کوہ لبنان یعنی تاریخ پرنس ترلس ماروت شہید مذہب۔

De la Roque دو جلد۔ پیرس ۱۷۲۳ء۔

محاصرۂ جزیرۂ کینڈیا (ایک جلد۔ پیرس۔ سنہ ندارد۔ سترھویں صدی عیسوی)

سوانح متعلق فتح مصر، ترجمہ بزبان فرانسیسی از والے Leibnity ایک جلد پیرس ۱۸۴۰ء۔

سوانح، فوجی فنون، ترکوں سے جنگ، معرکہ ۱۶۶۴ء Montecuculli ترجمہ از لاطینی مترجمہ ٹی۔ ڈی کرس مع تشریحات تین جلد۔ پیرس ۱۷۶۹ء۔

سوانح Petis de la Croix دو جلد۔ پیرس ۱۶۸۴ء

حالت حاضرہ سلطنت عثمانیہ Ricaut ترجمہ بزبان انگریزی از بریو۔ دو جلد پیرس ۱۶۷۰ء۔

تاریخ جین سوبیسکی و مملکت پولینڈ Salvandy دو جلد ۱۸۲۹ء

تاجپوشی سلیمان Chardin ایک جلد۔ پیرس ۱۶۹۱ء

تاریخ پطرس اعظم Voltaire

پطرس اول Golvin دو جلد۔ لائپزگ ۱۸۶۱ء

سوانح Count de Bonneval دو جلد پیرس ۱۸۰۶ء

ایک سفیر مارکوئس دے نائنٹل کے معرکے A. Vandal (ایک جلد پیرس ۱۹۰۰ء)

لوئی پانزدہم کے عہد حکومت کی فرانسیسی سفارت 〃

ورجنز کا شہسوار L. B. de Marsangy (دو جلد پیرس)

تاریخ ایران من ابتدائے موجودہ صدی La Mamie Clerac (۳ جلد۔ پیرس ۱۷۵۰ء)

سفر یورپ ایشیا و افریقہ La Mottraye (تین جلد لاہے ۱۷۲۷ء)

سفر ترکی و ایران و بیان معرکۂ طہماسپ قلی خاں Otter ۲ جلد پیرس ۱۷۴۸ء

تاریخ طہماسپ خاں (جدید شاہ ایران) یعنی ایران کے آخری انقلاب کی تاریخ گمنام ایک جلد۔ پیرس ۱۷۴۳ء۔

تذکرۂ سفارت فرانسیسی بہ ملک ترکی Count de Saint Priest ایک جلد پیرس ۱۸۷۷ء۔

تذکرۂ سفارت فرانسیسی بہ ملک ترکی ازمارسی شیفر Marquis de Bonnac
(ایک جلد پیرس)
پولینڈ میں بدنظمی اور اس جمہوری ملک کا انتزاع Rulhieres (۴ جلد پیرس ۱۸۰۷ء)
سیاحت کریمیا۔ ترجمہ از انگریزی از برشیرس Lady Craven
(ایک جلد پیرس ۱۷۸۹ء۔)
خطوط ترجمہ از انگریزی از آسن Lady Montagu (دو جلد پیرس ۱۸۹۱ء)
تاریخی خلاصہ حروب مابین ترکی و روس ۱۷۶۹ء تا ۱۷۷۴ء Vasif Effendi
ترجمہ از زبان ترکی من ڈی پرسیول ایک جلد۔ پیرس ۱۸۲۲ء۔

سوانح

سیاحت شام فلسطین و مصر Count de Segur Volney (دو جلد پیرس ۱۷۸۷ء)
مسئلۂ مشرق اٹھارھویں صدی میں۔ بناء اتحاد ثلاثہ De Sorel ایک جلد پیرس ۱۸۷۷ء
ترکوں کی مہمیں Volney ایک جلد۔ پیرس ۱۲۸۸ء
رسالہ عبدالرحمٰن دربارہ قبضۂ فرانسیسی Abdur Rahman C'Barti
اور اسی حملے کا خلاصہ جو نکولاس ال ترکی سکرٹری شاہزادۂ دروزیان نے کیا۔ ترجمہ از عربی
از الکس کارڈین ایک جلد۔ اسکندریہ ۱۸۳۸ء۔
مصر پر فرانسیسی حملے کی تاریخ Nekoula-el-Turk ترجمہ از عربی من ڈسگرینجس
(ایک جلد پیرس ۱۸۳۹ء)
حملۂ مصر کے متعلق جدید حالات Richardet ایک جلد۔ پیرس ۱۸۴۸ء۔
حملۂ مصر بابت ۱۷۹۸ء تا ۱۸۰۱ء C. de la Jonquiere اشاعت آرمی
ہیڈ کوارٹرس۔ بصیغۂ تاریخ پانچ جلد پیرس (از ۱۹۰۱ء۔ ۱۹۰۵ء)
واقعات معرکۂ مصر General J. P. Doguereau مرتبہ دے لاژونکیر۔
ایک جلد پیرس ۱۹۰۴ء۔
ایک ترکی سفارت M. Herbette
قسطنطنیہ کے انقلابات J. de St. Denys دو جلد۔ پیرس ۱۸۱۹ء۔

ترکی کے اصلی حالات Thornton ترجمہ از انگریزی دو جلد ۱۸۱۲ء

کراجارجس ومیلاش۔ سرویہ انیسویں صدی میں St. Rene Taillandier ایک جلد ۱۸۷۵ء پیرس۔

تاریخی مقالہ بر انقلاب وخودمختاری سرویہ Cunibert دو جلد لائپزگ ۱۸۵۵ء۔

تذکرۂ علی پاشا Pouqueville ایک جلد۔ پیرس ۱۸۲۲ء

حالات یونان والبانیہ بعہد حکومت علی پاشا۔ ابراہیم منصور افندی ایک جلد۔ پیرس ۱۸۲۲ء۔

البانیہ ونپولین A Boppe ایک جلد۔ پیرس ۱۹۱۳ء

یونان کا وہ حصہ جو براعظم پر واقع ہے اور موریہ Buchon ایک جلد پیرس ۱۸۴۳ء۔

سیاحت ایوبیا، سائکلیڈس وجزائر آیونیا Buchon ناشر لانگنن۔ ایک جلد پیرس ۱۹۱۱ء۔

سیاحت یونان Pouqueville (۶ جلد پیرس ۱۸۲۵ء

احیاء یونان Pouqueville (۴ جلد پیرس ۱۸۲۶ء

بغاوت واحیاء یونان Gervinius ترجمہ از زبان جرمن از منسن ۲ جلد پیرس ۱۸۶۳ء۔

یونان پر مختصر نوٹ Maxime Raybaud جو جنگ خودمختاری کے ضمن میں قابل مطالعہ ہیں۔

جنرل فبوئے اس کی جنگی وسیاسی زندگی A. Debidour ایک جلد پیرس ۱۹۰۴ء

سوانح مرتبہ شلمبرجیر Commandant Persat (پیرس ۱۹۱۰ء)

روسی حملہ ہائے ملک ترکی موقوعہ یورپ بزمانہ ۱۸۲۸ء و ۱۸۲۹ء Count de Moltke ترجمہ از ڈیمیر دو جلد پیرس ۱۸۵۴ء۔)

روس ایشیائے کوچک میں یا معرکہ ہائے مارشل پاسکیوچ در سال ۱۸۲۸ء و ۱۸۲۹ء F. de Fonton ایک جلد۔ پیرس ۱۸۴۰ء۔

فتح الجزائر C. Rousset ایک جلد۔ پیرس ۱۸۷۱ء

مصر جدید Merruau ایک جلد۔ پیرس ۱۸۵۵ء

جدید ترکی d'aubignose دو جلد پیرس ۱۸۳۹ء

محمد علی و ترکی کی جنگ کی تاریخ de Caldavene and Barrault دو جلد۔ پیرس ۱۸۳۶ء۔

مشرقی ممالک کی دہ سال کی تاریخ de Caldavene and Barrault دو جلد پیرس ۱۸۴۰ء

شام بعہد حکومت محمد علی Ferrier ایک جلد۔ پیرس ۱۸۴۰ء

خطوط شیوالئیے دے جنٹر، موسوسہ ایران و یلے کیا۔ Prokesh Osten بابت ۱۸۱۳ء تا ۱۸۲۸ء (دو جلد پیرس)

ایک سرحدی داستان Prince G. Bibesco (ایک جلد پیرس)

رومانیہ۔ ایڈریانوپل سے بالٹالیما تک ۱۸۲۹ء سے ۱۸۴۹ء ایضاً

حکومت بیبیسکو۔ (دو جلد پیرس)

سیاسی تاریخ اہل رومانیہ (۱۸۲۱ء سے ۱۸۵۹ء حکومت مائیکل اسٹرڈزا Alex sturdza ایک جلد پیرس۔

مشرق میں یورپ کی مداخلت۔ اور ایشیا میں اسلامی تمدن اور عیسائی معاشری حالت پر اس کا اثر Houry ایک جلد پیرس ۱۸۴۳ء۔

ترکی کے متعلق پوشیدہ حالات Destrilhes ایک جلد پیرس ۱۸۵۵ء

مشرقی انقلاب ۱۸۵۳ء سے ۱۸۵۶ء وغیرہ کی سیاسی تاریخ و مسئلہ مقامات مقدسہ۔ ایک جلد بروسلز ۱۸۵۸ء

ابتدائے جنگ کریمیا Ed. Bapel

تاریخ جنگ کریمیا C. Rousset ایک جلد پیرس ۱۸۷۷ء

کریمیا پر حملہ Kinglake ترجمہ از انگریزی از کچھ تین جلد۔ بروسلز ۱۸۶۴ء۔

محاصرۂ سباستاپول Niel ایک جلد پیرس ۱۸۵۸ء

یادگار جنگ کریمیا Fay ایک جلد پیرس ۱۸۶۹ء

فرانسیسی و روسی۔ ماسکو اور سباستاپول A. Rambaud ایک جلد پیرس ۱۸۸۰ء

معرکۂ کریمیا Anitschkoff ترجمہ از جرمن دو جلد پیرس ۱۸۶۸ء

مدافعت سیاستاپول Ed. de Todlebca (ترجمہ از فرانسیسی ۲ جلد سینٹ پیٹرسبرگ ۱۸۶۴ء)۔
پیرس کانگریس کی تاریخ Gourdon (ایک جلد۔ پیرس ۱۸۵۷ء
یورپ کے سامنے چھوٹی ریاستوں کا مسئلہ Ubicini ایک جلد پیرس ۱۸۵۸ء
ترکی اور دوسری اسلامی ریاستیں de Lanture ایک جلد پیرس ۱۸۵۵ء
مارونیتی و فرانس Dufaure ایک جلد۔ پیرس ۱۸۶۰ء
شام پر چڑھائی Louet ایک جلد پیرس ۱۸۶۲ء
شام ۱۸۶۱ء میں St. Mare Giradin ایک جلد پیرس ۱۸۶۲ء
ترکی اور تنظیم Ed. Englehardt (پیرس ۱۸۸۴ء)
فرانس و لبنان De Baudicour (ایک جلد پیرس ۱۸۷۹ء)
مکتوب جوزف کرم عیسائی حکومتہائے یورپ کے نام ۱۸۶۸ء مانیٹنگر والبانی روایات کے مطابق Pasco Wasa (رسالہ قسطنطنیہ ۱۸۷۸ء)
سرویہ و وفد بہ سرویہ Iovanovity (ایک جلد پیرس ۱۸۷۰ء)
بغاوت کریٹ کی تاریخ Ballot (ایک جلد۔ پیرس ۱۸۶۸ء)
سیاسی دستاویزیں دربارہ جنگ ترکی و یونان۔ ایضاً (ایک جلد۔ پیرس ۱۸۶۴ء)
ترکی میں اصلاحات Chertier (ایک جلد۔ پیرس ۱۸۶۸ء)
۱۸۶۷ء میں ترکی اور یورپ Duc de Valmy (ایک جلد۔ پیرس ۱۸۶۷ء)
ترکی بعہد عبد العزیز Osman Bey (ایک جلد۔ بروسلز ۱۸۶۸ء)
ترکی کی مالی حالت کی خرابی Brunswick (رسالہ پیرس ۱۸۷۴ء)
ہرزیگونیا سے متعلق Ali Suavi-Effendi (ایک جلد پیرس ۱۸۷۵ء)
مشرقی جنگ (۱۸۷۶ء، ۱۸۷۷ء) Gl. Lecomte تین جلد لاسین ۱۸۷۷ء، ۱۸۷۸ء۔
بلغاری مظالم کی داستان اور مسئلہ مشرق Gladstone (رسالہ۔ لندن ۱۸۷۶ء)
مدحت پاشا Louzon-le-Duc ایک جلد۔ پیرس ۱۸۷۷ء
مدحت پاشا کے متعلق انکشاف حقیقت Brunswick (رسالہ۔ پیرس ۱۸۷۹ء)

دستور عثمانی Ubicini (ایک جلد۔ پیرس ۱۸۷۷ء)

جنگ مشرق (۱۸۷۷ء تا ۱۸۷۸ء) از یکے ماہر جنگ (۱۸۸۰ء)

تاریخ اسباب جنگ مشرق Eugene Forcade

ترکی اور اسلام General Hussein Tewfitk Pasha لکچر جو جزیرۂ رھوڈ کی تاریخی مجلس کے آگے پڑھا گیا ۱۸۷۷ء)

مسئلۂ مصر Ch. de Freycinet (ایک جلد پیرس)

فرانس و انگلستان مصر میں A. Bourguet (ایک جلد پیرس)

طونس میں فرانسیسی حکمت عملی حکمبرداری اور اس کی ابتدا (۱۸۵۴ء تا ۱۸۹۱ء)

(ایک جلد۔ پیرس ۱۸۸۲ء) D. E. de Constant

طونس میں رسالت ماہی معرکے کی یادگار Dick de Lonlay ایک جلد پیرس ۱۸۸۲ء

ترکی یورپی دول کے روبرو Leonce Casaubon (رسالہ پیرس ۱۸۸۷ء)

خطوط باسفورس Count C. de Mouy (ایک جلد پیرس ۱۸۸۷ء)

یادداشت و مکالمۂ سیاسی ایضاً (ایک جلد پیرس ۱۸۹۹ء)

بلقان کی موجودہ جنگ اور مشرق مسئلہ (۱۸۵۵ء تا ۱۸۹۷ء) Lieut. C. Becker

(ایک جلد۔ پیرس ۱۸۹۹ء)

تھسلی واقع کریٹ Pierre Mille (ایک جلد۔ پیرس ۱۸۹۸ء)

تھسلی کی جنگ اور ترکی فوج K. F. Von der Goltz (ایک جلد برلن ۱۸۹۸ء)

مشرق ادنیٰ میں بیس سال A. G. Hulme Beaman (ایک جلد ۱۸۹۸ء)

یورپی ترکی Sir Charles Eliot (ایک جلد ۱۸۹۷ء)

جدید ترک E. Fazy (ایک جلد۔ پیرس ۱۸۹۸ء)

سلطان و دول عظمیٰ Max Cool (ترجمہ از انگریزی از لنگٹ ایک جلد ۱۸۹۹ء)

ترکی اور اس کے ہمسائے Chas Wood (ایک جلد۔ پیرس)

ارمینی اور ترکی اصلاحات Albert Vandal (رسالہ پیرس ۱۸۹۷ء)

مقدونیہ اور اس کی عیسائی آبادی D. Brankoff (ایک جلد ۱۹۰۴ء)

مقدونیہ کے رومانویوں میں سیاحت Bolmiteano (ایک جلد ۱۸۶۳ء)

مقدونیہ کی مصیبت Maurice Gandolph (ایک جلد پیرس)
مقدونیہ اور اصلاحات Dranganoff (ایک جلد پیرس)
ترکوں کا انصاف اور مقدونیہ میں اصلاحات O. Focieff
دولت عثمانیہ بعہد عبدالحمید Ch. Hecquard (ایک جلد ۱۹۰۱ء)
قسطنطنیہ اخیر دور عبدالحمید ثانی میں Paul Fesch
باسفورس اور درۂ دانیال Serge Gorianow (ایک جلد پیرس ۱۹۱۰ء)
مسئلۂ مشرق André Chéradame (ایک جلد پیرس ۱۹۰۳ء)
سلطانی سیاست Victor Berard (ایک جلد پیرس)
حالات کریٹ " (ایک جلد پیرس ۱۹۰۰ء)
ترکی اور جدید یونانیت " (ایک جلد پیرس)
سلطان اسلام اور دول " (ایک جلد پیرس ۱۹۰۷ء)
مقدونیہ و حمایت مقدونیہ "
انقلاب ترکی " (ایک جلد پیرس ۱۹۰۹ء)
یورپ اور دولت عثمانیہ René Pinon (ایک جلد پیرس)
یورپ اور نوجوان ترکی " (ایک جلد پیرس ۱۹۱۱ء)
احیاء سلطنت عثمانیہ Paul Imbert (ایک جلد پیرس ۱۹۰۹ء)
ترکی کا مستقبل G. Charmes (ایک جلد ۱۸۸۳ء)
قلع الیسیو اور مرویت Wiett (ایک جلد پیرس ۱۸۶۶ء)
یادداشت متعلقہ بالائی البانیہ A. Degrand (ایک جلد پیرس ۱۹۰۱ء)
البانیہ کے نامعلوم حالات G. L. Jaray (ایک جلد پیرس ۱۹۱۳ء)
مسئلۂ شرق کے تین سال کی روداد L. Thouvenal
وفات عبدالعزیز کی حقیقت A. de la Jonquiere رسالۂ مشرقی
پیام رساں بابت ۹ مئی ۱۹۱۹ء ماہ جون قسطنطنیہ۔
مدحت پاشا ان کی زندگی اور ان کا کام Ali Haidar Pasha ایک جلد
پیرس ۱۹۰۸ء)

واقعات مشرق General Mohamoud Muktar
سفر شام G. Charmes (ایک جلد پیرس ۱۹۰۸ء)
مسئلۂ شرق من ابتدائے عہد نامۂ برلن Max Choublier
فرات کے بدوی قبایل A. Blunt
استامبول کا خاتمہ V. Berard (ایک جلد۔ پیرس ۱۹۱۳ء)
جنگ بلقان Colonel Immanuel دو جلد (ترجمہ از جرمن۔ پیرس ۱۹۱۴ء)
ترکی بلقانی جنگ Colonel Boucabille (ایک جلد۔ پیرس ۱۹۱۳ء)
محاصرۂ ایڈریانوپل Colone P. de Mondesir (ایک جلد پیرس ۱۹۱۴ء)
اتحادیوں کے ہمرکاب Captain d'Alauzier (ایک جلد پیرس ۱۹۱۴ء)
ایک شکست کھائے ہوئے کی باتیں جنرل عزت فواد General Izzat Fuad
(ایک جلد۔ پیرس ۱۹۱۳ء)
تھریس کے معرکے میں میری سپہ سالاری (ترجمہ از جنرل محمود مختار General Mahnoud Muktar
جرمن ایڈیشن ازکمانڈنٹ منرت۔ پیرس ۱۹۱۳ء۔
گولہ باروت میں ترکوں کے ساتھ Major de Hochwaechter
ترجمہ از جرمن از منرت (ایک جلد پیرس ۱۹۱۳ء)۔
حملے کے ایام سے متعلق ایک ترکی افسر کی بیاض لیفٹننٹ سلیم بے (ایک جلد پیرس ۱۹۱۳ء)
ترکوں کے ساتھ تھریس میں E. Achmead Bartlett (ایک جلد لندن ۱۹۱۳ء)
۱۹۱۲ء کی جنگ بلقان Alain de Penennrun (ایک جلد۔ پیرس ۱۹۱۳ء)
صوفیہ سے قسطنطنیہ تک Réne Puaux (ایک جلد۔ پیرس ۱۹۱۳ء)
ترکی بلغاروی جنگ Corrado zoli (ایک جلد۔ میلان ۱۹۱۴ء)
بلقانی جنگ کا ناٹک۔ ایک خاص نامہ نگار (ایک جلد۔ لندن ۱۹۱۳ء)
بلغاروی فوجوں کے ساتھ فتح Lieut. Wagner ترجمہ از جرمن از منارت
(ایک جلد پیرس ۱۹۱۳ء)
ایک انتقام۔ ایک پیشقدمی Jean Leune (ایک جلد۔ پیرس ۱۹۱۴ء)
جغرافیۂ عالم Elisee Reclus

تاریخی و جغرافیائی بیان ایشیائے کوچک V. de St. Martin (دو جلد پیرس ۱۸۵۲ء)

جغرافیائی لغت " " " "

دہانۂ بحر اسود کا سفر General Andreossy (دو جلد پیرس ۱۸۲۸ء)

باسفورس اور قسطنطنیہ De. Tehihatcheff (پیرس ۱۸۶۷ء)

قسطنطنیہ E. de Amicis (ترجمہ از زبان لاطینی مترجمہ مڈیم لوریو (ایک جلد پیرس ۱۸۷۸ء)

قسطنطنیہ و ایشیا کے شاہراہ" Gaston Deschamps

ایشیائی ترکی میں سیاحت Count de Cholet

سیاحت شام Guys (ایک جلد۔ پیرس ۱۸۵۵ء

شام Kairallak (رسالہ۔ پیرس ۱۹۱۲ء

صوبۂ بغداد Habib K. Chila (ایک جلد۔ قاہرہ ۱۹۰۰ء)

موجودہ عربستان Baron d'Avril (ایک جلد۔ پیرس ۱۸۶۸ء)

ترکی کی سلافی آبادی Ubicini (ایک جلد۔ پیرس ۱۸۶۳ء)

ترکی کے سلاف Cyprien Robert (ایک جلد۔ پیرس ۱۸۶۲ء)

یورپین ترکی کی اقوام Lejeune (ایک جلد ۱۸۶۱ء)

یونانی خون کی جدید آمیزش Marino Vreto (ایک جلد۔ ایتھنس ۱۸۵۵ء)

والیکی زبان Theeman (ایک جلد۔ وینس ۱۸۷۳ء)

مقالہ بر مذہب دروزی S. de Sacy (دو جلد۔ پیرس ۱۸۳۸ء)

تاریخ کلیسا ہائے یونان و ارمنی Ricaut (ترجمہ از انگریزی از روز منڈ پیرس ۱۶۹۲ء)

مشرقی ارمنی کلیسا کی تاریخ، اعتقادات، مراسم و قوانین Dulaunier (ایک جلد پیرس ۱۸۵۵ء۔)

ڈلمیشیا۔ ایتھنس، جزائر ایونیا و مونٹ ایتھاس Stanislas de Nolhac

مونٹ ایتھاس اور اس کی خانقاہیں V. Langlois (پیرس ۱۸۶۷ء)

مشرقی مراسلت Michaud and Poujoulat (سات جلدیں ۱۸۳۳ سے ۱۸۳۵ء)

تاریخی وجغرافیائی حالات ارمینیا St. Martin (دو جلد۔ پیرس ۱۸۱۸ء)
تاریخ ارمینیہ Lazdivertzi (ترجمہ از ارمین از پرودہوم) (دو جلد پیرس ۱۸۶۴ء)
سسلی میں فرانسیسوں کا قتل عام ذمہ داریاں واقعات ووثائق M. Mouchegh
(رسالہ۔ اسکندریہ ۱۹۰۹ء)
ترکی میں اصلاحات اور عیسائیوں کی مخالفت (۱۶۷۳ سے ۱۹۰۴ء) A. Schopoff
(پیرس ۱۹۰۵ء)۔
بلغاریہ اور یونان کا بالائی کلیسا۔ گمنام (رسالہ قسطنطنیہ ۱۸۶۰ء)
افتراق اور کیتھولک بلغاریہ (۱۸۶۰ء) ر
بلغاری مسئلے کی حقیقت (۱۸۶۰ء) ر
مسیحی بلغاریہ Baron d'Avril (پیرس ۱۸۶۷ء)
مقالہ بر معاشی تاریخ ترکی من ابتدائے عہد محمد ثانی عہد حاضرہ Belin
(پیرس ۱۹۰۳ء)۔
لیوان کے معاہداتی بندرگاہوں میں فرانسیسی اختیارات Feraud-Giraud (۲ جلد پیرس ۱۸۶۶ء)
شرائط متعلقہ حوالگی ایضاً (رسالہ۔ لائنس ۱۸۶۳ء)
مقالہ بر حقوق اہل یورپ در ترکی و مصر Gavillot (پیرس ۱۸۷۳ء)
عثمانی عدل بمقابلہ دول غیر A. Mandelstam (ایک جلد پیرس ۱۹۱۱ء)
عثمانی عدالت کی اصلاح کے بارے میں Count Leon Ostrorog (پیرس ۱۹۱۲ء)
لیوان میں فرانسیسی اثر E. Lamy (پیرس)
مسائل آسٹریا ہنگری و مسئلہ شرق Rene Henry
کوہ بوہیمیا سے خلیج فارس تک ر ر
آسٹریا ہنگری کے جنوبی سلافی علاقے Viscount de C. de St. Aymour
بلقان اور ایڈریاٹک Albert Dumont
ایک مشرقی وفاق کے ذریعے مسئلہ شرق کا حل A Latin (ایک رسالہ ۱۹۰۰ء)
بوڑھا فرانس اور نوجوان جرمنی G.Goyan
ترکی واقع ایشیا کی عرب قوم میں بیداری۔ نجیب آوزی۔

مسئلہ عرب سنہ ۱۹۰۹ء Martin Hartman
دول یورپ و بغاوت عرب Eugene Jung (پیرس سنہ ۱۹۰۶ء)
عیسائی اور مسلمان Ludovic de Contenson (پیرس سنہ ۱۹۰۷ء)
اصلاحات در ترکی موقوعۂ ایشیا " " (سنہ ۱۹۱۳ء)
سلطنت عثمانیہ میں اہل یورپ اور وہ جوان کی حفاظت میں ہیں Pierre Arminjon
(دو جلد سنہ ۱۹۰۳ء)
غیر مسلم عثمانی رعایا کا قانونی مرتبہ Count J. de. Steende Jehay
ترکی کے عثمانی قانون اراضی کے متعلق Padel and L. Steeg
لیوان میں غیر دول N. Verney and G. Dambmann (پیرس سنہ ۱۸۹۹ء)
یزیدی J. Menant (پیرس سنہ ۱۸۹۲ء)
ایشیائی ترکی Vital Cuinet (دو جلدیں پیرس سنہ ۱۸۹۶ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرھواں باب

عبد العزیز ۱۸۶۱ء تا ۱۸۶۹ء

سلطنت کی عام حالت۔ (قرہ طاغ) مانٹی نیگرو۔ جنگ ۱۸۶۲ء۔ باب عالی۔ صربستان اور رومانیہ (رومیہ) بلغراد پر گولہ باری شہزادہ کوزہ۔ فواد پاشاہ کا نظم و نسق۔ وزارت محمد رشید پاشا۔ لبنان۔ جوسف کرام۔ فساد کریٹ (قندیہ) ۱۸۶۶ء تا ۱۸۶۹ء۔ علی پاشا کا نظم و نسق۔ نہر سویز (۱۸۶۹ء)۔ لندن کانفرنس (۱۸۷۱ء)۔ محمد نسیم پاشا۔ عزیز کی معزولی اور وفات (۱۸۷۶ء)۔ مراد پنجم (۱۸۷۶ء)۔

سلطنت کی عام حالت۔ مانٹی نیگرو جنگ ۱۸۶۲ء

عزیز ۱۸۳۰ء میں پیدا ہوا اور دس سال کی عمر ہی سے عزلت نشیں ہو گیا۔ اس زمانے میں اس کی تفریح کے ذرائع صرف شکار اور بھیڑ بیں پالنے تک محدود تھے۔ گو اس کو

مشرقی زبانوں پر کامل عبور اور اسلامی علوم میں کمال کا درجہ حاصل تھا لیکن یورپ سے جن چیزوں کا تعلق تھا ان سے اُسے بالکل ناواقف رکھا گیا تھا۔ اگرچہ اس کی تخت نشینی پر اصلاح کے حامیوں کو بہت کچھ تشویش ہوئی لیکن قدیم ترکی جماعت بھیا بی کے ساتھ اس کی منتظر تھی اور ان لوگوں کو اس کی ذات سے بہت کچھ توقعات تھے۔ تخت و تاج کے وارث یک جدی کو بادشاہ ہمیشہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اپنا جانشین کرنا چاہتے ہیں۔ ابتدائی زمانے میں سلاطین اپنے قریبی رشتہ داروں کو ہمیشہ مرواڈالتے تھے۔ لیکن اسی زمانے میں اس قسم کی انتہائی تدابیر کا اختیار کرنا ممکن نہ تھا۔ اِدھر وارث تخت و تاج بھی باوجودیکہ ہمیشہ اشتباہ کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور عملی طور پر اپنے محل میں بند رکھا جاتا تھا، رعایا کے ایک حصے کو اپنا طرفدار بنانے کی کوشش کرتا تھا اور حکمران بادشاہ کے خلاف پوشیدہ سازشیں کیا کرتا تھا۔ عبدالمجید کی زندگی میں اس کا بھائی علما اور صوفیا کی زوال پذیری پر بہت کچھ ہمدردی کا اظہار کیا کرتا تھا اور نئی روشنی کے مخالف اس شاہی وارث کے مفاد سے بہت کچھ دلچسپی لیتے تھے۔ لیکن تخت پر بیٹھتے ہی اس نے محسوس کیا کہ وہ ترقی کی اس دوڑ میں پیچھے رہ جانا گوارا نہیں کر سکتا۔ اس طرح اس نے تمام متعصب لوگوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ یہ لوگ اس سے نفرت کرنے لگے اور ادھر سلطان بھی ان کی طرف سے مدافعت یا مقابلے کی معمولی سی کوشش پر بھی سختی سے کام لینے لگا۔

سلطان نے سب سے پہلے جو کام انجام دیئے ان کی غرض یہ تھی کہ رعایا کو اطمینان حاصل ہو جائے۔ ایک "خطِ شریف" (یعنی شاہی خط) میں جس میں وزیر کو مخاطب کیا گیا تھا' اس نے اپنے اس مصمم ارادے کا اظہار کر دیا کہ اصلاحات کے نفاذ کو برقرار رکھا جائے گا۔ غیر ملکوں کے سفیروں کو نہایت باقاعدہ طور پر اس امر کا اطمینان دلا دیا گیا کہ نیا بادشاہ وہی طرزِ عمل اختیار کرے گا جو اس کے پیشرو کا قائم کیا ہوا ہے۔ قید خانوں کے دروازے کھل گئے اور مرحوم سلطان کے وزرا کے سیاسی مخالفوں کو رہا کر دیا گیا۔ جن لوگوں پر رعایا نے غبن اور رشوت ستانی کے الزام لگاتے تھے ان کے خلاف عدالتی کارروائی عمل میں لائی گئی۔ ان کو ملازمتوں سے برخاست کر دیا گیا

اور ان کی عام طور پر تشہیر کی گئی۔ عبد المجید کے حرم کو منتشر کر دیا گیا اور سلطان نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ صرف ایک بیوی پر اکتفا کرے گا۔

تخت نشین ہونے کے بعد عبد العزیز نے رضا پاشا کے علاوہ اپنے بھائی کے تمام وزیروں کو بحال رکھا۔ اور رضا پاشا کی جگہ نامق پاشا کو مامور کیا۔ کچھ روز کے بعد محل کی ایک سازش کی بنا پر وزیر اعظم محمد قبرسلی پاشا نے جو وزارت علی پاشا کے سپرد کر دی (۶ر اگست)۔ کریمیا کی لڑائی کے خوشگوار نتائج اور خط شریف (دستور اساسی) کے مندرجہ فیاضانہ دعووں کے باوجود سلطنت کی حالت نہایت نازک تھی۔ مالیات کی بد نظمی، خزانے کی تہیدستی، جس کی وجہ سے سلطنت کے کاروبار میں رکاوٹیں پیدا ہوتی تھیں، سلافی صوبہ جات کی بغاوت، جس سے جزیرہ نما کی تمام عیسائی آبادی کے بغاوت میں شریک ہو جانے کا خطرہ تھا، مسئلۂ لبنان جو ملتوی کر دیا گیا تھا مگر جس کا تصفیہ اب تک نہیں ہوا تھا، اور ہرزیگوینا (?) اور مالڈووا و لاشیا کی خود مختاری حاصل کرنے کے لئے کھلم کھلا جد و جہد، یہ تمام ایسے مسائل تھے جن کی طرف فوری توجہ مبذول کرنے کی ضرورت تھی۔

سلطنت عربستان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کے بعد، جو دوشن کی موت اور اور اس کے بیٹے اوروش کے قتل کا پیش خیمہ تھی، ایک البانی امیر سی پاشا نے قلعہ سکاویر پر قبضہ کر لیا تھا اور زیٹا کو مغلوب کر کے اپنے اقتدار کو کٹارو تک بڑھا لیا تھا۔

پاشا، سردار باشائیدس پرووالنس کے مشہور و معروف خاندان کا ایک رکن تھا، جس نے چارلس آف انجو کی ہمرکابی میں اول سسلی میں اور پھر البانیا میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ یہ لوگ بیرنس بوے لو، شہزادہ ہائے اورانج، وائی کاونٹس آف مارسیلز، کاونٹس آف ان ٹیس کے گیوٹ، کاونٹس آف اسکوٹی لیس، پرنس آف تارینٹو، کاونٹس آف ایوی لینو، اور ڈیوکس آف انڈریا تھے۔ ان کی حکومت پلوپانیز پر تھی اور یہ قسطنطنیہ کی سلطنت کے دعویدار تھے۔ پچاس سال کے دوران میں جبکہ البانیا پر انگیون پادشاہوں کی حکومت تھی، متعدد فرانسیسی سرداروں نے اس کا فی لیس تارس میں رہائش اختیار کر لی تھی اور پیٹروس کے

شریف خاندانوں سے روابط قائم کرلئے تھے۔ باشا، برٹرینڈ ڈیس باکس[1] کے ایک چھوٹے لڑکے کی اولاد اور اپنی پیڑھی میں پہلا شخص تھا۔ اس نے البانیا میں استحکام حاصل کرلیا اور اپنی وفات پر اپنی وسیع سلطنت جو انٹی نیگرو اور خلیج سقوطری کے دونوں کناروں، اور مقبوضات بری پر مشتمل تھی اپنے تینوں لڑکوں کے لئے چھوڑ گیا۔

از سر نو کیتھولک مذہب اختیار کرنے کے بعد، جس کو چھوڑ کر ان کے دادا نے یونانی افتراقی اصول کو دوشان کے زمانے میں اختیار کرلیا تھا۔ باشا کے بیٹوں نے، شاہان ہرستان سے جن کے وہ برائے نام ماتحت تھے اور البانی خاندانوں سے لڑائیاں لڑکر بہت کچھ عزت وعظمت حاصل کرلی اور ۱۳۸۵ء میں بالشیدیون نے براات، ویلونا، دُرازو اور ہرزی گووینا کے ایک بڑے حصے کو اپنے مقبوضات میں شامل کرلیا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب کہ ترک، فرانسیسی نسل کے دوکادجنی لوگوں کی دعوت پر، جو شاہان باکس کے حریف تھے، البانیا میں داخل ہوئے۔

باشا ثانی سورا کی مقاومت کی تاب نہ لاکر براات کے قریب جنگ میں ہلاک ہوگیا اور اس کے بھتیجے، جارج، کو براات اور کیسٹوریا مجبوراً ترکوں کے حوالے کردینا پڑے۔ کسووو کی لڑائی کے بعد جارج ثانی نے ترکوں کی اطاعت سے انکار کردیا۔ لڑائی کا نتیجہ مایوس کن تھا اور جارج کی جاں بخشی کے لئے وینس کی مداخلت کی ضرورت ہوئی۔ لیکن یہ امداد اس کو بہت مہنگی پڑی اور وینس کی اعانت کی قیمت میں اس کو کروٹیا، دُرازو اور سقوطری وینس کے حوالے کردینا پڑا۔ یہ آخری شاہ باکس ترکوں کو شکست دینے کے بعد ۱۴۲۱ء میں لاولد فوت ہوگیا۔

باشا ثالث کا اسٹین دے میراموں، جس کو سرنوئی ویچ کہتے تھے جانشین ہوا۔ اس کی ایک فرانسیسی خاندان سے نسبتی قرابت تھی جو لاپوئیلی میں آباد ہوگیا تھا اور جس کو باشا کے بیٹے نے زیٹا میں بلاکر سرنے گورا کی سرداری عطا کردی تھی۔ باشا کے اس جانشین کو البانیا کی بغاوت کو روکنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔　دوجمع

[1] دیوکانج۔ "قسطنطنیہ کی فرانسیسی شہنشاہی کی تاریخ"۔

ٹوپیا اور ایپریا نائش تینوں قوموں نے اپنی اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک اسکندربیگ کو اپنا سردار تسلیم کرنا نہیں چاہتے تھے۔ بیرامون کے خاندان والوں نے، مانٹی نیگرو کی سرداری حاصل کرنے کے بعد یونانی کلیسا کے عقاید اختیار کرلئے تھے۔ آئی وان سرنو ویچ، خاندان بیرامون کے سب سے زبردست بادشاہ، کے عہد میں ہوتی اور البانیا کے ان قبیلوں نے جو اب تک شاہان زیٹا کے ماتحت تھے۔ بغاوت کردی۔ اس زمانے سے لے کر آج تک سرنیگوری باشندگان سربستان اور کیتھولک عقیدہ رکھنے والے اہل البانیا ایک دوسرے کو نہایت نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے قطعاً علحدہ ہوگئے ہیں۔ آئی وان نے ایک مدت تک ترکوں کی مدافعت کی لیکن ۱۴۸۵ء میں یہ محسوس کرکے کہ آیندہ مدافعت کرنا قطعاً ناممکن ہے اور خاصکر البانی خاندانوں کی بغاوت کے بعد اس نے اپنے دارالحکومت آیاب لیاک کو جلا دیا اور سرنیگورا کی پہاڑیوں میں واپس ہوکر سِتنجی میں سکونت اختیار کرلی۔

ان مصائب کا ایک حد تک سدباب کرنے کی غرض سے ایک قومی مجلس عامہ نے بالآخر یہ قانون پاس کیا کہ: "جنگ کے زمانے میں کوئی مانٹی نیگرن اپنے ترک سردار کی اجازت کے بغیر میدان جنگ کو چھوڑ کر نہیں جاسکے گا جو لوگ میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں گے ان کو ہمیشہ کے لئے ذلیل اور رسوا کردیا جائے گا وہ جلاوطن کردئے جائیں گے اور زنانہ لباس پہن کر ان کے ہاتھوں میں روئی کی پونیاں دے دی جائے گی اور ان کو بزدل اور غدار تصور کرکے عورتیں روئی کی چھڑیاں لے کر ان کا تعاقب کریں گی"۔ یہ گویا پیش خیمہ تھا باشندگان مانٹی نیگرو کی اس جنگ کا جو آج تک جاری ہے۔ وہ کبھی اس جنگ میں فتحیاب ہوے اور کبھی ان کو شکستیں ہوئیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے کبھی مسلمانوں کی اطاعت قبول نہیں کی۔ اور آل عثمان کو ان ناہموار پہاڑوں میں جہاں آزادی کی پرستش کی جاتی ہے کبھی پاؤں جمانے نصیب نہیں ہوئے۔

جارج پنجم سرنوویچ اپنی بیوی کے لئے ریناڈو وریا کی خاطر جو سرنے گورا کی دیہاتی زندگی کی عادی نہیں ہوسکتی تھی تخت سے دست بردار ہوگیا (۱۴۹۹ء) اگر کے بے رے ریس پر اعتبار کیا جائے تو میرامون خاندان کے آخری نام لیوا نے

حالت الحاد میں اپنی زندگی کا خاتمہ کیا۔ اپنی اراضی کو دوبارہ حاصل کرلینے کی توقع میں وہ مسلمان ہوگیا اور استنبول میں اس کی موت واقع ہوئی۔ جو کچھ بھی ہو اس کے بیٹے بہرحال عیسائی مذہب پر قائم رہے۔ ان میں سب سے بڑا بیٹا قسطنطین ایک خاندان کا مورث اعلیٰ بنا جس کا نام سترھویں صدی میں دنیا سے بالکل مٹ گیا۔ دوسرا بیٹا۔ سالومن لاولد فوت ہوا تیسرا لڑکا ایلی ہنگری کے میٹکوا خاندان کا مورث اعلیٰ ہوا اور اسی خاندان میں ارسینی ثالث، آئی پک کا بطریق پیدا ہوا۔

جارج پنجم کے تخت سے دست بردار ہونے کی وجہ سے حکومت میٹروپولیٹن (ولادیکا) کے ہاتھوں میں چلی گئی اور اس خاندان میں ایسی حکومت کا آغاز ہوا جس میں ذات خداوند کو اصلی شہنشاہ تسلیم کیا جاتا ہے اور عہدہ داران کلیسا اس کے نائب مانے جاتے ہیں۔ ۱۶۲۳ء میں، ڈیوک ڈی نیورس کے ایک صلیبی لڑائی کے ترتیب دینے کی ادھوری اور ناکام کوشش کے تین سال بعد، سلیمان پاشا کے حکم سے ایک ترکی فوج سنجی تک آ پہنچی اور اس جگہ ایک گیریزن قائم کرکے لوگوں سے خراج وصول کیا۔ مانٹی نیگرنس نے ایسے پہاڑوں پر جن پر چڑھنا قریب قریب ناممکن تھا، خندقیں کھودلیں اور یہاں سے برابر ساٹھ سال تک ترکوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ ۱۶۹۶ء میں ایک نئے ولادیکا خاندان کے ورود نے، جو ڈے نیلو پٹروچ کا خاندان تھا، مانٹی نیگرو کے لئے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ ڈے نیلو نے ۱۷۰۲ء میں ایک قتل عام کے ذریعے سے سرسیکورا کو قطعی طور پر آزادی دلادی اور اس طرح مانٹی نیگرو کو ترکوں سے جو ملک میں آباد ہوگئے تھے بالکل پاک کردیا ساتھ ہی مرستان کے ان باشندوں کا بھی قلع قمع ہوگیا جو عیسوی مذہب سے منحرف ہوگئے تھے۔ اس قتل کی رات سے ایک ایسے دور کا آغاز ہوتا ہے جو پوری اٹھارویں صدی میں شعلہ افگن رہا اور آج بھی اسی طرح جاری ہے۔ یہ ایک ایسا دور تھا جس میں شان وشوکت کے حیرتناک منظر پیش آئے اور جس میں دلیری اور جرات کے ایسے ایسے کام کئے گئے جو اس سے پہلے کبھی نہیں سنے گئے تھے۔

مارٹنولیو کی لڑائی جو ترکوں اور مانٹی نیگرو والے کے درمیان سب سے بڑی لڑائی تھی اور جس میں کہا جاتا ہے کہ بیس ہزار ترک ہلاک ہوئے ڈے نیلو کے

زمانے میں واقع ہوئی (۱۷۱۱ء)۔ روس اور مانٹی نیگرو کے مابین ایک سال قبل تعلقات قائم ہو چکے تھے۔ ۱۷۱۰ء کے اواخر میں پیٹر اعظم نے کاونٹ مساوا ولادی ساویش کے مشورے کے مطابق، ترکوں کے خلاف ایک معاہدۂ اتحاد قائم کیا۔ اس روز سے مونٹی نیگرو ایک حیثیت سے ماسکو کا ایک پرگنہ بن گیا۔ ولادیکی باشندے مذہبی تقدس کے لئے سینٹ پیٹرس برگ جانے لگے۔ اور زار کے وظیفہ خوار بن کر وہ اپنے نہایت اہم افعال و اعمال کو اس کے سامنے پیش کرنے کے خوگر ہو گئے۔ پیٹر اول کے طویل زمانۂ بادشاہی میں (۱۶۸۲ء تا ۱۷۲۵ء) روس کا اثر اس حد تک عادی ہو گیا کہ ولادیکا کی رعایا اس کے خلاف زار روس کے سامنے شکایتیں پیش کرنے لگی۔ ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ پکا عیسائی نہیں ہے اور یہ کہ وہ عورتوں کی خانقاہوں کی تعداد بڑھانے کی کوشش نہیں کرتا۔ پیٹر اول نے اپنی بریت ثابت کرنے کے لئے رگوسا کی روسی کونسل کے سامنے سر نیاز خم کر دیا اور اس نے اس اختیار قانونی کے خلاف، جو روس کے مطلق العنان بادشاہ نے ناجائز طور پر حاصل کر لیا تھا، کوئی احتجاج نہیں کیا۔ پیٹر ثانی نے نیکیا اور پلیمنا سے آزادی حاصل کر کے اقتدار مطلق حاصل کر لیا۔ یہ ولادیکا جبل اسود کی عظیم ترین تاریخی ہستی ہے۔ "کبھی وہ اپنی فوج کی کمان پر اس حیثیت سے نظر آتا ہے کہ تلوار ہاتھ میں ہے اور تمام جنگی محاسن کی زندہ نظیر لوگوں کے سامنے پیش کر رہا ہے۔ کبھی وہ ایک پجاری اور مبلغ کی حیثیت میں نظر آتا ہے صلیب اس کے ہاتھ میں ہے اور اپنے وحشی رفیقوں کو لوگوں پر رحم کرنے کی تلقین کر رہا ہے۔ کبھی وہ ایک سنگدل جج بنا ہوا ہے اور مجرموں کو اپنے سامنے سزائیں دلوا رہا ہے یا بے لوث سردار بنا بیٹھا ہے اور لوگوں کی نوازشوں کو جن کے ذریعے سے وہ اس کی آزادی کو سلب کرنا چاہتے ہیں، نخوت کے ساتھ ٹھکرا رہا ہے"[1]۔

دو صدی تک اس مذہبی بادشاہی کی عظمت کو پیٹرو وچ خاندان نے قائم رکھا اور چچا کے بعد بھتیجا اس عظمت کا علمبردار بنتا رہا۔ پیٹر ثانی کی موت پر

[1] Fridey & wlahovity　Le Montenegre

اس کے بھتیجے ڈے نی لو نے مذہبی اعزازات کی پروانہ کرکے اور ڈارنکا کوچ کے عشق میں بری طرح گرفتار ہوکر خاص خاص سرداروں سے استرضا اور روس کی منظوری کے بعد، مذہبی اقتدار کا دنیوی اقتدار سے تبادلہ کرلیا بشپ کا عہدہ بہرحال شاہی خاندان کے ارکین یا ان کی غیر موجودگی میں ملک کے کسی شریف ترین خاندان کے لئے مخصوص کردیا گیا۔ باب عالی کو، جو سرنیگورا کا دعویدار تھا، یہ امر ناگوار گذرا اور عمر پاشا کو حملہ کرنے کا حکم دیا گیا (۱۸۵۲ء)۔ تین مہینے کی شدید جنگ کے بعد جس میں ترکوں کے ساڑھے چار ہزار سپاہی مقتول، پانچ ہزار مجروح اور (۳۱) ملین پیاسٹر کا نقصان ہوا، آسٹریا اور روس کی مداخلت کی بنا پر سلطان کو جنگ ملتوی کردینی پڑی (مارچ ۱۸۵۳ء)۔ ڈے نی لو نے اپنے آباواجداد کی پالیسی کے خلاف، روس کے مقابلے میں مانٹی نیگرو کے مفادات پر زیادہ توجہ کرنی شروع کردی اور آسٹریا سے روابط بڑھانے چاہیے۔ اور روس کی تحریکات اور اپنی رعایا کی بغاوتوں اور لعن وطعن کے باوجود، کریمیا کی لڑائی میں وہ غیر جانب دار رہا۔

پیرس کانگریس کے موقع پر جب باب عالی نے یورپ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ سرنیگورا پر ترکوں کا اقتدار تسلیم کرلیا جائے تو ڈے نی لو نے دول کے نام ایک یادداشت ارسال کی جس میں اس نے مانٹی نیگرو کی سیاسی خودمختاری کے تسلیم کئے جانے، ہرزی گونیا اور البانیا کی جانب اپنی سرحدوں کی توسیع اور اپنے حدود کے صحیح تعین کا مطالبہ کیا۔

انیتواری کی حوالگی:[1]

[1] ۱۷۹۹ء کے ایک ایکٹ میں جو سلطان سلیم ثالث نے بعبارت ذیل نافذ کیا تھا سرنیگورا کی خودمختاری کو کامل طور پر تسلیم کیا گیا ہے:۔ "ہم سلطان سلیم امیر لمعان وغیرہ اپنے وزرا، بوسینیا، ہرزی گودینا، البانیا، اور مقدونیہ کے، جو مانٹی نیگرو کے ملحقہ صوبہ جات ہیں، پاشاؤں اور قاضیوں کو مطلع کرتے ہیں کہ اہل مانٹی نیگرو نے باب عالی کی اطاعت کبھی قبول نہیں کی ہے تاکہ ہماری سرحد پر ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور ہمیں توقع ہے کہ وہ بھی ہماری رعایا کے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں گے۔"

ستنجی کے مقام پر ولادیکا، پیٹر ثانی اور بوسنیا اور ہرزی گودینا کے پاشاؤں کے نمائندوں کے مابین

یورپ کے مدبروں نے شاید یہ خیال کرکے کہ انسان کے ساتھ وہی سلوک کیا جاسکتا ہے جو سامان تجارت کے ساتھ کیا جاتا ہے ڈے نی لو کی استدعا کے جواب میں اسے باب عالی کی اطاعت قبول کرلینے کا حکم دیا۔ اس کے معاوضے میں انھوں نے ہرزی گووینا میں بعض قطعات ڈے نی لو کو اس شرط کے ساتھ دیدینے پر رضامندی کا اظہار کیا کہ عشر وصول کیا جائے، ڈے نی لو کا وظیفہ مقرر ہو جائے اور اس کی حیثیت مشیر کی سی سمجھی جائے اور یہ کہ اہل مانٹی نیگرو کو تمام بندرگاہوں پر آنے کی عام اجازت عطا کی جائے۔ ترکی نے سرحد پر فوج کے ایک دستے کو متعین کرکے اس تجویز کی عملی طور پر تائید کی۔ ڈے نی لو نے پیرس، وائنا، اور سنیٹ پیٹرس برگ سے اپیل کی مگر ہر جگہ ناکامی ہوئی۔ صرف فرانسیسی حکومت نے اس معاملے میں کچھ دلچسپی کا اظہار کیا اور ڈے نی لو سے وعدہ کیا کہ بطائف الحیل مانٹی نیگرو کی خود مختاری کو برقرار رکھنے کی کوشش کی جائے گی۔ جنگ ۱۳ مئی ۱۸۵۸ء کو شروع ہوئی۔ ۱۳ تاریخ کو حسین پاشا نے گراہووو کے مقام پر مرکو پیٹرووچ، ڈے نی لو کے بھائی کے ہاتھوں شکست کھائی اور اس کی فوج کے تین ہزار آدمی مارے گئے اور تمام توپیں دشمن کے قبضے میں چلی گئیں۔ دول کی مداخلت نے مزید مصروفیتوں کو روک دیا۔ حالات بدستور قائم رہے اور مانٹی نیگرو کو صرف یہ فائدہ ہوا کہ ایک بین الاقوامی کمیشن کے ذریعے سے، جس میں یورپ نے اس کے نمایندوں کو بھی شرکت کی اجازت دی تھی، اس کے حدود مشخص کر دیے گئے۔ ۱۳ اگست ۱۸۶۰ء کو کیٹرو کے مقام پر ڈے نی لو قتل کر دیا گیا اور اس نے صرف ایک لڑکی چھوڑی۔

اس کا بھتیجا، نکولاس پیٹرووچ، جو فاتح گراہووو کا بیٹا تھا، ڈے نی لو کا جانشین ہوا اور اس نے سلطنت کا کاروبار اپنے باپ، مرکو، کے سپرد کر دیا۔ گراہووو کی لڑائی نے عثمانی سلطنت کے سلیوین صوبوں کی رعایا کی امیدوں کو تازہ کر دیا تھا چنانچہ ہرزی گووینا نے جس کو باشی بازوک نے پامال کر ڈالا تھا، جس کو ایک کے بعد

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- جو معاہدہ ۲۰ اگست ۱۸۵۳ء کو منعقد ہوا تھا اس کے فقرہ (۵) میں صراحت ہے کہ "مانٹی نیگرو کی خود مختار حکومت اور بوسنیا اور ہرزی گووینا کے پاشاؤں کے باہمی تعلقات پر امن ہوں گے"

دوسرے بجے نے اپنی ستم رانیوں سے کچل ڈالا تھا اور جس کو صدیوں کی فلاکتوں اور مصیبتوں نے عاجز کردیا تھا، آخرکار اب بغاوت کردی۔

اہل مانٹی نیگرو، اس موقع پر ڈے نی لو کی پالیسی سے مجبور ہوکر اس شورش کا تماشہ دیکھتے رہے۔ لیکن جب دلیر مرکو نے اپنے بیٹے کے نام سے زمام حکومت اپنے ہاتھوں میں لی تو مانٹی نیگرو والوں کو ترکوں کے مقابلے میں اپنی قدیم نفرت وعداوت سے کام نکالنے کا موقعہ مل گیا۔ والنٹیروں کے بےشمار گروہ اپنے برادران ہرزی گووینا کی امداد کے لئے جھپٹے اور قلعہ ستورینا اور نک سچ پر قبضہ کرنے میں ان کی مدد کی۔ باب عالی نے مانٹی نیگرو کی سرحد پر طلایہ گرد دستے قائم کردئے اور اپنے بیڑے کو ایڈریاٹک کے بندرگاہوں کی ناکہ بندی کا حکم دیدیا۔ مرکو نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور باوجودیکہ وہ برابر اپنی غیرجانبداری کا اعلان کرتا رہا مگر اس نے (نہایت مکاری کے ساتھ) فوجیں جمع کرلیں جس سے عثمانی سپہ سالار کو بہت کچھ تشویش پیدا ہوگئی۔ باب عالی نے سرنیگورا کو ہتھیار رکھدینے کا حکم دیا اور ادھر سے انکار ہونے پر اس کی سرحدی ناکہ بندی کا اعلان کردیا۔ اور ۱۸۶۲ء کے موسم بہار میں عمر پاشا نے ساٹھ ہزار جانبازوں کو ساتھ لے کر جبل اسود پر حملہ کردیا مانٹی نیگرو دو شلقوں پر مشتمل ہے جو چوٹی کی طرف سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ وادی بیلو پیویچ جہاں سے شمال و مغرب اور جنوب مغرب میں نکیچ اور اسپز کے قلعوں کی نگرانی کی جاتی ہے، ان کو ایک دوسرے سے ملاتی ہے۔ دو فوجیں درویش پاشا اور عابدی پاشا کے ماتحت وادی بیلوپیویچ اور تنگنائے دوگا پر قبضہ کرکے ان اطراف کے وسط میں ایک دوسرے سے مل جانے کی غرض سے ان مقامات کی طرف روانہ ہوئیں ایک تیسری فوج حسین اوتی پاشا کی ماتحتی میں، دشمن کی توجہ کو اپنے طرف جلب کرلینے کی غرض سے بعدا میں داخل ہوکر اس تدبیر کی کامیابی کے تیقن کے لئے متعین کی گئی۔ حسین اوتی پاشا، لن کو عبور کرتے وقت، شکست کھاکر نہایت بدنظمی کے ساتھ قلعہ اسپز کی طرف پسپا کردیا گیا اور دو [illegible] تک درویش پاشا اور عابدی پاشا، جن کو مرکو نے آگے بڑھنے سے روک دیا تھا، ایک انچ زمین پر بھی قبضہ حاصل نہیں کرسکے۔

درویش پاشا نے بالآخر نہایت ہوشیاری کے ساتھ اپنی فوجوں کو آگے بڑھایا اور تنگنائے دوگا کا چکر کاٹ کر ترکی فوج کو آسٹرلگ پر لے آیا۔ پیٹرو دکورچ نے گولیا اور اور کالوکو پر دشمن کو روکنے کی ناکام کوشش کی۔ اس کی فوجوں کو ہزیمت ہوئی اور مرکو کو دونوں طرف سے گھر کر عمر پاشا کی پوری فوج سے مقابلہ کرنا اور بالآخر مجبوراً پسپا ہونا پڑا۔ ترک اپنی فتح کو تندہی کے ساتھ آگے بڑھانے کے بجائے بیلو ہو یچ کو تاخت و تاراج کرنے میں مصروف ہو گئے۔ اور انھوں نے گانوؤں میں آگ لگادی، بار آور درختوں کو کاٹ ڈالا اور جنگلوں اور فصلوں کو جلا ڈالا۔ مرکو نے اس مہلت سے اچھی طرح فائدہ اٹھایا اور عثمانی فوج لاگراچ اور کوکوئی پر شکست کھاکر مراچہ کی طرف پسپا ہوگئی۔

صورت حال اب تک خطرناک تھی۔ یورپ کی حکومتوں نے اس موقع پر اس چھوٹی سی قوم کی، جو اس قدر بہادری کے ساتھ حصول حریت کے لئے اپنی جانیں قربان کر رہی تھی، مایوسانہ التجاؤں پر کوئی اعتنا نہیں کیا۔ وینیسی حکومت نے اپنی دورخیہ پالیسی پر کاربند ہوکر، ترکوں کے حق میں اپنی غیر جانب داری کو فسخ کر دیا۔ انگلستان کی ریاکار حکومت، ان مظالم کے قصے سن سن کر جو بورڈرس اور بیلو ہیو یچ میں جاری تھے، باغ باغ ہوگئی اور برطانیہ کے انسانیت دوست یہ خبریں سن کر مسرور ہو گئے۔ اور لارڈ پالمرسٹن نے پارلیمنٹ میں اعلان کر دیا کہ "یہ انگلستان کے لئے باعث تحسین و آفرین ہے کہ سلطانی فوجیں باغیوں کا قلع قمع کر رہی ہیں"۔ فرانس اور روس صلح کے متعلق ان مبہم وعدوں پر مطمئن ہوکر بیٹھ گئے جو فواد پاشا نے کئے تھے۔ اور اس طرح نہایت نیک نیتی کے ساتھ خود بخود فریب میں مبتلا ہو گئے۔ صرف ایک حکومت نے اس موقع پر مانٹی نیگرو کی حقیقی طور پر حمایت کی اور وہ پوپ کی حکومت تھی۔ بصارت مقدس (The Holysees) نے سب سے پہلے یورپ میں یونانی لڑائیوں کی ہمت افزائی کی اور ان پر اپنی برکتیں نازل کیں۔ اسی نے پھر ان عیسائیوں کی بلالحاظ اس کے کہ ان کا کس فرقے سے تعلق ہے، امداد کی جو اپنے مذہب کی آزادی کے لئے اسلام سے برسرپیکار تھے۔ ویٹی کان کھنڈے نے جس کی

دنیوی طاقت سلب کر لی گئی تھی، سرزیگورا کے مظلوم عیسائیوں کی طرف اپنا دست شفقت پھیلا دیا اور ایک پسندیدہ فرمان پاپائی البانیہ کے اسقفوں کے نام جاری کیا جس میں اس ملک کے تمام کیتھولک عیسائیوں کو مانٹی نیگرو کے خلاف ترکوں کی حمایت میں ہتھیار اٹھانے کو ممنوع قرار دے دیا لیکن پوپ کی قائم کی ہوئی اس اعلیٰ مثال کی تقلید نہیں کی گئی اور ہمیں ہم نے سلیوین عیسائیوں کی اسی طرح مادی طور پر امداد کرنے کے بجائے جیسی کہ ہمیں ہفتم نے یونان کی کی تھی، صرف اخلاقی امداد کی اور یہ امداد آل عثمان کی توپوں اور سنگینوں کو روک نہیں سکتی تھی[1] عمر پاشا، اپنی ابتدائی تدابیر میں تعدیل کر کے، سرنوشی و جیکا۔ ریکا پر حملہ آور ہوا۔

اور مانٹی نیگرو والوں پر، جن کے پاس توپیں نہیں تھیں، غالب آ گیا۔ مرکو نے اب ایک آخری کوشش اور کی۔ ۲۳ راگست کو ریکا کے مقام پر اس نے ترکوں پر حملہ کر دیا اور انسان جس حد تک بہادری اور دلیری سے کام لے سکتا ہے، مرکو نے اس موقع پر اسی قدر بہادری اور دلیری سے کام لیا۔ جنگ برابر کی نہ تھی۔ ترکوں نے اہل مانٹی نیگرو کو کچل کر رکھ دیا۔ عمر پاشا کو سٹنجی[2] کی طرف پیشقدمی کرنے کی فرصت مل گئی۔ ڈپلومیسی اب نیند سے چونکی اور ۳۱ راگست کو صلحنامے پر دستخط ثبت ہو گئے۔

عمر پاشا کی پیش کی ہوئی شرطیں نہایت سخت تھیں اور ان کا مقصد یہ تھا کہ مانٹی نیگرو ہمیشہ کے لئے باب عالی کا دست نگر بن جائے۔ مرکو کو ریاست میں رہنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ترکی کو یہ حق حاصل ہو گیا کہ وہ سقوطری سے ہرزی گو وینا تک جو سڑک جاتی ہے اور جو سرزیگورا کو طے کرتی ہے، اس پر

---

[1] لے تورمان۔ ترک اور اہل مانٹی نیگرو۔

[2] عثمانی برقی مراسلوں میں جو بیان کیا گیا ہے وہ درست نہیں ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ترک سٹنجی میں داخل ہی نہیں ہو سکے۔ یہاں آنے کے لئے عمر پاشا کو مرکو اور ووکوٹچ سے ایک دوسری لڑائی لڑنی پڑتی۔

جہاں جہاں چاہے قلعے تعمیر کرے اور ان میں محافظ فوجیں متعین کردے۔ ترکوں کے شریفانہ سلوک کے متعلق یہ کہنا پڑتا ہے کہ انھوں نے "سیفت جبل اسود" مرکو کے اخراج پر اصرار نہیں کیا۔ دوسری شرط کے متعلق باب عالی کا مطالبہ اٹل تھا۔ سینٹ پیٹرزبرگ کے دارالوزرا نے اس مطالبے کے خلاف بہت کچھ غل شور مچایا مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ عثمانی حکومت نے فوراً ایک حصار کی تعمیر شروع کردی۔ آسٹریا اور فرانس کی طرف سے اس کے انہدام کا مطالبہ کیا گیا اور ۳ مارچ ۱۸۶۳ء کو وزیر اعظم نے پرنس نکولاس کے سامنے یہ اعلان کیا کہ سلطان معاہدہ سقوطری کے فقرہ ۲ سے اس صریح شرط کے ساتھ دست بردار ہو جائے گا کہ جس سڑک پر قلعے تعمیر کئے جانے والے تھے وہ ہمیشہ کھلی رہے اور یہ کہ نکولاس کی حکومت ان تمام مسافروں کو تاوان ادا کرے جن کا اس سڑک پر کسی قسم کا نقصان ہو۔ مانٹی نیگرو نے اس تجویز کو فوراً منظور کرلیا لیکن جون ۱۸۶۴ء تک ترکوں نے اس قلعے کو منہدم نہیں کیا جس کو وہ تعمیر کرچکے تھے۔ اس کا بدلہ ترکوں نے اس طرح کیا کہ خود اپنی سرحد پر انھوں نے ایسے مقام پر ایک جدید قلعہ تعمیر کرلیا جہاں سے مانٹی نیگرو کے علاقے پر گولہ باری ہوسکتی تھی۔ مانٹی نیگرو کی شکست کے ساتھ ہرزیگووینا نے بھی جس کو اپنی احمقانہ بغاوت کا بہت بری طرح خمیازہ بھگتنا پڑا، اطاعت قبول کرلی۔
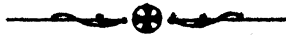
باب عالی۔ صربستان اور رومانیہ۔ بلغراد پر گولہ باری۔ شہزادہ کوزہ

صربستان کے تخت پر بیٹھ کر آبرینووچ کو دوبارہ اس کپ جینا کے ووٹ کی قیمت ادا کرنی پڑی، جنھوں نے ۱۸۰۶ء میں اپنا موروثی تخت و تاج آبری نووچ کے خاندان کو دے دیا تھا۔

متعدد معاہدوں کی بنا پر ترکوں کو بلغراد، سمندریہ، سکود، اوجیزا، فتح اسلام
اور شاباز کے چھ سربین قلعوں میں حفاظتی فوجیں رکھنے کا حق حاصل ہو گیا تھا۔
سنہ ۱۸۳۰ء کے معاہدے کی رو سے ان چھ قلعہ بند مقامات کے باہر مسلمانوں کا
قیام ممنوع قرار دے دیا گیا اور بقیہ تمام علاقہ شاہی حدود میں داخل ہو گیا۔ ترکوں
نے بہرحال ان شرائط کی کبھی پابندی نہیں کی۔ بلغراد میں انھوں نے عیسائی
آبادی کے ایک پورے محلے پر قبضہ کر لیا اور پاشا، جو قلعہ کا سالار عسکر تھا،
گرد و نواح کے معاملات میں ہمیشہ مداخلت کیا کرتا تھا۔ جو ترکی باشندے مواضعات
میں سکونت رکھتے تھے انھوں نے سربستانی قوانین کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔
سربین گورنمنٹ نے ام۔ گیراچینین کو اپنی شکایتیں باب عالی میں پیش کرنے کی
غرض سے قسطنطنیہ بھیجا مگر یہ سفارت بار آور نہ ہوئی۔ اور اس کا صرف یہ نتیجہ نکلا کہ
ترکی نے اسی مسئلے پر ایک مشترک کمیشن میں غور کرنے کا موہوم سا وعدہ کر لیا۔
ہرزی گووینا اور مانٹی نیگرو کی بغاوتوں نے دیوان کے دل میں یہ خوف پیدا کر دیا تھا کہ
سربستان بھی اپنی باری پر میدان بغاوت میں اتر آئے گا لہذا اس نے باشی بازوک
لوگوں کے بے شمار قبیلے سرحد پر جمع کر لیے اور ان کے متواتر حملوں اور روز مرہ
کی غارتگریوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ لڑائی کے خواہشمند ہیں۔ ۱۶ دسمبر سنہ ۱۸۶۱ء
کو علی پاشا نے سربستانی سفیر کو بہ حیثیت عثمانی کمشنر سعید آفندی کی نامزدگی کی اطلاع دی۔
لیکن اس نے ام۔ رس تیچ کے کوششوں کے باوجود استنبول کو نہیں چھوڑا۔ صورت حال
روزانہ پیچیدہ تر ہو رہی تھی، عیسائیوں اور مسلمانوں میں روزانہ فساد ہو رہے تھے اور
دونوں فریقوں کا غصہ اپنے انتہائی نقطے پر پہنچ چکا تھا۔ ۱۰ جون سنہ ۱۸۶۲ء کو بالآخر
وہ حادثہ پیش ہی آ گیا جس کا خطرہ تھا۔ ایک ترکی سپاہی نے ایک بے جرم سربین
کو جو ایک چشمے سے پانی لے رہا تھا صرف اس قصور پر قتل کر ڈالا کہ اس نے
اس بعد میں آنے والے ترکی سپاہی کو پہلے پانی بھر لینے سے روک دیا تھا۔ ایک
سربستانی جنداری نے، جو اپنے ہم وطن کی امداد کے لیے فوراً آ پہنچا تھا، قاتل کو
گرفتار کر لینا چاہا۔ ترکی پولیس کے ایک سپاہی نے، جو اس جگہ متعین تھا، قید کر کے
سربستانی پولیس کے اس ترجمان کو ہلاک کر دیا۔ بلغراد کے باشندے فوراً مسلح ہو گئے

اور ترکی "کورڈی گاڈی" (دستۂ حرس) کے سپاہیوں پر، جو شہر میں ادھر اُدھر پھر رہے تھے، حملہ کر کے اکثر کو جبراً گرفتار کر لیا۔ وزیر اعظم، گیراچینین نے بہر حال فسادیوں کو مطمئن و منتشر کر دیا۔ اور ترکی قیدی صربستانی فوج کے ایک دستے کی حفاظت میں قلعے روانہ کر دیئے گئے۔ لیکن قلعے کے نشیبی پشتے کے قریب پہنچتے ہی، جہاں اُن کے لئے کوئی خطرہ نہیں تھا، ترکی سپاہیوں نے اپنے محافظ دستے پر گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ اب بلوے کو فرو کرنا ناممکن تھا۔ شہر میں ہر طرف مورچے قائم کر دئے گئے، جو قلعے کے دروازے تک پھیلے ہوئے تھے۔

ان رکاوٹوں کے باوجود صربستانی وزرا اور پاشا کے مابین نہایت عجلت کے ساتھ گفت و شنید عمل میں لائی گئی۔ ایک تحریری معاہدے کو قونسلوں کے زیر صدارت مرتب کیا گیا اور یہ تصفیہ ہوا کہ ترکی سپاہی چوکیوں کا تخلیہ کر دیں۔ گیراچینین نے اس کے مقابلے میں قلعے میں داخل ہونے تک ان کی حفاظت کا وعدہ کیا اور اس امر کی ذمہ داری لی کہ مسلمان باشندوں کے جان و مال کی حفاظت کی جائے گی۔ اہل صربستان نے اس معاہدے کے شرائط کی سچائی کے ساتھ پابندی کی لیکن جب ترک اور ان کے اہل و عیال قلعے کی فصیلوں کی پناہ میں حفاظت کے ساتھ پہنچ گئے تو بلغراد پر شدت کے ساتھ بم برسنے لگے۔ اقوامی حقوق کے اس نقض نے یورپ کی پبلک کو بیدار کر دیا اور فرانس نے ان ماتم خیز مناظر کے اعادے کو روکنے کی غرض سے قسطنطنیہ میں ایک کانفرنس کے انعقاد کی تحریک کی۔ یہ مسئلہ بہر حال، اس وجہ سے بار آور نہ ہو سکا کہ، ترکی حکومت کے خارجی قونصلوں کو کانفرنس میں شریک ہونے سے اس بناء پر روک دیا گیا کہ ان کی شرکت سے ترکی اقتدار زائل ہو جائے گا۔ کانفرنس کے جلسے نہایت طوفان خیز تھے۔ آسٹریا نے (جس کے قونصل ام۔ واسیچ نامی متعینہ بلغراد کے متعلق یہ قوی شبہہ تھا کہ اس نے پاشا کو اس دھواں دھار گولہ باری کے لیے جس پر باب عالی کی طرف سے اظہار افسوس اور تمام دول کی طرف سے اظہار ملامت کیا گیا" اکسایا تھا) اس موقع پر صربستان کی کھلم کھلا مخالفت کی۔

اور امن عامہ کی حمایت کروں گا"۔ چند لموں کے بعد، مجلس کے منتشر ہوتے ہی، امم کاٹار ج کے سر میں دو گولیاں آ کر لگیں اور وہ اسی جگہ گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔

بادشاہ اور پارلیمنٹ کے اختلافات نے اب ایک قطعی صورت اختیار کرلی۔ فریقین ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔ مجلس (پارلیمنٹ) پرنس کے استیصال کی تیاریاں کرنے لگی اور پرنس کانسٹی ٹیوشن (دستوریت) کو بدل دینے اور ڈکٹیٹرشپ (آمریت) قائم کر دینے کی فکر میں مشغول ہو گیا۔ وقف شدہ خانقاہوں کے مسئلے نے کچھ مدت کے لئے پرنس اور قومی نمایندوں کو ایک دوسرے کا شریک و سہیم بنا دیا لیکن وطن پرستی کا یہ اشتراک و اتحاد زیادہ مدت تک قائم نہیں رہا۔

فنے نے ریاتس کے پنجے سے آزاد ہو کر، جنھوں نے ان ریاستوں کی دولت اور ان کا خون چوس لیا تھا مالدو ولاشینس مذہبی املاک کے از سر نو مدعی بن گئے، جن پر یونانی راہبوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ ان املاک کی آمدنی سے فنار کے بطریقوں کے خزانے بھرے جا رہے تھے اور یہ موقوفہ خانقاہوں کے نام سے دراصل بیت المقدس، مونٹ ایتھاس اور سینا کی ملک تھیں۔ یوروپین کمیشن نے، جو ۱۸۵۸ء میں اس مسئلے کے متعلق تحقیقات کی غرض سے قائم کیا گیا تھا۔ اپنی رپورٹ میں حسب ذیل امور کا تذکرہ کیا:—

"آسٹریا، فرانس، برطانیہ عظمیٰ، پروشیا، اور سرڈینیا کے کمشنر، صورت حال کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد، حسب ذیل واقعات کو قابل اعتنا تصور کرتے ہیں:— خانقاہوں سے جو جائدادیں ملحق ہیں ان کا سب سے پہلا مقصد یہ تھا کہ ان خانقاہوں سے جن فرقوں کا تعلق ہے ان کی امداد کی جائے۔ اور ملک میں خیراتی اور اوقافی کاموں کے لئے ذرائع مہیا کئے جائیں۔ اور یہ صرف ان جائدادوں یا املاک کی زائد آمدنی تھی جو مقامات مقدسہ کے ضروریات کے لئے کام میں لائی جاتی تھی۔ ان میں کی بعض خانقاہیں، تعمیر کے بعد، اپنے بانیوں کے ہاتھوں نہیں بلکہ دونوں ریاستوں کے حکمرانوں کے ہاتھوں وقف کی گئی تھیں، جنھوں نے ان خانقاہوں کی غیر اخلاقی حالت اور ان کی ملحقہ املاک کی بدنظمیوں پر نظر کر کے، ان کو ایک قانون اوقاف کے ذریعے سے ایسی خارجی خانقاہوں کی

نگرانی میں دے دیا تھا جو نیک نام تھیں۔ ان کا مقصد متعلقہ فرقوں کے ضروریات رفع کرنے اور ایسے خیراتی کاموں کی تکمیل کے لئے، جو ان کے بانیوں نے لازمی قرار دے دیئے تھے، مزید ذرایع مہیا کرنا تھا۔ اور ان امور کی تکمیل پر شاید قوانین اوقاف میں بھی، جو مقامات مقدسہ کی خانقاہوں کی زیر نگرانی ایک کتاب کی صورت میں از سر نو جمع کیئے گئے ہیں، زور دیا گیا تھا۔

لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ اس کتاب کے بعض فقروں میں (valaque) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جس کے معنیٰ وقف کے ہیں لیکن اس لفظ کا ترجمہ ہدیہ کیا گیا ہے اور اسی لئے لفظ "ہدیہ" سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے جس کو پیش نظر رکھ کر یہ کام انجام دیا گیا تھا۔ کمشنروں کو اس امر کا یقین ہے کہ وہ اس امر کے مجاز ہیں کہ موقوفہ خانقاہوں کے اموال کو ایک ایسی مذہبی جائداد تصور کریں جو مالدو و لاشین ملک کی ملک ہے اور جس سے خالص مقصد یہ ہے کہ مقامی خیراتی کاموں کا سر انجام کیا جائے اور صرف ضمنی طور پر مقامات مقدسہ کی خانقاہوں کو امداد پہنچائی جائے۔

اپنی رپورٹ کے آخر میں "موجودہ ناگوار صورت حال کو رفع کرنے کی غرض سے، جس نے قومی آراضی کا آٹھواں حصہ اجنبیوں کے قبضے میں دے دیا ہے" نمایندوں نے سفارش کی کہ موقوفہ خانقاہوں کا مال ومتاع مالدو ولاشین حکومت کو دے دیا جائے اور اس کے معاوضے میں سالانہ کچھ رقم مقرر کر دی جائے۔ روس نے اس فیصلے کی مخالفت کی اور باب عالی نے افسے نے ریاستی کی التجا پر اپنے ذاتی اغراض ومفاد کو نظر انداز کر کے روس کی حمایت کی۔ ۱۸۵۸ء کی کانفرنس نے بطریق اور دونوں ریاستوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اس امر کے متعلق آپس میں دوستانہ طریقے پر کوئی تصفیہ کریں۔ ساتھ ہی ساتھ کانفرنس نے اس امر کا بھی اعلان کر دیا کہ کچھ مدت کے بعد یہ مسئلہ ایک ثالث کے سپرد کر دیا جائے گا۔ جس کو بہ استرضاءِ دول باب عالی نامزد کرے گا۔ یہ سوال بہر حال جوں کا توں ہی رہا اور ۱۸۶۳ء میں پرنس کوزا نے مستقل طور پر ایک رائے قائم کر کے، موقوفہ خانقاہوں کے مال ومتاع کو ضبط کر کے ریاست کے خزانے میں

منتقل کر دینے کا قطعی حکم دے دیا۔ قسطنطنیہ کے بطریق نے اس ڈکیتی پر بہت شور مچایا۔ روس نہایت غرور کے ساتھ بطریق کی حمایت پر تیار ہو گیا۔ اور انگلستان اور آسٹریا کو اپنا ہم آہنگ بنا کر باب عالی کو اس امر پر مجبور کیا کہ پرنس کو ضبطی کے منسوخ کر دینے کا اُن صریح الفاظ کے ساتھ حکم دیا جائے کہ اگر اس کی تعمیل نہیں کی گئی تو عثمانی فوجیں رومانیہ پر قبضہ کر لیں گی۔

فرانس نے ان طریقوں کی مخالفت کی اور روسی سازش کو درہم برہم کر دیا۔ لیکن باب عالی نے پرنس کوزا کے قائم کئے ہوئے اتحاد کو، جو ہر غیر جانب دار جج کے نزدیک معقول تھا، منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن فنار کے بطریق کے نزدیک معقولیت کی مہملیت سے زیادہ وقعت نہیں تھی، اور جو چیز وہ تمام دوسرے خیالات کو بالائے طاق رکھ کر حاصل کرنا چاہتا تھا، وہی اس کے مظالم کی اصلی بنا تھی۔ اس نے طرح طرح کی ترکیبوں سے باب عالی کو پرنس کی درخواستوں کے منظور کرنے سے باز رکھا۔ جس نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ عثمانی حکومت راہبوں کی طرف سے جو اس کی رعایا ہیں عمل پیرا ہو کر اس مسئلے کا رومانیہ کی حکومت کے ساتھ تصفیہ کرے۔ پرنس کوزا نے اب ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ ۱۲ ستمبر ۱۸۶۳ء کو اس نے باب عالی کو اطلاع دی کہ مقامات مقدسہ کی خانقاہوں کو یکمشت چوراسی ملین ترکی پیاسٹر، صرف خیراتی کاموں میں صرف کرنے کے لئے ادا کئے جائیں گے۔ یہ رقم ترکی، دول، اور رومانیہ کی تحویل میں رکھی جائے گی اور اس رقم سے جو جو کام کئے جائیں گے ان کے متعلق خانقاہیں ہر سال باقاعدہ طور پر حساب پیش کریں گی۔ رومانی حکومت نے اس رقم کے علاوہ دس ملین پیاسٹر اپنی طرف سے ہر فرقے سے تعلق رکھنے والے عیسائیوں کے لئے ایک شفاخانہ اور ایک مدرسہ تعمیر کرنے کی غرض سے دیئے۔

علی پاشا نے اس تجویز کے متعلق گفت وشنید کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا لیکن یونانی راہبوں نے اس سے انکار کر دیا۔ ۲۴ دسمبر کو رومانی ایوان نے تمام رومانی خانقاہوں کو عام اس سے کہ وہ موقوفہ ہوں یا غیر موقوفہ ملک ڈینیوبی بنانے کے متعلق فیصلہ کر دیا۔ اِدھر بطریق نے بھی جس کی تمام آمدنی

موقوفہ خانقاہوں کے اعمال و افعال پر مبنی تھی، پرنس کوزا کی تدبیروں پر پانی پھیر دینے کی غرض سے، سازشوں، بد اخلاقیوں اور عیاریوں میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ روس اور باب عالی اس معاملے میں اس کے وکیل تھے اور دیوان نے اپنے باجگزار پر یہ بات ظاہر کردی تھی کہ وہ اس قانون "دنیوی" کو بالکل ناجائز تصور کرتا ہے۔ انگلستان، آسٹریا، اور پروشیا ایک بے جا فعل کو برقرار رکھنے کے لئے، جس کی نمایاں ناانصافی کو انھیں کے نمایندے پہلے تسلیم کرچکے تھے، روس کے شریک حال ہوگئے۔ لیکن فرانس اور ایطالیہ نے باب عالی کے احتجاج کی تائید کرنے سے انکار کردیا، بلکہ فرانس نے یہ اعلان بھی کردیا کہ وہ رومانیہ کے خلاف تمام قسم کی جبریہ کارروائیاں اختیار کئے جانے کا مخالف ہے۔ علی پاشانے جو ہمیشہ سے اس مسئلے کے مصالحانہ تصفیے کا موید تھا، مارکوئس دی ماسٹیر اور سر ہنری بلور سے مشورہ کرنے کے بعد تاوان کی رقم کو ڈیڑھ سو ملین پیاسٹر قرار دیا۔ رومانیہ کی حکومت نے اس کو منظور کرلیا مگر یونانی راہبوں نے علی پاشا کو جواب دیا کہ "کسی صورت میں بھی ان کا ضمیر اور ان کے مذہبی رسوم و روایات اس بات کی اجازت نہیں دیں گی کہ وہ کلیسا کی بیدخلی یا کسی قسم کے تاوان کو قبول کریں" (۲۰ ستمبر ۱۸۶۴ء) یونانی راہبوں کے ہاتھ سے بہر حال موقع نکل گیا اور رومانیہ ان کی دستبرد سے صاف بچ گیا۔ ۲۶ مئی کے ایک منظور شدہ قانون نے میٹراپولیٹن اور (Dixesan) (مطرانی اور اضلاعی) اسقفوں کی نامزدگی کا اختیار پرنس کو دے دیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ ان اسقفوں کو مذہبی جرائم کا قومی سنود (National Svnod) کے سامنے اور غیر مذہبی جرائم کا کورٹ آف کے سے شن کے سامنے جوابدہ قرار دیدیا گیا تھا۔ ۱۳ دسمبر ۱۸۶۵ء کو رومانیہ کے سب سے پہلے قومی سنود نے اپنا پہلا اجلاس منعقد کیا اور اس امر کی تصدیق کردی کہ کلیسائے رومانیہ قسطنطینیہ کے جزرس بطریق کے احاطۂ اختیار سے قطعاً باہر اور بالکل خود مختار ہے۔

بادشاہ اور ایوان کے مابین یہ یکسانی اور ہم آہنگی بہر حال قائم نہ رہ سکی۔ پرنس نے، جس کو زراعت پیشہ طبقے میں بہت زیادہ ہردلعزیزی

حاصل تھی، آخر کار ایوان کی باقاعدہ اور مسلسل مخالفتوں سے تنگ آکر فوری اور جبریہ پالیسی اختیار کرلی اور ۱۴ر مئی ۱۸۶۴ء کو مجلس وضع قوانین برخاست کردی گئی۔ ایک انتخاب کا قانون، جو زیادہ تر جمہوری اصول پر مبنی تھا، نافذ کردیا گیا اور ایک عام رائے دہندگی کے ذریعے جس میں سات لاکھ، تیرہ ہزار دو سو پچاسی موافق، ستاون ہزار مخالف، اور ستر ہزار غیر جانب دار ووٹ آئے۔ موجودہ دستور ملکی میں ترمیم کردی گئی۔ کچھ لیس وپیش کے بعد باب عالی نے بھی اس ترمیم دستوری کو منظور کرلیا، اور رومانیہ کے اندرونی نظم ونسق میں ترمیم وتنسیخ کے حق کو، حکومت اعلیٰ کے امتزاج کے بغیر، تسلیم کرلیا۔ بادشاہ نے ڈکٹیٹرشپ (آمریت) کے فرائض اپنے اختیار سے خود اپنے ذمے لے لئے تھے اور وہ اصلاحات کو بہت جلد ملک میں نافذ کر کے اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے بہت جلد ملک میں حسب ذیل اصلاحیں نافذ کردیں: قانون روستایاں (۲۶ر اگست) کے ذریعے سے اس نے جبریہ مزدوری کے طریقہ کو منسوخ کردیا اور کسانوں کو موقع دیا کہ وہ زمینیں اپنی ملک میں لے آئیں، اوزان وپیمانہ جات کا اعشاری آئین، دیوانی اور سول میریج کے قوانین کا نفاذ، جبریہ تعلیم، ضابطۂ دیوانی (جو کوڈ نپولین کی نقل تھی)، فوجداری امور میں جوری کا تقرر، فوجی اور صنعتی مدرسوں اور شفاخانوں کی تعمیر، اور زرعی نمائشوں کا قیام عمل میں لایا گیا اور ان سب چیزوں نے مل کر رومانیہ کو اس قعر مذلت سے نکال لیا جس میں فینیریاٹس کے ظلم وتشدد اور روس کی سازشوں نے اسے ڈھکیل دیا تھا۔ لیکن محاصل کے اضافوں، پبلک فنڈس کے انتظامات کی خرابیوں، اور مالی زبوں حالیوں نے جو پرنس کے متوسلین کی پیدا کی ہوئی تھیں رفتہ رفتہ ان تمام ملکی خدمات کو لوگوں کے دلوں سے محو کردیا جو پرنس نے انجام دئے تھے۔ بغاوتیں شروع ہوگئیں اور ان کو نہایت سختی کے ساتھ فرو کیا جانے لگا۔ یہ حالت دیکھ کر باب عالی نے فوراً ایک خفگیں یادداشت بکدش (Bucharest) کو روانہ کی:-

اگر واقعی شکایت کے جائز اسباب موجود ہوں تو ایسی صورت میں یور ہائی نس کا تمام معقول اور منصفانہ امور میں، جس حد تک کہ قانون اجازت دیتا ہے

مالدووولاشین قوم کی خواہشیں پوراکرنے کے ذرائع اور تدابیر اختیار کرنا، کوئی عاجلانہ فعل نہیں ہوسکتا، سلطان المعظم اور ان کے حلفائے اعظم اس بات کو بے اعتنائی سے نہیں دیکھ سکتے کہ صرف مادی قوت کے بل پر ملک میں امن و امان قائم رکھا جائے" اس مراسلت کا بہر حال کوئی نتیجہ نہ نکلا اور پرنس اور فواد پاشا کے مابین چندے مراسلت کے بعد یہ معاملہ دبادیا گیا۔(۱۹ر نومبر ۱۸۶۵ء)۔

پرنس کوزا کے فتوح زیادہ مدت تک نہ رہ سکے۔ ۲۲ر و ۲۳ فروری ۱۸۶۶ء کی رات کو فوجی سازشیوں کی ایک جماعت نے جس کا سرغنہ صحیفہ نگار اوزبیٹی، رومانول کا ڈپٹی اور ڈائرکٹر، تھا، پرنس کو محل میں داخل ہوکر یکایک گھیر لیا، اور اس کو تخت سے دست بردار ہوجانے پر مجبور کیا۔ تخت وتاج کاؤنٹ آف فلانڈرس کے سپرد کردیا گیا۔ دول کے نمایندوں نے، جن کے دستخط ۱۸۵۶ء کے معاہدے پر ثبت تھے، پیرس میں ایک کانفرنس منعقد کی (۱۰ر مارچ) اور روس کے علاوہ سب نے بالاتفاق اتحاد کو برقرار رکھنے کی رائے دی مگر ساتھ ہی ساتھ غیر ملکی بادشاہ کے انتخاب کی مخالفت بھی کی۔ رومیہ والے بہر حال اپنے ارادے پر قائم رہے اور ۱۹ر اپریل کو پروشیا کے شاہی خاندان کے ایک رکن، پرنس چارلس آف ہوہن زولرن کو رومیہ پر حکومت کرنے کی غرض سے طلب کرلیا گیا۔

فواد پاشا کا نظم ونسق

جس زمانے میں عیسائی قومیں، جن کو ترکوں نے ابتداءً مغلوب کرلیا تھا، ہر جگہ سر اٹھا رہی تھیں، دولت علیہ عثمانیہ تنظیم جدید کے وقت طلب کاروبار میں مصروف تھی اور اپنے مالی مشکلوں کا، جن پر اس کے مستقبل کا دارومدار تھا، مقابلہ کررہی تھی۔

علی پاشا کی وزارت بہت تھوڑے زمانے تک قائم رہی لیکن اس نے اپنے اس قلیل المدت نظم ونسق کو، ایطالیہ کی حکومت کو تسلیم کر کے اور فرانس اور انگلستان کے ساتھ ایک تجارتی معاہدے کی تکمیل سے، بہت کچھ ممتاز و ممیز بنا لیا تھا۔ برطانوی اثر اس کے زوال دولت (نومبر ۱۸۶۱ء) اور فواد پاشا کے علوئے مرتبت کا باعث تھا۔

فواد پاشا، مولائے عزت کا بیٹا تھا، جو ایک سربرآوردہ شاعر تھا اور جس نے محمد ثانی کے عہد میں بحالت جلاوطنی، ایشیائے کوچک میں داعی اجل کو لبیک کہا تھا۔ فواد پاشا شاہی مدرسۂ طبیہ کا طالب علم تھا اور اس نے سنہ ۱۸۳۰ء کی مہم میں، جو طرابلس اور باربرہ کے عربوں کی بغاوت فرو کرنے کے لئے اختیار کی گئی تھی، فوجی ڈاکٹر کے فرائض انجام دئے تھے۔ لیکن یہ ترقی کی منزلیں اس کی بلند حوصلگی کے لئے کافی نہیں تھیں وہ بہت جلد اپنے ان خدمات سے دست بردار ہو کر باب عالی کے دارالترجمہ میں داخل ہو گیا۔ ۱۸۴۸ء کے واقعات نے اس کو چمکا دیا۔ افلاک ولوغدانی (Moldo-Wallachian) سفارت میں اس نے روسی سفیر، بیرن ڈی بڈبرگ، کا مقابلہ کیا اور اس کی کامیابی نے اس کی سیاسی قابلیتوں کو اور بھی نمایاں کر دیا اس نے مختلف حیثیتوں سے اہم امور انجام دئے تھے ایک تو وزیر خارجہ کی حیثیت سے (جس سے وہ ۱۸۵۲ء میں مستعفی ہو گیا تھا) دوسرے کمشنر دولت مقیم تھسلی کی صورت سے تیسرے پیرس کانگریس کے ترکی وزیر اور ۱۸۶۰ء میں لبنان کے قتل عام کے وجوہ کی تحقیقات کرنے والے افسر کی حیثیت سے، اور بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ہر حیثیت میں اس نے اپنی فراست وذکاوت کا درخشاں ثبوت دیا تھا۔ اپنے خیالات کی ایک طرح کی آزادی اور وسعت پر اس کو ناز تھا، وہ اپنے خاص انداز میں اصلاحات کا حامی تھا، اور اپنی کامیابی کے لئے جو ذرائع اختیار کرتا تھا ان میں احتیاط سے کام نہیں لیتا تھا اور اس طرح اپنے اعلیٰ اور ارفع حوصلوں کی تکمیل کے لئے اس نے ایک ایسی قابلیت پیدا کر لی تھی جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

وہ آزادی کے ساتھ اپنے حسب منشا حکومت کرنا چاہتا تھا، چنانچہ سلطان سے اس نے اپنے برادر نسبتی قپودان پاشا محمد علی کی علیحدگی کا فرمان حاصل کرلیا۔ رفتہ رفتہ اس کے خود مختارانہ طرز عمل نے سلطان کو بہت کچھ پریشان کردیا اور آخر کار ۱۸۶۳ء میں اسے مجبوراً علیحدہ ہوجانا پڑا۔ نوروز پاشا جو اب کابینہ قائم کرنے کے لئے طلب کیا گیا تھا، بار وزارت کو سنبھال نہ سکا اور اس لئے قلمدان وزارت کامل پاشا (Kiamil Pasha) کے سپرد کردیا گیا جو عالی مصر کا داماد تھا۔ علی پاشا کا وزارت خارجہ اور مصطفیٰ فاضل پاشا کا وزارت مالیہ پر تقرر کردیا گیا اور فواد پاشا کو مجلس معدلت کا صدر بنادیا گیا اور اس کے کچھ دنوں بعد ہی اس کی وزارت حربیہ پر ترقی ہوگئی۔ یہ صورت حال بہت دنوں تک قائم نہیں رہی۔ اور جون ۱۸۶۳ء میں فواد پاشا نے دوبارہ وزارت عظمیٰ کا منصب جلیلہ حاصل کرلیا، ساتھ ہی ساتھ وزارت حربیہ بھی اسی کی نگرانی میں رہی، جس پر اس نے اپنے ایک آوردے، حسین اوانی پاشا کا تقرر کردیا تھا اور یہ شخص عمر پاشا کا دشمن تھا۔

مالی مسائل کو ترکی حکومت میں ہمیشہ سے تقدم اور اولیت کا مرتبہ حاصل تھا، اور ۱۸۵۶ء میں ایک مسلم مورخ نہایت شدومد کے ساتھ مالیات کی بدنظمیوں اور سرکاری رقموں میں نہایت ہی دنائت آمیز تغلبوں کی ماتم سرائی کرچکا تھا۔ محمد ثانی نے مسلسل لڑائیوں کی پیدا کی ہوئی شدید ضرورتوں کو رفع کرنے کی غرض سے، مجبوراً کاغذی سکہ رائج کردیا تھا۔ جنوری ۱۸۳۰ء میں بتیس ۳۲ ہزار کے بانڈ، جو آٹھ سال میں واجب الادا تھے، اور جن پر آٹھ فیصدی سود لگایا گیا تھا، جاری کئے جاچکے تھے۔ یہ اجرائیاں پے در پے نہایت عجلت کے ساتھ عمل میں آنے لگیں اور بالآخر سود موقوف کردیا گیا۔ اپنے عہد سلطنت کے آغاز میں عبدالمجید نے کاغذی سکے، کو جو ترکی کی مالی ترقیات میں حارج ہورہا تھا منسوخ کردینا چاہا، لیکن قریم کی لڑائی اور حرم کے اسراف میں، ۱۸۵۵ء کا حاصل کیا ہوا قرضہ صرف ہوچکا تھا اور اس طرح گویا خزانے کی بدنظمیاں مکمل ہوچکی تھیں۔ ترکی نے یوروپین سرمایہ داروں سے اپیل کرنے کی کوشش کی، لیکن فرانس اور انگلستان کے

ضمانت دینے سے قطعی طور پر انکار کر دینے کی بنا پر اور مائرس لون (Mires loan) کی ناکامیابی کی وجہ سے ترکی کو فوری تدابیر اختیار کرنی پڑیں۔ اس کی پورا کرنے کے لئے، ایک ہزار دو سو ملین پیاسٹر کا ایک جدید کاغذی سکہ رائج کیا گیا (۱۸ اپریل ۱۸۶۱ء)۔ ہر شخص اس نئے کاغذی سکے کے قبول کرنے پر مجبور تھا اور صرف کروڑگیری کا محکمہ اس سکے کو مسترد کر دینے کا مجاز تھا۔ دو سو پچاس ملین پیاسٹر سے مضروب سکے کا کام لیا گیا، جو اصل سرمایہ کے دو ثلث کے مساوی تھا اور اس رقم کو یورپ کے ساتھ شرح مبادلہ کو قائم رکھنے کے لئے محفوظ کر دیا گیا تھا۔ بقیہ رقم کو (۱) سابقہ اجرائیوں اور (۲) سنہ ۱۸۶۰ء دور سنین ماضیہ کی بقایا کے ادا کرنے کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔ اور یہ تصفیہ کیا گیا کہ تکمیل اجرائی تک، جو مارچ سنہ ۱۸۶۲ء میں ہونے والی تھی، تیس ملین پیاسٹر صرف قسطنطنیہ میں استعمال کئے جانے کے لئے اور ڈیڑھ سو ملین پیاسٹر، دوسرے مقامات میں تقسیم کئے جانے کے لئے سونے اور چاندی کے سکوں کے معاوضے میں مشروط طور پر رائج کر دئے جائیں گے جو مہران ڈیڑھ ملین کاغذی پیاسٹر کی پشت پر لگائی گئی تھی اس میں مارچ ۱۸۶۲ء سے قبل ان کو رائج کرنے کی صاف طور پر ممانعت کر دی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ انتظامات اس قدر ہوشیاری کے ساتھ کئے گئے تھے کہ محصول ادا کرنے والوں کو اس قرضے کے متعلق کچھ زیادہ پس و پیش کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ کاغذی سکہ اٹھارہ سال کے زمانے میں رفتہ رفتہ واپس لے لیا جانے والا تھا اور اس کے لئے یہ صورت اختیار کی گئی تھی کہ ہر سال مالگزاری میں سے ساڑھے سات سو ملین پیاسٹر مائرس لون کی کفالت کے لئے علیحدہ کر لئے جائیں گے۔

ترکی کا یہ خیال تھا کہ اس انتظام سے تمام خرابیوں اور مالی زبوں حالیوں کی تلافی ہو جائے گی مگر نتیجہ توقع کے خلاف نکلا۔ سلطان نے ۲۰ جنوری ۱۸۶۲ء کے ایک فرمان (hatt) میں جو وزیر اعظم فواد پاشا کا موسومہ تھا، اس صورت حال کو تسلیم کر لیا اور فواد پاشا کو مالیات میں اصلاح کرنے کا حکم دیا۔

---

[1] تقریباً دو سو تراسی ملین فرانک۔

ساتھ ہی ساتھ اس کو سلطنت کی تمام مالگزاری کا ڈائرکٹر جنرل بھی بنادیا۔ نوادیا نشانے اپنی ایک قابل ذکر رپورٹ (۶ر فروری) میں تمام پوست کندہ حالات سلطان کے ملاحظے میں پیش کئے:۔

"کاغذی سکے، جس کی قدر حقیقی کے مساوی کوئی اور چیز نہیں ہے ساکھ قائم رکھنے کا صرف ایک مصنوعی ذریعہ ہے اور یہ شرح تبادلہ کی قدر میں تخفیف کرنے کے مساوی ہے۔ اس کی وجہ سے تجارتی تعلقات میں متواتر ہیجان پیدا ہوتے رہتے ہیں، جن کا ردعمل ریاست کی ساکھ (credit) پر شروع ہوتا ہے اور جو ہمیشہ ریاست یا پبلک اور بعض اوقات دونوں کے لئے تباہ کن نتائج پیدا کردیتے ہیں۔

اس امر میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ یورپی کی حکومت کے لئے کاغذی سکے کا رواج، صحیح مالی طریق عمل نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک خطرناک فوری ذریعہ ہے، جو شدید ضرورتوں کے موقعوں پر استعمال کیا جاتا ہے۔"

کاغذی سکے (نوٹ) کی قیمت تیزی کے ساتھ گھٹنے لگی۔ ترکی پونڈ کی قیمت ساڑھے تین سو کاغذی پیاسٹر ہوگئی۔ اور حکومت نے اس کو واپس لے لینے کا فیصلہ کرلیا۔ ۷ر جون کے ایک فرمان میں حکم دیا گیا کہ:۔

۱۔ کاغذی سکے کو کامل طور پر واپس لے لیا جائے۔

۲۔ مختلف نظم و نسق کے اثنا میں جو قرضے حاصل کئے گئے تھے ان کو بیباق کردیا جائے۔

۳۔ ایک موازنہ شایع کیا جائے جس میں جمع و خرچ تفصیل وار درج ہو اور موخرالذکر میں تخفیف کی جائے۔

ترکی حکومت نے باہر سے کسی نہ کسی طرح آٹھ ملین پاؤنڈ اسٹرلنگ کا قرضہ حاصل کرلیا اور یکم جولائی اور ۱۳ر ستمبر کے درمیان اس رقم کے ذریعے سے تمام کاغذی سکے واپس لے لئے گئے (۱,۰۰۰,۹۰۷,۷۰۲ پیاسٹر) تاجی نل ولیو پر بشرح چالیس فی صدی بصورت سکہ مضروب اور ساٹھ فیصدی بصورت رقم مجتمعہ بہ قیمت مساوی (at par) ان لوگوں کو ادا کئے گئے جن کے پاس کاغذی سکے تھے؛

لیکن اس کے باوجود بھی بہت زیادہ رقوم کا ادا کرنا باقی رہ گیا اور یہ رقم بھی کم پڑ گئی۔ سلطان نے ماہانہ پانچ ہزار کیسے جو سول لسٹ کے محفوظ سرمایہ کا کام دیتے تھے، قطعاً بند کر دئے اور بیگمات کو جو رقم ادا کی جاتی تھی اس میں کم کر دینے کا حکم دے دیا (۱۳ فروری ۱۸۶۳ء)۔ ایک بنک کے قیام سے جو فرانسیسی اور انگریزی سرمایہ داروں کے تعاون سے قائم کیا گیا تھا، گورنمنٹ کو بنک کے بانیوں کی وساطت سے آٹھ ملین پاؤنڈ اسٹرلنگ کا مزید قرضہ حاصل کرنے کا موقع دے دیا۔ منجملہ اس رقم کے چھ ملین پونڈ قرض کے لئے محفوظ کر دئے گئے اور بقیہ رقم سے پرانے خراب شدہ سکوں کی واپسی کا کام لیا گیا۔ مختلف سررشتوں میں حسب ذیل تخفیفوں کی بنا پر، وزیر مالیہ، مصطفےٰ فاضل پاشا کو تینتالیس ہزار کیسوں کی بچت دکھانے کا موقع مل گیا :۔ سول لسٹ ساٹھ ہزار کیسے۔ حربیہ ایک لاکھ اکتیس ہزار۔ بحریہ پینتیس ہزار، داخلہ اٹھارہ ہزار۔ خارجیہ تین ہزار تین سو۔ تجارت ڈھائی ہزار۔ تعلیمات دو ہزار چار سو۔ پولیس چھ ہزار مالیہ پچیس ہزار۔ اس کے علاوہ اس نے حسب ذیل تجویزیں بھی پیش کیں :۔

۱۔ قسطنطنیہ میں مکانات پر ٹیکس لگا دیا جائے۔

۲۔ مکانات اور آراضی (حقیقی جائداد) سے جو مقررہ لگان حاصل کیا جاتا ہے اور جو وقف ہے، اس میں امکنۂ مقدسہ کے اخراجات سے (جن کا تعلق اسی وقف سے ہے) تناسب قائم کر دیا جائے۔ اس صورت میں خزانہ اس قابل ہو سکے گا کہ جو چالیس ہزار کیسے سالانہ وقوف کے مرکزی انتظامات کے لئے ادا کئے جاتے ہیں ان کو تعمیرات و تعلیمات کے سررشتوں میں منتقل کر دے۔

۳۔ سائرات اور غیر واجب محاصل میں اصلاح کی جائے تاکہ رعایا دیوانی کے مظالم سے، جو اس کے لئے بہت سخت ہیں، نجات پا سکے اور اسی کے ساتھ ساتھ سلطنت کی مالگزاری میں بھی اضافہ ہو جائے

۴۔ تمام سلطنت کی بعجلت ممکنہ پیمائش کی جائے۔

اس صورت میں ہم اس قابل ہو سکیں گے کہ ان ناانصافیوں اور تصرفات بیجا کو واضح کر دیں جن سے تعین محاصل کے مواقع پر کام لیا گیا ہے۔

اور ہمیں موقع مل جائے گا کہ غریب اور نادار طبقے کا بوجھ ہلکا کردیں، امیر اور دولتمند طبقے کو ان کی دولت کے تناسب سے پبلک اخراجات میں حصہ لینے پر مجبور کریں اور مالگزاری کی حقیقی مقدار متعین کر لیں"[1]

بدقسمتی سے فواد پاشا نے، سلطان کی خدمت میں زیادہ رسوخ حاصل کرنے کی غرض سے، اس کی فضول خرچیوں کی بہت کچھ تعریف و توصیف کی اور اسے اس امر کا موقع دے دیا کہ وہ اپنے بیجا اسراف کا تباہ کن سلسلہ جاری رکھے۔ عبدالعزیز نے یہ دیکھ کر اپنے پہلے ارادوں کو پھر اپنے دل میں جگہ دے دی اور باقاعدہ طور پر تین شادیاں کرنے کے علاوہ ایک حرم بھی قائم کر لیا جس میں رفتہ رفتہ نو سو عورتیں اور تین ہزار خواجہ سرا، حاجب، کوچبان، ملاح وغیرہ جمع ہو گئے۔ محلات شاہی میں روزانہ پانچ سو دسترخوان بچھتے تھے اور ہر دسترخوان پر بارہ قسم کے کھانے چنے جانے لگے۔ مصطفیٰ فضیل پاشا اور فواد پاشا میں جو عداوت کا پھوڑا چپکے چپکے پک رہا تھا اب وہ یکایک پھوٹ نکلا۔ یہ عداوت اس وقت سے شروع ہوئی تھی جب کہ فواد پاشا کو مصطفیٰ فاضل پاشا کے والد کی جائداد تقسیم کرنے کے لئے ثالث مقرر کیا گیا تھا۔ مصطفیٰ فاضل پاشا نے فواد پر یہ الزام لگایا تھا کہ اس نے اپنی چالبازیوں سے مصطفیٰ میں اور اس کے بھائیوں میں رنجش پیدا کر دی تھی۔ مصری شہزادے نے وزیراعظم کے مالی انتظامات سے اتفاق کرنے سے انکار کر دیا اور ایک عرضداشت سلطان کے ملاحظے میں پیش کی جس میں حکومت کی تمام برائیوں کو واضح کیا گیا تھا۔ اس عرضداشت کا لب و لہجہ ایسا تھا جس کو سننے کا سلطان عادی نہیں تھا۔ وزیراعظم کے اثرات سلطان پر حاوی ہو گئے اور مصطفیٰ فضیل پاشا کو علیحدہ کر کے، اس کی جگہ کیانی پاشا کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ (مارچ ۱۸۶۴ء)۔ مصطفیٰ قسطنطنیہ سے یکایک پیرس روانہ ہو گیا۔ باب عالی نے اس کی جائداد ضبط کر لینے کا حکم دیا لیکن فرانسیسی حکومت کی مداخلت کی وجہ سے اس حکم کی تعمیل نہ ہوئی اور مصطفیٰ دفتر محاسبی کا صدر بنا دیا گیا۔ اس

[1] رپورٹ مصطفیٰ فضیل پاشا، موسومہ وزیراعظم، مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۸۶۳ء

جدید منصب کے حصول کے بعد دونوں حریفوں میں ہمیشہ مالی مسائل پر جھگڑا ہوتا رہا۔ مصطفےٰ نے اپنے حریف کو تباہ کردینے کے لئے بارگاہ سلطانی میں باریابی کی درخواست کی اور موجودہ صورت حال کی سنجیدگی کو نہایت مہیب شکل میں پیش کیا، ساتھ ہی ساتھ ان خطرات کو بھی بہت کچھ شد و مد کے ساتھ بیان کیا جن میں سلطنت، فواد پاشا کے اعمال و افعال سے، گھر گئی تھی اور جن کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا تھا کہ سلطنت کا دیوالہ نکل جائے۔ مصطفےٰ کی بیباکانہ گفتگو نے سلطان کو ناراض کردیا اور اس کو جلا وطن کردیا گیا۔

کیانی پاشا کی رپورٹ، مورخہ ۱۹ مارچ ۱۸۶۵ء کے مطابق ۲۹/۲۲/۲۱ مارچ کو سلطنت کے پبلک قرضوں کی بیاض اکبر کی تدوین کی گئی، اس بیاض اکبر میں چالیس ملین ترکی پاؤنڈ کے عام قرضے کے اندراج، داخلی قرضہ جات عامہ کے تبادلے یعنی (Eshami- تحویلات ممتازی، اور دہ سالہ Dyeliudis) کے عام قرضوں کو بانڈ کی صورت میں منتقل کردینے کے متعلق احکام نافذ کئے گئے۔ حرم کے اسراف نے خزانے کو خالی کردیا اور یہ محسوس کیا گیا کہ بیاض اکبر میں جن رقوم کا حال میں اندراج کیا گیا تھا وہ آیندہ چھ مہینے کی تنخواہیں اور اخراجات ادا کرنے کے لئے ہرگز کافی نہیں ہوسکیں گی مجبوراً عثمانی بنک اور پیرس کے کریڈٹ موبی لیر کے توسط سے، ڈیڑھ سو ملین فرانکس کا قرضہ بشرح بارہ فی صد حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ دسمبر ۱۸۶۵ء میں جو قرضہ حاصل کیا گیا تھا وہ ادائے قرضۂ عام کی آخری سہ ماہی کے لئے بالکل کافی نہیں تھا سررشتۂ تعمیرات نے بہر حال ادھم پاشا کے زیر ہدایت اپنی مصروفیتوں کو بہت کچھ وسعت دے دی۔ طرابزون کو ارض روم سے ملا دینے کے لئے ایک سڑک اور وہاں سے روشوک تک ایک ریلوے لائن کی تعمیر شروع کردی گئی۔ دریائے طونہ کے دہانوں کی حالت بہتر ہوجانے سے تجارتی حمل و نقل میں جدید سہولتیں پیدا ہوگئیں۔ باب عالی نے اپنے دریائے طونہ کے ڈیلٹا کے حقوق ایک یوروپین سنڈیکیٹ کو اس شرط کے ساتھ دیدئیے کہ کام ختم ہوجانے پر دریا کے کناروں پر جن حکومتوں کے علاقے ہیں، ان کا ایک کمیشن نشیبی طونہ میں جہازرانی کے مسئلے کا تصفیہ اور اس پر عمل پیرا ہونے کا انتظام کرے گا۔

ہیضے کی عام وبا کے ختم ہوتے ہی، جو حاجیوں کی وجہ سے مکہ معظمہ تک پھیل گئی تھی اور جس نے بحر روم کی تمام کھاڑی (basin) کو تباہ کر دیا تھا، قسطنطنیہ میں ایک بین الاقوامی کمیشن کا اجلاس منعقد کیا گیا، جس میں ان ذرائع اور وسائل پر غور کیا گیا جن پر عمل پیرا ہو کر آیندہ اس قسم کے مصائب کا سد باب کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ ایک مجلس حفظان صحت کا قیام عمل میں لایا گیا تاکہ لزارتیس اور قرنطینوں پر نگرانی قائم کی جا سکے۔ بلدیۂ پیرا کے صدر، سرور پاشا نے ایک شفا خانہ تعمیر کیا جس میں بلا لحاظ قوم و مذہب غریب مریضوں کو داخل کرنے کا تصفیہ ہوا۔ دولت عثمانیہ نے اس شفا خانے کو سسٹرس آف چیریٹی کی نگرانی میں دے دینے میں کسی قسم کا پس و پیش نہیں کیا۔ اس شفا خانے میں جو مریض داخل کئے گئے ان میں بہر حال مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ دولت عثمانیہ کو اپنے اس فعل پر متاسف ہونے کا کوئی موقع کبھی پیش نہیں آیا اور سلطان کے اس انتخاب نے مسلمانوں کے لئے بہت کچھ تعریف و توصیف حاصل کر لی۔ اگرچہ میونسپل بجٹ میں اس شفا خانے کے لئے جو رقم محفوظ کی گئی تھی وہ بہت قلیل تھی اور اکثر واجب الادا رہتی تھی تاہم، یہ برابر چلتا رہا جس کی وجہ زیادہ تر سینٹ انسنٹ دے پال کی مذہبی عورتوں اور عام لوگوں کی خیرات تھی۔

محمد رشیدی پاشا کی وزارت۔ لبنان۔ اور جوزف کرم

فواد پاشا کے خلاف اس کے دشمنوں کا مالی معرکہ، لارڈ پالمرسٹن کی موت اور برطانوی حکومت کی خارجی پالیسی کے نئے دور نے وزیر اعظم کے زوال کو متیقن کر دیا۔ ۴ جون ۱۸۶۶ء کو محمد رشدی پاشا نے، فرانس کے زیر اثر، جو اس زمانے میں استنبول پر

حاوی تھا، ایک جدید وزارت قائم کی۔ نئے وزیر نے عثمانی قرضے کی آیندہ قسطوں کے باقاعدہ ادا کرنے کا یقین دلاکر دوبارہ ساکھ قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس نے سلطنت کے بعض صوبوں کی مالگزاری عثمانی بنک کو، سہ ماہہ ادائیوں کی ضمانت وکفالت کے طور پر، تفویض کر دی اور بنک نے اس کے بدلے میں ترکی قرضہ جات کے متعلق جتنے تمسکات تھے سب کو بیباق کر دیا۔ لیکن فوری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے نئے وزیر کو روپئے کی شدید ضرورت تھی۔ اس نے دو دفعہ قرض لینے کی کوشش کی، مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ اور اس کو مجبوراً غلطہ کے بنکروں سے چھوٹی چھوٹی رقمیں قرض لے لے کر روزمرہ کی ضروریات پورا کرنے کا قدیم طریقہ اختیار کرنا پڑا۔

سیاسی صورت حال بھی مالی صورت حال سے کسی طرح بہتر نہیں تھی۔ قرہ طاغ ۱۸۶۲ء کی مصیبت سے ابھی تک سنبھل نہیں سکا تھا اور اس لئے دولت علیہ عثمانیہ کے خلاف سر نہیں اٹھا سکتا تھا، لیکن رومیہ اور سربیہ میں سخت پیچیدگیاں پڑی ہوئی تھیں۔

پرنس چارلس آف ہوہن زولرن کے رومیہ کے تخت پر انتخاب پر باب عالی کی طرف سے احتجاج کیا گیا تھا، اور باب عالی نے دریائے طونہ کی ملحقہ ریاستوں کے اس صریح اتحاد کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن پیرس کانفرنس پرنس چارلس کے انتخاب کو منظور اور حکومت رومیہ کو تسلیم کر چکی تھی۔ دیوان نے دریائے طونہ پر فوجیں اکٹھا کر لیں لیکن قریم میں جو واقعات پیش آئے ان کی بنا پر یہ فوجیں واپس طلب کر لی گئیں، اور محمد رشدی پاشا نے شاہ رومیہ کی حکومت کو تسلیم ہی نہیں کر لیا بلکہ اس کے ساتھ شاہی اعزاز بھی روا رکھا۔ ترکوں نے اس موقع پر خراج میں جو برائے نام اضافہ کر دیا گیا تھا، اسی کو غنیمت سمجھا۔ فرانسیسی قونصلوں کے لئے یہ تصفیہ کوئی نئی چیز نہیں تھا اور واقعہ یہ ہے کہ باب عالی نے نہایت دانشمندی سے کام لیا تھا۔ اور اس کا مقصد یہ تھا کہ رومیہ کی طاقت کو بڑھا دیا جائے تاکہ وہ سلطنت اور روس کے مابین، جو لہستان (پولینڈ) کو شمال کی تین طاقتوں کی مرضی پر چھوڑ کر اس قدر حماقت شعارانہ طریقے پر تباہ ہو چکا تھا، دربند کا کام دے سکے۔

اہل رومیہ، جو دراصل لاطینی النسل تھے، پان جرمن اور پان سلیو حملوں کے مقابلے میں ایک ترقی یافتہ پاسبان کی حیثیت رکھتے تھے، اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ترکی کے لئے اس میں زیادہ فلاح تھی کہ وہ ایک تکلیف دہ باجگزار ریاست کے بجائے، جس کا وجود، جیسا کہ ۱۸۷۷ء کے واقعات سے کافی طور پر ثابت ہوجاتا ہے، خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ ایک وفادار حلیف کی حمایت حاصل کرے۔

سربیہ ستمبر ۱۸۶۵ء کے معاہدے سے مطمئن نہیں تھا اور ان چار قلعوں کے تخلیے کا، جن پر ترکی فوجیں اب تک قابض تھیں، برابر مطالبہ کررہا تھا۔ باب عالی کو اس وقت شدید مالی مشکلات کا سامنا تھا ساتھ ہی ساتھ قریم میں بغاوت برپا ہوجانے کا خطرہ بھی لگا ہوا تھا، جس کی بنا پر یونان اور ترکی میں لڑائی چھڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں دریائے طونہ پر مشکلات کو رونما نہیں ہونے دیا جاسکتا تھا، خصوصاً اس لئے کہ سربیہ کے ساتھ اس موقع پر لڑائی چھڑنے کے یہ معنی تھے کہ تمام عیسائی صوبوں کو بغاوت پر برانگیختہ کردیا جائے۔ لہٰذا یہ چاروں قلعے سربیہ کے حوالے کردئے گئے اور مارچ ۱۸۶۷ء میں سربیہ ترکی سنگینوں کے خطرے سے آزاد ہوگیا اور بلغراد پر تین جھنڈے لہرانے لگے۔ لبنان بہرحال سربیہ کی طرح خوش نصیب نہیں تھا۔ اس نے اپنے سیاسی اختیارات خود انتظامی کے مطالبے میں جبر اور طاقت سے کام لیا تھا اور اس لئے اس کو ایسی ہی سخت قربانیاں بھی کرنی پڑیں ۹ر جون ۱۸۶۰ء کے ایک منظور شدہ قانون میں یہ تسلیم کیا جاچکا تھا کہ لبنان کو ایک عیسائی گورنر جنرل اور ایک ارمنی کیتھولک کے رکھنے کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ اس جگہ پر داؤد افندی کا انتخاب بھی ہوگیا تھا لیکن یہاں ایک ایسا شخص موجود تھا، جس سے ترکوں کو خطرہ تھا۔ یہ شخص جوزف کرم تھا۔ اس کا تعلق مشہور میرونائٹ خاندان سے تھا، جس نے تین صدی تک صوبہ بشرہ Becharra پر حکومت کی تھی۔ فرانسیسی تسلط کے زمانے میں یہ شخص میرونائٹ کا پراونشل کیا کم (Kaimakam) تھا۔ اس کی قابلیتوں اس کی دولت اور اس کے اثرات سے باب عالی کو بہت کچھ خطرہ تھا۔ اور یہ محسوس کیا جاتا تھا کہ لبنان کو براہ راست ترکی حکومت کا ماتحت بنادینے کے لئے

جو تدبیریں اختیار کی جانے والی تھیں، اُن میں اس کی ذات سے بہت کچھ رکاوٹیں پیدا ہو جائیں گی۔ فواد پاشا نے، جو امیر اور گورنر جنرل کو لڑا دینا چاہتا تھا، جوزف کرم کو آسانی کے ساتھ اس امر پر تیار کر لیا کہ وہ لبنانی فوجوں کی کمان قبول کرنے سے جو داؤد آفندی کی طرف سے اس کے سامنے پیش کی گئی تھی، انکار کر دے۔ امیرؔ حکومت سے ناراض ہو کر اپنے علاقے واپس چلا آیا لیکن وہ "نہ تو اطمینان کے ساتھ بیٹھ سکتا تھا تاکہ اس کے حریف اور دشمن، جو اس کے اثرات سے اچھی طرح واقف تھے۔ مطمئن ہو جائیں اور نہ وہ اس قدر ذہین و چالاک واقع ہوا تھا کہ اپنی حفاظت کر سکتا" فواد پاشا کی طلبی پر وہ ملاقات کرنے کی غرض سے بیروت چلا گیا اور یہاں جو دام اس کے لئے بچھایا گیا تھا اس میں پھنس گیا۔ اس کو بیروت میں گرفتار کر لیا گیا اور یہاں سے وہ استنبول منتقل کر دیا گیا۔ داؤد آفندی کی مدت ملازمت ختم ہو جانے پر اس کے خدمات میں، فرانس کی طرف سے لبنان کے سیلف گورنمنٹ کے حقوق کے متعلق ہمدردانہ احتجاج کے باوجود تین سال کی توسیع کر دی گئی۔ مینورائٹس کی شدید مخالفت کو ختم کر دینے کی غرض سے، جو اب تک جوزف کرام کے طرفدار تھے، گورنر جنرل نے امیر کے ساتھ اس کی رہائی کے متعلق گفت وشنید کرنی چاہی لیکن امیر کی طرف سے انکار کر دیا گیا۔ اسی اثنا میں یہ خبر پھیل گئی کہ کرام، استنبول سے بھاگ کر اپنے وطن واپس آ گیا ہے (۷، ارنومبر ۱۸۶۴ء) زیورٹا کے قبرستان میں، جہاں وہ اپنی ماں کی قبر پر جس کا جلاوطنی کی حالت میں انتقال ہوا تھا، اس کو شناخت کر لیا گیا۔ لوگوں نے اس کا نہایت شاندار خیر مقدم کیا اور شمال کے تمام اضلاع نے اس کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ داؤد نے واقعات کا یہ رنگ دیکھ کر فوراً استعفا پیش کر دیا مگر منظور نہیں ہوا۔ ادھر فرانسیسی قونصل مقیم بیروت نے مینورائٹ اسقفوں اور پادریوں کو اس امر سے آگاہ کر دیا کہ امپیریل گورنمنٹ کرام کی کبھی حمایت نہیں کرے گی۔ بیان کیا جاتا ہے، اور یہ بیان بے وجہ نہیں ہے کہ ترکی نے خفیہ طور پر امیر کی مراجعت کی اس خیال سے حمایت کی تھی کہ اس کی وجہ سے ایسی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی جن سے اسے لبنان کے داخلی امور میں مداخلت کا موقع مل جائے گا۔ وزیر اعظم، فواد پاشا نے ترکی فوجوں کے لبنان پر قبضہ کر لینے کی دھمکی دی اور کرام نے

فرانسیسی حکومت کے ایما پر ولی کو اپنے صلح جویانہ ارادوں سے آگاہ کردیا۔ داؤد آفندی نے، دمشق اور لبنان کے تاتلوں کے داخلے کو ممنوع قرار دیا اور مرکزی حکومت سے تین ملین پیاسٹر کا عطیہ حاصل کرکے، اپنی رعایا کی دلجوئی کی کوشش کی۔ اسی غرض کے لئے اس نے واجب الادا محاصل کو بھی معاف کردیا اور دمشق اور سعیدہ کی سڑکوں کو ترکی فوجوں کے قبضے سے نکال لیا لیکن یہ تمام کوششیں بھی مینور اٹیٹس کے شبہات کو دور نہیں کرسکیں۔ یہ دیکھ کر ولی نے ایک ایسے اقتدار کا خاتمہ کردینے کا مصمم ارادہ کرلیا، جس کی موجودگی سے خود اس کا اقتدار معرض خطر میں تھا۔ چنانچہ اس نے جوزف کرام کی گرفتاری کا حکم دیدیا۔ امیر نے اس کے جواب میں ہتھیار سنبھال لئے اور سالومان ہرنوش اور اس کے متولیوں کو اپنی امداد کے لئے طلب کیا۔ ۶ر جنوری ۱۸۶۶ء کو دونوں سرداروں نے دو ہزار آدمیوں کے ساتھ غزیان پر حملہ کیا لیکن چھ گھنٹے کی ایک شدید لڑائی کے بعد ان کو ہزیمت ہوئی۔ ترکوں نے نہایت عجلت کے ساتھ فوجیں روانہ کیں۔ نوجی کے عقب میں خندق کھود کر کرام نے، ۱۲ر جنوری کو امین پاشا کو پسپا کردیا (اسکوارٹ زن برگ) لیکن وہ ترکوں کی تازہ دم اور جرار فوج کی تاب نہ لاسکا اور جارون کی لڑائی کے بعد، عدن کے مقام پر اس کی قوت پامال ہوگئی۔ اس کی ہزیمت کا کامل یقین ہوچکا تھا لیکن یکایک وہ شام کے ریگستان سے، جہاں اس نے پناہ لی تھی، نکلکر ترکی فوجوں پر، جو ادھر ادھر منتشر تھیں حملہ آور ہوا اور ان کو تباہ کردیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی منتشر فوج کو جمع کیا اور پھر سالومان سے جاملا۔ لڑائی آخر جولائی تک جاری رہی اور اگرچہ یہ ایک دلیرانہ جنگ تھی تاہم دونوں پلے برابر نہ تھے۔ مینور اٹیٹس کو فرانس کی طرف سے مایوس اور ویٹی کان کی طرف سے مطعون ہونے کے بعد مجبوراً مغلوب ہونا پڑا۔ عدن کے پہاڑوں میں گھر جانے کے بعد، امیر بغیر لڑے بھڑے دشمن کی صفوں سے نکل کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ہر طرف سے گھر جانے پر بھی وہ مایوس نہیں ہوا اور ۴ر دسمبر کو اس نے ایک ترکی دستے کو شکست دیکر عدن پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔ لیکن یہ اس کی

آخری مہم تھی۔ اس کے تمام ذرائع ختم ہو چکے تھے۔ ۲۷ دسمبر کو اس نے یورپین قونصلوں سے لبنان کو خیر باد کہہ دینے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے اپیل کی اور ۱۳ جنوری ۱۸۶۷ء کو وہ بیروت سے جہاز میں بیٹھ کر الجزائر روانہ ہو گیا۔

بغاوت قریم (Crete) (۱۸۶۶ء تا ۱۸۶۹ء)

جزیرۂ قریم میں خون کی ندیاں بہ رہی تھیں۔ یورپ کی انیسویں صدی کی ڈپلومیسی نے جس کی غلطیوں کا کوئی شمار نہیں تھا، یونانی سلطنت کے قیام کے وقت سے قریم کو، لارڈ پالمرسٹن کی تنبیہ کے باوجود، جس نے ۱۰ فروری ۱۸۳۰ء کو صاف طور پر یہ کہہ دیا تھا کہ "میں یہ پیش بندی کرنے کی جرات کرتا ہوں کہ اگر قریم کو یونان کے ساتھ ملحق نہیں کیا گیا تو ہمیں اس کے متعلق بہت جلد جنگ کرنی پڑے گی"، مصر کے حوالے کر دیا تھا۔ محمد علی کے نظم و نسق میں قریم میں ہر طرح امن و سکون رہا لیکن ۱۸۴۱ء میں جب اتحاد اربعہ نے اس جزیرے کو ترکوں کے حوالے کر دیا تو عیسائیوں نے بغاوت کر دی۔ بغاوت کے فرو ہو جانے کے بعد ۱۸۶۱ء تک یہاں کم و بیش امن رہا لیکن اس سال دولت علیہ نے ایک شخص اسماعیل پاشا کو یہاں ولی مقرر کیا، جس نے مسلمان اور عیسائی دونوں قوموں کو اپنا دشمن بنا لیا۔ قریم کی حالت اب نہایت ردی ہو گئی۔ عثمانی فتح کے بعد یہاں نہ تو کوئی نئی سڑک تعمیر کی گئی تھی اور نہ کسی قدیم سڑک کی مرمت ہوئی تھی، جس کی وجہ سے راستہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دلدل اور پہاڑی ٹیلے ہیں۔ پلوں کا تو تذکرہ ہی کیا ہے۔ لوگوں نے صرف قصے کہانیوں میں ان کا نام سنا تھا۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر جب برف پگھلتی تھی تو پانی ہر طرف پھیل جاتا تھا اور تمام رقبہ دلدل کی حیثیت اختیار کر لیتا تھا۔

جن تین بندرگاہوں پر اس جزیرے کی تجارت کا دارومدار تھا۔ ان میں ریت اور کیچڑ
جمع ہوگئے تھے۔ محاصل سختی اور غیر دانشمندی کے ساتھ عائد کئے گئے تھے اور ان سے
خزانے کو کسی قسم کا نفع پہنچے بغیر محاصل ادا کنندگان کے تباہ ہو جانے کا احتمال تھا۔
عدالتوں میں انصاف نہیں ہوتا تھا اور حاکم وہ لوگ مقرر کئے جاتے تھے جو سب سے
زیادہ نذرانہ پیش کریں۔ اسماعیل پاشا نے اس تمرد وحشیانہ اور مغرورانہ طریقے کا
برتاؤ کیا کہ رعایا کی ناراضی کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ مارچ ۱۸۶۶ء کی ابتدائی
تاریخوں میں عیسائی نمایندوں نے گری وولیا کے مقام پر ایک جلسہ منعقد کیا اور
ولی کے خلاف سلطان کی خدمت میں ایک معروضہ پیش کیا، جس میں اپنی تمام
شکایتوں کو توضیح کے ساتھ قلمبند کیا اور جو اصلاحیں وہ چاہتے تھے ان کو بتایا۔
اسماعیل نے جلسوں میں شریک ہونے والے تمام لوگوں کے ساتھ باغیوں کا سا برتاؤ
کرنے کی دھمکی دی۔ اس نے جگہ جگہ فوجوں کو متعین کر دیا۔ ام ڈرشی[1] اور مسٹر ڈکسن،
فرانس اور انگلستان کے قونصلوں نے ایک طرف تو ولی کو اعتدال سے کام لینے پر
مائل کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف قریم کے باشندوں کو باغیانہ افعال سے
محترز ہونے کا مشورہ دیا۔ لیکن امریکن قونصل اور روس اور ایطالیہ کے نائب قونصلوں
نے اس کے برخلاف لوگوں کو کھلم کھلا بغاوت کر دینے پر اکسایا۔ بلکہ موخر الذکر تو قریم
کے ایطالیہ کے قبضے میں آجانے کے خواب بھی دیکھنے لگا۔ دیوان کا جواب
یکم اگست کو موصول ہوا۔ اس میں سلطنت کی تمام رعایا کی فلاح و بہبود کو
پیش نظر رکھ کر عمل پیرا ہونے کے وعدے کئے گئے تھے لیکن سوء اتفاق سے یہ
وعدے پورے نہیں ہوے اور عرضی گزاروں کی تشفی نہیں ہوئی۔ اس میں
ان لوگوں کو یہ دھمکی دی گئی تھی کہ اگر کسی اتفاق سے وہ اپنے کو کافی خوشحال اور

---

[1] یونانی اخبارات نے ام ڈرشی پر یہ الزام لگایا کہ اس نے اپنے کو ترکوں کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا۔ یہ ایک اتہام ہے جو جماعت دارانہ احساسات پر مبنی ہے۔ برخلاف اس کے واقعہ یہ ہے کہ ام ڈرشی نے اس بغاوت کے دوران میں اہل قریم کے ساتھ نہایت انسانیت کا برتاؤ کیا اور اس نے حتی الامکان ان کی مدد کی۔

بختیار تصور نہیں کریں گے تو ان کو سخت سزا دی جائے گی۔ اس اعلان کے شتہر ہونے کے دوسرے روز قریمین کمیٹی نے لوگوں کو جنگ کا اذن دے دیا اور لڑائی فوراً شروع ہو گئی۔

اس زمانے میں قریم ایک ایسا ملک تھا جس کے چاروں طرف ڈھلواں پہاڑ تھے جس میں گھنے جنگل چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے اور جہاں صرف خشک نالے اور درندوں کے آمد و رفت کے راستے سڑکوں کا کام دیتے تھے، اور اس لئے قزاقانہ جنگ کے لئے اس سے زیادہ موزوں اور کوئی ملک نہیں ہو سکتا تھا۔ پہاڑوں کے اس سلسلے پر جسے اسفاکیہ کہتے ہیں، اور جس کی اس جزیرے میں سب سے زیادہ بلندی (۲٫۴۰۰) میٹر ہے، ایک ایسی سخت پہاڑی قوم آباد تھی، جو اپنے کو اہل روما کی اولاد کہتی تھی۔ اس قوم نے آیندہ ہونے والے فاتحین کی کوششوں کو ہمیشہ درہم برہم کیا تھا۔ اور نہ تو عرب اور نہ اہل بندوقیہ ہی ان اسفا کی باشندوں کو کبھی مغلوب کر سکے تھے۔ ترکوں کو ہمیشہ ان سے لڑنا پڑتا تھا۔ ۱۷۷۰ء، ۱۸۲۱ء اور ۱۸۵۲ء انھیں لوگوں نے بغاوت کی ابتدا کی تھی اور انھیں نے سب کے بعد میں ہتھیار ڈالے تھے۔ ۱۸۶۶ء میں بھی یہی لوگ تھے جنھوں نے قومی جدوجہد کے لئے نہایت دلیر اور وفا شعار جنگجو مہیا کئے تھے۔ اسلامی دستے، جو ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر متفرق سمتوں میں پھیلے ہوئے تھے اور جن پر پہاڑوں میں اچانک حملے کئے جاتے تھے، بے ترتیبی کے ساتھ قنیہ اور قندیہ کی طرف پسپا کر دیے گئے۔ شاہین پاشا کو یوری سس کے مقام پر شکست ہوئی اور اپوکورونو میں اس نے ہتھیار ڈال دیے۔ ایک دوسری ترکی فوج نے سلینو کے مقام پر شکست کھائی۔ بغاوت فرو کرنے کی غرض سے باب عالی نے چالیس ہزار فوج روانہ کی، جس کے ساتھ کے بی نشس آف سنیٹ جیمس اینڈ دی لوٹی لیرز کی طرف سے تعرض کئے جانے کی بنا پر ایک کمشنر، مصطفےٰ قرلی پاشا، سابق گورنر قریم بھی تھا، جس کو کامل اختیارات حاصل تھے لیکن باغیوں کے مطالبات میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا تھا اور ۲ ستمبر کو ایک فصیح و بلیغ اعلان میں جو اسفاکیہ کا مجریہ تھا، اس جزیرے پر یونان کے قبضے کی منادی کر دی۔

اس واقعے کے دس روز بعد مصطفےٰ پاشا، قانیہ پہنچا اور اس نے اہل قریم کو ہتھیار ڈال دینے کا حکم دیا۔ لیکن اس حکم کی تعمیل نہ ہوتے دیکھ کر اس نے اس واقعے کو فراموش کر دیا کہ اس کی حیثیت صرف حکم کی ہے اور فوجی مصروفیات کی نگرانی خود اپنے ذمے لے لی۔

اکتوبر کے وسط میں اس نے بارہ ہزار آدمی لے کر اسفاکیہ پر چڑھائی کی۔ یونانی افسر جو اہل قریم کے ساتھ ترکوں سے لڑنے کے لئے آئے تھے اور جن میں کرنل کورونیوس، کرنل مینی سرلی، اور میجر سمولی لسنک بھی شامل تھے، بے ترتیب جنگ کے طریقے سے بالکل ناواقف تھے۔ ان لوگوں کی صلاح پر باغیوں نے کھلے میدان میں ترکوں کا مقابلہ کیا اور بالآخر وافی کے مقام پر ان کو پسپا کر دیا گیا۔ اپنے ابتدائی منصوبوں کو ترک کر کے، مصطفےٰ پاشا نے نہایت عجلت کے ساتھ ارکادیان پر، جو اس جزیرے کی سب سے زیادہ دولتمند اور اہم خانقاہ تھی اور جہاں نواحی مواضعات کے ایک ہزار عورتیں اور بچے دو سو مسلح آدمیوں کی زیر حفاظت پناہ گزیں تھے، حملہ کر دیا۔ ۱۹ر نومبر کو ترکوں نے یہ حملہ کیا اور دوسرے روز لڑتے بھڑتے خانقاہ کی فصیلوں میں داخل ہو گئے۔ لڑائی چھ گھنٹے تک جاری رہی اور ترکی توپیں، جو خانقاہ کے صحن میں نصب کی گئی تھیں، ہر طرف گولے برسانے لگیں۔ عمارت کا خاص حصہ عین اس وقت منہدم ہوا جبکہ مصطفےٰ پاشا کی فوج خانقاہ میں داخل ہو رہی تھی۔ یونانی اخبارات کا بیان ہے کہ قریمی عورتوں نے فاتحین کے ظلم و ستم سے بچنے کے لئے، خود ہی باروت میں آگ لگا دی تھی لیکن ترکوں کا یہ بیان ہے کہ دھماکا ایک بمب کے گرنے سے واقع ہوا، جو ترکی فوج نے پھینکا تھا۔ دوسرے لوگوں کا بہرحال یہ بیان ہے کہ ایک مخمور راہب نے یہ شرارت کی تھی۔ اسی خانقاہ میں جتنے لوگ پناہ گزیں تھے وہ سوائے سو عورتوں کے، جن کو مصطفےٰ کے سب سے چھوٹے بیٹے صالح پاشا نے بچایا تھا، ہلاک ہو گئے۔ کرنل کورونیوس نے، جو قریب ہی ارکادی کی سطح مرتفع پر فوجیں لئے ہوئے لڑائی کے لئے تیار تھا، خانقاہ کے مدافعین کو مدد پہنچانے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی اور اس طرح اس مغرور اور خطاکار سپاہی نے جس کو سپہ سالاری کا دعویٰ تھا

اپنی قلعی آپ کھولدی۔

کرنل کورونیوس اور اس کے احباب کے قیاسات و خیالات سے متنفر ہوکر اہل قریم نے پھر بے ترتیب جنگ کا آغاز کردیا۔ حاجی میکالی، کیارٹ، کوراکاز، پٹرو پولاکی، اور زمبراکاکی نہایت دلیر سردار تھے۔ بغاوت کے مرکز لکاسس، مسکلا، کورودو اور دیاکونا کے مواضعات تھے، جو جبل ابیض پر واقع تھے۔ ان کے عقب میں امالو کی سطح مرتفع تھی، جو دشمن کے لئے بالکل دور دست تھی اور جو باغیوں کے لئے بہترین ملجا و مامن کا کام دیتی تھی۔ مصطفےٰ پاشا نے سب ایک آخری اور فیصلہ کن لڑائی کا تہیہ کیا۔ زمبراکاکی نے نہایت بہادری سے لکاسس پر ترکی فوجوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن گولہ باروت کے ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کو پسپا ہونا پڑا۔ اور باغی امالو کی طرف ہٹ گئے۔ مصطفےٰ پاشا نے اب اسفاکیہ کی طرف پیشقدمی کی لیکن وہاں اس کو شکست ہوئی اور سخت نقصان اٹھاکر تیزی کے ساتھ پسپا ہو جانا پڑا صورت حال کی سنجیدگی سے خائف ہوکر محمد رشدی پاشا وزارت عظمیٰ سے مستعفی ہوگیا (۱۱ فروری ۱۸۶۷ء)۔

یہ واقعہ ہے کہ نئی وزارت، جس میں علی پاشا وزیر اعظم، فواد پاشا وزیر خارجہ، اور محمد رشدی پاشا وزیر حربیہ تھا، دراصل قدیم وزارت کی ایک جدید صورت تھی۔ علی پاشا سلطنت کا نہایت مشہور مدبر تھا اور اس کی فراست و کیاست نے اسے واقعی اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ شہرت اور نیکنامی حاصل کرے۔ وہ ۱۸۳۸ء میں لندن میں مصلحت گزار، ۱۸۴۱ء میں سفیر، صدر مجلس تنظیمات، ۱۸۴۲ء میں وزیر اعظم، ۱۸۵۶ء کی پیرس کانفرنس میں ترکی کا وزیر مختار، ۱۸۵۷ء اور ۱۸۶۱ء میں دوبارہ وزیر اعظم اور اس کے بعد وزیر خارجہ رہ چکا تھا۔ وہ نہایت محنت اور جانفشانی کے ساتھ کام کرتا تھا اور کبھی اس نے رشوت لے کر اپنے نام کو بٹہ نہیں لگایا اور یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو ترکی میں اس زمانے میں نادر تھی۔ مصطفےٰ کی جگہ اب عمر پاشا کو مامور کیا گیا، جس نے باغیوں کو اسفاکیہ کے کوہستانی علاقے میں پسپا کرکے چاروں طرف سے محصور کرلینے اور اس طرح ان کے استیصال کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ لیکن یہ تدبیر

فوج کے کافی نہ ہونے اور اس کے ماتحت افسر کی نااہلی کی وجہ سے کارگر نہیں ہو سکی۔"

لڑائی نے اب نہایت خطرناک صورت اختیار کر لی تھی عمر پاشا نے اس موقع پر وحشیانہ مظالم سے کام لے کر اپنے نام کو بٹہ لگا لیا۔ اس نے اب سردار اکرم کا لقب اختیار کر کے اپنی خونخواری سے گرے ٹی زرکی یاد تازہ کر دی، جنھوں نے ویانا کی گلیوں میں، جبکہ وہاں بغاوت پھیلی ہوئی تھی، مجروحین کے، جو زخمی ہو ہو کر اپنے اپنے مورچوں پر گر پڑے تھے، سر قلم کر دئے تھے اور ہیانو کی تقلید کا حق ادا کر دیا، جس نے عورتوں کے کوڑے لگوائے تھے اور ان کی بے حرمتی کی تھی اور جس کے ساتھ ہمیشہ پھانسی کی ٹکٹکیاں رہا کرتی تھیں۔ مصطفیٰ پاشا نے اپنے بیٹے صالح پاشا کے زیر اثر باغیوں کو ذبح کر کر کے لڑائی کو روکنے کی کوشش کی۔ سب سے بڑا کام جو مصطفیٰ نے کیا وہ یہ تھا کہ لوگوں میں مذہبی تعصب نہیں پھیلنے دیا۔ عمر پاشا نے جزیرے کو ریگستان بنا دیا اور مسلمانوں کو عیسائیوں کے استیصال[1] پر مجبور کیا۔ تمام بستیوں کے پبلک مقامات پر چکنے ڈنڈوں کے بھیس میں قاپوق نصب تھے، جن پر باغیوں کے کان اور ناک کاٹ کاٹ کر کیلوں سے ٹھونک دئے گئے تھے۔ مجروحین کو سخت ایذائیں دے کر قتل کر دیا جاتا تھا۔ باغیوں کے اہل و عیال کو تیل میں زندہ جلایا جاتا تھا اور ان کے مکانات کو انسان کا گوشت پکانے کے لئے تندور بنا دیا جاتا تھا۔ فرانسیسی قونصل نے اپنی حکومت کو ان واقعات کے متعلق یہ الفاظ لکھے تھے کہ: "ترکوں کی کمزوری نے غیظ و غضب کی صورت اختیار کر لی اور پھر یہ غیظ و غضب استیصال کے جذبے سے بدل گیا۔" انگلستان، فرانس، اور روس کے قونصلوں نے اپنی اپنی حکومتوں کو اطلاع دی کہ:-

---

[1] یہ ایک صریح الزام ہے جو اس کتاب کے متعصب عیسائی مصنف نے عمر پاشا پر لگایا ہے۔ تاریخ کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے وہ اس سے بخوبی واقف ہیں کہ مسلمانوں نے کبھی یہ نہیں چاہا کہ عیسائی یا دوسری قوموں کا کامل طور پر استیصال کر دیں۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں نے اکثر خونریزیوں سے کام لیا مگر وہ ایک وقتی بات تھی جو ان کی دانست میں اس وقت کے لئے موزوں اور مناسب تھی۔ برخلاف اس کے عیسائیوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کا نام دنیا سے مٹا دیا جائے اور صرف ایک شخص گلیڈ سٹون کی جد و جہد اس کا کافی ثبوت ہے۔ مترجم

عورتوں اور بچوں کے قتل نے جزیرے میں خوف پھیلا دیا ہے حکومت بغاوت کو فرو نہیں کر سکی ہے اور نہ ان مظالم کا سد باب ہو سکا ہے۔ انسانیت کا شدید تقاضا یہ ہے کہ یا تو لڑائی کو روک دیا جائے یا عورتوں اور بچوں کو یونان منتقل کر دیا جائے۔"

(۴ر اگست) فواد پاشا نے ان اطلاعوں کے خلاف یہ بیان کیا ہے کہ قونصلوں نے جھوٹی اطلاعیں دی ہیں۔ انگلستان نے بظاہر فواد پاشا کے قول کو تسلیم کر لیا[1]۔ اور انگریزی قونصل کو یہ احکام مل گئے کہ عمر پاشا کے معاملات میں دست انداز نہ ہو۔ رائل نیوی کے کپتان پین کی، جس نے اپنے جہاز پر ایک ہزار عورتوں، بچوں اور بوڑھے آدمیوں کو جن پر عثمانی گروہ برابر شلیں برسا رہے تھے[2]، سوار کر لیا تھا، بہت کچھ سرزنش کی گئی۔ خوش قسمتی سے فرانس اور روس نے خلق دوست[3] انگلستان کی تقلید نہیں کی اور اگست کے اختتام تک فرانسیسی اور روسی جہازوں نے تیرہ ہزار آدمیوں کی جانیں بچالیں[4]۔

انگلستان اور آسٹریا کے علاوہ دوسری طاقتوں کے ایما پر قریم میں ایک عثمانی وزیر مختار کو باغیوں کے ساتھ گفت وشنید کرنے کی غرض سے بھیجنے کا بالآخر سلطان نے حکم دے دیا۔ علی پاشا اس معاملے کو کسی دوسرے شخص پر نہیں چھوڑنا چاہتا تھا اور اس لئے وہ خود قریم کو گیا۔ (۴ر اکتوبر ۱۸۶۶ء) اس نے سب سے اول خاص خاص سرداروں کو ملانے کی کوشش کی اور اس غرض کے حصول کے لئے اس نے تمغے

---

[1] انگلستان جیسے ملک کا اپنے قونصل کے مقابلے میں ایک ترک کے قول پر اعتبار کر لینا بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ جن مظالم کا اسقدر گلا پھاڑ پھاڑ کر راگ گایا جاتا ہے وہ فرضی اور محض بے بنیاد ہیں۔ مترجم

[2] ترکی جہازوں نے، جن پر فرانسیسی اور روسی جھنڈے اُڑتے ہوتے تھے، کئی مرتبہ کنارے کے نزدیک آ آکر پناہ گیرندوں پر گولہ باری کی۔

[3] مصنف پر تعصب کا جذبہ اسقدر حاوی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی ایک ہم مذہب وہم قوم طاقت پر بھی جس کو دنیا جانتی ہے کہ ترکوں سے ذرا بھی ہمدردی نہیں ہے صرف اس لئے حملہ کرتا ہے کہ اس نے روس اور فرانس کی طرح اس موقع پر ترکوں کے معاملات میں دست اندازی نہیں کی اور انصاف سے کام لیا۔ مترجم

[4] بہ الفاظ دیگر ترکوں کے خلاف باغیوں کی ہمت افزائی کی اور خوب مدد پہنچائی۔ (مدعا)

خطابات، روپیہ پیسہ غرض کسی چیز سے دریغ نہیں کیا۔ اگر ترکی اخبار، مخبر[1] پر اعتماد کیا جا سکتا ہے تو پھر یہ باور کر لینا چاہئے کہ علی اس سے زیادہ زبردست ذرائع استعمال کرنے میں بھی نہیں جھجکتا۔ اور جن سرداروں کو وہ توڑ نہیں سکا تھا ان کو قتل کرنے کی کوشش سے بھی اس کو کوئی دریغ نہیں ہوتا۔ علی پاشا کی تمام زندگی اس تہمت کے خلاف ایک احتجاج کی حیثیت رکھتی ہے۔ بغاوت کے متعلق بہرحال کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہو سکا۔ وزیر نے بالآخر پریشان ہو کر عمر پاشا سے اس کے متعلق مشورہ کیا اور اس نے یہ جواب دیا، جو ایک حد تک صحیح بھی ہے، کہ جنگی بیڑے کے نقائص اور دفتری حکومت کے ناقص اثرات نے جنگی مصروفیتوں کو متزلزل کر دیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر جزیرے کی ناکہ بندی موثر ہوتی تو باغی فاقہ مر جاتے۔ ترکوں کے پاس جہازوں کی صورت کی جتنی چیزیں تھیں چاہے وہ سب قریبین ساحل پر بھیج دیتے لیکن اس کا کیا علاج تھا کہ یونان کے بحری قزاق، ہین ہیلے بان، جس کا امیر البحر کپتان ستورمیلس تھا، اور کپتان کورین ٹس کے 'ارکادی' اور 'انو سیس' نامی جہازات ہر ہفتہ باغیوں کو ہتھیار اور گولہ بارود تقسیم کرتے تھے۔ ترکی افسر اپنے دلوں کو خوش کرنے کے لئے یہ کہا کرتے تھے کہ شیطان باغیوں کا طرفدار اور حامی ہے۔ ترکی بیڑے کا امیر البحر ہوبرٹ پاشا تھا، جو پہلے انگریزی بیڑے کا بحری لفٹنٹ رہ چکا تھا اور جس نے امریکہ کی جنگ اعتزال میں جنوب کی طرف بہت کچھ نام پیدا کیا تھا۔ یہ شخص لڑائیوں میں اعتدال سے کام لیتا تھا اور یہ صحیح ہے کہ اس کا اسلوب جنگ نہایت ہی عجیب تھا۔ ترکی افسر ہر روز ساحل کے اس حصے کی اچھی طرح چھان بین کرتے تھے جو ان کی نگرانی میں تھا۔ لیکن یہ چھان بین روزانہ ایک ہی وقت معینہ پر عمل میں لائی جاتی تھی گویا یہ بھی روزانہ قواعد کا ایک جزو تھا۔ جب دشمنوں کے آنے کا وقت ہوتا تھا تو عثمانی جہاز اپنی بندرگاہوں کو واپس چلے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں محاصرین کی نگاہوں سے بچ جانا بہت آسان تھا خصوصاً تنگ آبناؤں میں جہاں ترکوں کے وزنی کروزر تھا تب

[1] مخبر پر تو نہیں البتہ ریوٹر اور فرانسیسی اخبارات پر ضرور اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

نہیں کرسکتے تھے۔ ترک صرف ارکادی، جہاز کو تباہ کرسکے مگر یہ کوئی ایسا زبردست جہاز نہیں تھا۔ ترکوں کے ایک مسلح جہاز، ایک آہن پوش اور ایک رہبر کشتی (Advice-boat) نے اس دوسطولی جہاز کو، جس پر پچیس[25] آدمی سوار تھے۔ یونانی سمندر میں گھیر لیا لیکن یہ کسی طرح بچ بچا کر بھاگ نکلا۔ اس کے امیر الغراب، کپتان کورین لٹس نے ترکوں کی رہبر کشتی کو گرفتار کرلینا چاہا لیکن ناکام رہا اور ترکوں کے مسلح جہاز سے خائف ہوکر اس نے[5] ارکادی، کو کیپ کریو کے قریب زمین پر چڑھادیا۔ اور پھر اپنے جہازی عملے کو صحیح سلامت کنارے پر اتار کر جہاز میں آگ لگادی۔ عمر پاشا نے بالآخر تنگ آکر استعفا پیش کر دیا اور اس کی جگہ حسین اوانی پاشا کا تقرر کیا گیا۔ ۱۸۶۸ء کے آغاز میں علی پاشا استنبول کو واپس آگیا جہاں یونان کے طرز عمل کی بنا پر اس کی موجودگی کی ضرورت تھی۔

قریم کی بغاوت نے فطرۃً یونان میں ہمدردی کا جذبہ پیدا کردیا تھا۔ اثینا میں بہت سی کمیٹیاں قائم ہوگئی تھیں اور انھوں نے روپیہ فراہم کرکے رضاکاروں کی ایک فوج کو قندیہ کو روانہ ہوجانے کے لئے آراستہ کردیا تھا۔ کمون ڈوروزکی کابینہ نے تمام تیاریاں مکمل کرلیں تھیں اور فوج کو لڑائی کے قابل بنا دیا تھا لیکن شاہ یونان کو اس معاملے میں ایسی طرح دلچسپی نہ لیتے دیکھ کر وہ مستعفی ہوگیا۔ (دسمبر ۱۸۶۷ء)۔ جماعت حربیہ کو بہرحال اکثریت حاصل تھی۔ اور ترکی کے ساتھ یونان کے سیاسی تعلقات بہت جلد منقطع ہونے والے تھے (۳۰ر اپریل ۱۸۶۸ء)۔ انگلستان اور فرانس نے یونان کو اپنے ارادے سے باز رکھا لیکن ام کمون ڈوروز کے از سر نو برسراقتدار ہوجانے پر اس صورت حال نے نہایت شدید نوعیت اختیار کرلی۔ رضاکاروں کی فوج دن دہاڑے پھریرے اڑاتی ہوئی قریم کو روانہ ہوگئی۔ ترکی سفیر کی اسی کے سفارت خانے میں توہین کی گئی اور ام کمون ڈوروز نے بالآخر ایوان میں یہ اعلان کردیا کہ پبلک قریم کے یونان کے ساتھ الحاق کا مطالبہ کر رہی ہے۔ باب عالی نے اپنے سفیر کو واپس بلا لیا (۲ر ستمبر ۱۸۶۸ء)۔ یونان نے اس کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور جنگ کی تیاری کی جانے لگی۔ قریم کے یونانی الاصل باشندوں کے ساتھ یوروپین حکومتوں کو کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ انگلستان، آسٹریا، اور پروشیا نے ان کے خلاف جنگ کا حکم دیدیا۔

فرانس، جس نے پہلے بظاہر ان لوگوں کی اس وقت طرفداری کی تھی جبکہ نپولین ثالث نے جنرل کلرگس سے نہایت لمبے چوڑے اور غلط وعدے لئے تھے، اب ترکوں کا طرفدار ہوگیا۔ دول نے ایک ایسی جنگ کا انسداد کرنے کے لئے، جو ترکوں کے خلاف تمام عیسائیوں کو برانگیختہ کردیتی، اس معاملے میں مداخلت کی۔ پیرس میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں یونان کو صرف حق مشاورت عطا کیا گیا تھا۔ اس کانفرنس نے یونان کو اس امر پر مجبور کیا کہ وہ قریم کی خودمختاری کے آخری مدافعین کی بربادی اور تباہی کو چپکا بیٹھا دیکھتا رہے اور انگلی بھی نہ اُٹھا سکے۔ (جنوری و فروری ۱۸۶۹ء)۔ اہل قندیہ، جن کے پاس نہ بندوقیں تھیں اور نہ کافی گولہ بارود و سامان خوردونوش، ترکوں کی زبردست فوجوں کے، جو ان کے خلاف بھیجی گئی تھیں، مقابلے کی تاب نہ لا سکے۔ اضلاع اسفاکیہ اور ایوکورولو کے علاوہ، جہاں پٹرو پولا کی اور زمیرا کاکی نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کردیا تھا، جزیرے میں ہر طرف جنگ موقوف ہوگئی، ترکوں نے بہرحال بہت سی قربانیوں کے بعد پیشقدمی کی تھی۔ اور جب بغاوت فرو کردی گئی تب بھی باشندگان قریم کو ایک قسم کی نہایت نمایاں فتح حاصل ہوئی۔ اس جزیرے کے لئے ایک خاص دستور قائم کیا گیا جس کی وجہ سے یہ لبنان اور شامس کے بعد سلطنت کا ایک ایسا صوبہ بن گیا جس کو بہت زیادہ حقوق و مراعات حاصل تھیں۔

علی پاشا کا نظم و نسق۔ نہر سویز ۱۸۶۹ء۔ لندن کانفرنس ۱۸۷۱ء

علی پاشا کا نظام العمل اس خواہش پر مبنی تھا کہ محمود نے جو مطمح نظر قائم کیا تھا۔ اس کو پورا کردیا جائے۔ لیکن عبدالعزیز کی بدگمانیوں اور خودرائیوں نے اس کو قریب قریب ناممکن بنادیا۔ اس کے دل میں اس خیال نے اچھی طرح جگہ کرلی تھی کہ

وہ قادر مطلق ہے اور اس لئے یہ بات اس کے قیاس میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ اس کی رعایا کو بھی یہ جرأت ہوسکتی ہے کہ وہ اس غیر محدود طاقت کو جو خدا کی طرف سے اُسے عطا کی گئی تھی، محدود کردے۔ اس کی دانست میں دنیا سے مفہوم صرف اللہ، رسول اور بادشاہ تھا۔ علی پاشا بہرحال اپنی چالاکی اور استقلال سے سلطان پر حاوی ہوگیا اور اگر وہ اپنی تمام خواہشات کو جو اس کے دل میں پنہاں تھیں پورا نہیں کرسکا تو اس نے کم سے کم یہ ضرور کرلیا کہ سلطنت کو ایک صحیح راستے پر ڈالدیا اور ملک کے اصلی ذرائع میں بہت کچھ ترقی کرلی۔ ان تدابیر کو اختیار کرکے جو اگلے وزرا کے خیال میں تھیں، اس نے وقوف کو دنیوی قانون کے تحت کردیا۔ ملک کی اراضیات اور معاند وقوف کی روستائی جائدادوں کے متعلق حق وراثت کو تسلیم کرلیا گیا۔ سلطنت کے ہر حصے میں اجانب کو اس بات کی اجازت مل گئی کہ وہ جہاں چاہیں حقیقی معنیٰ میں جاگیریں[1] حاصل کریں اور ارضی جائداد[2] کے مالک بن جائیں۔ ایک کونسل آف اسٹیٹ جو مسلمانوں اور عیسائیوں پر مشتمل تھی قائم کردی گئی۔ اس کونسل کے افتتاح نے سلطان کو یہ اعلان کردینے کا موقع دیدیا کہ اس کی تمام رعایا بلالحاظ مذہب قانون کی نظروں میں ایک حیثیت رکھتی ہے اور یہ کہ عیسائی بھی تمام خدمات پر بشمول خدمت وزارت، مامور ہوسکیں گے۔ (جون ۱۸۶۸ء) وزیر اعظم نے امور داخلی کے متعلق جو کام کئے وہ وزارت داخلہ کا قیام، جس کے ذمے تمام سول ملازمین کے تقررات تھے، عدالتوں کی تشکیل جدید (اپریل ۱۸۶۹ء)، اوزان و پیمانہ جات میں اعشاری طریقے کو پرانے طریقے کے ساتھ ساتھ رائج کرنے کا اختیار (۲۰ جنوری ۱۸۶۹ء) تھا۔ خارجی امور کے متعلق علی پاشا نے اس امر کی کوشش کی کہ یورپ کے ساتھ اچھے تعلقات قائم رکھے جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے قلعوں کی تحویل کے طریقے کو مسدود کردینے اور باجگذار ریاستوں کو (جو خود مختاری کی طرف روز بروز مائل ہورہی تھیں) عثمانی سلطنت کے مطیع رکھنے کی کوشش بھی جاری رکھی۔ سربیہ اور رومیہ نے پین سلیوسٹ ایجنٹس کے ذریعے سے بلغاریہ میں فساد پیدا کردیا۔ بلغاری تارکان وطن رومیہ کے علاقے میں جمع ہوگئے

---

[1] Estates

[2] Landed property

اور سنستوو کے مقام پر دریائے طونہ کو عبور کرنا چاہا (۱۸ جولائی ۱۸۶۸ء) رومیہ کا وزیراعظم ام جے برے تیانو ایک طرف تو بلغاری وطن دوستوں کے افعال کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتا تھا اور دوسری طرف اس نے ایوان سے یہ ووٹ دلوادیا کہ صلح کے زمانے میں ستاسی ہزار فوج تیار رکھی جائے اور لڑائی کے زمانے میں ایک لاکھ چونتر ہزار۔ اس نئے قانون کے خلاف ترکی کے اعتراضات پر کوئی اعتنا نہیں کیا گیا۔ برے تیانو نے رومیائی فوج کی فوری تنظیم پر اصرار کیا اور پرنس چارلس نے، جس کو فرانس اور پروشیا سے امداد ملنے کا کامل یقین تھا، خودمختارانہ طرزِ عمل اختیار کرلیا۔ صرف عیسائی ریاستوں ہی نے ترکوں کی حکومت سے نکل جانے کی کوشش نہیں کی بلکہ مصر کا والیسرائے بھی اپنے بادشاہ کی مالی مشکلات سے فائدہ اٹھاکر نقد روپے کے معاوضے میں روزانہ نئے نئے اختیارات حاصل کرنے لگا۔ ۱۸۶۶ء میں اس کو خدیو کا خطاب تقریباً تمام شاہی اختیارات کے ساتھ عطا کردیا گیا دوسرے سال ایک شاہی فرمان کے ذریعے سے مصطفےٰ افضیل پاشا اور حلیم پاشا کی توقعات کے خلاف خدیو مصر، اسماعیل پاشا کے بڑے بیٹے کو خدیو تسلیم کرلیا گیا۔ خدیو مصر نے اب قرضے حاصل کرکے آہن پوش جہاز خرید لئے اور خود اپنی طرف سے دول کو نہر سویز کے افتتاح کے لئے مدعو کیا۔ ان افعال کی بناپر استنبول اور قاہرہ میں گفت وشنید شروع ہوگئی اور ۴ ۲ اگست ۱۸۶۹ء کو علی پاشا نے خدیو کے نام یہ حکم بھیجا کہ بری فوج میں تخفیف کردی جائے اور ہر سال موازنہ جمع وخرچ باب عالی کو روانہ کیا جائے، ساتھ ہی اس کو یہ تنبیہ بھی کردی گئی کہ آیندہ قرضہ نہ لیا جائے اور قبل از قبل سلطان کی منظوری کے بغیر کوئی سیاسی معاہدے مرتب نہ کئے جائیں۔ اسماعیل پاشا نے مقاومت کرنی چاہی لیکن انگلستان اور فرانس نے اس کو ان احکام کے تسلیم کرلینے پر مجبور کردیا (۱۲ دسمبر ۱۸۶۹ء)۔

اسی سال ایک نہایت عظیم الشان کام، یعنی نہر سویز کی تکمیل عمل میں لائی گئی، جو تمام دنیا کی تجارت کے لئے بہت زیادہ اہم تھی۔ قدیم زمانے سے یہاں ایک ایسی نہر موجود تھی جو بحر احمر کو دریائے نیل کی پیلوسیاک شاخ سے ملاتی تھی۔ سمیطیقوس کے باپ نخوس نے ابتداءً اس کام کا آغاز کیا تھا جو دارا ئے اول کے زمانے میں ختم ہوا تھا۔ سیسل کے دیو دوروس کے بیان کے مطابق نہر تولمی ثانی لگیڈیز (Ptolemy II Lagides) کے زمانے ہی میں ختم ہوگئی ہوتی۔ مصری حکومت کی لے پروائی کی وجہ سے اس میں ریت اور کیچڑ جمع ہوگئی تھی مگر رومہ والوں نے اس کو ازسرِنو قائم کردیا۔ عربوں کے زمانے میں بھی یہ نہر جہازرانی کے قابل تھی

مگر خلیفہ ابوجعفر المنصور نے اس کو اس خیال سے پٹوا دیا تھا کہ مدینہ منورہ کو جہاں محمد بن علی طیب کی سرکردگی میں اس کے خلاف علم بلند کر دیا گیا تھا، یورپ سے مدد نہ مل سکے (۱۱۷۱ھ) مصطفیٰ ثالث نے بھی اس نہر کی تکمیل کا ارادہ کیا تھا اور بیرن ڈی ٹاٹ کو اس کام کے لئے متقرر بھی کر دیا گیا تھا لیکن اس کی موت نے اس کے خیالات کو پورا نہیں ہونے دیا۔ بونا پارٹ نے بھی جب وہ مصر میں کچھ دیر کے لئے جہاز سے اترا تھا، انجنیروں اور ماہرین فن کا ایک کمیشن یہ معلوم کرنے کے لئے قائم کیا تھا کہ آیا دونوں سمندروں کی آمدورفت کا دوبارہ قیام ممکن ہے۔ کمیشن نے اس کا جواب اثبات میں دیا تھا لیکن بونا پارٹ کو کسی دوسرے کام میں مشغول ہونے کی فرصت نہیں تھی۔ اپنی روانگی کے وقت اس نے کمیشن کے رپورٹر کو مخاطب کر کے یہ الفاظ کہے تھے کہ:۔ "یہ ایک عظیم الشان کام ہے۔ میں اس کو فی الحال انجام نہیں دے سکوں گا لیکن ممکن ہے کہ ترکی حکومت کبھی یہ محسوس کرے کہ اس کی بقا اور عظمت اسی تجویز میں ہے۔"

دونوں سمندروں کا حقیقی اتصال کسی داخلی نہر پر مشتمل نہیں تھا بلکہ خاکنائے کو کاٹنے کی ضرورت تھی تاکہ جہاز اپنا سامان اتارے بغیر ادھر سے ادھر جا سکیں۔ سوئز پر پیلوسا کا نشیب ہی جو بٹر لیکس کو بند کرتا ہے، ایک ایسا قدرتی راستہ تھا جہاں سے ایک ایسا سیدھا خط قائم کیا جا سکتا تھا، جس پر تمام دنیا کے تجارتی اور ترکی اور مصر کے سیاسی مفادات کا انحصار تھا۔ ایک غلط خیال نے، جو قدیم زمانے سے چلا آتا تھا، اس خط مستقیم کے قیام کو اس لئے ناممکن العمل قرار دے دیا کہ دونوں سمندروں کی سطح مختلف تھی۔ اس غلطی نے ۱۷۹۹ء کی سائنٹفک سوسائٹی کی تحقیقات کے بعد سے ایک حد تک صداقت کی صورت اختیار کر لی تھی۔ اس سوسائٹی نے بحر احمر کے لئے (۹) میٹر (۱۰) کی بلندی کو مفروضی تصور کیا تھا اور لیپ لیس ہی صرف ایک ایسا شخص تھا جو اس قسم کے نشیب کے امکان کو تسلیم کرنا نہیں چاہتا تھا۔ سنہ ۱۸۴۰ء میں انگریزی افسروں نے بیان کیا کہ یہ اختلاف کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور سنہ ۱۸۴۷ء میں فرانسیسی انجنیروں کے ایک کمیشن نے، جس کو ام ٹالبوٹ نے روانہ کیا تھا اور جس کا ناظم ام بورڈے لودی تھا اس کو بالکل ثابت کر دیا اور اب کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ فرانسیسیوں کے سنہ ۱۸۵۳ء کے تجربوں نے جو وائسرائے، ام لی نانٹ ڈی بلی فونڈس کے چیف انجنیر نے کئے تھے ابتدائی مشاہدات کی مزید تصدیق کر دی۔ ۳۰ نومبر سنہ ۱۸۵۴ء کو وائسرائے

محمد سعید پاشا نے ام ڈی لی سیپس کے نام ایک فرمان نافذ کیا جس میں خاکنائے کاٹنے اور ایک ایسا راستہ بنانے کی غرض سے جو جہاز رانی کے قابل ہو۔ جماعت عمومی کے قیام کا اس کو مجاز گردانا گیا تھا۔ ام ڈی لی سیپس ایک عرصۂ دراز تک اس تجویز کے متعلق نہایت محنت اور جانفشانی کے ساتھ کام کر چکا تھا۔ یہ رعایت نہر کے افتتاح کے بعد سے (۹۹) سال کے لئے عطا کی گئی تھی۔ اس جماعت کو دریائے نیل کو راہ مستقیم کے ساتھ، ایک قابل جہاز رانی راستہ کے ذریعے سے' ملا دینے کا مجاز قرار دیدیا گیا تھا اور حکومت مصر نے اس کمپنی کو ایسی زمینیں جن پر اب تک زراعت نہیں ہوئی تھی، کمپنی کے اخراجات سے کاشت کئے جانے کی غرض سے عطا کر دی تھیں۔ یہ معاہدہ سلطان کی منظوری کے لئے پیش کئے جانے والا تھا اور کام شروع کرنے سے پہلے باب عالی کی اجازت لازمی تھی۔

اس کام نے ابتدا ہی سے برطانیہ میں کچھ شکوک پیدا کر دئے تھے۔ چنانچہ اس نے باب عالی کو فرضی خطروں کی دھمکیاں دنیا اور سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کی پیش بندیاں کرنی شروع کر دیں۔ لیکن ترکی کو اس نہر کی کامیابی سے خاصی دلچسپی تھی۔ ام ڈی لی سیپس نے اس موقعے پر یہ تحریر پیش کی کہ:۔ خلفاء کے ورثاء سلاطین کی طاقت ایک ہی وقت میں سیاسی طاقت بھی ہے اور اعلیٰ امامت بھی۔ سلطان اعظم ایک عظیم الشان امیر المذہب اسلام کے محافظ ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ ان تمام مقبوضات کے شہنشاہ بھی ہیں، جن پر ان کی سلطنت مشتمل ہے۔ کوئی شخص اس اہمیت سے ناواقف نہیں ہے جو مسلمانوں کی نظروں میں مقامات مقدسہ پر اسلامی قبضے کی ہے۔ اور جس کو وہ سلطان کی روحانی قوت کی ایک ضروری شرط تصور کرتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ ہر شخص ترکی اور عرب کے مابین آمد و رفت کی مشکلات اور سست رفتاری اور ان عظیم الشان قطعات سے بھی واقف ہے جو فوجوں کو اس ضروری تفوق کو برقرار رکھنے کے لئے عبور کرنے پڑتے ہیں۔ نہر سویز کا افتتاح ان تمام رکاوٹوں کو ناپید کر دے گا۔ قسطنطنیہ سے عربی سواحل تک صرف چند دن کی مساحت کا فاصلہ باقی رہ جائے گا۔ ایک ایسا بحری راستہ، جو ہمیشہ قابل استعمال ہوگا اور جس پر سفر کرنے میں سہولت ہوگی، تمام واقعات و حادثات کا قبل از قبل انسداد کر سکے گا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنے مذہبی اماکنہ مقدسہ کو امام شہنشاہ کی راست نگرانی میں لے آئے گا[1]۔

[1] De Lesseps: Egypt & Turkey

باب عالی نے بہرحال، انگلستان کی تجویزوں کو منظور کر کے، کام بند کر دینے کا حکم دیدیا (۱۹ ستمبر ۱۸۵۹ء)۔ مگر کمپنی نے یہ بہانہ کر کے کہ یہ صرف ایک ابتدائی مطالبات کا سوال ہے، عثمانی حکومت کے امتناعی احکام کو نظر انداز کر دیا اور ٹوری لیبرز کی کابینہ نے اس معاملے میں دخل اندازی کر کے اس مسئلہ کی حیثیت سیاسی قرار دیدی۔ مصر میں اسماعیل پاشا کے ورود سے ایسا معلوم ہونے لگا کہ ام ڈی لی سپس کا کام بالکل بند ہو جائے گا۔ اس نئے والسرائے نے معمولی معمولی باتوں میں مزاحمت کر کے کمپنی کے کاروبار میں حارج ہونے کی کوشش کی۔ اپنے پیشرو سعید پاشا کے طرز عمل کے خلاف، جو مصر کو باب عالی کے اقتدار سے خارج کر لینے کا ہمیشہ طرفدار رہا، اسماعیل پاشا نے جو یہ کوشش کر رہا تھا کہ سلطان کو کسی طرح راضی کر کے اپنی حکومت اپنے بیٹے پر منتقل کرائے، عثمانی حکومت کے فیصلے کو سویز کے متعلق قطعی قرار دے دیا۔ فواد پاشا نے، جو بالکل انگلستان کے اثر میں تھا، ام لی سپس اور سویز کینال کمپنی کی طرف سے اپنے برے خیالات کا صاف صاف اظہار کر دیا۔ فواد کے حکم پر علی پاشا نے ۶ اپریل ۱۸۶۳ء کو حسب ذیل مراسلت اس بیان کے ساتھ کہ دولت علیہ اس پر رضامند نہیں ہو سکتی، انگلستان اور فرانس کے نام روانہ کی:-

(۱) کسی بین قومی عہد و پیمان کے بغیر۔ باسفورس اور دار دانال کی طرح نہر کی غیر جنبہ داری کی کفالت کی جائے گی۔

(۲) ان اہم مفادات کی حفاظت کی جائے گی جن کی حفاظت اس کے سپرد کی جائے گی۔

اس کے بعد اس یادداشت میں یہ تحریر کیا گیا تھا کہ اصلی پلان (Plan) نے ترکوں کے سامنے ان مدعوہ کفالتوں کے منجملہ ایک کفایت بھی پیش نہیں کی ہے۔ اس کام میں ساٹھ ہزار آدمیوں سے جبریہ محنت لی جاتی ہے۔ باب عالی نے اس طریقے کو سلطنت میں ہر جگہ ممنوع قرار دے دیا ہے اور اس لئے مصر میں اس کو جائز نہیں رکھا جا سکتا۔ اس کے علاوہ میٹھے پانی کی نہر کے اردگرد رعایتی زمینوں کے عطا کئے جانے سے سویز، تمسح اور بندر سعید میں اور شام کی سرحدوں پر خود مختار نوآبادیات قائم ہو جائیں گی۔ منظوری کو "نہر کی غیر جنبہ داری کے عہد و پیماں، جبریہ محنت کے انعدام، اور کمپنی کے اس فقرے کو منسوخ کر دینے کا جو میٹھے پانی کی نہر اور اس کی

ملحقہ اراضیات سے متعلق تھا" ماتحت قرار دیا گیا تھا۔
دولت عثمانیہ کے خیالات بنہاں آخری فقروں سے واضح ہو سکتے ہیں:۔ایسی صورت میں کہ کمپنی کو یہ شرطیں منظور نہ ہوں اس کو یہ چاہیئے کہ وہ یہ کام اور اراضیات مذکورہ سلطان کے حوالے کردے۔ سلطان ان کے جاری رکھنے کے متعلق خود اپنے وائسرائے کے حسب مشورہ کوئی انتظام کریں گے اور جو روپیہ صرف ہو چکا ہے وہ کمپنی کو ادا کر دیا جائے گا۔
۶ر اپریل کی مجریہ یادداشت کی منظوری کے لئے چھ مہینے کی مہلت دی گئی تھی۔ اس مدت کے منقضی ہو جانے پر نوبار باشا نے وائسرائے کی طرف سے مزدوروں کی تعداد کو بیس ہزار سے گھٹا کر چھ ہزار کر دینے اور میٹھے پانی کی ملحقہ اراضیات کی متعلقہ مراعات کی منسوخی کی ام ڈی لی سے پس کو اطلاع دے دی (۱۲ر اکتوبر ۱۸۶۳ء)۔ کمپنی نے اپنے مطالبات کی نہایت شدومد کے ساتھ پیروی کی اور چونکہ اس قضیئے سے بہت سی اہم پیچیدگیوں کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ تھا اس لئے وائسرائے نے اس مسئلہ کو نیپولین ثالث کے سامنے تصفیئے کی غرض سے پیش کرنے کی غرض سے آمادگی ظاہر کی۔
بالآخر حکومت مصر اور کمپنی کے مابین ایک معاہدہ طے ہو گیا:۔
(۱) ۲۵ر جولائی کے معاہدے کی بنا پر جو مصروفیتیں عمل میں آئی تھیں ان کی پابندی فریقین معاہدے کے لئے لازمی تھی۔
(۲) باب عالی کے جبریہ محنت کے طریقہ کو مسدود کر دینے کی بنا پر جو نقصان ہوا تھا اس کے معاوضے میں کمپنی کو (۳۸) ملین فرانک کا تاوان ادا کیا گیا۔
(۳) کمپنی کو میٹھے پانی کی نہر جس میں قواد، تمسح، اور سویز شامل تھے وائسرائے کو دے دینا پڑا لیکن رعایت کے زمانے میں اس کو استعمال کرنے کے تمام و کمال حقوق اس کو حاصل رہے۔ کمپنی پر خود ہی تمام کاموں کی تکمیل کی پابندی عائد کی گئی اور حکومت مصر دس ملین کا معاوضہ ادا کرنے پر مجبور کیا گیا۔
(۴) کمپنی کو ابتداءً جو زمین دی گئی تھی اس کو گھٹا کر بحری نہر کے لئے دس ہزار دو سو چونسٹھ اور میٹھے پانی کی نہر کے لئے نو ہزار ہک ٹیئر[1] کر دیا گیا۔ چھ ہزار ہک ٹیئر کے معاوضے میں جن سے

---

[1] ایک ہک ٹیئر (۲،۴۷۱) ایکٹر کے برابر ہوتا ہے۔ (مترجم)

کمپنی دست بردار ہوگئی تھی، تیس ملین فرانک کا تاوان کمپنی کو ادا کرنے کا تصفیہ ہوا۔ واپسی کے متعلق یہ تصفیہ ہوا کہ وائسرائے سولہ قسطوں میں ان کو ادا کرے اور یہ کہ آخری قسط یکم نومبر ۱۸۷۹ء کو ادا کی جائے۔ (۶ جولائی ۱۸۶۴ء)

اگرچہ باب عالی نے جو شرائط پیش کی تھیں، ان کی تکمیل ہو چکی تھی لیکن فواد پاشا نے اس کے باوجود، انگریزی سفیر کے اصرار پر سلطان المعظم سے نپولین ثالث کے نام ایک تحریر بھجوائی جس میں اس سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا ایک کمیشن یہ دریافت کرنے کے لئے روانہ کیا جائے کہ کمپنی کو فی الحقیقت کس قدر زمین کی ضرورت ہے۔ لیکن اس مراسلہ کا جیسا چاہئے تھا اثر نہیں ہوا اور فواد پاشا کی مخالفت کے باوجود حکومت مصر اور کمپنی کے مابین ایک معاہدہ منعقد ہو گیا (۳۰ جنوری ۱۸۶۶ء) جس کی بنا پر تمام مشکلات خود بخود دور ہو گئیں۔ عام معاہدے کو، جو اس کے ایک مہینے کے بعد مرتب ہوا تھا۔ بالآخر باب عالی نے بھی منظور کر لیا۔ کام نہایت عجلت کے ساتھ شروع کر دیا گیا اور نومبر ۱۸۶۹ء میں نہر سوئیز کا دنیا کے بہت سے تاجداروں اور بہت سے سربرآوردہ سائنس داں اور عالم و فاضل افراد کے سامنے افتتاح ہو گیا۔ سلطان اپنے باجگذار سے ناراض ہو گیا تھا اور اس لئے وہ اپنے دارالخلافہ ہی میں مقیم رہا لیکن جو بادشاہ اس موقعے پر اس سے ملنے آئے تھے، اُن کا نہایت شاندار خیر مقدم اور نہایت وسیع اور عظیم الشان پیمانے پر ضیافت کر کے اس نے اپنے دل کا ارمان نکال لیا۔

۱۸۷۰ء و ۱۸۷۱ء کی جنگ فرانس و جرمنی کا غیر متوقع طور پر ترکی پر اثر پڑا تھا۔ جرمنی کی امداد کے بل بوتے پر روس نے اعلان کر دیا کہ وہ بحر اسود کو غیر جانب دار تصور نہیں کرتا ہے اور یہ کہ متحدین نے معاہدہ پیرس کی رو سے جو پابندیاں اس پر عائد کی ہیں وہ ان پر عمل پیرا نہیں ہونا چاہتا (۳۱ اکتوبر ۱۸۷۰ء) لندن کانفرنس نے باب عالی کے احتجاج کے باوجود روس کے مطالبات کی اعانت کی (۱۸ مئی ۱۸۷۱ء)۔ اس کے کچھ مہینے بعد ترکی کو، جو اپنے ایک جلیل القدر وزیر حربیہ، عمر پاشا کا ماتم کر چکی تھی، اپنے بہترین مدبر، علی پاشا کا سوگ کرنا پڑا ستمبر کے مہینے میں علی پاشا سپرد خاک کر دیا گیا، جہاں اس کا حریف، فواد پاشا پہلے ہی سے ہمیشہ کی نیند سو رہا تھا۔

محمود ندیم پاشا۔ عزیز کی معزولی۔ مراد خامس (۱۸۷۶ء)۔

ترکی کی بدقسمتی کا سب سے بُرا وقت وہ تھا جب کہ محمود ندیم، علی پاشا کا جانشین ہوا۔ عبدالعزیز کو، یوروپین طاقتوں کے ساتھ جس صحیح پالیسی کو برتنے کا خیال تھا وہ درست تھا۔ پروشیا اور آسٹریا کی مشرقی دلبستگیاں انگلستان، فرانس اور روس کے مقابلے میں ناقابل اعتنا تھیں اور اس لئے عبدالعزیز کے نزدیک ان کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ فرانس کو ترکی کا نہایت بے غرض دوست اور اس کے اتحاد کو بالکل ناگزیر تصور کرتا تھا۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ اگر فرانس کے ساتھ اتحاد قائم نہیں رہا تو انگلستان ترکی کی اچھی طرح مدد نہیں کرسکے گا۔ روس آل عثمان کا قدیم دشمن تھا۔ لیکن دونوں ملکوں کی فوجوں کا مقابلہ کرنے سے سلطان کو اس امر کا کامل یقین ہوچکا تھا کہ اگر جنگ ہوئی اور ترکی کو تنہا لڑنا پڑا تو ایسی صورت میں ترکی کی تباہی یقینی ہے۔ روس کا جو احترام کیا جاتا تھا اس کی یہی وجہ تھی۔ علی پاشا کی وفات نے محمود ندیم کے دن پھیردئے۔ اس نے مسکوی طاقت کو مبالغہ سے کام لے کر ترکی طاقت سے بہت زیادہ بڑھا ہوا بتاکر، جنرل اگنےٹیف، روسی سفیر متعینہ قسطنطنیہ کو سلطان پر اچھی طرح حاوی ہوجانے کا موقعہ دیدیا۔ نہایت ہی عیاری سے کام لے کر اس نے امیر المومنین کو یہ باور کرادیا کہ روس کی امداد سے تمام دنیا کے مسلمان اس کے عصائے شاہی کے زیر سایہ مجتمع و متحد ہو جائیں گے۔ اس نے سلطان کو یہ یقین دلادیا کہ اتحاد سلیویا اتحاد اسلام کا فطری حلیف ہے۔ محمود ندیم نے سلطان کے دماغ پر جو خیال سب سے زیادہ مسلط کیا تھا اس کو مزید تقویت پہنچانے میں بھی کچھ کم چالاکی سے کام نہیں لیا۔ سلطان کی یہ خواہش تھی کہ وہ اپنے بڑے بیٹے یوسف عزیز الدین کو اپنا ولی عہد مقرر کرکے وراثت کے قدیم طریقے کو از سر نو جاری کردے۔ عبدالعزیز کے تمام تفکرات میں اس خیال کو سب سے زیادہ خصوصیت حاصل تھی۔ اپنے بھتیجوں خصوصاً ولی عہد سلطنت، مراد سے اس کو جو عدوت تھی اس کو چھپانے کے لئے ان غنے

کبھی زمانہ سازی یا ظاہر داری سے کام نہیں لیا۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ اس نے شہزادہ مراد کے تمام متعلقین کو بغیر کسی وجہ کے محض انسداد کے خیال سے جلاوطن کر دیا۔ ۱۸۶۶ء میں فرانسیسی حکومت نے اس امر کا مطالبہ کیا کہ شہزادہ مراد کو اس امر کا حق حاصل ہو کہ وہ عملی طور پر حکمرانی کرنے کا طریقہ سیکھنے کے لئے کچھ عرصے تک پیرس میں قیام کرے، لیکن سلطان نے مراد کو پیرس بھیجنے سے نہایت بدخلقی کے ساتھ انکار کر دیا۔ ۱۸۶۷ء میں عبد العزیز اپنے سفر یورپ میں اپنے بھتیجوں، مراد اور عبد الحمید کو بھی ساتھ لے گیا تھا مگر اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان کو استنبول میں چھوڑتے ہوئے ڈرتا تھا اور اس لئے خود ہی ان کی حفاظت کرنا چاہتا تھا۔

جنرل اگنیٹیف نے سلطان کے منصوبوں کو رو براہ لانے کے لئے اس سے زار کی امداد کا وعدہ کیا۔ جنرل اگنیٹیف نہایت ہی عاجزانہ اور مودبانہ طریقے پر سلطان سے گفتگو کرتا تھا اور اسی بنا پر سلطان کو اس حد تک اس پر اعتماد ہو گیا تھا کہ ایک دن اس نے صاف طور پر یہ کہہ دیا کہ دنیا میں اس کا صرف ایک سچا دوست ہے اور وہ روسی سفیر ہے۔

بہرحال ملک کے داخلی سیاسیات میں بہت کچھ ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ ۱۸۷۳ء میں مدحت پاشا نے محمود ندیم کی طاقت کو پامال کر دیا۔ دو سال کے عرصے میں تین شخص ایک دوسرے کے بعد وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ یہ لوگ مدحت پاشا، حسین اوانی پاشا اور اسعد پاشا تھے۔ محمود ندیم ۲۵ اگست ۱۸۷۵ء کو دوبارہ وزیر اعظم مقرر کیا گیا اور ۱۸ اکتوبر ۱۸۷۵ء کو اس نے سلطنت کے دیوالیہ ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ محمود ندیم نے سلطنت کا تمام روپیہ حرم پر صرف کر دیا۔ اس نے روس کے تمام مطالبات کو تسلیم کر لیا، اور بالآخر ۱۲ مئی ۱۸۷۶ء کو سفتائیوں کے ایک مظاہرے نے اسی کی غیر ہر دلعزیزی کے بوجھ سے اس کو کچل ڈالا۔ نئے وزیر اعظم، محمد رشدی پاشا نے سلطان کی معزولی کی تجویز کا نہایت جوش کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ ابتداً مدحت پاشا اور حسین اوانی پاشا، وزیر حربیہ نے سلطان کی معزولی کی تجویز کی تھی۔ انگریزی سفیر کی سرپرستی میں، جو روس کے روز افزوں اثرات سے خائف تھا، ایک سازش برپا کی گئی جس نے اصلاح پسند اور ترکان قدیم کی جماعتوں کو متحد کر دیا، جس میں مدحت پاشا، حسین اوانی

رویف پاشا، صدر مجلس علیہ حربیہ، محمود داماد پاشا اور نوری پاشا، جو مراد کے نسبتی بھائی تھے۔ اور سلیمان پاشا وغیرہ بھی شریک تھے۔ شیخ الاسلام حسن خیر اللہ نے عبد العزیز کی معزولی کا فتویٰ دے دیا، جو حسب ذیل ہے:۔

سوال:۔ اگر امیر المومنین دانشمندی سے کام نہ لیں اور اگر فرمانروئی کے لئے جس سیاست دانی کی ضرورت ہے، اس سے ناواقف ہوں۔ اگر ان کے ذاتی اخراجات اتنے کثیر ہوں کہ سلطنت ان کا انتظام نہ کر سکے۔ اگر ان کے تخت پر برقرار رہنے سے سنجیدہ نتائج مرتب نہ ہو سکیں تو کیا ایسی صورت میں اُن کو معزول کیا جا سکتا ہے۔ یا نہیں۔

جواب:۔ قانون شریعت کی رو سے معزول کیا جا سکتا ہے۔

۲۹ اور ۳۰ مئی کی درمیانی شب میں حسین اوانی پاشا، مراد کی خدمت میں اس طرح حاضر ہوا کہ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ وہ مراد کو لے کر سراسکرت آیا، جہاں تمام اعلیٰ عہدہ دار جو سازش میں شریک تھے، موجود تھے اور یہاں لاکر اس کی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ اسی رات کو پیدل فوج کے ایک دستے نے خشکی کی طرف سے عبد العزیز کے محل کو گھیر لیا۔ مدرسہ حربیہ کے طالب علم اندرونی کمروں پر قابض ہو گئے اور خوجہ سراؤں کے سردار نے سلطان کو آگاہ کر دیا کہ اب اس کی بادشاہی کا دور ختم ہو چکا۔ دو روز کے بعد عبد العزیز نے انتہائے یاس کی حالت میں قینچی سے اپنی رگوں کو کھول کر خود ہی اپنے کو ہلاک کر دیا۔[1] مراد خامس نے صرف تین مہینے حکومت کی۔ کہا جاتا ہے کہ اپنی تخت نشینی کی خوشی، اپنے چچا کی المناک موت، اور عزیز کی محبوبہ کے ابن عم اور عاشق، چرکس (Tcherkes) حسن بے کے ہاتھوں حسین اوانی نیز ۲۹ مئی کے انقلاب کے

[1] مدحت پاشا کے مخالفین کا بیان ہے کہ اس نے اپنے منتخب کئے ہوئے سلطان مراد کی تخت نشینی کو زیادہ تیقن کرنے کے لئے عبد العزیز کو قتل کرا دیا تھا۔ ۲۷، ۲۸ اور ۲۹ جون کو ملتہ کوشک عبد العزیز کی موت کے متعلق جو تحقیقات کی گئی تھی اس میں شک نہیں کہ اُس میں مدحت اور اس کے شرکا و معاونین پر عبد العزیز کے قتل کا جرم عاید کر دیا گیا تھا مگر یہ فیصلہ حکومت کے ایما پر کیا گیا تھا جو اس معلمے سے جس طرح بھی ہو نجات حاصل کر لینا چاہتی تھی مگر جو صاف طور پر اس پر دست درازی کرنے کی جرات بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس شاہی تحقیقات کے المناک مباحث میں جب یہ امر بھی کسی طرح ثابت نہیں ہو سکا کہ عبد العزیز کو قتل کیا گیا تو پھر مدحت کو کسی صورت سے قتل کا مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

بعض دوسرے شرکاء و معاونین کے قتل نے اس کے دماغ کو کمزور کر دیا۔ اگست میں اس کو معزول کر دیا گیا اور آل عثمان کا عصائے شاہی، عبدالحمید کے ہاتھ میں آگیا۔ استنبول میں ایک کثیر التعداد جماعت نے ہمیشہ اس سرکاری فیصلے کے خلاف احتجاج کیا ہے اور ہمیشہ یہ باور کرتی رہی ہے کہ مراد کا دماغ بالکل درست تھا اور وہ ہرگز پاگل نہیں ہوا تھا۔ ان لوگوں کا بیان ہے کہ اس کو زہر دیا گیا تھا۔

سلطنت کی بد انتظامیاں آخر رنگ لا رہی تھیں۔ 'بیمار' پر نزع کا عالم تھا۔ باسنہ اور ہرسک میں آگ لگی ہوئی تھی۔ بلغاریہ میں خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں اور ہر طرف کھنڈر ہی کھنڈر نظر آتے تھے۔ جبل اسود اور سربیہ اُن سلیوین آبادیوں کی جو باب عالی کے قبضے میں تھیں، آزادی کا بزور شمشیر نہایت دلیری کے ساتھ دعوے کر رہے تھے۔ یورپ مخالفانہ انداز میں آیندہ واقعات کا منتظر تھا۔ روس اپنے شکار کو جس کا وہ مدت سے منتظر تھا، دبوچ بیٹھنے کا موقع تلاش کر رہا تھا۔ بالآخر مشرق میں ایک نئی لڑائی چھڑ گئی جو آیندہ چل کر ترکی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والی تھی۔

سولھواں باب

عبدالحمید اور مشرق کی جنگ

ہرسک کی بغاوت اور بلغاریہ میں قتل عام۔ قرہ طاغ اور سربیہ کے خلاف ترکی کی جنگ (جولائی ۱۸۷۵ء تا مارچ ۱۸۷۷ء)۔ ۲۳ دسمبر ۱۸۷۶ء کا دستور۔ قسطنطنیہ کی کانفرنس۔ معاہدہ لندن (۳۱ مارچ ۱۸۷۷ء)۔ جنگ روس (۱۸۷۷ء تا ۱۸۷۸ء)۔ معاہدہ سان اسٹیفانو (۳ مارچ ۱۸۷۸ء)۔ معاہدہ برلن (۱۳ جولائی ۱۸۷۸ء)۔

ہرسک کی بغاوت اور بلغاریہ میں قتل عام

سلطنت کے دوسرے صوبوں میں عیسائیوں کی حالت بوسنیہ اور ہرسک سے بھی زیادہ شکستہ اور ردی تھی۔ ان صوبوں میں فوجی خدمت کے معاوضے میں جاگیریں عطا کیے جانے کے طریقے کی بدترین صورت اختیار کی گئی تھی۔ بوسنی سرداروں کے اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے ان کے مالکانہ اختیارات میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا اور ان کو

کاشتکاروں پر اور بھی زیادہ بار ڈالنے کا موقعہ مل گیا تھا۔ "مذہبی منافرت میں فرقہ وار منافرت کا جزو بھی شامل ہوگیا تھا اور ان لوگوں نے ترکوں سے بھی زیادہ تعصب سے کام لے کر کاشتکاروں کو حقیقی معنی میں اپنا غلام بنالیا تھا۔ سراجیہ (Serajevo) کے دروازے پر اب تک لوگوں کو وہ درخت دکھایا جاتا ہے جہاں اس ضلع کے سردار بدقسمت کاشتکاروں کے پھانسی پر لٹکائے جانے کا تماشا دیکھنے جایا کرتے تھے۔"

۱۸۴۵ء میں باب عالی نے جب بوسنی سرداروں کی طاقت کو توڑ ڈالنا چاہا تو یہاں ایک شدید بغاوت برپا ہوگئی جس کے سرغنہ فضلی پاشائے سراجیہ، محمود پاشائے طوزلی، مصلح پاشائے بہاج (Bihatch) علی بے بن جنوتکی (of Banjanutaka) اور علی قدیچ (kiditch) تھے باب عالی نے اپنے بہترین سپہ سالار عمر پاشا کو ان سے لڑانے کے لئے بھیجا۔ عمر پاشا کو یہاں فتح تو حاصل ہوئی مگر شدید جنگ اور کثیر نقصان اٹھانے کے بعد۔ جن عیسائیوں نے شاہی افواج کو اپنی انتہائی طاقت کے ساتھ امداد کی تھی، وہ یہ سمجھنے لگے کہ ترکوں سے اب اپنے تمام مطالبات کو منوالیں گے۔ ان لوگوں نے بن جلوکا میں ایک جلسہ منعقد کرکے مساوات اور ان تمام قدیم حقوق کا مطالبہ کیا، جو ان کو ترکی فتح سے پہلے بحیثیت مالکان اراضی حاصل تھے۔ عمر پاشا نے اس مطالبے کے جواب میں ان کے نمائندوں کو قید کردیا اور تمام عیسائیوں سے ہتھیارے لینے کا حکم دے دیا۔ اس حکم کے یہ معنی تھے کہ عیسائیوں کو ہمیشہ کے لئے بوسنی سرداروں کا شکار بنا دیا جائے، جو ان کو قتل کرنے میں کبھی پس وپیش نہیں کرتے تھے، غیر مسلح ہونے کے باوجود، مصائب کی شدت اور قرہ طاغ کی قربت نے ۱۸۵۷ء اور ۱۸۶۱ء میں عیسائیوں کو بغاوت پر مشتعل کردیا۔ دونوں بغاوتوں کی ناکامی اور ان بیرحمانہ افعال نے بھی، جو بغاوتوں کے بعد واقع ہوئے عیسائیوں کو مایوس نہیں کیا اور ۱۸۷۵ء میں انھوں نے حسب ذیل اپیل باب عالی میں پیش کیا۔

(۱) بھیڑوں اور بکروں پر جو محصول لیا جاتا ہے اس میں تخفیف کردی جائے۔

(۲) فوجی خدمت سے استثنا کے متعلقہ محصول کو کم کردیا جائے۔

(۳) یہ وعدہ کیا جائے کہ نئے محاصل عائد نہیں کئے جائیں گے۔

(۴) ایک ملکی جندرامہ کی تنظیم عمل میں لائی جائے۔

ان لوگوں کو اس کا کوئی جواب نہیں دیا گیا اور اس لئے انھوں نے دوبارہ

تلواروں کے قبضوں پر ہاتھ ڈال دئے۔ اگست کی ابتدائی تاریخوں میں قرہ طاغ کے قریب ایک چھوٹے سے قصبہ، استولیٹز نے علم بغاوت بلند کر دیا اور ایک یادداشت میں بوسنہ اور ہرسک کو جنگ کی دعوت دیدی گئی:

"بھائیو! کسووہ کی لڑائی کو زمانہ گزر چکا ہے لیکن اس وقت سے آج تک ہماری قوم برابر بے رحمیوں، ناانصافیوں، غارتگریوں اور بدسلوکیوں کا شکار بنی ہوئی ہے۔ زمین کے چپے چپے کو ہمارے آباو اجداد کے خون اور آنسوؤں سے سینچا گیا ہے۔ ترک تمام مسیح کی اولاد کے مذہب، اُن کی آزادی، عزت، اور املاک کو پامال کر رہے ہیں۔"

ابتدا میں باب عالی نے اس سپر برداری کا کچھ خیال نہیں کیا۔ وزیر اعظم اسد پاشا نے اس بغاوت کو اس قدر حقیر سمجھا کہ اس نے سلطان کو اس کی اطلاع بھی نہیں دی۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے میں تمام ہرسک اس تحریک میں شریک ہو گیا اور پھر یہاں سے یہ تحریک بوسنہ میں بھی پھیل گئی۔ باغیوں نے نکچ اور پیوا کی ناکہ بندی کر دی اور مختار پاشا کو نکچ کے آزاد کرنے کی کوشش میں سخت ہزیمت ہوئی۔ پیوا کی مستحفظ فوج کے لئے بہت جلد اس قدر شدید خطرہ پیدا ہو گیا کہ استنبول میں اس کے تخلیے کے مسئلہ پر غور کیا جانے لگا۔ لیکن سرعسکر، نمیق پاشا عثمانی اسلحہ کی اس قدر صریح توہین پر اس درجہ برافروختہ ہوا کہ اس نے روف پاشا کو نہایت ہی جوشیلے الفاظ میں، عثمانی علم کی عزت بچا لینے کا فوراً حکم دے دیا۔" اس نے روف پاشا کو تار دیا کہ "اگر تم فوراً ہی اس بٹالین کو، جو پیوا میں گھری ہوئی ہے، مخلصی دینے کے لئے روانہ نہ ہو جاؤ تو خدا، رسول اور تمام آل عثمان کی تم پر لعنت ہو۔"

پیوا باغیوں کے پنجے سے آزاد ہو گیا۔ لیکن اس فتح کا باغیوں پر کوئی نمایاں اثر نہیں پڑا۔ قرہ طاغ اور سربیا سے روزانہ سینکڑوں رضا کار آتے تھے اور باغیوں کی صفوں میں شامل ہو جاتے تھے۔ سلیوی ممالک میں ان لوگوں کے لئے اسلحہ اور گولہ باروت مہیا کرنے کے لئے انجمنیں قائم ہو گئی تھیں۔ ماسکو کی پین سلیوک کمیٹیاں، جو دراصل بغاوت کی بانی تھی روپے سے ان کی مدد کر رہی تھیں اور رضا کاروں کو باقاعدہ لڑانے کے لئے تجربہ کار افسر برابر بھیجے جا رہے تھے۔ باب عالی نے ایک فرمان نافذ کر کے، جس میں عدالتی اور عاملی اختیارات کی علٰحدگی، انتخاب کے لئے ججوں کی نامزدگی، محاصل کی

جمعبندی اور رسول اور پولیٹکل مساوات کا وعدہ کیا گیا تھا مصالحت کرنے کی کوشش کی (۱۲ دسمبر ۱۸۶۶ء)۔ باغیوں نے ان مواعید پر اعتماد نہیں کیا اور ضمانت طلب کی۔ آسٹریا نے، جو در پردہ اس تحریک کی سرپرستی کر رہا تھا، روس اور جرمنی کے ساتھ قبل از قبل مفاہمت کر لینے کے بعد باب عالی کے نام ایک مراسلت روانہ کی جس میں مذہبی آزادی۔ محاصل کی متاجری کے طریقے کی منسوخی۔ مقامی پیداوار کا مقامی ضروریات میں استعمال۔ قانون انتظام جائداد کی نظر ثانی اور ایک مشترک مستحفظ کمیشن کی نامزدگی کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ کافی عرصے تک غور و خوض کر لینے کے بعد سلطان نے اندر اسی یادداشت کو منظور کر لیا (۱۲ فروری ۱۸۷۶ء) لیکن باغیوں نے اس وقت ہتھیار ڈالدینے سے انکار کر دیا جب تک کہ ترکی فوجیں ہرسک کا تخلیہ نہ کر دیں۔ سلانیک میں فرانسیسی اور المانی قونسلوں کے قتل نے، جن کو بعض ترکی عہدہ داروں کے ایما سے متعصب لوگوں کی ایک جماعت نے قتل کیا تھا۔ روس کو اس امر کا موقعہ دے دیا کہ وہ یورپ کو ترکی کے سلیوین باشندوں کی طرف سے مداخلت کرنے پر مجبور کر دے۔ یادداشت برلن میں جو شمالی دول کے وزرا نے متفقہ طور پر مرتب کی تھی، باب عالی سے ان تمام اصلاحات کو نافذ کرنے کا جن کا اندر اسی نوٹ میں ذکر کیا گیا تھا۔ اور باغیوں کے ساتھ کامل طور پر مفاہمت کرنے کی غرض سے جنگ کو دو مہینے کے لئے ملتوی کر دینے کا مطالبہ کیا گیا۔ اور بصورت عدم تعمیل جبر سے کام لینے کی دھمکی دی گئی۔ (یکم مئی) اس یادداشت سے تمام دول نے بہ استثنائے انگلستان اتفاق کر لیا۔ اور باب عالی نے انگلستان کے طرز عمل پر اعتماد کر کے ایک ایسے فعل کے انجام دینے سے، جو ترکی اقتدار اور خود مختاری سے مغائر تھا، انکار کر دیا۔ ہرسک کی بغاوت سے جو مشکلیں پیدا ہو گئی تھیں ان میں اب یکایک ان تمام پیچیدگیوں کا اضافہ ہو گیا، جو بلغاری قتل عام کا نتیجہ تھیں۔

ل سلیم بے، سردار پولیس کو پندرہ سال کی قید بامشقت قلعہ رودس میں دی گئی۔ رضا بے، کارویٹ کے کپتان کو قلعہ رودس میں دس سال کے لئے نظر بند کیا گیا۔ عطا بے، پیدل فوج کے کرنل کو سلانیک کے قلعے میں تین سال کے لئے قید کیا گیا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے پوری سزا نہیں بھگتی۔

ل Chancelleries of the North

بلغاریہ والے اہل بوسنہ اور اہل ہرزگ سے کچھ کم مصیبت زدہ نہیں تھے فرق صرف اسقدر تھا کہ بلغاریہ میں یہ کی جگہ چرکس نے لے لی تھی ۱۸۶۳ء اور ۱۸۶۴ء کے خروج کے وقت، جس نے ترکی آبادی میں ہزارہا باشندگان قفقاز کا اضافہ کردیا تھا، ترکی حکومت نے ان لوگوں کی ایک کثیر تعداد کو بلغاریہ میں بسادیا تھا اور دریائے طونہ کے قریب جنگی نوآبادیات قائم کرنے کا خیال کیا جارہا تھا۔ ان قفقازی باشندوں کی آمد ان مقامات کے لئے، جہاں ان کو آباد کیا گیا تھا، ایک مصیبت تھی۔ یہ مقامات اورنہ اور فلبہ تھے جن کو ۱۸۶۴ء اور ۱۸۶۵ء کے پورے موسم سرمائے میں ان مہاجرین کے لئے خورونوش کا انتظام کرنا پڑا۔ چرکس نے لوگوں کے ساتھ بدسلوکیاں کرنی شروع کردیں اور ان کو مہاجرین کے آرام و آسائش کا ہر طرح خیال رکھنے پر مجبور کیا، جن کو بجائے خود اس بات پر فخر تھا کہ وہ مبارزین ہیں نہ کہ مزدور اور اس لئے کسی قسم کا کام کرنا ان کی صریح اہانت ہے۔ ۱۸۶۵ء میں جب کہ وہ دبروجہ میں اور دریائے طونہ کے کنارے پر آباد ہوگئے تو انھوں نے عیسائیوں کے کپڑوں، گھوڑوں، گاڑیوں اور مویشیوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کردیا۔ ہر پانچ بلغاری خاندانوں کو اب اس امر پر مجبور کیا گیا کہ وہ مشترکہ طور پر ایک چرکسی خاندان کے لئے مکان بنائیں اور کاشتکاری کریں۔ قفقازی باشندوں کے لئے یہ انتظام اس قدر آرام دہ تھا کہ وہ جس طرح بھی ہو اس کو برقرار رکھنے کے خواہاں تھے نتیجہ یہ ہوا کہ بلغاری تھوڑے عرصے میں ان کے "خران باربردار" بن گئے اگرچہ حکومت اشاعت تعلیم کو روکنے کی کوششوں میں مصروف تھی لیکن بلغاریہ کی حیات ذہنیہ در اصل ایک نتیجہ لازم تھی اس کی حیات سیاسیہ کا۔ ۱۸۶۹ء تک بلغاریہ میں فن طباعت مفقود تھا۔ معمولی سی وجہ پر اور بعض اوقات بغیر کسی سبب کے، جیسا کہ سیستادہ میں واقع ہوا، پروفیسروں کو اس جرم میں کہ وہ بلغاریہ کے نوجوانوں میں مغربی خیالات پھیلاتے تھے، قید کرلیا جاتا تھا یا ایشیا کے بعید ترین مقامات میں جلاوطن کردیا جاتا تھا۔ یہ صوبہ محاصل کے بوجھ سے پسا جارہا تھا جن میں فی بھیڑ ایک فرانک، جزیہ جو نومولود بچوں پر بھی لیا جاتا تھا، عشر، جو عموماً دگنا وصول کیا جاتا تھا، اور ان کے علاوہ بے شمار غیر معمولی اور ضمنی محاصل بھی شامل تھے۔ ۱۸۶۷ء اور ۱۸۶۸ء میں بغاوت کے آثار نے مسلمانوں کو چوکنا کردیا تھا اور وہ بدظن ہوگئے تھے۔

سلاوونی صوبوں کی بغاوت نے ایک طرف تو بلغاریہ کی امیدوں کو تازہ کردیا اور دوسری طرف

ترکوں میں تعصب کی آگ بھڑکا دی۔ ہر جگہ مسلمان باشندے مسلح ہوگئے اور عیسائیوں پر یکایک جا پڑنے کا موقع تلاش کرنے لگے۔ اور حکومت نے خارجی قونصلوں کی رپورٹوں اور سرکاری مراسلات میں توجہ دلائے جانے کے باوجود بھی کوئی انتظام نہیں کیا۔

آسلوکینی اور استریلیتزا[1] میں کئی سو باغیوں نے تمام مسلمانوں کو قتل کر ڈالا[2] اور بلغاری علم بلند کردیا (اپریل ۱۸۷۶ء) وزیر اعظم، محمد ندیم پاشا نے ایسے لوگوں کی، جو نہایت کم ہمت اور ڈرپوک تھے اور جواب تک ہر قسم کے حالات سے سازگاری پیدا کرتے رہے تھے، بغاوت سے خائف ہوکر، سخت تدابیر اختیار کیں۔ باقاعدہ فوج کی دو یا تین بٹالین بغاوت کو فرو کرنے کے لئے کافی ہوسکتی تھیں لیکن باقاعدہ فوج بھیجنے کے بجائے اس نے دس ہزار چرکس اور باشی بزوکسی کو بلغاریہ والوں پر چھوڑ دیا[3]۔

یہ بدقسمت ملک خون کا ایک دریا بن گیا تین مہینے تک بستیاں جلتی رہیں اور قتل عام کا سلسلہ جاری رہا۔ بطلک (Batak) میں، جہاں بغاوت کا نشان بھی نہیں تھا، سات ہزار باشندوں میں سے پانچ ہزار مارے گئے۔ لیکن پیروزلیتزہ (Pierouslitza) میں بلغاریوں نے بغیر انتقام لئے مرنا گوارا نہیں کیا۔ اور ایک نہایت مضبوط و مستحکم گرجا میں قلعہ بند ہوکر انھوں نے چار دن تک لڑائی کو اسی جوش و خروش کے ساتھ جاری رکھا جو ایک مایوس انسان میں پیدا ہوجاتا ہے۔ اس مدافعت کو ختم کرنے کی غرض سے توپوں سے کام لیا گیا۔ تمام محصورین ہلاک ہوگئے۔ صرف چند لڑکے اور لڑکیاں زندہ بچیں جن کو استنبول بردہ فروشوں کے بازار میں بکنے کے لیے بھیج دیا گیا۔ نیبولی کے پاس ایک چھوٹے سے گاؤں میں تین سو بلغاریوں یعنی گاؤں کے تمام مردوں کو بغیر کسی تحقیقات کے قتل کردیا گیا۔ انگریزی تحقیقات میں، جس کے متعلق یہ کہنا قطعی ناممکن ہے کہ اس میں ترکوں کی جانب داری سے کام نہیں لیا گیا[4]، مقتولین کی تعداد کو بارہ ہزار اور فرانسیسی

---

[1] Oslukeny and Strelitza

[2] چونکہ ان مظالم کا اظہار، جو عیسائی باغیوں نے اس موقع پر مسلمانوں پر توڑے متعصب عیسائی مصنف کے اغراض کے منافی تھا اس لئے صرف اسی پر اکتفا کیا گیا کہ "تمام مسلمانوں کو قتل کردیا" مگر وہ موقع آرہا ہے جہاں مسلمانوں کے موہوم مظالم کا یہی شخص راگ گانے والا ہے (رضا)

[3] اب ملاحظہ فرمائیے۔ گویا شکار پر کتوں کو چھوڑ دیا۔

[4] جب کبھی، صدیوں کے بعد، انگریزی حق پسندی کی کوئی ناقص ترین مثال بھی ملتی ہے تو اس کتاب کا عیسائی مصنف اس کو

سفارت کی رپورٹ میں بیس ہزار بیان کیا گیا ہے۔ باب عالی نے یورپ میں اس ہنگامے کی ہیبت کے احساس میں کمی پیدا کر دینے کی غرض سے مسلمانوں کو اس کا ذمہ دار قرار دیا جو اس خطرے سے کہ ان کا کامل طور پر استیصال کیا جانے والا ہے خائف اور ان مظالم سے جو بلغاریہ والوں نے ان پر توڑے، غصے میں آپے سے باہر ہو گئے تھے۔ باب عالی کی طرف سے ان مظالم کی تردید کی گئی جو باشی بزوکس کی طرف منسوب کئے گئے تھے۔ لیکن ان تعبیرات کی وجہ سے ان اثرات میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی جو خارجی نمایندوں کی رپورٹوں کی بنا پر ان کی حکومتوں میں پیدا ہو گئے تھے۔ فرانسیسی سفیر نے وزیر خارجہ کو تحریر کیا کہ: — ان کی جانفشانی اور عمدہ اخلاق کا یہ نتیجہ ہے کہ بہت مظالم کے باوجود بلقان کی عیسائی آبادی میں دولت اور تعلیم بڑھ رہی ہے اور ان چیزوں کی قوت سے وہ مسلمانوں پر فوقیت حاصل کرتے جا رہے ہیں۔[1] یہ ایک ایسی فطری اور جائز ترقی ہے کہ بعض عثمانی وطن پرست تلوار اور آگ کے ذریعے سے اس کو روکنے کا خیال رکھتے ہیں۔[2]

مسٹر بیرنگ کی تحقیقاتی رپورٹ اور ڈیلی نیوز کے نامہ نگار کے بیانات نے انگلستان کی پبلک میں غصہ پیدا کر دیا۔ اور لارڈ ڈربی نے اہل سربیہ پر ترکوں کی ابتدائی فتوحات کے موقع پر برطانوی سفیر، سر ہنری ایلیٹ کے نام حسب ذیل تار روانہ کیا:۔

ہز میجسٹی کو گورنمنٹ کا خیال ہے کہ زیچار (Zritchar) پر قبضہ ہو جانے کی وجہ سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ: ترکوں کی حمایت اور جانب داری سے تعبیر کر دیتا ہے اور اس طرح اپنی غرض کو کسی موقعے پر بھی، چاہے انگریز برا مانیں یا بھلا، ہاتھ سے نہیں جانے دیتا (رعنا)

[1] کیا اس کے بعد بھی ترکوں کے تعلیم کی اشاعت روکنے اور عیسائیوں کی مسلمانوں کے ہاتھوں لوٹ مار کے من گھڑت افسانوں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ (رعنا)

[2] یہ نقطہ بھی قابل غور ہے۔ اور اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ہے کہ ہر جگہ بعض انتہاپسند شخصیتیں موجود ہوتی ہیں (رعنا)

[3] بیاض اصفر ۱۸۷۵ء و ۱۸۷۶ء:۔ ۱۲ اگست ۱۸۷۶ء کو ام ڈی بورگو ان حسب ذیل سطریں لکھی تھیں:۔ بلغاریہ والوں کو معافی نامہ دے دیا گیا ہے لیکن باغیوں کے خاص خاص لوگ اور سرغنہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ایسی پابندیوں کے ساتھ اس قسم کی تدبیر مضحکہ خیز ہے اور پھانسیوں کو وسیع پیمانے پر جائز رکھتی ہے۔ بعض بدبختوں کو آزاد کر دیا گیا ہے لیکن مشتبہ لوگوں کو بے رحمی کے ساتھ برابر پھانسیاں دی جا رہی ہیں۔" ان پھانسیوں کا سلسلہ ۱۸۷۶ء کے اخیر تک جاری رہا۔

ممکن ہے کہ سربیہ کے حصے پر ترکی فوجیں قابض ہو جائیں۔ لہذا میں یور اکسیلنسی کو ہدایت کرتا ہوں کہ فوجوں پر کافی نگرانی رکھنے کی قطعی ضرورت کو باب عالی کے اچھی طرح ذہن نشیں کرا دیا جائے تاکہ غیر مسلح آبادی محفوظ رہے اور یہ کہ بلغاریہ میں جو مظالم واقع ہوئے ان کا اعادہ نہ ہو۔ یور اکسیلنسی یہ امر (باب عالی پر) واضح کر دیں کہ اس قسم کے مظالم کا اعادہ لڑائی میں شکست کھانے سے زیادہ تباہی خیز ہوگا۔ یورپ کی خشمناکی ناقابل مقاومت ہو جائے گی اور ترکی کے معاملات میں حریفانہ مداخلت کا فوراً آغاز ہو جائے گا"۔

لیکن سربیہ اور قرہ طاغ اور باب عالی میں لڑائی اس سے پہلے شروع ہو چکی تھی۔

ترکی اور سربیہ و قرہ طاغ (مانٹی نیگرو) میں لڑائی

(جولائی ۱۸۷۶ء تا مارچ ۱۸۷۸ء)

سلافیقی رعایا کی بغاوت کے آغاز سے اہل سربیہ و قرہ طاغ نے باغیوں کو کھلم کھلا مدد دی تھی۔ اور دونوں ریاستوں سے بے شمار رضا کار بھیجے گئے تھے۔ مختار پاشا کا بیان ہے کہ قرہ طاغ کی پوری پوری بٹالینیں باغیوں کی طرف سے ترکوں سے لڑی تھیں املادینا (Omladina) کی اثر و اشاعت کی سرگرمیوں کی وجہ سے احساسات میں بہت کچھ انتشار پیدا ہو گیا تھا۔ اور بلغراد میں سربیہ میں اتحاد قائم کرنے کی غرض سے جنگ کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ (Omladina) کے قیام کی غرض یہ تھی کہ سلافیقی لٹریچر میں ترقی اور ابتدائی تعلیم کی اشاعت کی جائے۔ اس نے اپنی تمام تر طاقتیں صرف اس غرض کے پورا کرنے میں صرف کر دی تھیں کہ تمام یاخو سلیفیقن لوگوں کو ایک حکومت کے ماتحت متحد کر دیا جائے چنانچہ وہ تحریکیں جو ترکی کے یاخو سلافیقن صوبہ جات میں پیدا ہوتی ہیں اس ایک خیال کا نتیجہ ہیں۔ یہ ایک عظیم الشان خفیہ انجمن ہے جو سلافیقی وطن دوستوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کرتی ہے۔

یہ لوگ انھیں خیالات کی آڑ لے کر آپس میں اتحاد قائم کرتے ہیں اور یہ بالکل درست ہے کہ یہ براگو سے لے کر طولوتو تک کوئی معمولی سا شہر بھی ایسا نہیں ہے جہاں اس کا مرکز قائم نہ ہو اور جہاں (Agram) اگرام سے ہدایتیں موصول نہ ہوتی ہوں۔ خود اگرام کے صدر اکادمی کے الفاظ ہیں کہ: "سربیہ، کروشیہ، سلوفینی اور بلغاریہ کے بیچ میں اب نہ تو کوئی پہاڑ حائل ہے اور نہ کوئی دریا۔"[1]

حکومت سربیہ رعایا کی تمناؤں میں برابر کی حصہ دار تھی۔ چنانچہ اس نے گھوڑے۔ توپیں اور بندوقیں خریدیں اور ایک روسی جنرل، جس نے تاشقند کی تسخیر کے موقع پر بہت کچھ نام پیدا کر لیا تھا، سربی فوج کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔[2] ان حالات کو دیکھ کر باب عالی نے نیش میں ایک طلایہ کی فوج جس میں چالیس ہزار آدمی تھے، اور سقوطری میں ایک دوسری فوج کو مجتمع کر دیا، جس کے ذمے سرنیگورا کی حفاظت و مدافعت تھی۔ ۸/ جون ۱۸۷۶ء کو وزیر اعظم نے دونوں رئیسوں سے اس اسلحہ بندی کا سبب دریافت کیا۔ پرنس میلان نے یہ عذر پیش کیا کہ نیش میں ترکی فوجوں کی موجودگی کی وجہ سے البانی اور چرکسی حملوں کا خوف، جن کو روکنے نیز سرحدات کے احترام اور ملک کے امن و امان کو برقرار رکھنے کی غرض سے فوجوں کو آراستہ کیا گیا ہے۔ پرنس نکولاس کی طرف سے یہ عذر پیش کیا گیا کہ چونکہ ترکی فوجوں کو آراستہ کیا گیا ہے اس لئے اس نے بھی اپنی فوجوں کو آراستہ کر لیا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ادھر اس نے باب عالی کو یہ باور کرانا چاہا کہ وہ صلح کا طالب ہے اور ادھر سربیہ کے ساتھ ایک جارحی اور مدافعی معاہدہ کر لیا تھا۔

جون کے اواخر میں پرنس میلان نے بالآخر اپنے تمام منصوبوں کا پردہ فاش کر دیا۔ اس نے باب عالی سے یہ مطالبہ کیا کہ بوسنہ کی بغاوت کو فرو کرنے کی ذمہ داری سربی افواج کے تفویض کر دی جائے۔ شاہ قرہ طاغ نے بھی علیٰ ہذا ہرسک کے ایک حصے کی تحویل کا مطالبہ کر دیا۔ یکم جولائی کو سربی افواج سرحد سے گزریں اور قرہ طاغ کی

---

[1] Ch. Yriark. "La Bosnie et l' Herzegovine Pendant l' insurrection.

[2] Tchernaiew.

ایک بیس ہزار کی فوج نے ہرسک پر حملہ کردیا۔ طربگون (Trebigne) پر مختار پاشا کی شکست اور پوگریزہ (Podgoritza) پر محمود پاشا کی ہزیمت سے قرہ طاغی فوجوں کو نکیشں (Niksich) پوگریزہ، اور میدوہ (medua) کی ناکہ بندی کر دینے کا موقع مل گیا لیکن سربی فوج کی شکست سے ان کے دل افسردہ ہوگئے۔

حکومت سربیہ کو اگر کوئی معقول تدبیر اس موقع پر سوجھی تو وہ یہ تھی کہ بوسنہ پر حملہ کرنے کی غرض سے فوجوں کا تمام تر دباؤ دربینہ پر ڈالا جائے۔ اور پھر سینیزہ (Sienitza) کی طرف کوچ کر کے قرہ طاغی فوج کو کمک پہنچائی جائے۔ یہ کرنل اوبیس کودیش کی رائے تھی۔ بوسنہ ہی در اصل اس جنگ کا مقصد اور حیلہ تھا اور اس لئے اسی مقام پر شدید ترین حملے کی ضرورت تھی۔ قرہ طاغی فوج کے ساتھ اتصال قائم کرلینے اور بوسنہ کے، بہاں عیسائی آبادی علم بغاوت بلند کرنے کے لئے صرف اس آزاد کنندہ فوج کی آمد کی منتظر تھی۔ سلطنت سے علیحدہ اور مدد کی تمام امیدوں کے منقطع ہو جانے کے بعد بوسنہ کی فتح یقینی تھی۔ لیکن پرنس میلان کے مشیروں کو آسٹریا کے ناراض ہوجانے کا خوف اور اس امر کا خدشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بوسنہ کا حملہ ویانا کی کابینہ کو مجاری (Hungarian) تحریکات کے منظور کر لینے پر آمادہ کردے، جو سربیہ کا دعویدار تھا۔ اس کے علاوہ بوسنی باغیوں نے پرنس پیٹر قرہ گرجی ویش (Prince Peter) (Karageorgevitch) کو، جو تخت سربیہ کا مدعی تھا، اپنا سردار منتخب کر کے ایک ایسے جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ جو ایک آبری نوبش کی نظروں میں قطعی ناقابل معافی تھا۔ ادھر پرنس میلان کو یہ خطرہ تھا کہ مبادا اس کے رقیب کو اس کے افعال کا ثمرہ حاصل ہو جائے۔ ان تمام اسباب کی بنا پر جنرل چرناؤ (Tchernaiew) کی یہ تجویز منظور کرلی گئی کہ وادی مورہ (Moraw) اور تموق (Timok) کے راستے سے بلغاریہ پر حملہ کیا جائے اور دربینہ اور عیار پر دشمن کی توجہ منعطف کردی جائے۔ اس تجویز پر عمل کرنے سے جو اہم نقصان ہوا وہ یہ تھا سربی فوجیں چار مختلف سمتوں میں منتشر ہوگئیں۔ دشمن کی توجہ کو اپنی طرف منعطف رکھنے کی غرض سے انھیں جنگ کو جاری رکھنا پڑا مگر باوجود اس کے یہ فوجیں مشترکہ طور پر حملہ نہیں کر سکیں۔ چرناؤ کو یہ امید تھی کہ بلغاریہ میں ایک عام بغاوت واقع ہو جائے گی لیکن بلغاریہ والوں کے جذبہ غیرت اور

جوشِ حریت کے متعلق، جو عام مقاتلوں سے بہت کچھ خوف زدہ ہو گئے تھے نیز سربیہ کے
ذرائع و وسائل کی نسبت اس نے سخت دھوکا کھایا۔ باقاعدہ فوج میں کل پندرہ ہزار
سپاہی تھے اور اگر افسرانِ متعلقہ اپنے اپنے ماتحت دستوں کو جنگ کی تعلیم دینے میں
بے انتہا کوششوں سے کام نہ لیتے تو یہ پندرہ ہزار سپاہی بھی بالکل ناقص اور ناقابلِ
جنگ تھے۔ ریجنٹ بلاس نفاز[1] کا بہ حیثیت وزیر حربیہ زمانہ خدمت سربیہ کے لئے
نہایت ہی تباہی خیز ثابت ہوا تھا۔ وہ اپنے بعد ملک کو بالکل غیر مسلح چھوڑ گیا اسلحہ خانے
خالی تھے، اور توپوں، بندوقوں اور گولہ باروت کی بالکل کمی تھی۔ کرنل نکولش
(Nicholitch) نے ان خرابیوں کو رفع کرنے میں بے انتہا جانفشانی سے کام لے کر
اپنی تنظیمی قابلیت کا پورا پورا ثبوت دے دیا۔ یہ اسی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ
سربیہ اس وقت اس قابل تھا کہ نوے ہزار آدمیوں کو میدان میں اتار سکے جن میں
سے بیشتر ایسی بندوقوں سے مسلح تھے جو جلد جلد فیر کرتی تھیں اور جن کی حفاظت کے لئے
ایک ہر طرح کا مکمل توپ خانہ بھی موجود تھا۔

سربیہ کی اس دلیرانہ مہم نے روس اور آسٹریا کی سلافیقی آبادیوں میں
جوش پھیلا دیا۔ مطران بلغراد نے سربیہ کی امداد کے لئے روس میں ایک ملین مجر
(ducat) فراہم کئے۔ جو چیزیں لوگوں نے خود بخود پیش کیں وہ اس کے علاوہ تھیں
سلافیقی کمیٹیوں نے سپاہی، افسر، ڈاکٹر اور ہاسپیتالی سواریاں بھیجیں۔ سلافونیہ
(Slavonia) بنات (Banat) اور کروشیہ (Croatia) سے سرحدی فوجوں کے
وظیفہ یافتہ سپاہیوں کا ایک کثیر گروہ، آسٹریا ہنگری کی حکومت کی نگرانی و بیداری
کے باوجود ساوہ کو عبور کرکے شباز (Shabatz) کے مقام پر سربی فوج سے آملا۔
ان رضاکاروں میں بوسنہ کے مہاجرین بھی آملے اور ان سب کا ایک جداگانہ
بریگیڈ قائم ہو گیا جو دس بٹالینوں پر مشتمل تھا، اور جس کی کمان پر آسٹری فوج کا
وظیفہ یافتہ افسر میجر پتنک (Major Putnik) تھا۔ بے شمار خارجی افسروں کی
موجودگی کے باوجود سربی فوج کا انتظام معقول نہیں تھا۔ باقاعدہ فوج کے لفٹنٹ

[1] Regent Blasnavatz

بٹالینوں کی کمان کرتے تھے اور کپتان ڈیمی بریگیڈ بلکہ بریگیڈ تک کے سپہ سالار بنا دیے گئے تھے۔ کوئی قابل تذکرہ سوارہ فوج موجود نہیں تھی۔ درینہ کی فوج میں صرف دو اسکواڈرن (دستے) تھے۔ اور مرَوِہ (Morawa) کی فوج میں، چند ناقص اسکواڈرنوں کے علاوہ جو خاص سوارہ فوج تھی وہ قزاقوں اور روسیوں کے چار دستوں (Sotnias) پر مشتمل تھی۔ اس کے علاوہ اسکاؤٹس کا ایک دستہ تھا جو ایک انگریزی افسر کرنل ہیکاپور نے قائم کیا تھا۔ یہ شخص اسٹون وال جیکسن کا قدیم رفیق جنگ تھا۔ صرف توپ خانہ ہی کی تعداد ایسی تھی کہ اس کو مکمل کہا جا سکتا تھا۔

دریائے ٹمک (Timok) پر بمقام ایسٹ (Est) کرنل لسکینن (Leschanin) کو جس کے پاس عثمان پاشا کی جنگ دیدہ افواج کے مقابلے کے لئے ایک بالکل ناتجربہ کار فوج تھی، ویلیکِ اسوار (Veliki-Isvor) کے موریچوں پر تمام حملوں میں ناکامی ہوئی اور باوجود شدید مدافعت کے اس کو زیکار (Zaitcher) کو چھوڑ کر پرسٹوویز (Prestovatz) کی طرف پسپا ہو جانا پڑا۔ مغرب میں کرنل اَیکوایم پیش جو محض ایک بزمی جنگجو تھا اور جس کو درینہ کی فوج کا سپہ سالار باوجود اس کی نااہلی کے صرف اس لئے بنا دیا گیا تھا کہ اس کو حکمران خاندان سے اس درجہ عقیدت تھی جو جنون کی حد تک پہنچی ہوئی تھی، حکومت کے خفیہ احکام کی پابندی کر رہا تھا اس نے بجیلینہ (Bjelina) کی گڑھی کے سامنے اپنی فوج کا کیمپ قائم کر دیا اور اپنی نااہلی سے اپنی فوج کی تباہی کا باعث ہوا۔ یہ اہل سربیہ کی خوش قسمتی تھی کہ کرنل اوریس کوویش، چیف آف اسٹاف، اور میجر ٹینک نے ہر موقع پر اس کی غلطیوں کی تلافی کی۔ جنوب و مغرب میں عبار پر جنرل زاج اور اس کے بعد کرنل انطیش نے اپنی فوجوں کی زبوں حالی کے باوجود اپنی عـزت کو قائم رکھا اور دشمن کی تمام کوششوں کو رد کر دیا۔

وادی مراوہ جنگ کا مرکز تھی چرنائف نے اپنی کوششوں کو کامیابی کے ساتھ شروع کیا تھا۔ ایک شاندار حملے میں اس نے بابینہ غلدوہ کے قلعہ بند کیمپ پر قبضہ کر لیا تھا اور نیش پسپا کر کے پیراسٹ روڈ پر اپنے مقدمۃ الجیش کو بڑھا دیا تھا۔ ایک بالا و برتر فوج سے خائف ہو کر اور اپنے یمین کے، لسکینن کی مزاحمت کی وجہ سے

تباہ ہو جانے کے خطرے سے وہ الگزیناز اور ڈیلگراڈ (Alexinatz and Deligrad) کی طرف پسپا ہو گیا، اور اب ترکی فوج نے جس کی تعداد دو لاکھ تھی اور جس میں نصف بے قاعدہ فوج تھی، جارحانہ طرزِ عمل اختیار کر لیا۔ سلیمان پاشا نے ہروے ٹووٹش (Horvatovitch) پر، جو غماطہ (Gsamada) میں چھ ہزار آدمیوں کے ساتھ گھر گیا تھا، حملہ کر کے، باوجود شدید مدافعت کے شکست دے دی اور جرناؤ کے یسار کے لئے خطرہ پیدا کر دیا (۲۵ جولائی)۔ پنڈیرولو (۳۰ جولائی) اور کنیا جیواز[1] (۳۱ جولائی) کی فتوحات نے ترکوں کو مراوہ کے سیدھے کنارے پر صف آرا ہو جانے کا موقع دے دیا۔ احمد ایوب پاشا نے پچاس ہزار آدمیوں کے ساتھ الگزیناز پر قبضہ کرنے کی کوشش کی مگر پانچ دن کی لڑائی کے بعد اس کو شدید نقصانات کے ساتھ پسپا کر دیا گیا (۲۰ تا ۲۴ اگست)۔ احمد ایوب پاشا نے اب سربیہ والوں سے لڑنے کا ارادہ اور مراوہ کے بائیں کنارے بلغراد پر بڑھنے کی کوشش کی۔ حریف کی نقل و حرکت کے متعلق کافی طور پر معلومات اور رسالے کے نہ ہونے کی وجہ سے نیز تخویف آمیز مظاہرات کے فریب میں آکر جرناؤ احمد ایوب پاشا اور علی صائب پاشا کو سپوفاز (Supovatz) کے قریب مراوہ کو عبور کرنے سے باز نہیں رکھ سکا (۳۰ اگست)۔ یکم ستمبر کو یہ محسوس کر کے کہ اس کے سامنے برائے نام فوج صف آرا ہے، اس نے ترکوں پر اس سے پہلے کہ وہ مجتمع ہو سکیں حملہ کرنے کی غرض سے مراوہ کو عبور کیا لیکن ناکام رہا۔ عبدالکریم پاشا اپنی پیشقدمی کو جاری رکھنے کے لئے بالکل تیار تھا لیکن لڑائی کو ملتوی کر دینے کا حکم مل جانے کی وجہ سے وہ مجبور ہو گیا۔

۲۴ اگست کو پرنس میلان، جو اس عرصے میں پراچین (Paratchin) میں مقیم رہا تھا اور جنگ و جدال سے بالکل الگ تھلگ رہا تھا، دول سے مداخلت کرنے کی التجا کر چکا تھا اور سیاست و تدبر معرض عمل میں آ چکے تھے۔ ۱۴ ستمبر کو باب عالی نے ان شرائط کا اعلان کر دیا، جو وہ سربیہ پر عائد کرنا چاہتی تھی۔

---

[1] Pandirolo and Kniojevatz

ان شرائط میں پرنس کو اظہار اطاعت کے لئے قسطنطنیہ جانے پر مجبور کیا گیا تھا۔ جن قلعوں کا ۱۸۶۷ء میں تخلیہ عمل میں آیا تھا ان پر ستمبر ۱۸۶۲ء کے معاہدے کی شرائط کے حسب منشا از سر نو ترکی قبضے کو لازمی قرار اور اس امر پر زور دیا گیا تھا کہ موجودہ فوج کو منتشر کر دیا جائے اور ریاست کی فوج آئندہ کبھی دس ہزار آدمیوں اور توپ خانے کی باتیریوں (Batteries) سے بڑھنے نہ پائے۔ ان مطالبات کا روس کی طرف سے جو جواب دیا گیا وہ یہ تھا کہ اس نے آسٹریا کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ وہ بوسنہ، ہرسک اور بلغاریہ پر قبضہ کر لے۔ اس تجویز کو منظور نہیں کیا گیا اور انگلستان نے دوسری طاقتوں سے استشارہ کر کے ترکی کی پیش کردہ شرائط کو ناقابل قبول قرار دیا اور ایک یادداشت روانہ کی جس میں سربیہ اور قرہ طاغ کو علیٰ حالہ برقرار رکھنے کی تجویز کی بوسنہ اور ہرسک کے لئے مقامی اختیارات خود انتظامی، بلغاریہ کے لئے ناجائز اور ظالمانہ نظم و نسق کے خلاف ضمانت جس میں آئندہ ترمیم و تنسیخ کا اختیار تھا اور معاہدۂ صلح پر دستخط ثبت ہونے کے لئے کم سے کم چھ ہفتے اور زیادہ سے زیادہ دو مہینے کے لئے فوراً جنگ کو ملتوی کر دینے کا مطالبہ کیا گیا تھا (۲۵ ستمبر)۔ باب عالی نے ان شرائط کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے سپہ سالاروں کو از سر نو جنگ جاری کر دینے کا حکم دے دیا۔

چرناؤ نے جونیس (Djunis) میں اپنا مستقر قائم کیا تھا۔ عبد الکریم نے ۱۹ اکتوبر کو اس کے ساتھ لڑائی چھیڑی۔ یہ لڑائی تمام لڑائیوں سے زیادہ خونخوار تھی تین دن تک اس کا سلسلہ جاری رہا اور شدید نقصانات کے باوجود سربیہ والے اپنے مورچوں پر قائم رہے۔ ۲۹ کو عثمانی جنرل نے، جسے درویش پاشا کی کمک مل گئی تھی، دوبارہ لڑائی شروع کر دی۔ کریٹ ویٹ ری ڈاوٹ[1] کو جہاں سے جونیس پر نگرانی قائم ہوتی تھی اور جس کے قبضے پر لڑائی کے نتیجے کا دارومدار تھا، اس کے مدافعین نے چھوڑ دیا۔ سرؤی سپہ سالار نے اپنی تمام فوجوں کو جمع کر کے بڑے زور و شور سے حملہ کیا مگر ناکام رہا۔ اس کی فوج کے بہترین سپاہی کام آئے اور وہ دشمن کو

لے Crevett Redout

ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹا سکا۔ سربیہ والوں میں وحشت اور خوف پھیل گیا۔ ہروے ٹوڈیش نے یمین کو اپنی جگہ پر قائم رکھنے کی کوشش کی لیکن چرناؤ نے اس کی صفوں کو درہم برہم کر دیا اور وہ قرس چیفاز (Kruschevatz) کے تخلیے پر مجبور ہو گیا، جہاں فاتحین نے آگ لگا دی۔ ادھر چرناؤ نے دشمنوں میں گھر جانے کے خوف سے ولیغراد کو چھوڑ دیا اور پھر انگز نیاز پر بھی قبضہ ہو گیا۔

اس تباہی کی خبروں نے بلغراد میں بہت کچھ ہیجان پھیلا دیا اور ایک عام بھرتی کا اعلان کیا گیا۔ پرنس امدادی فوجیں لے کر بعجلت ممکنہ چرناؤ کی طرف روانہ ہو گیا، جس نے دار الحکومت کو بچانے کے لئے ایک آخری کوشش کرنے کی غرض سے اپنی فوج کی از سر نو تنظیم کی۔ روس، جو دراصل اس جنگ کا بانی مبانی تھا، سلافیقی آبادی کی نظروں میں اپنے اقتدار کے کم ہو جانے کے خوف سے سربیہ کو اپنے حال پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ پرنس گورٹشکوف (Gortshakoff) کے حکم پر جنرل اگنٹیف (Ignatief) نے باب عالی کے نام ایک پیام جنگ بھیج دیا۔ جس کے آخر میں حسب ذیل عبارت درج تھی: "راقم کو ہز مجسٹی کی طرف سے باب عالی کو یہ اطلاع دینے کا حکم دیا گیا ہے کہ اگر اس یادداشت کے موصول ہونے کے بعد اڑتالیس گھنٹے کے اندر چھ ہفتے سے لے کر دو مہینے تک کے لئے ایک ایسا موثر اور غیر مشروط التوائے جنگ، جس میں تمام محاربین شامل ہوں، عمل میں نہیں لایا گیا اور عثمانی افواج کے سپہ سالاروں کے نام تمام قسم کی جنگی مصروفیتوں کو ترک کر دینے کے متعلق فوراً تاکیدی احکام جاری نہیں کیے گئے تو راقم مع تمام عہدہ داران سفارت شاہی کے قسطنطنیہ چھوڑ دے گا۔"

باب عالی نے اس دھمکی کے آگے سر جھکا دیا اور دونوں ریاستوں کے ساتھ دو مہینے کے لئے التوائے جنگ منظور کر لیا جس میں بعد کو مارچ ۱۸۷۷ء تک توسیع ہوئی۔ سربیہ نے جو حصہ لیا تھا وہ ختم ہو گیا اور روس، جو دراصل بانی مبانی تھا اور جواب تک پس پردہ چھپا ہوا تھا اب اسٹیج پر آ گیا۔ ۱۲ر نومبر کو زار نے ماسکو کے محکمہ صفائی کے ساتھ ایک مکالمے میں قرہ طاغ والوں کی جرات کی تعریف کی اور علی الاعلان اس امر کو ظاہر کر دیا کہ روس کو اپنے برادران قوم و مذہب کے ساتھ

کامل ہمدردی ہے۔ ۱۲ کو ایک گشتی میں جو پرنس گورٹشیکوف کی جاری کی ہوئی تھی۔ یورپ کو یہ اطلاع دی گئی کہ ہر ممکن ذریعے سے عیسائیوں کی حفاظت وسلامتی کے متعلق تیقن حاصل کرنے کی غرض سے چھ فوجی دستوں کی ترتیب وتنظیم عمل میں لائی گئی ہے۔ انگلستان نے اختلافات کے تصفیے اور اپنے نقطۂ نظر کو دوسری سلطنتوں پر واضح کرنے کی غرض سے قسطنطنیہ میں ایک یوروپین کانفرنس کے انعقاد کے خیال کو اس موقع پر پھر تازہ کر دیا۔

۲۳ دسمبر ۱۸۷۶ء کا دستور قسطنطنیہ کی کانفرنس معاہدۂ لندن (۳۱ مارچ ۱۸۷۷ء)

جماعت ترقی کنندگان نے خود بخود اصلاحات کا آغاز کر کے سلطنت کے امور داخلہ میں غیر ملکیوں کی مداخلت کا سد باب کرنے کی کوشش کی۔ اس جماعت نے اپنے سردار کو برسر حکومت واقتدار پہنچا دیا اور مدحت پاشا محمد رشدی پاشا کی جگہ وزیر اعظم مقرر ہوا۔ ۱۸۵۶ء میں مدحت مجلس عظمیٰ کا معتمد تھا۔ اس کے بعد روم ایلیہ کو ڈاکوؤں اور رہزنوں سے جو وہاں آباد تھے آزاد کرنے پر مامور کیا گیا تھا۔ پھر بلغاریہ کے حالات کی تحقیقات اس کے ذمے کی گئی تھی۔ بعد ازاں متصرف نیش گورنر اسکوب ڈپریسیڈنٹ، ولایت طونہ کا گورنر جنرل، اور صدر مجلس شاہی (کونسل آف اسٹیٹ) کے عہدوں پر اس کا تقرر عمل میں آیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ کئی مرتبہ وزارت، بغداد کی گورنر جنرل شپ، اور وزارت عظمیٰ پر فائز ہو چکا تھا اور اس نے ان تمام عہدوں پر اپنی انتظامی اور سیاسی قابلیتوں کا ثبوت دیا تھا۔ وزیر عدلیہ کی حیثیت سے اس نے ججوں کو شیخ الاسلام کی خود سری سے نجات دلانے کی کوشش کی تھی اور ان کے لئے یہ حکم حاصل کر لیا تھا کہ ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جائے گا۔ عبد العزیز اگرچہ اس کی قابلیتوں کا

معترف و معاون تھا لیکن ساتھ ہی اس کے متنفر بھی تھا اور حتی المقدور اس کو قسطنطنیہ سے باہر رکھتا تھا۔ وہ مدحت کو مراد کا خاص ہوا خواہ تصور کرتا تھا۔ مدحت انگریزوں اور انگریزی دستور کا بڑا مدح خواں تھا اس کے نزدیک ترکی کی فلاح و بہبود اسی میں تھی کہ وہ خود ترکی حکومت کی باگ سنبھال لے۔ اس کو یہ یقین تھا کہ ترکی میں پارلیمنٹ کے قائم ہو جانے سے تمام قسم کی برائیاں رفع ہو جائیں گی۔ ۲۳ دسمبر کو، جو کانفرنس کا یوم افتتاح تھا ایک شاہی فرمان موسومۂ وزیر اعظم نے ایک جدید دستور نافذ کیا، جس میں حسب ذیل اعلانات کئے گئے تھے:۔

سلطنت کی ناقابلیت انقسام۔

سلطان کی غیر ذمہ داری۔

سلطان کی تمام رعایا کی، جو بلا امتیاز آل عثمان کے نام سے موسوم تھی قانون کی نظروں میں مساوی تصور ہو گی اور رعایا کا ملکی خدمات پر بہ لحاظ اہلیت و قابلیت تقرر۔

افراد و متوطنین کی لازوال آزادی۔

بہ حق سرکار ضبطیوں، بیگار اور استحصالات بالجبر کی موقوفی۔

ہر صورت میں عقوبت اور بازپرس کی منسوخی۔

آزادی تعلیم۔

عدالتوں کی کامل خودمختاری۔

میزانیہ میں تناسب قائم کرنا۔

مرکزی حکومت کے اقتدار و نگرانی کو محفوظ رکھتے ہوئے صوبہ جات کی لامرکزیت۔

ایک سینیٹ، جس کے اراکین کو تاحیات سلطان نامزد کرتا تھا اور ایک بیت النائبین، جس کے اراکین کا ایک خفیہ قرعہ کے ذریعے سے چار سال کے لیے انتخاب ہوتا تھا اور جس کا ایک نائب پچاس ہزار مردوں کا نمائندہ ہوتا تھا، کے قیام کے ساتھ نمائندگی کا طریقہ نہایت آب و تاب کے ساتھ ترکی میں جاری ہو گیا۔ ان دونوں ایوانوں کو حکومت کے تمام افعال پر نگرانی رکھنے کا حق حاصل تھا اور وزرا ان کے مواخذہ دار تھے لیکن قوانین کے نفاذ کا حق صرف حکومت اور سلطان کو حاصل تھا اور بہ لحاظ اس کے وہ افتتاح کی تاریخ کو گھٹانے بڑھانے اور

اجلاس کے وقت میں توسیع وتخفیف کے مجاز تھے۔

مدحت نے کچھ زیادہ عرصے تک اپنی فتح سے ثمرہ حاصل نہیں کیا۔ اور جس کام کو اس نے شروع کیا تھا اس کو بار آور ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ۵ / مارچ ۱۸۷۷ء کو محل کی ایک سازش نے اس کی طاقت کو پامال کر دیا اور اس کو گرفتار کر کے بغیر کسی قسم کی تحقیقات کے ایک جہاز پر بٹھا کر جلاوطن کر دیا گیا۔ سلطان نے یہ خیال کر کے کہ اس کے وزیر کو ایک ایسے اچانک سفر میں روپے کی ضرورت ہوگی پانچسو ترکی پاؤنڈ بھیجے۔ مدحت پاشا نے، جو بلغاریہ اور بغداد کا مطلق العنان حکمراں رہا تھا اور جس نے ولایتوں کے لئے ایک ایسا قانون وضع کیا تھا جس نے ولیوں کو بہت زیادہ آزادی دے دی تھی اور امور نظم ونسق میں مرکزی حکومت کی مداخلت کو بہت کچھ روک دیا تھا، اور اپنے تحکمانہ طریقوں اور مربیانہ طرز عمل سے سلطان کو بہت زیادہ ناراض کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ مدحت کے بعض دشمنوں نے جن کو سلطان کی خدمت میں بہت زیادہ رسوخ حاصل تھا سلطان کو یہ باور کرانے کی متواتر کوشش کی تھی کہ مدحت مراد پنجم کی معزولی پر متاسف اور اس کو دوبارہ تخت پر بٹھانے کے لئے موقع کا منتظر ہے۔

انگلستان کی موعودہ کانفرنس قسطنطنیہ میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس نے ان کفالتوں کی نوعیت کو مشخص کرنے سے اپنے کاروبار کی ابتدا کی، جن کا یورپ بہتر نظم ونسق کے لئے باب عالی سے مطالبہ کر رہا تھا اور اصلاح سلطنت کو اپنے آئندہ اعمال کی بنیاد قرار دیا۔ روس نے اس کانفرنس میں ترکی کی شرکت کو ممنوع قرار دینے کی کوشش کی مگر یہ اس کا ایک ادعائے باطل تھا، جس کو دوسری طاقتوں نے مسترد کر دیا۔ روس کی اس کوشش کا بہر حال اتنا اثر ضرور ہوا کہ عثمانی نمایندوں کو کانفرنس کے ابتدائی اجلاسوں میں شریک نہیں کیا گیا، جو روسی سفارت خانے میں منعقد کئے گئے تھے۔ ان اجلاسوں میں، ترکی نمایندوں کی شرکت کے بغیر، ایک مسودہ مرتب کیا گیا، جو ۲۲ / دسمبر کو صفوت پاشا کے پاس بھیجا گیا اس مسودے میں حسب ذیل امور مندرج تھے:-

(۱) مالی زورنیک (Mali-Zoornik) کا سربیہ کے ساتھ

الحاق اور (statusquo ante bellum) کا قیام۔

(۲) اسپیزا، ہرسک، اور البانیہ کے بارہ اضلاع کا قرہ طاغ کے ساتھ الحاق۔

(۳) ایک عیسائی گورنر کے ماتحت، جس کو باب عالی پانچ سال کے لئے نامزد کرے گی بوسنہ اور ہرسک کے لئے کامل اختیارات خود انتظامی۔

(۴) ان صوبہ جات میں جن کو اختیارات خود انتظامی حاصل ہوں ایک مقامی فوج کا قیام۔ سلافیقی زبان کا، جو بیشتر حصۂ آبادی کی زبان تھی، دفتری زبان قرار دیا جانا اور مالگزاری کے نصف حصے کا مقامی ضروریات کے لئے محفوظ کرنا۔

(۵) صوبۂ فلیپولی اور اس کے ملحقہ بالائی مقدونیہ کے اضلاع میں میونسپل آزادی مثلاً میرس، ججوں اور مقامی افسران فوج کے انتخابات۔

(۶) ایک معینہ مدت کے لئے باب عالی کے اخراجات سے ان صوبہ جات پر بلجیکی (Belgiam) افواج کا قبضہ۔

ان مطالبات نے آل عثمان کے قومی جذبات میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا اور نتیجہ نہ صرف یہی ہوا کہ یورپ نے ان کی فتح کے ثمرات حاصل کرلئے بلکہ اس کے بعد سے ان کو ایک مردہ قوم تصور کیا جانے لگا۔ سلافیقی عنصر نے اس موقع پر جو استیلا حاصل کیا تھا اس سے یونانیوں کے دلوں میں حسد پیدا ہوگیا اور وہ ترکوں کے شریک حال اور ہم آہنگ ہوگئے۔

باب عالی نے ان مطالبات کے جواب میں دستور ملکی کی آڑ میں پناہ لی، جس میں سلطنت کی تمام رعایا کے مقابلے میں باب عالی کا فرض اور علاقہ جات کی غیر قابلیت انقسام کا تذکرہ کیا گیا ہے مگر کانفرنس نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور قطعی جواب مانگا۔ باب عالی نے بالآخر مجوزہ تدابیر پر عمل پیرا ہونے سے باقاعدہ طور پر قطعی انکار کر دیا۔ گفت و شنید بہر حال ۱۵ جنوری ۱۸۷۷ء تک جاری رہی اور اسی تاریخ کو کم سے کم مطالبات سے ترکی نمایندوں کو مطلع کیا گیا:-

ہرسک:- مختلف اضلاع کا قرہ طاغ سے الحاق اور سرحدات کا تعین۔

سربیہ سیاسی حالات کا علیٰ حالہ قائم رکھنا ایک ثالثی کمیشن کے توسط سے

بوسنی سرحد کی تشخیص۔ مصروف جنگ افواج کی معینہ حدود سے خارج علاقوں کا فوری تخلیہ۔ قیدیوں کا تبادلہ۔

بلغاریہ۔ ہرسک اور بوسنہ:۔ گورنر جنرلوں کی نامزدگی پانچ سال کے لئے (ابتدائی نامزدگی بہ استرضائے (دول)۔

صوبہ جات کی سنجکوں میں ذیلی تقسیم اور باب عالی کے حسب منشا متصرفوں کی نامزدگی نیز فرقہ واری عہدہ داروں کا حسب خواہش رعایا انتخاب صوبہ داری مجالس کا چار سال کے لئے بذریعہ میونسپل کونسل انتخاب جن کے فرائض میں بہ استثنائے کروڑگیری (سائرات)، ڈاک خانہ جات (بلیہ خانہ جات) و تارگھر تمباکو و شراب، بہ رضامندی فرقہ واری کونسل جمع بندی و تحصیل محاصل داخل ہوگا۔ لگان بندی کے طریقے کی منسوخی اور بقایا کی معافی۔ بہ لحاظ مالگزاری ہر پانچ سال کے لئے مقررہ بجٹ کی ترتیب۔ عدالتوں کی تنظیم جدید اور مقدمات کی تحقیقاتوں کی شہرت۔ مذہبی آزادی اور جبریہ تبدیل مذہب کے خلاف ضمانت۔ ہر فرقے کے اخراجات سے اس کے پادریوں اور مذہبی عملے کی معاش۔ مدد عدالتوں اور امور نظم و نسق میں ملکی زبان اور ترکی زبان کا ایک ہی وقت میں استعمال بے قاعدہ فوجوں کی بھرتی اور چرکسی نوآبادیوں کے قیام کے طریقے کا انسداد۔ ایک مشترکہ فوج اور جندارمہ کا قیام جس کے افسران زیردست کو ولی نامزد کریں گے۔ ان تمام عیسائیوں کو عام طور پر معافی جن کو کسی قانونی یا سیاسی جرم میں سزا دی گئی ہے۔ دو نگرانکار کمیشنوں کی حسب تجویز دول نامزدگی ؎

اسی کے ساتھ ساتھ ترکی کو یہ تہدید بھی کردی گئی تھی کہ اگر باب عالی نے یورپ کی مطلوبہ ان اصلاحات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو دول کے سفیر فوراً قسطنطنیہ سے روانہ ہو جائیں گے۔ انگلستان کی خفیہ امداد کے بل پر ترکی حکومت نے اس دھمکی کی کوئی پروا نہیں کی اور مدحت پاشا نے ایک مجلس قومی کے توسط سے جس میں ایک سو ساٹھ مسلمان ممبر اور عیسائی رعایا کے ساٹھ نمائندے، جن کی مطاوعت پر اس کو کامل یقین تھا، شریک تھے، ان تجاویز کو مسترد کرا دیا۔ ۲۰ جنوری کو صفوت پاشا نے استرداد کی اطلاع دول کو دی۔ کانفرنس کو ظاہر ہے کہ

ناکامی ہوئی جس دن یہ کانفرنس برخاست ہوئی جنرل اگنٹیف کے منہ سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے جو دراصل اس شدید طوفان کی ایک قبل از قبل اطلاع تھی جو ترکی کی سیاسی فضا میں نمودار ہونے والا تھا۔

"مجھے اس امر کے اعلان میں کوئی پس وپیش نہیں ہے کہ اگر صلح کی گفت وشنید کے منقطع ہو جانے کے بعد ترکی اور سربیہ اور قرہ طاغ میں لڑائی ہونے والی ہے (جس کا یورپ انسداد کرنا چاہتا ہے) اور یہ کہ اگر عیسائیوں کی سلامتی کے لئے ذرا سا بھی خطرہ پیدا ہو گیا، عام اس سے کہ وہ داخلی قصبہ جات پر موثر ہو یا بندرگاہوں پر تو ان دونوں صورتوں میں میری حکومت ان واقعات کو ایسے واقعات سے تعبیر کرے گی جن کا نشا یورپ کو لڑائی پر مجبور کرنا ہو"۔

تجاویز پیش کردہ سے باب عالی کا انکار برطانوی سفارت کی ہمت افزائی اور روس کے طرز عمل پر، جس کے صلح جویانہ رویہ اور غیر متوقع اعتدال پسندی نے تمام دنیا کو متعجب کر دیا تھا، مبنی تھا۔ روس کے اس طرز عمل کی وجہ امپرر الکزانڈر کا تذبذب تھا، جس کو جنرل اگناٹیف (Ignatiew)، جنرل ملوٹینی (Milutene) اور سلافیقی کمیٹیوں کے، جو لڑائی کی حامی تھیں اور پرنس گورشکوف (Gortshakoff) اور ام ڈی روٹرن (Reutern) کے جو لڑائی کے جوکھوں میں پڑنا نہیں چاہتے تھے، متضاد مشوروں کے بیچ میں کوئی خاص طریق عمل اختیار کرنے میں پس وپیش تھا۔

پرنس بسمارک آیندہ اتحادات کو کامیاب بنانے کی غرض سے اس امر کا خواہشمند تھا کہ روس ایک بیش مصارف جنگ میں اپنی طاقت سے کام لے چنانچہ ماسکووی حکومت کے فیصلوں پر لڑائی کے حق میں اثر ڈالنے کے لئے اس نے ہر ممکن کوشش سے کام لیا۔ جنرل اسکوی نیٹز (Schweidnitz) سفیر المانیہ متعینہ سن پیٹر بورغ اور جنرل ورڈر، زار کے المانی ملٹری اتاچی، کو اسی طریقے پر کاربند ہونے کے متعلق احکام مل گئے۔ برلین سے لوادیا کو لڑائی کا ایک پلان بھیجا گیا جس میں المانی متنفر نے یہ ثابت کیا تھا کہ طولو دراصل کوئی حفاظت پذیر سرحد نہیں ہے اور اصل محاربہ طلب خط بلقان ہے اور یہ کہ ترکوں کے ڈھیل اور بے پروائی اور ذرائع مدافعت کی ناقص الحالی کی بنا پر بلقان کو آسانی کے ساتھ فتح کر لیا جا سکے گا۔ آخر میں یہ بھی

بیان کیا گیا تھا کہ ڈھائی لاکھ آدمی ترکی کو پامال کر دینے کے لئے کافی ہوں گے بشرطیکہ مصروفیتوں کا فوراً آغاز کر دیا گیا۔

قسطنطینیہ کی کانفرنس کی ناکامی کے بعد پرنس گورشیکوف نے بہر حال ایک گشتی نوٹ روسی سفرا متعینۂ لندن، برلین، رومہ، پاریس، اور ویانا کے نام روانہ کیا، جس میں ترکی کو یورپ کے فیصلے کا احترام کرنے پر مجبور کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا تھا۔ انگلستان نے عیسائیوں کے حق میں مداخلت کرنے سے انکار اور یہ اعلان کر دیا کہ وہ ایسی تدبیروں کے اختیار کئے جانے کے خلاف ہے۔ جو ترکی کے خلاف طاقت سے کام لینے کے متعلق ہوں۔ ان اختلافات سے فائدہ اٹھا کر باب عالی نے ان اصلاحات کی ایک نمائش کی جن کو نافذ کرنے کا اس کا ارادہ تھا اور سربیہ کے ساتھ ایسی شرائط پر صلح کر لی جو اس ریاست کے لئے معزز تھیں (یکم مارچ)؛—

"علاقۂ متنازعہ میں اسی حالت کا قیام جو جنگ سے پہلے تھی۔ سربی علاقے کا بارہ دن کے اندر تخلیہ۔ امن عام۔ سربیہ کے ارمنی اور یہودی باشندوں کے ساتھ سیاسی اور ملکی مساوات"؛

فتحمند سر نیگورا کے مطالبات اور باب عالی کے داعیات کے مدِنظر قرہ طاغ کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا تھا اس کے شرائط اسقدر نرم نہیں تھے اور قرہ طاغ کو انقطاع صلح کا ایک بہانہ قرار دے دیا گیا تھا؛

روس میں جماعت حربیہ کو جنرل اگناٹیف، جنرل ملوٹینی، گرانڈ ڈیوک نکولاس، سپہ سالار افواج کس پی نیف (Kischenew) اور صدر جماعت ڈاکٹر بولکینی (Bolknie) کے ساتھ جو ایک پان سلاوسٹ[۲] لیڈر تھا، لوادیا میں کامیابی ہوئی۔ جنرل اگناٹیف کو اپنا کام پورا کرنے کا حکم دیا گیا چنانچہ اس نے ترکی کو کانفرنس کی مجوزہ اصلاحات کے

---

[۱] Jules Hansen, "Les Coulisses de la Diplomatie Quinze ans'a l'etranger."

[۲] حامی اتحاد سلافیقہ (رعنا)

نفاذ کا موقع دینے کی غرض سے مختلف کابینوں سے ایک باہمی مفاہمت کی تحریک کی، جس میں یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ ترکی کی طرف سے دوبارہ انکار ہونے کی صورت میں دول مجتمعہ یا انفرادی طور پر مسلح مداخلت سے کام لینے کے مجاز ہوں گے۔ مخالفتوں اور دھمکیوں کے باوجود اگناتیف کو برطانیہ کے مقابلے میں کامیابی ہوئی اور چار ہفتے کی گفت و شنید کے بعد، جس میں کئی مرتبہ خلل واقع ہوا اور جس کو کئی مرتبہ از سر نو شروع کیا گیا کاؤنٹ شوولاف (Shouvaloff) نے بالآخر ۳۱ مارچ کے معاہدے پر لندن میں دستخط کر دیے۔

دول نے اب باب عالی کے مواعید اصلاحات کو پیش نظر رکھ کر ترکی سے غیر اسلحہ بندی کا مطالبہ اور "اپنے نائبین متعینۂ قسطنطنیہ اور ان کے مقامی کارکنوں کے توسط سے اس امر کی نگرانی کرنے کی کہ حکومت عثمانیہ اپنے وعدوں کو کس طرح پورا کرتی ہے" تحریک کی۔

بصورت عدم ایفائے عہد دول کا یہ "ارادہ تھا کہ آپس میں مشورہ کر کے ایسی بہترین تدابیر اختیار کی جائیں، جو عیسائی آبادی کی فلاح اور بہبود کو یقینی کر دیں اور عام طور پر امن قائم ہو جائے"۔

اسی کے ساتھ ساتھ لارڈ ڈربی نے ایک اعلان میں جو معاہدے میں شریک کر دیا گیا تھا، اس معاہدے کو بربنائے اتفاقات و حادثات سینٹ جیمس کی کابینہ کی غایت اصلی، یعنی عام غیر اسلحہ بندی کے پورا نہ ہونے کی صورت میں، قابل انفساخ قرار دے دیا تھا اور کاؤنٹ شوولاف نے اپنی طرف سے اسی قسم کے ایک دوسرے ضمیمے میں روسی فوج کی شکست کو قرہ طاغ کے ساتھ صلح کی تکمیل اور غیر اسلحہ بندی کی کاروائی کرنے کی غرض سے سن پیٹرزبورغ میں ایک خاص سفیر کے تقرر کی شرط کے ساتھ مشروط کر دیا تھا۔

انگریزی سفیر نے ۳ اپریل کو معاہدۂ لندن حکومت عثمانیہ کے پاس بھیجا۔ مدحت پاشا کا جانشین، ادھم پاشا، کم از کم روس کے ساتھ لڑائی کی حد تک اپنے پیشرو کا ہم خیال تھا، ادھر ترک علاقۂ متنازعہ کی واگذاشت پر کسی طرح تیار نہیں تھے اور ادھر قرہ طاغ اپنے مطالبۂ نکشش اور اسپوز پر اڑا ہوا تھا۔

عثمانی پارلیمنٹ کے اجلاس شروع ہو گئے تھے لیکن ایک عظیم اکثریت، جو ایسے لوگوں پر مشتمل تھی جن کا انتخاب سیاست یا علما کے دباؤ کی بنا پر عمل میں آیا تھا، حکومت کی رائے کے خلاف اپنی کوئی ذاتی رائے نہیں رکھتی تھی اور جماعت مدبر کی مقلد تھی۔ جب کبھی شام، جنینہ اور بعض دوسرے مقامات کے نائبین نے قوم کو اپنے ذہول وخمول سے چونکانا چاہا، مجلس کے شور وشغب میں ان کی آوازیں دب گئیں۔ مباحثات کو روک دیا گیا اور تمام تجاویز قانونی صرف اس دلیل کے ساتھ مسترد کر دی گئیں کہ "یہ قانون شریعت کے خلاف ہے"۔ ایک ایسے ملک میں، جہاں غلامی کا اب تک رواج تھا، جہاں مذہبی حکومت، مذہبی قانون کے متعلق، جس کو قانون دیوانی سے مقدم سمجھا جاتا تھا اور جس کو دیوانی قانون کے ساتھ خلط ملط کر دیا گیا تھا، شبہات کے اظہار پر سزائے موت عائد کیا کرتی تھی، پارلامنیت (Parliamentarism) کی اس نمود سیمیائی کا خاتمہ ان نائبین کی، جو اس قدر جری تھے کہ ان اصلاحی معاملات کو اہم اور سنجیدہ تصور کرتے تھے جلا وطنی اور ایک غیر معینہ مدت کے لئے مجلس کی برخاست پر ہوا۔ مطالبات یورپ کے مقابلے میں ذرا سی رعایت ملحوظ رکھنے کا خیال بھی ترکوں کو برانگیختہ کر دیتا تھا۔ وزیر اعظم کو قرہ طاغ کے ساتھ تمام معاہدات کے مسترد کر دینے اور جنگ کو جاری رکھنے کے متعلق تقویت حاصل کر لینے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ (۱۱ اپریل) دوسرے دن باب عالی نے معاہدے کی پابندی کرنے سے انکار کر دیا اور ایک گشتی میں، جو غیر ملکی سفیروں کی موسومہ تھی، اپنے داخلی امور میں یوروپین مداخلت کے خلاف احتجاج کیا اور اپنے غیر مسلح ہونے کو روس کے غیر مسلح ہونے پر منحصر کر دیا ساتھ ہی ساتھ دول سے اس امر کا تقاضا کیا کہ وہ (Settinje) کو اعتدال پسندانہ مشوروں کے سننے پر مجبور کریں۔ اسی گشتی میں یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ باب عالی کے لئے اپنی خود مختاری کو ترک کئے بغیر یورپ کے مطالبات کو پورا کرنا ناممکن ہے اور ایسی ذلت کو گوارا کرنے کے بجائے مر جانا بہتر ہے۔"

جنگ روس معاہدۂ سین اسٹفانو (۳ مارچ ۱۸۷۸ء)

ترکی مدبّرین کو مغرب کے صحیح احساسات کے متعلق، برطانوی سفارت کے مواعید کی بنا پر، جو برطانوی حکومت کی ہدایتوں سے بہت زیادہ متجاوز تھے، بہت دھوکا ہوا۔ پستہ کے مقام پر کوستھ (Kossuth) کے غوغائی مظاہروں کو اہم اور سنجیدہ تصور کر کے انھوں نے یہ باور کر لیا کہ اب تک ترکی کی صورت حال ویسی ہی ہے جیسی کہ جنگ قریم کے آغاز پر تھی۔ انھوں نے اس واقعے کو بالکل بھلا دیا کہ روس، المانیہ کی اخلاقی امداد اور آسٹریا کی غیر جانب داری کی وجہ سے بہت زیادہ طاقتور ہے۔ فرانس، جو ۱۸۷۰ء میں تباہ ہو گیا تھا اب پھر سنبھل گیا ہے۔ اور انگلستان، جو یورپ میں سب سے الگ تھلگ ہے، زیادہ سے زیادہ اپنے جہازوں کا ایک محض بے سود مظاہرہ کر سکتا ہے۔ عوام کو پے در پے فتوحات کا کامل یقین تھا۔ ترکی اخبارات نے مبالغوں سے کام لے کر، جن پر اتنا ہی زیادہ اعتماد کیا جاتا تھا جتنے کہ وہ صداقت سے دور ہوتے تھے، لوگوں کو بالکل مطمئن کر دیا تھا۔ ان اخبارات کے بیان کے مطابق ترکی کی باقاعدہ فوج کی تعداد نو لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ اس کے علاوہ امیر کاشغر، یعقوب خاں، پچاس ہزار ترکمانی جنگجو بھیجنے والا تھا، مصر سے پچیس ہزار، تونس سے بارہ ہزار، اور ہندوستان اور چین سے ایک ملین رضاکار آنے والے تھے۔

اخبار بصیرت نے وقتاً فوقتاً یہ تحریر کیا تھا کہ "اگر روسیوں نے پروت کو عبور کر لیا تو اس واقعے کو اعلان جنگ سے تعبیر کیا جائے گا۔ چنانچہ ہمارے مشیروں اور افواج طونہ کے سپہ سالاروں کو یہ حکم مل گیا ہے کہ ایسا واقعہ پیش آنے پر وہ دریا کو عبور کر کے اس نشیبی قطعۂ ارض میں مسکوویوں کو مناسب سزا دیں۔ ہماری افواج قارص و باطوم کو بھی یہی احکام مل گئے ہیں۔" اعلان جنگ کی صورت میں ہمیں یقین ہے کہ

فرانس، انگلستان اور مجارستان، ترکی کے ساتھ روس سے لڑیں گے۔ اور یہ اس حدتک درست ہے کہ ایک انگریز نے بذریعۂ تار باب عالی سے اپنے پانچ ہزار ہموطنوں کے ساتھ شاہی افواج میں شریک ہونے کی اجازت طلب کی ہے۔ سرعسکرات نے شکریہ کے ساتھ اس کو یہ اطلاع دی ہے کہ ہماری سلطنت کو سپاہیوں کی ضرورت نہیں ہے اور یہ کہ اگر ایسی ضرورت آیندہ پیش آئی تو ملک ہی میں نہایت آسانی کے ساتھ ایک ملین رضاکار فراہم کر لئے جائیں گے" المانیہ اب روس کا طرفدار معلوم ہوتا ہے اور مجارستان کا رویہ غیر جانب دارانہ ہے لیکن یہ یقینی ہے کہ جنگ کی پہلی ضرب پر مجارستان (آسٹریا) فوراً ترکی کی حفاظت میں آجائے گا۔ اب رہا المانیہ کا معاملہ تو وہ یہ باور کرتا ہے کہ اس کی سلامتی کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ اپنے کو روس کا مخالف مشتہر کردے اور یہ کہ وہ ایک ایسا طرز عمل اختیار کرے جس سے یہ غرض پوری ہوتی ہو" "ان سب سے بڑھ کر یہ بات بھولنے کے قابل نہیں ہے کہ آٹھ لاکھ مسلح جنگجوؤں بلدی فوج کے چار لاکھ سپاہیوں اور چار لاکھ رضاکاروں کے علاوہ، جو بادشاہ کا حکم ملتے ہی روس پر حملہ کرسکتے ہیں، روم ایلی (Roumelia) اناطولی (Anatolia)، عرب، مصر، تونس اور وسطی ایشیا کے تمام مسلمان بھی تیار ہیں، جو سلطان المعظم کے ایک اشارۂ ابرو پر ایک جان ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔"

لیکن حقیقت حال یہ نہیں تھی۔ جن بٹالینوں کے متعلق کاغذی حساب وکتاب میں یہ ظاہر کیا جاتا تھا کہ وہ ایک ایک ہزار آدمیوں پر مشتمل ہیں ان میں دراصل کبھی پانچ سو آدمی بھی پورے نہیں ہوئے اور بعض میں تو دو سو سے بھی زیادہ آدمی نہیں تھے۔ حفظان صحت کا اس قدر ناقص انتظام تھا کہ افواج طوتو کے مستقر، شوملہ (Shoumla) پر، جہاں سلاح خانے اور شفاخانے بھی موجود تھے، صرف دو اجزاچی (کیمسٹس) تھے، جن میں سے ایک بلجیکی تھا اور دوسرا مجاری۔ یورپ اور ایشیا میں ایک ہی حالت تھی اور ترکی کے پاس کل تین لاکھ آدمی تھے۔ اسلحہ بندی اس خوبی سے کی گئی تھی کہ کوئی ضروری چیز نظر انداز نہیں کی گئی تھی پھر جہاں تک فوج کی آراستگی اور ساز و سامان کا تعلق ہے ترکی فوج کسی یوروپین فوج کا مقابلہ کرسکتی تھی۔ لیکن فوج کے ترکیبی عناصر بہت زیادہ ناقص تھے۔ فوج کا

ایک بڑا حصہ تمام قسم کے بے قاعدہ جتھوں پر مشتمل تھا اور باشی بزوک زیبک، کرد، چرکس وغیرہ تمام قسم کے لوگ فوج میں داخل تھے، جو قواعد اور فوجی انتظامات سے ناآشنا اور لڑائی میں سب سے پیچھے اور لوٹ مار میں سب سے آگے رہنے والے تھے۔ ان لوگوں کے وجود سے فوج کی پیشقدمیوں میں رکاوٹیں پیدا ہوگئیں اور بحیثیت مجموعی فوج کو صرف ایک متوسط افادہ حاصل ہوا۔ باقاعدہ فوج کا جس حدتک تعلق ہے، ہر سپاہی اپنا جواب نہیں رکھتا تھا لیکن اسٹاف ہرگز ان کے لائق نہیں تھا۔

معاہدۂ لندن کو مسترد کرکے ترکی نے گویا روس کو للکار دیا تھا، جس نے بغیر کسی قسم کے پس وپیش کے اس دعوت رزم کو قبول کرلیا۔ ۲۴ اپریل کو زار نے ایک اظہار نامے میں ترکی کے خلاف جنگ کا اعلان کردیا۔ ترکی نے اس اعلان کا نہایت شاندار جواب دول کے پاس بھیج دیا، جس میں روس کی اعلان کردہ جنگ کی ناانصافی کا تذکرہ کیا گیا تھا، جو ایک بھی ایسی مثال پیش نہیں کرسکتا تھا کہ اس کے مفادات کو کسی طرح کسی قسم کا صدمہ پہنچا اور نہ یہ ثابت کرسکتا تھا کہ معاہدے کی شرائط کے استرداد کی بنا پر اس کی حملہ آوری واجبی یا قرین انصاف ہے۔ اس جواب کے خاتمے پر باب عالی نے حسب فقرۂ معاہدۂ پاریس، یورپ سے مداخلت کے لئے اپیل کیا۔ لیکن یہ اپیل بالکل بے سود تھا۔ معاہدات کا مصرف صرف یہی ہے کہ ایک زبردست طاقت ان سے جو چاہے کام لے لے۔ لارڈ ڈربی نے ۱۹ اپریل کو انگریزی پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے جو الفاظ کہے وہ یہ ہیں: "واقعات کی رو اور امتداد زمانہ کے ساتھ تمام معاہدے بیکار ہو جاتے ہیں"

جس روز زار نے اپنا اعلان شایع کیا روسی فوجیں تین مقامات پر سرحد کو عبور کر چکی تھیں اور فوج کے ایک دستے نے یلغار کرکے سو میل کا فاصلہ چوبیس گھنٹے میں طے کرلیا تھا اور دریائے شریث (Sereth) کے جسر باربوش (Barboche Bridge) پر قابض ہوگیا تھا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں رومیہ کی خاص خاص سڑکیں ملتی ہیں۔

۱۸۶۶ء کے بعد سے رفتہ رفتہ یہ ملک ترکی کی سیادت کو ایک موہوم اور رسمی شے تصور کرنے لگا تھا۔ اس نے عثمانی دستور کے خلاف احتجاج کیا تھا، جس میں بشمول صوبہ جات مرعوبہ سلطنت کی متحدیت اور غیر قابلیت انقسام کا اعلان اور سلطان کی تمام رعایا کو بلاتفریق مذہب وقومیت عثمانی قوم کا نام عطا کیا گیا تھا۔ تدبر نے اس احتجاج پر کوئی اعتنا نہیں کیا تھا اور انگلستان نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ وہ رومیہ کو ترکی سلطنت کا جزو لاینفک تصور کرتا ہے۔ رومیہ نے یہ دیکھ کر اس بار کو ہمیشہ کے لئے اپنے سر سے اتار دینے کی غرض سے جو یورپ اس پر قائم رکھنا چاہتا تھا، بغاوت برپا کر دی تھی۔

۱۶ اپریل کو ایک خفیہ معاہدہ مرتب ہوا، جس کی رو سے اس ریاست کے تمام وسائل مسکوائی افواج کے لئے وقف کر دیے گئے مگر اسی کے ساتھ یہ عہد بھی ہو گیا کہ کسی رومیہ والے کو لڑائی پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

ترکی نے معاہدہ پیرس پر دستخط کرنے والی دول یورپ کے سامنے رومانیہ کی علانیہ خلاف ورزئ معاہدہ پر اس کو بہت کچھ لعنت ملامت کی اور یورپ سے اس معاملے میں مداخلت کرنے کا مطالبہ کیا لیکن انھوں نے باب عالی کے محافظ بننے سے انکار کر دیا۔ طوٹوکے ترکی افسروں کی کلافات (Kalafat) پر گولہ باری نے رومانیہ کو اعلان جنگ پر مشتعل کر دیا چنانچہ ۱۴ مئی کو اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اور ساٹھ ہزار رومیائی سپاہیوں نے روسی فوج کا مستقل طور پر یمین قائم کر دیا۔

فوج کو ایک ہی جگہ مجتمع کرنے کے بجائے، ترکی حکومت نے اس کو ہر طرف منتشر کر دیا۔ ترکی نے سوخوم کلے (Soukhoum-Kalé) کی بے سود مہم میں بہت کچھ وقت اور روپیہ ضائع کر دیا اور سلیمان پاشا کی زیر سرکردگی اپنے بہترین پچاس ہزار سپاہی قرہ طاغ سے لڑنے کے لئے بھیج دیے۔

سپہ سالار عبدالکریم نے روسی افواج کے اجتماع میں خلل اندازی کی ذرا بھی کوشش نہیں کی یہ شخص لشکرگاہ شوملہ میں جما ہوا بیٹھا رہا اور نہ کبھی ایک لمحہ کے لئے اپنے خیمے سے باہر نکلا اور نہ کبھی حقہ کو ایک لمحے کی فرصت دی۔

مئی کے ختم ہوتے ہوتے گرانڈ ڈیوک کی فوج تمام طونو پر پھیل گئی اور دشمن کو دھوکا دینے اور تھکانے کے لئے اس نے بے شمار مظاہرے کیے۔ ۲۲ جون کو جنرل زمران (Zimmerman) نے ہرسوفہ (Hirsova) کے مقام پر دریا کو عبور کیا اور بوڈژاک (Boudjak) کی لڑائی کے بعد تمام نشیبی طونو اور دابروڈژہ (Dobroudja) پر قبضہ کرلیا۔ کچھ روز کے بعد (۲۷ جون) فوج کے ایک بڑے حصے نے سیتادہ تک جبراً راستہ پیدا کرلیا۔ بیرن کروڈنر نے نکاپلی کو فتح کرلیا اور اس فتح میں سات ہزار قیدی، اکتّیس تیرہ توپیں، دو آہن پوش جہاز اور دس ہزار بندوقیں اس کے ہاتھ لگیں (۱۵ جولائی)۔ دوسری طرف جنرل گورکو نے دس بٹالینوں کے ساتھ ترکوں کو بلقان سے پسپا کردیا اور ان پہاڑیوں پر قبضہ کرلیا جو درہ ہائے خین کینی اور شپکا کے وسط میں واقع ہیں (۱۷ تا ۱۹ جولائی)۔ اس کے بعد اس نے شپکا پر نہایت بہادری کے ساتھ حملہ کردیا۔ ان واقعات سے قسطنطنیہ میں ہر طرف دہشت طاری ہوگئی لوگ سپہ سالار اعظم اور وزیر حربیہ، ردیف پاشا کے، جو بے انتہا بدنام تھا، دشمن بن گئے۔ سر عسکر بے انتہا متعصب تھا اور یورپین لوگوں سے اس کو دلی عداوت تھی اور باوجود اپنی جہالت کے وہ بے انتہا دلیر اور غیر معمولی طور پر چالاک اور متجاہد واقع ہوا تھا۔ اس موقع پر اس کو یہ فخر کرنے کا قطعی حق حاصل تھا کہ اس نے سلطنت کو جنگ کے قابل بنادیا ہے۔ اس نے جہاد کا اعلان کردیا۔ اس نے استنبول کے قدیم حقوق غصب کرلئے، جن کی رو سے استنبول والے فوجی خدمات سے مستثنیٰ تھے اور تمام قابل جنگ باشندوں کو فوج میں بھرتی کرلیا۔ اور اس طرح اپنی چستی اور چالاکی سے بہت تھوڑے دنوں میں بٹالینوں کی تعداد میں جتنی کمی تھی اس کو پورا کردیا۔

اس کو بہر حال اس گناہ کی سزا بھگتنی پڑی کہ اس نے ملک کی تنظیم کیوں کی۔ ۲۲ جولائی کو عبد الکریم پاشا اور ردیف پاشا کو موقوف کردیا گیا اور ایک کورٹ مارشل کے روبرو ان پر مقدمہ چلایا گیا۔ فوجی عدالت میں اس قدر جرات نہیں تھی کہ ان کے مقدمات کا منصفانہ فیصلہ کرے لہٰذا یہ دونوں جلاوطن کردیے گئے۔

سلیمان پاشا کو اپنی فوج کے ساتھ قرہ طاغ سے دار السلطنت کی حفاظت کے لئے فوراً طلب کر لیا گیا اور محمد علی پاشا کا تقرر سردار اکرم کی جگہ پر عمل میں آیا۔
سلیمان پاشا کی جرار فوج کی تاب مقاومت نہ لا کر جنرل گورکو مجبوراً پسپا ہو گیا تھا۔ اسکی زغرا میں اپنے یمین کی شکست کے بعد وہ بلقان میں پناہ گزیں ہو گیا تھا اور سلیمان پاشا، جو درۂ شپکا پر دوبارہ قبضہ کر لینا چاہتا تھا، اس کے تعاقب میں تھا۔ جنرل گورکو کی مصروفیتوں کے دوران میں گرانڈ ڈیوک نے اپنی فوجوں کو دو خاص حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، جن میں ایک زرویش (Czarevitch) کے زیر کمان یانترا (Yantra) پر متعین تھی اور محمد علی پاشا کی افواج کا مقابلہ کرنا اس کے ذمے تھا۔ دوسرا حصہ خود گرانڈ ڈیوک کی زیر کمان ستادہ میں بلقان یا عثمان پاشا کی فوج پر، روسی صفوں کے یمین کے لئے خطرہ پیدا ہونے کی صورت میں، حملہ کرنے کے لئے مجتمع رہا۔ ودین (Widdin) سے چالیس بٹالینوں کے ساتھ نکل کر، عثمان پاشا نکاپلی کی امداد کے لئے یہ سن کر روانہ ہوا کہ یہاں دشمن کا قبضہ ہو گیا ہے۔ وہ سیدھا پلونا (Pleona) کی طرف بڑھا، جو ان تمام راستوں کا مرکز ہے جو مغربی بلغاریہ اور بلقانی پہاڑیوں کی طرف جاتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر اس نے اس مقام کو مورچوں، خندقوں اور توپ خانے کا ایک طویل سلسلہ قائم کر کے ہر طرف سے گھیر لیا۔ روسی مستقر نے، دشمن کی فوج سے بالکل لاعلمی کی حالت میں، جنرل اسکلدر اسکودنر[1] کو پلونا پر قبضہ کر لینے کا حکم دے دیا، جہاں ان کے خیال میں صرف چھ ہزار فوج تھی۔ جنرل اسکلدر نے پیدل فوج کے ایک دستہ اور قزاقوں کے ایک بریگیڈ کے ساتھ پلونا پر حملہ کیا مگر اس کو شکست ہوئی (۲۰ جولائی) جنرل ڈی کرودنر نے اپنی فوجوں کو اپنے نائب کی فوجوں کے ساتھ ملا دیا اور (۳۰) بٹالینوں، (۳۰) اسکواڈرنوں اور (۱۰۶) توپوں کے ساتھ از سر نو حملہ کیا لیکن ترکی خندقوں کو وہ ذرا بھی صدمہ نہیں پہنچا سکا اور نہایت پریشانی کے ساتھ پسپا ہو گیا۔ ترکوں نے اب جارحانہ طرز عمل اختیار کر لیا۔ خط قرہ لوم پر محمد علی پاشا نے

---

[1] Schilder-Schudner

زرویش کی فوجوں کو پسپا اور اس کے جوابی کارخ پھیر دینے کی کوشش کی۔ ایاز لر (ayaslar) (۲۲ر اگست)، قرہ حسن خانی (۲۴ر اگست) قتزلو اور ابلفو (Katzelew and Ablovo) (۵ر ستمبر)، کی فتوحات ترکوں کے لیے فتوحات منفیہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ سرکفنیا (Tserkovinia) کی شکست (۱۲ر ستمبر) سے محمد علی پاشا کے لئے عثمان پاشا کی امداد قطعی ناممکن ہوگئی؛
اس اثنا میں عثمان پاشا بھی مصروف مصاف رہا اور سلیمان پاشا بھی شپکا پر برابر حملے کرتا رہا۔ اگر یہ اہم مقام ترکوں کے قبضے میں آجاتا تو پھر تینوں عثمانی سپہ سالار ایک دوسرے سے آملتے اور روسیوں کے لئے خطرناک صورت حال پیدا ہو جاتی مگر عثمان پاشا کو اسکالیفیرہ (Skalevitze) پر شکست کھا کر پلونا کی طرف ہٹ جانا پڑا (۳۱ر اگست) اور سلیمان پاشا متواتر خونریز لڑائیوں کے باوجود، جو ۱۶ر اگست سے ۷ر ستمبر تک برابر جاری رہیں، روسیوں کو پسپا نہ کرسکا؛
رومیہ والوں کے خط جنگ میں در آنے اور روس سے کمک کے جس میں امپیریل گارڈ خاص طور پر قابل تذکرہ ہے، پہنچ جانے کی وجہ سے روسیوں کو پلونا پر ازسرنو حملے کرنے کا موقع مل گیا؛
"لیکن عثمان پاشا نے بھی وسط جولائی سے اگست تک کا زمانہ کارآمد مصروفیتوں میں بسر کیا تھا۔ ناقص اور ادنی قسم کی خندقوں اور مورچوں کی بجائے اب ایک باقاعدہ اور اعلی قسم کا خندق بند لشکرگاہ تیار ہو گیا تھا، جو مستقل قلعہ معلوم ہوتا تھا اور جس میں بے شمار اور طاقت دار توپیں بھی موجود تھیں اس کے علاوہ عثمان پاشا نے بلغاریہ کے قلعہ بند مقامات کی فوجوں اور چند مقامات کے، جو بلقان کے دوسری جانب واقع تھے، مدافعین کو طلب کرکے اپنی فوج کی تعداد میں بھی اضافہ کر لیا تھا۔ سب سے بڑا کام جو یہ ترکی سپہ سالار اس عرصے میں کرتا رہا تھا وہ تمام ملک سے امداد طلبی کا کام تھا اور رومانیلی کے ساتھ سلسلہ جات رسل و رسائل کے اب تک کھلے ہونے کی وجہ سے اس نے پلونا کے مقام پر معتد بہ تعداد میں گولہ بارود اور رسد

فراہم کرلی تھی۔[1]

ایک شدید لڑائی کے بعد (۳ ستمبر) لفاز (Lovatz) پر، جو خط عصمہ (Osma) کے ترکی مورچوں تک پہنچنے کا دروازہ تھا، روسیوں کا قبضہ ہوگیا۔ سات سے بارہ تک روسی ان مورچوں پر حملے کرتے رہے، جو "جبال اخضر" کے نام سے موسوم تھے لیکن اس چھ دن کی مسلسل لڑائی میں ان کو صرف اس حد تک کامیابی ہوئی کہ انھوں نے خندقوں کے پہلے خط، حصار غرا فیزہ (Gravitza) پر قبضہ کرلیا۔ پلونا پر بزور شمشیر قابض ہونے میں جو دشواریاں حائل تھیں ان کو رفع کرنے کی غرض سے روسی ستقر نے پلونا کا باقاعدہ طور پر محاصرہ کرلینے کا ارادہ کیا اور ٹاٹ لیبن (Totleben) فاتح سیواستاپول کو خاص حملہ آور فوج کی سپہ سالاری کے لئے طلب کیا گیا۔ سب سے پہلے پلونا کو کامل طور پر چاروں طرف سے گھیر لینے اور عثمان پاشا کو ترکی سے الگ تھلگ کردینے کی ضرورت تھی، جنرل گورکو کو، جس کے سپرد یہ کام کیا گیا تھا، اس تدبیر میں پوری کامیابی ہوئی۔ ۲۴ اکتوبر کو اس نے گورنی دبنیاک۔ اور ڈولنی دبنیاک (Gorny and Dolny-Dubniak) پر ترکوں کو شکست دے کر طلیش (Tellisch) پر قبضہ کرلیا اور صوفیہ کے ساتھ عثمان پاشا کے سلسلۂ رسل ورسائل کو مسدود کردیا۔ جنرل گورکو نے اپنی کامیابیوں کا سلسلہ برابر جاری رکھا اور شدید لڑائیوں کے بعد وہ گدوک بلغتان رزالی (Rosalitz) بتارین (Beteren)، یابلوز (Iablowitz)، طرابولی (Etropol) اور ارخانی پر یکے بعد دیگرے قابض ہوگیا۔ امدادی فوج کے لئے راستہ اب بالکل مسدود ہوگیا۔ ۹ نومبر کو جنرل سکوبلاف (Skobeloff) نے "جبال اخضر" کو فتح کرلیا اور اس پر دوبارہ قابض ہونے کے لئے ترکوں کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔ پلونا کی تسخیر میں اب صرف وقت کا سوال باقی رہ گیا تھا۔ ترکی فوج کمک سے مایوس ہوچکی تھی، قحط کا خطرہ درپیش تھا، زخمیوں اور مریضوں کی تعداد، جن تک طبی امداد نہیں پہنچ سکتی تھی بڑھ رہی تھی اور روزانہ لڑائیوں میں ہلاک ہونے والے سپاہیوں کی

---

[1] مشرقی جنگ۔ خلاصہ فوجی نقل وحرکت کے متعلق (اقتباس از "ٹکمز ہر روس" ترجمۂ کپتان ویل۔

جگہ کوئی کام کرنے والا نہیں تھا۔ اس حالت کو دیکھ کر عثمان پاشا نے محاصرین پر عام حملہ کر کے لڑتے بھڑتے نکل جانے کی کوشش کی (۱۰ دسمبر)۔ ترکی فوج نے اس موقع پر اپنی غیر معمولی شجاعت اور بہادری سے کام لیا، لیکن وہ اس آہنی حلقہ کو توڑنے میں کامیاب نہ ہوسکی جو اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھا اور بالآخر چار مہینے کی دلاورانہ مدافعت کے بعد اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ لینہ (Lona) کی ترکی فوج، جس کو زرویش روکے ہوئے تھا، پلونا پر دوبارہ قبضہ کرلینے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہوئی تھی۔ محمد علی، جو استنبول اور حرم سلطانی کے متضاد اور بعض ناقابل تعمیل احکام کی بنا پر بالکل بے دست و پا ہوگیا تھا، برطرف کردیا گیا اور اس کی بجائے سلیمان پاشا کا تقرر عمل میں آیا۔ اس نئے سپہ سالار نے روسی فوج کے جناح پر اپنی تمام فوج کا دباؤ ڈالا۔ طرازتیانیق اور مچکہ (Trostianik and Matchka) کی لڑائیاں، جو یسار کے خلاف لڑی گئی تھیں سودمند ثابت نہیں ہوئیں (۱۹ اور ۲۰ نومبر)، لیکن یمین پر النیا (Elena) کی فتح نے کچھ عرصے کے لئے عثمان بزار کے ساتھ روسی رسل و رسائل کے لئے خطرہ پیدا کردیا۔ النیا کی لڑائی بالکل بعد از وقت تھی اور پلونا کی تسخیر نے روسیوں کی شکست النیا کا کافی بدلہ کردیا۔ سلیمان پاشا پر اب دشمن کی اعلیٰ تر فوجوں نے حملہ کیا اور وہ مچکہ کے مقام پر چاروں طرف سے گھر گیا (۱۱ دسمبر)۔

ایشیا میں بھی ترکی فوجوں کو کچھ کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ جنرل لورس میلی کوف[1] (Loris Melikoff) نے قارص پر حملہ کیا اور جنرل دَرہوگاسوف (Der-Hougassof) نے یسار پر بایزید کی طرف بڑھا، ساتھ ہی جنرل ڈیول (Devel) اور جنرل اوکلیبجو (Oklobijo) نے یمین پر حملہ کر کے اردھان کو لے لیا اور باطوم کے خلاف جنگی مصروفیتوں کا آغاز کردیا۔ سپہ سالار افواج، لورس میلی کوف، جنرل ڈیول کی فوج سے جا ملا اور ایک ہی

---

[1] جنرل لورس میلی کوف اور دَرہوگاسوف دونوں ارمنی تھے۔ ارامنہ کے ناموں میں دَر (Der) کا جزو اس امر کی علامت ہے کہ وہ پادری کی اولاد ہیں۔

تلیچ میں اردھان (۱۷ رمئی) کو فتح کرکے قارص کا محاصرہ کرلیا اور ارض روم کے لئے خدشہ پیدا کردیا۔ جنرل درہوگاسوف نے بایزید کو اپنی طرف متوجہ رکھنے کے بعد (۲۰ راپریل) ورام داغ (۱۰ رجون) اور دیار (۲۱ رجون) پر ترکی فوجوں کو تباہ کردیا۔ لیکن مختار پاشا کے امیر دار اسٹاف، مجری نو مسلم فیضی پاشا نے جو ایک عجیب وغریب قابلیت کا آدمی تھا، ترکی کی ایشیائی فوج کو، جواب سے پہلے مشکل سے اس قابل تھی کہ اس کو فوج کے نام سے یاد کیا جاسکے، از سر نو آراستہ ومنظم کرلیا تھا۔ مختار پاشا نے (۹۵) پیدل بٹالینوں چار ہزار سواروں اور (۶۰) توپوں کے ساتھ زوین (Zewin) کی گھاٹیوں پر اپنا مورچہ قائم کرلیا تھا۔ اسماعیل پاشا کردوں کی ایک بے شمار فوج کے ساتھ جنرل درہوگاسوف کی مصروفیتوں کے مرکز سے چھیڑ چھاڑ کررہا تھا۔ تعداد نفری کے لحاظ سے ترکی فوج کو فوقیت حاصل تھی، لیکن بایں ہمہ جنرل لورس میلی کوف نے، درہوگاسوف کو دشمن کے نرغے سے بچانے کی غرض سے عثمانی صفوں کو چیر کر نکل جانے کی کوشش کی اور مختار پاشا سے اس کا مقابلہ ہوا (۲۶ رجون)۔ زوین میں ہزیمت پاکر اس کو مجبوراً قارص کا محاصرہ اٹھالینا اور اسکندراپولی (Alexandropol) کی طرف پسپا ہوجانا پڑا۔ مختار پاشا برابر دشمن کا تعاقب کرتا رہا۔ جنرل درہوگاسوف بھی، باوجودیکہ تین ہزار عیسائی خاندان ترکی انتقام سے خوف زدہ ہوکر اس کے ساتھ فرار اور ان کی معیت سے فوج کے کوچ میں رخنے پیدا ہورہے تھے، کسی نہ کسی طرح باقاعدگی کے ساتھ پسپا ہوگیا اور دشمن کو اپنے قریب نہیں آنے دیا۔ اس نے اپنی پوری فوج کو دشمن کے نرغے سے سلامت نکال لیا اور اغدیر (Igdir) جا پہنچا۔ اسماعیل پاشا، ہوگاسوف کو روکنے کے لئے چالیس بٹالینوں اور پچپن توپوں کے ساتھ اسی مقام پر ٹھہر گیا اور مختار پاشا فوج خاصہ کو ساتھ لے کر جنرل میلی کوف کے مقابلے کے لیے روانہ ہوگیا۔ قرقانہ (Kerkana) عانی (Ani) ایاغنی (Iagnia) اپاق طپیشی (Ipak-Tepessi)، افلیار (avliar) اور قزل طپی (Kizil-Tepe) کی لڑائیوں میں ترکوں کا فائدہ تو ضرور ہوا مگر مفید نتیجہ نہیں نکلا۔ روسی کمک کے انتظار میں صرف مظاہرے کرتے رہے۔ ستمبر کے آخر میں جنرل لورس میلی کوف نے، جس کی امداد کے لئے پیدل فوج کی کئی

ڈویژنیں اور بے شمار توپیں آگئی تھیں، ازسر نو جارحانہ طرزِ عمل اختیار کر لیا۔ مختار پاشا نے قزل طپی کے عقب میں اپنی فوجوں کو جمع کیا لیکن الیجہ داغ (Aladja-Dagh) میں گھر کر اس نے شکست کھائی اور اس کی بقیۃ السیف فوج کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہا کہ وہ ارض روم میں داخل ہو جائے (۱۴ تا ۱۶ اکتوبر)۔ قارص پر ازسر نو حملہ کیا گیا اور سنگینوں کی دست بدست لڑائی کے بعد وہ فتح ہو گیا۔ (۱۸ نومبر)۔ اس فتح میں سترہ ہزار قیدی، اور تین سو توپیں روسیوں کے ہاتھ لگیں۔ مختار پاشا نے فاتح حریف کو گھیر لینے کی بے سود سی کوشش پھر کی لیکن داب بعین (Debe-Boin) میں اس کو ایک اور شکست ہوئی اور بالآخر وہ ارض روم میں ہر طرف سے گھر گیا۔

جنگ ختم ہونے کے قریب تھی۔ یورپ اور ایشیا میں ترکی کے پاس اب سپاہی باقی تھے نہ مصارف جنگ۔ اسی کے ساتھ ساتھ قانون فتح و شکست نے اس کو اطاعت پر مجبور کر دیا۔ تسخیر پلونا کے بعد باب عالی نے صلح کی خواہش کا اظہار کیا تھا لیکن انگریزی سفیر متعینہ قسطنطنیہ سر ہنری لیارڈ (Sig Henry Layard) نے ترکی سے لڑائی جاری رکھنے پر اصرار کیا اور برطانیہ کی مسلح مداخلت کی توقع دلائی۔ خیال یہ تھا کہ جاڑے کے شدید موسم میں دشمن کی مصروفیتیں خودبخود رک جائیں گی اور ترکی کو تنظیم جدید کا موقع مل جائے گا لیکن یہ تمام پیش بندیاں قطعاً غلط ثابت ہوئیں اور روسیوں کی زبردست فتح گرانڈ ڈیوک کی فوجوں کو استنبول کی فصیلوں تک بڑھا لائی۔ جنرل ٹاٹلیبان کی رائے یہ تھی کہ فوجوں کو آگے بڑھانے سے پہلے رشوک (Rustchuk) ودین، اور شوملہ پر حملہ کیا جائے۔ امپرر نے زرویش کی خدمات لنیہ کا صلہ دینے کی غرض سے اپنے اس ارادے کا اعلان کر دیا کہ موسم بہار میں اس کو افواج کا سپہ سالار اعظم بنا دیا جائے گا۔ گرانڈ ڈیوک نکولاس یہ نہیں چاہتا تھا کہ لڑائی کو ختم کرنے کا فخر کسی دوسرے کو حاصل ہو۔ چنانچہ اس نے جنرل گورکو کو جس کی بہادری اور شجاعت سے وہ خوب واقف تھا، جس طرح بھی ممکن ہو بلقان کو عبور کر لینے کا حکم دے دیا۔[1] بے شمار قدرتی موانعات کے باوجود

[1] جے ہانسن، روسیاست کے پوشیدہ راز۔

یہ سپہ سالار چشموں، دریاؤں اور اونچی اونچی چٹانوں سے توپ خانے کو کسی نہ کسی طرح اُتار ہی لے گیا اور شاکر پاشا کی فوجوں کو تہس نہس کرتا ہوا گولہ بارود اور سامان رسد کو سپاہیوں کی پشت پر لدوا کر طرابولی کے راستے سے بلقان کو عبور کر گیا اور صوفیہ میں داخل ہو گیا (۴ جنوری ۱۸۷۸ء)۔ وسط بلقان میں واصل پاشا نے (۴۱) پلٹنوں اور (۹۳) توپوں کے ساتھ راڈیسکی (Radestky) اور سکوبلاف کی اطاعت قبول کر لی (۹ جنوری ۱۸۷۸ء) محاذ فلبہ (Philippopoli) پر تین روز کی لڑائی کے بعد جنرل گورکو نے سلیمان پاشا کی فوجوں کو تباہ کر دیا۔ خود سلیمان پاشا اطاعت پذیری سے بچنے کے لئے رودپ (Rhodope) میں پناہ گزیں ہو گیا (۱۶ اور ۱۹ جنوری) اور ۲۰ جنوری کو جنرل سکوبلاف کا مقدمۃ الجیش ادرنہ پر قابض ہو گیا۔

انھیں ایام میں سربیہ نے، جو ۱۴ دسمبر سے از سر نو مصروف مصاف تھا، نیش پر قبضہ کر لیا۔ سربی فوجیں روسی سپاہ سے صوفیہ کے مقام پر جا ملیں بعد انھوں نے حافظ پاشا کو گھیر لیا۔ قرہ طاغ نے، جو پہلے ہی سے نکشش، اسپوزہ، اور میدون پر قابض تھا انطیفاری (Antivari) پر بھی قبضہ کر لیا اور سقوطری پر دباؤ ڈالا۔ ودین نے جس کا رومانیہ محاصرہ کئے ہوئے تھا ہمت ہار دی۔ روس کا مقدمۃ الجیش استنبول کی طرف بڑھا ترکی نے صلح کی درخواست کی۔

۱۵ فروری کو قزانلیک (Kezanlik) میں شرائط صلح پر دستخط ہوئے۔ انگلستان نے اب اپنے بیڑے کو مارمورہ میں بھیج کر ایک بالکل بعد از وقت فوجی مظاہرہ کیا اور اپنے جنگی ولولوں کی نمائش کی، مگر روس ان باتوں سے ڈرنے والا نہیں تھا اور ۳ مارچ کو جنرل اگناٹیف نے صلح نامۂ ایا ستفانوس کو باب عالی سے جبراً منظور کرا لیا۔ اس صلح نامے کی رو سے قرہ طاغ کے مقبوضات میں سہ گنا اضافہ ہو گیا اور اسپیزہ اور انطیفاری کے بندرگاہ اس کو مل گئے سربیہ خود مختار ہو گیا اور نیش اس کو دے دیا گیا۔

رومانیہ کو بھی آزادی مل گئی اور بسرابیہ کے معاوضے میں جو اس نے روس کو دے دیا تھا، دبروژہ اس کو مل گیا۔

ایک نئی ریاست کے قیام نے، جو بلغاریہ کی باجگذار تھی اور جو طونہ سے بحر یونان (Egean sea) تک پھیلی ہوئی تھی، یورپ میں ترکی کے پاس صرف قسطنطنیہ، گالیپولی، سلانیک، اور ان کے مضافات ایپیرس، تھسلی، البانیہ اور بوسینیہ باقی چھوڑے۔ ایشیا میں روس نے قارص، اردھان باطوم اور بایزید پر دوامی قبضہ کرلیا۔

اس کے علاوہ باب عالی نے تین سو ملین (تیس کروڑ) روبلس (۱۲۰۰،۰۰۰،۰۰۰ فرانکس) کا تاوان جنگ ادا کیا۔ اس معاہدے کی خبروں نے انگلستان کو چراغ پا کردیا۔ بیکنس فیلڈ کی کابینہ نے مصروف جنگ فوج کی محفوظ سپاہ کو ہتھیار باندھنے کا حکم دیا اور کوئن امپرس کے ہندوستانی سپاہیوں کے لشکر سے توازن قائم کرنے کی دھمکی دی۔ لیکن ہندوستان کی فوجوں کو ملک سے باہر لے جانے میں خطرہ تھا۔ چنانچہ ہندوستان سے صرف سات ہزار آدمی طلب کئے گئے۔ جرمنی کے طرز عمل کی بنا پر آسٹریا کے تذبذب سے یکہ وتنہا ہو جانے کی وجہ سے برطانیہ میں روس کی مدافعت کرنے کی قوت باقی نہیں رہی۔ ۱۸۷۶ء میں برطانیہ صرف پچیس ہزار آدمی میدان جنگ میں بھیج سکا اور اس تاریخ سے اس کی فوجی تنظیم میں کوئی ترقی رونما نہیں ہوئی ہے[1]۔

انگریزی سفیر نے جو ترکوں سے بھی زیادہ ترکی کے معاملات میں دلچسپی لیتا تھا، عثمانی اور روسی فوجوں کے مابین، جو شتلجہ (Chatldja) میں خیمہ زن تھیں، لڑائی واقع ہو جانے کی سخت کوشش کی مگر بارآور نہیں ہوئی۔ اس نے رودپ کے کوہستانی باشندوں کی، جنھوں نے روس کے خلاف بغاوت کردی تھی، امداد کے لئے روپیہ اور فوجی افسر بھیجے مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ قریم اور تھسلی کی بغاوت اور یونان کے ساتھ جنگ کے خدشے نے باب عالی کو اپنے جنگجو مشیر کے مشوروں کو بالکل نظر انداز کردینے پر مجبور کردیا۔

لندن اور سن پیٹربرگ کے تبادلے کے بعد بسمارک کی مداخلت اور

[1] دیکھو "مجلۂ دو عالم" یکم مارچ ۱۸۷۶ء مضمون بعنوان "ریویو دے دیو موندا" "انگریزی فوج انیسویں صدی عیسوی میں"۔

کاؤنٹ شوو الاف کی سفارت کی بنا پر روس، انگلستان اور آسٹریا میں ایک خفیہ معاہدہ طے ہوا (۳۰ رمئی) اور روس نے معاہدۂ ایا ستفانوس کو ایک یورپین کانگریس کے سامنے پیش کرنے کا اقرار کر لیا۔ اسی زمانے میں لارڈ بیکنس فلیڈ نے ترکی کے ساتھ ایک دفاعی معاہدہ کیا جس کے شرائط یہ تھے کہ:۔ "اردھان، باطوم، قارص یا ان میں سے کسی مقام کو روس کے اپنے قبضے میں رکھنے نیز اس صورت میں کہ سلسلہ صلح نامے کی رو سے ایشیا میں ہزامپیریل میجسٹی دی سلطان کے جن مقبوضات کا تعین کیا جا چکا ہے، ان میں سے کسی مقام پر قبضہ کر لینے کی کسی وقت کوشش کی گئی تو انگلستان علاقۂ زیر بحث کی بزور شمشیر مدافعت کی غرض سے ہز امپیریل میجسٹی دی سلطان کے ساتھ متحد ہو جانے کا عہد کرتا ہے۔

اس کے مقابلے میں ہز امپیریل میجسٹی دی سلطان وعدہ کرتے ہیں کہ بہتر نظم و نسق اور باب عالی کی رعایا کی، جو مقبوضات زیر بحث میں بود و باش رکھتی ہو، سلامتی کو، عام اس سے کہ وہ عیسائی ہو یا کسی اور مذہب کی پابند، پیش نظر رکھتے ہوئے، ضروری اصلاحات کو (جن کے متعلق سر دو دول بعد میں تصفیہ کریں گے) نافذ کیا جائے گا۔ آخر میں سلطان المعظم جزیرۂ قبرص کو انگلستان کے تفویض کرتے ہیں تاکہ وہ اس قابل ہو جائے کہ اپنی ذمہ داریوں کے پورا کرنے کے ذرائع مہیا کر سکے (۴ رجون)۔ اس معاہدے کے ایک ضمیمے مورخہ یکم جولائی میں یہ تحریر کیا گیا تھا کہ ایسی صورت میں کہ روس قارص اور دوسرے مقامات کو جو اس نے گزشتہ جنگ میں فتح کئے ہیں دوبارہ ترکوں کے حوالے کر دے، انگلستان کو جزیرۂ قبرص کا تخلیہ کر دینا اور معاہدۂ ۴ رجون ۱۸۷۸ء کو کالعدم ہو جانا چاہئیے۔

اس معاہدے سے ترکی کو جو فائدہ ہوا وہ معمولی اور ناقابل لحاظ تھا۔ انگلستان نے نہ صرف ترکی کے یورپین مقبوضات ہی کو قربان کر دیا بلکہ اس نے ایک فرضی حمایت کا معاوضہ بھی ترکی سے ایک علاقے کی صورت میں حاصل کر لیا اور ایشیا پر چپکے چپکے قابض ہو گیا۔

صلح نامۂ برلن (۱۳ جولائی ۱۸۷۸ء)

دول یورپ کی کانگریس کا افتتاح برلن کے مقام پر جرمن چانسلر کے زیر صدارت عمل میں آیا۔ انگلستان کی جانب سے لارڈ بیکنس فیلڈ، لارڈ سالسبری اور لارڈ آڈورسل جرمنی کی طرف سے پرنس بسمارک شہزادہ ہوہن لوہی (Hohenlohe) اور بیرن ڈی بیولو آسٹریا ہنگری کی طرف سے کاؤنٹ اندراسی، کاؤنٹ کارولی (Karolyi) اور بیرن ڈی ہیمرلی (Haymerle)، فرانس کی جانب سے ام۔ واڈنگٹن، کاؤنٹ ڈی سینٹ والئے (vallier) اور ام ڈیسپریز (Desprez) ایطالیہ کی جانب سے کاؤنٹ کورٹی اور کاؤنٹ ڈی لورے، روس کی طرف سے پرنس گورشیکوف اور بیرن ڈی اوبرمل اور ترکی کی جانب سے محمد علی پاشا، قرہ تھیوڈوری پاشا (Caratheodory Pasha) اور سعد اللہ بے اس کانگریس میں شریک ہوئے۔ حکومت عثمانیہ کو یہ خیال تھا کہ محمد علی پاشا کو اپنا وزیر مختار منتخب کرکے اس نے ایک دانشمندانہ سیاسی کام انجام دیا ہے کیونکہ محمد علی پاشا المانی النسل ہے اور اس لئے بہت ممکن ہے کہ بسمارک اس کو اچھی نظر سے دیکھے۔ لیکن اس کے برخلاف عدالت المانیہ اپنے متقیانہ تصوف کے زیر اثر اس واقعے کو فراموش نہیں کر سکی کہ محمد علی مرتد ہے نیز پروشی کے طبقۂ اعلیٰ نے اپنے میں اس کے گھل مل جانے کو جائز نہیں رکھا۔ محمد علی کی تقریروں میں بسمارک نے جس شدومد کے ساتھ دخل دیا اور کانگریس کے ایک جلسے میں جس تحکم کے ساتھ اس کو خاموش کر دیا وہ اس قدر شدید تھا کہ خود محمد علی نے کئی مباحثوں میں شریک ہونے سے احتراز کیا۔

فرانس اور ایطالیہ نے کانگریس کے مباحث میں تعجب خیز طریقے پر اپنی بے اثری کا مظاہرہ کیا۔ اور صرف دوسرے دول کے فیصلوں کے اندراج پر

اکتفا کیا۔ ام۔ واڈنگٹن نے رومانیہ کی جانب داری کے بجائے، جو مشرق کے تنہا لاطینی النسل باشندے تھے، یونان کی طرف داری اختیار کی۔ اس کی تحریک پر کانگریس نے ترکی سے مطالبہ کیا کہ وہ یونان کے ساتھ سرحد کے متعلق اس طرح تصفیہ کرلے کہ وادی قلاماز (calamas) اور وادی سلیمبارہ (Selymbria) کو خط فاصل قرار دیا جائے۔

برلن کی گفت وشنید کے بعد جو معاہدہ مرتب ہوا (۱۳ جولائی) اس نے معاہدۂ ایا استفانو کی رو سے جنرل اگناٹیو کے قائم کئے ہوئے حدود بلغاریہ کو دو حصوں میں منقسم کردیا۔ جن میں کا شمالی حصہ بلغاریہ کی خاص باجگذار ریاست بن گیا اور جنوبی حصے کو بہ تخفیف نصف مشرقی روما ئلی کا ایک خود مختار ترکی صوبہ قرار دیا گیا۔ صرف ایک قرارداد، جس کی انگلستان، فرانس، ایطالیہ اور خود ترکی بھی حمایت کرتی اور جس سے صرف روس اور آسٹریا کو ایک قسم کی پریشانی ہوتی، بلغاریہ اور رومیہ کا اتحاد جدید تھا۔ اہل رومیہ بلغاریہ والوں کے بہ نسبت زیادہ جری، مجاہد، ذہین اور تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے موخر الذکر کو بہت جلد اپنے میں ضم کرلیتے۔ اہل بلغاریہ میں اسی سرعت کے ساتھ رومیائیت پیدا ہوجاتی، جس سرعت کے ساتھ کہ ان میں سلافیقیت پیدا ہوگئی تھی اور یہ نئی دانوبی سلطنت روس کی سد باب بن جاتی۔ مگر رومیہ کو اپنی تمام قربانیوں کا جو صلہ ملا وہ خود مختاری اور اپنے زرخیز اور صحت بخش صوبۂ بسرابیہ کا دبروجہ کی وبا آور دلدلوں سے تبادلہ تھا۔

سربیہ باب عالی کی داوریت سے آزاد ہوگیا اور نیش اس کو مل گیا۔ قرہ طاغ کی خود مختاری کو بھی بالآخر باب عالی نے تسلیم کرلیا اور معاہدۂ ایا استفانو کی رو سے جو علاقہ اس نے حاصل کیا تھا اس کا ایک ثلث، بقول انطیفاری اس کو دے دیا گیا۔

روس نے بسرابیہ پر، جو معاہدہ ۱۸۵۶ء کی رو سے اس سے لے لیا گیا تھا، دوبارہ قبضہ کرلیا۔ قارص، اردھان، باطوم کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ بندرگاہ کی آزادی اور اس کے قلعے کے انہدام کا اعلان کردیا۔ اور

بایزید اور وادیٔ الشغرد (Alaschgerd) سے دست بردار ہوگیا۔ تاوانِ جنگ کے متعلق یہ تصفیہ ہوا کہ ترکی روس کا قرضہ سب کے آخر میں ادا کرے گی۔ اور یہ کہ روس کے حقوق، جو معاہدۂ ایاستفانو کی بنا پر قائم ہوئے ہیں، ترکی کے دوسرے قرض خواہوں کے مقابلے میں اس کو ترجیح نہیں دے سکتے ہیں۔ فارس اور روس نے اس غنیمت میں حصہ بٹا لیا۔ اول الذکر نے خطور (Khotour) کے ضلع پر قبضہ کر لیا اور ثانی الذکر نے اسپینزہ کو، بوسنہ اور ہرسک پر ایک غیر معینہ مدت کے لئے قبضہ اور اپنے حسب دلخواہ نظم و نسق کرنے کے متعلق فرمان کے ساتھ حاصل کر لیا؛

باب عالی نے اقرار کیا کہ:- تمام لوگوں کی شہادتیں بلا لحاظ مذہب عدالتوں کے روبرو قابل ادخال ہوں گی (فقرہ ۶۳)؛ جزیرہ قریم میں ۱۸۶۸ء کے ترکیبی قانون کو بہ حزم و احتیاط نافذ کیا جائے گا؛ اسی قسم کے جدید قوانین، جو مقامی ضروریات کے مناسب حال ہوں، ترکی کے مقبوضات یورپ میں جن کے لئے کسی خاص تنظیم کا تعین نہیں کیا گیا تھا، نافذ کئے جائیں گے (فقرہ ۲۳)؛ جن صوبہ جات میں ارمنی لوگ آباد ہیں، ان میں بہ لحاظ ضروریات مقامی مطلوبہ اصلاحات و انتظامات کا نفاذ بلا تاخیر عمل میں لایا جائے گا۔ چرکسوں اور کردوں کے مقابلے میں ان کی حفاظت کی جائے گی اور اس غرض کے لئے جو تدبیریں اختیار کی جائیں گی ان کے متعلق دول کے پاس، جو ان کے نفاذ پر نگرانی رکھیں گی، وقتاً فوقتاً رپورٹ بھیجی جائے گی (فقرہ ۶۱)؛

ترکی کی پہلی تقسیم معرض عمل میں آ رہی تھی معاہدہ برلن سے نہ صرف ترکی کی تمام باجگذار ریاستیں چھن گئیں بلکہ اس کے مقبوضات یورپ میں کا نصف حصہ بھی اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ۴ر جون کے معاہدے نے، جس میں سینٹ جیمس کی

کابینہ نے دیوان کو قابلِ شرم طریقے پر فریب دیا تھا، برطانیہ کو ایشیا کا سرپرست بنا دیا اور انگریزی سفیر نے سلطان کا ویسے ہی مشفق بننے کی کوشش کی جیسے کہ برطانوی رزیڈنٹ مغل بادشاہوں (Grand Mogul) کے مشفق بنے تھے۔[1]

---

[1] بر تو اضعہائے دشمن تکیہ کردن ابلہی ست — پائے بوسِ سیل از پا افگند دیوار را (رعنا)

سترھواں باب

عبدالحمید ثانی

معاہدۂ برلن سے انحراف ۔ البانی لیگ ۔ ترکی اور یونانی سرحد ۔ ملتہ کو فتک ۔ میں مقدمے کی تحقیقات ۔ مدحت پاشا کے خلاف اثبات جرم اور اس کا قتل ۔ فرانسیسی تونس میں ۔ مسئلہ مصر ۔ عربی پاشا ۔ انگریز مصر میں ۔ مسئلہ بلغاریہ ۔ انقلاب فلبہ (۱۸ ستمبر ۱۸۸۵ء) ۔ معاہدۂ ۵ اپریل ۱۸۸۶ء ۔ پرنس فرڈینان جنگ یونان و ترکی ۔ دول کا یونان کی ناکہ بندی کرنا ۔ مسئلہ ارمنیہ ہیکانی کمیٹیاں (The Haican Committees) ارمنیہ میں قتل عام کا سال ۔ ساسون ۔ ۱۱ مئی ۱۸۹۵ء کی یادداشت قسطنطنیہ میں قتل عام (۲۶ تا ۳۰ اگست ۱۸۹۶ء) ۔ اصلاحات کی تدفین ۔ مسئلہ قندیہ ۔ یونان سے جنگ (۱۳ اپریل تا ۱۳ دسمبر ۱۸۹۷ء) قندیہ کے اختیارات خود انتظامی ۔ (۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء) مسئلہ مقدونیہ ۔ مذہبی اور فرقہ وارانہ منافقات بغاوت ۔ معاہدۂ منسٹر بورگ (Munsterberg) مقدونیہ میں اصلاحات کی ناکامیابی ۔ انگریزی و روسی معاہدہ ۔ عثمانی نظم و نسق کی معزولی ۔

معاہدہ برلن سے انحراف۔ البانی لیگ۔ ترکی اور یونانی سرحد۔

ابھی معاہدہ برلن پر پوری طرح دستخط بھی نہیں ہوئے تھے کہ سلطان نے اس کے بعض شرائط سے آزادی حاصل کرنے کا خیال کیا۔ اس نے مقدونیہ، قندیہ اور ارمینیہ میں اصلاحات نافذ نہ کرنے کا قطعی طور پر مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ ساتھ ہی وہ ایسے ذریعوں کا بھی متلاشی تھا، جو تحویل مقبوضات کی ذمہ داری سے اس کو بری کر سکیں اگرچہ باب عالی نے بوسنہ اور ہرسک کا تخلیہ کر دیا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ آسٹریا ہنگری کے ساتھ لڑائی مول نہیں لینا چاہتا تھا، لیکن اسی کے ساتھ اس نے حاجی لویہ میں بغاوت بھی پھیلا دی تھی، جس کی بنا پر آسٹریا والوں کو ڈیڑھ لاکھ آدمی وہاں بھیجنے پڑے تھے۔ قرہ طاغ اور یونان کے متعلق باب عالی کو یہ توقع تھی کہ ان سے متعلق شرائط معاہدہ کو کسی نہ کسی طرح ٹال دیا جائے گا۔ ان دونوں ریاستوں کے خلاف باب عالی نے البانیہ والوں کو پوشیدہ طور پر، چھوٹی چھوٹی قوموں کے حقوق کی حفاظت کے بہانے سے اکسا دیا۔ اور ارناؤوط نے اپنے موروثی دشمنوں کو اپنے علاقے کا ایک حصہ دیدینے کی سخت مخالفت کی۔

مارشل محمد علی، دوم وزیر مختار عثمانیہ برلن کے مقام پر توزہ، پلیوہ اور غسینی (Goussinic) کے قرہ طاغ کے حوالے کئے جانے کے خلاف احتجاج کر چکا تھا۔ کانگریس کے بارھویں اجلاس میں اس نے ایجنڈا میں ایک ترمیم کا اضافہ کیا تھا جس کا منشا یہ تھا کہ اس کو صرف اس حد تک تجاویز پیش کردہ سے اتفاق ہے کہ جن ملکوں میں ایک ہی قوم کے لوگ آباد ہیں اور جہاں بیشتر آبادی ایک ہی مذہب کی پابند ہے، ان پر قرہ طاغ قبضہ کرے۔ اس کا یہ خیال تھا کہ جن مقبوضات میں کیتھولک اور مسلمان مذہب کے البانی باشندے آباد تھے،

ان کا الحاق خلاف انصاف ہے۔ پلیوہ، توزہ اور غسینی میں زیادہ تر ارناؤط آباد تھے۔ یلدیز کے جاسوسوں نے یونانی قبیلوں کو آسانی کے ساتھ اس پر آمادہ کرلیا کہ وہ البانی علاقے کے اپنے قدیم دشمنوں کے حوالے کئے جانے کی سختی سے مخالفت کریں۔ شمالی البانیہ میں لوگوں نے بعجلت ممکنہ عام طور پر جنگ کی تیاریاں شروع کردیں۔ روس اور آسٹریا کے اعتراضات کی بنا پر باب عالی نے محمد علی کو بحیثیت کمشنر سرحد کی تشخیص وتعیین کے لئے بھیجا اس کے ساتھ فوج بہت کم تھی۔ لوگوں نے بے خوف ہوکر اس کی توہین کرنی شروع کردی اور طرح طرح سے اس کو دھمکایا اور ڈرایا۔ محمد علی کو یہاں پہنچے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ لوگوں نے اس سے جبراً یہ حلف اٹھوالیا کہ وہ قرہ طاغ، سربیہ اور یونان کے مفادات کو پیش نظر رکھ کر، لیگ کے جس کو مختلف فرقوں نے قائم کیا تھا، البانیہ کی تقسیم کو روکنے کی غرض سے احکام کی پابندی کرے گا۔ محمد علی اس کے برخلاف ملک میں اپنا عمل دخل قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس کشاکش باہمی کا بالآخر یہ نتیجہ نکلا کہ محمد علی اور اس کی ہمراہی فوج کو جاکوا کے مقام پر قتل کردیا گیا (ستمبر ۱۸۷۸ء) اور یہ الزام اس پر قائم کیا گیا کہ اگرچہ اس نے اسلام قبول کرلیا تھا تاہم وہ دل سے ہمیشہ (Ghiaour) رہا۔

حقیقت یہ ہے کہ محمد علی حکومت عثمانیہ کی سیاسی عیاریوں کا شکار ہوگیا جس نے مخفی طور پر البانیہ والوں میں بغاوت پھیلادی تھی۔ اور پھر محض دکھاوے کی خاطر محمد علی کو، جو ان تمام پوشیدہ کارروائیوں سے قطعی ناواقف تھا، اس بغاوت کے فرو کرنے کے لئے بھیجدیا تھا، اس پر طرہ یہ تھا کہ فوج بھی اس کو کافی تعداد میں نہیں دی گئی تھی۔

البانی لیگ نے یکم جولائی ۱۸۷۹ء کو سرکاری طور پر اپنے قیام کا اعلان اس اشتہار کے ساتھ کردیا کہ وہ البانی علاقے کی تحویل کی ہر طرح مخالفت کرنے کا مصمم ارادہ رکھتی ہے۔ لیگ کی مرکزی کمیٹی کا اجلاس پرزرین (Prezrend) میں منعقد ہوا۔ اس کے علاوہ سقودرہ اور ارگاکاسترو (Skodra and Argyrocastro) میں دو اور کمیٹیوں کے جلسے ہوئے۔ لیکن عثمانی حکومت نے بہت جلد یہ محسوس کرلیا کہ

لیگ میں تمرد اور سرکشی پیدا ہو گئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ لیگ نے اب سلطانی احکام سے بے اعتنائی اور یورپ کی مخالفت کرنی شروع کر دی تھی۔ اس کا تمرد یہیں تک محدود نہیں تھا بلکہ ملک کا نظم و نسق بھی اس نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور محاصل ادا کرنے سے قطعی طور پر انکار کر دیا تھا۔ یہ تمام باتیں دیکھ کر پلیڈ سٹن کو سخت تشویش ہوئی۔

سلطان نے ایطالیہ کی پیش کردہ ایک تجویز کو بالآخر منظور کر لیا جس میں یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ پلیوہ اور غسینی کی بجائے قرہ طاغ کو وہ زمینیں دے دی جائیں جو سقوطرہ کے شمال میں ہیں اور جن پر کیتھولک مذہب کے البانی قبیلوں کا قبضہ ہے لیکن اس تجویز کا صرف یہ اثر ہوا کہ یہ البانی النسل کیتھولک لوگ بھی لیگ میں شریک ہو گئے۔ لیگ کے افسر اعلیٰ دو تھے جن میں سے ایک مسلمان ہود بے (Hods-Bey) اور دوسرا مرڈائٹس (Mirdites) کا کیتھولک شہزادہ پرنک بب ڈوڈا (Prenk-Bib-Doda) تھا۔ یورپ کی مصروفیتیں اگرچہ البانیہ والوں کی ان حرکتوں کی وجہ سے رک گئیں تھیں تاہم وہ ایک نہایت ہی مضحکہ خیز کارروائی کر رہا تھا۔ برلن کانفرنس نے یہ تصفیہ کیا کہ قرہ طاغ (مانٹی نیگرو) کو ڈل سگنو (Dulcigno) کا بحری علاقہ ان مقبوضات کے بجائے دے دیا جائے جو قرہ طاغ کے زیر اقتدار آنے سے انکار کر چکے تھے لیکن البانیہ والوں نے فوراً ڈل سگنو پر بھی قبضہ کر لیا۔ دول نے یہ دیکھ کر ایک مشترکہ بحری مظاہرہ کا ارادہ کیا، جس کی غرض سوائے اس کے اور کچھ نہیں تھی کہ اپنی کمزوری کی پردہ پوشی کی جائے۔ جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ مظاہرے میں شرکت کرنے والے جنگی جہازوں کو یہ صریح حکم دے دیا گیا تھا کہ آتش باری قطعی طور پر نہ کی جائے۔ یہ درست ہے کہ یورو پین تدبر قسطنطنیہ میں کارفرما تھا۔ سمرنا پر انگلستان کے قبضہ کر لینے کی دھمکی سے سلطان خوف زدہ ہو گیا چنانچہ ۹ ر اکتوبر ۱۸۸۰ء کو اس نے حسب تجویز برلن کانفرنس تحویل کا حکم دے دیا اور ترکی فوجوں نے ڈل سگنو پر قبضہ کر کے اس کو قرہ طاغ کے حوالے کر دیا (۲۶ ر نومبر)۔

البانی لیگ نے اب تہدیدانہ طرز عمل اختیار کر لیا اور اپنی خواہشات حصول خود انتظامی کو پردۂ خفا میں نہیں رکھا۔ بلکہ ایطالوی اور انگریزی حکومتوں نے ناعاقبت اندیشی سے کام لے کر اس کی امداد بھی کی، جس کا یہ اثر ہوا کہ لیگ نے باب عالی کو یہ اطلاع دے دی کہ: "اہل البانیہ اپنے کو عثمانی حکومت کے اقتدار سے بالکل آزاد تصور کرتے ہیں اور اپنے پہاڑوں کی خود اپنے لئے اس وقت تک حفاظت اور مدافعت کریں گے جب تک کہ ان کو خود مختاری حاصل نہ ہو جائے" لیکن لیگ کے سربر آوردہ افراد میں سے کسی ایک میں بھی ان کاموں کے انجام دینے کی اہلیت نہیں تھی، جن کا حالات حاضرہ مطالبہ کر رہے تھے۔ ہودبے کا عدم وجود برابر تھا اور پرنک بب ڈوڈا میں، جس کی عمر صرف اکیس سال کی تھی اور جو بالکل غیر مستقل اور نرم مزاج تھا، اپنے آباؤاجداد، دوکاجن (Doukadjin) کا وحشیانہ جوش و خروش نہ تھا۔ اس کی تربیت استنبول میں ہوئی تھی۔ اس کے دل میں ترکی طاقت کا احترام بسا ہوا تھا اور اس لئے وہ ترکی کے خلاف جنگ کرنے کے خیال کی اہمیت کو کبھی سمجھ ہی نہیں سکا۔ انھیں نااہلیتوں کا نتیجہ تھا کہ عین اس وقت جب کہ ہر ایک قلب جذبات سے معمور اور ہر لمحہ میں قرہ طاغ اور لیگ کی فوجوں میں تصادم واقع ہو جانے کا متمنی تھا، ایک مرجائی (Mirdite) پادری پر الہام مقدس کا دورہ پڑا اور اس نے ایک ایسے بلند مقام پر کھڑے ہو کر، جہاں سے لشکر گاہ کا وہ حصہ مقابل تھا جس میں کیتھولک فرقے خیمہ زن تھے، تمام کیتھولک مذہب رکھنے والوں کو ارفع ترین ہستی کی قسم دی کہ وہ قرہ طاغ والوں سے مل جائیں اور فوراً سقوطرہ پر حملہ کر دیں، جس کی مارشل درویش پاشا اور اس کی معدودے چند بٹالینین ان کے مقابلے میں مدافعت نہیں کر سکتی تھیں۔ مرجائین اور ان کے شرکا و معاونین نے پادریوں کی ترغیب و تحریص پر ہتھیار باندھ لئے تھے اور ان کے حسب ہدایت عمل پیرا ہونے ہی والے تھے کہ پرنک بب ڈوڈا اور ہودبے فوراً اس مقام پر آ گئے اور التجاؤں اور مواعید سے کام لے کر

انھوں نے اس تحریک کو روک دیا۔

ہودبے اور بب ڈوڈا کے ماتحت چالیس ہزار آدمی تھے۔ برخلاف اس کے درویش پاشا کے پاس ان کا مقابلہ کرنے کے لئے چند کمزور بٹالینین تھیں۔ ترکی مارشل نے ان لوگوں کو ایک ترکی گن بوٹ پر، جو خلیج سقوطرہ میں کشتی محافظ کا کام دیتی تھی مدعو کیا۔ یہ لوگ آنکھیں بند کرکے پھندے میں پھنس گئے۔ کھانے کے وقت یکایک کمرے کے دروازے کھلے اور سپاہیوں کا ایک دستہ داخل ہوا۔ اپنے ہتھیاروں پر قبضہ کرنے کی کوشش کئے بغیر، جو کمرے میں داخل ہوتے وقت کسی مقام پر رکھ دئے تھے، ان لوگوں نے خاموشی کے ساتھ اپنے کو گرفتار کرادیا۔ ترکی مارشل نے اپنے قیدیوں کو استنبول روانہ کردیا، جہاں ہودبے ہیضے میں مبتلا ہوکر مرگیا اور بب ڈوڈا بہ لحاظ موقع متوسط طبقے میں مل جل گیا۔ لیگ میں اختلاف پھیل گیا۔ درویش پاشا نے نہایت ہوشیاری سے کام لے کر لوگوں میں روپیہ تقسیم کرنا شروع کردیا جس کی بنا پر یہ جنگجو گروہ منتشر ہوگیا۔ یونان میں سلطان کی ظالمانہ سیاست نے آدھی کامیابی حاصل کرلی۔ اور اگرچہ تھسلی سے دست بردار ہو جانا پڑا تاہم اپیرس بچ گیا۔ برلن کانگریس نے سرحدوں کی جو تعیین کی تھی وہ یونان کے حق میں مفید تھی۔ سرحدی خط ایجین نشیب میں وادیٔ بینیاز اور آیونین نشیب میں وادیٔ کلامس پر گزرتا تھا۔ معاہدۂ برلن کے چوبیسویں فقرے میں یہ تحریر کیا گیا تھا کہ اگر ترکی اور یونان اس سرحد مشخصہ کے تسلیم کرنے میں متفق الرائے نہ ہوں تو معاہدے پر دستخط کرنے والی طاقتیں مداخلت کریں گی۔ ۸؍فروری سے لے کر ۱۸؍مارچ ۱۸۷۹ء تک ایک ترکی اور یونانی کمیشن نے پرویزا کے مقام پر اپیرس کی سرحد کے تعین کی برابر کوشش جاری رکھی مگر سوائے تضیع اوقات کے کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔ یونانی اور ترکی نمایندوں نے ۲۲؍اگست کو اس مسئلہ کا تصفیہ کرنے کی غرض سے قسطنطنیہ میں ایک جلسہ کیا لیکن جب بحث ومباحثے سے عاجز ہوکر ۷؍نومبر کو یہ لوگ منتشر ہوئے تو بھی وہ اسی مقام پر تھے جہاں سے کہ پہلے دن روانہ ہوئے تھے۔ ایتھنز میں

لوگوں میں اضطراب پھیل گیا اور انھوں نے زور وشور کے ساتھ جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ دول نے مداخلت کی اور ۱۶ رجون ۱۸۸۰ء کو برلن کے مقام پر ایک بین الاقوامی کانفرنس کا افتتاح عمل میں آیا۔ ۱۵ر جولائی کو چھ طاقتوں کے سفیروں نے قسطنطنیہ میں باب عالی کو کانفرنس کے فیصلے سے مطلع کیا، جس میں برلن کانگریس کے تیرھویں معاہدے کی تصدیق مزید کی گئی تھی۔ ترکوں نے ابتدأ یہ ظاہر کرنا چاہا کہ وہ معاہدے کی تکمیل کے لئے آمادہ ہیں لیکن کچھ عرصے کے بعد انھوں نے اس امر کو بالکل بھلا دیا کہ یورپ کو ان سے کیا مطالبہ ہے۔

یونان کی طاقت اس لحاظ سے بڑھی ہوئی تھی کہ دول کو اس سے کسی قسم کی پرخاش نہیں تھی۔ یہ بہت ممکن تھا کہ وہ ان مقبوضات پر قبضہ کرلے، جو برلن کانگریس میں اسے دئے گئے تھے لیکن اس نے ایک سال نہایت ناقص پیمانے پر فوجوں کو بھرتی کرنے میں ضایع کر دیا اور اسی علاقے پر مجبورا قانع ہو جانا پڑا جو ترکوں نے اس کو دیا تھا۔ یورپ کو اس اثنا میں ان واقعات سے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی اور یہ موقع یونان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ برلن کانگریس کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے ترکوں کے قطعی طور پر انکار کر دینے کے باوجود یورپین تدبر اختلافات کے رفع کرنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہا۔ مارچ ۱۸۸۱ء میں دول کے سفیروں نے باب عالی کے ساتھ مفاہمت کرنے کی غرض سے قسطنطنیہ میں ایک کانفرنس کا افتتاح کیا۔ ۲۴ رمئی کو ایک معاہدہ مرتب ہوا جس کی رو سے تھسلی کا یونان کو دیا جانا قرار پایا لیکن جس حد تک اپیرس کا تعلق تھا کلاماس کے بجائے ارتہ پر سرحد قائم کی گئی اور دوسری جولائی کو اس مضمون کے ایک صلح نامے پر ترکی اور یونان کے دستخط ثبت ہو گئے۔

تحقیقات ملتا کوشک[1]

مدحت پاشا پر الزام اور اس کا قتل

منجملہ دوسرے امور کے عبدالحمید کا سب سے پہلا کام مدحت پاشا کا اخراج تھا، جس کی یہ غرض تھی کہ اس کو جماعت اصلاحی کے سردار کے پنجوں سے رہائی مل جائے۔ لیکن اخراج کے بعد بھی مدحت کی وہی دہشت قائم تھی جو اس کے عروج کے زمانے میں لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گئی تھی۔ مغربی طاقتوں کو اس کے ساتھ ہمدردی تھی، اس کو لوگوں نے خود سردار مقرر کیا تھا۔ تقدیر اس کے ساتھ تھی۔ مراد کے شرکا و معاونین اور تمام مخالفین حکومت کی توقعات اس کی ذات سے وابستہ تھیں۔ ۱۸۷۹ء میں اس وقت جب کہ انگلستان نے سلطان کو مدحت کے دوبارہ طلب کر لینے اور پانچ سال کے لئے والی شام

---

[1] اگرچہ مدحت پاشا کے مقدمے کی سماعت جس مختصر عدالت کے روبرو ہوئی اس کا اجلاس ملتا کوشک میں نہیں بلکہ خود یلدیز کی ایک عمارت میں ہوا تھا جو اس کوشک کے سامنے واقع تھی اور جس کو ابتداً محافظین کے رہنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ لیکن عام طور پر اس کو "تحقیقات ملتا کوشک" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ملتا کوشک عبدالحمید کی بنائی ہوئی ایک نسبۃً عمارت تھی اور اس میں اتنی گنجائش نہیں تھی کہ عدالت کا اجلاس ہو سکے لہذا دار المحافظین (Guard-house) کا اس غرض کے لئے انتخاب کیا گیا چونکہ خود اس عمارت میں بھی کافی گنجائش نہیں تھی اس لئے اس کے سامنے خیمے اس طریقے سے نصب کر دئے گئے تھے ایک احاطہ سا بن گیا تھا جس میں پانچ سو آدمیوں کے لئے گنجائش تھی۔

مقرر کرنے پر اس غرض سے مجبور کیا کہ اس کو اپنی اصلاحات کی آزمائش کا موقع مل جائے، اس مجدد عصر کی قسمت کا فیصلہ ہوگیا تھا۔ چونکہ مدحت کو محض اس لئے سزا نہیں دی جاسکتی تھی کہ اس نے عبدالعزیز کو تخت سے اُتار دیا تھا اس لئے کہ ایسا کرنے میں ان لوگوں پر بھی الزام آتا تھا، جو مراد کی معزولی کا باعث ہوئے تھے۔ لہٰذا عبدالعزیز کی نعش کو قبر سے نکالنے اور خودکشی کو قتل کے الزام سے بدل دینے کا خیال کیا گیا تاکہ سلطان کش، مدحت، کے خلاف لوگوں کے جذبات انتقام کو بھڑکا دیا جائے۔ اس سلسلے میں پہلا قدم جو اُٹھایا گیا وہ اس کو شام سے علیحدہ کرنا تھا۔ شام میں موجود رہنے کی صورت میں اس امر کا امکان تھا کہ وہ اپنی مدافعت کرسکے۔ چنانچہ ولایت ایدین کے قبول کرلینے پر اس سے اصرار کیا گیا۔ اگرچہ اس سازش کی مدحت کو اطلاع مل گئی تھی لیکن اس نے اس کو باور نہیں کیا، ۱۷ مئی ۱۸۸۰ء کو سمرنا کے قنق کو تین ہزار آدمیوں نے گھیر لیا اور مدحت نے حرم کے ایک خفیہ دروازے سے فرار ہوکر فرانسیسی قونصل خانے میں پناہ لی۔ اس نے دول سے اس امر میں مداخلت کرنے کی التجا کی کہ ایک غیرجانب دار عدالت میں اس کے مقدمے کی تحقیقات کی جائے۔ لیکن یوروپین حکومتوں کا کمینہ پن ملاحظہ ہو کہ انھوں نے صاف طور پر یہ کہدیا کہ وہ اس کے معاملے میں کچھ نہیں کرسکتیں۔ مدحت کو بالآخر اس کے دشمنوں کے حوالے کردیا گیا۔ مدحت پاشا کے ساتھ ساتھ جن دوسرے لوگوں پر عبدالعزیز کے قتل کا الزام لگایا گیا تھا وہ یہ تھے۔

مصطفےٰ پہلوان چاوش (کشتی گیر)۔ مصطفےٰ جزائرلی۔ حاجی محمد، جو جنگل کی نگہبان فوج سے تعلق رکھتا تھا۔ فہری بے، مرحوم سلطان کا سابق ایشک آقاسی (چیمبرلین)۔ میجر علی بے، ناحق پاشا کا بھائی۔ مراد کا ایڈیکانگ کرنل نجیب بے کروجی، جس پر قتل میں مبادرت کرنے کا الزام لگایا گیا تھا۔ محمد رشدی پاشا، سابق وزیر اعظم۔ داماد محمد پاشا، سابق امیر توپ خانہ۔ داماد نوری پاشا، سابق سردار محلات بزمانۂ مراد۔ حسن خیراللہ آفندی، سابق شیخ الاسلام، جس نے عزیز کی معزولی کا فتویٰ دیا تھا، سابق سلطان مراد،

جس کے متعلق حکم نامۂ گرفتاری میں یہ تحریر کیا گیا تھا کہ وہ اپنی دماغی حالت کی بنا پر قابل معافی ہے۔ والدۂ مراد سلطانہ، جس پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ اس نے مدحت سے سازو باز کر کے عزیز کے قتل کی تیاری کی تھی اور قتل کا آخری حکم دیا تھا۔ کرنل عزت بے، نمائش محل یا مینا بازار[1] کا سابق سردار، اور سعید بے، مراد کا سابق ایشک آقاسی، جس پر جرم میں شرکت کا الزام لگایا گیا تھا۔

عبدالعزیز کی وفات کے بعد خودکشی کے فتوے کو اکثر لوگوں نے بے اعتباری اور اشتباہ کے ساتھ قبول کیا تھا چنانچہ اس موقع پر یہ فقرہ چست کر کے کہ "عبدالعزیز کو کسی نے خودکشی کرا دی" لوگوں میں پھیلا دیا گیا اور اس کا بہت اثر ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ فقرہ بجائے خود ایک لطیفہ تھا لیکن جس قدر اس میں لطافت تھی اسی قدر یہ صداقت سے دور بھی تھا۔ انیس ڈاکٹروں کی شہادت، جنھوں نے سلطان کی لاش کا معائنہ کیا تھا، ظاہر ہے کہ بالکل سچی تھی۔ معائنہ پر دستخط کرنے والے ڈاکٹروں میں جو مختلف قوموں سے تعلق رکھتے تھے، جن کا عام طور پر اعتبار و احترام کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ ڈاکٹر میریان (Marrion) فرانسیسی سفارت کا طبیب، ڈاکٹر ڈکسن برطانوی طبیب سفارت، ڈاکٹر جولیس وان ملنگن (Julius Van Millingen) عبدالعزیز کا خاندانی طبیب، ڈاکٹر فطالیس (Vitalis) طبیب سررشتۂ حفظان صحت ڈاکٹر سوتو (Sotto) آسٹریا ہنگری کا طبیب سفارت، ڈاکٹر اسپے ڈارو (Spadaro) اور ترکی ڈاکٹر ڈی کیسترو بے (de Castro-Bey) تھے۔ پھر ایسی صورت میں یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ یہ سب لوگ ایک غلط دستاویز پر دستخط کرنے کی سازش میں ایک دوسرے کے شریک و معاون تھے؟

مواخذہ کرنے والوں کی طرف سے یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ ان لوگوں نے

---

[1] نمائش محل یا مینا بازار (Ferie Palace) شرغان کوشک (Scheragan Palace) جہاں عزیز کو معزولی کے بعد منتقل کر دیا گیا تھا، ایک حصہ تھا۔

لاش کے جزئی معائنہ پر ہی اکتفا کیا تھا۔ انھوں نے صرف ہاتھ، پاؤں اور چہرے ہی کو دیکھا تھا اور کسی دوسرے عضو کا معائنہ نہیں کیا تھا۔ شاید ہی کوئی دوسرا دعویٰ اس قدر غلط بیانی پر مبنی ہو، جیسا کہ الزام کا یہ دعویٰ تھا۔ ڈاکٹر ڈکسن نے پیرا کے ایک اخبار میں اس غلط بیانی کی تردید شایع کرنے کی کوشش کی مگر سنسر نے اس کا خط شایع کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اس خط میں ڈکسن نے صرف اپنے اس بیان کی تصدیق مزید کی تھی جو جون ۱۸۷۶ء کے برٹش میڈیکل جرنل میں عبد العزیز کی موت کے متعلق سرکاری تحقیقات کا خیال پیدا ہونے سے کہیں پہلے شایع ہو چکا تھا۔

تحقیقات کے متعلق بحث و تمحیص ۲۷، ۲۸ اور ۲۹ جون کو برابر تین دن تک جاری رہی اور اگرچہ صدر و نائب صدر عدالت، سروری آفندی اور کرسٹو فرڈیس نے اس موقع پر بہت کچھ اخفا اور رازداری سے کام لیا تاہم نظریۂ قتل کے ثبوت میں خفیف سی شہادت بھی بہم نہیں پہنچ سکی۔ پھر ستم ظریفی یہ تھی کہ الزام کی طرف سے جو من گھڑت افسانہ پیش کیا گیا تھا، وہ نہایت ہی احمقانہ تھا۔ بیان یہ کیا گیا تھا کہ چیمبرلین، فہری بے، مصطفےٰ پہلوان اور دو باغبانوں کو ساتھ لے کر سلطان کے کمرے میں گھس گیا اور پشت کی طرف سے اس کی کمر پکڑ لی اور پھر ایک رومال سے، جس پر کلوروفارم چھڑکا ہوا تھا، اس کے منہ اور ناک کو بند کر دیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان تمام کاموں کو ایک ساتھ انجام دینے کے لئے فہری بے کے کتنے ہاتھ تھے؟ فہری بے نے اس کے بعد سلطان کو زمین پر پچھاڑ دیا۔ یہاں قابل ذکر یہ امر ہے کہ عبد العزیز نہایت ہی قوی الجثہ اور شہزور آدمی تھا اور فہری بے کی اس کے مقابلے میں کوئی ہستی نہیں تھی۔ دونوں باغبانوں نے سلطان کا ایک ایک پاؤں پکڑ لیا۔ فہری بے برابر کمر پکڑے رہا۔ اور پہلوان نے ایک چاقو سے اس کی شرائین کو کاٹ دیا۔ یہ ایک نہایت ہی مشکل عمل جراحی تھا، خصوصاً اس حالت کے لحاظ سے، جو اس وقت عبد العزیز اور فہری بے کی تھی۔ اس اثنا میں دو افسروں، کرنل نجیب بے اور میجر علی بے نے، جو گھوڑوں پر سوار ہو کر

ننگی تلواریں ہاتھ میں لئے ہوئے، کمرے کے کھلے ہوئے دروازے پر پہرہ دے رہے تھے اور چار خواجہ سراؤں نے، جو کسی اتفاق سے اس وقت وہاں موجود تھے، اس واقعے کو دیکھا۔ مصطفےٰ پہلوان اور حاجی محمد باغبان نے جرم کا اقبال کرلیا۔ مصطفےٰ جزائرلی نے جس کو تحقیقات کے دوران میں سخت عقوبت پہنچائی گئی تھی اور جس نے ابتدا اپنی شرکتِ جرم کا اقرار کرلیا تھا، عدالت میں صاف انکار کردیا اور برابر اپنی بے گناہی کا اظہار کرتا رہا۔ دوسرے تمام ملزمین نے جرم سے قطعی طور پر انکار کردیا۔ جن چار خواجہ سراؤں کا بحیثیت شاہد جرم اوپر ذکر کیا گیا ہے، انھوں نے تمام واقعات عدالت میں بیان کردئے۔ عبدالعزیز کی ایک سابقہ کنیز کو، جو ایک اختلاجی عورت تھی اور جس کی شادی مدحت پاشا کے ایک دشمن، محمد جلال الدین نے، جو تادم مرگ وزیر مالیہ رہا، اپنے بیٹے منیر بے کے ساتھ جو خود بھی سازش میں شریک تھا، کردی تھی، اس کے شوہر اور خسر نے خوب سکھا پڑھا دیا تھا۔ اس نے عدالت میں یہ بیان دیا کہ اس نے ایک شخص مصطفےٰ جزائرلی کو عبدالعزیز کے کمرے کی کھڑکی سے کودتے ہوئے دیکھا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ الزام کی طرف سے جو قیاسی بیان ارتکاب قتل کے متعلق دیا گیا تھا اس کو ایک واقعے کی حیثیت سے عدالت میں بالتفصیل بیان کیا، جس کے متعلق اس کو شاہی حرم میں، جہاں ہر شخص اس جرم سے واقف تھا، آپس کی گفتگو میں پوری معلومات حاصل ہوئی تھی۔ ایک مُلا نے، جس کا نام ایک راز سربستہ ہے، جو تحقیقات کے وقت عدالت میں موجود نہیں تھا اور جو معزولی نامے کو دیکھ کر مطمئن ہوگیا تھا، اس امر کی تصدیق کی کہ عبدالعزیز کی لاش کو غسل دیتے وقت اس کے سینے پر بجانب چپ ایک زخم، منہ میں دو دانت ٹوٹے ہوئے اور ڈاڑھی کا ایک طرف کا حصہ بے ترتیب پایا تھا۔ ڈاکٹر مارکو پاشا، سابق ناظم مدرسہ طبیہ نے، جو ان لوگوں کے منجملہ تھا، جنھوں نے خودکشی کی شہادت پر دستخط کئے تھے، بیان کیا کہ عزیز کی موت کے دن، عین موت کے وقت اس نے کوس کنجوک (cos-coundjouk) سے جہاں وہ اس وقت موجود تھا، اور

جو باسفورس کے دوسرے کنارے پر صرف تین کیلو میٹر کے فاصلے پر ہے، عزیز کے کمرے کی کھڑکی سے کوئی چیز گرتی ہوئی دیکھی تھی۔ وہ یہ نہیں کہہ سکا کہ یہ کیا چیز تھی لیکن ایک شخص رفعت آفندی نے، جو شکاری کا پیشہ کرتا تھا اس امر کی بہر حال تصدیق کر دی کہ جس زمانے میں وہ دمشق میں تھا، اُس نے مدحت پاشا والی شام کو، ایک تیسرے شخص سے یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ وہ دوسرے ملزموں کی شرکت سے عبدالعزیز کے قتل کا باعث ہوا تھا۔

اس موخرالذکر گواہ کے علاوہ اور کسی شخص کو عدالت میں طلب نہیں کیا گیا تھا۔ نہ چاروں خواجہ سرا، نہ غسال ملا، نہ عبدالعزیز کی کنیز جو نزع کی حالت میں تھی، غرض کہ کوئی شخص عدالت میں موجود نہیں تھا۔ انیس ڈاکٹروں میں سے، جنھوں نے صداقت نامۂ خودکشی پر دستخط کئے تھے، صرف چار کا عدالت میں نام لیا گیا تھا۔ مرکو پاشا اور نوری پاشا ئے، جو یوروپین ڈاکٹروں کے بیان کی آڑ لئے ہوئے تھے، ظاہر کیا کہ انھوں نے لاش کے صرف ہاتھوں کا معائنہ کیا تھا۔ ایک شخص مارکل نے، جو آسٹریا کا رہنے والا تھا۔ اور بینا بازار کے باڈی گارڈ میں تھا، بیان کیا کہ ڈاکٹروں نے عزیز کے صرف چہرے اور پاؤں کا معائنہ کیا تھا۔ اس جھوٹی گواہی کے صلے میں اس شخص کو محکمہ حفظان صحت میں ایک بیش مواجب جائداد مل گئی۔ ڈاکٹر ڈی کیسترو کا، جو اس بات پر سختی کے ساتھ قائم رہا کہ عزیز نے خودکشی کی تھی صدر و نائب صدر اور پروکیورر جنرل جلدی جلدی قطع کلام کرتے رہے۔

الزام نے بہر حال اس دعوے کو ثابت کر دیا کہ عزیز کی شرائین کو چاقو سے کاٹا گیا تھا۔ اگر واقعی یہ صورت ہوتی تو زخموں کو بالکل صاف اور ہموار ہونا چاہئے تھا درانحالیکہ طبی شہادت میں یہ ثابت ہو چکا تھا کہ زخموں کا نشان اوپر سے نیچے تک اور اندر باہر سے خمیدہ ہے اور اس کے کنارے ناہموار ہیں۔ یہ بیانات ڈاکٹروں کے اس فیصلے سے متفق تھے کہ عزیز نے

خود اپنے دونوں ہاتھوں کی رگوں کو کھول لیا تھا اور بیک وقت واحد دونوں ہاتھوں پر قینچی کو استعمال کیا تھا، جو اس کی لاش کے پاس پڑی ہوئی تھی اور جو بہت چھوٹی، نکیلی اور بہت تیز تھی[1]"۔

ڈاکٹر ڈکسن کو اس معاملے میں بہت زیادہ اصرار ہے۔ اس نے ڈاکٹر وان ملی گان کے ساتھ لاش کا معائنہ کیا تھا اور چہرہ، آنکھیں، منہ، گردن، سینہ، پیٹ اور (دونوں شانوں کے بیچ میں) پیٹھ کے متعلق یادداشت لکھ لی تھی۔ ہونٹوں پر نیلاہٹ کا کوئی وجود نہیں تھا، جس سے یہ ظاہر ہوسکتا کہ موت گلا گھونٹنے سے واقع ہوئی۔ گلے پر دباؤ کا کوئی نشان نہیں تھا، جس سے یہ معلوم ہوسکتا کہ کسی قسم کی ہاتھاپائی واقع ہوئی تھی[2] سلطان کی لاش پر اور اس کمرے میں جہاں ہلاکت واقع ہوئی تھی کلورافارم یا کسی دوسری قسم کی قابل تحلیل دوا کی بو بالکل نہیں تھی۔ "عبدالعزیز نے اپنی ڈاڑھی بالکل صاف کرڈالی تھی" مگر مونچھیں باقی تھیں۔" اس احترام کے لحاظ سے جو مسلمان ڈاڑھی کا کرتے ہیں یہ واقعہ کہ عزیز کی ڈاڑھی بالکل صاف تھی صرف اس کی دیوانگی سے منسوب کیا جاسکتا تھا"۔

دوران تحقیقات میں مدحت نے گواہان مواخذہ سے حسب دفعہ ۲۷۷ ضابطہ فوجداری جرح کرنے کی خواہش کی مگر عدالت نے ان تمام گواہوں، اور اُن ڈاکٹروں کو، جنھوں نے عزیز کی موت کے شہادت نامے پر دستخط کیے تھے، نیز چاروں خواجہ سراؤں، غسال اور حرم سرا کی تمام عورتوں اور عبدالعزیز کی ماں اور بیٹوں کو طلب کرنے سے انکار کردیا۔ ملزموں کو اپنا اپنا وکیل منتخب کرنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی تھی اور ان کو مجبوراً عدالتی

---

[1] یہ بالکل غیر متعلق بحث ہے۔ استغاثے کی طرف سے گلا گھونٹنے یا ہاتھاپائی کا کوئی سوال ہی نہیں اٹھایا گیا تھا۔ (رضا)

[2] مدحت پاشا کے ایڈوکیٹ جنرل، اس فرانسیسی مصنف کو یہاں اس امر کے ظاہر کرنے کی ضرورت تھی کہ آیا اس قینچی پہ خون کا کوئی داغ یا کوئی اور ایسی علامت بھی پائی گئی تھی یا نہیں، جس سے یہ ثابت ہوسکتا کہ عزیز نے واقعی اسی قینچی سے اپنے، ہاتھوں کی رگوں کو کاٹا تھا (رضا)

وکیلوں پر بھروسہ کرنا پڑا تھا۔ مدحت کے وکیل، شہری آفندی نے اس قدر مہملیت سے کام لیا کہ مدحت کو مجبوراً اسے خاموش کر دینا پڑا اور اس نے یہ کہہ کر نہایت مسترحمانہ طور پر معذرت خواہی کی کہ "اس کے سر میں بخار بھرا ہوا ہے"۔

ان لوگوں میں مراد پنجم اور اس کی والدہ کو عدالت میں طلب کرنے کی جرأت نہیں تھی۔ محمد رشید پاشا کسے، جو گنٹھیا میں مرض الموت میں مبتلا تھا، ایک کمیشن نے جرح کی۔ حسن خیر اللہ کو، جو اس وقت مکۂ معظمہ میں تھا، وہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا تاکہ وہ علمار کو حکومت کے خلاف برانگیختہ نہ کردے۔ ایک ایسے مقدمے میں، جس میں حکومت ہی مدعی تھی اور حکومت ہی جج اور جو ذاتی عناد کی پیاس بجھانے کے لئے شروع کیا گیا تھا، ظاہر ہے کہ مدحت کے خلاف تحقیقات کا نتیجہ ملزموں کی سزا کے علاوہ اور کچھ نہیں نکل سکتا تھا۔ چنانچہ تمام ملزمین کو بہ استثنائے سعید بے وعزت بے جن کو دس دس سال کی قید بامشقت کی سزا دی گئی تھی، موت کا حکم سنا دیا گیا۔

مصطفےٰ پہلوان اور حاجی محمد کے علاوہ، جن کو اپنی اس جھوٹی گواہی کا کافی صلہ ملنے کا کامل یقین تھا، تمام سزا یافتہ ملزمین نے مرافعہ دائر کر دیا۔

اب ایک ایسی مشکل پیش آئی جس کا حکومت کو گمان بھی نہیں تھا۔ مجلس علمار نے، جس سے حسب قانون شریعت فتویٰ طلب کیا گیا تھا۔ یہ اعلان کر دیا کہ تمام کارروائی بالکل بے قاعدہ اور تمام سزائیں نہایت غیر انصافانہ ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مذکورۂ بالا دونوں باغبانوں کی شہادتیں ملزمین کے خلاف اس لئے کالعدم ہوگئیں کہ اصول فقہ کی رو سے ایک شخص ایک ہی وقت میں ملزم اور شاہد نہیں ہو سکتا۔ جن اقبالات کے متعلق حکومت کا بیان تھا کہ بعض ملزمین نے قلمبند کرا دیے ہیں، ان سے اس موقع پر اس لئے کام نہیں لیا جا سکتا تھا کہ ان کی تشہیر نہیں کی گئی تھی اور سب کے آخر میں اگر، جیسا کہ استغاثے کا بیان تھا، مدحت اور اس کے

رفیقوں نے سلطان مراد کے حکم کی تعمیل کی تھی تو ایسی صورت میں نہ تو خود مدحت پر نہ دونوں باغبانوں اور نہ کسی دوسرے پاشا یا بے پر جرم عاید کیا جا سکتا تھا اس لئے کہ ان لوگوں نے اپنے سلطان اور خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں اپنے فرائض منصبی کو انجام دیا تھا۔

اس آزادانہ فتوے کا یلدیز پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ علما کو عدالت کے حکم کے جواز میں فتویٰ دینے پر مجبور کرنے کے لئے ہر قسم کی کارروائی کی جا چکی تھی۔ حکومت نے یہ یقین دلا کر مجلس علماء میں اکثریت حاصل کر لی کہ ان کے انکار کر دینے کا نتیجہ ملزمین کی موت ہوگا، جو پوشیدہ طور پر قتل کر دیے جائیں گے، درانحالیکہ سلطان نے ان کو معافی دیدینے کا وعدہ کر لیا ہے۔ چند نہایت راسخ اور محتاط لوگوں کے علاوہ تمام علماء رضامند ہو گئے۔ ہر شخص واقف ہے کہ عبد الحمید کس حد تک اپنے وعدوں کو پورا کیا کرتا تھا۔ مدحت اور داماد محمود پاشا کو، جنھیں طائف عرب میں جلاوطن کر دیا گیا تھا، تین سال کے بعد ۱۸۸۴ء میں البانی گارڈس کے میجر فیضی بے نے، جس کو خاص اسی غرض سے قسطنطنیہ سے بھیجا گیا تھا، ان دونوں کو قتل کر دیا۔ داماد محمود پاشا نے، جو نہایت قوی الجثہ اور شہ زور آدمی تھا، شدید مقاومت کی اور اس کو قتل کرنے کے لئے بارہ آدمیوں سے مدد لینے کی ضرورت پڑی۔ مدحت اپنی قسمت پر شاکر تھا۔ وہ بغیر کسی قسم کی مدافعت کے پھانسی پر لٹک گیا۔ اس کا سر کاٹ کر ایک صندوق میں بند کر کے سلطان کے پاس بھیج دیا گیا۔ طائف کے متصرف عبد اللہ آفندی نے اس قتل میں مدد دی تھی سرکاری مراسلت میں، جس میں مدحت اور محمود کی موت کی اطلاع دی گئی تھی یہ بیان کیا گیا تھا کہ ان دونوں کے اوندھے پھوڑے نکلے اور انھیں سے وہ ہلاک ہوئے۔ اس موقع پر ترکی اخبارات نے ایسے الفاظ میں جو ان کی شقاوت کا ادنیٰ ثبوت ہیں، یہ تحریر کیا کہ ملزمین میں سے بعض لوگ مختلف بیماریوں کا شکار ہو چکے ہیں۔ گویا اس بیان کے مطابق مصطفےٰ جزائرلی نوری پاشا اور خیر اللہ آفندی اس واقعے سے پہلے مر چکے تھے اور بخار اور جذبۂ پشیمانی ان کی قبل از وقت ہلاکت کا باعث ہوا تھا۔[۱]

---

[۱] اگست ۱۹۰۸ء میں قسطنطنیہ کے جرائد نے ایک خط شایع کیا تھا، جو مدحت پاشا کے بیٹے حیدر بے مدحت نے

فرانسیسی تونس میں

ترکی تسلط کے اثنا میں، جس کا آغاز ۱۵۷۴ء میں ہوا تھا، تونس میں ہر طرف غدر مچا ہوا تھا، جس کا باعث پاشاؤں، ڈیوں (Deys) اور بیوؤں (Beys) کی حصول اقتدار کے لئے رقابتیں تھیں۔ ۱۷۰۵ء میں حسین بن علی بے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ لندن سے ان کو بھیجا تھا اور جس میں یہ تحریر تھا کہ وہ اپنے باپ کی سزا کے متعلقہ حکم پر نظر ثانی کرنے کے لئے استغاثہ دائر کرنے والا ہے۔ سرکاری حلقوں میں یہ خط بہت کچھ استعجاب اور حیرت کی نظر سے دیکھا گیا بالخصوص اس لئے کہ حیدر بے جماعت احرار کا ایک رکن تھا اور کمیٹی کے تعلقات اس سے اچھے نہیں تھے۔ جب تک عبد الحمید سریر آرائے سلطنت تھا نظر ثانی کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ اس رسوائے عالم مقدمے میں وہی مستغیث تھا اور وہی جج۔ لیکن اب جب کہ عبد الحمید معزول ہو کر سرکاری قیدی بن گیا تھا، ان لوگوں کا، جن پر اس نے ظلم توڑے تھے، خاموشی اختیار کرنا حیرت انگیز فعل تھا۔ حکومت عبد العزیز کی موت کے مسئلہ کو اس خوف سے چھیڑنا نہیں چاہتی تھی کہ کہیں ان کوتاہ نظر لوگوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس نہ لگ جائے، جو اسلامی احترام اور خلیفہ کے تقدس کو برقرار رکھنے کے لئے یہ باور کرتے تھے کہ عبد العزیز نے خودکشی نہیں کی تھی۔ یہی خیالات تھے، جن کی بنا پر افسانۂ قتل کے متعلق یلدیزی سازشوں کا آغاز ہوا تھا۔ حکومت یہ نہیں چاہتی تھی کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ خلیفہ نے خودکشی کر کے دائمی عذاب اپنے اوپر نازل کر لیا تھا۔ کیا تحقیقات مدحت پاشا کو شک کی نظر ثانی کے واقع ہونے کا امکان ہے؟ اس میں بہت کچھ شبہے کی گنجایش ہے۔ اگرچہ عبد العزیز کے فرزند اکبر، شہزادہ یوسف عزالدین، ولیعہد سلطنت، نظر ثانی کے حامی ہیں اور انھوں اپنے اس خیال کو پوشیدہ نہیں رکھا ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے والد نے خودکشی کی۔ تاہم کمیٹی نے، جو آجکل ترکی پر حاوی ہے، اس کے خلاف فیصلہ کیا ہے۔ دستوری مفادات کے لحاظ سے نظر ثانی کی بہر حال ضرورت ہے نوجوان ترک جس شخص کو شہید حریت مشہور کرنے کا کوئی موقع فروگزاشت نہیں کرتے اس کو یہ حق قطعی حاصل ہے کہ

تونس کا بلا شرکت غیرے مالک بن گیا اور ایک ایسے خاندان کی بنیاد ڈالی، جو آج تک حکمران ہے۔ تونس ترکی کا ایک زمانے میں باجگذار تھا۔ اب اس نے رفتہ رفتہ آزادی اور خود مختاری حاصل کرنی شروع کی یہاں تک کہ محمد ثانی کے زمانے میں ترکی سے اس کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ ۱۸۷۱ء میں باب عالی نے اپنا اقتدار دوبارہ قائم کرنے کی کوشش کی مگر ایطالیہ اور فرانس کے تخویف امیز احتجاجات کی بنا پر کامیابی نہیں ہوئی۔ اس اثنا میں تونس والوں کی مالی طمع کچھ اتنی بڑھ گئی کہ بالآخر یوروپین سرمایہ داروں کے حقوق کی حفاظت کی غرض سے ایک بین قومی کمیشن قائم کیا گیا اور انگلستان، فرانس اور ایطالیہ کے مابین حکومت تونس میں اعلیٰ اقتدار قائم کرنے کے لئے رقیبانہ جدوجہد شروع ہوگئی۔ اور اس جدوجہد نے بہت جلد فرانس اور ایطالیہ کے مابین حقیقی طور پر مخالفت کی صورت اختیار کرلی۔ برلن کانگریس میں فرانس کو جرمنی نے یہ یقین دلادیا کہ فرانس تونس کے معاملے میں آزاد ہے اور یہ کہ جرمنی کی جانب سے اس باب میں کوئی مخالفت نہیں کی جائے گی۔ جرمنی کا اصل میں یہ خیال تھا کہ اس قول و قرار کی بنا پر فرانس اور ایطالیہ میں کشیدگی پیدا ہو جائے گی۔ رومہ والوں نے پہلے ہی سے تونس کے متعلق یہ باور کرلیا تھا کہ وہ ایطالوی مقبوضات میں شامل ہے۔ چنانچہ کارکنان سفارت حکومت تونس کا اس طرح تذکرہ کرنے لگے تھے کہ گویا وہ اس کے مالک ہیں۔ جولی فیری نے (Jule's Ferry) اس معاملے کو آگے بڑھانے کا ارادہ کیا۔ قرومانی (Kroumini) قبائل کے، جو ایک حد تک خود مختار تھے الجیریا کے علاقے میں متواتر حملوں کا عذر پیش کر کے فرانسیسی فوجیں سرحد سے پار ہوگئیں۔ ایک خفیف سی لڑائی کے بعد جنرل بریارٹ (Breart) نے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ اس کی بریت ثابت کی جائے۔ وہ ایک ہی وقت میں شہید اور قاتل کے دو مختلف و متضاد خطابوں سے یاد نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اہم اثبات بریت علمبرداران دستور جدید کا ایسا بہترین حربہ ہوگا، جس سے وہ لوگوں پر یہ ثابت کرسکیں گے کہ دیر یا جلد انتقام عامہ مطلق العنانی کو اپنے کیفر کردار تک پہونچا کر رہے گا۔

محمد صادق بے سے معاہدۂ قصر سعید کو منظور کرا لیا (۱۲ مئی ۱۸۸۱ء)۔ اس معاہدۂ قصر سعید نیز معاہدۂ مارسا (Marsa) (۹ جون ۱۸۸۳ء) کی بنا پر تونس فرانسیسی پروٹیکٹوریٹ بن گیا۔ دولت علیہ ایک ایسے ملک کے متعلق، جس کو سلطنت کا "جزو لاینفک" تصور کیا جاتا تھا، اپنے حقوق کی توثیق کے موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔ ۱۶ مئی ۱۸۸۱ء کو باب عالی نے تمام سفیروں کے نام بذریعۂ تار ایک نوٹ روانہ کیا، جس میں ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ معاہدۂ برلن پر دستخط کرنے والی تمام طاقتوں کو اس اقدام سے مطلع کر دیا جائے، جو فرانس کی طرف سے سلطنت عثمانیہ کی داوریت اور تمامیت کے خلاف، جن کی مختلف معاہدوں کے ذریعے سے کامل طور پر حفاظت کی جا چکی ہے، عمل میں لایا گیا ہے۔ ۱۲ جون کو باب عالی کی مجریہ ایک تازہ یادداشت میں تونس والوں کی حفاظت اور حمایت کے متعلق فرانس کے قونصلوں اور سیاسی کارکنوں کے حقوق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ باب عالی نے تونس اور الجیریا میں فرانس کے خلاف عربی قبائل کو بھڑکانے کی کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ ترکی نے بہرحال تونس میں فرانسیسی پروٹیکٹوریٹ کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ تونس والوں کی قومیت کے مسئلہ پر فرانسیسی قونصل متعینۂ ترکی اور عثمانی عہدے داروں میں اب بھی مناقشے ہوتے رہتے ہیں، جس پر تعجب اس لئے نہیں کرنا چاہئے کہ ایک طرف تو ترکی نے الجیریا والوں کو فرانس کی رعایا تسلیم کرنے سے ہمیشہ انکار کیا ہے اور دوسری طرف فرانسیسی تدبّر اب تک یہ نہیں معلوم کر سکا ہے کہ تونس والوں کو کس طرح فرانس کی رعایا بنا دیا جائے درانحالیکہ اکثر موقعوں پر نہایت آسانی کے ساتھ ایسا کیا جا سکتا تھا۔

ترکی کو تونس کے علاوہ ایک اور شدید نقصان ہونے والا تھا۔ اور یہ مصر کی آزادی تھی۔

مسئلہ مصر۔ عربی پاشا

انگریز مصر میں

سنہ ۱۸۷۶ء میں جب اسماعیل پاشا نے اس جوڈیشل کونسل کے آگے سر جھکا دیا تھا، جس کو پبلک ڈیٹ کمیشن کے نام سے مصر کے یوروپین سرمایہ داروں کے حقوق کی حفاظت کے لئے انگلستان اور فرانس نے مشترکہ طور پر اس سے بجبر منوا لیا تھا، تو خدیو کے اقتدارات کامل پر نہ صرف ایک کاری ضرب ہی پڑی تھی بلکہ ایک خطرناک ڈویلزم (dualism) بھی خوفناک رقابتوں کے ساتھ ساتھ پیدا ہو گیا تھا۔ انگریزی اور فرانسیسی نگرانی کا، جو مسئلۂ زر کو مسئلۂ سیاست پر یقیناً ترجیح دینے والی تھی، مصر کے جذباتِ قومیت کے ساتھ جلد یا بدیر لازمی طور پر تصادم ہونے والا تھا۔ اہالی مصر کبھی نہ کبھی مصر پر غیر ملکیوں کے اجارہ اور تسلط کے خلاف احتجاج اور یوروپین مہمات کا خدیوی مہمات کے ساتھ ضرور تبادلہ کرنے والے تھے۔

توفیق پاشا کے مصر میں قدم رکھتے ہی مصر والوں کی تمام تر تمنائیں، جو ایک عرصے سے خدیوتی مظالم کے نیچے دبی ہوئی تھیں، نہایت شد و مد کے ساتھ ابھر آئیں۔ اسماعیل پاشا نے بلا سوچے سمجھے انگریزوں اور فرانسیسیوں کے مطالبات اور باب عالی کے احکام کے خلاف لوگوں کی حمایت حاصل کرنے کی غرض سے ایک قومی جماعت کو قائم کرنے کی کوشش کر کے طوفان کے دروازے خود کھول دیئے تھے بدقسمتی سے تحریک حاضرہ کی سرداری اور پبلک کی مطلوبہ اصلاحات کو نافذ کرنے کے بجائے توفیق پاشا نے اپنے پیشرو کے نقش قدم پر

چلنا شروع کر دیا۔ ایک فوجی اعلان، جو ان مصری افسروں کی غیر اطمینانی کا نتیجہ تھا جو ترکی اور سرکیشی افسروں سے، جن کے لئے بظاہر تمام اعزازات وقف کر دیے گئے تھے، عاجز آ چکے تھے، اس انقلاب کے اچانک واقع ہو جانے کا راست سبب بن گیا، جو عرصے سے ملکی بے چینیوں کے گہوارے میں پرورش پا رہا تھا۔ خدیو پر ترکی اور سرکیشی افسر، جن کی حرم بھی سرپرستی کرتا تھا، اس درجے حاوی تھے کہ اس نے ایک ایسا قانون نافذ کر دیا تھا جس کی رو سے مصری افسر ایک خاص درجے کے اوپر ترقی نہیں پا سکتے تھے۔ ۷ر جنوری ۱۸۸۱ء کو سرکیشی وزیر حربیہ، عثمان رفقی پاشا کے خلاف خدیو کے ملاحظے میں ایک عرضداشت پیش کرتے وقت تین مصری سرداروں، کرنل عربی بے، کرنل علی فہمی بے اور کرنل عبداللہ بے نے نیشنل کور (عساکر قومیہ) کے افسروں کے حقوق کی ترجمانی کی خدمت انجام دی۔ علی فہمی کو عرضداشت کا جواب لینے کے لئے محل میں طلب کر کے گرفتار کر لیا گیا۔ فہمی کی رجمنٹ نے بغاوت کر کے تینوں افسروں کو، جو خدیو کے محل میں زیر حراست تھے، چھڑا لیا اور خدیو نے بالآخر عثمان رفقی پاشا کو ان سرداروں کے مطالبات پر طوعاً و کرہاً قربان کر دیا۔ عثمان رفقی کی جگہ اب محمود سمیع پاشا، جو نیشنل پارٹی سے تعلق رکھتا تھا، وزیر حرب مقرر ہوا۔

اس فوجی تزلزل نے بہت جلد ایک عالمگیر تحریک کی صورت اختیار کر لی اور خدیو کی مطلقیت کے باوجود جس کی اعانت پر اپنے ذاتی اغراض کے لئے انگلستان اور فرانس بھی تھے، ایک ایسی طاقت پیدا ہو گئی، جس کے توسط سے تمام سرکش مصری باشندوں کو وہ معراج حاصل ہونے والی تھی، جس کے وہ مدت سے منتظر تھے۔ فوج کے ذمے یہ خدمت سپرد کی گئی کہ وہ خدیو کو قوم کی خواہشوں سے مطلع کر کے اس کو ان کا پابند بنائے۔ بلاشبہ ان اصلاحات کے بعد جو فوجی افسروں کی نافذ کی ہوئی تھیں، اب ان اصلاحات کا دور دورہ ہوا جو سولینیں کی، جن کا عربی پاشا نے اپنے کو وکیل بنا لیا تھا، مرتب کی ہوئی تھیں۔ عربی پاشا نے، جو محض اتفاقی طور پر قومی عساکر کا سردار اعلیٰ بن گیا تھا، اب ایک مصری پارلیمنٹ کے قیام کے خیال کو

عملی جامہ پہنانے کا ارادہ کیا۔ جماعت مخالف، جس نے اپنی ایک علیحدہ فوج بھی بھرتی کر لی تھی، پہلے ہی سے ایک صاف اور صریح پالیسی مرتب کر چکی تھی؛ صدر کابینہ، ریاض پاشا نے عربی پاشا کی طرف دار فوجوں کو مصر سے باہر بھیج کر اس کو بیدست و پا کر دینے کی کوشش کی لیکن انھیں فوجوں نے سب سے پہلے ریاض کے خلاف قدم اٹھایا۔ ۹ ستمبر ۱۸۸۱ء کو قاہرہ کے عسکر مستحفظ نے بغاوت برپا کر دی اور عربی پاشا ننگی تلوار لئے ہوئے خدیو کے پاس آیا اور اس پر اپنی خواہشات کا اظہار کیا جو حسب ذیل تھیں:۔ ریاض کی برطرفی۔ اٹھارہ ہزار تک فوج کی افزونی۔ ایک بیت النائبین کا افتتاح۔ چیمبر کا پہلا اجلاس ۲۶ دسمبر کو ہوا لیکن گیارہ دن کے بعد لندن اور پارِس کی کابینوں نے کن ٹرولرس جنرل (مستحفظین عام) کے نام ایک مشترکہ نوٹ بذریعۂ تار روانہ کیا، جس میں خدیو کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ دونوں حکومتیں اس کی حامی ہیں (۶ جنوری ۱۸۸۲ء) اس نوٹ کا مقصد یہ تھا کہ توفیق پاشا کو مستقل کر دیا جائے، جو مصری پارلیمنٹ کا درجہ گھٹا کر اس کو صرف ایک انجمن مشاورت بنا دینا چاہتا تھا۔ اس نوٹ پر اظہار رائے کرتے ہوئے ٹائمز آف لندن نے خدیو کی حمایت میں مسلح مداخلت کا تذکرہ کیا اور ترکی کے انگلستان اور فرانس کے فرماں بردار (Mandatory) کی حیثیت سے عمل پیرا ہونے کی پیش بندی کی؛

سب سے اہم سوال، جو سیاسیات مصر کی راہ میں سنگ گراں بنا ہوا تھا، بجٹ کے متعلق مصری ایوان کے حقوق رائے سے تعلق رکھتا تھا۔ فرانس اور انگلستان اس کو کنٹرول کے منافی تصور کرتے تھے مگر چیمبر نے اس اختلاف کی کوئی پروا نہیں کی۔ شریف پاشا نے جو ریاض کا جانشین تھا، چیمبر کی رائے کو خدیو کی منظوری کے لئے پیش کرنے سے انکار کر دیا اور اپنی خدمت سے مستعفی ہو گیا (۲ فروری)۔ دوسرے دن اس کی جگہ محمود پاشا البرودی اور وزارت حربیہ پر عربی پاشا کا تقرر عمل میں آیا۔ ۷ فروری کو خدیو کے ایک فرمان میں چیمبر کے فرائض کی تشریح کی گئی اور ایک آئین نافذ کیا گیا،

جس میں منجملہ دوسری باتوں کے ذرراء کو ایوان کے سامنے جوابدہ قرار دیا گیا تھا، اور جیمبر کے حقوق رائے تسلیم کرلئے گئے تھے۔ باوجودیکہ محمود پاشا نے ابتداہی میں اس امر کا اظہار کردیا تھا کہ خراج قرضۂ عامہ، اور دوسری ذمہ داریاں، جو قانون انفکاک یا دوسری بین قومی پابندیوں سے پیدا ہوں، خارج از بحث ہیں، بریں ہم گن ٹرولرس نے اس نئی صورت حال کے خلاف بھی احتجاج کردیا (۱۴ر فروری)۔

خدیو اور اس کے وزراء میں روز بروز کشید گی بڑھتی گئی۔ ایک سازش نے، جو سرکیشی افسروں نے عربی پاشا کے خلاف خدیو کے اقتدار مطلق کو بحال کرنے کی غرض سے برپا کی تھی، آپس کی نااتفاقیوں کو کمال کے درجے تک پہنچادیا اور نتیجے میں خدیو کی طاقت عربی پاشا کی ڈکیٹرشپ کے ہاتھوں پامال ہوگئی۔ اور لوگوں کے بے انتہا اضطراب نے شدید خطرے پیدا کردیے۔ انگلستان اور فرانس کے قاہرانہ طرز عمل کی وجہ سے جو دوسری طاقتوں سے مداخلت کے مسئلے پر گفت و شنید کررہے تھے، مسلمانوں میں مذہبی تعصب پیدا ہوگیا۔ اور چار انگریزی اور تین فرانسیسی جنگی جہازوں کے اسکندریہ کی بندرگاہ میں نمودار ہونے سے (۲۰ رمئی) لوگوں کے جذبات اور بھی مشتعل ہوگئے۔ انگلستان اور فرانس قونصلوں نے، جن کو گن ٹرولرس نے اب تک نظرانداز کر رکھا تھا، جماعت قومی کے خلاف خدیو کے نام ایک اعلان جنگ بھیج دیا (۲۵ رمئی) توفیق پاشا اس سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہتا تھا کہ عربی پاشا اور اس کے دوستوں کو یا تو جلاوطن کردیا جائے یا مصر سے ان کا اخراج ہو جائے لیکن فوج نے، جو اپنے سرداروں پر فدا تھی، خدیو کو تخت سے اتار دینے کی دھمکی دی۔

باب عالی کو ایک ایسے صوبے کے، جو سلطنت کا جزو لاینفک تھا، معاملات میں مغربی طاقتوں کی مصافی مداخلت کے خیال سے بہت کچھ پریشانی ہوئی اور اس نے دورویہ طرز عمل اختیار کرلیا۔ ادھر تو دولت علیہ ترکیہ اپنے اس عزم بالجزم کا اظہار کررہی تھی کہ خدیو کی طاقت کی تمامیت کو

برقرار رکھا جائے گا اور ادھر وہ عربی پاشا کو خفیہ طور پر مدد دے رہی تھی۔ یلدیز میں یہ یقین کیا جاتا تھا کہ عربی پاشا پان اسلامزم کا دل و جان سے حامی ہے۔ کوشش یہ کی جا رہی تھی کہ قاہرہ میں غدر پھیلا دیا جائے تاکہ مصر کو فوجیں بھیجنے کا بہانہ نکل آئے اور اس طرح پر بشرط امکان مصر کو ایک معمولی سی ولایت میں تبدیل کر دیا جائے۔ جرمنی نے ترکوں کو اس معاملے میں ہمت سے کام لینے کی ترغیب دی اور وعدہ کیا کہ یورپ ترکی مداخلت کے متعلق انگریزی اور فرانسیسی مخالفت کو بالکل مٹا دے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ترک اس موقع پر جرات سے کام لے کر مصر میں فوجیں اتار دیتے تو ان کے اس فعل کے خلاف محض رسمی احتجاجات کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن عربی پاشا خدیو کی طرح سلطان کے احکام کی بھی کوئی پروا نہیں کرتا تھا۔ اس نے اپنے اس ارادے کو پوشیدہ نہیں رکھا کہ وہ عثمانی فوجوں کا مصر کی اٹھ ورد م توپوں سے استقبال کرے گا۔ مصر میں سلطانی افواج کی ہزیمت تمام عربوں کو بغاوت پر آمادہ کر دینے کے لئے کافی تھی لہٰذا سلطان نے اس موقع پر خاموشی سے کام لینا ہی مناسب سمجھا[1]۔

بحری مظاہرے کے ساتھ ساتھ انگلستان اور فرانس نے قسطنطنیہ میں ایک بین قومی کانفرنس کو بھی طلب کیا۔ حکومت عثمانیہ کی طرف سے ایک وفد بھیجا گیا، جس کی ایک نمائشی مظاہرے سے زیادہ اور کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اس وفد میں مارشل درویش پاشا، لبیب آفندی، صدر عدالت العالیہ اور دو عہدہ داران حرم سلطانی، قادری آفندی، اور اسعد آفندی شریک تھے (۲، رجون)۔ مارشل درویش پاشا نے عربی پاشا کو استنبول بھیجنے کا ارادہ کیا اور یہ صورت ناکامی آخری چارۂ کار کے طور پر اس نے یہ سوچا کہ بغاوت کے جرم میں یا تو اس کو گرفتار کر لیا جائے یا قتل[2] کر دیا جائے، قاپوچی یا نشی لوگوں کی جماعت،

[1] اس سے پہلے ایک اور وفد کو جو ۹ اکتوبر ۱۸۸۱ء کو مصر روانہ کیا گیا تھا اور جو مارشل علی نظامی پاشا اور علی فواد بے پر مشتمل تھا ناکامی ہو چکی تھی۔

[2] مراسلہ ام ایس بلنٹ موسومۂ دی ٹائمز،

جس کے ذمے ان لوگوں کے سر قلم کرنے کا کام تھا، جو سلطان سے بغاوت کریں، اب بھی ویسی ہی چابکدست تھی جیسی کہ زمانۂ گزشتہ میں، فرق صرف یہ تھا کہ اُن کو سرکاری طور پر تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ درویش پاشا نے مصر میں ویسی ہی چالاکی اور ہوشیاری سے کام نہیں لیا جیسا کہ اس نے البانی لیگ کے سرداروں کے خلاف کیا تھا۔ اس نے استنبول کو اس وقت جبکہ اسکندریہ میں شدید بغاوت برپا تھی (۱۲ر جون)، یہ تار دیا کہ اس کی کامیابی یقینی ہے۔ اسکندریہ کے باشندوں نے یوروپین اور عیسائی المذہب لوگوں پر حملہ کر دیا اور تعجب کی بات یہ ہے کہ یوروپین فوجوں نے اپنے قومی بھائیوں کے بچانے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی۔ عین اس وقت جبکہ بغاوت زوروں پر تھی عربی پاشا پر یہ الزام لگایا گیا کہ بغاوت کا بانی وہی ہے۔ مقصد یہ تھا کہ یوروپین قونصل امن قائم کرنے کے لئے اس سے التجا کرنے پر مجبور ہو جائے۔ رینڈولف چرچل (Randolf Churchil) کے بیان کو، جس نے انگریزی دارالعوام میں صاف الفاظ میں خدیو پر یہ الزام لگایا تھا کہ اس نے درویش پاشا کے ایما سے یہ قتل عام کرایا تھا، سن لینے کے بعد یہ سرکاری بیان بہت کچھ مشتبہ ہو جاتا ہے۔

باب عالی کے اختلاف کو نظر انداز کر کے معاہدۂ برلن پر دستخط کرنے والی طاقتیں کانفرنس کے قیام کو منظور کر چکی تھیں۔ اسی کانفرنس کا پہلا اجلاس ۲۲ر جون کو منعقد ہوا مگر اس کی قسمت میں ابتدا ہی سے ناکامی لکھی ہوئی تھی جس کی بڑی وجہ ترکی کی عدم شرکت اور وہ تازہ ترین مخالفت تھی جس نے انگلستان اور فرانس کو دوسری طاقتوں سے علٰحدہ کر دیا تھا، بحث و تمحیص آہستہ آہستہ جاری تھی کہ سینٹ جیمس کی کابینہ نے اس کو جلد ختم کر دینے کا مطالبہ کیا۔ ۶ر جولائی کو بیوکیمپ سیمور، انگریزی بیڑے کا کمانڈر اسکندریہ کے محاذ میں لنگر انداز ہوا اور مصریوں کو قلعہ بندی کا کام، جو انھوں نے شروع کر دیا تھا، فوراً بند کر دینے کا حکم دیا۔ ان کے انکار کر دینے پر اس نے ۱۱ر سے ۱۳ر جولائی تک شہر پر برابر گولہ باری کی۔ عربی پاشا نے اسکندریہ کا،

جس میں ہر طرف آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے، تخلیہ کر دیا اور آبادی نے اپنے کو یوروپین قتل و غارت کے حوالے کر دیا۔ ۱۴ر جولائی کو سیمور نے شہر کے کھنڈروں پر، جن سے اب تک دھواں نکل رہا تھا، قبضہ کر لیا تین دن کے بعد خدیو نے، جو رملہ میں اپنے محل میں اس خوف سے چھپا ہوا تھا کہ کہیں وہی سپاہی، جو اس کی حفاظت کے لئے بھیجے گئے تھے، اس کو ہلاک نہ کر دیں، عربی پاشا کو برطرف کر کے اپنے کو باغی مشتہر کر دیا۔ لیکن اسکندریہ کے باہر توفیق کا کچھ اقتدار نہیں تھا اور تمام شہر عربی پاشا کا مطیع و منقاد تھا۔

اسکندریہ کی گولہ باری سے گھبرا کر بالآخر دولت علیہ ۲۰ر جولائی کے فیصلے پر قائم ہوگئی اور از سر نو مصر کو فوج بھیجنے کے پیچیدہ مسئلہ پر بحث کرنی شروع کر دی۔ اس بے حد دشوار معاہدے پر دستخط کرنے میں اس قدر تاخیر واقع ہوئی کہ برطانوی سفیر متعینہ قسطنطنیہ، لارڈ ڈفرن نے ۱۸ر ستمبر کو یہ اعلان کر دیا کہ یہ معاہدہ غیر ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مصر کی جماعت قومی کا اب استیصال ہو چکا تھا۔ عربی پاشا حراست میں تھا خدیو انگریزی سنگینوں کی حفاظت میں قاہرہ میں داخل ہو چکا تھا۔ طل الکبیر کی جنگ (۱۴ر ستمبر) پر، جس میں عربی پاشا کی فوج تباہ ہوئی، اب تک روشنی نہیں ڈالی گئی ہے۔ لیکن عربی پاشا اور دوسرے سرداران بغاوت کے ساتھ انگلستان نے جو سلوک کیا اس سے ان لوگوں کی رائے کو تقویت پہنچتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ گارنٹ وولزلی (Garnet Wolsely) نے اپنی یہ آسان فتح توپوں کے زور پر نہیں بلکہ دولت کے بل پر حاصل کی تھی۔

عربی پاشا کی اطاعت پذیری در اصل تمام مصر کی اطاعت پذیری تھی لہٰذا اب تمام مصر پر قابض ہو جانے کے بعد انگریزوں نے اپنے اس ارادے کو پوشیدہ نہیں رکھا کہ وہ یہاں اقامت کی غرض سے آئے ہیں دوہری حکومت (Dual Govt.) جس کا قیام جماعت قومی کے خلاف انگلستان اور فرانس کی شدید مخالفت کا حیلہ اور سبب تھا، خدیو کے ایک فرمان کے ذریعے سے ۲۰ر جنوری ۱۸۸۳ء کو ٹوٹ گئی اور مصر کا نظم و نسق

انگلستان نے سنبھال لیا۔ فرانس کے اعتراضات اور ترکی کی حقوق طلبی کی بنا پر لندن میں ایک نئی بین قومی کانفرنس منعقد ہوئی اور بغیر کسی تصفیہ کے برخاست ہو گئی۔

یوروپین طاقتوں کی بے بسی کو دیکھ کر ترکوں نے برطانیہ سے راست گفت و شنید شروع کر دی اور ۲۵ اکتوبر ۱۸۸۵ء کو ایک معاہدہ کر لیا اور یہ قرار پایا کہ ہر فریق کی طرف سے ایک غیر معمولی کمشنر کا، مصری امور کی اصلاح کے لئے تجاویز پیش کرنے کی غرض سے، مصر میں تقرر کیا جائے۔ مالی مسئلہ کے متعلق کوئی مشکل پیش نہیں آئی اور دول کی عام نگرانی کو تمام دنیا نے قبول کر لیا۔ یہی حال مصری فوج کی تنظیم جدید کا بھی ہوا جس سے افسروں کے تقررات خارج تھے۔ مارشل غازی پاشا ترکی کمشنر کو اس امر پر اصرار تھا کہ تمام افسر ترک ہوں اور اسپچ ڈرمنڈ وولف، انگریزی کمشنر کا یہ مطالبہ تھا کہ افسروں کی زیادہ تعداد انگریز ہو۔ ابھی دو نہایت نازک مسئلے اور بھی تصفیہ طلب تھے۔ پہلا سوال ابطال مفاوضت، اور یوروپین لوگوں کے تمام مقدمات کی مصری عدالت ہائے مشترکہ میں منتقلی کے لئے عدالتی اصلاح سے متعلق تھا اور دوسرا انگریزی فوجوں کے تخلیے کے لئے ٹھیک تاریخ کے تعین سے۔ ایک طرف تو ابطال مفاوضت کے تسلیم کرنے سے دول نے انکار کر دیا تھا اور دوسری طرف برطانیہ اس امر کے متعلق ہر ممکن کوشش کر رہا تھا کہ اپنی فوجوں کی مصر سے روانگی کی بے درماں ذمہ داری سے بچ جائے۔

سینٹ جیمس کی کابینہ نے صرف اس تصدیق پر ہی اکتفا کیا یہ اطمینان ہوتے ہی کہ انگریزی اور ترکی معاہدے سے مصر کی خوشحالی اور حفاظت کا تیقن ہو گیا ہے تبضہ فوراً اٹھا لیا جانا چاہیے۔ اس وعدے سے انگلستان پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ مصر اور سوڈان کی مستقل لڑائیوں سے سرحد پر جنگی مصروفیتوں کا ہمیشہ انھیں موقع ملتا رہا۔ مصر کو تمام بلاؤں سے محفوظ رکھنے کے لئے انھوں نے جس حاسدانہ پیرائے میں اس کی حفاظت کی تھی، اس نے انھیں اب اس امر پر مجبور کر دیا تھا وہ وادیٔ نیل میں برابر پہرہ دیتے رہیں۔

سر ایچ ڈرمنڈ وولف کے توسط سے قسطنطنیہ کے ساتھ جو تازہ گفت وشنید ہو رہی تھی، اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ سات فقروں کا ایک اور معاہدہ مرتب ہو گیا، جس میں حسب ذیل امور داخل تھے:-

بزمانۂ امن و بزمانۂ جنگ نہر سویز کی غیر جنبہ داری اور تمام دول کو اس پر عبور و مرور کی آزادی (فقرہ ۳)۔ تین سال کے اندر انگریز مصر کا تخلیہ کر دیں لیکن کسی داخلی یا خارجی خطرے کی صورت میں اس خطرے کے دفیعے تک ان کو مصر میں رہنے کا حق حاصل رہے گا (فقرہ ۵)۔ اسی فقرے میں یہ عبارت بھی درج تھی کہ "اگر تخلیے کے بعد بھی فوجیں بھیجنے کی ضرورت ہو تو دونوں حکومتیں اس مسئلے پر مفاہمت کریں گی اور ایک دوسرے کو وجوہ مداخلت سے مطلع کریں گی۔ ایسی صورت میں کہ ترکی فوج نہ بھیج سکے وہ ایک ہائی کمشنر مقرر کرے گی، جو اس وقت تک انگریزی کمانڈر کے ساتھ رہے گا جب تک کہ انگریزی فوجیں مصر سے واپس نہ ہو جائیں" اس معاہدے میں حسب ذیل ضمیمے بھی شامل کئے گئے تھے:- (۱) دو ضابطے جن کا تعلق کروڑگیری (Dairah-Sanié) جرائد، عدالتوں، قرنطینہ نیز مصر کے مالیات اور ریلوں سے تھا (۲) ایک آئین، جس میں ان دول کو جو معاہدے میں شریک تھیں اس کا مجاز قرار دیا گیا تھا کہ اگر نہر سویز میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے تو وہ مصری علاقے کے اندر سے ایک سمندر سے دوسرے سمندر میں اپنی فوجیں لے جا سکتی ہیں اس جواز کے ساتھ ایک دائمی شرط یہ عاید کی گئی تھی کہ جو طاقت اس اجازت سے فائدہ اٹھائے وہ ایک وقت میں ایک ہزار سے زیادہ فوج مصری علاقے میں نہیں لا سکے گی۔ سب کے آخر میں ایک ذیلی دستاویز میں یہ طے کیا گیا تھا کہ اگر التوائے تخلیہ کی مدت کے منقضی ہو جانے پر کسی بحر الابیض کی متصل طاقت کو اس معاہدے سے اتفاق نہ ہو تو اس صورت حال کو ایک ایسا خارجی خطرہ تصور کیا جائے گا، جس کا تذکرہ معاہدے کے فقرۂ ۵ میں کیا گیا ہے"

تمام امور طے ہو چکے تھے مگر سلطان نے روس اور فرانس کے زیر اثر تین مہینے کی مدت تصدیقات کو یوں ہی گزر جانے دیا۔ اور معاہدہ

ایک مکتوب بنا رہا جس کا مکتوب الیہ لاپتہ ہو۔ تین سال کے بعد سلطان نے اس معاہدے پر نظرثانی کی۔ مارچ ۱۸۹۰ء میں ترکی سفیر متعینۂ لندن، رستم پاشا کو یہ حکم ملا کہ وہ لارڈ سالسبری کو معاہدۂ ڈرمنڈ وولف کی مجوزہ شرائط کے متعلق گفت و شنید کا آغاز کرنے کی دعوت دے۔ انگریزی وزیر نے اس دعوت عمل کے جواب میں گفت و شنید کے آغاز جدید کو حسب ذیل تین شرائط کی منظوری پر منحصر کر دیا۔

(۱) دوسری طاقتوں سے بالکل جداگانہ طور پر انگلستان کے اس حق کا تسلیم کیا جانا کہ وہ خارجی یا داخلی خطرے کی صورت میں ترکی کے اتحاد عمل کے بغیر فوجیں بھیج سکتا ہے۔

(۲) مصر میں انگلستان نے تنظیم جدید کے متعلق جو جو کام کئے ہیں، ان کی ضمانتوں کا تشخص۔

(۳) معاہدے کی صحت کا بلا استثنا تمام دول کی مواصلت پر انحصار تاکہ کوئی مختلف الرائے طاقت معاہدۂ پارس کی سند پیش کر کے انگریزی فوجوں کے مصر میں بھیجے جانے کی مخالفت نہ کر سکے۔"

یہ مطالبات ناقابل قبول تھے۔ باب عالی نے اس معاملے میں اصرار نہیں کیا۔ مصر کے متعلق آج شاید یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ برطانوی مقبوضات میں داخل ہے۔"

مسئلۂ بلغاریہ۔ انقلاب فلبہ (۱۸ ستمبر ۱۸۸۵ء)

معاہدہ ۵ اپریل ۱۸۸۶ء۔ پرنس فرڈنانڈ

برلن کانگریس میں انگلستان اور آسٹریا نے متفقہ طور پر ایک رائے قائم کی تھی،

جس کا کمزور پہلو یہ تھا کہ یہ دونوں ملک جزیرہ نمائے بلقان میں دوامی طور پر پیچیدگیاں اور بے اطمینانیاں پھیلا دینا چاہتے تھے۔ معاہدۂ سان اسٹیفانو کی رو سے بلغاریہ کے جو دو حصے ہو گئے تھے، ان کی قسمت میں اپنی بے ضابطگی کی وجہ سے پہلے ہی سے سریع الزوالی لکھی ہوئی تھی۔ صوفیہ اور فلبہ دونوں مقاموں پر دول یورپ کی سیاست کو صدمہ پہنچانے کا خطرہ پیدا کر کے، جو مسئلۂ مشرق کے ہر نئے تغیر پر ظہور خوف سے لرزنے لگتی تھی، ہر ممکن طریقے سے اس اتحاد کو مجبوراً محسوس کرنا پڑتا تھا۔ معاہدۂ برلن کے سات سال بعد بلغاریہ کے قومی جذبات برانگیختہ ہو گئے اور اس نے ترکی افسروں کو مشرقی رومائلی اور بلغاریہ اعظم سے نکال کر اپنی ایک علیحدہ حکومت قائم کر لی۔ پہلی نظر میں سب سے زیادہ تعجب خیز جو امر معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ روسی حکومت نے، جس کے متعلق عام طور پر یہ خیال ہوتا تھا کہ اس کو ایک ایسی تحریک سے پوری ہمدردی ہوگی، جس نے معاہدۂ برلن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے، بلغاریہ کے دونوں حصوں کے اتحاد پر سخت مخالفت کا اظہار کیا۔ درانحالیکہ انگلستان کھلم کھلا اس کا حامی تھا۔ تاہم یہ ضرور کہنا پڑتا ہے کہ اس سے زیادہ منطقی واقعہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

روس اور ترکی کی لڑائی کے بعد مسکو کا بلاشرکت غیرے اس خود مختار صوبہ پر وہی اثر تھا، جو خود ریاست پر تھا۔ بلغاری اور مشرقی رومائلی کی فوجیں روسی افسروں کی ماتحت تھیں اور ملک کا پورا نظم و نسق یا تو روسیوں کے ہاتھوں میں تھا یا ان کے آوردہ لوگوں کے لیکن بلغاریہ روسی افسروں کا ترکی پاشاؤں کے ساتھ تبادلہ نہیں کرنا چاہتا تھا اور انکی آزادی کا یہ فطری نتیجہ تھا کہ بلغاریہ والے اپنے پر خود ہی حکومت کرنا چاہتے تھے۔ روس ضرورت سے زیادہ بلغاریہ کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا تھا جیسا کہ مفتوحہ ممالک کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور یہ کچھ تو ان عہدہ داروں کی غلط اطلاعوں کا نتیجہ تھا جنھیں روسیوں نے صوفیہ اور فلبہ میں متعین کیا تھا اور کچھ واقعات کی غلط تعبیرات کی وجہ تھی کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زار کی حکومت بلغاریہ کی اس ترقی مختتم کے دوران میں اس کی خصوصیات کو سمجھ ہی نہیں سکی۔

ادھر تو ایک یورپین بین الاقوامی کمیشن مشرقی رومانیا کی تنظیم میں مصروف تھا اور ادھر روس تمہاری ریاست کے نظم ونسق کا علمبردار بنا ہوا تھا۔ بلغاری حکومت کے سامنے طرنافو (Tirnovo) کے مقام پر سرمی دستور کو اختیار کرنے کی تجویز پیش کر کے، جس کو اس وجہ سے مسترد کر دیا گیا تھا کہ وہ جماعت احرار کے اصول کے خلاف تھی، روسی کمشنر، پرنس دودوکاؤ کورساکوف[1] نے ذرا بھی پس وپیش کئے بغیر سوبرانجی (Sobranji) کے منظور کردہ دستور کو تسلیم کر لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بلغاریہ کا کانسٹیٹیوشن کچھ ایسا ہو گیا کہ جس پر اکثر فرانسیسی ریڈیکلس بھی ناک بھوں نہ چڑھاتے۔ اگر ان تمام باتوں پر اعتبار کر لیا جائے جو اس سلسلے میں کہی گئی ہیں تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ روس کی آغاز کردہ اس تحریک کا مقصد یہ تھا کہ بلغاریہ کی حکومت کو مسکوائی اثرات کا ہمیشہ دست نگر رکھا جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ شاہ بٹین برگ، جو ایک حد تک بلغاریہ کی مجلس حکومت سے عاجز آ گیا تھا اور جس کے ملک میں احرار اور ریڈیکلس کی کثرت تھی، روس کی امداد کے بغیر بلغاریہ والوں سے نہیں لڑ سکتا تھا۔

پرنس کی منتخبہ پہلی کابینہ، جس کے وزرا کا سوبرانجی کے قلیل التعداد قدامت پسندوں میں سے انتخاب کیا گیا تھا اپنے اقتدار کو اس واقعے کے باوجود قائم نہیں رکھ سکی کہ ام۔ ام استوئی لاف (Stoiloff) گریکوف (Grecoff) اور مشیویش (Matchevitch) جیسے ذی عزت اور قابل افراد لوگ اس میں شریک تھے اور یہ کہ بیت التاثین تین مہینے کے عرصے میں دو مرتبہ برخواست کیا گیا تھا۔ منتخبین برابر احرار اور ریڈیکلس کو سوبرانجی میں بھیجتے رہے اور پرنس الگزانڈر نے ۱۸۷۹ء کے کانسٹی ٹیوشن کو منسوخ کر دینے کے نئے زار کی اجازت حاصل کرنے کی بے نتیجہ کوشش کے بعد چاروناچار موجودہ صورت حال سے سازگاری پیدا کر لی اور ۱۸۸۱ء میں

---

[1] Prince Dondoukow-Korsakoff

پارلیمنٹ میں اکثریت رکھنے والی جماعت میں سے، جو اس لحاظ سے حکومت
کی تنہا مالک تھی کہ ایک سو بانوے (۱۹۲) نشستوں کے منجملہ ایک سو اسی (۱۸۰) قومی احرار
کے قبضہ میں تھیں، اپنے وزراء کا انتخاب کیا۔ کاروِیلوف (Karaveloff)
اور زنکوف (Zankoff) نے ایک احراری کابینہ قائم کی مگر اس کابینہ نے
بہت جلد اپنے اتحاد پسند (Unionist) رجحانات کا اظہار کیا۔ ۲۷ اپریل ۱۸۸۱ء
کو پرنس نے روسی دربار کی منظوری حاصل کر کے ایک فوری اور جبری پالیسی (Coup d' etat)
کا اظہار کیا۔ بلغاریہ کا یہ تکلیف دہ کانسٹی ٹیوشن منسوخ اور سوبرانجی کو برخواست
کر دیا گیا۔ جماعت احرار کے سرداروں کو گرفتار کر کے جلاوطن کر دیا گیا اور
روسی جنرل، اہرن راتھ (Ehrenroth)، وزیر حرب، کونسل کا صدر بن گیا۔
(وزارت حرب پر ہمیشہ روسی افسر کا تقرر کیا جاتا تھا) یہ نئی حکومت
دو سال سے کچھ زیادہ عرصے تک قائم رہی۔ اس زمانے کے ختم ہو جانے
کے بعد پرنس نے یہ محسوس کیا کہ وہ نئی وزارت اس لئے قائم نہیں کر سکتا کہ
قدامت پسند جماعت کے سرداروں کے اخراج میں روسی جنرلوں
کو کامیابی حاصل ہو چکی ہے۔

ایک عام بغاوت کے آثار دیکھ کر پرنس الگزانڈر نے اپنا تخت و تاج
بچانے کے لئے اپنی پوری قوم کو ساتھ لے کر کوچ کیا۔ طرنافو کی حکومت
ازسرنو قائم ہو گئی۔ ام زینکوف کے زیر صدارت ایک احراری کابینے کا
قیام عمل میں آیا اور بہ الکشنائے وزارت حربیہ کے معاملات میں کم سے کم
ظاہری طور پر روسی مداخلت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ جماعت احرار حکومت
پر حاوی ہو جانے کے بعد بہت جلد دو مخالف حصوں میں منقسم ہو گئی۔
احرار نے ام زینکوف کو اپنا سردار بنا لیا اور ریڈیکلس نے ام کراویلاف
کو۔ جون ۱۸۸۴ء کے انتخابات میں زینکوف کی جماعت کو سوبرانجی میں
بہت کم نشستیں حاصل ہوئیں اور نتیجہ یہ ہوا کہ جولائی کی ابتدائی تاریخوں
میں کراولوف اور ریڈیکلس کو تمام اقتدار حاصل ہو گیا۔ اور اسی وقت سے
بلغاریہ کا مشرقی رومائلی کے ساتھ اتحاد کا مسئلہ پرنس الگزانڈر کی حکومت کے

نظام العمل میں کھلم کھلا طور پر داخل کرلیا گیا؛

الیکو ووگوری ڈیز پاشا (Aleko Vogorides-Pasha) جس کو باب عالی نے مشرقی رومانیہ کا گورنر جنرل منتخب کیا تھا، ایک دو رویہ پالیسی پر عمل کر رہا تھا ادھر تو وہ روسی اقتدار سے آزادی حاصل کرنا چاہتا تھا اور ادھر اپنے صوبے کو ترکی کی نگرانی سے نکال لینا چاہتا تھا۔ ان اغراض کی تکمیل کے لئے خود مختار صوبہ اور ریاست کی جماعت احرار پر اس کو بھروسہ تھا۔ احراری سرداروں کو جن کے قتل کا پرنس الگزانڈر آف بیٹین برگ کی قدامت پسند حکومت نے صوفیہ میں انعام مقرر کر دیا تھا، فلبہ میں اچھا خاصا امن مل گیا۔ الیکو پاشا نے بلغاری تخت کے متعلق اپنے دعاوی کا اعلان کر دیا۔ بلغاریہ کے ایک باشندے مسمی ہوزیر (Hozier) نے اس کو ایک شجرہ بنا کر دیا تھا جس میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ آخری شاہ بلغاریہ کرال سیسمان (Kral-Sisman) کی اولاد ہے اگرچہ اس کا باپ ایک معمولی سوروچہ انے والا تھا۔ اسی اثنا میں الیکو پاشا اور روسی قونصل جنرل ام ڈی کریبل میں شدید مخالفت ہوگئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ موخر الذکر کو واپس طلب کرلیا گیا۔ ۱۸۸۴ء میں گورنر جنرل کے اختیارات کی تجدید کے وقت قدامت پسند جماعت نے، جو روس کی طرف دار تھی، اتحاد کی موافقت میں ایک دلچسپ اضطراب پھیلا دیا اور یورپین دارالحکومتوں کو اپنے نمایندے اس غرض سے روانہ کئے کہ وہ وہاں کی کابینوں کو ان کی خواہشات سے مطلع کریں۔ روس نے الیکو پاشا کی علحدگی کا حکم دے دیا اور اس کی جگہ گفریل کرستوفیش (Gavril-Krestovitch) ،حکومت رومانیہ کے سکریٹری جنرل کا تقرر عمل میں آیا (یکم مئی)۔ یہ شخص الیکو پاشا کا رازدار تھا، جس کو اس پر ہر طرح اعتماد تھا، لیکن یہ پانچ سال سے گورنر جنرل الیکو کے تمام رازوں سے روس کو مطلع کر رہا تھا۔ جن خصوصیتوں کی بنا پر اس کو گورنر جنرل مقرر کیا گیا تھا، وہ یہ تھیں کہ یہ سازش پسند اور بالکل نا اہل تھا اور اس لئے روسی قونصل جنرل، ام سوروکین (Sorokine) کے ہاتھوں میں

کٹھ پتلی کا کام دینے کی اس میں بہت زیادہ قابلیت تھی۔ پروونشیل اسمبلی میں احرار کو اکثریت حاصل تھی۔ لیکن ستمبر میں یہ مجلس برخواست ہو گئی اور دولت علیہ نے جدید انتخابات کی منظوری دے دی۔ روپیہ نہایت بے دردی کے ساتھ لٹایا گیا اور جبر و تشدد سے بھی بعض بعض صورتوں میں کام لیا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ نئی مجلس میں قدامت پسندہی قدامت پسند تھے۔ احرار کا کہیں نام و نشان بھی نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر کہ مشرقی رومانیلی میں بھی اطمینان سے نہیں بیٹھ سکتے احراری سرداروں نے ام کراویلاف کے ساتھ بلغاریہ میں پناہ لی۔ ام کراویلاف وہی شخص تھا، جس کی سعیت میں جوان کے انتخابات میں ایڈیکلس کو طاقت حاصل ہوئی تھی۔ بلغاریہ پہنچکر احراری سرداروں نے اتحاد کی تکمیل کے لئے نہایت وسیع پیمانے پر سازش کا ڈول ڈالا اور اس حد تک آمدگی کا اظہار کیا کہ روس کی مخالفت کے باوجود بھی وہ اپنے ارادوں پر قائم رہنے کے لئے پہلے ہی سے تیار ہو گئے ۲۵ جولائی ۱۸۸۵ء کو مشرقی رومانیلی میں دمندر کے مقام پر قومی انقلاب کی تیاری کرنے کے لئے ایک مرکزی کمیٹی قائم کی گئی۔ جس میں میجر نکولیف (Nicolaieff) میجر فیلوف (Filoff) میجر متقوروف (Motkowroff) افواج باقاعدہ کا کپتان پنیزا (Panitza) جندارمہ کا کپتان اسکولوف، اور لفٹننٹ اسٹیلوف اور فلبہ کا میئر وغیرہ شریک تھے۔

ستمبر کی ابتدائی تاریخوں میں کئی مقامات پر بغاوت برپا ہو گئی۔ پولیس اور فوج، جو اس کے فرو کرنے کے لئے بھیجی گئی تھی وہ بھی باغیوں سے مل گئی۔ مرکزی کمیٹی نے تمام باغیوں کو ۱۷ ستمبر کی رات کو فلبہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا، جس سے گورنر جنرل، ارکین پریوی کونسل کمانڈران چیف جنرل ورگالسکی (Drigalski) پاشا بہت کچھ ہراساں ہوئے قنق (Konak) میں ۱۷ کی رات کو ایک جلسہ ہوا، جس میں روسی سفارت کا ایجنٹ بھی شریک کیا گیا تھا۔ ڈائرکٹروں میں سے ایک شخص مکانان نے اس سے سوال کیا کہ روس اتحاد کا موافق اور رومانیلیوں کا حامی ہے۔ روسی ایجنٹ نے

یہ عذر کیا کہ اس کو اس کے متعلق کچھ علم نہیں ہے ساتھ ہی ساتھ اپنی طرف سے حکومت کو یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ اس تحریک کی مخالفت کرے۔ لیکن یہ مشورہ بہت بعد از وقت تھا۔ ۱۸ تاریخ کو صبح صادق کے وقت درگاسکی پاشا کو میجر نکولیف نے گرفتار کر لیا اور گورنر جنرل، جس کو نیم برہنگی کی حالت میں گرفتار کیا گیا تھا، صوفیہ بھیج دیا گیا۔ ایک پراونشیل حکومت، جو حامیان انقلاب میں سے خاص خاص لوگوں پر مشتمل تھی قائم کر دی گئی اور ساتھ ہی اتحاد کا بھی اعلان کر دیا گیا۔

انقلاب کے متعلق ۲۱ تاریخ تک قسطنطنیہ کو کچھ خبر نہیں تھی۔ ایک زبردست ایجنٹ نے مراسلۂ متعلقہ کو اس بہانے سے اپنے ہی پاس رہنے دیا تھا کہ عید بہرام کے جشن کی وجہ سے دفاتر بند تھے۔ اس خبر کے معلوم ہونے پر بہت کچھ جوش و خروش پھیل گیا۔ صدر اعظم، سعید پاشا اور سرعسکر، غازی عثمان پاشا کی یہ رائے تھی کہ فوری طور پر جنگ کی تیاری کی جائے اور سرحد کو طے کر کے خط بلقان پر فوجیں جمع کر دی جائیں لیکن پرنس الگزنڈر کا مقدمۃ الجیش اس وقت تک مشرقی روما نیلی میں داخل بھی ہو چکا تھا اور ترکی اس قدر اچانک طور پر حملے کی صورت میں نہایت محدود فوج فراہم کر سکتی تھی۔ البتہ قسطنطنیہ کے گیریزن سے اس موقعے پر کام لیا جا سکتا تھا لیکن سلطان نے دار السلطنت کو تنہا چھوڑنے کی اجازت نہیں دی۔ سعید پاشا اور غازی عثمان پاشا کے مشورے کو نہ صرف نظر انداز ہی کر دیا گیا بلکہ ان کو خدمات سے سبکدوش بھی کر دیا گیا اور مہر سلطنت کامل پاشا کے حوالے کر دی گئی۔ اس موقعے پر روس نے ایسا طرز عمل اختیار کیا جو قطعی طور پر پرنس الگزانڈر کے مخالف تھا۔ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی منظوری کے بغیر بلغاروی اتحاد عمل میں لایا جائے۔ روس کے سرکاری بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ ستمبر ۱۸۸۴ء میں اسکیرنی ویز (Skeernewiez) کے مقام پر، تینوں بادشاہوں کی ملاقات میں وائنا اور سینٹ پیٹر برگ کے مابین جزیرہ نمائے بلقان کے ہر دو کابینوں کے اتحاد کے متعلق، ایک

مفاہمت ہو چکی تھی۔ وائنا نے اتحاد کو اس شرط سے منظور کر لیا تھا کہ اس نئی حکومت پر روس کی نگرانی رہے اس کے معاوضے میں بوسنہ اور ہرسک کو وائنا نے قطعی طور پر لے لیا تھا۔

۱۸۸۵ء میں فرانزنس باد (Franzensbad) میں ام ڈی گر (Gier) کے قیام کے بعد پرنس الگزانڈر نے اپنی تلوار زار کے وزیر خارجہ کے حوالے کر دی تھی اور اس سے منشا یہ تھا کہ اس کو یہ یقین ہو جائے کہ بلغاریہ یا مشرقی روملی کی طرف سے کسی قسم کی کوئی قبل از وقت تحریک، جس سے روس کو خطرہ ہو، نہیں ہوگی۔ اس ایقان پر امپرر الگزانڈر ثالث نے اپنے حلیفوں کو یہ اطمینان دلا دیا تھا کہ بلغاریہ موجودہ حالت کو قائم رہنے دے گا، جب فلبہ میں انقلاب واقع ہوا تو آسٹریا ہنگری کو یہ یقین ہو گیا کہ روس نے اس کو دھوکا دیا۔ اپنی بریت ثابت کرنے کے لئے زار نے علی الاعلان پرنس الگزانڈر کو اس کا ذمہ دار قرار دیا اور بلغاری فوج میں جو روسی افسر متعین تھے ان کو طلب کر لیا۔ بلکہ پرنس الگزانڈر کا نام اس نے روسی فوج کے اسٹاف کی فہرست سے بھی خارج کر دیا جس میں اس کو میجر جنرل کا مرتبہ حاصل تھا۔ ان تمام ابتدائی مراحل کو طے کر کے روسی تدبر نے بلغاریہ اور مشرقی روملی کے سیاسی مرتبہ کو علیٰ حالہ قائم رکھنے کا بڑے زور و شور کے ساتھ مطالبہ کیا۔ اور یہ تجویز پیش کی کہ قسطنطنیہ میں ایک بین الاقوامی کانفرنس کا اجلاس مسائل زیر بحث پر غور کرنے کے لئے منعقد کیا جائے۔ ۲۱ ر اکتوبر ۱۸۸۵ء کو باب عالی کی طرف سے نمائندے مدعو کئے گئے اور ۵ ر نومبر کو یوروپین ایرو پیگس کا اجلاس ہوا، جس میں دو مخالف طریقے ایک دوسرے کے مقابل تھے۔ ایک (Status quoante) کا تھا، جس کی نمائندگی روس اور جس کی حمایت آسٹریا ہنگری کر رہا تھا۔ دوسرا "شخصی اتحاد" کا تھا، جس کا نمائندہ انگلستان تھا جو ہمیشہ سے روس کا مخالف تھا اور پرنس الگزانڈر کے ساتھ اپنی ہمدردی کو اس لئے علی الاعلان برتتا تھا کہ اس کے بھائی نے وکٹوریہ کی ایک بیٹی، بیٹرس سے شادی کر لی تھی۔ ادھر تو سفرا قسطنطنیہ میں بحث و تمحیص میں مصروف تھے اور ادھر فتوحات بلغاریہ کے موافق فیصلہ کر رہی تھیں۔ انقلاب کے شروع ہوتے ہی

یونانیوں اور سربیوں نے بلغاریہ کے خلاف شور وغل مچانا شروع کر دیا تھا۔ موخر الذکر سربیہ قدیم کے اضلاع کے دعوے دار تھے جو ترکوں کے قبضے میں تھے، اور اول الذکر اپیرس اور تشیبی مقدونیہ کے، لیکن ترکوں سے ان اضلاع کو لینے کے بجائے جن پر ان لوگوں کو دعویٰ تھا انھوں نے یہ ماتم سرائی شروع کر دی کہ بلغاریہ والوں نے چونکہ بلقانی قومیتوں کی مساوات کو توڑ کر اپنا فائدہ کر لیا ہے اس لئے اُن کو اپنی پہلی حالت پر لے آنا چاہئے تاکہ دوبارہ وہی مساوات قائم ہو جائے۔ سربیہ نے آسٹریا کی ہمت افزائی پر جنگ جویانہ طرز عمل اختیار کر لیا۔ شاہ میلان اپنی فوج کے مقابلے میں بلغاروی فوج کی کمی کا دل ہی دل میں حساب لگا کر اور اس بات کا اطمینان کر کے بلغاریہ والوں سے اس موقعے پر لڑنا نہایت آسان کام ہے۔ کچھ ایسی جرات کے ساتھ عمل پیرا ہوا، جو اس کے لئے بالکل نئی بات تھی۔ اس نے بلغاریہ والوں کو حکم دیا کہ وہ اضلاع وادین[1]، برکوویز، ترون، کستاندیل اور صوفیہ، جو تقریباً (۴۴) کمیونس[2] پر مشتمل تھے اور جن میں پانچ لاکھ تیس ہزار کی آبادی تھی، فوراً اس کے حوالے کر دیں۔ اس مطالبے کی بنا اس نے یہ قرار دی تھی کہ ان ملکوں میں صرف سربی لوگ آباد ہیں اور یہ کہ بلغاریہ والوں کا اس جگہ صرف قصہ کہانیوں میں تذکرہ آتا ہے۔ ۱۴ نومبر کو سرحدوں کو عبور کرنے کے بعد، جس میں ابتدا کرنے کا الزام سربی اور بلغاری دونوں ایک دوسرے پر رکھتے تھے۔ سربیہ نے سرکاری طور پر جنگ کا اعلان کر دیا۔ پرنس الگزانڈر کی صورت حال اس وقت بہت نازک تھی۔ سربیہ والوں کے پاس پچاس ہزار آدمی تھے، جن کی معیت میں (۱۶۲) توپیں تھیں اور آنجا لیکہ پرنس کے پاس بیس سے پچیس ہزار تک آدمی صوفیہ کی مدافعت کے لئے تھے۔ اس موقعے پر اگر ترکی کی طرف سے ذرا بھی فوجی مظاہرہ کیا جاتا تو

---

[1] Widdin; Berkovitz; Trun; Kustendil; and Sofia

[2] Communes.

ایک طرف تو رومائلی سے جو کمک اسے پہنچ رہی تھی وہ موقوف ہوجاتی اور دوسری طرف وہ اپنی رجمنٹوں کو بلقان سے باہر نہ لے جا سکتا لیکن خوش قسمتی سے انگلستان نے ترکوں کو بالکل اپنے قبضے میں کرلیا تھا اور پھر سربیہ کی فاتحانہ اولوالعزمیوں سے ترکی کو بہت کچھ پریشانی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے الگزانڈر کو اپنی مودت اور دوستی کا یقین دلادیا اور وہ اطمینان کے ساتھ مشرقی رومائلی کی طرف متوجہ ہوگیا۔ میلان کو سلیفنیزہ (Slionitza) پر شکست ہوئی (۱۷ تا ۱۹ نومبر) اور پیراٹ (Pirot) پر اس کی فوج بالکل تباہ ہوگئی (۲۵ نومبر) اور جب آسٹریا نے فاتحین کو صلح پر مجبور کرنے کی غرض سے مداخلت کی (۲۹ نومبر) تو اسے بہت کچھ اطمینان اور مسرت حاصل ہوئی ۳ مارچ ۱۸۸۶ء کو اس اصول پر صلح ہوگئی کہ قبل از جنگ جو سیاسی حالات تھے علیٰ حالہ قایم رکھے جائیں گے۔ خون کا یہ چھڑکاؤ جس نے شاہ میلان کے ماتھے پر ہمیشہ کے لئے کلنگ کا ٹیکہ لگا دیا، بلغاریہ کے لئے بہرحال کسی طرح نقصان رسان ثابت نہیں ہوا۔ اس خونریزی نے بالآخر یورپ سے اتحاد کو منظور ہی کرا کے چھوڑا۔

برطانوی تدبر کا مشکور ہونا چاہئے کہ اس موقعے پر اس کی حمایت سے یہ فائدہ ہوا کہ ام تزیناف (Tzanoff) بلغاری وزیر خارجہ اور باب عالی کے مابین گفت وشنید کے بعد ایک ایسا انتظام دولت علیہ اور حکومت صوفیہ کے مابین عمل میں لایا گیا (۲ فروری ۱۸۸۶ء)، جس کی رو سے (۱) پرنس الگزانڈر کو مشرقی رومائلی کا گورنر جنرل نامزد کردیا گیا اس شرط کے ساتھ کہ ہر پانچویں سال اس کے اختیارات کی تجدید ہوا کرے گی (۲) خارجی حملے کی صورت میں خواہ وہ ریاست کے خلاف ہو یا صوبے کے، یہ قرار پایا کہ عثمانی فوجیں بلغاری فوجوں کے ساتھ پرنس کی سرکردگی اور سپہ سالاری میں مصروف پیکار ہوں گی (۳) ایسی صورت میں کہ ترکی کسی خارجی طاقت سے مصروف جنگ ہو پرنس کو اس امر کا ذمہ دار قرار دیا گیا کہ وہ ایک کن ٹن جنٹ مہیا کرکے عثمانی سپہ سالاروں کے حوالے کردے گا۔ (۴) قرجالی اور روڈپ (Kirdjali and Rhodope)

کے مسلمان مواضعات، جنھوں نے رومائلی کے اقتدار کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا تھا، ترکی کو واپس کردئے گئے۔

اس معاہدے کے شرائط سے آگاہ ہوکر روس نے فوراً احتجاج کا سلسلہ شروع کردیا اور اس امر کا مطالبہ کیا کہ جن فقروں میں فوج کے متعلق عہد و پیمان ہے، ان کو منسوخ کردیا جائے اور اس فقرے سے جس میں صوبے کی حکومت شاہ بلغاریہ کے تفویض کئے جانے کا تذکرہ ہے پرنس الگزانڈر کا نام خارج کردیا جائے۔

دو مہینے کی مجلس آرائیوں، یادداشتوں اور جوابی مراسلتوں کے بعد، جن میں لفظی بحثوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا، کانفرنس نے ۵؍اپریل ۱۸۸۶ء کے ایک بین الاقوامی قانون کے ذریعے سے اتحاد کی تصدیق کردی:۔

(۱) مشرقی رومائلی کی جنرل گورنمنٹ بموجب فقرہ ۱۷ معاہدۂ برلن شاہِ بلغاریہ کے تفویض کردی گئی۔

(۲) ریاست اور مشرقی رومائلی کے نظم و نسق کا اگرچہ ایک ہی شخص کو ذمہ دار قرار دیا گیا تھا تاہم صوبہ قرجالی اور علاقہ رودوب کے مسلمان مواضعات کے متعلق جواب تک مشرقی رومائلی کے نظم و نسق سے خارج تھے یہ طے پایا تھا کہ اُن کو اس صوبے سے علیحدہ کردیا جائے اور ریاست امپیریل گورنمنٹ کے نظم و نسق میں دے دیا جائے۔ ان مواضعات کو ان حقوق کے بدلے میں باب عالی کے تفویض کیا گیا تھا، جن کا معاہدۂ برلن کی پندرھویں دفعہ کے پہلے فقرے میں تذکرہ کیا گیا تھا۔ (عثمانی فوجوں کا بلقان پر قطعی طور پر قبضہ کرلینے کا حق)۔

(۳) یہ طے پایا کہ ایک مشترکہ کمیشن، جس میں ترک اور بلغاری نمایندے ہوں، نامزدگی کے بعد چار مہینے کے عرصے میں مشرقی رومائلی کے لئے ایک نیا ترکیبی آئین بنانے کے لئے مقرر کیا جائے۔ اور یہ آئین قسطنطنیہ کی کانفرنس کے روبرو بغرض منظوری پیش کیا جائے۔

(۴) معاہدۂ برلن کے منظور کردہ تمام دوسرے انتظامات کے متعلق یہ تصفیہ ہوا کہ وہ بحال اور نفاذ پذیر رہیں گے۔

ان تمام واقعات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پرنس الگزانڈر نے روس کی مخالفت کے باوجود اپنا مقصد پورا کرلیا۔ لیکن بلغاریہ میں روس کے اتنے مفاد پھیلے ہوئے تھے کہ وہ اس ملک کو اپنے زیر اثر لانے کی کوشش سے باز نہیں رہ سکتا تھا۔ ۲۱ اگست ۱۸۸۶ء کو ایک فوجی سازش نے، جس کے سرغنہ میجر گروف (Grouëff) کپتان بندریف (Bendereff) اور کپتان ڈی متریف (Dimitrieff) تھے، پرنس الگزانڈر کی قوت کو تہ و بالا کردیا لیکن اس کی امداد پر پورا ملک اور بلغاریہ کا بیت النائبین تھا، جس کا اجلاس طرنا نو میں استامبولاف کے زیر صدارت خاص اس سازش کے متعلق غور کرنے کی غرض سے منعقد ہوا تھا۔ غرض کہ الگزانڈر اس باغیانہ تحریک کا قلع قمع کرسکتا تھا۔ لیکن انھیں افسروں کی دغابازی اور بیوفائی سے شکستہ خاطر ہوکر، جن پر اس کو پورا اعتماد تھا اور اس امر کو پسند نہ کرکے کہ اس کی وجہ سے خونریزی ہو، اس نے زار کے غصے کا دلیری کے ساتھ مقابلہ کرنے کو ترجیح دی۔ اور ۳۱ اکتوبر کو ایک تار بھیجا جس کے آخری الفاظ یہ تھے:۔ "روس نے میرا تاج میرے سر پر رکھا ہے اور میں روس کے بادشاہ کو یہ تاج واپس کرنے کے لئے بالکل تیار ہوں۔"

زار کی طرف سے اس کا جو جواب دیا گیا وہ فیصلہ کن تھا۔ زار نے لکھا تھا کہ:۔ "مجھے یور ہائنس کا تار ملا۔ میں آپ کی بلغاریہ کی واپسی کو ان خطرناک نتائج کی بنا پر پسند نہیں کرسکتا جن کے آپ کی واپسی کی بنا پر بلغاریہ کو، جو پہلے ہی سے مصائب میں مبتلا ہے، لاحق ہونے کا امکان ہے۔ جنرل دالگوروکی (Dolgorouki) کا وفد اس لحاظ سے بے موقع ہوجاتا ہے۔ میں معاملات کی ان المناک صورت میں دخل انداز ہونے سے احتراز کرتا ہوں، جس میں ایسی حالت میں کہ آپ وہاں مقیم رہیں، بلغاریہ مبتلا ہے۔ یور ہائنس خود اس امر کا تصفیہ کریں کہ اس موقعے پر کیا کرنا چاہئے۔ میں، جیسا کہ میرے محترم والد کی یاد مجھ سے تقاضی ہے، روس کے مفادات اور مشرق کی صلح کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے کے متعلق اپنے

حق کو محفوظ رکھتا ہوں"۔

اس واقعے سے سخت بد دل اور شکستہ خاطر ہو کر کہ اس کے وزیر اعظم، ام کراویلاف نے اس کے ساتھ دغا کی، شاہ بٹین برگ اپنی پارٹی سے علٰحدہ ہو گیا۔ سینٹ پیٹرس برگ کی چانسلری کی طرف سے اس امر کا اطمینان دلائے جانے پر کہ بلغاریہ والوں کو روسی قبضے سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں اور یہ کہ ان کو اپنے داخلی امور میں کامل آزادی حاصل رہے گی، وہ از خود تخت و تاج سے دست بردار ہو گیا (۷ ستمبر) اور ملک کا نظم و نسق ایک ایجنسی کے سپرد کر دیا، جو ام اسٹامبولاف، کرنل متکوروف اور ام کراویلاف پر مشتمل تھی۔ اس کے دو روز بعد سلیف نیزہ اور پیرات کا فاتح بلغاریہ سے روانہ ہو گیا۔

اگرچہ یہ ایجنٹس خود بھی روس کے مخالف تھے لیکن انھوں نے اس سے لڑائی مول لینے سے احتراز کیا۔ لیکن بہ حیثیت غیر معمولی کمشنر روس جنرل بیرن ڈیو کال بارو (du Kaulbaro) کے وفد نے، جس کے سپرد معاہدے کی باز بحالی کا کام تھا، تمام باتوں کو الٹ پلٹ کر دیا۔ جنرل کال بارو اس میں کوئی شک نہیں کہ نہایت قابل افسر تھا لیکن بدقسمتی سے اس میں وہ خوبیاں نہیں تھیں، جو ایک معاملہ داں میں ہونی چاہئیں۔ اس کا طریقہ ایک پرو قونصل (Pro-consul) کا سا طریقہ تھا اور وہ ایسے احکام نافذ کرنے کا عادی تھا جن کو کبھی منسوخ نہیں کرتا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اُن مختلف جماعتوں کی اصلی قوت کے دریافت کرنے کی ذرا بھی کوشش کرے، جو ملک بھر میں ہنگامہ برپا کیے ہوئے تھیں، اس نے ہر چیز کے مرتب، منظم اور مفصل کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جہاں نرمی اور مہربانی سے کام لینے کی ضرورت ہوتی تھی وہاں وہ سختی اور درشتی سے کام لیتا تھا اور جہاں استقلال مناسب ہوتا تھا وہاں وہ خود رائی اور ضد سے کام لیتا تھا۔ وہ بہت سے ایسے معاملات میں خواہ مخواہ مداخلت کیا کرتا تھا جن سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔ اس نے ملک کے اندرونی مسائل میں ہمیشہ

دخل دیا اور کبھی کسی بات میں اس کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ بلغاروی وزرا اور ایجنٹس کے ساتھ وہ اس قدر مغرورانہ برتاؤ کرتا تھا کہ گویا وہ لوگ غلامی کے انسداد سے پہلے کہ موجی کو (Moujiko) تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں نے اپنی تمام کوششیں اس امر کی طرف منعطف کر دیں کہ جنرل کے لئے یہ مقام ناقابل قیام بن جائے۔ گویا ذاتی عناد روسی سفارت اور ایجنسی کے تعلقات کو مرتب کرتا تھا لیکن جنرل کال بارو نے سب سے بڑی غلطی جو کی وہ یہ تھی کہ اس نے بلغاری افسروں کو یہ یقین دلانے کے بجائے کہ اپنی رینکس (ranks) کو حاصل کرنے میں ان کو جو کچھ خطرہ یا خوف تھا وہ بالکل بے بنیاد تھا، اس نے نہایت وحشیانہ طریقے پر اس امر کا اعلان کر دیا کہ بلغاریہ کی وزارت حرب صرف روسی افسروں کے ہاتھوں میں رہے گی اور یہ کہ بلغاری افواج پر مسکوائی افسر کمان کریں گے۔ اس اعلان کا یہ نتیجہ نکلا کہ فوج اور ایجنسی دونوں ہم آہنگ ہو گئے اور ایجنسی کی کامیابی یقینی ہو گئی۔

بلغاریہ والے اب تمام یورپ میں ایسے شخص کی جستجو میں مصروف ہو گئے، جو ان کا بادشاہ بننے کے لئے ہر حیثیت سے مناسب ہو۔ روس کے اس اعلان نے کہ وہ سوبرانجی کے منتخب کئے ہوئے بادشاہ کو تسلیم نہیں کرے گا ان لوگوں میں ذرا بھی بددلی پیدا نہیں کی۔

۱۰ نومبر ۱۸۸۶ء کو سوبرانجی نے ڈنمارک کے شہزادے ولدیمار (Waldeniar) کا انتخاب کیا۔ بلغاریہ والوں کا یہ خیال تھا کہ اس انتخاب کو خود روس بھی پسند کرے گا لیکن کنگ کرسچین نے اپنے بڑے بیٹے کی طرف سے اس مشتبہ پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ولدیمار ایک بادشاہ کا بیٹا۔ ایک بادشاہ کا بھائی اور ایک امپرر کا برادر نسبتی تھا لہٰذا اس نے ایک باجگذار رئیس بننے کی ذلت کو گوارہ نہیں کیا۔ وہ اپنے خطاب "رائل ہائی نس" کو "ہز مجسٹی" کے خطاب سے بدل سکتا تھا مگر "سیرین ہائی نس" کے خطاب سے اس کو اپنے خطاب کا تبادلہ گوارا نہ تھا۔

تلاش بادشاہ کی اس کوشش کی تقریظ کے طور پر جنرل کال بارونے ایجنسی کے نام ایک یادداشت روانہ کی، جس میں یہ لکھا کہ "واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ ایجنسی، روسی حکومت کے امتناع کے باوجود اپنے ارادے پر قائم ہے"۔ لہذا روس اور بلغاریہ کے تمام تعلقات منقطع ہوگئے۔ اس واقعے کے دو روز بعد زار کا سفیر غیر معمولی صوفیہ سے روانہ ہوگیا اور ریاست اور صوبہ کے تمام روسی کارکنان قونصل خانہ نے بھی اس کی تقلید کی۔

پرنس الگزانڈر اور کال بارو وفد کے درمیانی زمانے میں انگلستان اور آسٹریا ہنگری نہایت شدومد کے ساتھ بلغاریہ کی ہمت افزائی کرتے رہے۔ برطانوی پالیسی کا مقصد یہ تھا کہ یورپ میں ایسی پیچیدگیاں پیدا کردی جائیں جو یورپ کی توجہ وسط ایشیا کی طرف مبذول کردیں اور جن کی نوعیت ایسی ہو کہ ان کی بنا پر یا تو روس کسی اتحاد میں شریک ہو جائے یا کسی اخلاقی مزاحمت کے آگے سر تسلیم خم کردے۔ آسٹریا ہنگری کا، جو معاہدہ برلن کے بعد سے روز بروز ایک مشرقی طاقت بن رہی تھی، سوائے اس کے اور کچھ مطالبہ نہ تھا کہ سینٹ جیمس کی ڈپلومیسی میں اس کو بھی شریک کرلیا جائے۔ تاکہ جزیرہ نمائے بلقان میں اس کا استیلا متیقن ہو جائے۔

برلن کی حکومت، جس نے نہایت افسوس کے ساتھ پرنس الگزانڈر کے زوال کو دیکھا تھا اور جو روس کو اس امر کے محسوس کرانے میں ذرا بھی متاسف نہیں تھی کہ وہ اتحاد ثلاثہ کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا، بلغاریہ کی حمایت میں کثرت کے ساتھ مظاہرے کر رہی تھی جو اسی قدر پرشور تھے جتنا کہ ان میں مشیخت سے کام لیا گیا تھا۔

روس کے متحدین ایک طرف تو بلغاریہ میں مسلح مداخلت کے خلاف تھے اور دوسری طرف روس کو اس ناعاقبت اندیشانہ فعل کی طرف دھکیل رہے تھے۔ لیکن روسی مدبرین اپنے متحدین کے پھیلائے ہوئے جال سے کسی نہ کسی طرح بچ گئے اور امر گرکے بیان کے مطابق "بلغاریہ کو اپنے ہی عرق میں پکنے" کے لئے چھوڑ دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر روس

بلغاریہ پر قبضہ کر لیتا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ ترک مشرقی رومانیا پر قابض ہو جاتے۔ بلغاریہ کے خط بلقان پر قبضہ کر لینے کے مسئلے پر معاہدہ سان اسٹیفانو میں، جو برلن کانگریس میں منسوخ ہو گیا تھا، خاص طور پر غور کیا گیا تھا۔ پرنس الگزانڈر نے جس اتحاد کو تکمیل کے درجے تک پہنچایا تھا اس نے پان سلافیضی نظام العمل کے اس حصے کو اچھی طرح محسوس کر لیا تھا۔ لہذا روس صرف ریجنسی کو پریشان کرنے کی مسرت حاصل کرنے کے لئے ان منفعتوں کو ہاتھ سے جانے نہیں دے سکتا تھا جو بڑی دقتوں سے حاصل ہوئے تھے۔

اگرچہ ریجنسی کو اپنے تمام اندرونی دشمنوں پر فتح حاصل ہو چکی تھی تاہم وہ ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ بعض جوشیلے وطن دوستوں نے، جو پرنس الگزانڈر کے شریک وسہیم تھے اور جن میں اسٹیانوف (Stoyanoff) جیسے لوگ شامل تھے یورپ کو پریشان کرنے کے لئے بلغاریہ میں جمہوریت کے قیام کی تحریک کی لیکن اس قسم کی جولانیوں کے لئے بلغاری فضا بہت تنگ تھی۔ بلغاریہ کو ایک بادشاہ کی ضرورت تھی اور بادشاہ کا تلاش کرنا سخت دشوار امر تھا بالخصوص اس تحکمانہ قدغن کے لحاظ سے جس سے روس نے تمام امیدواروں کے مقابلے میں کام لیا تھا۔ ریجنسی کو بہر حال تلاش بسیار کے بعد ایک ایسا شخص مل گیا جس نے بلغاریہ کا تاج جس کو وہ مہینوں سے یورپ کے تمام شاہی خاندانوں کے سامنے پیش کر رہے تھے، قبول کر لیا۔

ڈیوک آف سیکسی کوبور کوہاری (Saxe-cobourg-Kohary) نے، جو اپنی ماں، پرنسس کلیمنٹائن آف آرلینس کی طرف سے شاہ لوئی فلپی (Louis-Phillipe) کا نواسہ ہوتا تھا، اس ماجرائے لطیف کا تجربہ کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ ۷ ر جولائی ۱۸۸۷ء کو طرنافو میں مجلس کے ایک غیر معمولی اجلاس میں اس کو بلغاریہ کا بادشاہ منتخب کر لیا گیا۔ ابتداءً اس انتخاب پر تمام ڈپلومیٹک چانسریز نے بہت کچھ شور و غل مچایا لیکن

ڈیوک آف کوبور کو یہ یقین دلادیا گیا کہ اتحاد ثلاثہ اور انگلستان اس کا مدد و معاون ہے۔ روس کے علاوہ، جو لکیر کا فقیر بنا رہا، واقعہ یہ ہے کہ تمام طاقتوں نے اس نئی بادشاہت کو تسلیم کرلیا اور اس کے ساتھ کم و بیش تعلقات بھی قائم کرلئے۔ خود ترکی نے بھی ڈیوک آف کوبور کے ساتھ بہت کچھ اظہار مودت کیا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے وزیر اعظم، ام استامبولاف، نے بلغاریہ کی خود مختاری کے متعلق اپنے مطالبات کو پوشیدہ نہیں رکھا۔

جنگ ترکی و یونان دول کا یونان کی ناکہ بندی کرنا۔

سربیہ کی طرح یونان کے حوصلے بھی نامساعد حالات کی وجہ سے نکل نہیں سکے تھے۔ یہ درست ہے کہ ۱۸۸۵ء میں بھی یونان نے اسی غلطی کا ارتکاب کیا تھا جو ۱۸۸۰ء میں اس سے سرزد ہوئی تھی بجائے اس کے کہ اہل یونان بلغاریہ کے خلاف ہذیان سرائی اور اہل بلغاریہ کے استیصال کا چلا چلا کر مطالبہ کرتے رہے، اگر یہ لوگ ترکوں کے خلاف متحدہ طور پر عمل پیرا ہونے کے لئے بلغاریہ والوں کے ساتھ کوئی مفاہمت کر لیتے اور اپیرس میں داخل ہوجاتے تو معاہدۂ برلن میں جس سرحد کا تعین کیا گیا اس کے حاصل ہوجانے کا ان کے لئے پورا امکان تھا۔ اپیرس میں ترکوں کے پاس بہت تھوڑی فوج تھی۔ مشکل سے پندرہ ہزار آدمی جنینا (Janina) کی مدافعت کے لئے اور اتنے ہی کھلے میدان میں جنگ کے لئے ان کے پاس ہوں گے مگر ائینا کی کابینہ، جس کے پاس اس سے

کچھ ہی زیادہ باقاعدہ فوج لڑائی کے قابل تھی، ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھی رہی۔ یونان والے یورپ پر تکیہ کرنے کے عادی ہو چکے تھے۔ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ کب اور کس طرح کوئی دلیری کا ایسا کام کیا جا سکتا ہے، جو ہر حیثیت سے دانشمندانہ فعل کہلانے کا مستحق ہو۔ یونانی فوجوں کے ایپیرس پر یکایک حملہ کر دینے سے، چاہے یہ فوجیں کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہوتیں، ترک پریشان ہو جاتے اور چونکہ ان کی تھوڑی سی فوج ملک میں پھیلی ہوئی تھی اس لئے آسانی کے ساتھ ان کو ہزیمت ہو جاتی۔ پہلے ہی حملے میں یونانی جنینا میں جھنڈا گاڑ دیتے۔ ترکی جہاں اب تک فوجوں کی بھرتی شروع نہیں ہوئی تھی اور جس کی تمام تر توجہ بلغاریہ کی طرف منعطف تھی، ایپیرس کو امدادی فوجیں نہیں بھیج سکتی تھی۔ یونانیوں کو صرف ایک مشکل کا سامنا کرنا پڑتا اور یہ پنڈارز (Pindarus) کے کوہستانی باشندوں کی مخالفت ہوتی، جو کوزو ولاش (Coutzo-Wallachs) کی طرح یونانیوں سے سخت نفرت رکھتے تھے۔ پھر بھی ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے جس سے یہ قیاس کیا جائے کہ یہ کوہستانی باشندے ترکوں کی طرف سے یونانیوں کے ساتھ جنگ کرتے۔ زیادہ سے زیادہ وہ یہی کرتے کہ یونانیوں کو اپنے علاقے میں داخل نہیں ہونے دیتے۔ یونانیوں کے پاس سب سے بڑھ کر ایک یہ ذریعہ بھی تھا کہ وہ سمندر کے راستے سے بھی فوجیں بھیج سکتے اور یہ ایک ایسا زبردست حربہ ہوتا کہ ترکوں کو ہتھیار ڈالتے ہی بنتی۔ اس میں شک نہیں کہ ترکی بیڑے میں بڑے بڑے جنگی جہاز موجود تھے لیکن یہ جہاز یونانیوں کے جنگی جہازوں کے سامنے ٹھیر نہیں سکتے تھے۔ یونان کو سمندر میں کافی قوت حاصل تھی۔ وہ نہایت آسانی کے ساتھ قندیہ (Crete) پر قبضہ کر کے بحر الابیض پر ترکی کے سواحلی مقبوضات کو آزاد کر سکتا تھا۔ یونان کی اس بحری مصروفیت سے ترکی کو ہمیشہ شدید خطرہ رہا۔ اور انگلستان نے ترکی کو بلغاریہ کے ساتھ مفاہمت کر لینے اور ۲ فروری کے معاہدے پر دستخط کرنے کے لئے جو آمادہ کر لیا تھا تو وہ بھی اسی عہد و پیمان پر تھا کہ اس راستے میں رکاوٹیں پیدا کر دی جائیں گی۔ لیکن اگر ۱۸۸۵ء کے آغاز پر یونان ترکی پر حملہ کر دیتا تو

انگلستان کی طرف سے اس بنا پر مداخلت نہیں کی جاسکتی تھی کہ یورپ جزیرہ نمائے بلقان میں عام طور پر جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو فرو کرنے کے لئے مداخلت کرتا اور پھر ظاہر ہے کہ اس وقت جو کچھ تصفیہ کیا جاتا وہ عیسائی قوموں کے موافق ہوتا۔

فوری طور پر مصروف عمل ہونے کے بجائے، درانحالیکہ صرف یہی ایک صورت تھی، جس میں کامیابی کا امکان تھا، اثینا کی کابینہ نے اپنی تمامتر توجہ دول کے نام گشتیاں اور یادداشتیں بھیجنے اور فوج کی بھرتی کے لئے پے در پے اعلان شایع کرنے پر مبذول رکھی۔ گشتیوں اور یادداشتوں کا تو یہ حشر ہوا کہ دول نے ان کو تسلیم ہی نہیں کیا لہذا مجبوراً اس سلسلے کو روک دینا پڑا۔ اب رہے اعلانات تو ان کا یہ اثر ہوا کہ فوج کی بھرتی شروع تو ہوگئی مگر اس کی رفتار اس قدر سست تھی کہ خواہ مخواہ نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اس اثنا میں ترکوں نے نہایت عجلت کے ساتھ فوجیں جمع کرلیں اور ان کو بلغاریہ سربیہ اور یونان کی سرحدوں پر متعین کردیا۔ نومبر کے وسط تک ترکی فوج کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تک پہنچ گئی جس کے ساتھ (۲۷۰) توپیں بھی تھیں۔ پھر لطف یہ ہے کہ اس میں سے نصف فوج ایسی تھی، جس کو صرف یونان کے مقابلے کے لئے محفوظ کیا جاسکتا تھا۔ غرض یہ ہے کہ تیسری مرتبہ پھر یونان نے موقع کھو دیا اور چاروناچار اس کو اپنی قسمت پر شاکر ہو کر بیٹھ جانا پڑا۔

انگلستان نے ترکی کے وزیر خارجہ کی موسومہ ایک یادداشت مورخہ ۱۲/اپریل سنہ ۱۸۶۴ء کے مطابق حسب ذیل تین امور بغرض سالمت دول کے سامنے پیش کئے:۔

(۱) یونان کے نام اعلان جنگ نافذ کیا جائے، جس کو آٹھ دن کی مہلت اعلان کے قبول کرنے کے لئے د[illegible]ے گی۔

(۲) اگر یونان اس کے قبول کر[illegible] سے انکار کردے تو اثینا میں دول کے جو نمایندے مقیم ہیں ان کو طلب کرلیا جائے گا۔

(۳) یونان کے ساحلوں اور بندرگاہوں کی ناکہ بندی کی جائے گی۔
فرانس نے اس معاملے میں بیچ بچاؤ کرنے کی کوشش کی اور ۲۴ اپریل کو تحدید اسلحہ کی تجویز پیش کر کے یونان کے اعلان جنگ کی پیش بندی کر دی۔ دو روز تک پس و پیش کرنے کے بعد وزیر اعظم ام موسیو دے لانئی نے فرانس کے مشوروں پر کاربند ہونے کا تہیہ کر لیا۔ لیکن خارجی حکومتوں کے سرداران متعینہ اثینا کو اپنے ارادے سے مطلع کئے ہوئے وزیر اعظم کو ابھی پورے چار گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ ان لوگوں نے اپنی اپنی حکومتوں سے مشورہ کئے بغیر جنگ کا اعلان باقاعدہ طور پر یونانی حکومت تک پہنچا ہی دیا۔ اپنے اس فعل کو جائز قرار دینے کے لئے ان لوگوں کی طرف سے جو حجت پیش کی گئی تھی وہ یہ تھی کہ یونانی حکومت کے دلائل بے قاعدہ ہیں اور سابقہ ہدایتوں کے مطابق نہیں ہیں۔ نتیجے میں ان لوگوں نے یونان پر تحدید اسلحہ کی قید عاید کر دی اور اسی کے ساتھ ان نتائج کا اس کو ذمہ دار بھی قرار دے دیا جو اس کے اس شرط کو قبول کرنے سے انکار کر دینے کی صورت میں ممکن الوقوع تھے۔

۸ مئی کو بہ استثنائے فرانس دول کے نمایندگان مقیم اثینا نے یہ اعلان کر دیا کہ یونان محصور ہے۔ یورپ نے اپنی طاقت کی اس موقع پر عظیم الشان نمایش کی۔ (۲۸) جنگی جہاز (۱۵) تارپیڈو کشتیاں، جن میں (۹۳۴) توپیں تھیں اور (۱۴۰) می ٹرے لیوز[1] اس غرض سے روانہ کی گئیں کہ یونان کے باختہ حواس بجا ہو جائیں۔ ترکی کے لئے یہ انتقام نفاریتو (Navarino) کے بہترین انتقام کی حیثیت رکھتا تھا۔ صرف فرانس ہی ایک ایسی طاقت تھی، جس نے اس کمینہ پالیسی میں شرکت کرنے سے صاف طور پر انکار کر دیا تھا۔ یورپ سے اپنے آپ کو الگ تھلگ نہ رکھنے کے لئے اس نے اس موقع پر ایک گروزرہ جس کا نام

[1] می ٹرے لیوز Mitrailleuse ایک قسم کی مشین گن ہے۔

تھا، یونان کے حدود آبی میں ضرور بھیجا تھا دی وابان (The Vauban)
لیکن اس کو یہ قطعی حکم دے دیا گیا تھا کہ وہ یونانی بیڑے کے مقابلے میں
کسی قسم کی کوئی جنگی مصروفیت عمل میں نہ لائے اور یونانی بیڑا چاہے کچھ بھی
کرے کماوہ صرف تماشا دیکھتا رہے۔ لندن کے سرکاری حلقوں میں ایسا
معلوم ہوتا تھا کہ ہر شخص ترکی کی محبت میں بے تاب ہے۔ گویا قریمی
(Crimea) عہد پھر واپس آگیا تھا۔ اخبار "دی ٹائمز" کا مطالبہ تھا کہ
ترکی کے ذمے یہ فرض عائد کردیا جائے کہ یونان کو یہ سبق اچھی طرح یاد
کرادے کہ وہ بالکل بے بس و بیکس ہے۔ انگریزی اخبارات کے
ساتھ ساتھ ترکی اخبارات بھی نہایت زور و شور کے ساتھ لڑائی کا
صور پھونک رہے تھے۔ جریدۂ "طریق" نے جو باب عالی کا سرکاری اخبار
تھا، ایک طویل مضمون شایع کیا تھا جس میں مارشل فان مولٹکی (Moltki)
کی مشہور معذرت کا مضحکہ اڑاتے ہوئے یہ بیان کیا گیا تھا کہ ایک جرمنی افسر
نے برلن میں ایک رسالہ شایع کیا ہے جس میں یہ بتایا ہے کہ اقوام کے لئے
جنگ نہایت ضروری چیز ہے۔ تنظیم قومی کے لئے میدان جنگ کی
خونریزی وہی اثر رکھتی ہے جو فصد کھول دینے کا بیمار کی صحت پر ہوتا ہے۔
اس مضمون کے آخری الفاظ یہ تھے کہ یونانی حکومت نے یہ محسوس کرلیا ہے کہ
یونان کی فصد لینے کی اس لئے ضرورت ہے کہ وہ ایک خطرناک مرض
میں مبتلا ہے۔ "اگر واقعی یہ بات ہے تو بہتر ہے کہ عمل جراحی ہوجائے اور
یونان ہمیشہ کے لئے خاموش ہوجائے تاکہ دنیا کے آرام میں خلل
نہ پڑے"۔

اگر یونان تمام یورپ کے مقابلے کے لئے اس موقع پر تیار ہوجاتا تو
یہ اس کی جہالت اور حماقت ہوتی ملک کی بندرگاہوں کی ناکہ بندی نے
فوجی نقل و حرکت کو رعشہ براندام کردیا۔ ایپرس اور تھسلی کو بھیجی جانے والی
فوجوں کے لئے، جو پہلے سمندر کے راستے سے صرف (۴۸) گھنٹے میں اپنی
منزل مقصود تک پہنچ سکتی تھیں، وہی راستہ اب تین تین ہفتے کا ہوگیا۔

ترکوں کے پاس یونان پر حملہ کرنے کے لئے اس وقت تک دو لاکھ فوج جمع ہوگئی تھی درآنحالیکہ یونانی فوج اس سے نصف بھی نہیں تھی اور پھر اس میں زیادہ تر یا تو رنگروٹ تھے یا ناتجربہ کار سپاہی۔ یونان کی تجارت کا جو مخرج تھا وہیں سب سے زیادہ کاری ضرب پڑی تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اکثر مقامات پر قحط کے آثار شروع ہوگئے تھے۔ یونان ہر طرح اطاعت پذیری پر مجبور تھا۔ ۲۴ مئی کو ام ٹری کوپس (Tricoupis) جانشین موسیو دے لائنی (مستعفی ہوگیا تھا) کی حسب تجویز ایک شاہی فرمان میں افواج محفوظ کو منتشر کردینے اور سرحدوں پر معمولی فوج چھوڑ کر بقیہ فوج کے ملک میں واپس آجانے کا حکم نافذ ہوگیا۔ لیکن چونکہ ۲۰ اور ۲۴ مئی کو ترکی اور یونان کے مقدمۃ الجیش میں لڑائی ہوچکی تھی اس لئے دول نے محاصرہ اٹھانے سے قبل اس امر کا انتظار مناسب سمجھا کہ یونان کی فوجیں پوری طرح منتشر ہو لیں۔ چنانچہ ۷ جون کو مشترکہ اسکواڈرنیں خلیج سودی (Suda) سے واپس ہوئیں اور یونان کو یورپ کی بھیجی ہوئی لعنت سے نجات ملی۔

مسئلہ ارمینیا ہیکانی کمیٹیاں۔

بوسنہ، ہرزیگوینا اور بلغاریہ کی بدنصیبیوں کا جو دکھڑا رویا جاچکا ہے وہ ایشائی ترکی کے ارمنی باشندوں پر بھی صادق آتا ہے بلکہ ان کی حالت اس سے بھی زیادہ نازک تھی۔ یہ لوگ چاروں طرف سے ایسے لوگوں میں گھرے ہوئے تھے جو اب تک نیم وحشی اور غیر مہذب تھے مثلاً کرد، لازی (Lazes)، چرکس وغیرہ، جو ہر جگہ لوٹ مار اور قتل و غارت کا

بازار گرم کئے ہوئے تھے۔ لہذا ان لوگوں پر ہر وقت خوف و ہراس کی حالت طاری رہتی تھی اور ان کی روزانہ تاریخ ایک طویل شہادت کی داستان خونیں کے سوا اور کچھ نہیں تھی۔ جب کسی کرد کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ بلا تکلف کسی ارمنی سے اس چیز کو حاصل کر لیتا تھا۔ فصل کے وقت کردی سردار بلائے مبرم کی طرح نازل ہو جاتا تھا اور اپنے خود مختارانہ حقوق کے عنوان سے ان لوگوں کی بہترین پیداوار پر قبضہ کر لیتا تھا۔ رعایا جو محاصل گورنمنٹ کو ادا کرتی تھی وہی اس سردار کو بھی ادا کرنے پڑتے تھے اور اگر کسی نے اس کردی سردار کو محاصل ادا کرنے سے انکار کر دیا تو پھر اس کا کہیں ٹھکانا نہیں تھا۔ اگر کردوں کے حرم کسی اتفاق سے خالی ہو جاتے تھے تو ارمنی دوشیزہ لڑکیوں پر کردوں کا ایک حملہ اُن اجڑے ہوئے حرموں کو از سر نو آباد کر دیتا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ ارمنی لوگوں کی جان، مال اور عزت ہر معمولی سے معمولی کرد کے رحم و کرم پر منحصر تھی۔ ترکی حکومت نے صرف یہی نہیں کیا کہ ان لوگوں کو کردوں کے ظلم و ستم سے نجات دلانے کے لئے کوئی کوشش نہیں کی بلکہ ان لوگوں کو اور بھی زیادہ ستانے کے لئے انھوں نے انھیں ظالموں اور مکاروں میں سے والی، متصرف، قیماق (Kaimakas) مقرر کرنے شروع کر دئے یا پھر یہ بات ہوگی کہ مذہبی تعصب نے اُن کی آنکھوں پر پردے ڈال دئے تھے اور وہ ارمنیوں کی پریشانیوں سے بالکل بے خبر تھے۔ جو کچھ بھی ہو عیسائیوں کے لئے سب برابر تھا۔ جب ارمنی بطریق نے باب عالی کو ان مظالم کی اطلاع دی جو اس کے پیرووں پر توڑے جا رہے تھے تو مرکزی حکومت نے مقامی عہدہ داروں کے بیانات کو کافی سمجھا اور ملزموں کی شہادت کو ناقابل تردید صداقت تصور کر لیا۔

صدیوں کی غلامی سے یہ ارمنی باشندے اس قدر پست ہمت ہو گئے تھے کہ اپنے بچاؤ کے لئے زیادہ سے زیادہ یہ صورت اختیار کر سکتے تھے کہ یا تو کچھ شکایتیں کر لیتے تھے یا پھر خدا بھلا کرے آزار دینے والوں کا، کہکر اپنے اوپر ترس کھا کر رہ جاتے تھے۔ وہ کردوں سے لڑنے کے امکان کا خیال کرنے کی جرأت بھی اس لئے نہیں کر سکتے تھے کہ ان کو یہ خوف تھا کہ ایسا کرنے سے ان کو باغی

تصور کیا جائے گا گو جائز طور پر حفاظت خود اختیاری ہی میں انھوں نے جبر کا بدلہ جبر سے کیوں نہ دیا ہو۔ یہ باور کرنا مشکل ہے کہ وہی ارمنی باشندے جو روس میں زار کی فوجوں کے بہترین سپاہی، ممتاز افسر اور نامور جنرل تھے، ترکی میں اس قدر پست حالت میں ہوں۔ اس انقلاب عظیم کا جو سبب تھا وہ کچھ زیادہ غور طلب نہیں ہے۔ روس کے ارمنی باشندوں کا بیشتر حصہ ان ارمنی لوگوں کی نسل سے تھا، جنھوں نے غلامی پر جلا وطنی کو ترجیح دی تھی۔ فوج میں ان لوگوں کو بھرتی کیا جاتا تھا، جو عثمانی اور فارسی مقبوضات کو چھوڑ چھوڑ کر فرار ہوتے تھے لہٰذا ان میں ان کی قوم کے تمام زندہ جذبات جوں کے توں موجود تھے۔ ذہانت، جوشش اور جنگی جذبات غرض کہ تمام خوبیاں انھیں لوگوں کی ذات میں جمع ہو گئی تھیں۔ ترکی میں جو لوگ رہ گئے تھے وہ ادنیٰ طبقے سے تعلق رکھتے تھے اُن میں یا تو اتنی استطاعت نہیں تھی کہ وہ وطن ترک کرنے کے اخراجات کے متحمل ہو سکیں یا اُن کو اپنے مادی مفاد سے اس قدر دلبستگی تھی کہ وہ بیٹھے بٹھائے ان کے کھو دینے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے یا پھر ان میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ وہ سفر کے خطروں اور خستگیوں کو برداشت کر سکیں۔ اور ان میں اتنی اہلیت بھی باقی نہیں رہی تھی کہ وہ کسی صورت میں بھی ہتھیار اُٹھا سکیں۔ انھوں نے اپنی تمام قابلیتوں کو تجارت اور حصول دولت میں صرف کر دیا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ ترکی کے ارمنی باشندے پورے غلام بن گئے تھے[2]۔

برلن کانگریس نے اپنے اجلاس کے موقع پر یورپ میں ان لوگوں کے متعلق دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ وان (Van) کے اسقف، مگر خرمیان (Mgr Khirimian)، جو کسی زمانے میں قسطنطنیہ کا بطریق بھی رہ چکا تھا اور

---

[1] معاہدۂ ادرنہ کے بعد پچاس ہزار ارمنی خاندان ارض روم کے اسقف کی سرکردگی میں روس کے علاقے میں آبسے تھے۔

[2] مصنف نے اس جگہ helot کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے زمانۂ قدیم کے اہل اسپارٹا کے غلاموں کا ایک خاص فرقہ مراد ہے۔ اگر اس لفظ کا ترجمہ اس موقع پر بلوث کیا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ تعجب یہ ہے کہ تجارت اور حصول دولت کے ہتھکنڈوں میں اس قدر ماہر ہونے کے باوجود ان لوگوں کو غلام کیوں کہا جاتا ہے اور ان کی حالت اس قدر تباہ کیوں بتائی جاتی ہے؟

جو اس واقعے کے بعد اشمیازین (Etchmiadzin) کا کیتھولیکوز (Catholicos) بنا دیا گیا تھا، سرکردگی میں ایک وفد نے یورپ کے سامنے ان لوگوں کی شکایتوں کو پیش اور ارمنیہ میں بہترین نظم ونسق کا مطالبہ کیا تھا۔ اس وفد نے صورت حال کا حسب ذیل خلاصہ یورپین عدالت کے سامنے پیش کیا تھا:

"جن یورپین طاقتوں نے روس کے خلاف ترکی کی مدافعت میں قریم کی لڑائی لڑی تھی، انھوں نے یہ محسوس کیا تھا کہ ان کی فتح خطرے کا انسداد نہیں کر سکے گی اور اسی بنا پر انھوں نے مسئلہ مشرق کو قطعی طور پر مستحکم کر دیا تھا۔ انھوں نے صرف عیسائیوں کی حد تک اپنا تعلق قائم رکھا تھا۔ ۱۸۵۶ء کا دستور اساسی اس امر کے متعلق ان کی پالیسی کا، جو ایک امن پسندانہ اور دور اندیشانہ پالیسی تھی، اظہار ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان اصلاحات میں اس خاص چیز کا شائبہ موجود نہیں ہے، جس کو عیسائیوں کو یہ یقین دلا دینا چاہیے کہ ان کے اموال ان کی جانیں اور ان کی عزت محفوظ ہے اور یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ ان کو مساوات کا درجہ حاصل ہے۔"

"اس زمانے کے بعد سے نئی اصلاحات، جو اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر اور مذکورۂ بالا ابتدائی اصلاحات کو روبراہ لانے کی غرض سے تجویز کی گئی تھیں مختلف اوقات میں نافذ ہو چکی ہیں اور سب کے آخر میں ترکی دستور کے اعلان کے ذریعے سے ایک نہایت ہی اعلیٰ اور موثر کوشش روبعمل لائی جا چکی ہے۔"

"ان تمام کوششوں سے کوئی مفید نتیجہ مترتب نہیں ہوا ہے۔ عیسائی اپنی دردناک حالت کا اب تک دکھڑا رو رہے ہیں۔ مسلمانوں کے مقابلے میں ان کی سیاسی اور مدنی مساوات کا تذکرہ شخت سے زیادہ اور کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ہر جگہ مسلمانوں کی حکومت ہے اور ہر جگہ وہی ایک ناقابل تغیر نتیجہ برآمد ہوتا ہے، جو اس امر کا ثبوت ہے کہ مسلمانوں کے مقابلے میں عیسائیوں کی حفاظت کرنے میں تمام قوانین محض بیکار ثابت ہوئے ہیں۔"

"آئین جدید کے نفاذ اور ان ضمانتوں کی وجہ سے جنھوں نے عدالتی کاروبار کو گھیر لیا ہے، مسلمان آخری حد تک پسپا ہو گئے ہیں اور انھوں نے

مجبوراً فریب کاری سے کام لینا شروع کر دیا ہے اگر سزا کا حکم سنانے والا جج عیسائی ہو تب بھی اس حکم کو نافذ کرنے والا ہمیشہ مسلمان ہی ہوتا ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ باب عالی کی طرف سے اب نیک خواہشوں کا اظہار ہو رہا ہے لیکن جس شئے کے عطا کرنے کا وعدہ کیا جا رہا ہے وہ قطعی ناممکن ہے۔ ایک مسلمان حاکم اپنے مذہب سے انحراف کئے بغیر ضمیر کی آزادی اور معدلت گستری سے کام نہیں لے سکتا اور یہی دو چیزیں ایک اعلیٰ حکومت کے اجزائے لازم میں داخل ہیں۔

ترکی میں ضمیر کی آزادی سے عیسائیوں کی وہ آزادی مراد لی جاتی ہے جو اُن کو اسلام قبول کرنے کے متعلق حاصل ہے۔ کسی ایک مسلمان حاکم نے بھی آج تک کسی مسلمان کے عیسائی ہو جانے کو جائز نہیں رکھا ہے خواہ وہ شخص پہلے ہی سے عیسائی کیوں نہ ہو اور بلحاظ موقع تھوڑی دیر کے لئے مسلمان بن گیا ہو۔ ایک بھی ایسی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی جس میں کسی مسلمان کے عیسائی ہو جانے پر ترکی میں سکوت اختیار کیا گیا ہو۔ آزادیٔ ضمیر کا اصول آپس کے تعلقات کو مرتب کرنے کے لئے صرف مختلف العقائد عیسائی کلیساؤں پر ہی منطبق ہوتا ہے۔ عدل وانصاف کا بھی یہی حال ہے۔ اگر عیسائیوں میں کوئی نزاع واقع ہو تو ایسے موقعوں پر مذہبی اثرات کام نہیں کرتے بشرطیکہ خود قانون مذہبی اصول پر مبنی نہ ہو لیکن اگر کوئی مسلمان کسی عیسائی کو نقصان پہنچا دے تو عدالت میں، جو ایسی صورتوں میں صرف مسلمان گواہوں کی شہادت قابل قبول تصور کرتی ہے، ہمیشہ اس کے ساتھ رعایت کی جاتی ہے۔"

ان دونوں قسموں کے واقعات کا، جن میں تفریق کا جذبہ، جو ہر مسلمان حاکم پر یکساں طاری ہے، صاف طور پر اس امر کو نمایاں کرتا ہے کہ حکومت لازمی طور پر مذہبی ہے، یہاں اس لئے تذکرہ کیا گیا ہے کہ اس طریق عمل کے اثرات کا عام طور پر اظہار ہو جائے۔ جو ہر مسلمان عہدہ دار کو لازمی طور پر اس لئے اختیار کرنا پڑتا ہے جو رتبہ اس کو حاصل ہے اور جس کا پتا اپنے ماتحتوں کے ساتھ اس کے روزمرہ کے تعلقات سے چلتا ہے وہ اسی طریق عمل کے اختیار کئے جانے کا متقاضی ہے گو خود یہ عہدہ دار بذاتہ کتنا ہی روشن خیال اور نیک دل کیوں نہ ہو

ان لوگوں پر الزام رکھنا قرین انصاف نہ ہوگا جو ایک ناممکن العمل شئے کے فریق مقابل ہیں۔ یورپ کی زبردست کوششیں اور ترکی مدبرین کے جذبات وطن پرستی اور فراست وکیاست غرض ہر چیز کو اس سلسلے میں ناکامی ہوئی ہے۔ اس امر کا دلیری کے ساتھ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ نئی اصلاحات سے نئی نئی پیچیدگیاں اور دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔ اور ان سے موجودہ صورت حال کا دفعیہ ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ اگر مسلمان مقتدرین کا جذبۂ تفریق ایک عام مسلمہ اور مہلک واقعہ ہے، اگر یہ جذبہ خود اشیا کی فطرت میں داخل ہے، اگر اس میں اصلاح کی بالکل صلاحیت نہیں ہے، اگر یہ خود مذہب اسلام کی فطرت میں داخل ہے اور اگر ہر مسلمان کا سیاسی مشرب یہی مذہب ہے حکومت کی مذہبی حیثیت (theocratic character) کو تسلیم کر لینے کے لحاظ سے، تو پھر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ترکی میں عیسائیوں کے وجود کا سوال، جو، جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے، بجائے خود مسئلۂ مشرق کا پریشان کن پہلو ہے صرف اس صورت سے حل ہو سکتا ہے کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے بہ زمانۂ واحد وجود کے شرائط میں تبدیلی واقع ہو جائے۔ عیسائی مقتدرین ہی تنہا مساوات برت سکتے ہیں عیسائی مقتدرین ہی تنہا عدل وانصاف سے کام لے سکتے ہیں اور عیسائی مقتدرین ہی تنہا ضمیر کی آزادی سے ہر موقع پر کام لے سکتے ہیں مسلمانوں کے بجائے عیسائی مقتدرین کا ہر اس جگہ جہاں عیسائیوں کی آبادی ہے لازمی طور پر تقرر کر دینا چاہیے۔ ترکی کے تقریباً تمام صوبوں اور ایشیا، ارمنیہ اور سلیشیا کی یہی صورت ہے۔ مشکلات کے دفعیے کی یہی ایک صورت ہے جس کا اہل ارمنی اپنی باری پر ترکی سے مطالبہ کرتے ہیں"

اہل ارمنی صرف یہی باور نہیں کرتے ہیں کہ ان کو ترکی کے دوسرے عیسائی باشندوں کے ساتھ برابر کے حقوق حاصل ہیں بلکہ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ مسئلۂ مشرق کے حل کرنے کے لئے ان کی موجودہ صورت حال کا دفعیہ ناگزیر ہے۔

"تا پانچ صدی پہلے اپنی خود مختاری کو کھو دینے کے بعد ارمنی باشندوں کا ایک گروہ ان وحشی جرگوں کے مظالم کی تاب نہ لاکر جنھوں نے ارمنیہ پر

حملہ کیا تھا، اقصائے عالم میں منتشر ہو گئے تھے۔ لیکن ان کی ایک کثیر جماعت اپنے وطن ہی میں رہ گئی تھی اور وہ جانتی تھی کہ وطن میں رہ کر قربان گاہوں کے ساتھ ساتھ اپنی قومی نشانیوں کی پرستش کو کس طرح محفوظ رکھا جا سکتا ہے ارمنیہ کوچک اور ارمنیہ کلاں کے صوبوں میں دو ملین سے زیادہ ارمنی لوگ آباد تھے۔ تاہم آج ان کو وحشی گروہ ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، جو ترک نہیں ہیں بلکہ جو مسلمان ہیں اور جو صدیوں سے نہایت آزادی کے ساتھ لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں۔ اگر یوروپین ٹرکی میں اہل بلغاریہ اور یونان نے مصیبتیں اٹھائی ہیں تو ارمنیوں نے ایشیا میں ان سے دگنی سختیاں اس وجہ سے جھیلی ہیں کہ یہی وحشی گروہ وہاں بھی موجود ہیں۔ اور نہ وہاں کوئی حکومت ہے، عام اس سے کہ وہ کتنی ہی برائے نام کیوں نہ ہو، اور نہ یورپ کی وہاں نگرانی ہے۔ جو چیز روما لی میں صرف ایک وقتی حیثیت رکھتی تھی وہ ارمنیہ میں روزمرہ کی معمولی باتوں میں داخل تھی اور یہ لوگ جن کے لئے انگلستان کے سب سے بڑے شاعر نے لکھا ہے کہ "دنیا کی تمام قوموں میں شاید یہی قوم ایسی ہے جس کی تاریخ میں بہت کم جرائم نظر آتے ہیں"، انیسویں صدی میں روزانہ ان واقعات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ ان کے مکان منہدم ہو رہے ہیں، ان کی عزت خاک میں ملائی جا رہی ہے اور ان کی قربان گاہوں کو ناپاک کیا جا رہا ہے ارمنی بطریق نے جو بیشمار اور طویل اطلاعیں باب عالی تک برابر دس سال تک پہنچائی ہیں، وہ ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں، اور یورپ ان کو سچا سمجھتا ہے۔

تمام مشرقی عیسائیوں میں شاید ارمنی ہی وہ لوگ ہیں، جنھیں جنگ قریم کے بعد سے نہایت موثق مواعید کی بنا پر سب سے زیادہ توقعات ہیں انھوں نے اس قدر کثرت کے ساتھ توقعات قائم کی ہیں کہ یورپ بھر میں۔ اور خود ترکوں میں شاید یہی لوگ ایسے ہیں جنھوں نے کبھی کوئی توقع کی ہے۔ اور اس اثنا میں ان کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ ان کی وجہ سے حکومت کو کسی قسم کی کوئی سراسیمگی یا مشکل پیدا نہ ہونے پائے۔ وہ اس

واقعے کو ببانگ دہل بیان کر سکتے ہیں کہ باب عالی کو ان کے خلاف بغاوت کا ایک واقعہ بھی درج رجسٹر کرنے کی نوبت نہیں آئی ہے۔ اور اصلاحات اور نظم و نسق کی بہتری میں ان کے بہترین افراد نے حکومت کو ہر ممکن طریقے سے مدد دی ہے۔ اور آج بھی وہ اپنے ساغر امید کی شکست میں حکومت کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔ لیکن ان کو مستقبل سے بہت کچھ توقعات ہیں اور وہ اپنے دلوں میں جس قسم کی حکومت کا وہ مطالبہ کر رہے ہیں اس کے ماتحت اپنے دن پھرنے کی امیدوں کی پرورش کر رہے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ایسی ہی حکومت ان کو اور تمام مشرق کو مستقبل کی پیچیدہ ترین پیچیدگیوں سے نجات دلا سکتی ہے۔ روس کو ان کے متعلق تشویش پیدا ہو چکی ہے اور ضرورت ہے کہ دوسری یوروپین طاقتیں بھی اس تشویش میں حصہ لیں۔

اگر ارمنیوں کو ماضی کی طرح اب بھی مسلمان افسروں کے نظم و نسق ہی ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا تو پھر کیا ہو گا؟ ان کی حالت بد سے بدتر ہو جائے گی۔ ظلم و تشدد کے ساتھ تعصب کا بھی دور دورہ ہو جائے گا! جس کو قسطنطنیہ کی کانفرنس کے بعد عیسائیوں کی طرفداری میں واقع ہونے والی جنگ نے مسلمانوں کے تمام فرقوں میں اچھی طرح پھیلا دیا ہے۔ دوسری طرف یوروپین ترکی کے متعصب مسلمان ایشیا کی طرف جوق جوق جا رہے ہیں اور آیندہ بھی جاتے رہیں گے۔ اور اپنے ساتھ ناقابل تشفی نفرت اور عداوت کو بھی ایشیا میں لے آئیں گے۔ عین اسی وقت روس کے جدید مقبوضات کے باہر بود و باش رکھنے والے ارمنی باشندے ظلم و تشدد اور تباہی و بربادی کا شکار ہو جائیں گے۔ اور ان کے ہمسایہ جو کل تک ان کی قسمت کے شریک تھے ایک عیسائی حکومت اور قانون کے دور دورے میں ایک نئی زندگی بسر کرنے لگیں گے۔

ترکی کے ارمنی باشندے اس صورت حال کو برداشت نہیں کریں گے۔ انھیں سیاسی جولانیوں کا ذرا بھی خیال نہیں ہے ان کا صرف اس قدر مطالبہ ہے کہ ترکی ارمنیہ میں ان کو ایک خود مختار عیسائی تنظیم انھیں ضمانتوں کے ساتھ عطا کر دی جائے جو لبنان کو حاصل ہیں۔ اس تنظیم (organisation) کا نظم و نسق

ارمنی عہدہ داروں کے ہاتھوں میں دے دیا جائے جو عیسائیوں اور مسلمانوں میں توازن قائم کردیں گے۔ اس صورت سے ارمنی لوگ پہلے کی طرح ہمیشہ سلطان کی وفادار رعایا بنے رہیں گے۔ یہ رعایت ان تمام مصیبتوں کے جو انھوں نے برداشت کی ہیں اور ان کے نہایت ضروری مفادات کے نیز امن مشرق اور اس دلچسپی کے نام سے مانگتے ہیں، جو مسئلۂ مشرق کے حل کرنے کے لئے ہمیشہ سے یورپ کو رہی ہے"۔

ارمنیوں کے مطالبات کو دو لفظوں میں بیان کیا جاسکتا ہے:۔
حکومت کی مذہبیت کو فنا کرکے اسے محض دنیوی حکومت بنادیا جائے اور مرکزی طاقت مرکزی حکومت سے لے کر مقامی حکومتوں میں تقسیم کردی جائے۔ عیسائی ولیوں کو نامزد کیا جائے اور پانچ سال کے لئے ان کا تقرر عمل میں لایا جائے۔ ایک مشترکہ جنڈارمہ قائم کیا جائے، جس کی تنظیم یوروپین طریقے پر ہو اور جس کی کمان مقامی افسروں کے ہاتھ میں ہو۔ عدالتیں آدھی مسلم ہوں اور آدھی عیسائی۔ مذہبی قانون کے بجائے دنیوی قانون نافذ کیا جائے۔ عیسائیوں اور مسلمانوں میں کامل مساوات قائم کی جائے۔ مالگزاری کا ایک حصہ رفاہ عام اور دونوں مذہبوں کی دینی تعلیم کے لئے وقف کردیا جائے۔ ہیکانی (Haikan) زبان کو ترکی زبان کے ساتھ ساتھ سرکاری زبان تسلیم کرلیا جائے۔ یہ تھا وہ نظام العمل، جس کو ارمنی بطرق ولایت ہائے فان (Van) بطلس (Bitlis) اور ارض روم میں جو ولایت ہائے دیار بکر (Diabeker) ماموریت العزیز (Mamouret-ul-Aziz) اور سلیشیا کے (Septrional) اضلاع تھے"۔

برلن کانگریس نے ان خرابیوں کے رفع کرنے کا خیال کیا تھا اور ۱۳ جولائی ۱۸۷۸ء کے قانون کے فقرہ ۶۱ کے ذریعے سے ارمنیوں کی اشک شوئی کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ یوروپین طاقتوں کی دانشمندی کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی جگہ پر یہ خیال کرلیا کہ اس قسم کے رسمی قانون کچھ اثر بھی کرسکیں گے۔ اگر سنجیدہ طور پر اس امر کی

خواہش کی جاتی تھی کہ" ان صوبوں میں جہاں ارمنی لوگ آباد ہیں اصلاحات اور بہتر حکومت کی ضرورت ہے" تو ایسی صورت میں اس امر کی ضرورت تھی کہ وہی طریق کار اختیار کیا جاتا جو لبنان میں استعمال کیا گیا تھا نیز سلطان کو اپنی مرضی کے مطابق عمل پیرا ہونے کی آزادی نہ دی جاتی۔ معاہدۂ برلن کے فقرہ ۶۱ میں جن اصلاحات اور ترتیبات کا تذکرہ کیا گیا تھا وہ صرف اس حد تک محدود تھیں کہ بہت سے شاہی کمشنروں کو ارمنیہ بھیجا جائے۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے بھیجنے سے ایک بے نتیجہ باقاعدگی کے علاوہ اور کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان شاہی کمشنروں میں عبدالدین پاشا جیسے بہت سے ذی عزت اور صاحب ہمت لوگ بھی تھے لیکن ان لوگوں کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور جب کبھی یہ لوگ کسی کردی بے کے خلاف سخت کارروائی کرنی چاہتے تھے تو ملزم کو معافی دے کر ان کی تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا جاتا تھا۔ عبدالدین پاشا نے اگرچہ بعض کردی بے اور چند کسی سرداروں کو البانیا، سمرنا اور قسطنطنیہ کو جلاوطن کر دیا تھا لیکن مشکل سے تین سال گزرے ہوں گے کہ یہ لوگ پھر واپس آ گئے اور اپنے سواروں کے دستے کو ساتھ لے کر ان تمام لوگوں سے دل کھول کھول کر بدلہ لیا جنھوں نے ان کے خلاف شکایت کی تھی یا ان کے مقابلے میں شہادت دی تھی۔

جس طرح کہ باب عالی نے البانیہ والوں کو معاہدۂ برلن کے عطا کئے ہوئے مقبوضات کو قرہ طاغ کو دیدینے کے خلاف اکسا دیا تھا اسی طرح اب بھی کردوں کو ارمنیوں کے خلاف ابھار دیا گیا تھا۔ استنبول کے ترکی جرائد اور ان یوروپین جرائد نے، جن کو ترکی حکومت تنخواہ دیتی تھی، کردی مطالبات کے متعلق بہت کچھ شور وغل مچایا اور ارمنیوں کی شکایتوں کی نہایت فخر کے ساتھ مخالفت کی۔ انگریزی اور روسی سفیروں کی عالمانہ یادداشتوں کا جواب ان نفیس مواعید سے دیا کہ ارمنیہ میں ہر چیز کو بہتر صورت میں لے آیا جائے گا اور یہ کہ امپیریل گورنمنٹ بلا امتیاز اپنی رعایا کے ساتھ وہی برتاؤ کرتی ہے جو ایک شفیق باپ اپنی اولاد کے ساتھ

کرتا ہے۔ ان مواعید سے مطمئن ہو کر سفرا نے خاموشی اختیار کرلی اور فقرہ ۶۱ جوں کا توں ایک خیالی افسانہ بنا رہا۔ عثمانی افتدار کے خلاف کردوں کی جنگ نے بھی، جو ہمیشہ سرکش رہے، عثمانی وزرا کے طرز عمل میں کوئی انقلاب پیدا نہیں کیا۔ انھوں نے اس سے صرف یہ فائدہ حاصل کیا کہ ارمنیوں کے ساتھ اور بھی ظلم وستم سے کام لینے لگے۔ فوجوں کے استحصالات بالجبر سے جن کے مصارف ان لوگوں کو برداشت کرنے پڑتے تھے، یہ لوگ تباہ ہو گئے۔ فوجوں نے ان کا اچھی طرح سر مونڈا، دل کھول کھول کر لوٹ مار کی اور باوجودیکہ ان کی وفاداری سے کبھی انکار نہیں کیا گیا تھا، تاہم ان کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا جو کسی دیرینہ اور شدید باغی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ ترکی فوجوں کی واپسی کے بعد بھی یہی لوگ ظلم وستم کا شکار بنے۔ کردوں نے اس بنا پر غداری کا الزام ان لوگوں پر لگایا کہ انھوں نے ترکی فوجوں کے لئے رسد اور ذرائع نقل وحمل مہیا کئے تھے اور ان کی رہبری کی تھی اور پھر ان سے اس موہوم غداری کا خوب خوب انتقام لیا۔

ارمنیہ کے واقعات سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ترکی بالکل اسی طرح جس طرح کہ ارمنیوں پر الزام لگایا گیا تھا، ایک قبل از قبل طے شدہ تجویز کے مطابق جس طرح بھی ممکن ہو ارمنی عنصر کو نیست ونابود کردینے کی فکر میں تھی۔ ایک درخواست میں جو فقرہ ۶۱ کے متعلق ارمنیہ کے برطانوی قونصل جنرل میجر ٹراٹر کی موسومہ تھی نہایت دلیری کے ساتھ اس بات کو ظاہر کیا گیا تھا کہ سنہ ۱۸۶۵ء کے بعد سے امپیریل گورنمنٹ کا صرف ایک ہی نصب العین رہا ہے اور وہ عیسائیوں کی بربادی ہے۔

باب عالی کا ارادہ یہ تھا کہ ٹارس اور اینٹی ٹارس (Taurus and Anti-Taurus) میں یا تو کردوں کو بسا دیا جائے یا کسی دوسری مسلمان قوم کو اور اس طرح روسی حملے کے لئے ایک سدراہ پیدا ہو جائے۔ اگر اس قسم کی واقعی کوئی تجویز کی گئی تھی تو یہ اتنی ہی خطرناک بھی ثابت ہوتی، جتنی کہ مشکل تھی۔ ۲۰ لاکھ سے زیادہ انسانوں کے مٹانے کے لئے ایک بہت طویل عرصے تک لوگوں کو

قتل و غارت کرنے کی ضرورت ہوتی اور پھر اگر اس ستم رانی سے کام لیا جاتا تو یورپ یقیناً اس معاملے میں مداخلت کرتا۔ اگر قتل عام کے ان سلسلوں کے بعد سے، جنھوں نے ۱۸۹۴ء سے لے کر ۱۸۹۶ء تک ارمنیہ کے دامن پر خون کے دھبے لگائے، یورپ کے طرز عمل پر غور کیا جائے تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ ارمنیوں کی بقا یا فنا کے مسئلے سے دول کو بہت کم دلچسپی تھی۔ اس زمانے میں دول کی تمام تر توجہ سیاسی افعال و اقوال کی طرف مبذول تھی جن کو اگرچہ جابرانہ تصور کیا جاتا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ ان سے محض ظاہری نمائش مقصود تھی اور ان کشتگان ستم کے دردِ دل کا علاج نہیں ہو سکتا تھا۔

ترکی کے ارمنیوں نے شہیدوں کے سے عزم و استقلال کے ساتھ اپنی نامبارک قسمت کے ساتھ سازگاری پیدا کر لی تھی۔ مگر یہ حالت ان ارمنی باشندوں کی نہیں تھی جو حمیدی ستم رانیوں سے بچ کر یورپ میں آ بسے تھے۔ ۱۸۸۵ء میں ام جین بروسالی (Jean Broussali) نے جو پاریس میں مقیم تھا، سب سے پہلے ارمنی خفیہ کمیٹی قائم کی۔ دوسری تمام ہیکانی انقلابی کمیٹیاں اسی کمیٹی کی شاخیں تھیں۔ سابق بطریق خرمیاں نے، جو سقوطری میں سرب قاش (sourp-katch) کے مقیم پر پولیس کی نگرانی میں تھا، اس واقعے سے مطلع ہونے پر اپنی نظر بندی کے باوجود ان لوگوں کو مالی امداد پہنچائی۔ ابتداءً ترکی یورپ کی خفیہ کمیٹیاں علٰحدہ علٰحدہ طور پر اپنے کاموں میں مصروف تھیں لیکن اکتوبر ۱۸۹۰ء میں ایک انقلابی اتحاد نے ان تمام خفیہ کمیٹیوں کو ایک دوسرے سے متحد کر دیا اور اس وطن پرست تحریک کا انتظام و انصرام ایک زبردست سازش کی نگرانی میں آ گیا۔ ان کمیٹیوں کی تنظیم میں کاربوناری (Carbonari) کی تقلید کی گئی تھی۔ ان کو بیکار کرنے کے لئے مرکزی کمیٹی پر حملہ کرنے کی ضرورت ہوتی، جو تمام کمیٹیوں، سب کمیٹیوں اور ممبروں سے واقف تھی مگر خود اس سے کوئی کمیٹی یا سب کمیٹی یا ممبر واقف نہیں تھا۔ اس اعلیٰ کمیٹی کا مستقر ترکی میں نہیں تھا۔ اس کے احکام باہر سے اور ہمیشہ نہایت خطرناک اور دشوار گزار راستوں سے بھیجے جاتے تھے۔ یہی

وجہ تھی کہ ترکی پولیس کی سراغ رسانیوں میں روز بروز نئی نئی مشکلیں پیش آتی رہتی تھیں اور جب کبھی اس گھٹا ٹوپ اندھیارے میں کوئی دھندلی سی روشنی پولیس کی رہبری کے لئے ظاہر ہوتی تھی تو فوراً ہی ایک تازہ ظلمت، جو پہلے سے زیادہ تاریک تر ہوتی تھی، اس کو ڈھانپ لیتی تھی"۔

ان کمیٹیوں کے ممبر تین مدوں میں منقسم تھے (۱) مشیر (۲) عام کارکن (۳) خفیہ کارکن۔ پہلے قسم کے رکن اس تمام انتظام کے روح رواں تھے۔ خبروں کا پڑھنا، مالی ذرائع کا مہیا کرنا، مناسب طریق عمل معین کرنا اور احکام نافذ کرنا انھیں کے فرائض میں داخل تھا۔ دوسری قسم کے رکن جن کو تعلیمیافتہ نوجوانوں کے طبقے میں سے لیا جاتا تھا پروپاگنڈا کا کام کرتے تھے چندوں کی فراہمی، ہتھیاروں کی خریداری اور رضاکاروں کی بھرتی کے فرائض بھی انھیں سے متعلق ہوتے تھے۔ تیسری قسم کے رکن ان ارمنیوں سے جو ترکوں کے شریک وسہیم تھے، ان کا حصہ وصول کرتے تھے اور دغابازوں کو اپنے کیفرکردار کو پہنچاتے تھے۔ یا تو وہ ہی پریشاں خیال لوگ تھے، جن کو ارمنیہ کی مصیبتوں کی داستانیں سنا سنا کر برانگیختہ کیا گیا تھا یا پھر وہ لوگ تھے جو مصائب کی شدت سے اپنی جانوں سے بیزار تھے، جنھوں نے ہتھیار اٹھائے اور اپنے ملک کی مصیبتوں کا انتقام لینے میں خود اپنی مصیبتوں کا انتقام لے لیا۔ اگرچہ سیاسی قتل وغارت کو پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا جا سکتا مگر یہ واقعہ نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ کمیٹی نے جن جن لوگوں کے قتل کا حکم دیا تھا وہ سب وہی ارمنی باشندے تھے، جن پر یہ الزام تھا کہ انھوں نے اپنا ملک ترکوں کے ہاتھ بیچ ڈالا"۔

ابھی سنجیدہ اور واقعی طور پر اس سلسلے کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا کہ قسطنطنیہ کی ہیکاتی انقلابی کمیٹیوں نے ۱۸۹۰ء میں کوم کاپو (Koum-Kapou) کی بغاوت اور "ریڈ کمیٹی" کے کشت وخون کے ذریعے سے اپنے وجود کی تصدیق کر دی۔ ۲۰ اور ۲۱ جون ۱۸۹۰ء کو ارض روم کے قتل عام کے بعد، جب کہ ترکی عہدہ داروں نے جاسوسوں کی مخبری پر کمیٹیوں سے جن پر نگرانی رکھنے کی

تکلیف گوارا نہیں کی تھی، سنا ساریں ارمینین اسکول (Sanassarian Armenian School) کو بند کردینا چاہا، تو پیٹریارکیٹ (Patriarchate) کی مذہبی کونسل نے بطریق اچی کیاں (Achikian) پر یہ الزام لگایا تھا کہ اس نے باب عالی (Palace) میں مسلمانوں کے خلاف انصاف کے مطالبے میں عرضی گزرانی تھی اور اس میں کشتگان ستم کے خاندانوں کے لئے معاوضے کی استدعا بھی کی تھی۔"

بطریق نے یہ کام ایک حد تک بدرجۂ مجبوری، سلطان کے معتمد اول، سوریا پاشا، کے حسب تجویز انجام دیا تھا، مگر عرضی میں اس نے اسقدر ترمیم و تنسیخ کردی تھی کہ بہ حیثیت مجموعی وہ بالکل مہمل ہوگئی تھی۔ اس طرز عمل نے ارمنی جماعت میں بہت کچھ غیظ و غضب پھیلا دیا اور کمیٹی کے جاسوسوں کو پروپاغندا پھیلانے کا بہت عمدہ موقع مل گیا۔ ان لوگوں کی ترغیب و تحریص نے لوگوں پر بہت اثر کیا اور مونسینیور اچیکیاں کی ایک دوسری کمزوری پر اس گروہ میں بے انتہا بے چینی پھیل گئی۔ وزیر اعظم، کامل پاشا کی ہدایت پر اچیکیاں بعض سنیٹوں کا نام خطبے سے خارج کردینے پر رضامند ہوگیا تھا۔ یہ لوگ شاہ اپکار (Apkar)، جنرل ورتان اور جنرل وہان وغیرہ تھے، جن کا گرجستانی کلیسا احترام کرتے تھے اور جو سیاسی شخصیتیں رکھتے تھے۔ کامل پاشا کا استدلال یہ تھا کہ کلیساؤں کے خطبوں میں ان لوگوں کے نام پڑھے جانے سے بہت ممکن ہے کہ باغیانہ مظاہرے واقع ہو جائیں۔ بطریق کی اس عدیم المثال کمزوری کا نتیجہ ۲۷ جولائی کی بغاوت تھی۔ خون میں ڈوب گیا۔"

۲۷ جولائی کو اتوار کے دن، جو یوم قربانی بہرام تھا، کوم کاپو کے قلعہ میں عین اس وقت جب کہ سلطان کے لئے دعا کی جارہی تھی ایک جوان آدمی پادریوں اور ڈیکنس (deacons) کے روکتے روکتے جاتا ہیں آگھسا اور بطریق کو حکم دیا کہ وہ تمام مجمع کو ساتھ لے کر سیدھا یلدیز جائے اور ارض روم کے قتل عام کے متعلق انصاف ساتھ ہی موسی بے کی سزا کا

مطالبہ کرے، جو ایک کردی سردار تھا اور موش (Mouch) کی سنجک میں ارمنیوں کے کشت و خون کی وجہ سے مشہور ہو گیا تھا۔ لوگوں نے بطریق پر آوازے کسنا شروع کر دئے اور خوب لولو مچائی۔ اور بعض لوگوں نے اس کو پھانسی دیدینے کی دھمکی دی۔ اور کسی نے اس پر ریوالور کا فیر کر دیا۔ بڑی دقتوں کے ساتھ بطریق گرجا کے گودام تک پہنچا اور پھر وہاں سے اس نے پڑوس کے ایک دواساز کے یہاں پناہ لی۔ مجمع "مرتد کو مار ڈالو" کے نعرے لگاتا ہوا اس کے تعاقب میں تھا کہ پولیس آپہنچی اور افسر متعلقہ نے بغاوت کے محرک کو گرفتار کرلینا چاہا مگر اس نے روسی باشندہ ظاہر کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ روسی نژاد ہونے کی وجہ سے اس کو گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ افسر متعلقہ نے ان باتوں کی کچھ پروانہ کرکے اس کے کالر پر ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ کسی دوسرے شخص نے اس کے گولی ماردی۔ یہ لڑائی کے شروع ہونے کی علامت تھی لیکن ابھی کچھ منٹ ہی گزرے تھے کہ ارمنیوں نے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنا شروع کر دیا۔ وزیر پولیس، پیرا کے متصرف اور پولیس کے دوسرے تمام دستوں کے پاس قیدیوں کی بھرمار تھی ہر لحظہ تازہ قیدی گرفتار ہو ہو کر آرہے تھے اور یہ لوگ حیران تھے کہ ان کو کہاں رکھا جائے۔ ارمنی بیٹریارکیٹ اور تمام گرجا نی کلیساؤں میں لوگ کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے جنھوں نے اس امید میں یہاں پناہ لی تھی کہ حکومت کو عیسائی طاقتوں کے سفیروں کے سامنے مقدس عمارت کو ناپاک کرنے کی جرأت نہیں ہوگی اور واقعہ یہ ہے کہ عبدالحمید میں اتنی جرأت نہیں تھی؛

'ریڈ کمیٹی' ایک ارمنی ' ایگاپ بدریکوف (Agop Badrikoff) نے جو روس کی رعایا میں سے تھا، قائم کی تھی۔ اس کا کام یہ تھا کہ ان ارمنی باشندوں کو سزا دے، جو ترکوں کے جاسوس تھے۔ اگست اور ستمبر کے مہینوں میں قتل کی بے شمار وارداتوں کے باعث تمام شہر پر خوف و ہراس طاری ہو گیا تھا۔ گروہ درگروہ لوگ گرفتار ہونے لگے۔ یہاں تک آخر لامر بدریکوف بھی گرفتار ہو گیا۔ روسی سفارت نے اس کے خلاف مقدمے کی تحقیقات کی

اس شرط پر اجازت دیدی کہ عدالت چاہے جو حکم بھی دے اس کو معافی دیدی جائے ۔

اس کے شرکا میں ایک شخص ایسا تھا جس کی وجہ سے اس مقدمے میں سے لوگوں کو بہت کچھ دلچسپی پیدا ہوگئی ۔ یہ شخص بہرام بے دادیان (Vahram Bey Dadian) پیرا کی عدالت فوجداری کا سابق جج تھا ۔ یہ شخص مشیر وزیر خارجہ ارطین پاشا دادیان (Artin Pasha Dadian) کا بھتیجا اور ڈویژنل جنرل، کاؤنٹ ذکنی پاشا، (Szechenye-Pasha) کا داماد تھا ۔ عاشق (Hatchik) نامی وکیل کے قتل کی سراغ رسانی کے لیے جو جاسوس متقرر کیا گیا تھا، اس نے اس پر الزام لگایا تھا ۔ جس خنجر سے عاشق کو قتل کیا گیا تھا وہ اس خنجر سے بہت مشابہ تھا جو اس واقعے کے کچھ روز پہلے بہرام بے کے پاس سے چوری گیا تھا ۔ اس کے مکان سے جو کاغذات برآمد ہوئے انھوں نے اس امر کو قطعی طور پر ثابت کردیا کہ انقلابی کمیٹیوں میں اس کا بڑا رتبہ تھا ۔ لیکن تمام خط وکتابت معینہ اشارات میں کی گئی تھی جس کو ترک کبھی حل نہیں کرسکے ۔

بہرام بے جنوری ۱۹۰۸ء میں رہا کردیا گیا ۔

بدریکوف نے عدالت میں یہ اقرار تو کرلیا کہ ارمنیوں کی خفیہ انجمنوں سے اس کا تعلق ہے مگر اس امر سے اس نے قطعی طور پر انکار کردیا کہ ریڈ کمیٹی کا کوم کا پو کی بغاوت اور اس کے بعد واقع ہونے والی قتل کی وارداتوں سے کوئی تعلق تھا ۔ استغاثہ کا ایک گواہ، عبدالکریم آفندی کے، جو پولیس کا ایجنٹ تھا، عین عدالت کے دروازے پر خنجر سے قتل کردیے جانے پر بدریکوف نے صدر سے طنزاً دریافت کیا کہ کیا پیروکار عدالت یہ قتل بھی اسی کے نام لکھنے والا ہے ۔ اپریل ۱۹۰۸ء میں جشن بہرام کے بعد باوجودیکہ صریح طور پر کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا، بدریکوف کو، جسے سردار ریڈ کمیٹی، محرک جرائم قتل اور نی ہی لسٹ فرقے کے رکن ہونے کی حیثیت سے موت کی سزا دی گئی تھی، معافی دیدی گئی اور روسی سفارت خانے کو بھیج دیا گیا ۔ دوسرے دن وہ

اُڈیسہ سے روس کے ڈاک کے جہاز پر سوار ہوگیا اور جدھر سینگ سمائے چلا گیا۔ اگرچہ بدر یکوف اب موجود نہیں تھا لیکن ریڈ کمیٹی کے کشت وخون کا سلسلہ برابر جاری تھا اور پولیس کسی صورت سے اُن خود رو جھوں کا سراغ نہیں لگا سکتی تھی۔

اس وقت تک ہیکانی انجمنوں کا کاروبار تمام ایشیا میں پھیل چکا تھا۔ سواس (Swas) انقرہ (Angora) قونیہ (Koniah) اور عدنہ (Adana) کی ولایتوں میں بغاوت برپا کرنے کی ایک کوشش، جس کی محرک ہنزاریہ اور مرسنیان کی انجمنیں تھیں، ۸ مئی ۱۸۹۳ء کی تحقیقات انقرہ پر ختم ہوئی، جس میں (۲) پادری (۷) پروفیسر یا طالب علم (۱) وکیل (۱) جریدہ نگار (۱) عورت (۷) تاجر (۴۳) صناع، مزدور، ملازمین وغیرہ، جو کئی ہزار گرفتار شدگان میں سے منتخب کئے گئے تھے۔ حاضر عدالت ہوئے تھے۔ تاحد امکان اس تحقیقات کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرنے کے بعد حکومت نے انجمنوں کی بے باکی کو دیکھ کر تحقیقات کے متعلق ایک سرکاری بیان شایع کرنے کا ارادہ کیا۔ تقریباً دو مہینے تک قسطنطنیہ کے تمام جرائد اس بیان کو شایع کرنے میں، جس کا مواد محکمہ جرائد سے بھیجا جاتا تھا، کالم کے کالم سیاہ کرنے لگے۔ بطریق ہکیاں اپنی بریت کے واسطے اپنی وفاداری کو ثابت کرنے کے لئے اس موقع سے خوب فائدہ اٹھایا۔ مارچ ۱۸۹۴ء کے آغاز پر اس نے صوبہ جات کے تمام گرجستانی مذہبی حلقوں اور دارالسلطنت کے ارمنی کلیساؤں کے تمام پادریوں کے نام ایک گشتی مراسلہ بھیجا تاکہ دعا کے بعد لوگوں کو پڑھ کر سنا دیا جائے۔ جہاں اور سفارشیں بھی کی گئی وہاں اس مراسلے میں یہ بھی تحریر کیا گیا تھا۔ "اپنے کلیسا کے معتقدین میں جو لوگ جاہل اور احمق ہیں ان کو یہ مشورہ دو کہ وہ بدامنی پھیلانے والوں کے دام میں نہ پھنسیں۔ اس حیثیت سے کہ تم اپنی قومی وفاداری کے محافظ ہو تمام مخالفین کے ناموں سے حکومت کو آگاہ کردو۔" عوام کی طرف سے اس اپیل کا جو جواب دیا گیا وہ بطریق کے قتل کی کوشش تھی۔ ایسٹر سنڈے کی نماز کے بعد، جس میں قلعۂ کوم کاپو میں اس نے خطبہ پڑھا تھا، اس پر روالور سے فیر کیا گیا لیکن خوش قسمتی سے نشانہ اس لئے خطا ہوگیا کہ قاتل عجلت میں روالور کا سیفٹی، اتارنا بھول گیا تھا اس واقعے کے کچھ ماہ بعد ساسونی (Sassoun)

واقعات کا اظہار ہوا جس نے ارمنیہ میں کشت و خون کا ایک نئے خونین سلسلہ کا آغاز کر دیا اور جس نے عبد الحمید کے لئے "ریڈ سلطان" کا خطاب حاصل کر لیا۔"

ارمنیوں کا کشت و خون ساسون (Sassoun) یادداشت ۱۱ مئی ۱۸۹۵ء قسطنطنیہ میں کشت و خون (۲۶ تا ۳۰ اگست ۱۸۹۶ء)۔ اصلاحات کا خاتمہ۔

انتظام مملکت کے نقطۂ نظر سے ساسون ولایت بطلس (Bitlis) میں موش کی سنجک کا ایک قصبہ ہے، جس میں ترکی اعداد و شمار کے مطابق (جس کو تسلیم کرنے میں نہایت احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے) (۱۱۰) مواضعات ہیں اور جس کی آبادی (۱۰,۲۱) ہے اس کے منجملہ (۱۰,۳۷۰) کرد ہیں اور (۸,۳۸۹) ارمنی۔ اپنے پہاڑوں کی حفاظت میں، جن پر گھنے جنگل اگے ہوئے تھے ان لوگوں کو ۱۸۶۰ء سے پہلے ویسے ہی اختیارات خود انتظامی حاصل تھے جو خود کوزان (Kozan) اور زیتون (Zeitoun) کے پہاڑی باشندوں کو حاصل تھے۔ سب سے زیادہ تعجب خیز جو بات ہے وہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو تمام قسم کے محاصل سے مستثنیٰ ہونے کا دعویٰ تھا اور ان کے مراعات کی مدافعت میں کرد بھی ارمنیوں کے شریک حال ہو گئے تھے۔ جون ۱۸۹۴ء میں موش کے متصرف نے، جس پر بطلس کے ولی نے دباؤ ڈالا تھا کہ سنجک کی مالگزاری سے وہ رقم وضع کر کے بھیجے، جو ولایت کے ذمے

استنبول کو واجب الادا ہے، کافی روپیہ موجود نہ ہونے کی وجہ سے یہ حکم دیا کہ قصبہ مذکور فوراً ان کئی سالوں کی مالگزاری اور دیگر محصولات ادا کرے جو سرکاری خزانہ کو قابل ایصال ہیں۔ باشندوں نے اپنے حقوق کی دلیل پیش کرکے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا۔ ولی، حسن تحسین پاشا نے فوراً یلدیز کو اس مضمون کا تار روانہ کیا کہ ساسون کے ارمنیوں نے بعض غدار کردی قبائل کے ساتھ مل کر بغاوت کر دی ہے۔ یلدیز سے اس کے جواب میں باغیوں کے خلاف سخت کارروائی کرنے کا حکم آیا ساتھ ہی ساتھ فورتھ آرمی کور کے کمانڈر ان چیف، مارشل ذکی پاشا کو بھی کئی رجمنٹیں ساتھ لے کر ساسون جانے کا حکم دیدیا گیا۔ چنانچہ پیدل فوج کی بارہ بٹالینوں، رسالہ حمیدیہ کی چار رجمنٹوں اور کئی توپوں کے ساتھ ان پہاڑوں پر حملہ کیا گیا اور ۵ اگست سے لے کر ۱۵ ستمبر تک ارمنی مواضعات میں کشت و خون، لوٹ مار اور تباہی و بربادی کا سلسلہ جاری رہا۔

بعض انگریزی جرائد کے، جن میں اسٹینڈرڈ اور ڈیلی نیوز خاص طور پر قابل تذکرہ ہیں، ان واقعات کے متعلق قلم اٹھانے پر اور یورپ میں غصے کی ایک لہر دوڑتی ہوئی دیکھ کر سلطان کو یہ خیال ہوا کہ اظہار حال کا بہترین موقع یہی ہے۔ ۲۲ نومبر کو استنبول کے محکمۂ جرائد نے پیرا کے اخبارات کو ان واقعات کے متعلق مواد بھیجا جس کے ساتھ حسب ذیل آمرانہ یادداشت بھی تھی:

"جرائد پابند ہیں کہ اپنی رپورٹوں کو اس اطلاع پر مبنی کریں تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ تمام غلطیاں ارمنی باغیوں کی حرکتوں کی وجہ سے واقع ہوئیں۔"

جرائد نے اب "قزاقی" کے عنوان سے چھوٹے چھوٹے مضمون شائع کرنا شروع کئے، جن کا ایک نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

"حال میں ساسون کے مقام پر جو بدامنی پھیل گئی تھی وہ ایک شخص ارمیناز کے، جو دار دن کا رہنے والا ہے اور قاف سے ساسون میں آیا تھا،

اغوا کی بنا پر واقع ہوئی تھی۔ یہ شخص قزاقوں کے دو گروہوں کا سردار تھا، جن میں سے ایک گروہ سے، پلک کی بے انتہا کوششوں کے بعد، سرحد پر مقابلہ ہوا اور وہ شکست کھا کر منتشر ہو گیا۔ اس گروہ سے تعلق رکھنے والے دو قزاق گرفتار کر لئے گئے تھے اور دوسرے قزاقوں نے ساسون میں پناہ لی تھی۔ دوسرا گروہ اب تک سرحدی اضلاع میں موجود تھا۔ ارمینانز کے گروہ کا سردار اس وقت سولینا (Soulina) میں موجود ہے۔ یہ تمام واقعہ در اصل لوٹ مار کی حیثیت رکھتا ہے، جس کے بانیوں نے باہر سے آنکے والے ارمنی کارکنانِ بغاوت کے اغوا پر اس کا ارتکاب کیا تھا۔ ساسون کے امن پسند باشندے امن عامہ کو قائم رکھنے کی غرض سے شاہی عہدہ داروں کی اس مستعدی اور جرأت کے مشکور ہیں"۔

یہ باور کر کے کہ جرائد کی ان اشاعتوں سے رائے عامہ پر خاطر خواہ اثر ہو چکا ہے، دولت علیہ نے ہیکانی قزاقوں کی دست برد کے متعلق ایک تحقیقاتی کمیشن کی نامزدگی کا اعلان کر دیا۔ اور پھر نہایت چالاکی سے کام لے کر معاہدۂ برلن پر دستخط کرنے والی طاقتوں کو بھی سلطان نے اس کمیشن میں شریک ہونے کے لئے مدعو کیا۔ اور انگلستان، فرانس اور روس نے اس دعوتِ شرکت کو منظور کر لیا۔

اس تحقیقاتی کمیشن میں حسب ذیل نمایندے شریک تھے:۔

ام اسکیلی انگلستان کی طرف سے ولبرٹ فرانس کی طرف سے اور پرجی والسکی (Prjevalsky) روس کی طرف سے۔ ان لوگوں کو جو ہدایتیں دی گئی تھیں وہ بہت محدود تھیں۔ انھوں نے جو کچھ کیا وہ یہ تھا کہ دوران تحقیقات میں اخلاقی حالت کو درست رکھا۔ ان لوگوں کو اس امر کی اجازت نہیں دی گئی تھی جن مقامی باشندوں سے جرح کی جائے ان سے یہ لوگ راست گفت و شنید کریں ان کو صرف یہ حق حاصل تھا کہ جہاں مناسب سمجھیں کمیشن سے اختلاف کریں۔ کمیشن کی رپورٹ سے، جو ۲۰ جولائی ۱۸۹۵ء کو موش میں شایع ہوئی تھی، حسب ذیل بیانات عبدالحمید کی

حکومت کے لئے اور بھی باعث ننگ ہیں۔"

(جن ارمنیوں سے جرح کی گئی ان کا) انتخاب ہمیشہ مقامی عہدہ داروں کی مرضی پر ہوا کرتا تھا اور اثنائے قیام میں ان پر نگرانی قائم تھی اور وہ پولیس کی مرضی کے پابند تھے۔ نمایندوں نے بارہا کمیشن کی توجہ، جس تک باریابی سخت دشوار تھی، لوگوں تک راست رسائی حاصل کرنے کی اہمیت کی طرف، خصوصاً ایسی صورت میں کہ کمیشن کا قیام احقاق حق و ابطال باطل کی غرض سے عمل میں آیا تھا، معطوف کرائی اور اس امر پر زور دیا کہ کمیشن جن گواہوں کی شہادتیں قلمبند کرے، اُن کے اور اپنے مابین کسی درمیانی یا دوسرے اثر کو کارفرما ہونے کا موقع نہ دے۔ لیکن نمایندوں کو مجبوراً یہ ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ اس سلسلے میں ان کی تمام کوششیں بے سود رہیں اور یہ ظاہر ہے کہ وہ اپنی اس کوشش میں حق بجانب تھے۔ ابتدا ہی سے کمیشن نے تحقیقات کے دو عنوان قرار دے لئے تھے۔ (۱) مشتبہ ملزمین (۲) شاہد یا مخبر جن لوگوں کی شہادتیں قلمبند کی جانے والی تھیں ان کے مابین یہ ایک قسم کا امتیاز تھا، جس کے خلاف احتجاج کرنے میں نمایندے پیچھے نہیں رہے ہیں اور جس کا جرح کے طریقے پر بھی اثر محسوس ہوتا ہے۔ ان حالات کے لحاظ سے اس امر کے باور کرنے میں کوئی دشواری نہیں رہتی کہ اس تحقیقات کا باوجودیکہ اس کا سلسلہ عرصے سے جاری ہے اور کثیر التعداد گواہوں کی شہادتیں قلمبند کی گئی ہیں۔ مقابلتہً نہایت ہی ناقص نتیجہ برآمد ہوا ہے اور آیندہ بھی تحقیقات اگر اسی اصول پر جاری رہی تو مزید واقعات کے ظاہر ہونے کی کوئی توقع نہیں۔"

ارمنیوں کی خیالی بغاوت کے متعلق، جس کی بنا پر کہ قیام امن کی غرض سے فوجیں بھیجنے کی ضرورت داعی ہوئی تھی، سرکاری اطلاعوں کی دروغ بیانیوں کا اظہار کرنے کے بعد رپورٹ میں بیان کیا گیا تھا۔

"ایک پورے ملک کی پوری تباہی کے متعلق کسی صورت میں یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بغاوت کی قرار واقعی اور واجبی سزا ہے۔ موجودہ صورت میں

بالخصوص اس لئے ارمنیوں کا تمام تر جرم یہ تھا کہ انھوں نے مراد کو پناہ دی تھی اور اس کو چھپا رکھا تھا، قزاقی کی بعض وارداتیں یا کردوں سے انتقام، یا عہدہ داروں سے سرکشی یا شاہی افواج کا معمولی سا مقابلہ، یہ تمام باتیں، ایسی حالت میں جبکہ واقعات کا اب تک اچھی طرح اظہار بھی نہیں ہوا ہے، اس فلاکت اور مصیبت کو جائز قرار نہیں دیتیں، جو ملک اور افراد ملک پر ٹوٹ پڑی ہے۔
اسی رپورٹ میں فوج کے طرز عمل کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے جس نے گلیگازن (Gueliegazan) کے مقام پر کردوں کے کشت و خون میں رعایت سے کام لیا تھا اور پھر تلوری اور سعید (Talori and Said) میں یہی واقعات پیش آئے تو خاموش ہو کر رہ گئی تھی۔
شاہی افواج کا رویہ ناقابل معافی ہے خصوصاً ان واقعات کے لحاظ سے جو ان کی آنکھوں کے سامنے پیش آئے۔ جس طرح اس ڈٹاچمنٹ کا طرز عمل قابل سزا ہے جو فوجوں کے ورود کے بعد پہنچی تھی، بالکل اسی طرح فوجوں کا رویہ بھی قابل سزا ہے۔ افواج نے نہ تو عورتوں اور بچوں کی حفاظت ہی کی کوئی تدبیر کی اور نہ ارمنیوں ہی کو اس امر پر مجبور کیا کہ وہ اپنے اپنے مسکونہ مقامات کو واپس چلے جائیں۔ ان دونوں باتوں کی طرف اس وقت تک توجہ نہیں کی گئی جب تک کہ منشیر ذکی پاشا (Munshir Zeki-Pasha) اس مقام پر نہ آ پہنچے......"
عبدالحمید کے طرفداراجرائد نے اس موقع پر تمام ذمہ داری یلدیز کے معتمد اول، سوریا پاشا پر ڈالدی، جس کو اس لئے زہر دے دیا گیا تھا کہ اس بیان کے خلاف زبان نہ کھول سکے۔ لیکن دراصل سوریا پاشا کا اس کے سوا اور کوئی قصور نہیں تھا کہ اس نے سلطان کے باقاعدہ احکام کو مارشل ذکی پاشا تک پہنچا دیا تھا۔ خود وزراء بھی ان احکام سے واقف نہ تھے۔ ارمنیہ کے کشت و خون کا تنہا ذمہ دار عبدالحمید ہے۔ ۱۲رجون ۱۸۹۵ء کو فرانسیسی سفیر کمبون نے پیرس کے وزیر خارجہ کے نام حسب ذیل تار روانہ کیا:۔ "یہ کہا جا سکتا ہے کہ گذشتہ چار سال سے حکومت باب عالی سے منتقل ہو کر یلدیز میں چلی گئی تھی، تمام عہدہ دار اپنے اپنے متعلقہ وزراء سے مراسلت کرنے کے بجائے سلطان کے

معتمدین سے خط و کتابت کرتے تھے۔ انھوں نے وزیر اعظم کے احکام کی تعمیل کرنے سے صاف طور پر انکار کر دیا تھا اور مجھے ان معاملات کے دوران میں جن سے ہمیں دلچسپی ہے، بارہا باب عالی کی اس بیچارگی کے اظہار کا موقع ملا ہے کہ وہ اپنے ماتحت ملازمین سے بھی اپنے احکام کی تعمیل نہیں کرا سکتے۔ ایسا طرز حکومت، جس کو ہر شخص بری نظروں سے دیکھتا ہے سلطان کے لیئے جوکھم سے خالی نہیں اور ایک دن ایسا آئے گا کہ تمام ذمہ داری اسی کی ذات پر رکھدی جائے گی۔ جب کبھی کوئی موقع آئے گا تو عبدالحمید کو ذاتی طور پر اپنی رعایا اور یورپ کے سامنے جوابدہی کرنی پڑے گی۔ حال ہی میں ایک ایسا واقعہ ارمینیہ میں پیش آچکا ہے اور سلطان نے یکایک یہ محسوس کیا ہے کہ اس کی ایک ایسے ملزم کی سی حیثیت ہے، جس کے پاس کوئی مدافعت نہیں"۔

۱۳ جنوری ۱۸۹۶ء کو کمبون نے تحریر کیا کہ "مسلم مشاہیر عام طور پر یہ کہتے ہیں کہ کشت و خون کا خود سلطان نے حکم دیا تھا اور اسی بنا پر وہ سلطان ہی کو ان تمام خرابیوں کا بانی سمجھتے ہیں"۔

عوام کے مطالبے پر، جو جرائد، میتھوڈسٹ کمیٹیوں اور نان کن فارمسٹ فرقوں کے، جن کا جماعت احرار کے طرز عمل پر خصوصاً اسکاٹلینڈ میں بہت کچھ اثر پڑتا ہے، انکشافات پر انگریزی حکومت نے ارمینیہ کی طرف سے مداخلت کرنے میں سبقت کی۔ فرانس اور روس کو سینٹ جیمس کی کابینہ سے اتفاق تھا۔ سلطان نے، جس کو واقعات کے اس طرح یکایک رخ بدل لینے سے بہت کچھ پریشانی تھی، اینگلو ارمنی ایسوسی ایشن کے توسط سے انگریزی کابینہ کے ساتھ خفیہ طور پر گفت و شنید کر کے خود اپنی طرف سے اس معاملے میں سبقت کرنے کی کوشش کی۔ اسٹی وین سن، رکن پارلیمنٹ کو، جو ایسوسی ایشن کا صدر تھا، اس کام کے لئے منتخب کیا گیا اور یہ قرار پایا کہ وہ اور کمیٹی کے دو اور ممبر ایٹکن اور سوان، سلطان کے سفیروں کے ساتھ اس مسئلے کے تصفیے کی غرض سے قسطنطنیہ جائیں لیکن ہیکاٹی انقلابی

کمیٹیوں کی، جن کو اس سازش کی اطلاع ہوگئی تھی، تہدیہ آمیز مداخلت نے تمام انتظام درہم برہم کردیا۔[1]

۱۱ مئی کی یادداشت کے ضمن میں بہت سی یادداشتوں اور ذیلی یادداشتوں کے تحریر کرنے کے بعد، تینوں طاقتوں کے مابین ایک معاہدہ ہوگیا، جس کی رو سے حسب ذیل شرطیں عائد کی گئیں:۔ ولایتوں کی تعداد میں رفتہ رفتہ تخفیف۔ ولیوں کے انتخاب کے متعلق ضمانت صوبہ جات کے لئے ایک نگران ہائی کمشنر کی نامزدگی۔ قسطنطنیہ میں ایک مستقل مشترک کمیشن آف کنٹرول کا قیام۔ ارمنیوں کے حقوق اور مراعات کی سختی کے ساتھ پابندی۔ ممکن الوقوع مشکلات کے لیے مناسب انسدادی تدابیر۔ جس حد تک اصولی امور کا تعلق تھا سلطان نے ان اصلاحات کو منظور کرلیا۔ لیکن مشترکہ نوٹ میں جو تجویزیں پیش کی گئی تھیں اور اصلاحات کے نفاذ کے لئے جو ضمانت کا کام دیتی تھیں، ان کے قبول کرنے سے اس نے قطعی طور پر انکار کردیا۔ اسی طریقے پر۔ تینوں طاقتوں سے کام لینے کی امید میں سلطان نے جولائی کے آغاز میں ایشائی ولایتوں کے انسپکٹر جنرل کی حیثیت سے مارشل شاکر پاشا کو نامزد کیا، جس کے فرائض یہ تھے کہ وہ پادشاہ کے افعال کی نگرانی رکھے۔ اور اس نے خاص طور پر ایک عثمانی کمیشن اس غرض سے قائم کیا کہ وہ ارمنیہ کے لئے جو اصلاحات تجویز کی گئی تھیں، ان پر غور کرے۔ یہ اس قسم کا تیسرا کمیشن تھا۔

فرانس، انگلستان اور روس کے سفیروں نے مارشل شاکر پاشاہ کو ارمنیہ کا انسپکٹر جنرل تسلیم کرنے سے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ وہ ارمنیہ میں شاکر پاشا کی نامزدگی کے متعلقہ فرمان شاہی کو کالعدم تصور کرتے ہیں اور یہ کہ ان کو ایسے یوروپین کنٹرولرس کی ضرورت ہے، جن کا دولت علیہ سے کوئی تعلق نہ ہو گفت و شنید میں تاخیر واقع ہوتی گئی اور آخر میں سلطان نے یادداشت کو

---

[1] دیکھو دوسرا صفحہ۔

مسترد کر دیا۔ جس کو دیکھ کر تینوں طاقتوں نے خود اپنی طرف سے اس معاملے میں سبقت کی اور ایک بین قومی کمیشن متحفظ قائم کیا گیا، جس کے اجلاس قسطنطنیہ میں منعقد ہوئے۔ اسی زمانے میں انگلستان کے وزیر اعظم، سالسبری نے دارالخواص میں مسئلۂ ارمنیہ کے متعلق بعض اعلانات کئے، جو سلطان کے زوال حکومت کے متعلق نہایت ہی باریک پردے میں چھپی ہوئی دھمکیوں پر ختم ہوئے اور پھر انھیں اعلانات کی سالسبری نے نہایت باقاعدہ الفاظ میں ترکی سفیر متعینۂ انگلستان، رستم پاشا کے سامنے تصدیق بھی کر دی۔ ساتھ ہی پیرس میں ہنایٹو (Hanotaux) نے ضیا پاشا کو اس امر سے آگاہ کر دیا کہ فقرہ ۶۱ کے نفاذ کے متعلق فرانس نے انگلستان کو کامل طور پر یہ آزادی دیدی ہے کہ وہ اس سلسلے میں جو طریقہ چاہے اختیار کرے۔ جیسے جیسے برطانیہ کے ساتھ جنگ کا امکان روز بروز قوی ہو رہا تھا ویسے ویسے سلطان کے خوف وہراس میں بھی اضافہ ہو رہا تھا یہاں تک کہ اس نے گھبرا کر یادداشت کو کامل طور پر منظور کر لیا یا یہ کہنا چاہئے کہ منظور کر لینے کا بہانہ کیا۔ لیکن جس طریقے سے اس نے اصلاحات کو نافذ کرنا چاہا، اس پر اس سے بھی زیادہ نزاعات برپا ہوگئے جتنے کہ خود یادداشت کو تسلیم کرنے کے متعلقہ مسئلے پر ہوئے تھے۔ انگلستان سلطان کے نام اعلان جنگ بھیجنے کی تیاری ہی کر رہا تھا کہ ۳۰ ستمبر اور یکم و ۲ اکتوبر کے واقعات پیش آگئے جنھوں نے یورپ کی محجوبیت کے ساتھ ساتھ اس امر کو بھی ثابت کر دیا کہ سلطان نے جو یہ اندازہ لگایا تھا کہ ہر سہ طاقتوں کے مابین در اصل کوئی حقیقی معاہدہ نہیں ہوا ہے، وہ بالکل درست تھا۔ ۳۰ ستمبر کو جو سرافرازی صلیب کا گرجانی یوم جشن تھا، باب عالی پر ایک ارمنی مظاہرے نے، جو موعودہ اصلاحات کے مطالبے کے لئے کیا گیا تھا، کشت وخون کا باقاعدہ طور پر ایک بہانہ پیدا کر دیا۔ خفیہ پولیس کے کارکن، دینی طالب علموں کے

نوٹ متعلقہ صفحہ سابقہ:۔ اس معاملے کے متعلق اخبار مشرق Nouvelles d' Orient کی ۱۵ جون ۱۸۹۵ء کی اشاعت میں "فرانس اور مسئلۂ ارمینہ" کے عنوان سے نہایت دلچسپ و مفصل مضمون شایع ہوا تھا۔

بعض میں، درانحالیکہ ان طلبا نے بعض خاص خاص مواقع کے علاوہ کشت و خون میں کبھی حصہ نہیں لیا تھا اور نہ وہ اس کو جائز سمجھتے تھے، پورے استنبول بھر میں غیور (Giaurs) کے خلاف جہاد کرنے کے لئے تمام لوگوں کو ابھارنے لگے۔ دوشنبہ اور سہ شنبہ کو تمام رات اور تمام دن بالخصوص سرکیج (Sirkedge) قاسم پاشا اور چکور چشمہ (Chikour-chesme) کے مقاموں پر کشت و خون کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ چہار شنبے کو سرکاری طور پر کشت و خون روک دیا گیا۔ لیکن صورت حال میں کوئی نمایاں فرق واقع نہیں ہوا۔ اور خانہ تلاشیوں عام گرفتاریوں اور اکا دکا قتل و خون نے شہر بھر پر ویسا ہی خوف و ہراس طاری رکھا۔

۲ اکتوبر کو بروز چہار شنبہ ڈپلومیٹک کور کے ڈوایانگ (Doyen) سفیر آسٹریا ہنگری، بیرن کیلیس (Calice) کے مکان پر، سفیروں نے ایک جلسہ کیا اور اسی دن شام کے قریب مشترکہ طور پر ایک یادداشت مرتب کر کے سلطان کے پاس بھجوا دی۔ اس یادداشت میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ سفیروں نے غم و غصے کے ساتھ ترکی پولیس کے طرز عمل کو دیکھا ہے۔ یہ کہ گرفتار شدہ ارمنیوں کو خود پولیس کے ایجنٹوں نے، خاص طور پر وزارت داخلہ اور پولیس کے مستقر میں قتل کیا ہے۔ یہ کہ پولیس نے مقتولوں کے بچانے کی کوشش نہیں کی اور خود اس امر کا موقع دیا کہ بے شمار قتل واقع ہوں۔ اور یہ کہ ان واقعات سے ثابت ہو گیا کہ امپیریل گورنمنٹ میں ان جرائم کے انسداد کی، جو خود انسانیت کے لئے باعث ننگ ہیں، قدرت نہیں ہے۔ سفیروں کو اپنے اپنے افراد قوم کی سب سے زیادہ فکر تھی چنانچہ انھوں نے اسی یادداشت میں دولت علیہ کو آگاہ کر دیا تھا کہ اگر یوروپین طاقتوں کی رعایا کو ذرا سی بھی تکلیف پہنچی تو دولت علیہ پر اہم ترین ذمہ داری عائد ہو جائے گی۔ اس یادداشت نے سلطان پر بہت اثر کیا۔ وزرا فوراً قصر شاہی میں طلب کئے گئے۔ وزیر اعظم سعید پاشا نے وزیر پولیس ناظم پاشا کو برطرف کر دیا اور یہ حکم دیدیا کہ جندرامہ کو قسطنطنیہ سے ہٹا دیا جائے اور اس کی جگہ باقاعدہ فوجیں متعین کر دی جائیں۔ اس نے ان احکام کے ضمن میں اس

امر کا بھی اظہار کر دیا کہ موجودہ صورت میں وہ قیام امن کا ذمہ دار ہے۔ مگر سلطان نے نہایت غصے کے ساتھ ان تمام تجویزوں کو مسترد کر دیا۔ سلطان کا اصل منشا یہ تھا کہ کشت و خون کے متعلق تمام ذمہ داری مسلمان آبادی پر ڈالدی جائے۔ اس نے اس امر کا بھی اظہار کیا کہ سب سے پہلے شہر کو سوفتائیوں (Softas) کے پنجوں سے نجات دلانے کی ضرورت ہے۔ سلطان اس طریقے پر ایک ہی وقت میں مراد کے طرفداروں کے وجود کے خطرے سے بھی جن کی سوفتائیوں کی جماعت میں کثرت تھی، آزادی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن سلطان کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی جب سعید پاشا نے صاف طور پر یہ کہدیا کہ جس وقت تک وہ صدر اعظم ہے۔ سوفتائیوں کے اخراج کے حکم پر مہر سلطنت ثبت نہیں کی جائے گی۔ اس قسم کی گستاخی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا چنانچہ دوسرے ہی روز اس کو وزارت کی خدمت سے سبکدوش کر کے کامل پاشا کا اس کی جگہ تقرر کر دیا گیا۔

ایک تازہ یادداشت مورخہ ۶ر اکتوبر کے موصول ہونے پر سلطان نے سفرا کے مطالبات تسلیم کر لئے ۱۶ر اکتوبر کو یادداشت کے متعلقہ معاہدے پر اس نے دستخط کر دیئے اور ۲۰ کو اصلاحات کے متعلق ایک حد (Latti) نافذ کر دیا۔ لیکن بدقسمتی سے اس فرمان کا بالکل برعکس اثر ہوا۔ اور بجائے اس کے کہ ملک میں کامل طور پر امن قائم ہو جاتا، صوبہ جات میں عام طور پر کشت و خون کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ ارمینو کردستان میں خون کی ندیاں بہنے لگیں اور آگ کے شعلے بلند ہو گئے۔ روزانہ دار السلطنت میں اسی قسم کی خبریں آنے لگیں کہ فلاں ضلع میں آگ کے شعلے بلند ہیں اور یہ کہ فلاں ضلع کی نصف آبادی فنا ہو گئی۔

اسی قابل نفرت صورت حال نے بالآخر صدر اعظم کو اپنی خدمت سے علیحدہ کرا کے چھوڑا۔ ۱۵ر نومبر کو کامل پاشا کی جگہ خلیل رفعت پاشا کا جو ترکان قدیم کی جماعت کا نہایت ہی جوشیلا رکن تھا، تقرر کیا گیا۔ اس شخص کا پہلا کام لبطریق ازمیرلیان (Izmirlian) کو دفع کرنا تھا۔

ازمرلیان جب نالائق اچیکیان کا جانشین ہوا تو اس نے میتھوز ثالث (Matheos III) کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ ارمنیوں پر اس شخص کو غیر محدود اختیار حاصل تھا۔ اس شخص کو پوری قوم نے بالاتفاق بطریق مقرر کیا تھا۔ بلکہ پیٹرپارکیٹ کے دونوں قونصلوں کو اس کے انتخاب کے لئے ایک حد تک مجبور کیا گیا تھا۔ یہ شخص سختی کے ساتھ اصول کا پابند تھا، اس کے عادات واطوار کو مثال کے طور پر پیش کیا جاتا تھا، اس کی سخاوت کی کوئی انتہا نہ تھی، اس کی فصاحت وبلاغت پر تمام ارمنی ناز کرتے تھے، اور یہ تمام باتیں ایسی تھیں جنھوں نے ارمنی قوم کی تمام توقعات کو اسی کی ذات سے وابستہ کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قصر شاہی اس کے اقتدار کو درہم برہم کر دینا چاہتا تھا اور اس باب میں روس اس کا ممد ومعاون تھا؛

ترکی میں جس قدر ہیکائی بے چینیاں واقع ہوتی تھیں ماورائے قاف میں ان کی گونج برابر پیدا ہوتی تھی جہاں کردوں کے کشت وخون سے بچ بچا کر ہزارہا ارمنی بھی جا بسے تھے سنیٹ پیٹرس برگ کی حکومت نے، جس کے اس منصوبے پر کہ قاف کے ارمنیوں کو روس کی رعایا بنا دیا جائے احساس قومیت کے احیا سے پانی پھر گیا، طفلس (Tiflis) کے ارمنی مدارس کو اس بہانے سے بند کرنا شروع کر دیا تھا کہ وزیر معارف کے احکام کے بموجب تعلیم نہیں دیجاتی ہے۔ ہنشاکسٹس (The Hintchakistes) نے سیاسی کشت وخون کا جو سلسلہ آغاز کیا تھا، اس کے بعد سے اب تک بہت سی جبریہ کارروائیاں اختیار کی جا چکی تھیں اور مزید زیر غور تھیں۔ روس نے ترکی کے ارمنیوں پر اس موقعے پر پورا دباؤ اس غرض سے ڈالنا شروع کیا کہ ازمرلیان کی جگہ وہ لوگ کسی ایسے بطریق کا انتخاب کریں، جو اثرات سے زیادہ مرعوب ہو سکتا ہو۔ عین کشت وخون کے زمانے میں اپنی خدمت سے مستعفی ہو جانے کے لئے مجبور کئے جانے پر بطریق نے نہایت غصے کے ساتھ استعفا پیش کرنے سے انکار کر دیا۔ ارمنی فرقہ کی سرداری کی خطرناک عزت کا دعویدار بننے کے لئے کسیقدر جرات اور دلیری کی ضرورت تھی۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد ایک پھندے میں پھنس کر جس کو

روسی ڈپلومیسی نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ تیار کیا تھا، اور سلطان کے غلط وعدوں پر اعتماد کرنے کی حماقت کا مرتکب ہوکر، میتھیوز ثالث کو مجبوراً مستعفی ہو جانا پڑا۔ روسی سفارت کے مترجم اول، ام میگزی ماڈ نے اپنی حکومت اور مشیر سلطنت، نوریان آفندی نے سلطان کی طرف سے اس کو یقین دلادیا کہ اس کی علیحدگی کے بعد اصلاحات موعودہ کا قطعی نفاذ ہو جائے گا بطریق نے، یہ دیکھ رہا تھا کہ یورپ نے ارمنیوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا ہے اور یہ کہ وہ یلدیزی نفرتوں اور روسی خدشات کا نشانہ بنا ہوا ہے، طوعاً وکرہاً یہ باور کرلیا کہ اپنی خدمت سے علیحدہ ہو جانے سے وہ اپنی قوم کی ایک بڑی خدمت انجام دے گا چنانچہ ۲ راگست ۱۸۹۶ء کو وہ مستعفی ہو گیا لیکن ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ اس کو اپنی اس حرکت پر سخت تاسف ہونے لگا کہ اس نے یلدیزی وعدوں اور روسی ضمانتوں پر کیوں اعتبار کیا۔

ازمرلیان کا جبریہ استعفٰے؛ بروصہ کے اسقف اعظم، بارتھولونیوز کا جس کو غدار تصور کیا جاتا تھا، عارضی طور پر بطریق منتخب کیا جانا؛ ارمنی قرقے کے دستور کا ابطال، جس کا انحصار حکومت کی خوشی پر تھا؛ ارمنیوں کی گرفتاریوں میں روز افزوں اضافہ؛ بکی تاش میں ارمنی گورستان کے بند کردینے کے متعلق سلطان کا ارادہ، جس کے قریب ہونے سے اس کو تکلیف ہوتی تھی اور جس کو ارمنیوں نے، جو دس سال سے اس پر قابض تھے، اس کے ہاتھ بیچنے سے قطعی انکار کردیا تھا؛ چانسلریوں کے بظاہر قاہرانہ مراسلوں کے باوجود کشت وخون کے اسی طرح جاری رہنے پر یورپ کا سکوت؛ یہ تمام وہ باتیں تھیں جن سے مجبور ہوکر ارمنیوں نے ایک کاری ضرب لگانے کا اردہ کیا۔ سلطان کی سالگرہ کی رات کو، بتاریخ ۳۱ راگست، شہر کی بدامنیوں کی آڑ میں یلدیز پر حملہ کرنے کا تہیہ کیا گیا۔ روالور، آرسینی بمب، اور ڈائنامیٹ کارتوس، جو دارالسلطنت میں کثرت کے ساتھ آگئے تھے، کمیٹی کے ممبروں کو تقسیم کردئے گئے۔ سازشیوں کے ایک گروہ کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ کمیٹی کے نمایندوں کی سرکردگی میں یلدیز پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے۔ دوسری جماعتوں کے ذمے یہ

فرض عاید کیا گیا کہ وہ شہر میں منتشر ہو جائیں اور مختلف مقامات پر بلوہ کر کے اپنی طرف توجہ مبذول کرلیں ساتھ ہی سلطان کے خلاف ترکی مصلحین کی تحریک بھی پھیلا دیں۔ ترکی حکومت کو روسی حکومت نے جو ہیکانی کمیٹیوں کو اس لئے پسند نہیں کرتی تھی کہ قاف کے ارنیوں کے فی ہی لٹ فرتے سے توقعات تھے، اس امر کی قبل از قبل اطلاع دیدی تھی کہ ارنی باشندے سازش کر رہے ہیں لیکن یہ اطلاع کچھ اسقدر مبہم تھی کہ ترکی پولیس کی سراغ رسانی کی تمام کوششیں بیکار رہیں۔ آخری لمحے میں، جیسا کہ اکثر ہوا کرتا ہے، گورنمنٹ کو اس سازش کے دریافت کرنے میں مدد دینے کے لئے ایک انکشاف خود بخود ہوا۔ بطریق بارتھولومیرز کی اطلاع پر پولیس نے کمیٹی کے ایک رکن کو گرفتار کیا، جس کے پاس سے ایسے کاغذات برآمد ہوئے، جن میں اگرچہ سازش کی نوعیت اور تاریخ درج نہیں تھی تاہم اس کی اہمیت اور قریب الوقوعی کا کافی تذکرہ تھا۔

یلدیز میں اب یہ تہیہ کیا گیا کہ ارنیوں کے اپنی تدابیر پر کاربند ہونے سے پہلے ہی تمام آنے والے واقعات کا قبل از قبل انسداد کردیا جائے۔ ایک شاہی فرمان میں، جو ۲۴ اگست کو خفیہ طور پر ناظم پاشا، وزیر پولیس اور دوسرے ترکی سررشتوں کے ان مسلمان افسروں کے پاس بھیجا گیا تھا، جن پر اس قسم کا کوئی شبہ نہیں تھا کہ ان کے خیالات اصلاح پسندانہ ہیں، ان لوگوں کو یہ حکم دیا گیا کہ اسلام کی مدافعت میں جس پر غیور (Ghiaour) اور بالخصوص ارنیوں کا نرغہ ہے لڑنے کے لئے تیار رہیں۔ ان لوگوں کے ذمے یہ فرض عاید کیا گیا تھا کہ اپنے بھروسے کے آدمیوں کو فوج میں بھرتی کر کے ارنیوں پر یکایک حملہ کردیں۔ قتل عام کی تاریخ اس واقعے کے تیسرے دن قرار پائی۔ اس فرمان کی سند پر وزیر پولیس نے، جو اگرچہ بذاتہ ان باتوں کو پسند نہیں کرتا تھا تاہم ان سے انحراف کی اس میں جرات بھی نہیں تھی، اپنے جاسوسوں اور کارکنوں میں جو لوگ سب سے زیادہ ادنیٰ طبقے سے تعلق رکھتے تھے، اُن کو فوج میں بھرتی کرلیا۔ وزارت بحریہ میں تمام مزدوروں سے کہدیا گیا کہ

آج چھٹی ہے اور جب ان میں سے ایک البانی مزدور نے، جو اب تک تمام رازوں سے واقف نہیں ہوا تھا، چھٹی کی وجہ دریافت کی تو اس کے داروغہ نے یہ کہا کہ آج شہر میں قتل عام ہونے والا ہے جس کے بعد لوٹ مار بھی ہوگی۔ کمیٹیوں کو یہ حال معلوم تھا کہ پولیس نے ہتھیار تقسیم کئے ہیں۔ ۲۶ کو انھیں یہ علم بھی ہوگیا کہ آج شام کو ان کے ہموطنوں کا قتل عام ہونے والا ہے۔ کمیٹیوں نے فوراً آٹومان بنک پر قبضہ کر لینے کا تہیہ کر لیا اور یہ ارادہ کیا کہ بنک کو سرنگ لگا کر اُڑا دینے کی دھمکی دیکر یوروپین حکومتوں کو مداخلت اور سلطان کو ارمنیہ میں نفاذ اصلاحات پر مجبور کر دیا جائے۔

کمیٹیوں کے اس ارادے کو چوبیس ۲۴ ارمنیوں نے دوپہر کے وقت ٹھیک ایک بجے پورا کیا۔ ان چوبیس ۲۴ آدمیوں میں تین کمیٹی کے نمایندے تھے اور باقی اس محلے کے حال جنھوں نے خفیہ انجمن کے احکام کی تعمیل کرنے کا حلف اٹھا لیا تھا۔ ایک ایک دو دو کرکے یہ لوگ بم سے بھرے ہوئے تھیلے کندھوں پر رکھے ہوئے بنک میں اس طرح داخل ہوئے کہ گویا روپیوں کے توڑے لیے جا رہے ہیں۔ ان لوگوں نے پہرہ دینے والے دونوں جندارمیوں کو قتل کرکے دروازوں پر قبضہ کر لیا اور ان کو اندر سے بند کر دیا۔ حملہ آوروں نے بنک کے اہلکاروں کی، جو بھوچکے ہوکر اپنی جگہ پر بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے تھے، ڈھارس بندھائی اور یہ یقین دلایا کہ بنک کے روپیے پیسے اور اُن کی جانوں سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ انھوں نے ڈپٹی ڈائرکٹر جنرل اَم گاسٹن آبوائے نیو کو یہ اجازت بھی دیدی کہ وہ خود جاکر سلطان سے تمام واقعات کی اطلاع کردے۔ والی وودہ کی پولیس کی چوکی نے حملہ آوروں کو پسپا کردینے کی غرض سے سپاہیوں کا ایک دستہ بھیجا مگر یہ بہت دیر میں پہنچا۔ کمک فوراً آگئی اور بنک اور (Tobacco Regie) کی ناکہ بندی کردی گئی۔ ارمنی کھڑکیوں میں سے سپاہیوں پر فیر کرتے تھے اور سپاہی راستے پر سے ان کا جواب دیتے تھے۔ جانبین سے ایک دوسرے پر باڑھیں ماری جا رہی تھیں مگر ایک فیر بھی کارگر نہیں ہوتا تھا۔ ادھر یہ حال تھا

اور اُدھر شہر میں قتل وغارت کا طوفان مچا ہوا تھا۔
بنک پر حملہ ہونے سے پہلے ہی استنبول کے ایک محلہ زماتھیہ (Psamathia) میں جہاں ارمنیوں کی آبادی ہے، کشت وخون شروع ہو چکا تھا، ابھی بنک سے شاید ایک گولی بھی نہ چلائی گئی ہو کہ غلطہ میں قاتلوں نے تمام ارمنیوں کو، جو اُن کے سامنے آئے تلوار کے گھاٹ اُتار دیا اور مکانوں اور دکانوں کو لوٹ لیا۔ جن سازشیوں نے آٹومان بنک پر قبضہ کرلیا تھا، ان کو یوروپین سفارتوں کی حمایت میں باقاعدہ طور پر آزادی مل گئی۔ ۲۷ تاریخ کو دن کے دو بجے یہ لوگ سفارتوں کے ترجمانوں، روسی ترجمان جن کے پیش پیش تھا، اور ان کے خواصوں (Kavasses) کی نگرانی میں بنک سے روانہ ہوکر بنک کے ڈائرکٹر جنرل، سرایڈگرون سنٹ کی کشتی "گلنار" میں سوار ہوگئے، جس نے انھیں فرانسیسی جہاز جیروند (Gironde) تک پہنچا دیا۔ اس قتل عام کے جواز میں حکومت نے ایک سرکاری مراسلت شائع کی، جس میں نظام حکومت کے خلاف ارمنی انقلابی کمیٹیوں کی ایک زبردست سازش پر تمام ذمہ داری رکھ دی گئی تھی۔ اس مراسلت میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ "افسروں کو بہرحال بنک پر حملہ ہونے سے پہلے ہی اطلاع ہوچکی تھی اور انھوں نے فوجی گزمہ (Patrol) پولیس کے سپاہی اور جندارمیوں کو اس جگہ متعین کردیا تھا اور یہ لوگ فوراً موقع پر پہنچ گئے تھے"۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ حکومت کو تمام باتیں پہلے ہی سے معلوم تھیں لیکن اس نے پھر بھی ان واقعات کے پیش آنے کا موقع دیا تاکہ ایک ایسے قتل عام کے لئے بہانہ پیدا ہو جائے، جس کا پہلے ہی سے ارادہ کرلیا گیا تھا۔
۲ ستمبر کو فرانسیسی وزیر مختار، ام ڈی لابولونیر (Bouloniere) نے پیرس کو حسب ذیل تار روانہ کیا: "میں یور اکسلنسی سے واقعات کا ایک ایسا لامتناہی سلسلہ بیان کرسکتا ہوں، جو یہ ثابت کردیگا کہ یہ سلطان ہی ہے، جو قاتلوں کو مسلح کرتا ہے اور جوان کو ہر اس فرد کے، جو ارمنی ہے، قتل کر ڈالنے کا حکم دیتا ہے"۔

بیرن کالیس (Calice) سفیر آسٹریا ہنگری نے پوری ڈپلومیٹک کور کی طرف سے، جس کا وہ قدیم ترین رکن تھا، تحریر کیا کہ "مستقبل میں یورپ کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ سلطان صرف مسلمانوں پر تکیہ کرنا چاہتا تھا اور ان کو اپنے جذبات میں آزادی دینے کا خواہشمند تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنی عیسائی رعایا کو جان بوجھ کر ظلم و ستم اور شدید عقوبتوں کا شکار بنا دیا ہے اور یہ امید بھی ان کے لئے باقی نہیں چھوڑی ہے کہ ان کے ساتھ کبھی انصاف کیا جائے گا"۔

اگر ان لوگوں نے، جن کو پولیس نے بھرتی کر لیا تھا اس موقع پر زیادتی سے کام لیا تو یہ کہنا بالکل غلط ہو گا کہ مسلمان عام طور پر اس کشت و خون کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتے تھے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مسلمان نہ صرف اس کو ناپسند ہی کرتے تھے بلکہ اکثر مقامات پر ان کی دلیرانہ مخالفتوں نے بے شمار ارمنیوں کی جانیں بھی بچائیں۔ ہسں خانی (Haskeny) میں ترکوں نے کشت و خون میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ اور اکثر خاندانوں نے ارمنیوں کو اپنے یہاں پناہ دے کر ان کی جانیں بچائیں۔ جزیرہ ادرنہ کاپو (Edirné-Kapou) کو، جو پچیس ارمنی خاندانوں کی ایک بستی تھی، ایک امام نے، جس نے قاتلوں کا مقابلہ کیا اور ان کو واپس ہو جانے پر مجبور کر دیا، قتل و غارت سے بچا لیا۔ ایوب میں جو استنبول کا نہایت ہی متعصب محلہ ہے، ایک بھی ارمنی کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچی۔ یہاں کے ملا نے قتل عام کے حکم کو قطعی ناجائز قرار دے دیا تھا۔ اسی طرح سقوطری میں بھی ملا نے متصرف کے ساتھ خوب لڑنے جھگڑنے کے بعد کشت و خون کو روک دیا تھا۔ مارشل فواد پاشا الینا کے شہرۂ آفاق فاتح نے بحر مارمورا کے ایشیائی ساحل تک کشت و خون کے سلسلے کو بڑھنے نہیں دیا۔ اپنے چرکسوں کو ساتھ لے کر اس نے سقوطری، قاضی خانی (Kadikeny) اور آس پاس کے مقاموں پر طلایہ گردی شروع کر دی، جس کی وجہ سے قاتلوں کو اس طرف کا رخ کرنے کی بھی ہمت نہیں ہوئی۔ فواد پاشا کے زوال کا اصلی سبب یہی تھا۔ اس واقعے کے دو سال بعد فہیم پاشا سلطان کی خفیہ پولیس کے

سردار کے غیر شریفانہ الزام پر اس کی تذلیل کی گئی اور جلاوطن کر کے دمشق روانہ کر دیا گیا۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مدت میں جبکہ قسطنطنیہ میں کشت و خون کا سلسلہ جاری تھا اور تمام ایشیا میں لہو کی ندیاں بہہ رہی تھیں اور آگ کے شعلے بلند تھے، ۱۱ مئی ۱۸۹۵ء کی یادداشت کے مندرجہ عہد و پیمان کو سلطان سے پورا کرانے کے لئے یوروپین ڈپلومیسی کیا کارروائی کر رہی تھی؟۔ واقعہ یہ ہے کہ یورپ اس وقت بالکل خاموش تھا۔ یوروپین طاقتیں اس زمانے میں آپس کے جھگڑوں میں پھنسی ہوئی تھیں اور اس خوف سے کہ مبادا کہیں خود یورپ میں جنگ نہ چھڑ جائے وہ سلطان کو اپنے وعدوں کے ایفا پر مجبور کرنے کی جرأت نہیں کرتی تھیں۔ جرمنی نے سلطان کے ساتھ اپنی ہمدردی کا صاف طور پر اعلان کر دیا تھا۔ ۱۸۹۶ء کے آغاز میں امپرر ولیم نے ایک تقریر میں ارمنیوں کو باغی بتایا تھا۔ اسی مہینے کے آخر میں جرمنی نے سلطان کو یہ اطمینان دلا دیا تھا کہ وہ ترکی کی پالیسی کو پسند کرتی ہے اور اگر یہ برطانیہ اور روس نے ترکی میں کسی یوروپین کنا ڈومی نیم (Condominium) کے قیام پر زور دیا تو جرمنی اس کی مخالفت کرے گی۔ آسٹریا ہنگری اس معاملے میں جرمنی کا ہم خیال تھا اور ایطالیہ کی یہ مجال نہیں تھی کہ وہ اپنے دو متحدین سے اختلاف کرے۔

اس اتحاد ثلاثہ نے کھلم کھلا ترکی کی حمایت کی۔ روس نے، جو در اصل اصلاحات کا مخالف تھا، اپنی بد اندیشی سے فرانس کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ انگلستان تنہا رہ گیا۔ سلطان کو اب پورا اطمینان ہو گیا۔ ۱۱ نومبر ۱۸۹۶ء کو ایک سرکاری مراسلت میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ "دستور ملکی کے تمام آئین و قواعد، حد شریف گلہان (Hatti-cherif of Gulhan) اور ۱۸۵۶ء کے دستور اساسی کے تمام مفید احکام کی آیندہ سے پابندی کی جائے گی"۔ انھیں باتوں کا یورپ کا بھی مطالبہ تھا۔ قدیم حد شریف کے نافذ ہونے تک ایشیا میں کشت و خون کا سلسلہ برابر جاری رہا اور روایات قدیم کی

پابند حکومت یہی ظاہر کرتی رہی کہ تمام قصور ارمنیوں ہی کا ہے۔ وزیر اعظم کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ مجلس وزرا، کی طرف سے ارمنیوں کے باغیانہ افعال کی ایک رپورٹ تیار کرے۔ یہ رپورٹ حسب ذیل تھی: "ارمنیوں نے اپنی احسان فراموشی کا ایک قابل لحاظ ثبوت حال ہی میں دیا ہے۔ ایسے وقت میں جبکہ سلطان المعظم اپنی سلطنت کی مختلف المذاہب رعایا کے لئے اس کے حسب حال اصلاحات نافذ کرنے میں کسی کوشش سے دریغ نہیں کرتے ہیں اور بلا تفریق مذہب و قومیت اپنی رعایا کے لئے ایسے آئین نافذ کرنے کے لئے، جو ان کی مادی اور اخلاقی ترقی اور فلاح کو متیقن کردینے والے ہیں، دن رات کام کرتے ہیں، ارمنی بطریق مستعفی ہو جانے کا ارادہ ظاہر کرتا ہے اور اس طرح حکومت کے لئے ایک نئی پریشانی پیدا کردیتا ہے۔ بغاوت قندیہ اور یونان کے اشتعال انگیز طرز عمل سے جو مشکل صورت حال پیدا ہو گئی ہے اس سے ارمنیوں نے اپنی انقلابی مصروفیتوں کی نشاۃ ثانیہ کا کام لیا ہے اور اس طرح سلطنت کے داخلی امن و امان کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ لہٰذا اس امر پر غور کرنے کی فوری ضرورت ہے کہ امن عامہ میں ان خلل ڈالنے والوں کی باغیانہ خواہشات کا کس طرح انسداد کیا جائے؟۔ اگر شدید کارروائی فوراً اختیار نہیں کی گئی تو (یہ سمجھ لیا جائے کہ) اسلام اور خلافت دونوں خطرے میں ہیں۔ انھی وجوہ پر مجلس وزرا، بادشاہ کی توجہ ارمنیوں کے باغیانہ افعال کی طرف مودبانہ معطوف کراتی ہے اور سفارش کرتی ہے کہ ان کے خلاف شدید ذرائع سے کام لیا جائے۔"

لیکن مسئلہ قندیہ اور مسئلہ مقدونیہ ارمنیوں کے سوال کو پس پشت ڈالدینے والے تھے۔

مسئلہ قندیہ۔ یونان کے ساتھ جنگ (۱۳ اپریل تا ۱۴ دسمبر ۱۸۹۷ء)۔ قندیہ کے اختیارات خود انتظامی (۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء)۔

۱۸۶۶ء اور ۱۸۶۷ء کی زبردست بغاوت کے بعد ایک شاہی فرمان ۱۵ ستمبر ۱۸۶۶ء کو

شایع ہوا جس کے ذریعے سے جیساکہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، قندیہ کو ایک علیحدہ دستور عطا کر دیا گیا تھا۔ ۱۸۹۶ء میں ایک نئی بغاوت کے بعد غازی احمد مختار پاشا اور قندیہ کے نمایندوں کے مابین ہلیپہ کا معاہدہ طے ہوا (۱۳/ اکتوبر) جس کی رو سے اس جزیرے میں ایک جداگانہ طرز حکومت کے قیام کی بنیاد پڑ گئی۔ قندیہ کا دستور حکومت دستور سلطنت کی دست برد سے بالکل آزاد تھا جس کی یہ وجہ تھی کہ سرکاری قواعد کے مطابق ۱۸۷۶ء کے دستور عثمانیہ کا وجود محض برائے نام تھا اور واقعہ یہ ہے کہ اس کی حیثیت ایک عضو معطل کی سی تھی۔ لہذا دستور سلطنت سے دستور قندیہ میں کوئی ترمیم و تنسیخ نہیں ہوسکتی تھی۔ یہ جزیرہ پانچ حکومتوں میں منقسم تھا، جو خود بھی علیحدہ علیحدہ (۲۳) ضلعوں (Eparchies) پر منقسم تھیں۔ یہاں پانچ سال کے لئے ایک ولی مقرر کیا جاتا تھا۔ ولی کے مسلمان ہونے کی صورت میں اس کا نائب عیسائی ہوتا تھا اور اگر ولی عیسائی ہوتا تو نائب مسلمان مقرر کیا جاتا تھا۔ متصرفین میں نصف مسلمان تھے اور نصف عیسائی۔ ان کا مددگار ان لوگوں کو مقرر کیا جاتا تھا جن کا مذہب ان سے مختلف ہوتا تھا۔ جزیرے کے اٹھاسی کمیونس میں اکاون مشترک تھے، (۳۴) عیسائی تھے اور (۳) مسلم۔ عیسائیوں کو (۵۴) مشترک کمیونس میں اکثریت حاصل تھی اور مسلمانوں کو صرف چھ میں۔ ایک مجلس عامہ کے، جس کو وضع قوانین کا اختیار حاصل تھا، چالیس اجلاس ہوتے تھے اور اس میں ان مسائل پر بحث و تمحیص کی جاتی تھی، جن کا اس جزیرے سے تعلق ہوتا تھا۔ اس میں اسی ممبر تھے جن کے منجملہ (۴۹) عیسائی اور (۳۱) مسلمان تھے، اگرچہ عیسائی آبادی کے لحاظ سے عیسائیوں کی نمایندگی اس سے بھی زیادہ قوی ہونی چاہیے تھی۔ قوانین دو ثلث اکثریت کے ساتھ منظور ہوتے تھے۔ عیسائی نمایندوں نے ۱۸۸۱ء میں اس طریقے کے جس سے سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوتا تھا کہ مسلمان اقلیت کو سیاسی امور پر چھا جانے کا موقع دے دیا جائے۔ منسوخ کر دینے کا مطالبہ کیا۔ ان کا یہ مطالبہ تھا کہ صرف اکثریت پر مجلس کے فیصلے صادر ہوں۔ اجلاس اس قدر کم ہوتے تھے کہ بجائے خود وہ بھی مجلس کے مقاصد کی تکمیل میں رخنہ انداز تھے۔

عیسائی نمایندے یہ چاہتے تھے کہ برابر چار مہینے تک مجلس کے اجلاس ہوں مگر اس معتدل مطالبہ کو ایک شدید انقلابی تحریک کی حیثیت سے مسترد کردیا گیا۔

مجالس عامہ کی تشکیل حسب ذیل طریقے پر عمل میں لائی گئی تھی:۔

مجلس ولایت:۔ ولی، بطرولولی ٹن اور چھ ممبر جن میں سے نصف کا انتخاب ترک کرتے تھے۔
مجلس حکومت:۔ متصرف، اسقف، اور چھ ممبر جن میں سے نصف کا ہر فرقہ انتخاب کرتا تھا۔
مجالس ضلع:۔ قائم مقام اور چھ منتخبہ ممبر، نصف عیسائی اور نصف مسلمان۔

سوائے ولی کے کوئی عہدہ دار قانون متصرفین و قائم مقامان کے صدر کی حیثیت سے مجلس کا رکن نہیں ہو سکتا تھا۔ نظم و نسق اور مجالس انتظامی اور عدالتوں کی رودادیں یونانی اور ترکی زبانوں میں مرتب کی جاتی تھیں۔ ابتداءً مجلس عامہ کے تمام مباحثے بھی یونانی زبان میں ہوتے تھے۔ قندیہ کے مسلمان ویسی ہی فصاحت کے ساتھ یونانی زبان بولتے تھے جیسے کہ ان کے عیسائی ہموطن، جو عموماً ترکی زبان سے ناواقف ہوتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قندیہ کے مسلمان یونانی الاصل اور ان لوگوں کی نسل تھے، جنھوں نے ترکوں کی فتح کے موقع پر اپنے جان و مال کو بچانے اور دوسروں کے جان و مال پر قبضہ کرلینے کے لئے اسلام قبول کر لیا تھا۔ بار برئ عرب، مجاہدین بوسنہ اور ہرسک یا بلغاریہ کا حال ان لوگوں سے بالکل مختلف تھا، جن کو حکومت حمیدیہ نے مسلمان عنصر کی پشت پناہی کے لئے اس جزیرے میں بھیجدیا تھا۔

جزیرے کی معمولی مالگزاری صرف عُشر کی حد تک محدود تھی۔ سائرات، نمک، تمباکو اور اسٹامپ سے جو خاص آمدنی ہوتی تھی، وہ شاہی خزانے میں داخل کی جاتی تھی۔ اگر عُشر اتنا کافی نہیں ہوتا تھا کہ وہ جزیرے کے تمام مخارجات کا کفیل ہو سکے تو مرکزی حکومت کچھ رقم جس کی تعداد سائرات کی آمدنی کی نصف تک ہوتی تھی۔ اس غرض کے لئے دے دیتی تھی۔ اہل قندیہ نے اس آئین ترکیبی اور ہلیپا (Halepa) کے زائد قانون کے خلاف، جس میں جزیرے والوں کو یہ شدید حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف انتظامی مشین کے چالو رکھنے کی حد تک

قناعت کریں، زور و شور کے ساتھ احتجاج کیا۔ عُشر نہایت ہی تکلیف دہ ٹیکس تھا، جس کا زراعت پر بہت خراب اثر پڑتا تھا اور وہ ترقی نہیں کر سکتی تھی لیکن مجلس عامہ جزیرے کی تمام مالیات کو زیر و زبر کئے بغیر اس معاملے میں مداخلت نہیں کر سکتی تھی۔ قندیہ والوں کا یہ مطالبہ بالکل حق بجانب تھا کہ جزیرے کی تمام مالگزاری ضلع کے خزانے میں داخل کی جائے اور یہ کہ والی اور مجلس ایک رقم معین کر دیں جو ہر سال شاہی خزانے کو بھیجدی جایا کرے۔

سلطان عبد الحمید نے جو قندیہ کے عیسائیوں کو جنھوں نے کسی زمانے میں بغاوت کی تھی کسی قسم کا چارٹر کسی صورت میں بھی عطا نہیں کر سکتا تھا، ہر ممکن طریقے سے اُن وعدوں کو ٹالنے کی کوشش کی جو اس نے کین ڈیاٹیز (Candiotes) سے کئے تھے۔

ہلیپا کے زائد قانون کے منجملہ باب عالی کا یہ مطالبہ تھا کہ مجلس عامہ کے قوانین میں ترمیم و تنسیخ کا حق حاصل ہے۔ باب عالی کا منشا یہ تھا کہ جزیرے کی لیجسلیٹو کور کو صرف ایک انجمن مشاورت بنا دیا جائے جن صورتوں میں وزراء کو مجلس کے قوانین پر کھلم کھلا حملہ کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، وہ توثیق کو ایک غیر معین مدت کے لئے ہمیشہ معرض التوا میں ڈال دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ قندیہ والے قانون ترکیبی میں اس عبارت کو بڑھا دینا چاہتے تھے جو مشرقی رومائلی کے قانون ترکیبی میں شامل تھی اور جس کا منشا یہ تھا کہ مجلس کی تصویت کے بعد دو مہینے کی مدت گزر جانے پر ایسی صورت میں بھی کہ شاہی منظوری صادر نہ ہو تمام قانون نافذ ہو جائیں گے۔

۱۸۸۷ء تک فناری (Fanariote) دلیوں کی، جو ترکوں سے بھی زیادہ ترک واقع ہوئے تھے جزیرے کی آزادی کو فنا کر دینے کی کوششوں سے صورت حال اور بھی سنگین ہو گئی۔ مئی کے آغاز میں ایک ترکی آغا قانیہ کے قریب ایک یونانی لڑکی کو بھگا لے گیا جس سے اہم مشکلات پیش آئیں۔ دول کی مداخلت نے قندیہ والوں کو اس امر پر مجبور کر دیا کہ وہ باب عالی کے مواعید باطل پر قناعت کریں۔ دو سال کے بعد والی سرتنسکی پاشا (Sartynskin Pasha) کی سازشوں نے مجلس کو

اس امر پر آمادہ کر دیا کہ وہ یونان کے ساتھ اتحاد کے مسئلے کو اُٹھائے ایسا کرو نو میں مسلح جلسے فوراً شروع ہو گئے اور ایک صوبہ داری کونسل نے یہ حکم دیدیا کہ محاصل کی ادائی سے انکار کر دیا جائے۔ باب عالی نے سابق وزیر مالیات جلال الدین پاشا کی معیت میں شاکر پاشا کو بہ حیثیت کمشنر جنرل قندیہ بھیجا۔ ۳ر جولائی ۱۸۸۹ء کو سرداران قندیہ نے شاہی کمشنروں کے نام ایک قسم کا اعلان جنگ بھیج دیا، جس میں حسب ذیل مطالبات کئے گئے تھے:۔

ولی کی برطرفی اور اس امر کی پابندی کہ ولی یونانی الاصل آرتھوڈاکس عیسائیوں سے، جو عثمانی رعایا ہوں، منتخب کیا جائے گا۔ جزیرے کی مالی آزادی۔ دیوانی امور کی ترمیم۔ ایک زرعی بنک کا قیام اور اس کو (۹۴) ہزار ترکی پاؤنڈ کی ادائی، جو شاہی خزانے پر جزیرے کے واجب الادا ہیں۔ بلحاظ تناسب آبادی ملازمتوں کی مسلمانوں اور عیسائیوں میں تقسیم جدید۔ عدالت اپیل کے کونسلروں اور عدالتوں کے ججوں کا مجلس کے مجوزہ ناموں میں سے بذریعۂ قرعہ اندازی انتخاب۔ جرائد کی آزادی۔ آزادی ضمیر۔ ضلع کدونیہ (Cydonia) کی دو حصوں میں تقسیم۔ سیاسی مجرموں کی عام معافی؛

ترکوں کی دیرینہ رسم کے مطابق اس موقع پر بھی بہت کچھ وعدے کئے گئے مگر پورا ایک بھی نہیں ہوا۔ مسلح جلسوں کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی ہر جگہ عیسائیوں اور مسلمانوں میں جھڑپ ہونے لگی۔ موخر الذکر شہروں میں آ گئے جہاں ان کو اکثریت حاصل تھی، پکارے گئے غیور (Giaours) کے استیصال کے نعرے لگانے لگے۔ استنبول میں مستحکم کارروائی اختیار کرنے کا ارادہ کیا گیا۔ بیشمار امدادی فوجیں قندیہ کو بھیج دی گئیں، اور مارشل شاکر پاشا، غیر معمولی گورنر جنرل ماہورہ کو جبر سے کام لینے کے متعلق احکام مل گئے۔ باغی، جن میں سے اکثر کے پاس نہ ہتھیار تھے اور نہ گولہ بارود، بیشمار ہوائی دستوں کا، جو مارشل نے ہر طرف بھیج دئے تھے، مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ ۱۸۹۰ء کے وسط تک تمام گروہ فرار ہو چکے تھے۔ جزیرے میں اگرچہ امن قائم ہو چکا تھا لیکن مصالحت کوسوں دور تھی حکومت نے معاہدۂ ہلیپا کی تنسیخ کے متعلق اپنے ارادے کا اظہار کر دیا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ ۱۸۹۱ء کے انتخابات کے وقت عیسائیوں نے

گروہ در گروہ ووٹ دینے سے احتراز کیا۔

شاکر پاشا مصالحت کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ اس کو واپس بلا لیا گیا۔ اس کے جانشینوں نے صرف بے موقع اور بے نتیجہ تشدد سے کام لیا جس سے بغاوت میں سرعت کے ساتھ ترقی ہوگئی اور ۱۸۹۶ء میں باب عالی نے ایک نئے غیر معمولی کمشنر جنرل "البانی الاصل" طرخان پاشا کا اس جگہ تقرر کر دیا۔ اس شخص نے ایک عام معافی کا حکم جاری کر کے نہایت ہوشیاری کے ساتھ اپنا کام شروع کیا۔ لیکن عیسائیوں کے مطالبات ویسے کے ویسے ہی رہے۔ اپنے نیک ارادوں کے ثبوت کے طور پر سلطان نے ایک البانی کیتھولک "برادیش پاشا" کو قندیہ کا ولی مقرر کر دیا۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس کے جنرل حسن پاشا کا بھی بہ حیثیت سیکنڈ ان کمانڈ تقرر کر دیا اور عبد اللہ پاشا، جو اس جزیرے کی ترکی افواج کا سپہ سالار اور طرخان پاشا کی طرح ولی کے اقتدار سے آزاد تھا، مارشل کا رتبہ (رینک) عطا کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ عام طور پر بغاوت پھیل گئی۔ جس کا انجام قانیہ اور قندیہ کے کشت و خون پر ہوا۔ طرخان پاشا کے متعلق یہ خیال پیدا ہو گیا کہ وہ بہت کمزور ہے چنانچہ اس کو واپس طلب کر کے اس کی جگہ ذہنی پاشا کا تقرر کر دیا گیا جو جماعت رجعی سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ شخص تمام یورپین خیالات کا دشمن اور سلطنت کی تمام عیسائی رعایا کی مراعات کا مخالف تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ یہ صرف ترکی زبان سے واقف تھا جس کی بنا پر ایک ایسے ملک میں اس کو کامیابی نہیں ہو سکتی تھی جہاں مسلمانوں کی کثیر تعداد یونانی زبان بولتی تھی۔

یونان میں سخت جوش پھیلا ہوا تھا۔ قندیہ کی کمیٹی نے، جس کے اجلاس اثینا میں ہو رہے تھے، رضاکار، اسلحہ اور سامان حرب و ضرب قندیہ کو بھیج دئے۔ عوام کا یہ مطالبہ تھا کہ جنگی بیڑا بھی قندیہ کو بھیج دیا جائے۔ یوروپین طاقتوں نے، جو یہ نہیں چاہتی تھیں کہ یونان اور ترکی میں لڑائی چھڑ جائے، مداخلت کی۔ انگلستان، فرانس، ایطالیہ اور روس نے خلیج سودہ میں اپنے اپنے جنگی جہاز بھیج دیے اور فوجوں نے جزیرے پر اتر کر بندرگاہوں پر قبضہ کر لیا (۲۱ فروری ۱۸۹۷ء)۔ یونان کو لڑائی سے روکنے کے بجائے چاروں طاقتوں کی اس مداخلت کی بنا پر

مصرونیتوں کی رفتار میں بے انتہا سرعت پھیل گئی۔ ۱۰ر فروری کو یونانی بیڑہ قندیہ کے سمندر میں داخل ہو گیا اور ۱۴ر کو کرنل فسوس (Vassos) لاقانیہ کے قریب چند بٹالینوں اور رضاکاروں کی ایک فوج کے ساتھ، جوان باشندگان قندیہ پر مشتمل تھی جو ترک وطن کر کے یونان میں اقامت پذیر ہو گئے تھے، خشکی پر اتر گیا۔ دول یونان کی فوجوں کو خشکی پر اترنے سے روکنے کے لئے یہ تدبیر کر چکی تھیں کہ انھوں نے ترکی سے یہ اعلان کرالیا تھا کہ اس نے یہ جزیرہ ان طاقتوں کے سپرد کر دیا ہے اور یہ کہ اس جزیرے کو اختیارات خود انتظامی عطا کر دیئے جائیں گے۔ جہازیں پھر سوار ہو جانے کا مطالبہ کئے جانے پر کرنل فسوس نے اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور یوروپین جہازوں نے اس کے مورچوں پر آتش باری شروع کر دی۔ کرنل فسوس جزیرے کے وسط کی طرف ہٹ گیا اور قندیہ پر یونان کے قبضے کا اعلان کر دیا۔ دولت علیہ ترکیہ نے جواب میں جنگ کا اعلان کر دیا (۱۸ر اپریل) ۹۷ء۔

ترکی نے تھسلی کی سرحدوں پر ادھم پاشا کی زیر کمان (۱۹۲) بٹالینیں اور (۳۵۰) توپیں جمع کر لی تھیں۔ یونانیوں کے پاس ان کے مقابلے کے لئے صرف (۳۵) ہزار آدمی تھے اور پھر ان لوگوں نے لڑائی کا بدترین طریقہ اختیار کیا۔ انھوں نے اپنی فوجوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، جو علٰحدہ علٰحدہ طور پر جنگ کا آغاز کرنے والی تھیں اور جو ایک قریب قریب ناقابل عبور پہاڑی سلسلے کے بیچ میں حائل ہو جانے کی وجہ سے ایک دوسرے سے قطعی علٰحدہ ہو گئے تھے۔ ایک حصہ جس میں پچیس ہزار آدمی تھے اپیرس کی سرحد پر اور دوسرا حصہ، جس میں پچاس ہزار آدمی تھے تھسلی کی سرحد پر متعین کیا گیا۔ پھر ستم ظریفی یہ تھی کہ یہ دوسرا حصہ پورے ڈیڑھ سو کلو میٹر کے رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔

جنگ، جو یونان کے لئے تباہی خیز تھی، تین حصوں پر منقسم ہو گئی تھی:۔

۲۰ تا ۲۳ر اپریل خود سرحد پر ۳ر تا ۵ر مئی فرسال (Pharsale) کے گرد و نواح میں اور ۱۷ر تا ۱۸ر مئی دوماقوس (Demokos) کے قرب و جوار میں یونان کی ہائی کمانڈ کی نااہلیت کی بنا پر ہر جگہ ترکوں کو فتح حاصل ہوئی۔ یہ واقعہ کہ ترکوں نے کس طرح

دماتوس پر قبضہ کیا اور کونسی تدبیر اختیار کر کے جنرل قسطنطینین کو کوہ اوتھرس (Othrys) کی پشت کی طرف پسپا کر دیا، اب تک ایک راز سربستہ ہے خصوصًا اس لحاظ سے کہ قدرتی طور پر دماتوس نہایت محفوظ مقام تھا اور اس کی مدافعت نہایت آسان تھی۔ اسی واقعے کے متعلق لفٹنٹ کرنل ہیلڈی کا بیان ہے کہ :۔ پانچ ترکی ڈویژنیں ایک ہی مرکز سے اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہوئیں تین فرسالؔ دماتوس اور لامیہ کے خط جنگ کے وسط میں، ایک کردستو (Kerdisto) سے روانہ ہو کر یمین پر اور دوسری ایوالی سے چل کر یسار پر یمین و یسار کے موثر حملے کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور وسط محاذ کے حملے کا بھی یہی حشر ہوا۔ یونانیوں نے حریف کے اس اضطراب سے فائدہ اٹھانے اور اپنی تمام قوت کے ساتھ یمین و یسار پر حملہ کر کے اپنی عارضی عددی فوقیت سے اس کو تباہ کر دینے کے بجائے، اپنے مورچوں کا تخلیہ کر دیا اور کول ڈیوٹرکا (Col du Tourca) کے راستے سے اس قدر پریشانی کے ساتھ لامیہ کی طرف پسپا ہو گئے کہ دوسرے دن بیشمار متفرق و منتشر گروہ نہ صرف لامیہ ہی سے گزر گئے، بلکہ انھوں نے اسپرکیاز (Sperkios) کو بھی عبور کر لیا"۔

ابھی ترکی فوج کے مقدمۃ الجیش نے کوہ اوتھرس کو اپنی مصروفیتوں کا آماجگاہ بنایا ہی تھا کہ ڈپلومیسی نے لڑائی کو روک دیا (۲۷ مئی) اور قسطنطنیہ میں توپ ہانی (Top Hane) کے مقام پر صلح کے لئے ایک کانفرنس کا انعقاد ہوا اور چار مہینے کی محنت طلب گفت و شنید کے بعد مبادیات صلح پر دستخط ہو گئے۔ (۱۸ ستمبر) اور پھر ترکی اور یونان کے مابین راست گفت و شنید کے بعد ۱۲ دسمبر کو صلح نامہ پر دستخط ہو گئے۔ ترکوں نے تسلی کا تخلیہ کر دیا لیکن سرحدات کے تشخص جدید سے بعض نہایت اہم جنگی مورچے ان کے ہاتھ آ گئے۔ اس کے علاوہ ایک سو ملین فرانک کا تاوان جنگ بھی ان کو ادا کیا گیا قندیہ کے متعلق دولت علیہ ترکیہ نے دول سے یہ استدعا کی کہ یہاں سے فوجیں ہٹالی جائیں کیونکہ ان کی موجودگی ترکی علاقے کے شاہی حقوق کے لئے ایک اہانت کی حیثیت رکھتی ہے"۔

حاصل کرنے کی خواہشمند تھی خواہ قومی اختیارات خود انتظامی کے ذریعے سے جیسا کہ بلغاریوں نے مطالبہ کیا تھا، خواہ یوروپین نگرانی میں حکومت کی مرکزیت کے اعدام سے۔ جان و مال کی حفاظت کے لئے فوری تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت تھی۔ باشندوں نے دول سے اپیل کیا لیکن دول کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ صلح میں رخنہ اندازی نہ ہو چنانچہ نہایت ہی بددلی کے ساتھ انھوں نے اس معاملے میں مداخلت کی اور مختلف مذاہب و قوموں کے تصادم کی بناپر آیندہ لاحق ہونے والی مشکلات سے ڈر کر انھوں نے اپنی مصروفیتوں کو قلیل ترین مراعات تک محدود کر دیا، جن سے ان کا خیال تھا کہ کم سے کم یہ اثر تو ہوگا کہ فی الحال باب عالی اور اس کی عیسائی رعایا کے خاص خاص امور ما بہ النزاع کا تصفیہ ہو جائے گا۔ دولت علیہ نے بجائے خود دول کی تحریکات کو نہایت آسانی کے ساتھ منظور کر لیا بلکہ خود ہی اس معاملے میں پیشقدمی بھی کی اور ایسے فرامین شاہی معرض ظہور میں آئے جن میں فیاضانہ قوانین نافذ کئے گئے تھے۔ لیکن انتظامی مشین اور ترکوں کی فطرت نے انھیں پہلے ہی سے ڈیڈ لیٹرس (Dead-letters) کی حیثیت عطا کر دی تھی۔ خط شریف گلہان کے بعد جو فرامین شاہی نفاذ اصلاحات کے متعلق جاری ہوئے، اُن کے اُن کی عدم تعمیل کے بیان کے ساتھ تذکرے سے زیادہ عجیب و غریب اور معنی خیز کوئی دوسرا تذکرہ نہیں ہو سکتا۔ اس تذکرے سے ترکی کی تاریخ کی بہت سی ایسی باتوں کی صراحت ہو جائے گی جو عجیب و غریب معلوم ہوتی ہیں۔

ایک اور سوال جو سب سے زیادہ مشکل اور دشوار تھا یہ تھا کہ اصلاحات کو عام اس سے کہ وہ کیسی ہی کیوں نہ ہوں کس طرح نافذ کیا جائے؟۔ اس امر کی ضرورت تھی کہ باشندوں کی تمام باتوں کو ترکی عہدہ داروں کی، جو ان تمام قانونی انتظامات کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے تھے، جو غیور (Giaours) کے حق میں مفید ہوتے تھے، مرضی پر چھوڑ دیا جائے نیز یہ کہ سلطان کے اقتدار شاہی کو کسی قسم کا صدمہ نہ پہنچنے پائے۔ قانونی امور کو ترک بہت کم سمجھا کرتے ہیں اور اسی طرح تحریری قوانین کی پابندی میں بھی بہت زیادہ غیر محتاط

واقع ہوئے ہیں لیکن وصول اقتدار کو وہ اچھی طرح سمجھ گئے ہیں اور اس میں نہ تو وہ کسی کو اپنا شریک وسہیم بنانے پر آمادہ ہوتے ہیں اور نہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کے اقتدارات محدود ہوجائیں حکومت کی خارجی صورت کو وہ اس قابل نہیں سمجھتے کہ اس پر اعتنا کیا جائے۔ جس مسئلے سے ان کو سب سے زیادہ دلچسپی ہے وہ یہ ہے کہ آیا وہ ملک کے مالک بھی ہیں یا نہیں ؟۔ اپنے اقتدار میں عیسائیوں کو شریک کر لینے کا آج تک ان کے دل میں خیال نہیں آیا ہے۔ اگر اس قسم کے ایثار پر ان کو مجبور کر دیا جائے تو وہ نہایت تاسف کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اب یہاں ہمارا کوئی اقتدار نہیں ہے"۔ اس جابرانہ نظم ونسق کو ختم کردینے کے لئے اس امر کی لازماً ضرورت تھی کہ بلقانی صوبوں کو اختیارات خود انتظامی عطا کر دیئے جائیں جن سے ان مظالم کا انسداد ہوجائے جن کو ترک عہدہ داروں نے ایک مستقل طرز حکومت قرار دے لیا تھا۔ یہ وہی بات تھی جس کو سلطان قطعی طور پر پورا نہیں کرنا چاہتا تھا گو اس نے اس کی تکمیل کے لئے عہد وپیمان کرلیا تھا۔

۱۸۷۶ء میں قسطنطنیہ کی کانفرنس کی مجوزہ اسکیم نے ترکی کے یورپین صوبوں کے اختیارات خود انتظامی کو مسلم قرار دے دیا۔ یہ اختیارات ویسے ہی مشترک نہیں تھے جن کا کہ متعدونیہ اور بلغاریہ کی کمیٹیوں نے زمانۂ مابعد میں سارافاف کی ترغیب پر مطالبہ کیا تھا بلکہ یہ سررشتہ واری اختیارات تھے۔ یا یہ کہنا چاہئے کہ محض ایک نمود سیمیائی تھی اس لئے کہ اتحاد متعدونیہ محض ایک افسانہ ہے۔ جن کا میدان عمل بہت محدود تھا اور جن کی بنا پر اس امر کا امکان تھا کہ مجلسیں، جو انتظامی اور معاشی مسایل پر متوجہ ہونے پر مجبور تھیں سیاسی امور کے بجائے مقامی ضروریات کے مطابق بعض قومی مسایل کو حل کریں گی۔ لیکن ان اختیارات کی صورت پذیری کو سلطان پر جس کی طاقت مطلق کو ان سے صدمہ پہنچتا تھا، منحصر کردینے کے یہ معنی تھے کہ ان کو آغاز ہی میں پامال کردیا جائے یہی وجہ تھی کہ کانفرنس نے اصول استقلال کے علاوہ یوروپین نگرانی کے متعلق یہ شرط بھی عائد کی تھی، کہ نفاذ اصلاحات کے وقت وہ صدارت کرے گی اور اسکی

ماتحت (۲) سے (۴) ہزار تک ایسی فوج ہوگی، جو یوروپین کن ٹن جنٹ سے لی گئی ہو۔ صوبہ جات میں باقاعدہ ترکی عساکر اور ایک مقامی فوج کی موجودگی سے سلطان کی داوریت کی پوری حفاظت تھی۔

اسکیم اصلاحات میں اقلیتوں کی قومی آزادی کی حفاظت کا بھی خیال رکھا گیا تھا مگر اس مسئلے پر کچھ زیادہ زور نہیں دیا گیا تھا۔ اس میں صرف قومیتوں کی مساوات ہی کے اعلان پر اکتفا کیا گیا تھا، جس کی غالباً یہ وجہ تھی کہ اندرون جزیرہ کی جنگ نے وہ صورت حال اختیار نہیں کی تھی، جو ۱۸۸۶ء کے بعد پیدا ہوگئی تھی۔ لہذا یہ پتہ چلانا مشکل تھا کہ اونٹ کس کل بیٹھے گا۔

ترکی نے دستور اصلاحات کی پابندی کرنے سے انکار کر دیا اور روس نے بزور شمشیر اس مسئلے کو طے کرنے کی ذمہ داری لے لی۔ کامیاب ہونے بلقانی باشندوں کے لئے اس کا پہلے کے بہ نسبت زیادہ مطالبات کرنا ایک طبیعی امر تھا لیکن برلن کانگریس نے، جس پر بلقانی قومیتوں کی مخالفتوں کا اثر غالب تھا، معاہدۂ سان اسٹیفانو کے مجوزات کو نہایت حقیر بنا دیا اس نے ترکوں اور عیسائیوں کے مناقشات کے مسئلے کو بالائے طاق رکھ کر صرف انتظامی، عدالتی، اور معاشی اصلاحات ہی سے بحث کی، جن کے نفاذ کا دارومدار سلطان ہی کی ذات پر رکھ دیا گیا تھا۔ معاہدۂ برلن کے فقرے (۲۳) میں یہ تحریر کیا گیا تھا کہ اسپیشل کمیشن، جن میں خودرو عناصر کی نمایندگی نہایت وسیع پیمانے پر کی جائے گی، نافذ ہونی والی اصلاحات کے متعلق مفصل اسکیمیں پیش کریں گی۔ اور یہ کہ یہ اسکیمیں مشرقی رومائلی کے یوروپین کمیشن ملاحظے میں پیش کی جائیں گی۔ باب عالی نے اپنے کو اس شرط کی پابندی سے آزاد کر کے خود ہی ایک عام قاعدہ اپنے لئے وضع کر لیا اور اس کو کمیشن کے روبرو پیش کر دیا۔ اس خیال سے کہ طوالت واقع نہ ہو کمیشن نے ترکی کے مجوزہ طرز عمل کو منظور کر لیا اور باب عالی کی مرتبہ اسکیموں کی نگرانی اپنے ہاتھ میں لے لی۔ کمیشن کے افعال پر یوروپین سیاسیات کے خیالات حاوی تھے اور اس سے مقصد یہ تھا کہ انقلابی تحریکات، کا جن کی بنا پر مسئلہ مشرق کو اہمیت حاصل ہو جانے کا قوی امکان تھا، انسداد ہو جائے۔ اسی بنا پر اس نے ایک ایسے مقام پر جہاں

مختلف قومیتیں، ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوششوں میں مصروف عمل تھیں۔ مشترکہ انتظامی اتحادات کے قیام کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نفرت اور حقارت کے جذبات کے ابھرنے اور خانہ جنگیوں کی آگ بھڑک جانے میں آسانیاں پیدا ہوگئیں۔ تاہم قانون ولایات (۲۳ اگست ۱۸۶۸ء) اور باب عالی اور یوروپین کمیشن کی مشترکہ جانفشانیوں میں اکثر زمانۂ حاضرہ کے اصول بھی شامل تھے، جن سے ان لوگوں کی آیندہ ترقیوں کے لئے بہترین بنیادیں قائم ہو جاتیں۔ اگر دیانت داری سے کام لیا جاتا تو ان تجاویز سے مابہ البحث صوبہ جات کے باشندوں کو ترقی کا بہت کچھ موقع مل جاتا۔ لیکن رومائلی کا قانون ولایات ایک ایسا مکتوب بنا رہا، جسکے مکتوب الیہ کا کوئی پتہ نہ ہو۔ اس قانون کے متعلق شاہی منظوری کبھی عطا نہیں کی گئی، اس کی اشاعت کبھی نہیں ہوئی اور اس کے نفاذ کے متعلق دول نے کبھی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔

مقدونیہ کے سلافیقی (Slavs) اور کوزو فلاقی (Couzo-valaque) عناصر پر ترکی افسروں اور فناری (Fanariote) پادریوں کے مشترکہ ظلم و ستم میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ بلغاریوں نے جن کی ۱۸۷۷ء و ۱۸۷۸ء کی خطائے جنگ کو ترکی نے کبھی معاف نہیں کیا، ۱۱ مارچ ۱۸۷۰ء کے فقرۂ (۱۰) کے نفاذ کا مطالبہ کیا۔ مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اس فقرے میں بلغاری اگزارکیٹ (Exarchate) کے قیام کے ساتھ ساتھ اس امر کی منظوری دی گئی تھی کہ ہر اس جگہ، جہاں دوثلث یا اس سے کچھ کم آرتھوڈاکس عیسائی باشندے اگزارک کی ماتحتی میں رہنا چاہیں، وہاں اس امر کی عام آزادی ہوگی۔ باب عالی نے مقدونیہ کے بلغاری باشندوں کے مطالبات پر کان بھی نہیں دھرا ساتھ ہی مقدونیہ میں بلغاری اُسقفوں کے تقرر کی اگزارک کو آزادی دینے سے انکار کر دیا۔ ریاست بلغاریہ، جس میں اب پھر تنظیم کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور جس پر روس کا اثر غالب تھا، مقدونیہ کے بلغاری باشندوں کی کسی طرح حمایت و اعانت نہیں کرسکتی تھی خصوصاً اس لئے کہ روسی اگزارک جوزف کو پسند نہیں کرتے تھے۔ روسیوں نے یہ سمجھا تھا کہ جوزف ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن جائے گا مگر اس باب میں انھیں سخت

مایوسی) ہوئی۔ خود حکومت روس، جو معاہدۂ سان استیفانو کی تکمیل کے بعد سے ضعیف ہوگئی تھی، یہ نہیں چاہتی تھی کہ مقدونیہ میں اصلاحات نافذ ہو جائیں اور اس طرح لوگوں کی شکایتیں رفع ہو جانے سے ترکی کے داخلی امور میں مداخلت کرنے کا روس کے لئے کوئی بہانہ باقی نہ رہے۔"

انقلاب فلبہ، جو ریاست بلغاریہ کے ساتھ مشرقی رومائلی کے اتحاد جدید کا ذمہ دار اور جو روس کے حدود کے باہر مصروف عمل تھا، سربیہ اور بلغاریہ کی کی لڑائی، پرنس بیٹن برگ کے حکومت سے دستکش ہو جانے کے بعد استامبولاف کی ڈکٹیٹر شپ (اگرچہ اب تک یہ نہیں معلوم ہو سکا ہے کہ کس دباؤ کی بنا پر یہ صورت حال واقع ہوئی تھی) غرض ان تمام باتوں سے مسئلۂ مقدونیہ میں ایک بھونڈی تبدیلی واقع ہو گئی تھی۔ بلغاری پروپاغنڈا نے، جس کے علمبردار اس وقت تک اسقف، پادری اور معلمین تھے، ایک نیا راستہ اختیار کر لیا تھا۔ صوفیہ کی انجمن ہائے مقدونیہ کی مصروفیتوں کی بنا پر اس پروپاغنڈا نے مذہبی اور تعلیمی حیثیت کے بجائے اب بالکلیہ سیاسی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ ان لوگوں کو مدرسین کے طبقے میں بہترین مددگار مل گئے تھے، جو اگزارکیٹ کے پیروؤں میں بلغاری احساسات قومی پیدا کر دینے کے درپے تھے۔"

بلغاریہ کو ایک مستقل ریاست قرار دیدینے کے بعد سے، ریاست کے بلغاری مقدونیہ کو ایک ایسا خطہ سمجھنے لگے تھے، جس کو نجات دلانا داخل فرض تھا۔ برخلاف اس کے مقدونیہ کے بلغاری صوفیہ پر تاک لگائے بیٹھے تھے۔ ہزارہا باشندگان مقدونیہ، جن میں مزدوروں اور کاشتکاروں کی زیادہ تعداد ہوتی تھی، محنت مزدوری کے لئے گرمیوں کے موسم میں بلغاریہ چلے جاتے تھے اور جاڑوں میں پھر واپس آجاتے تھے اس گھٹتی بڑھتی رہنے والی آبادی کے علاوہ مقدونیہ کے بے شمار خاندانوں نے، جن میں اعلیٰ طبقے کے افراد بھی شامل تھے، ترکوں کے مظالم سے عاجز آکر بلغاریہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ فوج کے ادنیٰ عہدوں پر مقدونیہ والوں کا تقرر کیا جاتا تھا، جو اپنی بہم جو فطرت کی بنا پر، ناک بھوں چڑھا کر روسی افسروں کی سختیوں کو برداشت کر لیتے تھے۔ اس طرح اہل مقدونیہ میں ان واقعات میں،

جو انقلاب فلبہ کے بعد ظہور پذیر ہوئے، نمایاں حصہ لیا تھا سلیسترہ اور پیرات کی فتحوں سے بلغاریوں کو بہت کچھ مغالطہ ہو گیا تھا ان کے دلوں میں ریاست کی حدود کے باہر پھیل جانے کا خیال پیدا ہو گیا تھا اور وہ بلغاریہ عظمیٰ کی انھیں سرحدوں کو پھر قائم کر دینا ضروری تصور کرنے لگے، جو معاہدۂ برلن کی رو سے توڑ دی گئی تھیں۔ اس کے برخلاف استامبولاف نے، جس کا تمامتر انحصار مقدونین عنصر پر تھا، جس کو اپنی فوجی تعداد غالب کی بنا پر بلغاریہ کو بہت کچھ رسوخ اور اثر حاصل تھا، مقدونین کمیٹیوں کو اس امر کی کامل آزادی دیدی تھی کہ وہ جس طرح چاہیں کام کریں۔ استامبولاف کی شرکت کی بنا پر ان کمیٹیوں نے ایک قومی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ یہ کمیٹیاں اب سلافیتی اور آرتھوڈاکس اخوت کی تمام باتیں چھوڑ چکی تھیں اور دلیری کے ساتھ سیاسی آزادی کے مغربی خیالات کو آگے بڑھا رہی تھیں۔ بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ وہ عام سلافیتی مفادات کا خاص بلغاری مفادات سے جواب دیتی تھیں یہ پالیسی بہر حال بلغاریہ میں تشدد کے ساتھ شروع نہیں ہوئی اور اس کی بنا پر یہ معلوم ہو گیا کہ اگزارکیٹ کے افعال کی حمایت کے ساتھ ساتھ بلغاری قومیت کو مقدونیہ میں کس طرح وسعت دیدی جائے۔ استامبولاف کی عیارانہ مداخلت کا مشکور ہونا چاہئیے کہ مقدونیہ میں تین جدید اسقفوں کی تقدیس کے متعلق ترکی کی منظوری حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی اور اس طرح یونانیوں پر ایک کاری ضرب پڑی۔

استامبولاف کے زوال کے بعد مقدونین کمیٹیوں اور روس کے مابین زیادہ تر مخالفت پیدا ہو گئی جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ تمام روس پسند وزراء جن کو صوفیہ میں اقتدارات حاصل ہوئے، ان کمیٹیوں کے شدید مخالف تھے۔ وسط مقدونیہ کے استقلال اور خود مختاری کی پالیسی کو مقدونیہ کے بلغاریوں کی بلغاریہ اور مقدونیہ کو متحد کر دینے کی پالیسی نے رفتہ رفتہ بالکل دبا دیا بالخصوص اس زمانے میں جبکہ اس تحریک کا انتظام داخلی تنظیم کے ہاتھوں میں تھا۔ صوفیہ کی مرکزی کمیٹی ایک عضو معطل بن کر رہ گئی۔ جس زمانے میں کہ رومانی حکومت کے مطالبے پر روس پسند وزیر، قراویلاف دانیف (Karaveloff-Daneff) نے

سارا فاف (Saragoff) پر پروفیسر ماہے لیسکو (Mahailesen) کے قتل میں شرکت و اعانت کا الزام لگایا اور مرکزی کمیٹی کی صدارت اس سے چھین لی گئی۔ متقدونین کمیٹیوں نے اس امر کو ظاہر کر دیا کہ مقدونیہ کے استقلال اور خود مختاری کا مطالبہ ان کا مقصد اولین ہے۔

سیاسی استقلال کا خیال بلغاریہ کے ساتھ اتحاد کے خیال سے پیدا ہوا تھا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد جب بلغاریہ میں سیاسی ارتقا کی تکمیل ہو چکی تو تنظیم داخلی نے، بورس سارافاف (Boris Sarafoff) اور اس کے شرکا کی امداد و اعانت حاصل ہو جانے پر اس اصول کا کہ "مقدونیہ مقدونیہ والوں کے لئے ہے" اور اپنے اس ارادے کا کہ وہ بلغاریہ کے لئے نہیں بلکہ مقدونیہ کے لئے اپنی کوششوں سے کام لے گی اعلان کر دیا۔ مقدونیہ کے استقلال اور خود مختاری سے یہ فائدہ بھی تھا کہ ملک میں حلقہائے اثر کے قیام کا سد باب ہو جاتا، جو در اصل خارجی ہمسایوں کے مابین ملک کی تقسیم کی ایک تمہید تھی۔ برخلاف اس کے مرکزی استقلال اتحادی کا یہ نتیجہ ہوتا کہ بلغاریہ والوں کے فائدے کے لئے صوبے کی غیر قابلیت تقسیم کے متعلق اصول مرتب ہو جاتے۔ مقدونیہ کے استقلال اور خود مختاری کے متعلق اسی بنا پر دوسری قومیتوں میں نزاع پیدا ہو جاتی۔ تنظیم داخلی اور سارافاف کمیٹی نے ہر چند شور مچایا کہ وہ بلغاریہ کے لئے نہیں بلکہ مقدونیہ کے لئے مصروف عمل ہیں لیکن ان کی ایک نہیں چلی۔ انھوں نے اس امر کا دعویٰ کیا کہ ایک مستقل مقدونین قومیت موجود ہے لیکن تاریخ اور علم نسل انسانی کے ذریعے سے ان کے تمام دعووں کی تردید کر دی گئی۔ ان اتفاقات سے مخالفین کی تشفی اس لئے نہیں ہوئی کہ بلغاری استقلالی نظام العمل میں اکثریت رکھنے والی قومیت میں سے گورنر منتخب کرنے کی اجازت دی گئی تھی اور یہ بیان کیا گیا تھا کہ اسی قومیت کی زبان سرکاری زبان تسلیم کی جائے گی۔ ان تمام باتوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ ترکی تسلط کے بجائے بلغاری تسلط قائم ہو جائے کوزو ولاشی (Couzo-Wallachian) طبقہ یونانیوں سے متنفر ہونے کی بنا پر نہایت خوشی سے ان کا شریک حال ہو گیا۔ روسی قونصل موسئے روس توس کی (Mons. Rostousky) اور فرانسیسی قونصل

مدسیوشوبلیئے کے مرتب کردہ اعداد و شمار کے مطابق ولایت میں حسب ذیل قومیتیں آباد تھیں:—

(۱۸۶٫۶۵۶) اگزارکیٹ سلافیتی۔ (۹۳۶۹۴) بطریقی (Patriarchists)

(۹۷٫۴۳۷) آرتھوڈاکس۔ (۵۳٫۲۲۷) کوزو ولاشی۔

ولایت سالونیکا کی آبادی حسب ذیل تھی:—

(۲۴۳٫۰۰۰) اگزارکیٹ سلافیتی۔ (۱۳۱٫۰۰۰) بطریقی۔ (۲۳٫۰۰۰) کوزوولاشی۔

(۱۳۰٫۰۰۰) یونانی۔

ولایت کسافو (Kossoro) کے ضلع میں، جو مقدونیہ کا ایک حصہ تھا، یعنی سربیۂ قدیم کے باہر حسب ذیل آبادی تھی:—

(۱۹۲٫۰۰۰) اگزارکسٹ سلافیتی۔ (۶۲۰۰۰) بطریقی۔ کسافو اور منستیر (Monastir) کی ولایتوں میں سربیہ اور بلغاریہ کے مابین جو جنگ واقع ہوئی وہ انھیں بطریقی سلافیتیوں کے متعلق تھی۔ سربیۂ قدیم اور ولایت سالونیکا کا جس حد تک تعلق ہے، اس معاملے میں کسی قسم کا تذبذب اس لئے نہیں ہے کہ سنجک پلولی (Pleole) نوی بازار (Novi-Bazar) اپیک (Ipak) اور متروٹش (Mitrovitz) کے ایک لاکھ سینتالیس ہزار آرتھوڈاکس یقیناً سربی باشندے ہیں اور اسی طرح ولایت سالونیکا کے ایک لاکھ اکتیس ہزار بطریقی سلافیتی باشندے یقیناً بلغاری الاصل ہیں۔ سلافیتی باشندے مسلمان آبادی کے ایک کثیر حصے کو بھی، جو بجبر مسلمان کئے جانے والے عیسائیوں کی نسل ہیں سلافیتی باشندے شمار کئے جانے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اس قسم کے مسلمانوں کی تعداد حسب ذیل ہے:

سربیۂ قدیم اٹھانوے ہزار، جو سب کے سب سربی الاصل تھے۔ ولایت کسافو کے متقدونین حصے میں اٹھاون ہزار۔ ولایت منستیر میں گیارہ ہزار نوسو بیالیس۔ ولایت سالونیکا میں اٹھاسی ہزار، جو سب کے سب بلغاری الاصل تھے — یہ واقعہ ہے کہ مذہب، جو قومی تعلقات سے زیادہ قوی ہے، مسلمانوں اور عیسائیوں میں ہمیشہ ایک ناقابل عبور سد راہ بنا رہا ہے۔

یونانیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کو ایک خطرناک عددی فوقیت اس لئے

حاصل ہے کہ وہ تمام لوگ، جو آرتھوڈاکس مذہب رکھتے ہیں، یونانی ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے ان کے یہ تمام دعوے باطل واقعے کے بالکل خلاف ہیں۔ نشیبی مقدونیہ میں جس حد تک وہ مطالبہ کر سکتے ہیں وہ جزیرہ نمائے جلقیس (Chalchis) اور مغربی ساحل پر ایک چھوٹا سا علاقہ ہے۔ ترک قبیلوں کی صورت میں ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں اور ان کو کم و بیش اہمیت حاصل ہے۔ ان میں سے خاص خاص قبیلے حسب ذیل ہیں:۔

سالونیکا کے شمال میں وردر (Vardar) اور قرہ سو (Kara-son) کے وسط میں۔ استرومیتزہ (Stroumitza) منستیر، اسکوب (Uskub) وغیرہ میں۔ مقدونیہ میں بلغاریوں کو سب سے زیادہ اکثریت حاصل ہے اور جب عیسائیوں کی قابل افسوس حالت کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو اس سے بلغاری مراد ہوتے ہیں۔ یونانی مذہبی تعصب سے اندھے ہو کر ترکوں کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ بطریقیت فنار (Fanar) نے مقدونیہ میں اپنے تمام پادریوں کے نام ایک اعلان بھیجا تھا، جس میں ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے پادریوں اور ان کے پیروؤں پر یہ فرض عائد کر دیں کہ وہ ہر اس بلغاری کو مردود قرار دیدیں، جس کے متعلق ان کو یہ شبہہ ہو کہ مقدونین کمیٹیوں سے اس کے تعلقات ہیں۔

ستمبر ۱۸۹۵ء میں ایک بغاوت، جس کی بانی صوفیہ کی مرکزی کمیٹی تھی بلغاری افسروں کی زیر ہدایت برپا ہو گئی۔ اگزارک نے اس کی بہت کچھ مخالفت کی مگر اس کی ایک نہیں چلی تمام مدرسین اور خود پادری بھی اس کے حلقۂ اثر سے خارج ہو چکے تھے، اگرچہ ظاہر ان کی طرف سے یہی کیا جاتا تھا کہ اُن کے دلوں میں اس کا بہت کچھ احترام ہے۔ لیکن ریاست کی جس خفیہ امداد پر باغیوں کا تمام تر دارومدار تھا، وہ اس لئے ان کو نہیں مل سکی کہ پرنس فرڈینانڈ پر روس کا اثر حاوی تھا اور روس یہ نہیں چاہتا تھا کہ ملقانی امن و صلح میں رخنہ اندازی واقع ہو بغاوت فرو کر دی گئی اور مارچ ۱۸۹۶ء میں باب عالی نے پرنس فرڈینانڈ کو بلغاریہ کا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ پرنس نے اس کے دوسرے سال قسطنطنیہ میں سلطان کی خدمت میں باریابی حاصل کی، جس کے نتیجے میں ولایت ہائے رومائلی میں اصلاحات کے

متعلق ایک جدید شاہی فرمان[1] نافذ ہوا۔ اصلاحات کی اس اسکیم کا بھی وہی حشر ہوا، جو سابقہ اسکیم کا ہو چکا تھا۔ صرف اگزارک کو جس کی شکایتوں کی صدائیں بڑھتی چلی جا رہی تھیں، خاموش کر دینے اور بلغاری پادریوں کو انقلابی تحریک سے علیحدہ کر لینے کے خیال سے، سلطان نے ۱۸۹۷ء کے اختتام پر بطریق کو آستروومیزہ، منستیر اور دبرمین (Debre-mein) میں تین اسقفوں کے تقرر کی اجازت دیدینے کا ارادہ کیا۔ یہ تمام باتیں ناکافی تھیں۔ مقدونیہ کی صورت حال روز بروز ابتر اور اس کی حیثیت ایک خونین غدر کی سی ہو رہی تھی کہ مغربی دول کے اعتراضات میں اور زیادہ شدت پیدا ہو گئی اور سلطان نے ایک ایسی چال چلنے کا ارادہ کیا، جس کو وہ اپنی دانست میں نہایت حیرت انگیز سمجھتا تھا۔ نومبر ۱۹۰۲ء میں ایک یادداشت "صوبہ جات رومایلی میں نفاذ اصلاحات کے متعلق شایع ہوئی، جس میں ایک مشترک جندارمہ کی تنظیم اور کسی وزارت کا منصب رکھنے والے شخص کا بہ حیثیت انسپکٹر جنرل آف ریفارمس تقرر امور خاص کی حیثیت رکھتے تھے"؛

آسٹریا ہنگری اور روس نے، جن کو یورپ نے مسئلۂ مقدونیہ کی ترتیب کا اپنی طرف سے مجاز قرار دیدیا تھا، اس کو کافی نہیں سمجھا اور ۲۱ فروری ۱۹۰۳ء کی ایک یادداشت میں انھوں نے اصلاحات مطلوبہ کے متعلق ایک دستور اساسی کا اعلان کیا۔ لیکن مقدونیہ کے بلغاری باشندے اس کا انتظار نہیں کر سکتے تھے اور ۲۵ جولائی کو تنظیم داخلی کے سردار گروایف (Grouyeff) اور سارافاف نے منستیر کے قریب پیرستری (Peristeri) میں بغاوت کا اعلان کر دیا۔ ۲۲ اکتوبر کو آسٹریا اور روس کے سفیروں نے باب عالی کے نام ایک یادداشت روانہ کی، جس میں ان کے فیصلہ جات مندرج تھے۔ اس یادداشت کو مرزطاغ نظام العمل اس مقام کے لحاظ سے کہا جاتا ہے جہاں یہ فیصلے کئے گئے تھے؛

---

[1] ۲۲ اکتوبر کو آسٹریا ہنگری اور روس کے سفیروں، کاونٹ گولوچوسکی (Golachowski) تقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ

اصلاحات مقدونیہ کی ناکامیابی۔ انگریزی و روسی معاہدہ۔ دولت علیہ ترکیہ کے ہاتھ سے نظم و نسق کا نکل جانا۔

۲۴ نومبر کو باب عالی نے یہ دیکھ کر کہ مقاومت سے کچھ کام نہیں چل سکتا، آسٹریا اور روس کے مجوزہ نو امور کو منظور کر لیا۔ ۸ دسمبر کو آسٹریا اور روس نے اپنے اپنے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اور کاؤنٹ لیمس ڈارف (Lamsderf) نے جو یادداشت باب عالی کے نام روانہ کی تھی، اس میں حسب ذیل امور شامل تھے:-

(۱) جس حد تک اصلاحات کا تعلق ہے مقامی ترکی عہدہ داروں کی مصروفیتوں پر نگرانی قائم کی جائے۔ حلمی پاشا کی اعانت کے لئے، جس کو انسپکٹر جنرل کے ساتھ ہر ایک مقام پر جانا پڑے گا، آسٹریا ہنگری اور روس کے خاص خاص سولین عہدہ داروں کا انتخاب کیا جائے۔ یہ لوگ انسپکٹر جنرل کی توجہ عیسائی آبادی کی ضروریات کی طرف مبذول کریں گے۔ مقامی عہدہ داروں کے غلط افعال سے اس کو آگاہ کریں گے۔ ان امور کے متعلق جو سفارشیں کی جائیں گی ان کو قسطنطنیہ کے سفیروں کے پاس بھیجیں گے اور ملک کے تمام واقعات سے اپنی اپنی حکومتوں کو مطلع کریں گے۔

ان ایجنٹوں کی امداد کے لئے سکریٹری اور ترجمان نامزد کئے جا سکتے ہیں، جو ان کے احکام کی تعمیل کریں گے اور جن کو اضلاع میں عیسائی مواضعات کے باشندوں سے استفسارات کرنے کی غرض سے دورے کا اور مقامی عہدہ داروں وغیرہ کی نگرانی کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔ سول کارکنوں کا فرض نفاذ اصلاحات کی نگرانی اور آبادیوں کی مصالحت کرانا ہوگا۔ ان کے اختیارات تاریخ نامزدگی سے دو سال کے بعد منسوخ ہو جائیں گے۔ باب عالی کو مقامی عہدہ داروں کے نام ان کارکنوں کے لئے تمام قسم کی سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے احکام جاری کر دینے چاہئیں۔

(۲) چونکہ ترکی پولیس کی تنظیم میں ملک کی مصالحت کا ایک بڑا راز مضمر ہے

سول ایجنٹوں کا انتخاب کرلیا اور دوسری طاقتوں نے بھی ان کی تقلید شروع کردی۔

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ اس امر کی فوری ضرورت ہوگی کہ باب عالی سے نفاذ اصلاحات کا مطالبہ کیا جائے خصوصاً اس لحاظ سے کہ سوئیڈش اور دوسرے عہدہ دار جواب تک مقرر کئے جاچکے ہیں مقامی حالات اور زبان سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے کارآمد ثابت نہیں ہوئے ہیں۔ ابتدائی اسکیم میں حسب ذیل ترمیمات مناسب ہیں:۔ تینوں ولایتوں میں جنڈارمہ کی تنظیم جدید کا کام ایک ایسے خارجی قومیت رکھنے والے جنرل کے تفویض کیا جائے گا، جو امپیریل آٹومان گورنمنٹ کا ملازم ہو۔ اس جنرل کی ماتحتی میں دول عظمیٰ کے بعض فوجی اشخاص دئے جائیں گے جو باہمی طور پر اس امر کا تصفیہ کریں گے کہ بہ حیثیت کنٹرولرس، انسٹرکٹرس اور آرگنائزرس وہ کون کون سے اضلاع میں اپنی مصروفیتوں کا آغاز کریں گے۔ اس صورت سے وہ اپنی دوسری مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی پتہ چلاسکیں گے کہ باشندوں کے مقابلے میں فوج کا کیا طرزعمل ہے۔ بشرط ضرورت ان افسروں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ خارجی قومیت کے زائد افسروں یا ذیلی افسروں کے تقرر کا مطالبہ کریں۔

(۳) ملک کے ایک حصے میں امن قائم ہوتے ہی باب عالی سے انتظامی افراد کے ٹیری ٹوریل ڈی لی می ٹیشنس کی ترمیمات کا مطالبہ کیا جائے گا تاکہ مقامی خود مختاریوں کی اور بھی زیادہ ترتیب عمل میں آسکے۔

(۴) اسی کے ساتھ ساتھ سیاسی اور عدالتی امور کی تنظیم جدید کا، جس میں مقامی عیسائیوں کی شرکت پسندیدہ تصور کی جائے گی نیز مقامی خود مختاری کی ترقی کو بہ نظر استحسان دیکھنے کا بھی مطالبہ کیا جائے گا۔

(۵) ولایتوں کے خاص خاص مرکزوں میں مشترک کمیشن قائم کئے جائیں گے، جن میں مسلمانوں اور عیسائیوں کی تعداد مساوی ہوگی اور جو اس امر کی تحقیقات کریں گے کہ بدامنی کے زمانے میں کون کون سے سیاسی اور دوسرے جرائم کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ آسٹریا ہنگری اور روس کے نمایندگان قونصل خانہ جات ان کمیشنوں میں حصہ لیں گے۔

(۶) دولت علیہ ترکیہ سے رقوم کا اس غرض سے مطالبہ کیا جائے گا کہ جن عیسائی خاندانوں نے بلغاریہ یا دوسرے مقامات میں پناہ لی ہے۔ ان کو اپنی اپنی بستیوں میں پھر آباد کردیا جائے نیز ان

یوروپین سول ایجنٹس کی مصروفیتوں کے باوجود جن کا ترکی عہدہ دار نہایت لطیف پیرائے میں مضحکہ اڑاتے تھے، صورت حال میں کوئی اصلاح واقع نہ ہونے پر دول نے ۲۲ر اکتوبر ۱۹۰۳ء کا ایک اور نوٹ مرتب کیا، جس میں باب عالی سے مالی محتفظین (فینانشیل کنٹرولرس) کے انتخاب کا اس لیے مطالبہ کیا گیا تھا کہ صرف روپیئے ہی کے زور سے ترکوں پر قابو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ باب عالی نے اس مطالبے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ نومبر ۱۹۰۵ء میں جنگ کا اعلان کردئے جانے پر باب عالی نے نوٹ کو تسلیم کر لیا اور ۶ر دسمبر کو منظوری دیدی گئی۔ اس کے جواب میں تلافی کے طور پر دول اندرونی کروڑگری کی مد میں تین فیصد

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ عیسائیوں کی امداد کی جائے، جن کا مال اور اسباب اور جن کے مکانات تلف ہوگئے ہیں اور ان مکانوں، گرجاؤں اور مدرسوں کو از سر نو تعمیر کرا دیا جائے، جن کو بغاوت کے زمانے میں ترکی فوج نے منہدم کر دیا ہے۔ ایسے کمیشنوں کا تقرر عمل میں لایا جائے گا جو عیسائی مشاہیر پر مشتمل ہوں اور جو یہ تصفیہ کریں کہ روپیہ کس طرح تقسیم کیا جائے۔ آسٹریا ہنگری اور روس کے سفیر اس کام پر اپنی نگرانی رکھیں گے۔"

(۷) ان عیسائی مواضعات میں، جن کو ترکی باشی بزوک نے نذر آتش کر دیا ہے، دوبارہ بس جانے والے عیسائی باشندوں کو ایک سال کے لیے تمام محاصل سے مستثنیٰ کر دیا جائے گا۔"

(۸) دولت علیہ عثمانیہ از سر نو اس امر کا وعدہ کرے گی کہ گزشتہ فروری میں جن اصلاحات کی تجویز کی گئی تھی ان کو نیز ان اصلاحات کو جن کی آئندہ ضرورت لاحق ہو بغیر کسی تعویق کے نافذ کر دیا جائے گا۔"

(۹) البانیہ والوں پر جو مظالم ہوئے ہیں ان میں زیادہ تر ایسے ہیں جو دوسرے درجے کے رضاکاروں اور باشی بزوک کے افعال پر مبنی ہیں لہذا اس امر کی فوری ضرورت ہے کہ اول الذکر کو منتشر کر دیا جائے اور ثانی الذکر کی گروہ بندی قطعی ممنوع قرار دیدی جائے۔"

مزید محصول اور یورپ سے آنے والے اسباب تجارت پر آٹھ فیصد بحساب قیمت مال کے سات سال تک عائد کئے جانے سے اتفاق کرلیا۔ آمدنی کے تمام تر مقدونیہ کی تینوں ولایتوں، سالونیکا، مناستیر اور اسکوب کے اخراجات میں صرف کئے جانے کے متعلق تصفیہ ہوا اور خارجی تجارت نے باب عالی کی بدانتظامیوں کے اخراجات ادا کئے۔ یہ درست ہے کہ دول نے ۱۸ مئی ۱۹۰۶ء کی ایک یادداشت میں سائرات کے محصول کو حسب ذیل شرائط کا ماتحت قرار دیدیا تھا:-

(۱) ان قوانین کی نظر ثانی، جو ترکی میں یورپین تجارت کے لئے مضر ہیں مثلاً قانون سائرات، قانون معادن، قانون تجزیۂ پیداوار در محاصل خانہ جات سرکاری۔ قانون ذخیرۂ پیٹرول۔

(۲) دولت علیہ اس امر کی موثر ضمانت دیگی کہ محاصل کے اضافے سے جو آمدنی ہوگی اس میں سے اپنے حصے کی پچیس فیصد رقم پبلک ڈیٹ (Public Debt) کے لئے وقف کردی جائے اور بقیہ ترکوں کے استعمال میں آئے اور یہ کہ جو حصہ حکومت کو ملے گا وہ سب کا سب رومائلی کی تینوں ولایتوں کے موازنہ (بجٹ) کی کمی کے پورا کرنے میں صرف کیا جائے گا۔

(۳) دولت علیہ اس امر کا معاہدہ کرے گی کہ محاصل خانہ جات کی بقا کی غرض سے اسٹامپ کی شکل میں یا کسی دوسرے قسم کے کوئی جدید محاصل عائد نہیں کئے جائیں گے۔

اِن تمام باتوں کے باوجود مقدونیہ میں جو کچھ ہورہا تھا اس کی حیثیت تلوار کے ان زخموں سے زیادہ نہیں تھی، جو پانی کی سطح پر لگائے جائیں۔ ہر چیز کی حالت بد سے بدتر ہورہی تھی اور دول کی، جن کو اس فرض کے انجام دینے کی طرف سے، جس کی انھوں نے ذمہ داری لی تھی، یاس شروع ہوگئی تھی یہ نوبت پہنچ گئی تھی کہ انھوں نے اس امر کا اعلان کردیا کہ اگر بلغاری، سربی اور یونانی (یہ اور بات ہے کہ وہ البانیوں اور ترکوں کا نام لینا بھول گئے) باشندوں نے حمیدی چابکدستیوں کے نیچے بھیڑوں کی طرح تحمل اور مسکینی سے کام نہیں لیا تو

اصلاحات کے متعلق وہ کسی طرح ذمہ دار نہیں ہوں گی"۔

۲۷ نومبر ۱۹۰۶ء کو میں نے اس مضمون پر مارسیلیز کے جریدہ سیمافور (Semaphore) کو حسب ذیل تحریر بھیجی تھی:۔

"مرز طاغی اسکیم کے فقرہ ۳ کی عبارت یہ تھی:۔ "ملک کی مصالحت کی تکمیل کے بعد ہی مختلف قومیتوں کی ایک باقاعدہ تر گروہ بندی کی غرض سے دولت علیہ ترکیہ سے انتظامی یکسانی کی ملکی سرحدوں میں بعض ترمیمات کا قطعی مطالبہ کیا جانا چاہئے"۔ سوال یہ ہے کہ مصالحت کا فرض کس کے ذمے عاید کیا جانا چاہئے؟۔ یہ فرض اصلاح سازدول کے ذمے عاید ہونا چاہئے خصوصاً اس لئے کہ مصالحت کو ترکی مقتدرین کی بد انتظامیوں کے انقطاع کا ماتحت قرار دیا گیا تھا، جن کے مظالم نے برہم شدہ عیسائیوں کو ہتھیار اُٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔ مرز طاغی اسکیم میں اس صورت حال کو اس حد تک تسلیم کیا گیا تھا کہ فقرہ ۱ میں "ملکی مصالحت کی ایک نہایت ضروری تدبیر" کی حیثیت سے ترکی جندارمہ اور پولیس کی تنظیم پر زور ڈالا گیا تھا۔ اس جندارمہ کے فرائض یہ قرار دیئے گئے تھے کہ امن وانتظام قائم کیا جائے اور جان ومال کی حفاظت کی جائے اور اس کے متعلق یوروپین افسروں پر بھی یہ ذمہ داری عائد کی گئی تھی کہ وہ باشندوں کے مقابلے میں افواج کے طرز عمل پر نگرانی رکھیں"۔ اس جندارمہ کی کاغذی تکمیل بھی اب تک عمل میں نہیں آئی ہے۔ اور یہ مقدونیہ کے عیسائی باشندوں کا قصور نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک خونین غدر سے ایسا ملک تباہ ہو جاتا ہے جہاں بیگانے عناصر ایک دوسرے کے خلاف مصروف مصاف ہوں لیکن یہ غدر خود ترکوں کا پیدا کیا ہوا اور نہایت ہوشیاری کے ساتھ مستقلاً قایم کیا ہوا ہے، جنھوں نے سلطنت کے ان دشمنوں پر زیادہ آسانی کے ساتھ فتح حاصل کرنے کی غرض سے عیسائیوں کو ایک دوسرے کے خلاف ابھار دینے میں نہایت فراست سے کام لیا ہے۔ یہی دشمن اگر متحد ہو جاتے تو سلطنت کے لئے ایک صعب ترین خطرہ پیدا ہو جاتا مگر اب یہی لوگ ہیں کہ ایک دوسرے کو قتل کر کر کے اس سلطنت کی آسودگی کا کھیل کھیل رہے ہیں"۔

اگر ڈپلومیسی کا یہ خیال تھا کہ باغی گروہوں کی مصروفیتیں مرزطاغی نظام العمل کے فقرہ ۲ کی غلط تعبیرات کا نتیجہ ہیں، اگر دول یورپ یہ باور کرتی تھیں کہ کمیتاجیز، عام اس سے کہ وہ کسی قومیت سے تعلق رکھتے ہوں، اپنے طرزعمل کو یورپ کی چانسلریوں کے آشفتہ حال قیاسات پر قائم کررہے ہیں تو وہ سخت غلطی میں مبتلا تھی۔ عیسائی قومیتوں میں اُس میثاق کے معرض ظہور میں آنے سے کہیں پہلے سے لڑائی جاری تھی اور یہ ترکی نظم ونسق ہی کا ظلم وجور تھا، جس نے اہل بلغاریہ کو بغاوت پر برانگیختہ کردیا تھا۔ یہ اہل البانیہ کا کیا ہوا کشت وخون ہی تھا، جس نے سربی گروہ بندیوں کے قیام کا اشتعال دلایا تھا۔ یہ تمام مقدونیہ کے بلغارستان کے خلاف تنظیم داخلی کا کیا دھرا ردعمل ہی تھا، جس نے یونانی جتھا بندیوں کی تشکیل کی تھی، جن کی پہلے پہلے خود حکومت ترکیہ بھی طرفدار تھی۔ یہ نفاذ قومی ہی کے لئے لڑائی تھی، جس نے عیسائیوں کو ترکوں کے خلاف مسلح اور ساتھ ہی ایک دوسرے سے نبرد آزما بھی کردیا تھا۔ مقدونیہ کی خوں ریزیاں ایک ایسے فقرے کی غلط تعبیرات سے واقع نہیں ہوئی تھیں۔ جس کے وجود کا اہل مقدونیہ کو گمان بھی نہ تھا۔ بلکہ یہ نتیجہ تھا موعودہ اصلاحات کے عدم نفاذ اور ایفائے عہد کے متعلق ڈپلومیسی کی بے بسی۔ بلکہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ڈپلومیسی کی بدخواہشات کا۔

علاوہ بریں ویانا اور سینٹ پیٹرس برگ کی مجریہ سرکاری تردیدوں کے باوجود ۱۹۰۷ء سے اگر تعلقات بالکلیہ منقطع نہیں ہوگئے تھے تو کم سے کم آسٹریا اور روس کے مابین اختلاف رائے ضرور واقع ہوگیا تھا۔ روس یہ سمجھتا تھا، اور بجا سمجھتا تھا کہ اس کو اس کے حلیف نے بیوقوف بنا دیا ہے۔ یورپ نے روس اور آسٹریا کو مسئلۂ مقدونیہ کے مصالحانہ تصفیے کے متعلق کامل آزادی دیدی تھی اور اپنی داخلی نازک صورت حال سے خائف ہوکر اور اس میں منہمک ہوکر روس نے آسٹریا کو اس امر کا مجاز کردیا تھا کہ وہ دونوں کی طرف سے اس معاملے میں اپنے قول وفعل کو کام میں لائے۔ لیکن ویانا نے خود اصلاحات کی کوئی پروانہ کرکے صرف آسٹریا کے مفاد کو ملحوظ رکھا تھا۔ بوسنہ کی ریلوے لائن کا

متروفیزہ، اسکوب اور سالونیکا کی ریلوے لائینس سے اتصال آسٹریا کے اصلاحات کی رفتار میں سستی پیدا کردینے کی قیمت قرار دی گئی تھی۔ لیکن اگر آسٹریا نے بصورت ریلوے لائن اصلاحات کی کا یالیٹ کو منظور کر لیا تھا تو انگلستان بھی، جواب تک صرف تمام واقعات کا مطالعہ کر رہا تھا، مداخلت کرنے اور فوراً مصروف عمل ہو جانے کا تہیہ کر چکا تھا۔ مرزطاغی نظام العمل کی ترتیب کے وقت انگلستان نے یہ اعتراض کیا تھا کہ جو تجویزیں پیش کی گئی ہیں وہ ناکافی ہیں چنانچہ اس نے اپنی طرف سے اصلاحات کے متعلق ایک اسکیم تیار کی تھی اور اس امر کا یقین دلایا تھا کہ وہ دوسری ہر دو اصلاح ساز طاقتوں کو اپنی تجاویز کے روبعمل لانے کے لئے ان کے حال پر چھوڑ دے گا اور ان کے نفاذ میں ان کی مدد بھی کرے گا۔ اب اس موقع پر سینٹ جیمس کی کابینہ نے یہ اعلان کرتے ہوئے کہ مرزطاغی نظام العمل کے خلاف جو اعتراضات کئے گئے تھے ان کو واقعات نے بالکل حق بجانب ثابت کر دیا ہے اس امر پر زور دیا کہ جو تجویزیں اس نے پیش کی تھیں اور جن میں وہ تمام کم سے کم باتیں شامل تھیں جو ترکی میں ہوسکتی ہیں اور ہونی چاہئیں، ان کو نافذ کیا جائے۔

اس اسکیم میں ایک موثر اور عام یورپین نگرانی کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ اس نگرانی کو موثر بنانے کا واحد مقصد یہ تھا کہ اس کے فیصلوں کو منظور کرلیا جائے اور اس منظوری کے حاصل کرنے کی سوائے اس کے اور کوئی صورت نہ تھی کہ ۱۸۷۶ء کی قسطنطنیہ کی کانفرنس کے مجوزہ اصلاحات کی طرف رجعت کی جائے، جن کو حسب ذیل دو امور میں مجملاً بیان کیا گیا تھا:-

(۱) ترکی نظم ونسق اٹھا لیا جائے اور عثمانی افواج مستحفظ ملک کا تخلیہ کردیں، جس سے سلطان کی دادرسیت نیز ایک مقامی فوج کا تحفظ ہو سکے۔

(۲) یورپین نگرانی کی ضرورت، جو نفاذ اصلاحات کے موقع پر صدارت کرے گی اور مختلف طاقتوں کے فوجی دستے اس کے حسب ایما کام کریں گے۔

۱۸۷۶ء کی اسکیم میں یورپین قبضے کا مطالبہ نہیں کیا گیا تھا بلکہ اس میں

صرف ایک مشترک سیاسی کمیشن کی نامزدگی کا مطالبہ کیا گیا تھا، جس کے ماتحت کئی ہزار کی فوج دی جانے والی تھی۔ لیکن اس کے بعد قانون اقوام نے بہت کچھ ترقی کرلی تھی اور ایک مشترکہ قبضے کا امکان پیدا ہوگیا تھا، جس کی تقدیر میں ایک تعجب خیز نظیر بھی موجود تھی ؎

مقدونیہ کے ایک مشروط قبضے سے مخصوص شرائط کے ماتحت عمل میں لائے جانے کی صورت میں، کسی قسم کا کوئی خطرہ نہ تھا اور اس کے جواز میں یہ دلیل پیش کی جاسکتی تھی کہ ترکی حکومت کا فوری تبادلہ ایک انتہائی انقلاب ہوتا۔ ان خیالات سے متاثر ہوکر سالونیکا کے فرانسیسی قونصل ام اسٹیگ (Steeg) نے یہ مشورہ دیا کہ مقدونیہ کے آیندہ اختیارات خود انتظامی فرانس کے تفویض کردئے جائیں ورنہ وہاں عام طور پر غدر مچ جائے گا۔ اس مشورے میں صرف ایک نقص تھا اور وہ یہ کہ ترکی اختیارات خود انتظامی کو محقق نہیں کرسکتی تھی الّا اس صورت میں کہ ان کو پامال کردیا جائے۔ یہ کہیں بہتر ہوتا کہ دول کے زیر نگرانی اس فرض کو خود آبادی کے تفویض کردیا جاتا۔ علاوہ بریں خود انتظامی کے خیالات کو اس لئے بالائے طاق رکھ دینے کی ضرورت تھی کہ اس میں مقدونیہ کے سیاسی اتحاد کا امکان مضمر تھا، جس کا صرف بلغاریہ کے پروپاگنڈا پھیلانے والے دماغوں میں وجود تھا، جو یہ چاہتے تھے کہ مقدونیہ پر بلغاری اثر بالکلیہ حاوی ہوجائے۔ یہ خیال سربیہ کے ظرف داروں میں موجود تھا، مگر ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی، جو مقدونیہ کو سربیہ میں شامل کرلینا چاہتے تھے اور یونانیوں کے دماغ میں بھی یہی خیال بسا ہوا تھا، جو اب تک سلطنت بائزنطہ کے احیائے جدید کے خواب دیکھ رہے تھے۔ عثمانی نظم ونسق کو اس شرط کے ساتھ بیدخل کرکے کہ شاہی اقتدارات بحال رہیں نیز ایک مشروط یورپین قبضے کے ذریعے سے اگر ایک مرتبہ بھی ترکوں اور عیسائیوں کے مناقشات کی تلخیاں رفع ہوجاتیں تو اس امر کا قوی امکان تھا کہ مقدونیہ کی مختلف قومیتوں کی باہمی لڑائیوں کا بھی تصفیہ ہوجاتا جس کی صورتیں یہ تھیں:— (۱) خود انتظامی کے خیال کو ہٹاکر اور اس کی جگہ

اصلاحات کا خیال پیدا کرکے۔ (۲) اُن قومی مناقشات کی نوعیت کے لحاظ سے جو وہاں پھیلے ہوئے تھے، مختلف سرشتوں کی جماعت بندی کے ذریعے سے۔ (۳) گورنر جنرلوں، سپہ سالاران افواج، جنڈارمہ اور پولیس کو دول کی ماتحتی میں اس شرط کے ساتھ دے کر کہ وہ صرف انہیں کی جوابدار ہوگی (۴) قانون اقوام کو پیش نظر رکھتے ہوئے آزادی اور مساوات کا یقین دلاکر (۵) زبانوں کے متعلق بھی یہی طریقہ اختیار کرکے۔ (۶) مسئلۂ اراضیات کی ترتیب کے ذریعے سے"

لیکن ۱۹۰۸ء میں دارالعوام میں مقدونیہ کے لئے دول کی جانب سے ایک گورنر جنرل کے انتخاب اور ترکی افواج کی تخفیف کے متعلق سرایڈورڈ گرے کی تقریر کا قسطنطنیہ میں وہی اثر ہوا، جو ایک بم کے گولے کا ہوتا ہے۔ اصلاحات کے مصالحانہ نفاذ کے لئے سب سے زیادہ اس امر کی ضرورت تھی کہ آبادی کو ترکی عہدہ داروں سے نجات دلادی جائے، جو اپنی ایذا رسانیوں سے تمام قانونی تدابیر کو، جو عیسائیوں کے حق میں مفید ہوتی تھیں، بے اثر کردیتے تھے۔ نفاذ اصلاحات کے متعلق تمام کوششوں کے مقابلے میں یہ عہدہ دار جس عام مخالفت سے کام لیتے تھے، وہ تعجب خیز نہیں تھی۔ یلدیز سے جو احکام ان کے نام بھیجے جاتے تھے، ان کے قطع نظر بھی یہ اُن کی بہ حیثیت مسلم خصوصیتوں کے فطری، منطقی اور طبعی نتائج تھے[۱]۔ اصلاحات کے مصالحانہ نفاذ کی ایک دوسری شرط یہ تھی کہ مقدونیہ میں سلطان کے اقتدار اعلیٰ پر کوئی اثر نہ پڑنے پائے اس لئے کہ بصورت دیگر نہ صرف بلقانی قوموں ہی میں رقابت پیدا ہوجانے کا امکان تھا بلکہ آسٹریا ہنگری اور ایطالیہ میں بھی رقابت پیدا ہوجاتی۔ اس لئے ہر شخص کو اس امر کا اطمینان دلادینے کی ضرورت تھی کہ (۱) سلطان کا اقتدار شاہی علیٰ حالہ برقرار رہے گا اور (۲) یہ کہ ترکی عہدہ دار امن عامہ میں رخنہ اندازی یا

[۱] کس قدر آزادی کے ساتھ مسلمانوں کی خصوصیتیں بیان کی جارہی ہیں۔ ایک ایسے شخص کو جو شیشے کے مکان میں رہتا ہے، سوچ سمجھ کر دوسروں کے مکانوں پر پتھر پھینکنے چاہئیں۔ مصنف کو شاید یہ نہیں معلوم ہے کہ مسلمان بھی عیسائیوں کی کچھ خصوصیتیں بیان کرسکتے ہیں۔ (رعنا)

باشندگان مقدونیہ کی آزادانہ ترقی میں حائل نہیں ہو سکیں گے۔"
صرف انگلستان ہی ایک ایسی طاقت نہیں تھی جو مرزطاگی نظام العمل کی تنگ و تاریک حدود کی توسیع کے لئے تجاویز مرتب کر رہی تھی بلکہ روس نے بھی بجائے خود ایسی تدبیریں پیش کی تھیں، جو سینٹ پیٹرس برگ کے بیانات کے مطابق اصلاحات مقدونیہ کو ممکن النفاذ بنا سکتی تھیں۔ اس بامعنی یادداشت کے اجرا کے بعد اس نظام العمل کے مجہول الحال حامیوں اور سرود گاہ یورپ کے نئے نوازوں کے لیے یہ قینچی نگھارنا محال نہیں تو کم سے کم مشکل ضرور تھا کہ کاؤنٹ گلوچوسکی (Goluchowski) اور کاؤنٹ لمسڈارف (Lamsdorf) کی مرتبہ تجاویز کو روبعمل لانے کے لئے دول یکجہتی اور ائتلاف افکار سے کام لیں گے۔ روسی یادداشت میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ زار کی حکومت کو اصولاً ریڈورڈ سنفرلم کی حکومت کی پیش کردہ تحریکات سے کامل اتفاق ہے لیکن برطانوی نظام العمل کو مکمل کرنے کی غرض سے اس امر کی ضرورت تھی کہ وہ خود بھی بعض تجاویز مرتب کرے۔ چنانچہ روس کے مطالبات یہ تھے:۔ یہ کہ گورنر جنرل کی اعانت کے لئے ایک بین القومی کونسل کا قیام عمل میں آنا چاہیئے، جو یورپین فنانشیل کنٹرول کے اراکین پر بعض اضافوں کے ساتھ مشتمل ہوگا۔ یہ کہ جنڈارمہ کے عاملہ میں معتد بہ اضافہ کیا جائے اور جنڈارمہ کو خارجی افسروں کی راست ماتحتی میں دیدیا جائے جن کو عمدگی کے ساتھ کام کرنے کے لئے ضروری اختیارات عطا کئے جائیں گے۔ یہ کہ مقدونیہ میں ترکی افواج کو معتدل حد تک تخفیف کر دیا جائے۔ یہ کہ اس فوج کی تنخواہ کسی صورت میں بھی ہر سہ ولائتوں کے موازنوں (بجٹ) سے ادا نہیں کی جائے گی، جو اپنی فوجی گن ٹن جنٹ کی تعداد کے مساوی رقم شاہی خزانے کو ارسال کریں گی۔"
ایک اہم مسئلہ جس پر روس اور انگلستان دونوں کو کامل اتفاق تھا تمام قومیتوں اور زبانوں کی کامل مساوات تھا۔ مختلف فرقوں کی رابطہ بندی مذاہب کے لحاظ سے کی گئی تھی۔ کمیونس (Communes) ویسے ہی مقرر کئے گئے تھے جیسے کہ آسٹریا ہنگری میں تھے اور خود ترکی میں بھی موجود ہیں۔ ان میں سے ہر ایک

کمیون (Commune) کو ایک علیحدہ گرجا اور مدرسہ دیا گیا ہے یہ ہر کمیون ان باشندوں پر مشتمل ہے جو اس کو قائم رکھنے کے لئے چندہ دیتے ہیں اور اسی چندے کے ذریعے سے اس کمیون کے ممبر بن جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ "سیاسی" فرقہ داری انتظام بھی ہے، جس کا کمیون کے معاشی اور انتظامی مفادات سے تعلق ہے اور کوئی مذہبی یا تعلیمی حیثیت نہیں رکھتا۔ مذہبی اور تعلیمی مسائل کا تعلق کمیونٹی سے ہے۔ ہر مذہبی فرقے کی نمایندگی کے تحفظ کے لئے میونسپل کونسلوں کے قیام کا امکان بھی ظاہر کیا گیا تھا۔ مقامی پولیس کے لیے جنڈارمہ اور فوج کی طرح گورنر جنرل کی ماتحتی میں دیا جانا تجویز کیا گیا تھا تاکہ اس سے وہ مختلف جماعتیں فائدہ نہ اٹھا سکیں، جن کو میونسپل کونسلوں میں اکثریت حاصل ہو۔ انگلستان اور روس کے مدبرین نے سلطان کو یہ اطمینان دلانے کی بہت کچھ کوشش کی کہ اگر اس نے ان تجاویز کو منظور کر لیا تو دول اس امر کے متعلق مشترکہ طور پر ضمانت دیدیں گی کہ عثمانی علاقہ میں کسی خارجی مداخلت کو جائز نہیں رکھا جائے گا۔ لیکن ترکوں نے ان کے اخلاص اور سچائی نیز "مشترکہ ضمانت" کی تاثیر و قوت پر اعتماد کرنے سے انکار کر دیا۔ مقدونیہ میں کسی ایسی تنظیم کے نفاذ کو وہ نہ صرف مقدونیہ ہی میں بلکہ البانیہ میں بھی اپنے زوال کی تمہید سمجھتے تھے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے خطرات بے بنیاد تھے بلکہ یہ تاریخی قوانین کے مہلک نتائج کے شعور خیز توہمات تھے، جن کی کوئی شخص تردید یا مخالفت نہیں کر سکتا۔ لیکن بہ لحاظ واقعات بغیر لڑے بھڑے مقدونیہ کی مصالحت کا اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں تھا کہ عثمانی اقتدار کو بے اثر کر دیا جائے یعنے مقدونیہ کو خود انتظامی عطا کر دی جائے، جو جس حد تک ترکوں کا تعلق تھا، اس کی خود مختاری

لے جیسی کچھ ہے ظاہر ہے (رضا)۔

کا پیش خیمہ تھا۔ ترکی قومیت پسندوں کو یہ توقع تھی کہ عبد الحمید کو معزول کر کے وہ ان خطرات کا سدباب کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ تمام خیالات بے کار تھے اور قسمت ان کو ایک ناگزیر مشکل کے حل کی طرف کھینچ رہی تھی ؎

اٹھارھواں باب

مطلق العنانی کا زوال عبدالحمید ثانی کی معزولی

(۲۷ر اپریل سنہ ۱۹۰۹ء)

عبدالحمید کی شخصی حکومت۔ تحریک اتحاد بین المسلمین شاہی مقربین۔ جاسوسی اور مخبری۔ نیازی بے اور انور بے کا باضابطہ اعلان۔ دستور ملکی کا دوبارہ قیام۔ (۲۴ر جولائی سنہ ۱۹۰۸ء) وزارت کامل پاشا (۵ر اگست سنہ ۱۹۰۸ء) بلغیریا، ہرزی گونیا، اور کریٹ کا مسئلہ۔ کانفرنس اور اتفاق دول۔ مجلس عثمانیہ۔ حکومت کی لڑائی۔ کامل پاشا کا عزل (۱۳ر جنوری سنہ ۱۹۰۹ء) ۱۳ر اور ۱۴ر اپریل کی شورشیں۔ صوبے اور دارالخلافت کا مقابلہ۔ مقدونی فوج کا قسطنطنیہ پر قبضہ۔ (۲۴ر اپریل) عبدالحمید کی معزولی۔

عبدالحمید کی شخصی حکومت تحریک اتحاد بین المسلمین اور شاہی مقربین

ترکی کی ملکی تاریخ تمامتر بابِ عالی اور حرم سرائے سلطانی کی باہمی مخالفت پر مشتمل ہے جس میں ایک طرف وہ وزرا تھے جن کی جدوجہد ایک حد تک سلطنت کے ضروریات کے لئے تھی۔ اور ایک طرف سلطانی حرم کی حمایت میں وہ مقربین تھے

جن کے اثرات درپردہ بہت بڑھے ہوئے تھے۔ جب تک شاہانِ روم کو جنگ اور ملکی نظم ونسق کا خیال رہا وہ کبھی دار الخلافت میں نچلے نہیں بیٹھے رہے۔ آج ایک طرف سلطنت کی بغاوت فرو کرنے جاتے تھے تو کل دوسری طرف تسخیر صوبہ کے لئے کوچ کرتے تھے۔ کبھی ان کے گھوڑے یورپ میں دوڑتے تھے کبھی ایشیا میں۔ اس زمانے میں سرائے کا وجود ہی نہ تھا محمد ثانی کی فتح بائزنتیم تک سرائے کی حالت ایک پڑاؤ کی سی تھی جس میں سلاطین ہمیشہ بزمانۂ مہمات ٹھہرتے تھے۔ محمد الفاتح نے قسطنطنیہ فتح کرنے کے بعد سے سرائے کو رونق دی۔ اور قسطنطین ہفتم کے دربار کے بگڑے ہوئے پُرتکلف آداب اختیار کئے چنانچہ حرم سلطانی یونانی زنانخانے کا نمونہ بن گیا۔ یونانی زنانخانے کی طرح حرم کی عورتوں، لونڈیوں اور خواجہ سراؤں کا مذموم اقتدار بہت جلد بڑھ گیا اور معاملات سلطنت میں بھی انھیں دخل حاصل ہوگیا سلطان سلیمان اعظم کے بعد اس کے بیٹے سلیم خرا باتی کے عہد میں محل سرائے کا دور دورہ تھا۔ اور تمام امور مملکت حرم سے ہی تصفیہ پاتے تھے قریب قریب تمام سلاطین اس کمزوری سے نہ بچ سکے۔ ترکی کو جن صدر اعظموں پر ناز ہے مثلاً خاندان صقولوی اور خاندان کیپرولی ان میں سے کتنے ہی ان مقربوں اور خواصوں کے شکار ہوئے جن کا حرم سرائے میں دور دورہ تھا۔

عبد الحمید کی حالت اس سے جداگانہ تھی۔ یہاں باب عالی اور حرم سرائے کا باہمی مقابلہ نہ تھا۔ ملک پر نہ تو خواصوں کی ہی حکومت تھی اور نہ مقربین کی بلکہ خود سلطان ہی باب عالی کی تمام کارروائیوں کو تہس نہس اور باطل کرنے میں حصہ لے رہا تھا۔ صدر اعظم وہ خود تھا۔ اور جو صدر اعظم تھا اس کی حیثیت باب حکومت کے ایک صیغہ دار کی سی تھی جس کا عہدہ سلطنت میں سب سے بڑا اور جو سب سے بڑی تنخواہ رکھتا تھا لیکن اقتدار کے اعتبار سے اس کی منزلت سلطانی اعزاز کے مقابلے میں ایک ادنیٰ کاتب کی سی تھی۔ جس آسانی کے ساتھ اس کے چچا عزیز اور اس کے بھائی مراد کو معزول کیا گیا تھا۔ اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے سلطان کے دل میں یہ بات جاگزیں ہوگئی تھی کہ

کسی صدر اعظم کا مدحت پاشا کی طرح سیاہ و سفید کا مالک ہونا یا محمد رشدی پاشا کے مثل امور مملکت میں دخیل ہونا سلطنت کے لئے خطرناک ہے۔ باب عالی اور حرم سرائے کی مخالفت ضروری تھی۔ صدر اعظم اپنے مالک کے ہاتھ میں ایک کٹھ پتلی تھا جو بغیر چون و چرا اور کسی قسم کے پس و پیش کے اس کی ادنیٰ سی خواہش کے آگے سر تسلیم خم کر دیتا تھا اس کے علاوہ دیگر مختلف محکموں کے اعلیٰ احکام کا وجود بھی محض برائے نام تھا تاکہ یورپین سفرا کو وزارت کا سراب نظر آتا رہے۔ جملہ امور کا تصفیہ یلدیز میں ہوتا تھا۔ باب عالی کا کام صرف بارگاہ سلطانی میں کارروائی پیش کرنا تھا۔ اور بس'

سلطان کے ان منصوبوں کی تکمیل میں دو آدمیوں نے خصوصیت کے ساتھ حصہ لیا ایک تو محمود ندیم پاشا جو سابق میں علی پاشا اور فواد پاشا کا مدمقابل عبدالعزیز کا بہکانے والا مدحت اور اس کی دستوری اصلاح کا سخت دشمن تھا۔ دوسرے کوچک سعید پاشا صدر مجلس اعیان تھا جس کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ وہ اپنے ماتحتوں کے حق میں جیسا تنک مزاج، مغرور اور ظالم تھا ویسا ہی اپنے مالک کے آگے عاجزی اور فرماں برداری کی تصویر تھا۔ سفرا کے ساتھ وہ سختی کا برتاؤ کرتا تھا اور اہل یورپ سے اس کو سخت نفرت تھی۔ وہ نو سال تک صدر اعظم رہا۔ اپنے تمام زمانۂ وزارت میں اس نے اصلاحات کی سخت ترین مخالفت کی، اور یورپ سے کھلم کھلا مخالفت پر تلا رہا۔

دسمبر ۱۸۹۵ء میں جب اس کے خلاف محل میں سازش ہوئی تو اپنے قتل کے خوف سے اس نے اپنے بیٹے کے ساتھ انگریزی سفارت خانے میں پناہ لی۔ مدحت پاشا سے زیادہ وہ اس معاملے میں خوش نصیب تھا۔ دول یورپ نے اس کی طرفداری کی اور اس کی طرف سے سلطان سے طمانیت حاصل کر لی اس واقعے کے بعد لوگوں میں اس کی آزادی اور خود مختاری کا بہت کچھ چرچا ہوا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ٹیسی ٹس کے وہ الفاظ جو اس نے آتھو کے بارے میں لکھے ہیں اس پر صادق آتے ہیں۔

حرم سرائے کے افسر اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے اس نے باب عالی سے

ایک ایسی جنگ کا آغاز کیا جو صدر اعظم کی موقوفی پر ختم ہوئی جب اس کو صدارت عظمیٰ کے حصول میں کامیابی ہوئی تو اس نے عطوفت سلطانی کو اپنے پر قائم رکھنے اور باب عالی کو سلطان کے نزدیک برا ٹھہرانے کی کوشش جاری رکھی اور جس طرح سلطان کے سامنے اس کی حیثیت ایک صیغہ دار سے بڑھ کر نہ تھی اسی طرح وہ دوسرے وزرا کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کر کے اپنے آپ کو خوش کر لیتا تھا۔ یہ اچھی طرح سے کہہ سکتے ہیں کہ باب عالی کو اس نے ہی رام کیا۔

سعید پاشا کے میلان اصلاحات کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک ساعت سے زیادہ کسی بات پر قائم نہیں رہتا تھا۔ مدحت پاشا کے ساتھ اس نے عیاری کی تھی اور ان آدمیوں میں سے تھا جنھوں نے اس پر مقدمہ چلایا تھا۔ احمد وافق پاشا نے (جو رومیلی حصار کا کیٹو تھا اور جس کی ذات سے اصلاح پسندوں کی امیدیں وابستہ تھیں نیز جس کا سعید پاشا جانی دشمن تھا) مجھ سے ۱۸۸۳ء میں بیان کیا کہ "سعید پاشا بھی بہت مشہور آدمی ہے۔ اور یہ سب شہرت اس کی ان اخبارات کی وجہ سے ہے جن میں اسے اپنے متعلق مضامین شایع کرانے کے طریقے خوب آتے ہیں لیکن یہ سب نام و نمود اور دکھاوے کی باتیں ہیں در حقیقت وہ کوئی چیز نہیں ہے۔ ایک بات میں البتہ اس کا زور چل سکتا ہے اور وہ بات ضرر رسانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے وہ اور اس کے ساتھی سلطنت کو تباہ کر دیں گے"۔

سعید کی ایک نہ ایک سلطنت سے علانیہ مخالفت کی کوشش برابر جاری رہی اور اسے اس کی پروا نہ تھی کہ جھگڑا طول کھینچے اور جنگ کی نوبت آ جائے۔ خدیو اسماعیل پاشا کی معزولی کے بارے میں وہ ترکی کو انگلستان اور فرانس سے لڑا دینا چاہتا تھا۔ اور جب یونانیوں کو تھسلی کے حوالے کرنے کا مسئلہ چھڑا ہوا تھا تو وہ یونان پر حملہ کر کے تمام یورپ کو اعلان جنگ دیدینا چاہتا تھا۔ انقلاب فلیپولی پر اس کی یہ رائے ہوئی تھی کہ بلغیریا سے فوری اعلان جنگ کر دیا جائے اور عثمانی فوجیں مغربی رومیلیا پر فوراً حملہ کر دیں۔ ۲۴ جولائی ۱۹۰۸ء کو اس نے سلطان کو مزاحمت کرنے اور توپوں سے آتش باری کا مشورہ دیا تھا۔

عبدالحمید کے ابتدائی دورِ حکومت میں کسی کو یہ یقین نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ خود تمام کاروبار سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لے گا۔ ۲۱ر دسمبر سنہ ۱۸۹۵ء کو سعید پاشا نے جو تیسری مرتبہ صدر اعظم ہوا تھا احمد وافق پاشا کو اپنی خدمت کا جائزہ دیا۔ احمد وافق پاشا کو سلطان نے جو اپنے سرکاشی دستے کی سازش سے بالکل گھبرایا ہوا تھا، بلایا۔ اور مندرجہ ذیل شرائط کی فرمانبرداری پر اس کے دستخط لئے۔ صدر اعظم کی جگہ مدار المہام کا تقرر جو ملک کا جواب دہ رہے گا۔ اور فوری انعقاد مجلس نیابت۔ سلطان نے اس جدید انتظام پر پابند ہونے کا وعدہ کیا اور قرآن کی قسم کھائی۔ اڑتالیس گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے کہ اس نے وافق پاشا کو بلایا اور اس پر واضح کیا کہ اغراض ترکی و اسلام کے لئے صدارت عظمیٰ ضروری اور مدار المہامی کا اصول قابل ترک ہے۔ احمد پاشا نے سلطان کی اس بات پر یقین نہ کیا لیکن جب سلطان کا اصرار عمل درآمد قدیم پر بڑھتا گیا اور جب اس نے یہ سمجھ لیا کہ سلطان کے ارادے کو بدلنے کی کوشش بیکار ہے تو کہا کہ بندگانِ عالی نے قرآن کی قسم کھائی ہے، اور میں اس حلف کی پابندی کے لئے بندگانِ عالی کو مجبور کر سکتا ہوں لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اس سے کنارہ کشی کر رہے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ لوگوں میں آپ کی بدنامی ہو اور وہ یہ کہیں کہ خلیفہ نے حلف کو توڑ دیا اس لیے میں خود اپنی طرف سے آپ کو قسم کی پابندی سے آزاد کرتا ہوں"

اس صاف بیانی سے متاثر ہو کے عبدالحمید نے پھر وافق ہی کو صدر اعظم رہنے پر مجبور کیا لیکن وافق نے ایک نہ مانی اور مدار المہامی سے استعفا پیش کر دیا۔ سعید پاشا پھر بحال ہو گئے اور سلطان کا منشا پورا ہو گیا۔

آگے چل کر سعید پاشا نے اپنی وزارت پنجم اور اس سے بھی زیادہ وزارت ششم میں جس کا زمانہ ۱۶ر نومبر سنہ ۱۹۰۱ء سے ۱۴ر جنوری سنہ ۱۹۰۳ء تک رہا باب عالی کو پھر اس کے اس قدیم اقتدار کو واپس دلانے کی کوشش کی جس کے حصول میں اس نے پہلے نمایاں حصہ لیا تھا لیکن یہ کام باوجود اس کی ذہانت کے اس کے امکان سے باہر تھا۔ اس میں اور حرم سرائے میں

در پردہ جنگ چھڑی ہوئی تھی چنانچہ چودہ ماہ کے بعد وہ معزول کیا گیا۔

اپنی شخصی حکومت کو پائدار اور مطلق العنانی کو استوار بنانے کے لیے عبدالحمید نے بنیاد حکومت مذہبی اور فوجی قوت پر رکھی اور قرآنی تلوار کو اپنا وسیلہ قرار دیا یہی وجہ ہے کہ اس کا عہد حکومت اتحاد بین المسلمین اور پرٹیوری ان دو عناصر سے مرکب تھا۔ جس دن سے کہ اس کو روس کی طرف سے جنگ کا خدشہ باقی نہ رہا اسی روز سے صرف یہی ایک خیال اس کو سرگرداں کئے ہوئے تھا کہ کن طریقوں سے تمام دنیا کے مسلمانوں کو متحد کیا جائے تاکہ انیسویں صدی میں باقاعدہ خلافت سے اسلامی اتحاد کی تنظیم ہو سکے عثمانی سلطنت کی گوناگوں پریشان حالیوں میں بھی اس کی خارجی سیاست کا مطمح نظر یہی رہا عبدالعزیز نے بھی مسلمانوں کے اتحاد کے منصوبے سوچے تھے لیکن یہ منصوبے ان موہوم خواہشوں ہی کی حد تک رہے جو خواہشیں کہ عبدالعزیز کی بے انتہا نخوت کی وجہ سے پیدا ہوئی تھیں۔ عبدالعزیز اپنی ذات کو ذات مطلق کا براہ راست مظہر سمجھتا تھا۔ چنانچہ یہی عقیدہ عبدالحمید کا بھی تھا۔ اتحاد مسلمین کے متعلق عبدالعزیز کے ان موہوم خیالات کی تشکیل عبدالحمید نے کی۔ اس نے اپنی تمام عقل حصول مدعا کی تمام تر کوشش اس میں صرف کر دی۔ خلیفہ صرف ایک بڑا مذہبی پیشوا ہی نہ تھا بلکہ سنی مسلمانوں کا سیاسی سردار بھی تھا۔

سچ تو یہ ہے کہ نہ تو عبدالعزیز ہی نے اور نہ عبدالحمید نے اس خیال کی بنیاد رکھی تھی بلکہ اس اتحاد کا وجود ان سے بہت پہلے زمانے کا تھا۔ ان لوگوں نے ان پنہاں جذبات کی صرف تشکیل کی تھی جو دستور عثمانی کا نتیجہ لازمی اور ہنوز منتشر خواہشوں کی حد تک محدود تھے۔ اسلام نے مذہب کے آگے قومیت کی پروانہ کی تھی چنانچہ جہاں جہاں بھی مساجد میں خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا اس میں وہ تمام مسلمانوں کا سب سے بڑا سردار تھا مسلمان علی حیثیت سے اس کو اپنا مالک سمجھتے اور بغیر کسی پس و پیش کے اس کی اتباع کرتے تھے اخوت مسلمین سے عثمانی تسلط اور وسیع پیمانے پر اسلامی کاربوریت (جمہوریت) قائم کرنے کے لیے زیادہ سوچنے کی ضرورت نہ تھی جس جمہوریت کا سب سے بڑا سردار الخلیفۃ السلطان ایک دوسرا پہاڑی بوڑھا تھا

یلدیز کے ساتھ اتحاد مسلمین کا مدعا منسوب کرنے کے بعد عہد عبد الحمید کی وہ تمام کارروائیاں اور سیاسی اعلانات صرف قابل فہم ہی نہیں ہیں بلکہ ان میں مآل اندیشی کا رنگ نظر آتا ہے۔ اس کے سوا اتحاد مسلمین کا خیال عبد الحمید کے ساتھ ناپید نہیں ہو گیا بلکہ یہ سلطنت عثمانیہ کی زبردست میراث قرار دیا گیا ہے چنانچہ ترکی اخبارات کے ان مضامین سے اس کی تصدیق ہوتی ہے جن میں اکثریت کے معاملے میں بتیس کروڑ مسلمانوں سے یورپ کو دھمکی دی گئی تھی اور اس فیصلے سے محترز رہنے کی اُسے تنبیہ کی گئی تھی جس سے جزیرۂ مذکور کو یونان میں شامل کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔

تاکہ دوبارہ فوجی سازش کا موقع نہ ملے جس کی بدولت عبد العزیز معزول ہوا تھا اور جو بالکل برملا کی گئی تھی عبد الحمید نے اپنے تمام دور حکومت میں جملہ فوجی معاملات میں دو امور مد نظر رکھے تھے۔ ایک تو یہ کہ اپنی حکومت کو مستحکم بنانے میں فوج سے کام لے۔ دوسرے یہ کہ فوجی افسروں کا اثر بالکل زائل کر دے تاکہ قائدین کی عدم موجودگی سے جن کے پیچھے فوجیں ہو لیتی تھیں سازش کا امکان ہی باقی نہ رہے۔ اس نے پہلے ایک پریٹوری دستہ مرتب کیا جس میں زیادہ تر غیر اقوام کے سپاہی، یعنی البانی، حبشی، چرکس، عرب اور کرد، تھے۔ سلطان کی اُن پر بہت مہربانی تھی اور وہ جو چاہتے کر سکتے تھے۔ یلدیز کا دوسرا دستہ شاہی محافظ تھا جس میں مشک، تاش کشلہ، اور ٹیکزم کی چھاؤنیوں کی (جو حرم سرائے سے قریب تھیں) ترکی سپاہ، اور توپ خانہ اور ارتھوگل اور حمیدیہ کی سوار فوج شامل تھی جو داؤد پاشا اور بیرون استامبول میں رہتی تھی۔

سپاہیوں کی تالیف قلوب کی جاتی اور انھیں انعامات دئے جاتے تھے۔ افسر اعلئے حکام کی اجازت کے بغیر انھیں سزا دینے کے مجاز نہ تھے۔ ایک مجرم سپاہی کو گرفتار کرنے کے لئے پولیس کو سلطان کا تحریری حکم حاصل کرنا پڑتا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ افسروں کا اثر و اقتدار روز بروز کم ہونے لگا۔ نوکری کے باہر ان کا زور کچھ نہیں چل سکتا تھا جس کی وجہ سے شہر میں ظلم و تعدی کا بازار گرم تھا۔ حرم سلطانی کے متوسلین پر بغیر حکم سلطانی مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا تھا۔

اور سپاہی خواہ کیسے ہی مجرم کیوں نہ ہوں یہاں تک کہ خواہ عین ارتکاب جرم کے وقت انھیں کیوں نہ ماخوذ کیا گیا ہو ملکی اور فوجی پولیس انھیں گرفتار نہ کرسکتی تھی۔ انھیں کوئی چھو نہ سکتا تھا۔ یلدیز میں افسری اقتدار کا اس قدر خوف چھایا ہوا تھا کہ پولیس کو کسی قسم کا اختیار ہی نہ رہا تھا چھاؤنیوں کا تمام انتظام یہاں تک کہ روزمرہ کے جزوی ضروریات پر بھی سلطان کی نگرانی رہتی تھی۔ اور تمام امور کے لئے (خواہ وہ ٹیکزم چھاؤنی کی گھوڑا گاڑی کی مرمت کے متعلق ہی کیوں نہ ہوں یا ایک شکستہ دیوار کی تعمیر یا آگ بجھانے کی نسبت ہوں) سلطان کا تحریری حکم ضروری تھا۔ اس خوف سے کہ افسروں کی وقعت سپاہیوں کے دل میں قائم نہ ہو اور ان کی منزلت نہ بڑھے فنون جنگ کی مشق کبھی نہیں کرائی گئی۔ گو رسالے کا مدرسہ تو تھا۔ لیکن تمام فوج کے دوش بدوش بریگیڈ اور دستے کے سپاہی جنگی مشقوں سے محروم رکھے گئے تھے۔ ان فوجی تقریبوں سے خدشہ تھا کہ کہیں پھر یلدیز پر یکایک اسی طرح حملہ نہ ہو جائے جیسا کہ ۲۹-۳۰ مئی ۱۸۷۶ء کی شب کو ہوا تھا جس کی بدولت عزیز معزول ہوا تھا اور مراد تخت پر بٹھایا گیا تھا۔ انھیں وجوہ سے نشانہ بازی کی مشق بھی موقوف تھی۔ اول تو اس میں گولہ باروت کی کفایت تھی۔ دوسرے سپاہیوں کو کارتوس دینا سلطان کے لیے خطرے کا باعث تھا لیکن پریٹوری دستہ اس قید سے مستثنیٰ تھا۔

صوبوں میں فوجی افسروں اور جنرلوں کو کسی قدر آزادی تھی۔ ان کے لیے اس کی ضرورت نہ تھی کہ جزئی امور کے لیے یلدیز سے حکم حاصل کریں کیونکہ اس میں اجازت حاصل کرنے تک کام کے رک جانے سے وقت کا سامنا ہوتا لیکن اُن پر ہمیشہ جاسوس لگے رہتے تھے اور اگر ذرا بھی وہ خود سے سلطنت یا فوج کی بھلائی کا کوئی کام کرتے تو ان پر اعتراض وارد ہوتا تھا۔ اور قاعدے سے رہنے کی ہدایت کی جاتی تھی۔

عبدالعزیز جس وقت فوجی سازش سے معزول ہوا اس وقت عثمانی فوج میں ایسے افسروں کا ایک رسالہ تھا جس کی تنظیم اور تعلیم زمانۂ جنگ میں

ہوئی تھی۔ اور تمام رجمنٹیں ایسی تھیں جو جنگ قرم، جنگ مانٹینگرو، بغاوت اکریت یمن کی مکرر تسخیر، بغاوت بوسنہ اور ہرزیگوینا میں نبرد آزمائی کر کے آئی تھیں۔ اگرچند افسروں کو رعایتی ترقی دی گئی تھی تو باقی تمام اپنے کارہائے نمایاں کے صلے میں اس کے مستحق ٹھیرے تھے۔ ۱۸۸۳ء کے بعد سے اشقر اور یمن کے معمولی ہنگاموں کے سوا کہیں بھی جنگ نہ ہوئی تھی اور یہ ہنگامے تھسلی کی اس بڑی بغاوت اور مہم کا پیش خیمہ تھے جس میں جرمن افسروں اور خصوصاً وان گرینکو پاشا نے حصہ لیا تھا۔ افسروں کی رعایتی ترقی سے فوجی خدمات کی ذلت ہو رہی تھی۔ اور اس پر ستم یہ تھا کہ تمام عہدہ داروں اور عمال کے چھوٹے سے چھوٹے کام اور معمولی سی معمولی گفتگو کی باقاعدہ جاسوس رپورٹ کرتے تھے۔ زمانہ قدیم پر بھی ہم نظر ڈالتے ہیں اور قیاصرۂ روم کے بدترین دور سے موازنہ کرتے ہیں تو اس قدر جاسوسی اور مخبری وہاں بھی نہیں پائی جاتی ہے۔ عہد عبدالحمید میں انھیں دو چیزوں پر حکومت کا مدار تھا۔ خوشامدی، چغل خور، اور جاسوس اس قدر کثرت سے پھیلے ہوئے تھے کہ یہ کہنا ذرا بھی مبالغہ آمیز نہ ہوگا کہ آدھا شہر آدھے شہر پر جاسوسی کرتا تھا۔ قصر یلدیز میں ایک بڑا پولیس کا دفتر تھا جہاں کی سزاؤں کا شمار ان سزاؤں سے بھی بڑھ گیا تھا جو جمہوریت بند وفیہ کے تمام دور میں قصر تعزیر کی طرف منسوب کی جاتی تھیں۔ صرف سلطان ہی کی ایک خفیہ پولیس نہ تھی بلکہ ہر مصاحب کے خفیہ کارندے تھے اور قصر کا ہر آنے جانے والا ایک تجربہ کار پولیس کا سپاہی تھا۔ عمال کو توالی وقضارت اور متصرف پیرا، اور افسر سلکتاش تمام باشندوں کی جاسوسی کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے بھی جاسوس تھے۔ سیاسی مخبری گویا سلطنت کا ایک قانون ہی نہ تھی بلکہ ایک مذہبی عقیدے کی حیثیت بھی رکھتی تھی اور لطف یہ تھا کہ ان بغاوت اور غداری کی مخبریوں میں مخبروں کو اپنی راست گوئی کے ثبوت کے لئے متردد ہونے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ جانتے تھے کہ آرمینی کمیتاجیوں مراد کے طرفداران ترکی مصلحوں، اور بلغیری کمیتاجیوں کے خلاف مخبری کرنا سلطان کو خوش کرنا ہے۔ اور خصوصاً ان لوگوں کے متعلق جھوٹی خبریں دینا جن سے سلطان

بدگمان تھا ہر طرح سے نفع بخش تھا۔ یہ گرفتاریاں دن دہاڑے عمل میں نہیں آتی تھیں افسروں، سفطوں (مفتی)، اعلےٰ عہدہ داروں اور امیر ترکوں کو خصوصیت کے ساتھ رات کے وقت گرفتار کیا جاتا تھا۔ سلطان المعظم کے قید خانے شیروں کے غار تھے۔ جہاں یہ تو پتا چل سکتا تھا کہ اس غار کا کون بدقسمت شکار ہوا لیکن یہ معلوم نہ ہو سکتا تھا کہ کون رہا ہوا۔ جب ایکبار ایک شخص قید ہو جاتا تھا تو اس کو موت ہی رہا کر سکتی تھی۔ خواہ وہ خندق میں گرفتار مصیبت رہے خواہ طرح طرح کی تکلیفوں سے اس کو سزا دیجائے خواہ فزن، سینٹ جان آف ایکر، یا یمن بھیج دیا جائے (یہ وہ بڑے مقامات تھے جہاں کے رہنے والوں پر ڈانٹی کی مشہور نظم صادق آتی تھی) خواہ کال کوٹھری ہی میں اس کا گلا گھونٹ دیا جائے۔ خواہ بحیرۂ مارمورا کی مچھلیوں کا وہ لقمہ ہوا۔ غرضکہ ان مختلف روح فرسا حالات میں اس بات کا پتا چلانا امکان سے خارج تھا کہ معتوب دہشت وسختی کی کس منزل سے گزر رہا ہے۔

ان بدگمانیوں سے نجات پانے کا صرف ایک ہی راستہ یعنے غیر مملکت کی جانب فرار تھا چنانچہ عہد عبد الحمید میں طبقۂ اعلےٰ کی بہت بڑی جماعت نے غیر ملکوں کو آباد کیا۔ جب دستوری حکومت کی عملداری ہوئی تو اسی ہزار سے زیادہ قابل سزا اشخاص قسطنطنیہ واپس ہوئے باوجودیکہ پولیس کا نہایت سخت انتظام تھا (جس کی تعداد قسطنطنیہ کی محافظ فوج سے بھی بڑھ گئی تھی) کہ کوئی بغیر اجازت دار الخلافت سے باہر نہ جائے اور باوجود اس کے کہ فرار ہونے والوں کے راستے میں بے انتہا دشواریاں اور رکاوٹیں حائل تھیں، پھر بھی ہر فرانسیسی اور انگریزی کشتی میں جو بندرگاہ قسطنطنیہ سے روانہ ہوتی تھی پوشیدہ ایک نہ ایک معزز شخص چھپ رہتا تھا جس کے متعلق اصلاحات کے طرفدار ہونے کا خدشہ ہوتا تھا۔ صرف یہی لوگ نہیں بھاگے بلکہ وہ تمام سزا یافتہ بھی جو قید خانے میں تھے فرار ہو گئے تھے۔ البتہ صرف فزن اور یمن کے قیدی مصیبت سے چھوٹ نہ سکے۔

نیازی بے اور انور بے کے اعلان

حکومت دستوری کا دوبارہ قیام

دوشنبہ ۶ رجولائی ۱۹۰۸ء کو صوبہ منستیر کے ایک گاؤں ریسنا میں جہاں سابق میں بلغاروی اور مقدونوی بغاوت پھیلی تھی ایک میجر نیازی بے نامی نے فوجی خزانے، کے ساتھ ساتھ توپوں، اور اُن ذخائر حرب پر قبضہ کرلیا جو جنگی گودام میں تھے اور پھر پہاڑوں میں روپوش ہوگیا۔ اس کی ماتحتی میں پیدلوں کا ایک دستہ تھا جسے اس نے باغیوں کے تعاقب کے حیلے سے تیار کیا تھا اور ایک جماعت حکام کی تھی جس میں سفطہ (واعظ)، علما، اور عہدہ دار تھے۔ اس نے ایک اعلان شایع کیا جس میں "اللہ جل شانہٗ کے نام پر اور انصاف اور آزادی کی خاطر" عیسائیوں اور مسلمانوں کو ایک ہو جانے کی دعوت دی گئی تھی تاکہ حمیدی حکومت کو معدلت اور مساوات کی حکومت سے بدل دیں۔ چنانچہ مدحت پاشا کی حکومت دستوری کے دوبارہ قیام کا اعلان کردیا گیا۔ اس اعلان کے ہوتے ہی صوبہ مذکور کے ایک دوسرے مقام پریسبا میں ایک جماعت نے بغاوت کردی جس میں اکثر و بیشتر جندرمہ (فوجی پولیس) کے سپاہی تھے جو نیازی بے سے مل جانے کے لیے روانہ ہوئے تھے۔

جب ان واقعات کا غلغلہ بلند ہوا تو انھیں کوئی زیادہ اہمیت نہیں دی گئی۔ اور قسطنطنیہ کے سیاسی حلقے، اخباروں کے نامہ نگار، اور حکام سب کے سب خاموش رہے ان کی نظر میں یہ سپاہیوں کی ایک معمولی سی بغاوت تھی جس کا مطالبہ بقایا تنخواہ کے لئے تھا۔ چنانچہ اس جھگڑے کو مٹانے اور امن قائم رکھنے کے لئے

چالاکی کے ساتھ چند ہزار ترکی پاونڈ کی تقسیم کافی سمجھی گئی۔ میرے خیال میں یہی ایک ایسا شخص تھا جس نے اس بغاوت میں انقلاب کے آثار دیکھے چنانچہ ۱۲ جولائی کو میں نے "پیام رساں مارسلیز" کو یہی کیفیت بھیجی تھی جس کا عنوان "ابتدا و انتہا" تھا۔ واقعات بہت جلد وقوع میں آئے۔ حمیدی حکومت کو اصل حقیقت کا انکشاف ہوا۔ شمسی پاشا جو مونستر کا فوجی افسر تھا، گو اس عالم میں جب کہ وہ تار گھر سے قسطنطنیہ کو ایک طویل مراسلت بھیج کر نکل رہا تھا۔ ایک افسر کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ مونستر کی فوج بھی نیازی سے مل گئی۔ اسی زمانے میں مجلس اصلاح نے جو "اتحاد و ترقی" کے نام سے موسوم تھی اور جو سالونیکا میں منعقد ہوئی اس تحریک کو مقدونیہ کی فوج میں عام کرنے کی کوشش کی۔ اس فوج کے نوجوان افسروں کی بڑی تعداد ان سیاسی پناہ گزینوں کی چودہ سال کی متواتر خفیہ کوششوں سے دستوری حکومت کی طرفدار ہو گئی تھی جو پیرس میں پناہ گزیں ہو کے حمیدی مطلق العنانی کا مقابلہ کر رہے تھے۔ ان پناہ گزینوں کی مجلس کا صدر احمد رضا بے تھا جس کا اخبار "شوریٰ" سلطان کی شب بیداری اور تفکرات کا باعث تھا۔

ان غداروں کے جو پیرس، لندن، جینوا، بروزلس اور مصر میں عبدالحمید کی مطلق العنانی کے خلاف معرکہ آرائیاں کر رہے تھے اور بھی بہت سے لوگ مثلاً حلیل غانم، ڈاکٹر اسحاق سقوطی، ڈاکٹر عبداللہ جودت، ڈاکٹر رضا توفیق بے اور سلیم فارس وغیرہ شریک حال تھے لیکن ان سب میں احمد رضا بے ہی ایک ایسا شخص تھا جو سلطان کی تشویش کا حقیقی باعث تھا۔ دن رات سلطان کو یہی فکر دامنگیر رہتی تھی کہ رشوت جبر یا سختی سے کام لے کر کسی نہ کسی صورت سے اسے خاموش کیا جائے اور یہ تمام طریقے اختیار بھی کئے گئے لیکن ایک بھی کارگر نہ ہوا پچیس ہزار ترکی اشرفیاں اسے پیش کی گئیں۔ اور اس شرط کے ساتھ اس سے سفارت کا وعدہ بھی کیا گیا کہ وہ سلطان کی مخالفت سے دست بردار ہو جائے۔ اس سے معافی مانگے اور وفادار رہے اس کے علاوہ اس کو بلجیم سے نکلوا دینے کی بھی کوشش کی گئی۔ فرانس کی عدالت العالیہ سے اس کے خلاف حکم بھی حاصل کیا گیا۔ اور آخر کار مئی ۱۸۹۹ء میں ایک سرفروش اس غرض سے

پیرس بھیجا جانے والا تھا تاکہ چھیڑ کر کے رضا کو لڑائی پر مجبور کرے اور اسے ہلاک کر ڈالے۔ لیکن رضا کو قسطنطنیہ سے اس فریب کی خبر پہنچ چکی تھی۔ جب سرائے میں اس واقعہ کا علم ہوا تو فرانسیسی سرزمین پر قتل کا خیال چھوڑ دیا گیا۔ اس سے بہت کچھ وعدے کئے گئے۔ جب وعدوں سے کام نہ چلا تو دھمکیاں دی گئیں لیکن ان وعدوں اور ان دھمکیوں کے باوجود احمد رضا بے اپنے انتخاب کئے ہوئے راستے سے ذرا بھی نہ ہٹا اور اپنے ارادے میں ثابت قدم رہا۔

گو اصلاحی تحریک ابھی خیالات کی حد تک ہی تھی اور کوئی عملی حیثیت نہیں رکھتی تھی لیکن سلطان کو اس کی طرف سے بہت سخت تشویش تھی۔ قسطنطنیہ اور صوبہ جات کے وہ لوگ جن کے متعلق پولیس کو بیجا یا بجا شبہ ہوتا تھا کہ سلطان کی مطلق العنانی کے خلاف خیالات رکھتے ہیں عتاب سلطانی کے شکار ہوتے تھے۔ سلطان کا ظلم اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ اس کی مطلق العنانی کے خلاف خیال کرنا تک ممنوع قرار دیا گیا تھا اور اس کے لئے بغاوت کی سزا دی جاتی تھی یہ سب کچھ سہی لیکن وہ اپنی اس رعایا کے مقابلے میں بالکل بیدست و پا تھا جس نے مہماں نواز مغرب میں پناہ لی تھی۔ پولیس کی احتیاط اور نگرانی کے باوجود ان پناہ گزینوں کے شایع کردہ اخبارات ترکی میں ہزاروں کی تعداد میں آتے تھے۔ ان کی پرجوش تحریکوں سے رضا کاروں کی تعداد میں آئے دن اضافہ ہو رہا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ جو لوگ واجب التعزیر کرار دیے گئے تھے یا جو اپنی خوشی سے جلاوطن ہو گئے تھے ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو اپنے کنبے سے دور غیر ملکوں میں فلاکت کی زندگی بسر نہیں کر سکتے تھے اس لئے انھوں نے ان لالچ دلانے والی خدمتوں، عظمتوں اور رشتوں، کو قبول کر لیا تھا جو ان کے سامنے سلطنت کی جانب سے پیش کی گئی تھیں اس کے علاوہ ان میں چند ایسے بھی تھے جنھوں نے ترکی کو محض فائدہ حاصل کرنے کی امید پر چھوڑا تھا۔ ان کے اخراج کا منشار صرف اتنا ہی تھا کہ اپنی اطاعت کو خاطر خواہ منافع پر فروخت کریں۔ انہیں میں سے ایک مراد بے مدیر "میزان" و سابق اسپریل کمشنر قرضہ عثمانی نے بھی کیا تھا۔ ۱۳ اپریل ۱۹۰۹ء کو وہ بغاوت کے جرم میں جلاوطن کیا گیا۔ اور پھر بحال ہوا البتہ جن لوگوں نے خطرات کی پروا نہیں کی تھی اور اپنے کو مصیبت میں دیدہ و دانستہ ڈال دیا تھا۔

وہی اس کام کے لئے بہت کافی تھے جس کا انھوں نے بیڑا اٹھایا تھا۔
انھیں کے زیر اثر ایک مجلس موسوم بہ "مجلس اتحاد و ترقی" ترکی میں قائم ہوئی۔ اس تحریک کا آغاز فوجی طبی مدرسے سے ہوا اور بہت جلد اس کے اثرات ہنکالڈی کے فوجی مدرسے توپ خانے اور انجنیرنگ مدرسے اور دیگر شعبہ جات میں پھیل گئے اور روز بروز اس کے معاونین کی تعداد بڑھتی گئی جس میں حکام اور علما بھی شامل تھے۔
۱۸۹۷ء کی پہلی کانفرنس کے موقع پر جبکہ احمد رضا بے اور ایک آرمینی کاتولی پیر انمیگین ہالنڈ کے پائے تخت میں ظلم سلطانی کے خلاف عوام میں تحریکیں کر رہے تھے ایک اہم واقعہ ظہور میں آیا یعنی نوجوان ترک کمیٹی اور میکین انقلابی کمیٹی (ہنچک اور ہوچک) کے درمیان سمجھوتہ ہوگیا۔ پیر انمیگین (Pierre Anmeghian) قسطنطنیہ کا ایک اخبار نویس تھا اور پیرس سے اخبار "دول" شایع کرتا تھا۔ اس اخبار نے عثمانی اصلاحی جرائد میں وہی کام کیا جو "لانترن" (Lantern) نے نہری روشن نور کی ادارت میں فرانس کے دوسرے دور سلطنت میں کیا تھا۔
۱۸۹۹ء میں سلطان کا بہنوئی محمود داماد پاشا احمد رضا کے گروہ میں شامل ہوجانے کی خاطر اپنے دونوں لڑکوں صبیح الدین بے اور لطف اللہ بے کو ساتھ لے کر پیرس بھاگ گیا۔ قسطنطنیہ اور دیگر صوبہ جات میں حمیدی دور سے بددلی روز بروز بڑھتی جارہی تھی۔ خود سلطان کے ہوا خواہوں نے اس کی بدگمانیوں سے تھک کر اور اپنے کو دائمی خطرے سے بچانے کے لئے غیر ملکوں میں پناہ لی تھی۔ "اتحاد و ترقی" کی مرکزی کمیٹی کا مقام سالونیکا قرار پایا کیونکہ یہاں تفتیش کم تھی اور زبردست رضاکار بہیں دار الخلافت کے ان جلاوطنوں سے فراہم ہوئے جنھیں سلطان نے یہاں جلاوطن کیا تھا۔
کمیٹی کا اجلاس اطالوی فری مشن کی منزل میں ہوا۔ اس کے کاغذات اور رقوم ایک اطالوی سوداگر کے پاس رکھائے گئے تھے۔ ہر اجلاس کے بعد اس کے تجاویز کی ایک رپورٹ مرتب ہوتی تھی اور بحفاظت مقفل

کردی جاتی تھی۔ کمیٹی کے تمام ارکین اور رفقا مستقل مزاج اور تجربہ کار لوگ تھے جن میں سے اکثر ایسے خدمات پر مامور تھے جن کی بدولت حکومت کے اغراض سے فوری واقفیت ہو سکتی تھی چنانچہ حلمی پاشا، صدر ناظم اصلاحات (مقدونیہ) ناظم تلغراف کا پرائیویٹ سکرٹری اور مصاحب خاص اس کمیٹی کا ممبر تھا۔ وہ یلدیز کی خفیہ تحریر سے واقف تھا۔

فوج میں خاص طور پر تحریک پھیلانے کی کوشش کی گئی کیونکہ فوج ہی مطلق العنانی کا زور توڑ سکتی تھی اور یہ زمین پہلے سے ہی تخم ریزی کا مدبار آوری کے لئے تیار تھی۔

عبدالحمید کی بتیس[۳۲] سالہ حکومت میں جاسوسی، مخبری، اور رشوت ستانی کی بدولت سلطنت کے تمام انتظامات ملیامیٹ ہو چکے تھے اور اُن میں خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ نظم و نسق مال کی کوئی شاخ درست حالت میں نہ تھی۔ سب میں ابتری کا بازار گرم تھا، صرف فوج کا صیغہ ہی ایک ایسا صیغہ تھا جو کسی قدر ان مہلک اثرات سے بچا ہوا تھا۔ قوم کا بہترین عنصر اور قوم کے مستعد ترین افراد فوج میں شامل تھے۔ گو حرم سرا کے ساختہ و پرداختہ افسر، جنرل، اور خواجہ سرا قسطنطنیہ میں بھرے پڑے تھے جو اپنی زرق برق وردیوں میں ملک کے لئے باعث ننگ تھے مگر صوبوں میں فوج کا بڑا حصہ اطمینان بخش حالت میں تھا۔ اس کے سوا ترکی کی فوج ہی قوم کے نہایت متدین، ہوشیار اور تعلیم یافتہ طبقے پر ناز کر سکتی ہے، ترکی کے تعلیم یافتہ ممالک یورپ کی طرح قوم کی اعزا و پیشہ جماعت سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ فوج ان لوگوں کا مسکن و مرکز ہے۔ طبقہ بندی ترکی میں نہیں اور یہ چیز شریعت اسلامی کا نتیجہ ہے اور یہ ترکوں کے طبائع کے لحاظ سے مناسب بھی ہے چنانچہ ادنیٰ اعلیٰ اور متوسط کا ترکی میں وجود نہیں ہے۔ ترکوں کی قوم ہمیشہ سے سپاہی قوم رہی ہے۔ ان کے علاوہ اگر دیگر افراد ہیں تو وہ علما اور قضاۃ ہیں ان کے سوا اور کوئی طبقہ نہیں باقی سب خدمتگار ہیں۔ ایک مدت مدید تک ان میں بھی جنگ کی بدولت زمیندار امرا کا سلسلہ چلا لیکن بعد میں یہ سلسلہ توڑ دیا گیا اور محمود ثانی کے زمانے سے

جس نے جاں نثاروں کو مٹایا تھا اس کے اب صرف نشانات رہ گئے ہیں جو روز بروز ناپید ہوتے جاتے ہیں۔ پس قوم کی روح رواں فوج تھی اس کی دستوری حکومت کی طرفداری مطلق العنانی کا خاتمہ کر سکتی تھی۔ تھوڑے ہی زمانے میں نوجوان ترک اپنی توقعات سے زیادہ کامیاب ہوئے۔
ایک سال کے اندر مقدونیہ کے فوجی مدارس کے بہت سے افسر تحریک دستوری کے طرفدار بن گئے۔ تحریک کی کامیابی زیادہ تر اس وجہ سے بھی ہوئی کہ وہ فوجیں جو کئی سال سے دیہات میں باغی بلغاریوں، یونانیوں، اور سربیوں کا تعاقب کر رہی تھیں حکومت سے سخت بددل ہو گئی تھیں جس کی وجہ یہ تھی کہ نہ تو انھیں کافی کپڑا ہی ملتا تھا نہ غذا، اور تنخواہ، یلدیز کے افسروں، اور سرائے کے بیشمار جاسوسوں اور محافظ فوج کے سامنے حکومت کے خلاف حکام کوئی کام نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن شہر کے باہر ناشائستہ علاقوں میں جہاں فوجیں ہمیشہ نقل وحرکت کرتی رہتی تھیں وہ خود مختار تھے۔ یہاں حمیدی جاسوسوں کی کوششیں ناکام رہتی تھیں۔ اور یہاں انھیں اپنے سپاہیوں پر ان کے ساتھ تکالیف، خطرات اور مصائب جھیلنے کی وجہ سے وہ قابو حاصل تھا جس کی طرف سے سلطان کو ہمیشہ خدشہ لگا رہتا تھا۔ مقدونیہ کو ترکی اقتدار سے خارج کرنے کا سوال یورپ کے پیش نظر تھا، اور سلطان کے عیارانہ تدابیر سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس فیصلے پر روس اور دول مغرب کے آگے سر تسلیم خم کر دے گا یہ امور ایسے تھے جن سے ان افسروں کا جذبۂ حب الوطن اور بھی دوبالا ہو گیا۔ "زوال کے پروگرام" (Reval Programme) کے متعلق اخبارات کے انکشافات سے نوجوان ترک افسروں کو عبدالحمید کے خلاف جلد بغاوت کا علم بلند کر دینا پڑا حالانکہ کمیٹی کا تصفیہ کچھ دن بعد تھا۔ مقدونیہ کو بچانے کے لیے عبدالحمید کی معزولی ضروری تھی۔ مجبوراً نیازی بے نے رسنا میں اپنی تدابیر کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی۔
قسطنطنیہ میں سلطان کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے ایک کمیشن تحقیقات کے لئے جنرل اسماعیل ماہر پاشا کی زیر صدارت سالونیکا

روانہ کیا تاکہ اس بدامنی کی تحقیقات کرے جو مقدونی فوج میں پھیلی ہوئی تھی اس کمیشن کے اراکین جنرل صدیق پاشا اور جنرل رجب پاشا اور معتمد محلسرا نہیم بے تھے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حسین حلمی پاشا بھی کمیٹی کا طرفدار ہو گیا تھا کیونکہ کمیشن کو غلط خبروں سے دھوکا دیا گیا جس کی وجہ سے ماہر پاشا نے قسطنطنیہ کو جو کیفیت بھیجی اس میں نوجوان ترکوں کی قوت کو بہت بڑھا چڑھا کر بتایا تھا اور یہ لکھا تھا کہ نوجوان ترک فوج پر اس قدر مسلط ہو گئے ہیں کہ اندیشہ ہے کہ کہیں قسطنطنیہ پر دھاوا نہ کر بیٹھیں۔ نیازی بے کی رفتار ترقی ماہر پاشا کی رپورٹ سے اس وقت مطابقت بھی رکھتی تھی چنانچہ یلدیز میں اس رپورٹ کی اصلیت پر کچھ شبہ نہیں کیا گیا۔ صدر اعظم فرید پاشا ہی ایک ایسا شخص تھا جو اس بارے میں کسی قدر مذبذب تھا۔ اس نے ماہر پاشا سے دریافت کیا کہ آیا خود اس نے مقدونیہ کا دورہ کرکے یہ کیفیت لکھی ہے یا کسی اور ذریعے سے اس نے حالات معلوم کئے ہیں ماہر پاشا نے جواب دیا کہ مقدونی فوج کی تمام چھاؤنیوں اور علاقوں کا دورہ ناممکن تھا لیکن جو کچھ اسے کیفیت ملی ہے وہ نہایت معتبر اور موثق ذرائع سے ملی ہے چنانچہ صدر ناظم اصلاحات کا ذوق کسی طرح مشتبہ نہیں ہو سکتا۔ ایک دوسرا کمیشن سالونیکا بھیجنے کا تصفیہ ہوا لیکن وہ ابھی روانہ ہونے والا ہی تھا کہ سب کچھ تصفیہ ہو گیا۔

گو نوجوانان ترک کمیٹی کے اراکین کو سالونیکا میں کوئی جانتا نہ تھا لیکن اس کمیٹی کا وجود مخفی نہ تھا۔ جب لفٹنٹ کرنل ناظم بے کو جو سالونیکا کا فوجی افسر اور انور بے کا (جو بانیان کمیٹی سے تھا) نسبتی بھائی تھا انور بے کے متعلق شبہ ہوا کہ اس کو اصلاحی مجلس سے تعلق ہے تو اس نے سلطان کو اس سے آگاہ کیا۔ کمیٹی نے ناظم بے کا منہ بند کرنے کے لئے اس کی موت کا فیصلہ کیا۔ لیکن قتل کی کوشش ناکام رہی۔ وہ صرف سخت زخمی ہوا۔ ایسا ہی قسطنطنیہ میں کمیٹی کا ایک اور شخص کراسو آفندی بری طرح پھنس گیا تھا۔ یہ شخص بظاہر ایک انگریزی کمپنی کا معتبر نمائندہ تھا اور تجارتی اغراض کے

حیلے سے قسطنطنیہ آیا جایا کرتا تھا اور اس طرح سے سالونیکا کی کمیٹی اور دارالخلافت کے نوجوان ترکوں کا پیام رساں تھا۔ خوش قسمتی سے اس پر کچھ ایسا زیادہ شبہہ نہ تھا اور گو محمد چرکس پاشا حرم سرائے کے خاص جاسوس نے اس کو بہت کچھ ڈرایا لیکن اس کے کچھ نہ کہنے پر چھوڑ دیا گیا۔ اس طرح سے نوجوان ترک آفت سے بچ گئے لیکن یہ ضروری تھا کہ سلطان کی طرف سے سدباب ہونے سے قبل ہی اس کارروائی کی ابتدا ہوئی تھی۔

چنانچہ انور بے چند افسروں کو لے کر سالونیکا سے روانہ ہوا تاکہ ان فوجوں کو بغاوت پر آمادہ کرے جو ریلوے لائن پر متعین تھیں اور جن کے بہت سے افسر اصلاحی تحریک کے حامی تھے یہ مہم غیر معمولی طور پر کامیاب ہوئی۔ ہر جگہ پلٹنوں کے سرداروں نے انور بے کا پرجوش خیر مقدم کیا اور انور بے نے سپاہیوں سے کمیٹی کے اطاعت کا حلف لیا۔ جولائی کی تیئیسویں شب کو کمیٹی نے انور بے کی کامیابی اور نیازی بے کے قبضۂ مونستر سے مطلع ہو کر حکومت دستوری کے اعلان کا تصفیہ کرلیا۔ دو بجے شب کو کمیٹی کے اراکین، رفقا، اور طرفدار جن کی جملہ تعداد چھ سو تھی کونک (کوشک) حلمی پاشا کو روانہ ہوئے اور "دستور سلامت باشد" کے نعروں کے ساتھ حملہ کر دیا۔ اور پو پھٹتے ہی سالونیکا پر کمیٹی کا قبضہ ہو گیا۔

نوجوان ترکوں کے مقابلے کے لئے جو قوت فیصلہ، قوت عمل، مستعدی اور جرأت رکھتے تھے یلدیز میں خدمتگاروں کا ایک گروہ تھا جو نہ تو مردانہ ارادہ رکھتا تھا اور نہ مردانگی کے جوہر دکھانے کی اس میں قوت ہی تھی سلطان نے اپنے غلط اندیشوں اور اپنے نااہل مصاحبوں کے کمینہ اغراض کی بدولت ان لوگوں کو علیحدہ کر دیا تھا جو اس وقت میں کام آسکتے تھے۔ اب اس کے گرد لے دے کے صرف ایک گروہ ایسے ذلیل آدمیوں کا موجود تھا جس میں نہ تو کوئی صاحب عقل ہی تھا اور نہ صاحب شمشیر۔

صدر اعظم فرید پاشا نے سلطان پر واضح کر دیا تھا کہ صورتِ حال خطرناک

اور وقت بہت نازک ہے۔ تاج و تخت کے بچاؤ کے لئے اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے کہ دستور کا دوبارہ قیام منظور کر لیا جائے، لیکن اس مشورے کی بدولت وہ معزول کیا گیا اور اس کی جگہ کوچک سعید پاشا مامور ہوا جس نے بادشاہ کو یہ صلاح دی کہ مصلحین کے مطالبات کا جواب توپوں کے دہانوں سے دیا جائے۔ ۲۳ کی صبح کو خبر آئی کہ سالونیکا اور مونستر پر نوجوان ترکوں کا قبضہ ہو گیا اور مقدونی فوج دار الخلافت پر دھاوا کرنے والی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ غلط خبر بھی دی گئی کہ ایڈریانوپل پر جو دوسرا رسالہ متعین تھا وہ مصلحین سے مل گیا اور جو فوجیں قسطنطنیہ کے اطراف چلدہ لائن کی حفاظت پر مامور تھیں وہ بھی باغیوں سے مل جانے پر تلی ہوئی ہیں۔ یہ خبریں سب غلط تھیں۔ درحقیقت نوجوان ترکوں کے پاس صرف وہی رسالہ تھا جو انور بے اور نیازی بے سے مل گیا تھا۔ دوسرا رسالہ مثل قسطنطنیہ کی محافظ فوج کے سلطان کا طرفدار تھا۔ ہمت اور ہوشیاری سے اس بغاوت کا مقابلہ ہو سکتا تھا لیکن ہمت اور ہوشیاری نہ تو سلطان میں ہی تھی اور نہ اس کے ہواخواہوں میں۔ سعید پاشا سے جب اس کے جلیل القدر مالک نے مشورہ کیا تو اس نے یہ رائے دی کہ دستور کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

بادشاہ نے جب سعید پاشا کو جو اب تک فرید پاشا کے اصلاحات کا نہایت سخت مخالف تھا دستور کی وکالت پر آمادہ دیکھا تو اس کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی سلطان نے خیال کیا کہ صورتِ حال یونہی واقع ہوئی ہے تو فرید پاشا کی معزولی درست نہ تھی۔ اس لئے اس نے اس کو بلا بھیجا اور قلمدان صدارت عظمیٰ پیش کیا اور ساتھ ہی ساتھ دستور کے دوبارہ نفاذ کے متعلق رضامندی ظاہر کی۔ سلطان کو بہت سخت حیرت ہوئی جب فرید نے اس عہدۂ جلیلہ کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہ واضح کیا کہ وہ سلطان کی اس تبدیلی کو صداقت پر مبنی نہیں سمجھتا۔ دستور کو وہ اپنا دام تزویر بنانا چاہتا ہے جب دستور کی یہ حالت بنائی جائے تو پھر اور دوسری باتوں کا خدا حافظ ہے۔ سلطان نے قطع کلام کر کے اور جھلا کے کہا "کیا تمہیں اپنے سر کا خوف ہے؟"

فرید نے جواب دیا کہ مجھے اپنے سر کا کچھ خوف نہیں لیکن ہے تو آپ کا اور اہل دربار کے سروں کا خوف ہے"۔

اس طرح سے سعید پاشا ہی صدر اعظم رہا۔ ۲۴ کی صبح کو اخبارات کو حسب ذیل سرکاری اطلاع دی گئی۔

"مجلس نیابت (پارلیمنٹ) کے اجلاس کے لئے حکم سلطانی صادر ہوا ہے۔ یہ مجلس نیابت بالکل اس دستور کے طریقے پر ہوگی جسے اعلیٰ حضرت سلطان المعظم نے نافذ کیا ہے۔ یہ حکم سلطانی تار کے ذریعے سے تمام ولایات اور خود مختار متصرفات کو بھیج دیا گیا ہے اور انھیں دعوت دی گئی ہے کہ نیابتی انتخابات اسی طریقے پر عمل میں لائیں جس طریقے پر دستور میں لکھا ہوا ہے"

عوام نے دستوری بغاوت کا جھجکتے ہوئے خیر مقدم کیا کیونکہ یہ شبہ تھا کہ کہیں یہ دام پھانسنے کے لئے نہ ہو۔ اخبارات پر سے ابھی نگرانی ہٹی نہ تھی اس لئے وہ اس واقعے پر کوئی تنقید نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن ۲۵ کو تمام اخبارات نے سنسروں کی پروانہ کر کے دستور کی دفعہ ۱۲ کو نقل کیا جس میں آزادی مطابع کی ذمہ داری لی گئی تھی اور جاسوسی، مخبری اور قتل و غارت کے خاتمے پر جن سے ملک تیس سال سے پامال ہو رہا تھا آپے سے باہر ہو کر خوشی کا اظہار کیا۔ عام مخلوق وزارت کے دفاتر اور وزرا کے مکانات کی طرف روانہ ہوئی اور ان سے پبلک میں دستور کا حلف لینے کا مطالبہ کیا۔ مارشل ذکی پاشا اعلیٰ افسر توپخانہ و صدر ناظم مدارس فوجی نے جب ہنکالڈی کے مدرسۂ فوجی کے طلبا کو ڈاکٹر رضا توفیق بے کی واپسی قسطنطنیہ پر خیر مقدم کرنے سے روکنا چاہا تو اسے برطرف اور جزیرۂ امرا کو جلاوطن کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ جلاوطنی میں حسب ذیل آدمی تھے۔

جنرل اسماعیل پاشا صدر مہتمم مدارس فوجی جو دورہ حمیدی کا بدترین جاسوس اور ستمگر تھا۔

جنرل محمد چرکس مصاحب خاص اور مندرجۂ بالا طبقے کا ایک بدمعاش عزت پاشا دوم معتمد و حاجب سلطان جو مثل نائب سلطان کے تھا۔

باایں ہمہ سعید پاشا نے اپنی دانشمندانہ چالوں سے دستور کو ایک حد تک ناکام کیا۔ روز اول سے ہی ایک خاموش جنگ اس میں اور صدر اعظم سابق کامل پاشا میں جاری تھی جو ۲۲ جولائی کے کابینہ میں بغیر عہدۂ وزارت کے وزیر بنا دیا گیا تھا۔ یہ ایک بدعت تھی جس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ دونوں حریفوں کو آپس میں لڑایا اور اس طرح سے دونوں کا اثر زائل کیا جائے۔ سابق میں محمود کے اصلاحات کے پیشتر ترکی میں صدر اعظم کا ایک قائم مقام ہوا کرتا تھا۔ جب صدر اعظم سپہ سالار افواج ہو کر میدان جنگ یا اور کسی کام پر قسطنطنیہ سے باہر جاتا تو قائم مقام صدر اعظم کا کام انجام دیتا۔ اب قائم مقام کی بجائے مستشیر ہے لیکن مستشیر ایک دوسرے درجے کا عہدہ دار ہوتا ہے جو صدر اعظم کی عدم موجودگی میں وزرا کو کسی طرح سے بھی احکام نہیں دے سکتا۔ پس کامل پاشا کے متعلق جو بغیر عہدۂ وزارت کے وزیر تھا یہ کہا گیا کہ اس کی خدمت سابق قائم مقام کی ہے۔ منشور ۱۸۷۶ء سے صدر اعظم اراکین کابینہ کے تقررات کر سکتا تھا۔ سلطان کو اختیار صرف اس حد تک تھا کہ وہ صدر اعظم کے پیش کردہ تقررات پر صاد کرے۔ سعید پاشا کا منشا تھا کہ وزیر جنگ اور وزیر بحری کے تقرر کا حق سلطان کو دیا جائے جو دستور کی دفعہ ۲۷ کے خلاف تھا۔ اس چال سے سلطان کو بری و بحری فوج پر پورا اقتدار حاصل رہتا اور وہ ان وزرا کے ذریعے جو اسی کے وابستہ ہوتے فوجی انقلاب پیدا کر سکتا تھا جو سابقہ انقلاب کو فنا کر دیتا۔ سعید پاشا اور اس کے رفقا کی مخالفت یہاں تک پہنچی کہ شیخ الاسلام جمال الدین نے اپنا استعفا پیش کر دیا۔ یہ دیکھ کر حسن فہمی پاشا وزیر عدالت حاجی عاکف پاشا وزیر داخلی ترخان پاشا، کونسل آف اسٹیٹ کے صدر نشین اور کامل پاشا ان سب نے بھی اپنا اپنا استعفا پیش کر دیا۔

دوسرے دن فوجی افسروں کے ہنگامے کے بعد امیر البحر حسن رمی پاشا کمیٹی کے حکم سے برطرف کر دیا گیا۔ یہ رمی وہ تھا جسے سعید رکھنا چاہتا تھا۔ گورنمنٹ کا اب وجود باقی نہ تھا۔ ۴؍ کو سعید پاشا نے سلطان کی خدمت میں اپنا استعفا پیش کیا۔ ۵؍ کو نصف النہار کے وقت ایک سلطانی خط

شایع ہوا جس میں کامل پاشا کو نئے کابینہ کی ترتیب کا حکم دیا گیا تھا۔

وزارت کامل پاشا (۵ راپریل ۱۹۰۸ء)

مسائل بلغیریا، ہرزی گوونیہ واکریت (Crete)

کابینۂ کامل پاشا میں قابل لوگ شامل تھے چنانچہ وزیر جنگ مارشل رجب پاشا تھا جس کی قابلیت اور راستبازی سے خوف زدہ ہو کے سلطان نے بہ اعزاز اسے طرابلس کا فوجی سردار اور والی بنا کے جلاوطن کیا تھا۔ وزیر تعمیرات و تجارت باب عالی کا سابق مشیر قانونی جبرئیل افندی نورادونکھین تھا۔ وزیر عدالت حسن فہمی پاشا تھا جو اپنی اصلاح پسندی سے قدیم دور میں بھی مشہور تھا لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ وزارت ممالک داخلی پہ سابق مشیر قانونی حقی بے تھا جو یلدیز کے اعتمادی درباریوں سے تھا اور جس کی حالیہ حریت پسندی نہایت مشتبہ تھی۔ اس سے بھی بڑھ کر حیرت یہ تھی کہ ترکی کے دستوری کابینہ کا صدر کمال پاشا سابق صدر اعظم تھا۔ ۵ رنومبر ۱۸۹۵ء کو وہ محل کی سازش سے ۳۶ دن دوبارہ صدر اعظم رہنے کے بعد والی حلب بنا کے جلاوطن کیا گیا تھا حلب سے عربستان کی کچھ ایسی زیادہ مسافت نہیں ہے چنانچہ وہ سلطانی کشتی میں حلب پہنچایا جانے والا تھا کہ انگریز اور جرمن سفرا کی سرگرم مداخلت کی بدولت یہ سفر رہ گیا۔ اس کی سیاست انگریزی طرفداری اور جرمنی سمجھوتے پر مشتمل تھی۔ ترکوں میں صرف وہ، اور فرید پاشا دو ایسے حکام تھے جنھیں گرانڈ کراس کا جرمنی سیاہ عقاب کا تمغہ ملا تھا کامل پاشا سے پہلے کوچک سعید پاشا ۱۱۵ دن کی پانچویں وزارت کے بعد برطرف کیا گیا تھا اور رضا لطیف جلاوطن کئے جانے کے

سفارت خانۂ انگریزی میں پناہ گزین تھا۔ سلطان نے سعید پاشا کی تقلید کی خاطر اور اس غرض سے بھی کہ انگلستان اور جرمن کی ناخوشی کا باعث نہ ہو دونوں سفارت خانوں کو اطلاع دی کہ انھیں غلط خبر پہنچی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کامل پاشا سلطانی کشتی پر سوار تھا لیکن یہ کشتی اسے صرف سمرنا لئے جا رہی تھی۔ اور اسی کے ساتھ وہ والی عدن کی حیثیت سے بھیجا جا رہا تھا جو سلطنت ترکی کا اہم ترین صوبہ ہے۔ کامل پاشا گیارہ سال سے زیادہ اس صوبے پر حکمراں رہا۔ ذاتی جلب منفعت کے سوا کوئی دوسری بات اس کے مدنظر نہ تھی۔ صوبے کو اس نے اپنی ملک سمجھ رکھا تھا۔ اس نے تمام بڑی بڑی خدمتیں اپنے بیٹوں، پوتوں، دامادوں، بھتیجوں اور بھائیوں کو دے رکھی تھیں اور جب قرابتدار ختم ہو گئے تو گھر کے ملازموں کو مامور کر دیا تھا۔ اس کا ایک بیٹا سعید پاشا بحری افسر، اور یلدیز کا خاص جاسوس تھا۔ حالانکہ کبھی اس نے جنگ کی صورت بھی نہیں دیکھی تھی مگر تیس برس کی عمر میں ہی اعلیٰ افسر بنا دیا گیا تھا۔ اس نے اپنے باپ کی محبت اور ضعیفی سے فائدہ اٹھا کے صوبے کو خوب جی کھول کر لوٹا۔ قزاقوں کی ٹولیاں اس کے زیر اثر تھیں اور ان کی لوٹ میں اس کا بھی حصہ ہوتا تھا۔ کامل پاشا کی بد انتظامی کے متعلق سلطان کے پاس شکایات کے دفتر پہنچے لیکن پھر بھی وہ معزول نہیں کیا گیا جس کی پہلی وجہ تو یہ تھی کہ اگر وہ معزول کر دیا جاتا تو قسطنطنیہ میں سدراہ بن جاتا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اس کی معزولی پر انگلستان اور جرمنی کی ناخوشی کا اندیشہ تھا مگر یہ روک تھام کب تک باقی رکھی جا سکتی تھی سمرنا کی قونصلی جماعت نے اس کی جو شکایتیں کی تھیں وہ ایسی نہ تھیں کہ انھیں نظر انداز کر دیا جاتا۔ تمام دول کے نمایندوں نے جن میں خود کامل پاشا کی سرپرست سلطنتوں کے نمایندے بھی شامل تھے اگر کامل پاشا کو نہیں تو اس کے بیٹے کو تو ضرور اس غارتگری کا ذمہ دار گردانا تھا جس کی بدولت صوبہ تباہ ہو گیا تھا چنانچہ آخرکار کامل پاشا برطرف کر دیا گیا۔ یہی وہ کامل پاشا تھا جسے دستور کی عمل پیرائی کا کام سپرد کیا گیا تھا۔

وزیر ہونے کے بعد کامل پاشا نے اپنے کام کے متعلق ایک شاندار و بلیغ اعلان شایع کیا جس میں لفاظی ہی لفاظی تھی اور کوئی مطلب کی بات نہ تھی۔ اس اعلان کا ایک ایک لفظ جچا تلا اور سمجھا ہوا تھا چنانچہ ایک لفظ دوسرے لفظ سے شاندار اور زیادہ اہم معلوم ہوتا تھا۔ وعدوں کی بھرمار تھی لیکن سب توضیح کے محتاج تھے اور یہ پہلو مخفی رکھا گیا تھا کہ حکومت کس طور سے ان اصلاحات کو جنھیں اس نے ضروری بیان کیا تھا عملی جامہ پہنائے گی۔ آخر وہی ہوا جو اس کے مضمون سے ظاہر تھا یعنی یہ کہ اس نے کچھ بھی نہیں کیا۔ ایک دن تقررات کئے جاتے تو دوسرے دن اس حکم کو منسوخ کر دیا جاتا۔ افسروں کے تبادلے ہوتے پھر انھیں اپنی جگہ پر بحال کر دیا جاتا اور اس کے بعد پھر تبادلہ کر دیا جاتا تھا۔ سادات کی گرفتاریاں جو پہلے تھیں وہی اب بھی جاری رہیں (حالانکہ پہلے ان کی گرفتاریاں ایک حد تک بجا ہو سکتی تھیں)۔ ان باتوں کے سوا حکومت کو کچھ کام نہ تھا۔ حکومت، مجلس وزرا اور انقلابی کمیٹی کی حکومت تھی کمیٹی کو بظاہر حکومت کے معاملات سے کوئی سروکار نہ تھا لیکن بایں ہمہ وہ افسروں کو برابر احکام روانہ کرتی تھی جن میں ان کے طرز عمل کے متعلق ہدایات ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ اخبارات میں اس کی طرف سے یہ اعلان شائع کئے جاتے تھے کہ جو کمیٹی کے تجاویز کی مخالفت کرے گا وہ باغی سمجھا جائے گا کمیٹی کے نمایندے مجلس وزرا کے اجلاسوں میں موجود رہتے تھے۔ جب سلطان جمعے کو مسجد جاتا تھا تو سلملک کی ترتیب میں صرف وہی رہتے تھے۔ وزرا کو انھوں نے ایک طرف بٹھا دیا تھا۔ کسی امر میں تصفیہ کرنے کے قبل وزرا کمیٹی کی رائے لیتے تھے۔ کابینہ کمیٹی کی رائے کا منتظر رہتا اور کمیٹی ذمہ داری سے بچنے کے لئے کابینہ کی رائے لیتی تھی آخر مجلس وزرا نے اس دور انقلاب سے فائدہ اٹھا کر ان موانعات کو دور کیا جو اس کی راہ میں حائل تھے چنانچہ جب مجلس نیابت کا اجلاس ہوا تو معاملہ ایک خاص شکل رکھتا تھا۔ فوجی انقلاب کی بدولت دستور میں دوبارہ جان آئی تھی جس وقت تک مجلس نیابت قایم نہیں ہوئی تھی۔ یا قایم تو ہو چکی تھی مگر انقلابی حالت میں تھی اس وقت تک انقلابی طریقے پر ہی حکومت ہو سکتی تھی فوج ہی کی بدولت انقلاب ظہور میں آیا تھا جس سے آئینی آزادیاں

حاصل ہوئی تھیں۔ فوج کو لازم تھا کہ وہ اپنے ہاتھ میں زمام حکومت لیتی۔ اس کا یہ زمام حکومت اپنے ہاتھ میں نہ لینا بہت بڑی غلطی کا باعث ہوا۔

خارجی واقعات کے دفعۃً ظہور پذیر ہونے سے صورت حال میں اور بھی پیچیدگی واقع ہو گئی جس سے مخالفان تنظیم کو تنظیم کے خلاف تحریک کرنے کے لئے مواد مل گیا۔ اسی زمانے میں بلغیریا نے اپنی خودمختاری کا اعلان کیا۔ آسٹریا ہنگری نے بوسنہ اور ہرزیگوونیہ کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا (۵ر اکتوبر) اکریت نے یونان کے ساتھ اپنے دوبارہ مل جانے کا اعلان۔ (۸ر اکتوبر) بلا شبہ سلطنت کا یہ تجزیہ ان حالات و واقعات کا نتیجہ تھا جن میں کچھ تبدیلی نہیں ہو سکتی تھی لیکن فی الحال تو مآل اندیشی اور مصلحت سے ان حالات و واقعات کو رونما ہونے دیا جا سکتا تھا۔ یوں تو سب امور میں مآل اندیشی ایک بہتر صفت ہے لیکن سیاسیات میں سب سے پہلے مآل اندیشی اور موقع شناسی انتہائے دانشمندی کی بات ہے۔ بدقسمتی سے ترکوں نے خود ہی ان مسائل کو چھیڑ دیا۔ اور غلطیوں پر غلطیاں کرتے رہے نتیجہ یہ ہوا کہ جو واقعات کہ دفعۃً پیش آئے وہ سراسر خلاف امید تھے۔

اولاً دستور کا جب دوبارہ نفاذ ہوا تو قومیت پسند ترکوں نے غیر متوقع کامیابی سے بدمست ہو کر سخت ناعاقبت اندیشی کے ساتھ اپنے اخبارات میں بوسنہ ہرزیگوونیہ اور اکریت کا ذکر چھیڑ دیا اور یہ اعلان کر دیا کہ اب جب کہ سلطنت ترکی اصول آزادی پر کاربند ہے اور بغیر امتیاز مذہب و ملت تمام عثمانی رعایا میں مساوات قایم ہے تو اصلاحات دول غیر نہ صرف مقدونیہ میں موقوف ہونے چاہئیں بلکہ ان تمام ممالک کو بھی ترکی کے زیر نگین آجانا چاہئے جو پہلے ترکی کے صوبے تھے۔ یہ سچ ہے کہ بعد میں کمیٹی نے اخبارات کو ان ملال انگیز مسائل کے تذکرے سے روک دیا اور ممانعت کر دی کہ بوسنہ، ہرزیگوونیہ، مصر، اکریت، قبرس اور تونس، کے متعلق وہ کچھ نہ لکھیں لیکن آخر ذکر تو چھڑ ہی چکا تھا اور اہل اسلام کی خوابیدہ امیدیں جاگ اٹھی تھیں اس لئے وہ اپنی ناواقفی کے باعث اس امر کو ممکن الحصول سمجھ رہے تھے۔

ثانیاً گوشوف کا واقعہ پیش آیا جو محل کی ایک سازش کا نتیجہ تھا تاکہ بلغیریا اور

ترکی میں جنگ چھڑ جائے اور سلطان کو دستور پر تیس سال پہلے کا حملہ تازہ کرنے کا موقع مل جائے۔ ۱۲ ستمبر کو وزیر خارجہ نے جماعت سفرا کو سرکاری طور پر دعوت دی لیکن سلطان کے باضابطہ حکم کی بنا پر والی بلغیریا کے ایجنٹ ایم گوشوف کو دعوت نہیں دی گئی۔ اسی شام کو صوفیا سے حکم آنے پر وہ قسطنطنیہ سے روانہ ہوگیا۔ ترکوں کی بحث یہ تھی کہ بلغیریا ترکوں کی باجگذار ریاست تھا۔ پرنس فرڈیننڈ کا سفیر ایسا ہی ہونا چاہیئے جیسا ایک معمولی عثمانی عہدہ دار۔ اس کے ساتھ خدیو کے سفیر کی طرح ہی سلوک ہوسکتا ہے بلغیریوں نے اس کا یہ معقول جواب دیا کہ بلغیریا کا سیاسی نمایندہ" صرف دول یورپ میں ہی مجلس سفرا کا ایک رکن نہیں مانا گیا ہے بلکہ قسطنطنیہ میں بھی اس کو اسی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ شروع سے ہی سفیر بلغیریا نے وزیر خارجہ اور باب عالی سے خط وکتابت رکھی تھی اور ان سیاسی سفرا میں شامل تھا جن کو سلطان نے سابق میں دعوت دی تھی۔ ترکوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہ دور قدیم کی غلطی تھی جس کو دستوری حکومت روا نہیں رکھ سکتی۔

قسطنطنیہ سے ایم گوشوف کی روانگی کے دن سے صوفیا میں بلغاروی خودمختاری کا مسئلہ چھڑا ہوا تھا۔ مشرقی ریلوے کمپنی کے عملے اور مزدوروں کی عام ہڑتال سے جو ۱۸ ستمبر کو واقع ہوئی حالات اور بھی نازک ہوگئے۔ اس ہڑتال سے فائدہ اٹھاکے بلغاریوں نے مشرقی رومیلیا کی ریلوے لائنوں پر قبضہ کرلیا اور اپنی فوجوں سے مزدوروں کا کام لیا۔ جب ۲۲ کو ہڑتال کا خاتمہ ہوا تو انھوں نے کمپنی کو ان لائنوں کے واپس دینے سے انکار کیا اور حجت یہ پیش کی کہ وہ اپنی لائنیں ان ملازمین کے سپرد نہیں کرسکتے جو قسطنطنیہ میں بیٹھ کے صرف ترکی میں ہی ہڑتال کا حکم نہیں دیتے بلکہ بلغیریا میں بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ اور اور اس پر طرہ یہ ہے کہ ترکی فوجی گاڑیاں ہڑتال کے زمانے میں چلتی ہیں۔ ریل ترکی کی ملکیت ہے چنانچہ ترکوں کو سخت خسارہ ہوا اور بیرن ہرش کو کروڑہا فرانک کا فائدہ ہوا۔ حکومت میں اس کاروبار سے تمتع حاصل کرنے کی صلاحیت نہ تھی اس لئے اس نے آسٹروی جماعت کو یہ کام اجارے پر دیدیا تھا۔ اس جماعت میں

کئی گروہ تھے۔ سب سے بڑا حصہ دار ڈیوئس برلن بنک تھا۔ اور یہ جماعت زیوریچ ٹرسٹ کے نام سے موسوم تھی۔ بلغیریا نے ان لائنوں کو کمپنی کے حوالے کرنے سے انکار کر کے خود ہی متمتع ہونے کا حق خریدنا چاہا۔ کمپنی اس پر راضی تھی لیکن سلطنت عثمانیہ نے پہلے استرداد ریلوے کا مطالبہ کیا۔ صوفیا اب اس مطالبے کو پورا نہیں کر سکتا تھا کیونکہ ایسا کرنے میں ملک میں خطرناک شورش کا اندیشہ تھا۔ اس مشکل سے بچنے کی صرف ایک صورت تھی وہ یہ کہ خود مختاری کا اعلان کر دیا جائے۔

باوجود اس کے بلغیریا نہیں چاہتا تھا کہ اس بنا پر ترکی سے دست وگریباں ہو جائے۔ گو وہ بہت پہلے سے جنگی تیاری کر چکا تھا اور اب اس قابل تھا کہ تھوڑے ہی وقفے میں دو لاکھ کی فوج تھریس اور مقدونیہ روانہ کر دے۔ لیکن فرمانروایان بلغیریا نہیں چاہتے تھے کہ بغیر یورپ کی پسندیدگی کے اس معرکے میں کود پڑیں۔ بلغاریوں کو آسٹریا سے جس نے بوسنہ، ہرزیگووینیہ شامل کر لیا تھا کچھ ڈر نہ تھا جس کی زیادہ تر وجہ یہ بھی تھی کہ پرنس فرڈیننڈ نے شہنشاہ فرانسس جوزف سے اس بارے میں پہلے ہی اجازت لے لی تھی اور ان دونوں میں گویا سمجھوتا ہو گیا تھا لیکن بلغاریوں کو ڈر تھا تو روس اور انگلستان سے جن کی ناخوشی آگے چل کر مخالفت کی شکل اختیار کر لیتی اس لئے شاہ فرڈیننڈ نے مصلحت یہی سمجھی کہ سلطنت عثمانیہ کو بلغیریا کی دوستی کا یقین دلایا جائے۔ ۵ / اکتوبر کو ۴ بجکے بیس منٹ پر اس نے یہ عجیب تار سلطان کے نام روانہ کیا۔

اعلیٰحضرت۔ اس عطوفت کی بدولت جو اعلیٰحضرت کو مجھ سے ہے میرا دل ہمیشہ ذات سلطانی کی سچی محبت اور بے انتہا احترام و منزلت سے معمور ہے۔ اسی محبت اور احترام و منزلت کے باعث میں اعلیٰحضرت کو یہ مطلع کرنا اپنا فریضہ سمجھتا ہوں کہ آج میں نے اہل بلغاریا کی ناقابل انکار خواہش پر عمل پیرا ہو کے بلغیریا کی خود مختاری کا اعلان کر دیا ہے۔ اہل بلغاریا کو امید ہے کہ اس سے وہ تمام باتیں دور ہو جائیں گی جن کی وجہ سے ریاست ہذا اور سلطنت عثمانیہ میں بدگمانی اور بے اعتباری پیدا ہوئی ہے اور جو ان دوستانہ

تعلقات کی ترقی اور استحکام میں سدراہ ہے جن کا باہمی اغراض و مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے قائم رہنا ضروری ہے مجھے اور اہل بلغاریا کو یقین واثق ہے کہ رعایا کی اس تحریک پر اعلیحضرت اظہار خوشنودی فرمائیں گے۔ میں اعلیحضرت کو یہ یقین دلانے کی جراءت کرتا ہوں کہ میں اور میری رعایا اسی طریقے سے اعلیحضرت کے غایت شکر گزار رہیں گے جس طرح کہ سابق میں تھے۔ اور پہلے ہی کی طرح رعایائے عثمانی کی مخلصانہ دوستی و ہمدردی ہمارے دلوں میں ہمیشہ قائم رہے گی۔"

کامل پاشا نے اس کے جواب میں جو تار بھیجا وہ حسب ذیل ہے۔

میرے بلند مرتبہ آقا اعلیحضرت سلطان المعظم نے مجھے وہ تار دیا جس میں بندگان عالی نے اغراض کو بیان کیا ہے جن کی وجہ سے خودمختاری کا اعلان کیا گیا۔ یور رایل ہائینس نے اعلیحضرت سلطان المعظم اور عثمانی رعایا کے متعلق جس خلوص اور سچی محبت کا یقین دلایا ہے اس کی قدر کرتے ہوئے یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ حکومت اور رعایا کو اس کارروائی پر سخت حیرت ہے جس سے ان تعلقات پر گہرا اثر پڑتا ہے جو بروئے معاہدہ سلطنت عثمانیہ اور ریاست بلغیریا میں قائم تھے۔ بندگان عالی خود جانتے ہیں کہ ان ہر دو ممالک کے باہمی تعلقات معاہدۂ برلن کے ذریعے سے طے ہوئے ہیں۔ تنہا بلغیریا کو اس تصفیے کا حق نہیں ہے جو موجودہ فیصلوں کے منافی ہو۔ سلطان المعظم کی حکومت اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتی کہ اپنے وہ حقوق محفوظ رکھے جو اس تصفیے سے متاثر ہوئے ہیں اور ان دول ستہ کے تائیدی فیصلے کا انتظار کرے جن کے ان معاہدوں پر دستخط ہوئے ہیں جو ریاست بلغیریا کے متعلق ہیں۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ باب عالی نے ایک گشتی سفراء کو بھی بھیجی جس میں بلغیریا کی عہد شکنی پر احتجاج کیا گیا تھا۔ اور دول ستۂ اکبر کو ایک کانفرنس کے منعقد کرنے کی تحریک کی گئی تھی جو ان حالات واسباب پر غور کرے جو بلغاریا اور مشرقی رومیلیا میں دوبارہ باضابطہ نظم قائم کرنے کے لئے ضروری تھے۔

گو حکومت وائنا نے عدم الحاق بوسنہ وہرزیگووینیہ کے متعلق یقین دلایا تھا لیکن یہ پہلے ہی سے سمجھ لیا گیا تھا اور اسی وجہ سے الحاق بوسنہ وہرزیگووینیہ سے

ترک اس قدر ناراض و ششدر نہیں ہوئے جس قدر بلغاریا کی خودمختاری سے انہیں صدمہ پہنچا بات یہ تھی کہ آسٹریا ہنگری بلغیریا کے مقابلے میں بہت زبردست دشمن تھا۔ ترکی کو خیال تھا کہ انگلستان اور روس آسٹریا کے مقابلے میں اس کی تائید کریں گے۔ اور اہل صربستان اور مانٹینگرو کی اس میں کچھ ناخوشی بھی نہ ہوگی کیونکہ الحاق بوسنہ و ہرزیگوونیہ سے ان کی امیدوں پر جو یوگوسلیویا سلطنت قائم کرنے کی تھیں پانی پھر گیا تھا۔ ۹ / اکتوبر کو وزیر خارجہ نے ایک اعتراض آسٹریا و ہنگری سفارت خانے کو بھیجا اور ایک نوٹ سفرائے دول کو لکھا جس میں اس اعتراض کو بیان کیا گیا تھا اور جن دول نے معاہدۂ برلن پر دستخط کئے تھے ان سے حقوق ترکی کی بین الاقوامی قانون سے حفاظت کرنے کی درخواست کی تھی۔ آسٹریا ہنگری نے ان دونوں صوبوں کے بدلے سنجک نودی بازار ترکی کو معاوضے میں دیا جہاں آسٹروی ترکی معاہدے سے (۲۱/ اپریل ۱۸۷۹ء) میں ایک دستہ ترکی فوج کا رہتا تھا اس سے ترکوں کی کسی حد تک اشک شوئی ہوگئی اور ساتھ ہی ساتھ ان حریفوں کو بھی جو مشرق کی طرف بڑھ رہے تھے۔ نووی بازار کی واپسی سے اطمینان ہوگیا کہ آسٹریا کا ارادہ سالونیکا کے قبضے کا نہیں ہے۔

اب رہا یونان سے اکریت کا الحاق سو یہ خود اکریتیوں کا فعل تھا جو بلغاروی خودمختاری کے ضمن میں ظہور پذیر ہوا تھا اور یہ مشرقی رومیلیا کے بلغاروی قبضے پر جہاں ساٹھ ہزار یونانیوں کی آبادی تھی ایک احتجاج تھا۔ یونانیوں نے سمجھ لیا تھا کہ اب ترک مشرقی رومیلیا کو بلغارویوں سے نہیں لے سکتے۔ ایتھنس میں جب یہ خبر معلوم ہوئی تو وہ اکریتیوں کے ارادے پر اتنے ہی متحیر ہو جتنے ترکوں کے اس ادعا پر کہ یونانی حکومت نے اکریتیوں کو یونان سے ملنے کی ترغیب دی۔ اگر ترکوں کا ادعا صحیح ہوتا تو یونانی ان لوگوں کو ضرور اپنی رعایا بنا لیتے جو اپنے کو یونان کی حفاظت میں دے رہے تھے۔ اور جلد اکریت پر بسمارک کے اس قول کے مطابق قابض ہو جاتے کہ "مبارک ہیں وہ لوگ جو مالک ہیں"۔ بجائے اس کے حکومت یونان نے باب عالی کو بعجلت ممکنہ یہ یقین دلایا کہ اسے اکریتی واقعے سے کوئی تعلق نہیں اور چند جلد باز یونانیوں کی سرگرمی کے باوجود اس نے اکریتیوں کی خواہش کو پورا نہیں کیا۔ اس وقت یہ کہا گیا کہ شاہ جارج اور اس کی گورنمنٹ سے

یورپین سفراء نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ مشرقی گتھی کو اکریت پر قبضہ کر کے اور پیچیدہ نہ کرے گا تو جزیرے کی طرف سے اس کا معاوضہ مالی صورت میں ادا کر دیا جائے گا۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے اور بظاہر اس کی اصلیت بھی معلوم ہوتی ہے تو یونان برطانیہ عظمی کے اس وقت کے وعدوں کو نہ بھولتا جب کہ اس نے جنگ ترکی و روس میں یونان کو شرکت سے منع کیا تھا۔ معاہدۂ برلن سے ہیرس اور تھسلی یونان کو ملا تھا لیکن تھسلی کے قبضے میں اس کو سخت دشواری تھی۔ اگر وہ روس کے ساتھ ۱۸۷۷ء کی جنگ میں شریک ہوجاتا تو یہ دونوں صوبے اس کو فتح کی تقسیم میں ملتے اور بحیثیت فاتح اس کا قبضہ ہوجاتا۔

قسطنطنیہ میں اب ایک سوال زیر غور تھا وہ یہ کہ کیا ترکی کو جنگ کرنا چاہیئے؟ اس معاملے میں دو مخالف رائیں تھیں۔ ایک تو صلح کی جانب تھی۔ اور یہ نوجوان ترک کمیٹی کی رائے تھی۔ اس لئے کہ کمیٹی یہ بخوبی جانتی تھی کہ جنگ دستوری آزادی کا خاتمہ کردے گی اور سلطان مطلق العنان ہوجائے گا۔ دوسری رائے جنگ کی جانب تھی اور یہ رائے مخالف دستور جماعت کی تھی۔ صدر اعظم کامل پاشا دونوں جانب تھا۔ وزراء چونکہ صلح کی طرف تھے اس لئے وہ بھی اپنے کو صلح کا طرفدار ظاہر کرتا تھا لیکن درحقیقت وہ جنگ کا حامی تھا۔ اپنے خفیہ کارپردازوں کے ذریعے سے سلطان نے عوام کو بلغاریا کے خلاف مشتعل کرنے کی کوشش کی۔ کامل پاشا نے ردیف اناطولیہ کو جنگی تیاری کا حکم دے کر جنگ کا سامان تقریباً مکمل کردیا تھا اس تدبیر سے اس کا مقصد جنگ کے سوا اور کچھ نہ تھا لیکن بظاہر یہ باور کرادیا گیا کہ وزیر جنگ نے حفظ ماتقدم کے لئے یہ فوجی انتظام مناسب سمجھا ہے خوش قسمتی سے سفیر فرانس نے بر وقت مداخلت کی اور جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ کمیٹی نے گورنمنٹ کی طرف سے باہمی مفاہمت کے لئے شاہ فرڈیننڈ سے خط و کتابت شروع کی۔ (۱۸؍ اکتوبر) کو ابتدائی امور طے ہونے پر ایم ڈمٹروف ناظم سیاسیات صوفیا اور ایم اسٹو یا نووک صدر عہدہ دار تلغراف ڈاک خانہ قسطنطنیہ آئے تا کہ سرکاری طور پر ترکی و بلغاریہ کے درمیان تصفیہ کردیا جائے لیکن ۲۳؍ کو گفت و شنید منقطع ہوگئی اور دونوں بلغاری صدفیہ واپس چلے گئے

سفیر انگلستان در پردہ اس باہمی تصفیے کا مخالف تھا۔ حکومت برطانیہ نہیں چاہتی تھی کہ براہ راست باہمی سمجھوتہ ہو اس لئے بین الاقوامی مجالس کے اصول کو یہ حکومت بہت بڑی اہمیت دے رہی تھی۔
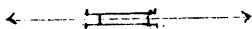
کانفرنس اور براہِ راست مفاہمت

کامل پاشا چونکہ انگلستان کا ہوا خواہ تھا اس لئے اس نے کانفرنس کے منعقد کئے جانے پر بہت کچھ زور دیا اس کے علاوہ ترکی نے بھی اپنے احتجاجی نوٹ میں جو ۶/ اکتوبر کو بھیجا گیا تھا کانفرنس ہی کا مطالبہ کیا تھا لیکن اس کے برخلاف ترکی کا طبقۂ حکام وزرا اور نوجوان ترک یہ سمجھے ہوئے تھے کہ کانفرنس ترکی کے لئے مفید ثابت نہ ہوگی لارڈ گرے اور اسوالسکی کا پروگرام مشتبہ تھا اور مشتبہ ہونے کی وجہ بھی تھی کیونکہ ترکوں کو معاہدۂ درۂ دانیال و باسفورس کی نظر ثانی کا خوف تھا اور وہ ڈرتے تھے کہ کہیں روسی جنگی جہازوں کے لئے یہ راستے کھول دئے نہ جائیں یا بین الاقوامی نقطۂ نظر سے ترکی مالیے کی کہیں اصلاح نہ کی جائے۔ بہر حال ان کا خدشہ انھیں امور پر مبنی تھا جس پیش نامے پر لندن، سینٹ، پیٹرزبرگ اور پیرس کی حکومتوں نے اتفاق کیا وہ حسب ذیل تھا۔

۱۔ بلغاریہ کی خود مختاری کو تسلیم کرنا۔ بلغاریہ کی ترکی کو ایک معینہ رقم کی ادائی و نیز ضبط شدہ ریلوے کا تصفیہ۔

۲۔ آسٹریا کے الحاق بوسنہ و ہرزیگووینیہ کا اندراج۔

۳۔ بازگشت سنجک نووی بازار بہ ترکی۔

۴۔ اعتراف خود مختاری اکریت اور اس کا یونان سے الحاق۔ اور حسب شرط دفعہ ۲۳ معاہدۂ برلن یونان کی ترکی کو ایک معین رقم کی ادائی۔ اب رہے ترکی کے وہ

وعدے جو علاقۂ یورپ میں کئے گئے تھے۔ سو وہ ترکی کے اطمینان بخش انتظامات کے بعد کالعدم کر دئے جائیں گے۔

۵۔ یہی صورت دفعہ ۶۱ کی ہو گی جو آرمینی ممالک کے متعلق ہے۔

۶۔ سیادت مانٹینگرو کے متعلق جو قیود ہیں ان کی تنسیخ جس کے لئے ایک دفعہ ہو گی اور جو معاہدۂ برلن کے دفعات ۲۶ و ۳۳ کے معاوضے میں رہے گی۔

۷۔ معاوضہ بہ مانٹینگرو و صربستان۔

۸۔ معاہدۂ طونہ کی نظر ثانی اور ڈینوب کے کنارہ کی مملکتوں کے ان حقوق میں اضافہ جن کا جو معاہدۂ برلن کے دفعات ۴۳ و ۵۷ میں ذکر ہے۔

۹۔ معاہدوں اور ممالک غیر کے ڈاکخانوں کے انتظام کو اس خاص اعلان کے تحت کر دیا گیا تھا کہ ترکی کی جدید دستوری حکومت یورپین اصول پر عدالتی انتظامات اور قانونی اصلاحات کرنا چاہتی ہے۔ ان اصلاحات کی عمل پیرائی کے لئے دول یورپ سلطنت عثمانیہ کے ساتھ شریک ہونے کو تیار ہیں تاکہ قدیم معاہدات کی جگہ اس قسم کے نئے معاہدات کی تکمیل پر غور کیا جا سکے جو دول جدید کے مابین کئے گئے ہیں پس موجودہ انتظام کے تحت ممالک غیر کے ڈاک خانوں کے انسداد کے جواز پر غور کیا جائے گا۔"

سلطنت عثمانیہ کو یہ دستور العمل ذرا بھی پسند نہ آیا۔ اس نے معاہدۂ برلن کے دفعات ۲۳ و ۶۱ کی بحث پر اعتراض کیا۔ اور یہ حجت پیش کی کہ دور جدید ان شرائط کو پورا کر رہا ہے۔ یونان سے اکریت کے الحاق پر بحث کرنے سے اس نے انکار کر دیا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ جزیرۂ مذکور دول اربعہ کی حفاظت میں دیا گیا ہے اور وہ اس بارے میں ترکی کے سامنے جواب دہ ہیں یہ قدیم معاہدات کی تنسیخ کے لئے اس نے جاپان کی طرح چند سال کی مہلت مانگی۔ اور اس بات کا اطمینان کر لینا چاہا کہ مانٹینگرو اور صربستان کو جو معاوضہ دیا جائے گا اس سے سلطنت عثمانیہ کو کسی قسم کا نقصان تو نہ ہو گا؟

دفعات ۲۳ و ۶۱ کی تنسیخ کے متعلق ترکوں کو یہ سبز باغ دکھایا گیا تھا کہ جب وہ اطمینان بخش انتظامات کر لیں گے تو یہ دفعات کالعدم کر دیے جائیں گے لیکن فی الحال تو ترک ان کی طرف سے شکنجے میں پھنسے ہوئے تھے۔ یہ لازمی امر تھا کہ ترک اس طرز عمل کے خلاف احتجاج کرتے مقدونیہ میں شورش اس وجہ سے تھم گئی تھی کہ تمام

قوموں نے دستور کو بالاتفاق قبول کر لیا تھا اور اس پر کاربند رہنا چاہتے تھے کیونکہ اس کے ذریعے سے سب کے لئے مساوات و آزادی کا وعدہ کیا گیا تھا۔ دول کی طرف سے ترکی کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا یہی نتیجہ نکل سکتا تھا کہ حریت پسند ترکوں کی دستور پر بہترین طریقے پر عامل ہونے کی تمام کوششیں معدوم ہو جائیں اور دستور کی مخالفت کی جائے۔

کانفرنس کے دستور العمل میں ترکی، صربستان اور مانٹینگرو کے معاوضے کا بھی سوال تھا۔ جہاں تک ترکی کا اس سوال سے تعلق تھا یہ بالکل واجبی بات تھی کیونکہ بلغاریہ کے اعلان خودمختاری نیز آسٹریا کے الحاق بوسنہ وہرزیگوونیہ اور اکریت اور یونان کے باہمی اتحاد سے اس کی سیادت پر کاری ضرب لگی تھی اس میں شک نہیں کہ بلغیریا کا تعلق سلطنت عثمانیہ سے صرف برائے نام تھا۔ اور یہ بھی ہر شخص جانتا تھا کہ آسٹریا ہنگری، بوسنہ وہرزیگوونیہ کو کبھی ترکی کے حوالے نہ کرے گا کیونکہ قبضے کے متعلق معاہدات میں ان دونوں صوبوں کی حد بندی نہیں کی گئی تھی۔ اکریت کا ترکوں کے تسلط سے خارج ہونا بھی ظاہر تھا خصوصاً اس وقت سے جب کہ دول اربعہ نے شاہ جارج کو اکریت کے ہائی کمشنر کے تقرر کا اختیار دیا تھا اکریت کو سلطنت عثمانیہ سے تعلق باقی نہ تھا لیکن اس پر بھی سیادت ترکی کا ان ممالک پر سے اٹھ جانا کچھ نہیں تو اخلاقی حیثیت سے ترکی کے لئے بہت کچھ نقصان کا باعث تھا۔

گو بلغیریا کے اعلان خودمختاری سے صربستان، ومانٹینگرو پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا لیکن ان دو صقلبی سلطنتوں نے اپنی ہمقوم سلطنت کی آزادی پر احتجاج کیا۔ الحاق بوسنہ وہرزیگوونیہ سے گو صربستان کی نہایت سخت حوصلہ فرسائی ہوئی تھی لیکن اس سے صربستان و مانٹینگرو اور آسٹریا ہنگری کے تعلقات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

سوال یہ تھا کہ ترکی، مانٹینگرو اور صربستان کو کس قسم کا معاوضہ دیا جائے گا۔ یہ تو ظاہر تھا کہ ترکی کو کسی قسم کا معاوضہ بشکل مملکت نہیں دیا جا سکتا تھا یہ سوال تو سرے ہی سے خارج از بحث تھا اب جو سوال تھا وہ مالی معاوضے کے متعلق تھا۔

یہ خیال نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اگر ترکی آسٹریا اور بلغیریا سے براہ راست معاملت کرتی تو اُسے کانفرنس کے مقابلے میں زیادہ فائدہ ہو سکتا تھا۔ معاہدۂ برلن

کی رو سے یہ طے کیا گیا تھا کہ ریاست بلغیریا باب عالی کو خراج دیا کرے لیکن رقم معین نہیں کی گئی تھی اور جن دول نے دستخط کئے تھے انھوں نے ترکی کے مطالبے پر کوئی توجہ ہی نہیں کی تھی۔ کیا یہ ممکن تھا کہ کانفرنس ایک خود مختار ملک پر وہ سابقہ خراج عاید کرتی جو باجگزاری کی حالت میں بھی اس پر قطعی طور پر عاید نہیں کیا گیا تھا؟ اب ہا سلطنت عثمانیہ کا قرض عامہ سو معاہدۂ برلن کی دفعہ ۹ کی رو سے ریاست پر بھی ایک حصے کی ادائی واجب کی گئی تھی لیکن جس طرح خراج کا تعین نہیں کیا گیا تھا۔ اسی طرح قرض کا بھی تعین نہیں کیا گیا تھا۔ کیا کانفرنس سے اس مسئلے کے طے کرنے کی توقع ہو سکتی تھی۔ اور اگر ہو سکتی تھی تو خیال کرنا چاہیئے کہ اس میں وہ کہاں تک کامیاب ہو سکتی تھی۔

دفعہ ۹ کے تحت قرض عامہ کی ادائی میں صربستان و مانٹینگرو بھی شریک تھے اور چونکہ کانفرنس ان دونوں ممالک کو معاوضہ دلانا چاہتی تھی اس لئے متذکرۂ بالا سوالات کو چھیڑنے کی صورت میں کانفرنس کا آغاز ان دونوں ممالک کی مالی تباہی سے ہوتا اس لئے امید نہ تھی کہ کانفرنس اس بحث کو چھیڑتی اور ساتھ ہی ساتھ جب صربستان اور مانٹینگرو کو حصۂ قرضہ سے معاف رکھا گیا تھا تو بلغیریا کو اس کی ادائی کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اس وقت یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ مانٹینگرو اور صربستان کو کس قسم کا معاوضہ دیا جائے گا۔ معاہدۂ برلن کے وہ دفعات جن سے مانٹینگرو پر حقوق سیادت کی حد بندی کی گئی تھی اب باقی نہ تھے لیکن دستور العمل کانفرنس کے ساتویں فقرے کے لحاظ سے یہ معاوضہ نہ تھا۔ پھر معاوضہ کیا تھا اس کے لئے ہم کو ان ممالک کے مطمح نظر کی طرف رجوع ہونا چاہیئے۔ ان کا مطمح نظر سنجک نووی بازار تھا جسے وہ آپس میں بانٹ لینا چاہتے تھے لیکن آسٹریا صرف اسی صورت میں تخلیہ کرنے پر رضامند ہو سکتا تھا کہ اس سرزمین میں سے ایک انچ بھی مانٹینگرو اور صربستان کو نہ دی جاتی علاوہ ازیں مانٹینگرو اور صربستان کو ترکی سے معاوضہ دلانا کانفرنس کا نہایت مضحکہ آمیز انصاف مقصود ہوتا۔

وائنا میں کانفرنس کے متعلق نہایت سرد مہری کا اظہار ہوا حکومت آسٹریا ہینگری نے کانفرنس میں شریک ہونے سے صاف انکار تو نہیں کیا مگر ناممکن شرطیں پیش کیں۔

یعنی الحاق بوسنہ و ہرزیگو ونیہ کے متعلق کوئی بحث نہ کی جائے بلکہ بلاچون وچرا تسلیم کرلیا جائے۔ الحاق بوسنہ سے صربستان معاوضے کا مدعی نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ معاملہ آسٹریا اور ترکی کا تھا۔ ایک بلقانی ریاست سنجک سے معاوضہ پانے کی مستحق نہیں۔ اب بحث طلب معاملہ آسٹریا کے نزدیک ڈینوب ایڈریاٹک ریلوے کا تھا جس کے متعلق حکومت آسٹریا نے منظوری دیدی تھی۔ اور چونکہ ریلوے لائن ترکی علاقے میں سے گزرتی تھی اس لحاظ سے اس معاملے کی اہمیت ترکی کی حد تک ہی تھی۔ جرمنی نے آسٹریا ہنگری کی تائید کی آسٹریا ہنگری نے جنگ کی تیاری کرلی تھیں اس لئے اس نے علانیہ صربستان پر حملہ آوری کا قصد ظاہر کیا۔ ادھر صربستان نے بھی روس کے بل پر اپنے زبردست ہمسائے سے مقابلے کے لئے آمادگی ظاہر کی۔

روس ان واقعات کے لئے تیار نہ تھا جو بلقان میں پے درپے گزر رہے تھے جن کی وجہ سے اس کو سخت صدمہ ہوا تھا۔ دستور عثمانی کا دوبارہ قیام ایک ایسا واقعہ تھا جسے روس نے مثل دیگر اقوام کے ناممکن تصور کیا تھا۔ ترکی میں حکومت دستوری اغراض روس کے منافی تھی اس لئے کہ روس کو آرمینیا کے امن وانتظام میں مداخلت کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ بلغیریا کے اعلان خود مختاری سے بھی بلقان میں روسی اثر کو سخت صدمہ پہنچا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ یہ خود مختاری بغیر اس کی وساطت کے حاصل کی گئی تھی۔ اور سینٹ پیٹرز برگ اور موئز ٹگ میں عہدوپیمان ہونے کے باوجود آسٹریا نے روس کو فریب دیدیا اور تمام نفع کا تنہا مالک بن بیٹھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے الحاق بوسنہ وہرزیگو ونیہ پر اظہار ناخوشی کیا حالانکہ جیساکہ بعد میں روسی اور آسٹروی اخبارات سے گل کھلا ایم اسوالسکی سے بیرن ڈھیرنتل نے پہلے ہی اس معاملے کو صاف کرلیا تھا۔ اور ایم اسوالسکی نے اس طریقۂ کار سے اتفاق بھی کیا تھا اور نیز صربستان اور مانٹینگرو کے مطالبات کی بھی تائید بھی کی تھی۔ یہی سبب ہے کہ روس اور روس سے بڑھ کر انگلستان اس کانفرنس کا متمنی تھا اور ان دونوں کا خیال تھا کہ اس سے جرمنی اور آسٹریا کا زور ٹوٹ جائے گا جرمنی کی "مشرق کی طرف پیشقدمی" رک جائے گی۔ وہ اور اس کے حلیف محصور کر لئے جائیں گے۔

براہ راست سمجھوتہ اگر ہوتا تو کانفرنس کی ضرورت باقی نہ رہتی اس لئے انگلستان کی طرف سے کامل پاشا کو انسداد مراسلت کے لئے لکھا گیا جو نوجوان ترکی کمیٹی اور بلغاریوں میں ہو رہی تھی اور یہ اصرار کیا گیا کہ سلطنت عثمانیہ کی روش بلغاریا اور آسٹریا کے ساتھ مصالحت کے خلاف رہے لیکن فرانس اعتدال کا حامی تھا۔ اس کے اثر سے انگلستان کو ترکی اور بلغاریا اور آسٹریا ہنگری کے براہ راست سمجھوتے کے اصول کو تسلیم کرنا پڑا چنانچہ یہ طے پایا کہ پہلے ترک بلغاری اور آسٹروی آپس میں تصفیہ کرلیں۔ اس کے بعد اس مسئلے کو کانفرنس میں پیش کریں کانفرنس اس کا اندراج کرلے گی۔ اس سے کانفرنس کا منشاء فوت ہو گیا۔

۲۷ر اکتوبر کو فرانس، برطانیہ عظمیٰ اور روس کے نمائندوں نے حکومت بلغاریا کو ایک نوٹ بھیجا جس میں قسطنطنیہ کو نیابت بھیجنے کے واسطے لکھا تھا کہ ترکی کے لئے معاوضے کا تصفیہ ہو جائے۔ اور بلغاری خودمختاری کی توثیق کی جائے۔ جرمنی اور اطالیہ نے اس نوٹ پر اظہار پسندیدگی کیا۔ اس کے ساتھ ہی دول ثلاثہ نے بلغاریا کو فوج کے برخاست کر دینے کا مشورہ دیا چنانچہ حکومت صوفیا نے پچھتر ہزار کی محفوظ فوج کو الگ کر دیا۔ آسٹریا ہنگری کو اس نوٹ کی پہلے ہی خبر ہو چکی تھی۔ اس نے بلغاریا کو اس نوٹ پر عمل پیرائی کی رائے دی۔ ۳۰ر اکتوبر کو ایم لیاشف وزیر تجارت اور ایم مشیف مستقل معتمد وزارت خارجہ بحیثیت سفرا صوفیا سے قسطنطنیہ آئے ترکی کی طرف سے جبرئیل افندی نوراؤ نگھیس وزیر تجارت اس گفت وشنید پر مامور کیا گیا۔

عثمانی مجلس نیابت (پارلیمنٹ) جنگ اقتدار۔ معزولی کامل پاشا

۱۳ر جنوری ۱۹۰۹ء

دستور کے مطابق مجلس نیابت (پارلیمنٹ) کا اجلاس نومبر ۱۴ر کو ہونا چاہئے تھا

لیکن نومبر کے آغاز میں انتخابات ہی نہیں ہوئے تھے۔ طریقۂ انتخاب نمائندگان اور انتظام حکومت کا ایک خاکہ کھینچ دیا گیا تھا۔ پارلیمنٹ کے کام کے متعلق کوئی ذکر نہ تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ اس خاکے سے جو انتخابی طریقۂ عمل میں آیا وہ نہایت الجھا ہوا تھا جس سے ووٹ میں ہر طرح سے عیاری کی جا سکتی تھی۔ قیود ایسے غیر واضح اور غیر صریح تھے کہ انتظامی جماعت اپنے حسب منشا نتیجہ اخذ کر کے عیسائی رائے دہندگان کو اپنے اختیار پر منظور و نامنظور کر رہی تھی۔ انتخابات ضلع واری ہیں۔ اور "ہر سنجک" اور "متصرفت" کو پچاس ہزار کی آبادی ذکور سے ایک نمائندہ بھیجنے کا حق ہے۔ آبادی کے پچاس ہزار سے بڑھ جانے اور پچیس ہزار سے اوپر ہو جانے کی صورت میں ایک اور نمایندہ منتخب کیا جا سکتا ہے۔ انتخاب کے دو درجے ہیں۔ پہلے درجے کے انتخاب کنندگان ڈھائی سو سے پانچ ہزار رائے دہندگان کی جماعت سے دوسرے درجے کے ایک انتخاب کنندہ کو نامزد کرتے ہیں ہر باضابطہ عثمانی باشندے کو جسے شہری حقوق حاصل ہیں اور جس کی عمر پچیس سال کی ہو اور جو بالواسطہ یا بلا واسطہ جس قدر محاصل ادا کرے انتخاب کا حق ہے۔

کمیٹی میں اور آرمینیوں، بلغاریوں اور یونانیوں میں یہ طے ہو رہا تھا کہ انتخابات بلحاظ قومیت عمل میں آئیں اور تناسبی نمائندگی رکھی جائے اور اس طریقے سے مختلف اقوام میں تعداد نمایندگان مقرر کر دی جائے۔ کمیٹی اس مطالبے کو منظور کرنا چاہتی تھی مگر حکومت نے اس کارروائی کو آگے بڑھنے نہ دیا کیونکہ اس نے یہ تصفیہ کر لیا تھا کہ جہاں تک ہو سکے عیسائی عنصر کو پارلیمنٹ سے علیحدہ رکھا جائے۔ ان اضلاع میں جہاں عیسائی آبادی بڑھی ہوئی اور جہاں عیسائی نمایندے منتخب ہونے کی توقع تھی۔ کئی انتخابی حلقوں کو اس طریقے سے ملا دیا گیا کہ جہاں عیسائی زیادہ تھے وہاں سے انھیں دوسرے انتخابی حلقے میں منتقل کر کے جہاں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی ان کی جگہ مسلمان بھرتی کیے جا سکیں۔ حالانکہ وہ اس علاقے سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ اول درجے کے مسلمان انتخاب کنندگان ڈھائی سو کی جماعت سے ایک نمایندے کا انتخاب کرتے تو آرمینی، بلغاری اور یونانی سات سو یا ساڑھے سات سو کی جماعت سے۔ بعض مقامات میں انتخابی فہرستیں غلط بتائی گئیں چنانچہ

سمرنا میں اٹھارہ ہزار ترکی انتخاب کنندگان بے ضابطہ شریک کر لئے گئے۔ جب ان تمام ذرائع سے بھی کام نہ چلا تو حکومت نے خاموشی کے ساتھ پہلے درجے کے انتخابات کو باطل گردانا۔

ان بے ضابطگیوں پر یونانی بھڑک اٹھے۔ بطارکہ نے ایک احتجاجی عرضداشت صدر اعظم کو روانہ کی جس میں صاف طور پر لکھدیا تھا کہ اگر ان بے ضابطگیوں کا جو یونانیوں کے خلاف عمل میں آرہی ہیں علاج نہ کیا گیا تو وہ انتخاب سے باز آجائیں گے اور اپنے نمائندوں کو پارلیمنٹ میں نہیں بھیجیں گے۔ اس دھمکی سے شاید گورنمنٹ پر کچھ اثر نہوتا لیکن خوف یہ تھا کہ اس بے انصافی سے یونانی اور بلغاری آپس کی قومی نفرت کو دور کر کے مسلمانوں کے مقابلے میں ایک نہ ہوجائیں۔ مسلمان امیدواروں کا اخراج قطعی ہوتا۔ اس میں شک نہیں کہ یورپین ترکی میں مسلمان انفرادی حیثیت سے بلغاریوں اور یونانیوں سے زیادہ ہیں لیکن اجتماعی حیثیت سے وہ ان دونوں سے گھٹے ہوئے ہیں پس ایسی صورت میں مسلمان امیدواروں کا اخراج قطعی تھا۔ صدر اعظم نے پہلے تو اس احتجاج کا جواب دیدیا تھا کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے لیکن کمیٹی کی دخل دہی پر جس نے ان شکایات کو واجبی تسلیم کیا اس نے ان کی پابجائی کا وعدہ کیا۔

پیرا کے انتخابات میں ترک اور آرمینی یونانیوں کے مقابلے میں ایک ہوگئے تھے جس سے پھر معاملہ درہم برہم ہوگیا تھا۔ یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ترکوں کو جو نئے نئے پارلیمنٹ کی زندگی میں قدم رکھ رہے تھے دوسرے پارلیمنٹی ممالک کے جو اس میں چابکدست تھے سبق دینے کی ضرورت نہ تھی۔ حکومتی دباؤ، انتخابی حلقوں کی تقسیم، دوسرے درجے کے انتخاب کنندگان کے تقررات کے لئے پہلے درجے کے انتخاب کنندگان کی تعداد میں ناواجبی تبدیلی۔ ووٹوں کے ڈبوں میں دھوکے سے ووٹوں کا اضافہ کرنا فہرستوں کو غلط ٹھیرانا' عیسائی انتخاب کنندگان کو ووٹ سے باز رکھنا' اور انھیں عیسائی رعایا تسلیم نہ کرنا غرض جملہ طریقے کام میں لائے گئے تھے۔ ۲۲ر نومبر یکشنبہ کو پیرا اور غلطہ سے تقریباً پچاس ہزار آدمی بابعالی کو شکایت کے لئے روانہ ہوئے۔ ان میں اور سوارہ فوج میں جھڑپ ہوجانے کا اندیشہ تھا لیکن کامل پاشا نے اس لڑائی سے فسادات بڑھنے کے خوف سے

فوج کو حکم دیدیا کہ تماشائیوں کی حیثیت سے اس واقعے میں حصہ لیں وزیر معدنیات وجنگلات مور دکورڈارٹو افندی پر مجمع نے آوازے کسے اور اس کا تعاقب کیا۔ رسالے نے اسے ان کے ہاتھوں سے چھڑایا۔ اس ہنگامے کے بعد وزرا میں آپس میں چل گئی۔ حسین فہمی پاشا وزیر عدالت کو جواب انتخابی دغابازیوں کا ذمہ دار ٹھیرایا گیا تو وہ بہت طیش میں آگیا اور اپنا استعفا پیش کیا اور ان دغابازیوں کا قصوروار وزیر ممالک داخلی حقی بے کو ٹھیرایا۔ حقی بے نے اس پر گرم ہو کے آپ کو بے قصور ثابت کیا اور اس بدگمانی میں برسر خدمت رہنا قبول نہ کرکے اپنا استعفا پیش کیا۔ اس کے بعد مور وگورڈٹیو نے بھی جو وزارت عظمیٰ کا متمنی تھا اپنا استعفا پیش کیا۔ یکے بعد دیگرے تمام وزرا نے مستعفی ہونے کی درخواست دی۔ دو دن تک کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ ابھی مجلس وزرا یا گورنمنٹ باقی ہے۔ بالآخر مجلس وزرا کی مداخلت سے یکسوئی ہوئی اور اس کے حکم سے تمام وزرا نے اپنا استعفا واپس لیا جسے کامل پاشا نے قبول نہ کیا تھا۔ اور یونان کو یہ اطمینان دلایا گیا کہ دارالخلافت کی طرف سے پارلیمنٹ میں دس یا گیارہ شہر کا ہونے کی صورت میں اس کے بھی دو یا تین یونانی نمائندے منظور کئے جائیں گے۔

۱۷ دسمبر کو پارلیمنٹ کا افتتاح بہت شان کے ساتھ استانبول میں عمل میں آیا۔ سلطان جو آخیر لمحے تک بھی اس کی مخالفت پر تلا ہوا تھا مجبوراً زہر کے گھونٹ پینے اور رسم افتتاح ادا کرنی پڑی جو مطلق العنانی کی خیرباد کا اعلان تھی۔ میں اپنے نج کے کاغذات سے اس واقعے کو لکھتا ہوں جو واقعی با اثر تھا۔ "سلطان نشستگاہ سلطانی پر آتا ہے۔ وہ درباری لباس میں ہے۔ اس کے سیاہ قفطان میں سے جو کسی قدر کھلا ہے کارچوبی کوٹ نظر آرہا ہے۔ اس کے پیچھے مہتمم مراسم غالب بے اور صدر معتمد محلات جواد بے ہیں۔ وا اپنی یاتغن دتر کی تلوار) کے قبضے پر ہاتھ ٹیکے ہوئے اعیان وارکین کو گھور کے دیکھتا ہے۔ اس کی حنائی ڈاڑھی سے جو بہت دمک رہی ہے شر کا اظہار ہو رہا ہے۔ دستور کے موافق سب ایستادہ اور سلطان کو دیکھ رہے ہیں لیکن تعظیم سلطانی مفقود ہے۔ آثار ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پارلیمنٹ اور سابق مطلق العنان میں جس نے اپنی شکست کو ابھی تسلیم نہیں کیا ہے

ایک فیصلہ کن مبارزت باقی ہے۔ چار منٹ تک یہ سناٹا رہتا ہے۔ پھر غالب پاشا سلطان کے پاس آتا، تعظیم بجالاتا اور جواد بے کو قرطاس تقریر سلطانی دیتا ہے۔ جواد سلام کر کے نشستگاہ سلطانی سے چلا آتا ہے۔ پانچ منٹ گزرتے ہیں۔ سلطان اپنی پاتغن پر ٹیکا دیئے ہوئے بےحس و حرکت کھڑا ہے۔ جواد بے مخاطب گاہ پر آتا اور پیام سلطانی پڑھتا ہے۔ پیام میں کوئی خاص بات نہیں اس لئے خاموشی کا عالم رہتا ہے۔ صرف ایک ہی وقت نعرہ ہائے خوشی بلند ہوتے ہیں جب کہ پیام میں ذکر ہوتا ہے کہ سلطان احترام دستور کے عہد پر برابر قایم رہے گا۔ دستور کی بنیاد اب اس قدر مستحکم و مضبوط ہو گئی ہے کہ آیندہ اس کے متزلزل ہونے کی امید نہیں۔ "حریت زندہ باش" "دستور زندہ باش" کے نعرے بلند ہوتے ہیں مگر سلطان کے لئے اظہار مسرت نہیں کیا جاتا۔ یہ خاموشی جو شاہوں کے لئے باعث عبرت ہے اس کی روانگی پر بھی رہتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی جنازہ جارہا ہے۔ اپنے خانگی کمرے میں آدھ گھنٹہ آرام لے کے عبدالحمید پارلیمنٹ سے روانہ ہوتا ہے۔ راستے میں بھی ہر طرف "دستور زندہ باش" کے نعرے اس کے گوش زد ہوتے ہیں۔"

سعید پاشا کی جگہ کامل پاشا کو صدراعظم بنانے سے دستور کا کچھ بھلا نہ ہوا۔ دستور کے اخبار "تنعین" جو زیر ادارت حسین جاہد بے نمائندۂ قسطنطنیہ شائع ہوتا تھا کابینہ کے عام طرز عمل پر یہ نکتہ چینی کی گئی تھی کہ اس نے کوئی کام نہیں کیا اور دستوری مخالفت میں حرم سرائے کے دوش بدوش ہے۔ کمال پاشا کے مدنظر صرف ایک بات تھی وہ یہ کہ سلطانی اقتدار کو کسی طرح سے بھی زندہ کرے اور بعد میں اپنے اغراض کے لئے سلطانی اختیارات کا خود ہی مالک بن بیٹھے۔ وہ ایک اصلاحی جماعت کو دوسری اصلاحی جماعت سے لڑا کے اپنی من مانی حکومت کرنا چاہتا تھا۔

پارلیمنٹ میں دو فریق تھے۔ ایک تو مجلس "اتحاد و ترقی"۔ یہ مجلس کمیٹی کی زیردست تھی لیکن اس کے اراکین خودرائے اور بعض ان میں کے مفسد بھی تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو دور قدیم میں حد سے زیادہ بدنام تھے لیکن دور جدید میں اپنی وفاداری کا نہایت ہنگامے سے اظہار کیا تھا اور وقت واحد میں پکے "لبرلس"

(حریت پسند) کے خطاب سے ممتاز و معروف ہو گئے تھے۔ کمیٹی کے طرفدار عثمانی وطن مالوف کی بنیاد قائم کرنے کے لیے تمام ملل و اقوام و مذاہب کو مخلوط کرنا چاہتے تھے۔ اس حصول مدعا کے لیے انھوں نے مرکزیت کی اشاعت اور ترکی فرقے کو دوسرے فرقوں پر فوقیت دینے کی کوشش کی کیونکہ ترکی فرقہ ہی زیادہ تعداد میں اور برسر حکومت تھا۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ عیسائی قوم کے حقوق کو مٹا دیکر سب کے لئے ایک ہی قانون مرتب کیا جاتا۔ یہی ایک عثمانی مرکزیت کا خیال ایسا تھا جس میں اسلامیت تھی۔ نوجوان ترک عیسائی اقوام کے سوراجی حقوق کا صفایا کر کے ملک کی خدمت کو انجام دینا چاہتے تھے لیکن ان کا ارادہ شریف مکہ کو جو مسلمانوں کا مذہبی مقتدی تھا بہ استثنائے شاذ حالات کے ہاتھ لگانے کا نہ تھا۔

کمیٹی کی مخالف جماعت آپ کو "احرار" کہتی تھی۔ اور اس کا پروگرام اب بھی وہی تھا جسے حمی خاں اور اصلاحی کمیٹیوں نے آخر سال ۱۹۰۷ء میں شاٹوڈن کی کانگریس میں جو معزول عبدالحمید کے لئے منعقد کی گئی تھی مرتب کیا تھا۔ وہ مرکزیت کے مخالف اور مختلف اقوام کی سوراجی حکومت کی حامی تھی۔ اس جماعت کا صدر صباح الدین بے تھا جو انتخابات قسطنطنیہ میں کمیٹی کی نہایت سخت مخالفت سے منتخب نہ ہو سکا تھا۔

کمیٹی سے اچھی طرح سے لڑنے کے لئے احرار نے یونانی نمائندوں کو اپنے ساتھ ملا لیا جن کے منافقانہ خیالات تھے۔ کمیٹی نے ان کے متعلق اعلان کر دیا کہ وہ ترکی کو پارہ پارہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس لڑائی کے جوش میں احرار کمیٹی کو شکست دینے کے لئے دستور کی مخالف جماعت سے مل گئے۔ وہ اپنے خیال باطل

سلہ۔ صباح الدین بے کو عبدالحمید کا بھانجا ہونے کی وجہ سے عموماً پرنس کے لقب سے لکھتے ہیں۔ یہ ایک غلطی ہے۔ ترکی میں سلطان کے بھانجوں کو شہزادے سے مخاطب نہیں کیا جاتا۔ صباح الدین کے باپ محمود داماد پاشا نے جو خود بھی ایک سلطانہ کا بیٹا تھا کبھی آپ کو شہزادہ نہیں کہا۔ ترکی میں سلاطین کی بہنیں اور ان کی ذکور اولاد ہے لیکن کسی شہزادہ نہیں کہا گیا۔ صباح الدین کی شہزادگی محض یورپین اخبار نویسوں کی ایجاد ہے۔

میں سمجھے ہوئے تھے کہ وہ تنہا ہی ثمرات فتح سے بہرہ اندوز ہوں گے اور اس وقت حلیفوں کا کوئی کام نہ رہے گا۔

۱۸۷۶ء کا دستور ایک باضابطہ مرتبہ قانون نہ تھا بلکہ ایسے قانون کا ایک خاکہ تھا جس میں بہت سی باتیں چھوٹ گئی تھیں اور جس سے ایک چالاک شخص فائدہ اٹھا کے پارلیمنٹ کو بجائے مجلس وضع قوانین کے مجلس شوریٰ بنا ڈالتا چنانچہ کامل پاشا نے جس پر دور قدیم کا رنگ چڑھا ہوا تھا دستور کی خامیوں سے کام لیکر پارلیمنٹ کو تہس نہس کرنے کی کوشش کی۔ دفعہ ۵۸ کی رو سے تدوین قوانین کا کام پارلیمنٹ کا نہ تھا بلکہ مجلس اعیان کا تھا۔ پارلیمنٹ کا کام صرف یہ تھا کہ کسی نئے قانون کی تجویز پیش کرے یا موجودہ قانون میں کوئی ترمیم کرے۔ اس کے بعد حسب دفعۂ بالا صدر اعظم پارلیمنٹ کی اس تجویز کو سلطان کے ملاحظے میں پیش کرتا اور پھر "اس تجویز کے مناسب ہونے کی صورت میں سلطان مجلس اعیان کو تدوین قانون کا حکم دیتا جو اس تجویز کی غرض وغایت ہوتی۔ مجلس وزرا اپنی مرضی پر سلطان سے برخاست پارلیمنٹ کا حکم حاصل کر سکتا تھا۔ برخواست پارلیمنٹ کا اقتدار صرف سلطان ہی کو تھا اور کوئی خاص قاعدہ اس بارے میں نہ تھا۔ دفعہ ۳۵ میں لکھا تھا کہ" اگر صدر اعظم کسی قانون کی تحریک پیش کرے جسے وہ بہت ضروری سمجھتا ہے لیکن پارلیمنٹ اس کو منظور نہ کرے تو سلطان پارلیمنٹ کو برخاست کر کے مدت معینہ کے اندر دوبارہ انتخابات کا حکم دیگا"۔ دفعہ ۳۰ سے صدر اعظم کے اقتدارات اگر بڑھ گئے تھے تو دفعہ ۳۸ سے اتنے ہی گھٹ گئے تھے۔ کامل پاشا اور پارلیمنٹ کی غالب تعداد میں اسی آخری سوال پر نزاع کا آغاز ہوا۔

دستور سے صدر اعظم کو مجلس وزرا مرتب کرنے کا اختیار تھا۔ مارشل رجب پاشا کے انتقال کے بعد جو اکتوبر ۱۹۰۸ء میں ہوا مارشل علی رضا پاشا وزیر جنگ ہوا۔ اور عارف پاشا وزیر بحر تھا۔ ان دونوں کو کامل پاشا نے اس خیال سے علیحدہ کر دیا کہ وہ کبھی اس کے ہم خیال نہ ہوں گے۔ علی رضا پاشا کی جگہ اس نے جنرل ناظم پاشا کو مامور کیا جو ۱۹۰۲ء میں فہمی پاشا سلطان کے افسر خفیہ پولیس کی شکایت پر ارض روم کو جلا وطن کیا گیا تھا۔ ۱۹۰۸ء میں وہ قسطنطنیہ واپس آیا۔ اس وقت سے قدیم حکومت سے

بدلہ لینے کی دھن اس کے دل میں سمائی ہوئی تھی۔ اسی زمانے میں دوسرا دستہ جو ایڈریانوپل میں متعین تھا بدلا ہوا تھا۔ اور یہ خوف تھا کہ حامیان سلطان وہاں فوج کو ہموار کر کے دستور کو تہ و بالا نہ کر دیں۔ یہ ضروری تھا کہ ایک ایسا جنرل اس رسالے پر مامور کیا جاتا جو عبدالحمید کی مخالفت کی بدولت اس رسالے کی وفاداری کا ذمہ لیتا۔ ناظم پاشا سے بڑھ کر اس اعلیٰ ذمہ دارانہ خدمت کا کوئی اہل نہیں سمجھا گیا لیکن اس نے اس اس خدمت کو اپنی حیثیت کے موافق نہیں خیال کیا وہ چاہتا تھا کہ افواج مقدونیہ کی سپہ سالاری اسے دی جائے۔ جب یہ خدمت اسے نہ ملی تو اس نے کامل پاشا کے مشورے پر محمود کے وزیر جنگ کا عہدہ قبول کر لیا۔ کامل پاشا کا اس تقرر سے مطلب کمیٹی اور کمیٹی کی معتمد علیہ افواج مقدونیہ کے مقابلے میں جنگی توازن پیدا کرنا تھا۔ ناظم پاشا کے وزیر جنگ ہونے پر حسین حلمی پاشا سابق صدر ناظم اصلاحات مقدونیہ نے جو حقی بے سفیر روما کی سابقہ خدمت وزارت ممالک داخلی پر مامور تھا کامل پاشا کے اس تقرر سے اختلاف کر کے اپنا استعفا پیش کیا۔ اس کے ساتھ اس کے تمام شرکا نے بھی مستعفی ہونے کی درخواست دی۔ اب مجلس وزرا باقی نہ تھی پارلیمنٹ میں اس کے متعلق سوال کیا گیا۔ دستور کی خرابیاں اس طرح سے خود ہی ظاہر ہو گئیں۔ دفعہ ۳۰ سے "جب اراکین پارلیمنٹ میں غلبۂ آرا سے یہ طے کیا جائے کہ ایک وزیر پارلیمنٹ میں آ کے کسی معاملے کے متعلق اپنا جواب پیش کرے تو اس کے لئے یہ لازمی ہوگا کہ وہ اپنا جواب خود پیش کرے یا بوساطت اعلیٰ افسر پیش کرے۔ اس کے ساتھ التوائے جواب کا بھی اختیار اسے حاصل ہوگا بشرطیکہ یہ اس کے نزدیک ضروری ہو۔ اور اس کی ذمہ داری اس کے سر رہے گی۔ اس آخری جملے کے استدلال پر طرفداران کامل پاشا نے کہا کہ پارلیمنٹ وزیر موصوف کو جواب کے لئے طلب نہیں کر سکتی۔ ان کے خیال میں صرف سلطان ہی وزرا کا جواب لے سکتا تھا مگر چونکہ دفعہ ۵ سے سلطان ان کا جواب نہیں لے سکتا تھا اس لئے تصفیے کی صرف دو صورتیں تھیں۔ یا تو وزرا بوجہ ایسے شخص کو جواب دہ ہونے کے جس کا جواب نہیں لیا جا سکتا تھا آزادی کے ساتھ بغیر پارلیمنٹ کے دباؤ کے حکومت کر سکتے تھے بشرطیکہ حرم سرائے سے ان کی موافقت ہو۔ اس صورت میں

پارلیمنٹ کا وجود اور عدم وجود یکساں ہوتا۔ یا غیر ذمہ دار سلطان کے اپنے ذمہ دار وزرا کو بچانے کی صورت میں سلطان کی اہمیت پھر عود کر آتی جو دستور کی منافی تھی اور جس کی وجہ سے اس کے سلطانی اختیارات، اور خود اس کی شخصیت معرض بحث میں ہوجاتی۔

صدر اعظم کی وزارتی تبدیلیوں اور کابینہ کی صورت حال پر مباحثے کے لئے ۱۳ر فروری ۱۹۰۹ء کو روز شنبہ مقرر کیا گیا تھا۔ اجلاس جب شروع ہوا تو کامل پاشا نے کہلا بھیجا کہ وہ باب عالی میں سفرا سے ملاقات کی غرض سے ٹھیرا ہوا ہے اور نہیں آسکتا۔ دفعہ ۳۸ کے مطابق یہ مباحثہ آیندہ چہار شنبہ تک ملتوی کر دیا جائے گا۔ ایک شدید مباحثے کے بعد جس میں طرفداران کمیٹی اور طرفداران احرار میں ہاتھا پائی تک نوبت آگئی تھی یہ طے پایا کہ صدر نشین پارلیمنٹ ایک رکن وزیر اعظم کی طلبی میں روانہ کرے۔ اس انتظار میں پارلیمنٹ کے ایک سکرٹری نے مارشل علی رضا پاشا اور نائب امیر البحر عارف پاشا کی معزولی کا سبب بیان کیا کہ یہ دراصل کامل پاشا کے منصوبوں کو ناکام کرنے کی بنا پر عمل میں آئی ہے۔ علی رضا پاشا کو اس وجہ سے برطرف کر دیا گیا کہ اس نے مقدونی افواج کو جو دستور کی سخت حامی تھی قسطنطنیہ سے باہر بھیجنے میں اپنی نارضامندی ظاہر کی۔ عارف پاشا اس وجہ سے برطرف ہوا کہ اس نے ان جنگی جہازوں کو جو دریائے باسفورس میں یلدیز پر توپیں لئے ہوئے ہیں گولڈن ہارن میں بھیجنے سے انکار کر دیا۔

صدر اعظم کا جواب نفی میں آیا۔ پارلیمنٹ کے تمام راستے ان افسروں سے بھرے ہوئے تھے جو جماعت احرار کے مخالف تھے۔ پارلیمنٹ کے باہر دو دستے مشین گن کے ساتھ پارلیمنٹ کو گھیرے ہوئے تھے۔ پارلیمنٹ کے اندر کامل پاشا پر جرم عائد کئے جانے کا مطالبہ کیا جا رہا تھا۔ اس اثنا میں صدر اعظم کے مصاحب نے یہ پیام پہنچایا کہ صدر اعظم کی درخواست ہے کہ پارلیمنٹ چہار شنبہ تک صدر اعظم کے جواب کا انتظار کرے کیونکہ وہ اس وقت احکام مافوق کی وجہ سے جواب دہی سے معذور ہیں۔ اور اگر پارلیمنٹ اس مدت تک نہیں ٹھیر سکتی تو ان کا استعفا حاضر ہے۔ طرفداران کامل پاشا نے اپنی جانبداری میں سو سے زیادہ ووٹوں کا اندازہ لگایا تھا وہ اس طریقے پر کہ ۲۳ ووٹ احرار کے۔ پچاس جماعت عرب کے ۲۲ یونانی نمائندوں کے

اور باقی علما اور البانیوں کے۔ ان کا خیال تھا کہ مجلس اتحاد و ترقی کے اراکین کو جو ابھی پس و پیش میں تھے ملا لینے کے بعد جیت ان کی ہوگی۔ لیکن جب ووٹ لئے گئے تو معاملہ دوسرا تھا۔ یہ سچ ہے کہ افسروں کی دھمکیوں سے کامل مرعوب ہوگئے تھے اور یونانی نمایندوں پر بھی فوجی دباو ڈالا گیا تھا لیکن اگر فوج اس وقت مداخلت نہ کرتی تو اس دوسری مرتبہ بھی دستور کا خاتمہ ہوگیا تھا۔ صرف اسماعیل کمال بے، مفید بے اور چھ اور آدمی ایسے تھے جنھوں نے جرأت سے کام لیا اور اپنی ہٹ پوری کی۔ باقی طرفداران کامل تو وصر لئے گئے۔ بمقابلہ ایکسو اٹھانوے ووٹ سے پارلیمنٹ نے کامل پر اپنی عدم طمانیت کا اظہار کیا۔ دوسرے دن حسین حلمی پاشا صدر اعظم مقرر ہوے اور انھوں نے اپنی کابینۂ وزارت مرتب کی۔

آسٹروی و ترکی و روسی معاہدہ (پروتوکول)

تیرھویں اور چودھویں اپریل کی بغاوت

نئے صدر اعظم نے حلف اٹھایا کہ وہ ۱۸۷۶ء کے دستوری قانون کے مطابق نہیں بلکہ اس کے مرممہ قانون کے مطابق جس کو کمیٹی نے پسند کیا تھا حکومت کرے گا۔ اپنی ۱۴ فروری کی افتتاحی تقریر میں اس نے پارلیمنٹ کی فوقیت کو تسلیم کرکے وزیر کو اس کا جواب دہ گردانا تھا۔ حلمی پاشا کو اپنے پیشرو کے کاغذات میں آسٹروی و ترکی معاہدے کی کارروائی بھی ملی تھی جو بوسنہ و ہرزیگو ونیہ کے متعلق تھی یہ کارروائی تکمیل ہو چکی تھی۔ اور جس وزیر نے سفیر آسٹریا ہنگری مارگری پیلاویسینی سے یہ معاہدہ طے کیا تھا وہ جدید کابینے میں علیٰ حالہ اپنی خدمت پر قایم رہا یعاہدے پر صرف دستخط کرنے تھے چنانچہ صدر اعظم حلمی پاشا وزیر تعمیرات جو نورا ڈنگین افندی وزیر خارجہ کی جگہ منصرم تھا اور مارگری پیلاویسینی کے دستخط ہوگئے۔ معاہدہ

حسب ذیل دفعات پر مشتمل تھا۔

دفعہ اوّل

آسٹریا ہنگری ان تمام حقوق سے جو از روئے معاہدۂ برلن و موتمر قسطنطنیہ منعقدہ ۲۱ را پریل ۱۸۷۹ء اسے سنجک قدیم نووی بازار پر حاصل تھے آپ کو دست بردار کرتا ہے۔

دفعہ دوم

یہ معاہدہ ۲۱ را پریل ۱۸۷۹ء کی موتمر کو اور بابعالی کے اس احتجاج کو جو حکومت آسٹریا ہنگری کے خلاف بوسنہ و ہرزیگو ونیہ کے فیصلے کے متعلق کیا گیا تھا اور ان تمام شرائط و معاہدات کو جو طرفین میں کئے گئے تھے اور موجودہ تصفیے کے خلاف تھے منسوخ و باطل قرار دیتا ہے۔ یہ معاہدہ ان تمام اختلافات کو جو ان ہر دو صوبوں کے متعلق ہر دو سلطنتوں میں تھے دور کرتا ہے۔ عثمانیہ سلطنت ان جدید انتظامات کو جو ہرزیگو ونیہ و بوسنہ میں اس تصفیے سے کئے گئے ہیں قطعاً تسلیم کرتی ہے۔

دفعہ سوم

بوسنہ و ہرزیگو ونیہ کے وہ باشندے جو ترکی میں مقیم ہیں (باستثنائے ان کے جن کا ذکر یادداشتوں میں کیا گیا ہے اور جن کا تبادلہ جانبین میں اس معاہدے کی توثیق کے بعد کیا جائے گا) اور وہ عثمانی رعایا جو سلطنت عثمانیہ کے مختلف مقامات سے بوسنہ و ہرزیگو ونیہ میں سفر یا اقامت کرے گی ہر دو حسب سابق اپنی عثمانی قومیت بدستور قائم رکھیں گے۔

باشندگان بوسنہ وہرزیگو ونیہ حسب سابق وحسب قوانین بوسنہ وہرزیگو ونیہ عثمانیہ سلطنت میں ہجرت کے لئے آزاد ہیں جہاں وہ بحیثیت عثمانی رعایا رہیں گے۔ ان لوگوں کو مثل ان اہل بوسنہ وہرزیگو ونیہ کے جو اس وقت ترکی میں ہیں ہمیشہ یہ حق حاصل رہے گا کہ اپنی جائداد کا جس طریقے سے چاہیں انتظام کریں کسی کو معاوضتہً دیں یا خود بالذات انتظام کریں یا ایک تیسرے شخص سے یہ انتظام کرائیں۔

یہ تصور کیا جاتا ہے کہ جو اہل بوسنہ وہرزیگو ونیہ ترکی میں ہیں اور مہاجرت نہیں کی ہے وہ مثل آسٹروی ہنگری رعایا کے متصور ہوں گے۔

دفعہ چہارم

جو لوگ مستقل یا عارضی طور پر بوسنہ وہرزیگو ونیہ میں ہیں وہ حسب سابق اپنے مذہبی فرائض ورسوم بجا لائیں گے۔ اور انھیں ان امور میں آزادی حاصل رہے گی۔ جس طرح سے دوسرے فرقے ان صوبجات میں سیاسی اور ملکی حقوق سے بہرہ ور ہیں اسی طرح سے مسلمان بھی مثل سابق کے بہرہ ور رہیں گے۔ اعلیحضرت سلطان المعظم کا نام بحیثیت خلیفۃ المسلمین نماز میں اب بھی شریک رہے گا۔ اوقاف کا مثل سابق کے اب بھی احترام کیا جائے گا۔ مسلمانوں کے تعلقات اپنے مذہبی علما کے ساتھ ویسے ہی رہیں گے جیسے سابق میں رہتے تھے اور ہمیشہ کی طرح یہ علما شیخ الاسلام قسطنطنیہ کے ماتحت رہیں گے جو رئیس العلما کو نامزد کرے گا۔

دفعہ پنجم

تصفیۂ ثالثی کے مطابق اور قانون اراضی عثمانیہ کی رو سے بوسنہ وہرزیگو ونیہ میں عثمانیہ سلطنت کی مختلف قسم کی جائداد ہے۔ اس مسودۂ معاہدہ کی توثیق کے پندرہ روز کے اندر حکومت آسٹریا ہنگری ذمہ لیتی ہے کہ وہ سلطنت عثمانیہ کو اس جائداد کے معاوضے میں پچیس لاکھ پونڈ قسطنطنیہ میں ادا کرے گی۔

دفعہ ششم

حکومت آسٹریا ہنگری اس مسودۂ معاہدہ کی توثیق کے دو سال کے اندر یورپین قانون بین الاقوام کے اصول پر ترکی سے ایک تجارتی معاہدہ کرے گی جو اس طرح نفاذ پذیر ہو گا جس طرح اور دوسرے تجارتی معاہدے جو باب عالی سے دول یورپ نے کئے ہیں نافذ کئے گئے ہیں۔ فی الحال آسٹریا ہنگری اس پر موجودہ معاہدے کے نافذ ہونے کے ۱۵ دن بعد ترکی میں قیمت اشیاء کے معیار سے ۱۱ سے لیکر ۱۵ فی صدی تک محصول کروڑگیری عاید کیا جائے نیز مندرجۂ ذیل پانچ اشیاء کے متعلق نئے اجارے دیئے جائیں اور مزید محصول عائد کرنے کا حق محفوظ رہے۔ وہ اشیاء یہ ہیں:۔ پٹرول، سگریٹ بنانے کا کاغذ۔ دیاسلائی، شرابیں، کھیلنے کے تاش۔ ان پر اس شرط پر محصول عائد کئے جائیں گے کہ دیگر ممالک کے ساتھ کوئی امتیاز نہیں کیا جائے گا۔ لیکن رضامندی کی شرط یہ ہے کہ یہی طریقہ بغیر کسی فرق و امتیاز کے دوسرے ممالک کی درآمد پر بھی عمل میں آئے گا۔

اشیاء اجارہ کی درآمد کا لحاظ کرتے ہوئے ان کی گزشتہ سہ سالہ اوسط قیمت اور موجودہ بازاری قیمت کے توازن کے بعد یہ لازم ہو گا کہ آسٹریا ہنگری کی تیار کردہ اشیاء اجارہ ان کی فیصدی سالانہ درآمد کے حساب سے خریدی جائیں بشرطیکہ ان اشیاء کی قیمت بازاری نرخ کے مطابق ہو۔ یہ تصور کیا جاتا ہے کہ اگر حکومت ترکی متذکرہ بالا پانچ اشیاء کو نئے اجارے پر دینے کی بجائے ان کی فروخت پر اضافہ محصول کرے تو یہ اضافہ محصول اسی قدر ہو گا جس قدر ترکی یا دیگر اقوام کی کسی قسم کی اشیاء پر کیا جائے۔

دفعہ ہفتم

حکومت آسٹریا ڈاکخانجات پر سلطنت عثمانیہ کے شاہی حق کو تسلیم کرتی اور اس معاہدے کی توثیق کے بعد اپنے ڈاکخانوں کو ان مقامات سے اٹھا لینے کا وعدہ کرتی ہے

جہاں دوسرے ممالک کے ڈاکخانے نہوں نیز یہ بھی ذمہ لیتی ہے کہ جس حدتک دوسرے ممالک اپنے ڈاکخانوں کو مملکت عثمانیہ میں کم کریں گے اسی حدتک وہ بھی کم کرے گی۔

دفعہ ہشتم

باب عالی نے قدیم معاہدات ترکی کو بین الاقوامی قانون سے بدلنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے اور اس کے لئے دول کبریٰ سے یورپین کانفرنس یا کسی اور صورت سے مشورہ لیا جائے گا۔ تاکہ موجودہ سیاسی مراعات کا خاتمہ کیا جائے۔ حکومت آسٹریا باب عالی کے ان ارادوں کو بنظر تحسین دیکھتی اور اس تکمیل مقصد کے لئے اپنی مخلص امداد سے حاضر ہے۔

دفعہ نہم

موجودہ مسودۂ معاہدہ کا عمل باہمی توثیق کے ساتھ ہی شروع ہو جائے گا۔ یہ توثیق قسطنطنیہ میں دو مہینے کے عرصے میں مکمل ہو جائے گی۔

اس کے کچھ زمانے کے بعد حلمی پاشا نے خودمختاری بلغاریا کا خرخشہ توڑا جس کو اس کے پیشرو نے بغیر تصفیے کے رکھا تھا تاکہ بلقان کو جنگ کا اکھاڑا بنانے کا ذریعہ باقی رہے۔ ترکی اور بلغاریا کی گفت وشنید نے بہت طول کھینچا تھا۔ نمایندہ بلغیریا ایم لیپاشیف نے جملہ تصفیے کے لئے آٹھ کروڑ بیس لاکھ کی رقم پیش کی تھی جس میں چار کروڑ مشرقی ریلوے کمپنی کے حصے کو مغربی رومیلیا کی لائن کے لئے دئیے گئے تھے جو اس کے بعد حکومت بلغاریا کے قبضے میں آجاتی۔ ترکی نے چودہ کروڑ کا مطالبہ کیا اور خراج بلغیریا کا تصفیہ کانفرنس پر رکھا جس کے انعقاد کے لئے وقتاً فوقتاً ذکر چھڑا تا تھا۔ اس گفت وشنید کا سلسلہ چل رہا ہی تھا کہ ایک دم سے روس نے ان دونوں میں تصفیے کے لئے ایک تجویز پیش کی۔ یہ تجویز ایم اسوالسکی کا سیاسی کارنامہ ہے جس سے روس نے اپنا سابقہ اقتدار بلقان میں واپس حاصل کر لیا۔ جو آسٹریا ہنگری کو منتقل ہو رہا تھا۔ ادائی تاوان کے متعلق روس نے خود کو بلغیریا کا قایم مقام بنایا۔ تاوان کی جملہ رقم

اس نے ساڑھے بارہ کروڑ مقرر کی اور اس کی ادائی کی سبیل اس طرح سے کی کہ معاہدۂ برلن سے ترکی کی طرف جو اقساط تاوان جنگ کی روس کو واجب الادا تھیں ان میں سے چند ترکی کے اس حساب میں منہا کر لی جائیں۔ اس گفت و شنید کے جملہ مراحل طے ہونے پر اقساط کو اصل میں تبدیل کرنے کے بعد جو کچھ رقم باقی رہے گی اتنا ہی قرضہ حکومت عثمانیہ حاصل کر کے ادائی کی سبیل کرے گی۔ اسوالسکی کی اس تجویز کو بظاہر قبول کر کے کامل پاشا نے ایک اور تجویز اس کے خلاف پیش کی جس سے یا تو وہ اپنی دانست میں روس کو سادہ لوح سمجھے ہوئے تھا یا اگر یہ نہیں تو اس کا منشا یہ تھا کہ ایک ناتجربہ کار پارلیمنٹ سے روسی تجویز کے خلاف ووٹ حاصل کر کے بلغاریا اور ترکی کو لڑا دے تاکہ سلطان کا مطلب حاصل ہو سکے۔ ساڑھے تین لاکھ ترکی اشرفی کی سالانہ قسط کو اصل کا سود تصور کر کے اس نے ۷۴ قسطوں کو اصل میں تبدیل کرنے کی تحریک کی جو ۱۴/ مارچ ۱۹۰۹ء کو ترکی کے ذمے باقی رہتیں تاکہ اس طریقے سے روسی تاوان جنگ کا تصفیہ ہو جائے۔ اصل کے اندازے پر ترکی ساڑھے بارہ کروڑ قرض نکالے گی۔ اس کے بعد حساب کرنے پر جو کچھ رقم دس یا بیس لاکھ ترکی اشرفی باقی رہے گی وہ روس کو ادا کر دے گی۔

گو روس نے اس تجویز کو قطعاً رد نہیں کیا لیکن اس کی تعمیل کے لئے شرط لگائی۔ چونکہ روسی تجویز اور ترکی تجویز دو جداگانہ امور تھے اس لئے روس نے ترکی تجویز کو اس وقت تک کے لئے اٹھا رکھا جس وقت تک کہ اسوالسکی کی تجویز عملی صورت سے مکمل نہ ہو جائے۔ اور یہ جتایا کہ اس بلغریا اور ترکی کے جھگڑے میں دخل دینے سے روس کی کوئی خاص غرض نہیں۔ روس صرف ثالث کی حیثیت سے اس معاملے کا تصفیہ کرنا چاہتا ہے۔ اور اس کی رائے میں اس کی پیش کردہ تجویز فریقین کے لئے فائدہ مند ہے۔ بحیثیت ثالث اس کی اس تجویز پر کوئی بحث نہیں کی جا سکتی۔ صرف دو صورتیں ہیں یا تو منظور کی جائے یا نامنظور۔ کامل پاشا کو یہ امید ہی نہ تھی کہ اس کی مخالف تجویز منظور کی جائے گی۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ ۱۸۹۷ء میں جب مالیہ اعلیٰ نے یہ مناسب سمجھا کہ روسی تاوان جنگ کی قسطوں کو اصل میں مبدل کر لیا جائے تاکہ حکومت سینٹ پیٹرزبرگ عثمانی قرض عامہ کو تسلیم کرے اور ایک روسی نمائندہ مجلس نظم و نسق میں بھیجے تو روسیوں نے باوجود فرانس کی

مداخلت کے اس معاملے میں پڑنے سے صاف طور پر انکار کر دیا تھا حالانکہ جس طریقے سے اس کو پیش کیا گیا تھا اس سے روس کا ہی فائدہ تھا۔ اس بحث کے بعد صدر اعظم نے اصرار کیا کہ مسئلہ بلغاریا سردست ملتوی رہے۔ اس اثنا میں کامل پاشا معزول ہوا۔ اس معاملے میں روسی اخبارات کی حرف گیریاں روز بروز بڑھتی جارہی تھیں اور یہ مترشح ہوتا تھا کہ روسی تجویز کے صریحی انکار کی صورت میں بلغاریا کچھ بھی تاوان نہ دے گا۔ زار کا پرنس فرڈیننڈ کو شاہ بلغاریا تسلیم کرنا اور گرانڈ ڈیوک ولاڈیمیر کی تجہیز و تکفین میں بالذات شریک ہونا ترکی کے لئے کچھ نیک آثار نہیں ظاہر کر رہا تھا گو روسی وزارت خانہ سے ترکی کو اس بارے میں سمجھا دیا گیا تھا۔ اس لحاظ سے حلمی پاشا نے روس کے ساتھ تجدید گفت وشنید کو ضروری سمجھا۔ رفعت پاشا ترکی سفیر لندن کو جو نئی حکومت میں وزیر خارجہ بنایا گیا تھا لندن سے سینٹ پیٹرزبرگ جانے اور ایم اسوالسکی سے اس معاملے کو طے کرنے کا حکم ملا۔ آخر بہت دشواریوں کے بعد یہ مرحلہ طے اور فریقین میں معاہدہ مرتب ہوا۔

سینٹ پیٹرزبرگ کے مسودۂ معاہدہ کی رو سے روس نے ترکی کو چالیس قسطیں چھوڑ دیں جس سے حکومت عثمانیہ کو بلغیریا کے ذمے جو ساڑھے بارہ کروڑ تاوان تھا ال گیا۔ ان میں سے چار کروڑ مشرقی رومیلیا پر مالکانہ قبضے کے لئے۔ چار کروڑ مشرقی ریلوے کمپنی کو علاقہ بلغیریا کی ۱۰۳۱ کلو میٹر ریلوے کے لئے چار کروڑ سلطنت عثمانیہ کی سرکاری زمینات کے لئے جو بلغیریا میں واقع تھیں۔ پچاس لاکھ بیلو وا و کا ریل کی ریلوے کی شاخ کے تعمیری صرفے کے لئے ہوگا۔

اس کے معاوضے میں ترکی نے خراج بلغاریا کا دعوی واپس لے لیا۔ بلغیریا کو قرض عامہ کی شرکت سے بری کیا۔ رومیلیا کا بقایا محصول معاف کر دیا اور بلغاریا کی خود مختاری کو تسلیم کرنے کے لئے رضا مندی ظاہر کی۔ اب اور ۷۴ قسطیں جو ترکی کے ذمے باقی رہ گئی تھیں اس کی نسبت مسودۂ معاہدہ میں یہ طے کیا گیا تھا کہ فریقین کی صوابدید پر بحساب چار فیصدی سود سے اصل میں تبادلہ کرکے ان اقساط کا تصفیہ کیا جائے گا۔

بلغاریا کا سوال اس طرح سے حل ہوا۔ اور بحالات موجودہ اس کے ملکی جھگڑوں پر

نظر کرتے ہوئے جن میں وہ الجھی ہوئی تھی سلطنت ترکی کو اس سے بہتر تصفیے کی توقع بھی نہیں ہوسکتی تھی۔ اصل معاہدہ ترکی اور بلغاریا کا ۱۹ر اپریل ۱۹۰۹ء کو انگریزی فرانسیسی اور روسی سفرا کی موجودگی میں بمقام قسطنطنیہ تکمیل کو پہنچا۔ معاہدے کی شرطیں حسب ذیل تھیں۔

دفعہ اول۔ حکومت بلغاریا مسودۂ معاہدہ سینٹ پیٹرزبرگ کے جملہ شرائط کو قبول کرتی ہے رشچک سے وارنا تک جو ریلوے لائن ہے اس پر اس کو کوئی دعویٰ نہ ہوگا۔ صرف ایک تبدیلی مسودۂ معاہدہ میں یہ کی گئی ہے کہ ۲۲ر ستمبر سے تاریخ اعلان خودمختاری بلغاریا ۵ر اکتوبر ۱۹۰۸ء تک مشرقی رومیلیا کا مشروطہ زرِ تخلیہ "سود" کی مد میں ادا کیا جائے گا۔

دفعہ دوم۔ طبقۂ اہل اسلام اور جائداد اوقاف کے متعلق مسودۂ معاہدہ کے ساتھ جو نائشیوک اسکیم منظور ہوا ہے وہ زیر تعمیل ہے۔ غیر معمولی اوقاف کے لئے حکومت بلغیریا نے ایک کمیشن مقرر کیا ہے جو جملہ حقوق کی تحقیقات کرے گا۔

دفعہ سوم۔ ایک لاکھ دس ہزار فرانک گورنمنٹ کے حقوق تاغراف و ڈاکخانجات کے معاوضے میں دئیے جارہے ہیں۔

دفعہ چہارم۔ ایک لاکھ اسی ہزار تین سو سات فرانک روشنی گھروں کے لئے ادا کئے جارہے ہیں۔

دفعہ پنجم (للہ الحمد) حفظانِ صحت کے متعلق دئیے جارہے ہیں۔

دفعہ ششم۔ یہ مختلف رقومات جن کا مسودۂ معاہدہ میں ذکر کیا گیا ہے اور جن میں رومیلیا کے زرِ تخلیہ کی رقم بھی بحیثیت سود شامل ہے مسودۂ معاہدہ کی توثیق کے بعد پندرہ دن کے اندر ادا کردی جائیں گی۔

دفعہ ہفتم۔ مشرقی ریلوے کمپنی کا جو کچھ قرضہ حکومت بلغاریا کے ذمے ہے اس کا تصفیہ راست کمپنی اور حکومت بلغاریا میں ہوگا۔ اس قرضے میں وہ تاوان بھی شامل ہے جو بلغاریا کے ریلوے لائن کے قبضے سے تصفیہ تاوان تک کمپنی کو واجب الادا نہیں ہے۔

دفعہ ہشتم۔ جب ان ہر دو حکومتوں کے مابین ان امور متنازعہ کا تصفیہ ہوجائے گا جو روس و ترکی مسودۂ معاہدہ میں بیان کئے گئے ہیں تو سلطنت عثمانیہ بلغاریا کے نئے سیاسی دور کو تسلیم کرے گی۔

دفعہ نہم۔ ترکی و بلغاروی مسودۂ معاہدہ کی باہمی توثیق قسطنطنیہ میں ایک ماہ کے اندر کی جائے گی۔

کامل پاشا کی معزولی سے متحدین کی کسی قدر حوصلہ شکنی ہوئی تھی لیکن پھر ان کی ہمت بندھی۔ ان کا پہلا حملہ گورنمنٹ کے اس حکم پر ہوا جس میں یہ ہدایت دی گئی تھی کہ کوئی عام جلسہ اس وقت تک نہ کیا جائے گا جس وقت تک کہ اس کی اطلاع چوبیس گھنٹے قبل پولیس کو نہ دی جائے گی۔ یہ انتظامی حکم اس مصلحت پر مبنی تھا کہ تمام مخالف جماعتیں متفق ہوگئیں اور ایک جلسۂ عظیم منعقد کرنے والی تھیں جس میں محصولخانہ کے قلیوں اور بندرگاہ کے مزدوروں کو بوسنہ و ہرزیگووینیہ کے متعلق آسٹروی و ترکی مسودۂ معاہدہ اور کمیٹی کی مطلق العنانی اور ایسے ہی امور کے خلاف احتجاج کے لئے پیشتر سے فراہم کیا گیا تھا۔ اس جلسے کے بعد یہ لوگ باب عالی جاکر حسین حلمی پاشا کی معزولی کا مطالبہ کرتے جس نے ان قلیوں کو صدارت عظمی پر ہنگامہ کرنے کی وجہ سے مقدونیوں کے ذریعے منتشر کرایا تھا۔ پولیس نے یہ اطلاع شایع کی تھی کہ وہ اس جلسے کے انعقاد میں کسی طرح سے مزاحم نہ ہوگی لیکن بدامنی نہ ہونے کے لئے اطراف میں فوجی پہرہ متعین کیا جائے گا۔ اس پر جلسہ موقوف کر دیا گیا لیکن بانیان جلسہ نے ظلم و تشدد اور آزادی کے سلب ہوجانے پر بہت کچھ اظہار رنج کیا۔

پارلیمنٹ میں اس مسئلے پر بحث کی گئی۔ اسماعیل کمال بے اور صرفیج اور آتانے کے یونانی نمائندوں نے گورنمنٹ کی مخالفت میں بہت سرگرمی دکھائی اور بہت کچھ مباحثے کئے لیکن ووٹ پر صرف تیس آدمی ہی مخالف جماعت کے نکلے (۲ مارچ) کمیٹی کا تسلط مسلم تھا لیکن اس تسلط میں بھی کمیٹی کی ناؤ ایک ایسے طوفان میں گھری ہوئی تھی جس سے اس کے غرق ہوجانے کا خطرہ تھا۔

گو نوجوان ترک اپنی کامیابی سے آپ ششدر رہ گئے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی انھیں اپنی قوت کا بھی بہت کچھ زعم تھا۔ ۲۵ جولائی کے انقلاب نے مطلق العنانی کا خاتمہ کرکے تمام دنیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ حیرت کی زیادہ وجہ یہ بھی تھی کہ یہ انقلاب بہت خاموشی کے ساتھ عمل میں آیا تھا جس پر ترکوں کو ناز تھا کہ کوئی تاریخ ایسا واقعہ نہیں پیش کرسکتی۔ وہ یہی دہراتے تھے کہ یہ انقلاب نہیں بلکہ ارتقاء ہے تمام دنیا کو

حیرت تھی کہ فوج کے ذریعے ایک ایسا بڑا انقلاب بغیر خونریزی اور بغیر کشت وخون کے اتمام کو پہنچا اور قدیم دور مطلق العنانی جس سے قیاصرۂ روما اور بائزنٹیم کے خاندان ہارفیرو جیناں کا بدترین زمانہ واپس آگیا تھا مٹا اور دستوری حکومت نے اس کی جگہ لی۔ بانیان انقلاب نے یہ اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیا تھا کہ یہ صرف عثمانیوں کی ہی قسمت میں لکھا ہوا تھا کہ تاریخ کے ان قوانین کو باطل کریں جو کئی صدی سے غیر متغیر سمجھے گئے تھے اور دنیا کو یہ ثابت کر دکھائیں کہ کس طرح ایک مجلس وضع قوانین بغیر فوج کے اپنے معمولی احکام سے سوسائٹی اور گورنمنٹ کو بدل سکتی ہے۔ بعض غیر ملک والوں نے اس ٹھنڈے انقلاب کا سبب قرآن کے اس حکم کو ٹھیرایا جس میں ام الخبائث سے بچنے کی ہدایت ہے اور اس انقلاب کو "انقلاب آبنوشانہ" سے تعبیر کیا۔ بظاہر یہ کہہ دینا آسان ہے کہ یہ سکوت و امن جس پر اس قدر اظہار مسرت ہو رہا تھا عدم وقوع جنگ کا نتیجہ تھا۔ اور حکومت نے بلاچون وچرا اور پس وپیش از پیش اس انقلاب کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور جہاں تک حکومت کا تعلق تھا یہ انقلاب ڈر کی وجہ سے عمل میں آیا تھا۔

اس وقت کا منظر بھی عجیب و لخراش تھا جب کہ سلطان کو خود اپنی مطلق العنانی کے خلاف اعلان کرنا اور یہ کہنا پڑا کہ حکومت دستوری کی تجدید کا وہ مدت سے متمنی تھا لیکن غداروں نے اس کو دھوکا دیا جس کی وجہ سے ۳۲ سال تک وہ اور اس کی عزیز رعایا ایک دوسرے سے علیحدہ رہے۔ اس کا کمیٹی کی میر مجلسی کا اعلان بلاشک وشبہ ایسا ہی تھا جیسا ہنری سوم کا لیگ کی صدارت کا اعلان اور اس سے امید یہ تھی کہ رنگ میں رنگ ملائے۔ اس نے ان تمام مصاحبین کو بلاپس وپیش حوالے کر دیا جن کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اور ذرا بھی ان کی طرفداری اور پیچ نہیں کی بلکہ برخلاف اس کے اس نے ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جو ڈاکوؤں کے لئے کیا جا سکتا تھا کیوں کہ وہ اس کی نظر میں ایسے ہی سلوک کے مستحق تھے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ڈاکو اور بدمعاش تھے خواہ وہ جاسوس ہوں یا قاتل یا سزا دہندے۔ لیکن یہ جاسوس، یہ قاتل اور یہ سزا دہندے اس کے احکام کی تعمیل کرتے اور اپنا مفوضہ کام انجام دیتے تھے۔ وہ جاسوسی کرتے تھے تو اس کے لئے

کرتے تھے۔ وہ قتل کرتے تھے تو اس کے لئے اور سزا دیتے تھے تو اس کے لئے۔ اس نے اپنے ان وفادار ملازمین کی تائید میں ایک لفظ بھی اپنے منہ سے نہ نکالا اور ذرا بھی ان کے بچانے کی کوشش نہ کی اور اس طرح یہ لوگ اپنے آقا کا حکم بجا لانے کے جرم میں مستوجب سزا ٹھیرے تھے۔ یہ سچ ہے کہ اس گروہ میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو اس کو صلاح دیتا کہ شمشیر بکف عزت کی موت اس رسوائی وذلت سے ہزار درجے بہتر ہے جو اس کی خوف وبزدلی کے اعلان سے ہوگی۔ مخبروں اور جاسوسوں کا کمینہ پن ان کے مالک کی بزدلی کے ہم پلہ تھا۔ ہر ایک نے اپنی جان کا پہلے خیال کیا اور رشوت دے کے ایسے مقامات میں چھپ گئے جہاں گرفتاری کا خوف نہیں ہو سکتا تھا۔

نوجوان ترکوں نے بغیر لڑے فتح حاصل کی تھی اس لئے انھوں نے حمیدی نظم ونسق پر بہت ڈرتے ڈرتے ہاتھ ڈالا۔ ان کے ان دوستوں نے جنھیں کسی جماعت سے سروکار تھا جو غیر ملکی اور نوجوان ترکوں کے ہمیشہ سے سرگرم مدد ومعاون تھے بہت کچھ سمجھایا بھی تھا کہ ظاہری حالات پر نہ جاؤ اور کبھی اس قسم کا اعتبار نہ کرو جو حکومت دستوری کی وفاداری پر حامیان مطلق العنانی اور خود سلطان نے کھائی ہے بلکہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کے مطلق العنانی کا بخوبی صفایا کرو لیکن انھوں نے نہ مانا۔ ان بانیان انقلاب کو وہ الفاظ یاد دلائے گئے۔ جو مراد چہارم کے استاد نے مراد چہارم کو کہے تھے کہ "اے بادشاہ خرابیوں کا انسداد تلوار اور صرف تلوار ہی کر سکتی ہے" مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا بلکہ انھوں نے اس بات کا ذمہ لیا کہ سلطان کی تبدیلی خلوص پر مبنی ہے۔ اب وہ مطلق العنانی کی کبھی کوشش نہ کرے گا۔ اصل بات یہ تھی کہ گو سلطان کو اتنی ہمت نہ تھی کہ مقابلے کے لئے میدان میں اتر آتا اور فوج کو حملے کا حکم دیتا لیکن وہ چالبازیوں کا مرد میدان تھا چنانچہ اس نے انھیں چالبازیوں سے کام لے کر اس نے دستوری حکومت کو توڑنا چاہا۔ کمیٹی کے اراکین اندھے اور بہرے بنے بیٹھے تھے اور ان کو اپنی حالت سے اطمینان تھا کہ اب ہم خود مطلق العنان حاکم ہیں اور وہ ایک دوسرے کو اس پر مبارک باد دے رہے تھے کہ علما کی انقلابی تحریک نے جس میں فوج بھی شامل ہو گئی تھی انھیں متنبہ کیا کہ ابھی مطلق العنانی کا جھگڑا نہیں مٹا۔ اس انقلابی جماعت نے عوام کے جذبہ اسلامی کو

ابھارا تھا جو قدیم خیالات اسلام پر مبنی تھا۔ یہ قدیم خیالات تعصب اور تنگ نظری پر مبنی ہیں جن کی رو سے کافروں کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں کیا جا سکتا جنھیں اللہ نے مسلمانوں کے ہاتھ سے مٹنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور جن کی رو سے مغربی اصول و قوانین شیطان کے نکالے ہوئے اور شریعت کے خلاف ہیں اس لئے ان کو کسی طرح سے روا نہیں رکھا جا سکتا۔ میں نے اوپر ان وجوہ کو بیان کر دیا ہے جن کی بنا پر عالموں، حاجیوں اور سفطوں نے عبدالحمید کی مخالفت کی تھی اصلاح پسند ترکوں نے یہ غلطی کی کہ اس زبردست جماعت کو اپنے مانند نئے خیالات کا علم بردار باور کر لیا۔ اس میں شک نہیں کہ بعض بعض لوگ ایسے بھی تھے جو دستوری حکومت کے زبردست طرفدار تھے مگر ایسے اعلیٰ دماغ چند ہی تھے عام طور پر اس مذہبی فرقے نے انقلاب کا ساتھ محض اس لئے دیا تھا کہ سلطان کی مطلق العنانی کی جگہ مذہبی فرمانروائی کا رواج ہوگا۔ جب فوجی انقلاب سے دستوری حکومت کا دوبارہ قیام ہوا تو علما کو اس سے صرف حیرت ہی نہیں ہوئی بلکہ بہت صدمہ بھی ہوا۔

قومی نیابت، آزادی، مساوات وغیرہ کو مشرق میں کون جانتا ہے۔ یہ سب مغرب سے لئے گئے ہیں۔ ان کی قدر و قیمت ان علما کے پاس کیا ہو سکتی تھی اور حالت یہ تھی کہ یورپ سے جو جلا وطن واپس ہو رہے تھے وہ ان مغربی خیالات کی گٹھری اپنے ساتھ لا رہے تھے جو شریعت اسلام کے منافی تھی۔ ان میں کے بعض چاہتے تھے کہ عورت کو آزادی دیجائے اور وہ حرم سرائے کی قید اور برقع کی غلامی سے باہر نکالی جائے اور جو نماز کہ مذہب اسلام سے فرض گردانی گئی تھی اس سے یہ لوگ بے اعتنائی کا اظہار کر رہے تھے۔ پس دستور کے قیام نو کے دوسرے روز سے ہی ان علما نے دستور کو ایک مخالفانہ انقلاب سے بدلنے کے لئے ریشہ دوانیاں شروع کر دیں حالانکہ بظاہر ان کا رویہ اس کے خلاف تھا اور وہ دستور کے مداح و معترف تھے اور اس کو شریعت اسلامی کے موافق ثابت کیا تھا۔

اکثر مرتبہ ان کی یہ در پردہ دستوری مخالفت آشکارا ہو ہی گئی تھی۔ بوسنہ و ہرزگووینہ کا مسئلہ پارلیمنٹ میں چھڑا ہوا تھا تو ایک عالم نے جو اسقب کا نمائندہ تھا یہ کہہ ہی دیا اگر یہ دو صوبے اور ان کے ساتھ بلغاریا بھی سلطنت عثمانیہ کی قلمرو سے خارج

ہو گیا ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ اسلام پر ادبار و بدبختی چھائی ہوئی ہے اور پانچ وقت کی نمازوں سے روگردانی کی جا رہی ہے جس پر اس کے اکثر ساتھیوں نے مرحبا کے نعرے بلند کئے۔ صدر اعظم حلمی پاشا نے جب اپنا وزارتی خطبہ پارلیمنٹ میں پڑھا اور یہ اعلان کیا کہ صنعت و حرفت، تجارت اور زراعت کے متعلق حکومت مغربی اصول پر اپنے ملک کی ضروریات و حالات کے مطابق عمل پیرا ہو گی تو مصطفےٰ عاصم حاجی نمائندہ قسطنطنیہ نے جس کی حریت پسندی مسلمہ تھی غصے سے ٹوک دیا کہ "افندی یہ کہتے ہوئے تمھیں شرم نہیں آتی۔ ہمیں قوانین یورپ کی کیا ضرورت ہے۔ کیا ہمارے پاس شریعت و قران موجود نہیں جو ہم یوروپ کی گداگری کریں۔

جب مخالف انقلاب اور مذہبی جماعتوں نے دیکھا کہ کمیٹی اپنے پر سکون انقلاب پر پھولی نہیں سما رہی ہے اور اپنے دشمنوں کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا ہے اور کچھ کام نہیں کر رہی ہے یا اگر کر رہی ہے تو اپنے ہی طرفداروں میں پھوٹ پڑنے کے تو یہ مختلف جماعتیں مرور وقت کے ساتھ متحد ہو گئیں۔ ہر جماعت کا یہی خیال تھا کہ دوسری جماعت کو اپنی اغراض کا آلہ بنائے شیخ درویش وحدتی مدیر "ولقان" نے حمایت اسلام کے لئے ایک انجمن بنام "انجمن اسلامی" قایم کی۔ اس انجمن کے کئی ہزار طرفدار پیدا ہو گئے۔ قانون شریعت کی پابندی اور اس قانون کو تمام سلطنت عثمانیہ کا قانون قرار دینے کے متعلق کئی جلسے ہوئے۔ مساجد میں وعظ کیا گیا جس میں متقی مسلمانوں کو صیانت اسلام کے لئے مستعد رہنے کا حلف دیا گیا تھا۔ صوفیوں نے ان میں مذہبی تحریک کی اشاعت کی۔ ساتھ ہی یلدیز سے قاصد روانہ ہوئے جنھوں نے بڑے بڑے وعدے کئے اور ملھیوں سے روپیہ تقسیم کیا۔

کمیٹی کی مخالفت سے احرار مذہبی جماعت سے مل گئے تھے۔ اسی مخالفت سے اندھے ہو کر انھوں نے اس جماعت کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ احراری اخبارات نے کمیٹی کو تباہ کرنے کے لئے کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا اور اس پر سخت سخت حملے کئے۔ ان سب میں ممتاز اخبار "سربست" تھا۔ یہ مولانا زادے کا اخبار تھا اور اس کا مدیر خصوصی حسن فہمی بے کمیٹی کے بانیوں میں سے تھا لیکن بعد میں کمیٹی سے علیحدہ ہو گیا۔ اس میں حجت کی قابلیت بہت اچھی تھی۔ "نیران" کا ایڈیٹر مراد بے تھا۔ وہ سابق میں

مقرب سلطان تھا لیکن بعد میں جلا وطن کیا گیا لیکن کمیٹی کے راز افشا کرنے کی وجہ سے سلطان پھر اس پر مہربان ہو گیا۔ یہ راز اسے زمانۂ جلا وطنی میں پیرس میں معلوم ہوئے تھے لیکن جب اس نے دیکھا کہ سلطان نے اپنے لمبے چوڑے وعدے پورے نہیں کئے تو وہ پھر فرار ہو گیا اور سلطان کی مخالفت شروع کر دی خود مختار" اخبار" اقدامؔ کا فرانسیسی ایڈیشن تھا اور اس کا ناشر احمد جاودبے تھا۔

ان تمام جماعتوں کا دارومدار فوج پر تھا۔ اگر فوج کمیٹی کی وفادار رہی تو مذہب پرست، مخالف دستور، اور حریت پسند جماعتیں کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔ بدقسمتی سے کمیٹی کو فوج کی وفاداری پر بھروسا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ فوجی مدارس کے تعلیم یافتہ افسر دستوری حکومت کے طرفدار تھے سپاہیوں کی وفاداری کا کمیٹی نے خیال نہیں کیا وہ حالانکہ تمام فوجی افسر جنھوں نے سپاہی کے عہدے سے ترقی کی تھی وہ سب سلطان کے موافق تھے۔ پیدل میں ان کی تعداد فوجی مدارس کے تعلیم یافتہ افسروں کے برابر تھی۔ رسالے میں وہ چالیس فیصدی تھے۔ توپخانہ اور انجینیرس میں سب فوجی مدارس کے افسر تھے لیکن چونکہ فوجی افسروں کو سپاہیوں سے اتنا ربط ضبط کا موقع نہیں ملتا تھا جتنا انھیں اس لئے ان کا اثر سپاہیوں پر زیادہ تھا۔ قسطنطنیہ کا فوجی دستہ جس میں سلطان کی باڈی گارڈ فوج شامل نہ تھی عبدالحمید کا طرفدار تھا اور کمیٹی اس بات کو اچھی طرح سے جانتی بھی تھی۔ جب بعض دوراندیش لوگوں نے فوج کی اضطرابی حالت سے متنبہ کیا تو کمیٹی کی طرف سے اطمینان کے لہجے میں جواب دیا گیا کہ فوج نے وفاداری دستوری کا حلف اٹھایا ہے اور مسلمان کبھی حلف شکنی نہ کریں گے۔ سلطان کے البانی دستے کو سلطان کے پاس سے علٰحدہ کر دیا گیا لیکن دوسری فوجیں ویسی ہی رہیں۔ کمیٹی کو گھمنڈ تھا کہ اس کے پاس چار مقدونی سبک سوار فوج کی پلٹنیں ہیں جو اس کے حکم پر کشتوں کے پشتے لگا دیں گی اور ان کے علاوہ توپخانے کی فوج بھی اسی کی طرفدار ہے۔ باوجود اس کے یلدیز کے ایلچیوں اور سوفتائیوں کے زیر اہتمام سپاہیوں کی ایک بہت بڑی سازش ہوئی اور اس قدر جلد اس کا ظہور ہوا کہ اراکین کمیٹی بھونچکے رہ گئے۔

لیکن اس تنبیہ سے بے پروائی نہیں برتی گئی اور مقابلے کی تجویز کا بھی

کھلم کھلا شہر میں ذکر کیا گیا تھا۔ آٹھ اپریل کو آدھی رات کے کچھ تھوڑی دیر بعد حسن فہمی بے مدیر اختصاصی "سربست" کو گرا کوئی پُل پر قتل کیا گیا جب کہ وہ پیرا سے استانبول واپس ہو رہا تھا۔ "احرار" کے تمام اخبارات نے کمیٹی کو اس جرم کا ذمہ دار قرار دیا۔ اور چھ احراری نمائندوں نے جن میں دو ترک، دو آرمینی، ایک البانی، اور ایک عرب تھا وزیر ممالک داخلی (Minister of the Interior) سے اس قتل کا جواب طلب کیا۔ ان نمائندوں کے نام یہ ہیں۔ حقی بے نمائندہ ایلیسیا، ڈاکٹر رضا نور نمائندہ سینوپ، زہراب افندی، نمائندہ قسطنطنیہ، ہمپارٹز ون نمائندہ کوزن، مفید بے نمائندہ ارگیرو کاسٹرو۔ رسیم زنل بے نمائندہ جدہ۔ ایک پرجوش مباحثے کے بعد جواب کی تاریخ ۱۰ اپریل مقرر کی گئی۔ لیکن ۱۰ کو ایک دوسرے مسئلے پر بحث چھڑ گئی اور یہ جواب ۱۱ اپریل پر ملتوی کیا گیا لیکن ۱۱ کو بھی اس کی نوبت نہ آئی اور اس طریقے سے یہ مسئلہ یہیں ختم ہو گیا۔ اس میں شک نہیں کہ کمیٹی اپنے ایک خطرناک دشمن کے قتل کرانے میں کبھی پس وپیش نہ کرتی لیکن سچ تو یہ ہے کہ حسن فہمی سلطان کے حکم سے قتل کیا گیا تا کہ مخالفین انقلاب کی سازش جس سے وہ واقف تھا فاش نہ ہونے پائے یہ سازش اس نوعیت کی تھی جس سے اس کی حریت پسندی کو سخت صدمہ پہنچا تھا۔ یہاں تک کہ کمیٹی کی عداوت پر بھی یہ صدمہ غالب آگیا تھا جس کی وجہ سے وہ اس سازش کو ظاہر کر دینا چاہتا تھا۔

۱۰ اپریل کو اخبارات قسطنطنیہ نے لندن کا ایک تار شائع کیا جس میں "ڈیلی ٹیلیگراف" کی یہ خبر درج تھی کہ ترکی میں اہم ترین واقعات پیش آنے والے ہیں جن سے انقلاب کا اندیشہ ہے۔ احرار نے صاف طور پر اعلان کر دیا ہے کہ وہ کمیٹی سے اس وقت تک جنگ موقوف نہ کریں گے جس وقت تک کہ ان کے دو آدمیوں کو کابینہ میں رکن اور تیسرے کو پارلیمنٹ کا نائب صدر نہ بنایا جائے گا۔ یکم مئی ۱۹۰۹ء کو حلمی پاشا نے نمائندہ "ترکی" سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں اس نے بیان کیا کہ مجھے معاملات کی خطرناک صورت اختیار کرنے کی وجہ سے فکر تھی۔ میں نے اسماعیل کمال بے کو طلب کیا جو جماعت احرار کا ایک ممتاز شخص تھا۔ اور اس کو سمجھایا کہ یہ سازشوں میں حصہ لینا ٹھیک نہیں اس سے خانہ جنگی کا

اندیشہ ہے لیکن وہ کچھ نہ سمجھا۔"

اس حالت میں حکومت کو چاہیئے تھا کہ حفاظتی تدابیر اختیار کرتی اور سب سے پہلے مقدونی افواج کو طلب کرتی جو باشندگان دارالخلافت سے تعلق نہ رکھنے کی وجہ سے کمیٹی کی خیرخواہ تھیں۔ حکومت ہاتھ پر ہاتھ دھری رہی۔ ۱۳ر اپریل کی دو بجے شب کو مقدونی سبک سوار کی چوتھی پلٹن نے جس پر کمیٹی کو پورا بھروسا تھا بغاوت کا نشان بلند کیا۔ یہ بغاوت بہت جلد تمام پیدل دستوں میں پھیل گئی۔ سپاہی استامبول کو جوق جوق روانہ ہوے اور سینٹ صوفیا میں جو مرکز بغاوت تھا سفیطوں اور سوقیوں کے ساتھ شامل ہوگئے پارلیمنٹ کا محاصرہ کرلیا اور بابعالی اور محکمۂ سرعسکری کا رخ کیا عجلت اور ہمت سے کام لیا جاتا تو یہ فتنہ یہیں دب جاتا کیوں کہ صرف معمولی درجے کے افسروں نے بغاوت کی تھی۔ لیکن تمام وزرا مضافات شہر یا شہر میں اپنے اپنے مکانوں میں تھے۔ حکم کون دیتا۔ قیمتی وقت رسالے کو داؤد پاشا سے لانے میں صرف ہوگیا اور بجائے اس کے کہ باغیوں پر فائر کیا جاتا صرف معمولی حملے کیئے گئے۔ جب سپاہیوں نے دیکھا کہ کوئی ان پر سردار ہی نہیں تو باغیوں کے ساتھ مل گئے وزیرجنگ کے حکم سے ابین یونو پر توپیں چڑھائی گئیں تاکہ کراکوئی پل کو مسمار کردیں اور پیرا کی پلٹنوں کو باغیوں سے ملنے سے روکیں لیکن توپخانے کی فوج اپنے افسروں کو قتل کرکے دشمن سے جاملی۔ بابعالی میں سراسیمگی پھیلی ہوئی تھی۔ وقت کام کی جگہ باتوں میں چلا گیا تھا۔ صرف محمود مختار پاشا سپہ سالار افواج قسطنطنیہ ہی ایک ایسا شخص تھا جو صورت حال سے واقف تھا اور چاہتا تھا کہ باغیوں کے مقابلے میں معقول جارحانہ تدابیر اختیار کی جائیں لیکن صدر اعظم اور اس کے رفقا کے پس وپیش سے وہ کچھ نہ کرسکا۔[1] تین پلٹنیں پیدل کی اور ایک توپخانہ مشین گن کا لیکے جنھیں اس نے

---

[1] - یہ وہ کمزور عذرات ہیں جو اس واقعے کے بعد حلمی پاشا نے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی عدم دوراندیشی میں پیش کیئے جو اس پرآشوب زمانے میں ان سے ظاہر ہوی۔ انھوں نے ایک ملاقات میں بیان کیا کہ "اس واقعے کے تین روز قبل میں نے اپنے مکان پر ایک کمیٹی منعقد کی جس میں وہ تین جلیل القدر اصحاب تھے جن پر قوم کو اعتماد تھا اور جن کی رائے کی مجھے ضرورت تھی۔ میں نے

بر سر کار رکھا تھا سر عسکری پر قبضہ کیا اور اس کو باغیوں کے ہاتھ سے بچانے کی کوشش کی لیکن دو بجے دن کے حلمی پاشا اور اس کے رفقا نے سلطان کو اپنا استعفا پیش کیا۔ اب

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ :۔ ان سے خواجوں اور بازاری طبقے کی شورش کا ذکر کیا اور یہ دریافت کیا کہ آیا میں فوج پر بھروسہ کر سکتا ہوں۔ انھوں نے مجھے یہ قطعی یقین دلایا کہ فوج دستوری حکومت کی طرفدار ہے اور رہے گی اور اس کی طرف سے مجھے کوئی تردد نہ کرنا چاہئے۔ ان کے اطمینان پر میں صرف انھیں تدابیر کی طرف رجوع ہوا جو سابقہ سلطان اور اس کے حاشیے کی سازش سے بغاوت کے ظہور پذیر ہونے پر ضروری ہو سکتی تھیں۔ میں قسم کھاؤں گا کہ کیسی ہی بغاوت کیوں نہ ہوتی میں اس کا فوری دفعیہ کرتا لیکن جب اس منحوس روز کی صبح ہوئی تو میں نے دیکھا کہ خود سالونیکا کے سپاہی اور بعض افسر جن پر ہمیں اعتماد تھا اس بغاوت میں بڑا حصہ لے رہے ہیں تو میں نے مدافعت فضول سمجھی۔ یہ کہنا اب آسان ہے کہ ان چند پلٹنوں سے جن کی وفاداری مسلمہ تھی بغاوت کا فوراً انسداد ہو سکتا تھا لیکن ان باغی سپاہیوں کے سوا پچاس ہزار سے بڑھ کر وہ بدمعاش بھی تھے جن کو مثل باغیوں اور سفطوں کے حرم سرائے سے نقدی دی گئی تھی اور جو قتل و غارتگری پر آمادہ تھے۔ ان حالات میں مدافعت آپس کی خانہ جنگی کا باعث ہوتی۔ یورپ کی طرف سے فوراً دوسری مداخلت ہوتی اور میں اپنے ملک کی تباہی کا سبب ہوتا۔ باغیوں نے صدر اعظم اور پارلیمنٹ کے صدر نشین کی معزولی کا مطالبہ کیا تھا۔ اگر میں مدافعت کا حکم دے دیتا تو ملک میری وجہ سے تباہ ہوتا۔ جو کچھ گزرا اس سے یہ ثابت ہو گیا ہو گا کہ میں اپنی جان سے نہیں ڈرتا۔ میں اپنی جان اپنے ملک پر قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہوں.......؛

صدر اعظم کی اس تقریر کو درج کرنے کے بعد ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ اس گفتگو کا اعادہ کیا جائے جو ان میں اور لفٹننٹ کرنل فائق بے متصرف سقوطری میں ۱۳ر اپریل کو ہوئی۔ بغاوت کے انسداد کے متعلق حیرت ظاہر کرتے ہوئے حلمی پاشا نے جواب دیا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ بغاوت نہیں ہے۔ سپاہیوں نے بلوہ کیا ہے۔ خود ہی یہ بلوہ کم ہو جائے گا۔ فائق بے نے بے فائدہ اصرار کیا کہ صدر اعظم یا وزرا باغیوں پر فائر کرنے کا حکم دیں لیکن اسے یہی یقین تھا کہ یہ ہنگامہ بہت جلد دب جائے گا۔ آخر مجبوراً اس نے سر عسکری کو جانے کا تہیہ کر لیا۔

کیا فائدہ تھا۔ اس پر بھی محمود مختار پاشا کی فوجیں سر عسکری میں رات تک اڑی رہیں اور باغیوں کے ایک حملے کو رد کیا جس سے وہ بعجلت تمام وزیر جنگ کو بزور گرفتار کرنا چاہتے تھے۔ وزرا کے مستعفی ہونے کے بعد جب مدافعت کی ضرورت باقی نہ رہی تو مختار پاشا کی فوجوں نے سر عسکری کا تخلیہ کر دیا۔

پہلے پہل تو باغیوں نے شریعت کی پوری پابندی کا مطالبہ کیا حالانکہ سپاہی شریعت کے ایک لفظ سے بھی واقف نہ تھے۔ اس پابندیٔ شریعت کے ساتھ انھوں نے صدر اعظم حلمی پاشا اور پارلیمنٹ کے صدر نشیں احمد رضا بے کی برطرفی اور اراکین کمیٹی کی دار الخلافت سے جلا وطنی کا بھی مطالبہ کیا۔ جیسا جیسا بغاوت پھیلتی گئی ان کے مطالبات میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ انھوں نے وزیر جنگ علی رضا بے پاشا' اور اراکین کمیٹی کی حوالگی کا مطالبہ کیا تاکہ انھیں گولی سے اڑا دیا جائے۔ کمیٹی اور کمیٹی کے اخبارات "چورہ امت" اور "تعنین" کے دفاتر اور عورتوں کی انجمن اور فوجی انجمنوں کے مکانات لوٹے گئے۔ اخبارات قسطنطنیہ میں دوسرے روز شریف عثمانی فوج کے کارنامے پر بہت کچھ مدح و ستائش کی گئی اور اسکی حب الوطنی کو آسمان پر چڑھایا گیا۔ اور افسروں کی عدم موجودگی کی یہ وجہ بتائی گئی کہ سپاہیوں نے اپنے افسروں کو گرفتار کر کے بے بس کر دیا اور مشکیں کس دی تھیں لیکن حقیقت یہ تھی کہ بغاوت کی ابتدا افسروں کے قتل سے ہوئی جو تمام دن ہوتا رہا۔ تقریباً تین سو افسر مارے گئے بدمست سپاہیوں نے ان تمام افسروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کے قتل کیا جو مدارس فوجی کے تعلیم پائے ہوئے تھے۔ انھوں نے پہلے کہا تھا کہ سابق میں تمام افسر سپاہی ہوتے تھے اور سپاہی کے درجے سے ترقی کرتے تھے۔ ایسا ہی اب بھی ہونا چاہئے۔ اس کے لئے مکتبی افسروں کو برخاست کر کے مدارس فوجی بند کر دینے چاہئیں۔ افسروں نے جب یہ حالت دیکھی تو معمولی کپڑے پہن کے سالونیکا کو جانے کی کوشش کی جہاں انھیں انقلاب قسطنطنیہ کے مقابلے کی امید تھی۔

سپاہیوں کے مظالم میں وزیر عدالت کا قتل بھی شامل ہے اور ایسا ہی نمائندۂ لطاقوئی محمد امیر ارسلان کا قتل بھی جو پارلیمنٹ کے سامنے مارا گیا۔

ایک اور قتل قابل ذکر کپتان بحری علی بے کابلی کا ہے جو یدھ کے روز بڑی بیدردی سے قتل کیا گیا۔ اس بغاوت میں جن جماعتوں نے سب سے پہلے حصہ لیا ان میں بڑے کی جماعت بھی تھی۔ جنگی جہاز "مسعودی" اور "آثار توفیق" کے جہازراں اور چند دوسرے جہازوں کے آدمی "دستور" کی وفاداری پر ثابت قدم رہے۔ علی بے نے کابلی "آثار توفیق" کے کپتان نے توپوں کا منہ یلدیز کی جانب موڑ دیا اور سپاہ کو حکم دیدیا کہ اس کے حکم پر انھیں سر کرنا شروع کر دیں۔ جب اس کی اطلاع ہوئی تو کوارٹر ماسٹروں نے علی بے کابلی کے اسباب جنگ پر قبضہ کر لیا۔ باغیوں نے اس کے ہاتھ پاوں باندھے اور اسے یلدیز لے گئے جہاں وہ سلطان کی آنکھوں کے سامنے جو نہایت اطمینان سے اس منظر کو دیکھتا رہا تلواروں اور برچھیوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔

شہر میں بغاوت پھیلی ہوئی تھی۔ حلمی پاشا اور اس کے وزرا مستعفی ہو چکے تھے۔ احمد رضا بے پارلیمنٹ کے صدر نشین نے بھی حسب ذیل خط کے ذریعے اپنا استعفا پیش کیا تھا۔ "اب تک میں نے اپنی زندگی کو اپنے ملک کی بہبودی کے لئے وقف کیا۔ اب چونکہ ایک تحریک میری مخالفت میں کی جارہی ہے اس لئے میں صدارت پارلیمنٹ کی خدمت سے اپنا استعفا پیش کرتا ہوں اور یہ میرا استعفا بھی ملک کی خدمت کے لئے ہے۔"

اراکین کمیٹی قتل کے ڈر سے فرار اور روپوش ہو گئے تھے۔ محمود مختار پاشا جسے سپاہی بندوق سے اڑانا چاہتے تھے ایک انگریزی جہاز میں روانہ ہو گیا۔ اور جب دو پلٹنوں نے مودا میں اس کے گھر کو گھیر لیا تو وہ وہاں موجود نہ تھا۔

۱۴ ر کی صبح کو سلطانی فرمان شایع ہوا جس میں توفیق پاشا سابق وزیر خارجہ کو جو ابھی اپنی خدمت سفارت روما پر روانہ نہیں ہوا تھا صدارت عظمیٰ پر مامور کرنے کا اعلان تھا۔ شیخ الاسلام ضیاء الدین جس نے باغیوں کے مطالبات کی جانبداری کی تھی بدستور اپنی خدمت پر رہا۔ کابینے کے اراکین حسب ذیل مقرر ہوئے۔

وزیر جنگ مارشل ادھم پاشا رستم لارساو دوموکس، صدر نشین مجلس نظمیہ (Council of state) ذہنی پاشا سابق وزیر تجارت و تعمیرات، وزیر خارجہ رفعت پاشا (حسب سابق)، وزیر تعمیرات نورو ڈنگھین (حسب سابق) وزیر مالیات

نو وی بے ناظم وظائف؛ وزیر عدالت و امور مذہبی و صدر نشین مجلس اعیان حسن فہمی پاشا۔ وزیر اوقاف خلیل حامد پاشا (حسب سابق) وزیر زراعت و معدنیات و جنگلات مور و کورڈیٹو افندی (بحال) وزیر البحر (فی الحال) امیر البحر امین پاشا صدر نشین مجلس بحر۔ وزیر ممالک داخلی (فی الحال) عدل بے مشیر محکمۂ تنقیح۔ محمود مختار پاشا کی جگہ جنرل ناظم پاشا پہلے دستے کا سپہ سالار بنایا گیا۔ اور جنرل خورشید پاشا توپخانہ کا افسر اعلیٰ۔

باغی سپاہیوں نے سعید پاشا یا کامل پاشا ان میں سے کسی ایک کو صدر اعظم اور ناظم پاشا کو وزیر جنگ بنانے کا مطالبہ کیا تھا لیکن سعید پاشا اور کامل پاشا دونوں نے اس خطرناک خدمت کو قبول کرنے سے صاف طور پر انکار کر دیا۔ سلطان ناظم پاشا کو وزیر جنگ بنانے کے خلاف تھا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس تمام عرصے میں پارلیمنٹ میں کیا ہو رہا تھا۔ ۱۳ اور ۱۴ کو پارلیمنٹ کا اجلاس نہیں ہوا کیونکہ جس نواح میں پارلیمنٹ واقع تھی اس کو سپاہیوں نے گھیر لیا تھا اور اکثر نمائندے نہیں آئے تھے۔ ۱۵ کو رضا پاشا نمائندہ قرہ حصار کی صدارت میں جو سب سے دیرینہ رکن تھا پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا۔ صرف آٹھ رکن حاضر تھے۔ چونکہ ارکان کی تعداد کافی نہ تھی اس لئے بغیر کسی تصفیے کے مجلس برخاست ہو گئی۔ صرف یہ طے ہوا کہ اخبارات میں تمام نمائندوں کو پارلیمنٹ میں آنے کی اطلاع دی جائے۔ دوسرے دن اس دعوت پر جو بمنزلہ حکم تھی (۱۰۸) ارکین آئے تصفیہ یہ کیا گیا کہ جن جن شہروں نے دستور کی مخالفت اور شورش میں حصہ لیا تھا انھیں ایک اطلاع دیجائے۔ اس اطلاع میں لکھا تھا کہ:

"چند روز سے صدائے احتجاج بلند ہے اور عوام کا مطالبہ یہ ہے کہ بلند پایہ شریعت اسلامی کی پوری پابندی کی جائے۔ سرزمین وطن کے سپوت ترکی سپاہیوں کو مزید شکایات فوجی خدمت اور انتظام کے متعلق ہیں اور ان کا مطالبہ یہ ہے کہ ان کی شکایات دور کی جائیں۔ انھوں نے اس بارے میں نمائندگان پارلیمنٹ سے جو خود ان کے اور ان کے بڑوں کی طرف سے نائب بنائے گئے ہیں درخواست کی تھی جس میں نئے صدر اعظم اور نئے وزیر جنگ کے انتخاب کی ضرورت کو ظاہر

کیا تھا جن پر سب کو اعتماد ہو اور جو اپنے تمام نظم و نسق میں مقدس قانون شریعت کو پیش نظر رکھیں اور ہمیشہ مفاد دستور کی حفاظت کریں جس کا وجود تمام قوم کی متفقہ خواہش سے ہوا ہے۔ اس درخواست کے ساتھ ہی نمایندگان پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا سپاہیوں کے مطالبات منظور کئے گئے جس پر ارکین کابینہ نے استعفا پیش کیا پارلیمنٹ کے اس تصفیے کے بعد ایک سلطانی فرمان شائع ہوا جس میں ان لوگوں کے عفو تقصیرات کا ذکر تھا جنھوں نے اس مظاہرے میں حصہ لیا تھا۔ تمام سپاہی مسرت و اطمینان کے ساتھ اپنی چھاؤنیوں کو روانہ ہوئے۔ اس طریقے سے سپاہیوں نے اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا ثبوت دیا (۹) جس سے وہ ممتاز ہیں۔ پارلیمنٹ کے تمام نمایندے اس واقعے کی اہمیت کو ملحوظ رکھ کے یہ اپنا فرض منصبی سمجھیں گے کہ آئندہ سے شریعت محمدی کے محترم اصول پر چلیں اور دستوری انتظامات کو اسی شریعت پر رکھیں جو سرزمین وطن کے سپوتوں کے اغراض و حقوق کی نگہداشت کی ذمہ داری لیتی ہے اور اس پر تن رہی سے عمل پیرا ہوں جو تن دہی ہمیشہ سے ان کا شعار رہی ہے۔۔۔۔۔۔"

۱۷ کو پارلیمنٹ کے ارکان حاضرہ نے جو کل ۱۹۱ تھے احمد رضا بے کی جگہ صدر نشین منتخب کرنے کی کارروائی شروع کی جس کا استعفا حالات کے اعتبار سے مجبوراً قبول کیا گیا تھا۔ صرف ایک بلغاری نمایندہ ڈاالٹشیف احمد رضا بے کی حمایت میں اٹھا۔ پارلیمنٹ کے نمایندوں نے کبھی اس طرف خیال نہیں کیا کہ نئے وزرا کے متعلق جو بغیر ان کی مرضی اور مشورے کے مامور کئے گئے تھے کوئی بحث چھیڑی جائے یا ان سے معاہدے لئے جائیں کیونکہ اس میں ان کی اپنی خیر نہ تھی لیکن جب کہ ترکی کے صوبجات یورپ کے دستور کی حمایت میں اٹھنے والے تھے اور جب کہ مقدونی اور تھریسی افواج باغیوں کی سرکوبی کے لئے چتلجہ تک آگئی تھیں تو انھیں ہمت سے کام لینا چاہئے تھا۔ کچھ نہیں تو احمد رضا بے کے لئے اعتماد کا اظہار کیا جاتا اور توفیق پاشا اور دوسرے وزرا پر جو بغاوت کے سلسلے میں مامور ہوئے تھے نکتہ چینی کی جاتی لیکن سچ تو یہ ہے کہ مزلیہ افندی نمایندۂ سمرنا، اور پنیش ڈورف نمایندۂ موناستر کی وجہ سے پارلیمنٹ کی ہیئت ہی کچھ اور ہو گئی تھی۔

صوبہ اور دارالخلافت کا مقابلہ ۔ مقدونی فوج کا قسطنطنیہ پر قبضہ (۲۴ر اپریل)

حکومت، کمیٹی، اور پارلیمنٹ کی یہ حالت تھی ۔ دارالخلافت کی فوج کو ایک طرف سفطوں نے مذہبی جوش دلایا تھا تو دوسری طرف یلدیز کی اشرفیوں نے ان کی جیبوں کو گرم کیا تھا اور وہ سلطان کو ایک بر تر ہستی سمجھ رہی تھی کہ صوبجات یورپ کی فوجیں دستور کی حمایت پر اٹھیں ۔ گو ۱۳ر اپریل کو باغیوں نے دوراندیشی سے ٹیلیگراف کو اپنے قبضے میں کر لیا تھا تاکہ باشندگان صوبجات کو تار کے ذریعے سے بغاوت کا حال معلوم نہ ہو جائے لیکن اس پر بھی یہ خبر بدھ کی شام کو سالونیکا میں پہنچ گئی ۔ کمیٹی کی مرکزی جماعت کے جلسے سالونیکا میں ہوتے تھے چنانچہ اب بھی صیانت دستور کی تدابیر پر غور کرنے کے لئے اس جماعت کا جلسہ ہوا ۔ فوجی افسروں کو اپنے ساتھیوں کے قتل کی خبر معلوم ہو چکی تھی اور انھیں ڈر تھا کہ کہیں وہ خود بھی "مکتبی افسر" ہونے سے دارالخلافت کی فوج کا شکار نہ ہو جائیں اس لئے انھوں نے کمیٹی کو اپنا مامن بنایا اور دارالخلافت پر کوچ کی آمادگی ظاہر کی ۔ ۱۵ر تاریخ پنجشنبہ کو فوج کی پہلی گاڑی سالونیکا سے قسطنطنیہ روانہ ہوئی ۔ ۱۶ کا تمام دن اور تمام رات گاڑیاں چلتی رہیں لیکن کامیابی کا انحصار ایڈریانوپل کے دوسرے دستے کے فیصلے پر تھا جس کے متعلق سلطان کے طرفدار ہونے کا گمان تھا ۔ یہ دستہ اگر سلطان کی طرفداری کا اعلان کرتا تو مقدونی فوج دارالخلافت پر کوچ کرنے سے رک جاتی ۔

سپہ سالار افواج سالونیکا حسنی پاشا تھا جس کے داماد رحمی بے نمایندۂ سالونیکا ورکن کمیٹی نے سر کا مطالبہ باغیوں نے کیا تھا ۔ حسنی پاشا فی الفور ایڈریانوپل روانہ ہوا اور صالح پاشا سپہ سالار افواج ایڈریانوپل سے گفتگو کی ۔ صالح پاشا مستعد اور بہادر آدمی تھا اور اسے عبدالحمید سے سخت نفرت تھی ۔ ۱۶ر کی شام کو دوسرے دستے کے سترہ سو سپاہی چٹلجہ کے مقابل اترے جو قسطنطنیہ کا قلعہ تھا ۔ ساعت بساعت سپاہیوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا اور فوجی گاڑیاں بغیر وقفے کے سپاہیوں کو اتار تی جا رہی تھیں ۔ تھریس اور مقدونیہ نے قسطنطنیہ کو اعلان جنگ دیدیا تھا ۔ ہر طرف رضاکاروں کی جماعتیں ترتیب دی گئیں ۔ محمود شوکت پاشا نے جو تیسرے دستے کا سپہ سالار تھا سالونیکا سے فوجیں روانہ کرنے کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا ۔ نیازی بے رضاکار پلٹنوں کے ساتھ ریسنہ سے آیا ۔ انور بے فوجی سفیر برلن سے

اور ابراہیم حقی بے فوجی سفیر وائنا سے بعجلت تمام ترکی کو واپس ہوئے تاکہ محبانِ وطن
کو حمایت دستور کی دعوت دیں۔ دستور کی پہلی فوج چٹلجہ پر آتے ہی حکومت کے
چھکے چھوٹ گئے۔ صدر اعظم توفیق پاشا نے جلد اعلیٰ افسر توپخانہ خورشید پاشا کو اس
پیام کے ساتھ بھیجا کہ قسطنطنیہ میں سب امن چین ہے۔ ۱۷/ کی دوپہر کو پارلیمنٹ نے
اپنے تیس اراکین کا وفد بھیجا تاکہ مقدونی سپاہیوں کو اطمینان دلائے کہ آزادی خطرے
میں نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ خورشید پاشا کے مشورے سے چٹلجہ کا توپخانہ
قسطنطنیہ بھیجا گیا تاکہ یہ بخوبی آشکارا کیا جائے کہ پارلیمنٹ کو کچھ دھوکا نہیں۔ اس
توپخانے میں صرف ایک کپتان اور دو لفٹننٹ جملہ تین افسر تھے جنھوں نے سپاہی
کے درجے سے ترقی کی تھی۔ پارلیمنٹ کے سامنے انھوں نے بینڈ بجایا۔ سپاہیوں
کی درخواست پر پریزیڈنٹ نے اجلاس ملتوی کر کے ایک تقریر کی جس میں ان کا
خیر مقدم کر کے ان کے شہری ہونے پر مبارکباد دی تھی۔ اس نے اپنی تقریر میں ان کی
بہت کچھ مدح سرائی کی تھی چنانچہ ایک جگہ اس نے یہ کہا تھا:۔

"پارلیمنٹ سے زبردست اور کوئی طاقت خدا کے سوا نہیں۔ اور کیوں
اس کا سکہ نہ چلے جب کہ اس کی حمایت پر تم جیسے بہادر ہوں۔ یہ کبھی باور نہ کرنا کہ
تمھارے ساتھیوں نے پارلیمنٹ میں خلاف آئین کوئی کام کیا ہے۔ نہیں بلکہ وہ
اب بھی تمھارے ایسے ہی نیک دوست ہیں جیسے سابق میں تھے۔ نمائندگان پارلیمنٹ
تم سے اور تمام فوج سے فوجی انقیاد کی امید رکھتے ہیں۔ تم تمام جانتے ہو کہ ہمیں
سلطان کی اطاعت کرنی چاہیے اور جو وہ حکم دے اسے تسلیم کرنا چاہیے۔۔۔۔۔۔
تم نے پارلیمنٹ کو مبارکباد دینے کی زحمت گوارا کی اور یہاں تک آئے۔ یہ اچھی طرح
سے سمجھ لو کہ دنیا کا کوئی فرد بشر عثمانیہ مجلس شوریٰ کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ پس یہ بخوبی
واضح کر دو کہ جب تک قوم عثمانی باقی ہے عثمانیہ قومی مجلس شوریٰ بھی رہے گی۔"

پارلیمنٹ سے سپاہی یلدیز روانہ ہوئے جہاں انھوں نے سلطان اور
اس کے بیٹے برہان الدین کے لئے نعرہ ہائے مسرت بلند کئے۔ برہان الدین
نے اپنے نامور باپ کی طرف سے ان کی وفاداری کا شکریہ ادا کیا۔ یہاں ان کی
اکل وشرب سے خاطر کی گئی اور اب وہ اپنے چھاؤنیوں کو لوٹنے کی تیاری کر رہے تھے کہ

یہ سنکر ان کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ ان کی عدم موجودگی میں چٹلجہ کے قلعوں پر دستوری فوج نے قبضہ کرلیا اور ان کے لئے توپوں سے تیار ہیں۔ اس طرح سے خورشید پاشا نے اس فوج کو دھوکا دیا۔ ۱۸ر تاریخ اتوار کو دستوری افواج کے سر اغرسانوں نے جن کی قسطنطنیہ میں آمد ورفت تھی کوچک چکمہ جی پر قبضہ کرلیا جو اسی نام کی جھیل پر، دار الخلافت کے ریلوے اسٹیشن سے دو گھنٹے کی مسافت پر واقع ہے۔ ۱۹ر کو سین اسٹیفانو پر انھوں نے قبضہ کیا۔ ۲۰ر کو پندرہ ہزار کی فوج اور ساٹھ توپیں قسطنطنیہ کے سامنے تھیں۔ محاصرہ ایک طرف کوچک چکمہ جی سے شروع ہوکے جو دریائے ماؤمیورا پر واقع تھا دوسری طرف کاواک پر ختم ہوا تھا جو باسفورس کے دہانے پر دریائے اسود کی جانب واقع ہے۔ حسین حسنی سپہ سالار فوج رومیلیا نے اعلان شائع کئے جن میں سرعسکری کے حکام اور عوام الناس کو مخاطب کرکے اطمینان دلایا تھا کہ تشویش نہ کریں۔ ۱۳ر اور ۱۴ر اپریل کے باغیوں کو سزا دی جائے گی۔ ان اعلانات کے ذریعے سے ان شرائط کو بھی بیان کردیا گیا تھا جن پر قسطنطنیہ کی فوج سے مصالحت ممکن تھی۔

جونہی افواج دستوری مضافات قسطنطنیہ میں داخل ہوئیں جماعت اتحاد و ترقی کے نمایندے سین اسٹیفانو روانہ ہوئے اور وہاں توفیق بے ابوضیا نمایندۂ تیک ومدیر "تصویر افکار" کو عارضی صدر منتخب کرکے قومی مجلس قائم کی کیونکہ احمد رضا بے جسے نمائندے ابتک بھی اپنا باقاعدہ صدر سمجھتے تھے موجود نہ تھا۔ توفیق بے نے استامبولی پارلیمنٹ کے تجاویز کو باطل و کالعدم قرار دیا۔ اور اس کی وجہ یہ بتلائی کہ جن نمائندوں نے ان تجاویز کو منظور کیا ان پر تلوار مسلط تھی۔ اور انھیں وہ آزادی حاصل نہ تھی جو قومی نیابت کے لئے ضروری ہے۔ ۲۱ر کو احمد رضا بے سین اسٹیفانو آیا اور کرسی صدارت پر عوام الناس و نمایندگان کے نعرہ ہائے مسرت کے ساتھ متمکن ہوا۔ ۲۲ر کو مجلس اعیان کے اراکین بھی سین اسٹیفانو میں جمع ہوگئے اور اس طرح سے ایک عثمانی مجلس کبیرہ قائم ہوئی جس کی طرف سے ایک اعلان شائع ہوا جس میں محاصرہ کن فوج کے انتظامات کی توثیق کرکے اس کی مخالفت کرنے والے کو قانونی مجرم قرار دیا گیا تھا۔

مجلس کی طرف سے اس اعلان کا ووٹ دیا ہی گیا تھا کہ گولڈن ہارن کا

بحری دستہ آموجود ہوا۔ اراکین کو سخت دغدغہ تھا کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے لیکن خوش قسمتی سے اس دستے نے مجلس کی طرفداری کا اعلان کر کے اپنے آپ کو مجلس کی خدمت کے لئے پیش کیا۔ سلطان کو اس دستے کے پھر جانے سے بہت بڑی زک ہوئی کیونکہ اسے بحری فوج کی وفاداری پر بھروسا تھا اور وہ یہ سمجھے ہوئے تھا کہ بیڑے کی توپیں رومیلی فوج کو شہر میں داخل نہ ہونے دیں گی۔ مجلس نے بہت خوشی کے ساتھ محمود شفقت پاشا کو تمام بری و بحری افواج کا قائد عام مقرر کیا جو اسی روز صبح کو سالونیکا سے جنگی انتظامات کے لئے آیا تھا۔

قسطنطنیہ میں حکومت ساکت وصامت تھی۔ مدافعتی انتظامات آسانی سے کئے جا سکتے تھے لیکن ان انتظامات کی طرف مطلق توجہ نہیں کی گئی۔ سلطان کے پاس بیس ہزار کی فوج تو تھی ہی۔ اگر وہ سنجک شریف (لوائے محمدی) بلند کرتا اور یہ اعلان کر دیتا کہ نیک مسلمان خلیفہ کی حمایت پر اٹھیں اور باغیوں پر حملہ کریں تو تمام استامبولی مسلح ہو جاتے اور اس کے لئے اپنی جان سے دریغ نہ کرتے۔ تمام آنکھیں اسی لئے یلدیز پر تھیں مگر یلدیز خاموش تھا جیسا کہ اس ہنگامے سے اس کو کوئی واسطہ ہی نہیں۔ دہشت اگر پھیلی ہوئی تھی تو باشندگان شہر میں پھیلی ہوئی تھی۔ پیرا میں چانڈو خانے کی گپیں اڑ رہی تھی۔ ایک افواہ یہ اڑی کہ سلطان نے ستر ہزار ہوز ربند و قیں استامبول کے غریب لوگوں میں تقسیم کیں۔ اور سفرا کو یہ متنبہ کر دیا گیا کہ اگر دول یورپ کی طرف سے مداخلت نہ ہوگی اور رومیلی فوج کو مراجعت کے لئے مجبور نہ کیا جائے گا تو پیرا میں آگ لگا دی جائے گی اور تمام عیسائی قتل کر دئے جائیں گے! رومیلیوں کے استامبول میں داخل ہوتے ہی تمام وہ لوگ جو مذہبی یا دستور کی مخالف جماعت سے تعلق رکھتے تھے پیرا کو بھاگ گئے۔ پیرا کے باشندے جہازوں اور ٹرینوں سے یورپ کو فرار ہو گئے۔ حریت پسند اخبارات نے سلطان پر سخت حملے کئے اور اس کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ دستور کی مخالف جماعت کے اخبارات اور احراری رسالے بھی جنھوں نے ۱۴ / اپریل کو سلطان کی تعریف و توصیف کے راگ الاپے تھے تاکہ وہ ان کے سابقہ طرز عمل کو معاف کر دے اب اس کے خلاف ہو گئے اور اس کو نشانۂ ملامت بنایا۔ صرف سپاہیوں نے ہی مردانگی سے کام لیا اور یہ

اعلان کر دیا کہ ہم سلطان کی طرف سے لڑیں گے۔ اور کبھی اس کی وفاداری سے نہ ہٹیں گے۔
بریں ہم رومیلیوں میں اور کابینہ توفیق پاشا میں صلح کی گفت و شنید ہو رہی تھی۔
ان لوگوں نے سلطان کو صورت حال سے بالکل بے خبر رکھا اور محمود شفقت پاشا کے
شہر میں داخل ہونے کے لئے راستہ صاف کرنے کی کوشش کی۔ ادھم پاشا وزیر جنگ،
ناظم پاشا سپہ سالار دستۂ اول، اور دارالخلافت کے مختلف فوجی حکام محاصرہ کن فوج
کے سپہ سالار سے ملے ہوئے تھے۔ باغی سپاہیوں سے جنھوں نے افسروں کو قتل کیا تھا
انھیں کوئی واسطہ نہ تھا۔ خود توفیق پاشا نے محض اس لئے صدارت عظمٰی کو قبول کیا تھا کہ
کابینہ میں مذہبی، اور دستور کی مخالف جماعتیں بالکل متسلط نہو جائیں۔ ۲۳ر اپریل جمعہ
کو دو بجے سرکاری اخبار "تقتین وقائع" نے بطور ضمیمہ محمود شفقت پاشا کا یہ اعلان
شائع کیا کہ فوج رومیلیا سلطان کو معزول کرنے نہیں آئی ہے۔ وہ صرف یہ چاہتی
ہے کہ شہر میں دوبارہ امن و امان قایم کرے۔ اس کے سوا اور کوئی مطلب اس کے
مدنظر نہیں۔ وہ باغی جو طالب عفو ہوں گے انھیں معاف کر دیا جائے گا لیکن وہ لوگ
جو فرائض فوج میں ہارج ہوں گے اس کی ذمہ داری ان پر عائد ہوگی۔ اعلان کا خاتمہ
حسب ذیل الفاظ پر تھا۔

"میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس اعلان کو فوراً ہی شائع کر کے
اس کی اطلاع سفارتخانوں کو دیدیں۔ میرے خیال میں یہ میرا فرض ہے کہ ایک
تحریری اطلاع سلطان کو بھی دوں گا"

اس اعلان سے علی العموم یہ سمجھا گیا کہ سلطان میں اور رومیلیوں میں کوئی
تصفیہ ہوگیا ہے لیکن داؤد پاشا کی چھاؤنیوں کا جبری قبضہ جو اس وادی میں واقع
تھیں جس سے محمود شفقت کی فوجیں یلدیز پر حملہ کرنے گزرتیں اس اعلان کو
جھٹلا رہا تھا۔ اس کے علاوہ احمد رضا بے کی وہ گفتگو بھی جو مجلس قومی کا اجلاس
ختم ہونے پر اس روز ہوئی تھی بہت معنی خیز تھی۔ کسی نے اس سے سوال کیا کہ کل ۲۴ر
کو کیا ہوگا۔ انھوں نے جواب میں کہا کہ کل تو کوئی مباحثہ نہیں ہے۔ اور یہ نہیں کہہ سکتے
کہ کل کیا ہوگا لیکن اتنا ہے کہ کل جو کچھ ہوگا وہ ہمارے سے ہی متعلق ہوگا۔ ۲۴ر کو
صبح کے چار بجے رومیلی فوجیں بارودخانوں کو روانہ ہوئیں جو آت میدان، قطعین اور

قاسم پاشا کے درمیان بلندی پر واقع تھے۔ اور انھیں ایک مختصر سی جھڑپ کے بعد فتح کیا۔ ایک بڑا دستہ فوج کا پیرا کو روانہ ہوا تاکہ اس پر قبضہ کرکے غیر ملکی تبلیغ خانوں کی (دشمنوں کی) حفاظت کرے۔ کچھ فوجیں چچلی کی طرف بڑھیں اور ایک خاصی جنگ کے بعد فوجی مدرسے پر قبضہ کیا ساتھ ہی رومیلیوں نے ایک طرف تاس کجلہ کی چھاؤنیوں پر حملہ کر دیا جہاں چوتھی مقدونی سبک سوار فوج کی تین پلٹنیں تھیں جنھوں نے ۱۳ کی بغاوت میں بہت بڑا حصہ لیا تھا اور دوسری طرف مجکہ کے اسلحہ خانہ پر یورش کی جہاں دو پلٹنیں تھیں توپخانہ کی رجمنٹ اور خندق کنوں کی پلٹن نے جو ٹیکسم کی چھاؤنیوں پر قابض تھیں اپنے تحت افسروں کی سرکردگی میں رومیلیوں پر گولہ باری کی۔ ایک خونریز جنگ کے بعد قریب ساڑھے آٹھ بجے کے تینوں دستوں نے اطاعت قبول کی۔ استامبول میں بابعالی کے سوا کہیں زیادہ مقابلہ نہ ہوا جہاں کی محافظتی پلٹن کو سخت ہزیمت ہوئی۔ دوپہر کے قریب تمام شہر پر رومیلیوں کا قبضہ تھا۔ صرف یلدیز کی فوجیں جنھوں نے اس لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا اپنی جگہ پر رہیں لیکن یلدیز کا محاصرہ کر لیا گیا۔ اور مصالحت کی گفتگو ہوئی۔ محمود شفقت پاشا نے بغیر کسی شرط کے اطاعت کا حکم دیا۔ یلدیز کی فوجوں نے ہتھیار کے ساتھ چلے جانے کی اجازت طلب کی۔ اب سلطان کا سوال تھا۔ اس کے متعلق باتفاق سبھوں نے معزولی کی رائے دی۔ اور بعضوں نے تو اس کے سر کا بھی مطالبہ کیا۔

عبدالحمید کی معزولی (۲۷ اپریل)

عبدالحمید کے پاس یلدیز میں اب بھی چھ سات ہزار کی فوج اور پندرہ توپیں تھیں۔ اگر وہ خود بھی موثر جارحانہ طریقہ اختیار کرتا تو گو تخت تو کسی صورت سے نہ بچتا مگر عزت اور آن بان تو ہاتھ سے نہ جاتی۔ اور شاید شرائط بھی ایسے سخت نہ ہوتے لیکن سلطان میں یہ ہمت نہ تھی۔ علاوہ بریں اس کا طرز عمل ۱۳ اپریل سے اپنی معزولی کے

زمانے تک مورخ کے لئے ایک معمہ رہے گا۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں ہو سکتا کہ ۱۳ اپریل کی بغاوت کو یلدیز کے ایلچیوں نے بھڑکایا تھا اور سلطان نے بنک سے اپنی ذاتی رقم لے کر باغیوں میں تقسیم کی تھی چنانچہ جو کاغذات حرم سرا سے برآمد ہوئے ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ منصوبہ اسی کا تھا لیکن سوال یہ ہے کہ اس نے اپنی فتح سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا اور کیوں رومیلی فوجوں کو دارالخلافت کا محاصرہ کرنے دیا ؟ جس شام کو رومیلی فوجیں قسطنطنیہ میں داخل ہوئیں یلدیز کے سپاہیوں کو حکم دیا گیا کہ اگر مقدونی شہر میں داخل ہونا چاہیں تو ان کا کوئی مقابلہ نہ کیا جائے۔ پہلے دستے کے سپاہیوں نے اگر مزاحمت کی تو اپنی طرف سے کی۔ سلطان کا ہرگز یہ حکم نہ تھا۔ حملہ آوروں کی اس قدر عاجلانہ پیش قدمی کا یہی سبب تھا کہ کسی نے ان کی مزاحمت نہیں کی۔ وابستگان عبدالحمید ۱۳ / اپریل کی کوشش کے خلاف تھے کیوں کہ وہ اچھی طرح سے جانتے تھے کہ سلطان سے اس مہم کا بن پڑنا ممکن نہیں عبدالحمید کو بیرونی دنیا کا علم مطلق نہ تھا۔ اور وہ خواہ مخواہ ایک مشرقی ملیا دلی مشہور ہو گیا تھا۔ گمان تو یہ گزرتا ہے کہ اس معاملے میں وہ اپنے مصاحب داور آغا اور اپنے عزیز فرزند برہان الدین کی وجہ سے مجبور ہو گیا تھا جسے وہ اپنا ولیعہد بنانا چاہتا تھا (یہ داور آغا اول درجے کا خواجہ سرا تھا۔ کہیں غلطی سے اسے قید کر آغا نہ سمجھ لیا جائے جو خواجہ سراؤں کا افسر ہوتا ہے) مشکل تو یہ تھی کہ اس بغاوت میں حصہ لینے والوں میں کوئی بھی قیادت کا اہل نہ تھا۔ اتوار کا تمام دن (۲۵) حرم سرا اور محمود شفقت میں گفت و شنید ہوتی رہی۔ اس اثنا میں تمام یلدیز کی چھاؤنیوں کے سپاہیوں نے حتیٰ کہ انھوں نے بھی جو یلدیز کی چار دیواری میں تھے اطاعت قبول کی شام کے قریب تمام بیرونی چھاؤنیوں پر رومیلیوں کا قبضہ تھا۔ ۲۶ / دوشنبہ کو پارلیمنٹ اور مجلس اعیان کا بحیثیت مجلس قومی سینٹ صوفیا کی حوالی میں اجلاس ہوا تاکہ معزولی سلطان کے متعلق بحث کی جائے حالانکہ ۲۳ / کے اعلان میں اس کا ذکر تک نہ تھا۔ مجلس اعیان کی طرف سے وزیر سول لسٹ نوری بے، اور پارلیمنٹ کی طرف سے توفیق بے ابوضیا، نمایندۂ نیک اور طلعت بے نمایندۂ ایڈریانوپل، و نائب میر مجلس پارلیمنٹ و صدر کمیٹی معزولی

سلطان کا سوال پیش کرنے والے تھے۔ اب بحث شروع ہونے والی ہی تھی کہ قائد عام نے اجلاس کو دوسرے روز کے لئے ملتوی کرنے کا مراسلہ بھیجا۔ رات میں یلدیز نے بغیر کسی شرط کے اطاعت قبول کی۔ قائد عام نے احمد رضا بے کو بذریعۂ تار تمام نمایندوں اور اراکین کو ۲۷ر کی شام کے آٹھ بجے غیر معمولی اجلاس میں شرکت کی دعوت دی۔ وقت مقررہ پر سوائے احراری لیڈروں کے جو فرار ہو گئے تھے تمام اراکین مجتمع ہوئے۔ معزولی کے متعلق بحث ہوئی کہ کس طرح اس کا اعلان کیا جائے۔ آیا دستور کے خلاف عمل پیرا ہونے کے جرم میں غدار و باغی ٹھیرا کے معزول کیا جائے یا دستور قدیم کے موافق مقدس قوانین شریعت کی خلاف ورزی پر بڑے بڑے علما کا فتویٰ حاصل کیا جائے۔ فتوے ہی کی رائے ٹھیری تاکہ مخالف جماعتوں کو اس قدیم مذہبی اصول کی خلاف ورزی پر نکتہ چینی کا موقع نہ ملے۔ فتویٰ تیار تھا۔ فتوے کی عبارت سابقہ فتووں سے بالکل مختلف تھی یہ اس لئے کہ خود عبدالحمید کی ذات سے جرائم کو منسوب کرنا سخت جرم تھا جس کی سزا موت تھی۔ فتوے کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

"زید جو خلیفۃ المسلمین ہے اہم مسائل شریعت کی خلاف ورزی اور رعایا کے پیسے کو ناواجبی طور پر خرچ کرتا ہے جو احکام شریعت کے منافی ہے۔ رعایا کو قتل اور قید اور جلا وطن اور اس پر ہمیشہ ظلم و ستم کرتا ہے"۔

"یہی نہیں بلکہ حلف شکنی کرتا اور امور اسلام میں فساد ڈالتا اور ملک میں نقض امن اور خونریزی کرتا ہے"۔

"اگر مسلمان ایسے خلیفہ سے اس کا اقتدار چھین لیں جس کے متعلق تمام دنیا کے مسلمانوں کو شکایت ہے اور جس کے تخت پر رہنے سے مسلمانوں کو خطرہ ہے تو کیا اس کی معزولی حق بجانب ہو سکتی ہے؟ اور کیا اس کو رعایا معزول کر سکتی ہے"؟

اور کیا ان لوگوں کی رائے پر عمل کیا جا سکتا ہے جو ارباب حل و عقد ہیں اور جن کی رائے زید امیرالمسلمین کے متعلق یہ ہے کہ وہ معزولی کے قابل ہے؟ اس کے متعلق علمائے دین متین کا کیا فتویٰ ہے۔

جواب۔ بیشک وہ معزولی کے قابل ہے۔ اس کو معزول کرنا چاہیئے۔ اس فتوے کے پڑھتے کے بعد سلطان عبدالحمید کی معزولی اور اس کے بھائی رشاد افندی محمد خامس کے نام سے سلطان ہونے کا اعلان نعرہ ہائے مسرت کے ساتھ کیا گیا۔ چار چار اراکین کے دو کمیشن مرتب ہوئے ایک سلطان عبدالحمید کو اس کی معزولی کی خبر پہنچانے اور دوسرا شاہزادہ رشاد کو اس کی تخت نشینی کی خبر دینے روانہ ہوا۔ دو اراکین مجلس اعیان عارف حکمت پاشا سابق وزیر بحر اور عرم افندی[1] اور دو اراکین پارلیمنٹ اسد پاشا نمایندۂ ڈورازو اور کراسو افندی نمایندۂ سالونیکا یلدیز روانہ ہوئے تاکہ سلطان عبدالحمید کو اس کی معزولی کی اطلاع دیں۔ وہ بہت افسردہ اور دلگیر تھا۔ جب اسد پاشا نے جو سلطان کا ہی نمک پروردہ تھا سلطان کو اس کی معزولی کی خبر سنائی تو وہ بہت طیش میں آگیا۔ بات یہ تھی کہ اسد پاشا کا ایک بھائی غنی بے نامی "قاتلان بادشاہ" میں سے تھا۔ رہزنی میں وہ فہیم پاشا کا مدمقابل تھا جو اس سے ڈرتا تھا۔ جب غنی کے مطالبات کی کوئی حد ہی نہ رہی اور سلطان کو اس کی دھمکیوں سے حرم سرائے کے درپردہ امور کھل جانے کا اندیشہ ہوا تو سلطان کے حکم سے وہ پیرا ایس شام کے پانچ بجے علانیہ قتل کر دیا گیا۔ اس کا قاتل حافظ پاشا نامی سابق میں رہزنوں کا سردار تھا اور قتل کے بعد منتظم بارگاہ راغب پاشا کا مددگار اور مجلس نظم و نسق بلدہ کا رکن بنایا گیا۔ اسد پاشا اپنے بھائی کے قتل کی وجہ سے سلطان کا جانی دشمن ہو گیا تھا۔

عبدالحمید کو بڑی فکر اپنی زندگی کی تھی۔ اراکین کمیشن نے اسے اطمینان دلایا کہ اسے صرف مقید کیا جائے گا۔ عبدالحمید نے "چراغان" میں رہنے کی اجازت چاہی جہاں عزیز نے خودکشی کی تھی اور جہاں مراد کو قید کیا گیا تھا لیکن حکامان فوج نے اس کو سالونیکا میں قید کرنا مناسب سمجھا۔ حسین حلمی پاشا دوسری محاصرہ کن فوج کے سپہ سالار کرنل غالب بے صدر ناظم (جندرمہ) مسلح پولیس و پولیس کمیدان علی فتحی بے سفیر فوجی متعینۂ پیرس یلدیز روانہ ہوئے تاکہ معزول سلطان کو روانگی

[1] ۔ یہ اسد پاشا وہی ہے جو جنگ بلقان میں اہل مانٹینگرو کی فتح کے بعد سقوطری کا حاکم ہوا۔ اور جسے ایک زمانے میں شاہ البانیا بننے کی امید تھی۔

کا حکم دیں۔

تین گھنٹے تک عبدالحمید نے حجت، اور منت و سماجت کی کہ اسے سقوطری نہ بھجوایا جائے۔ آدھی رات کو وہ یلدیز سے راہی ہوا۔ اس کے ساتھ اس کی سات بیویاں، پانچ خدمتگار، دو بیٹے، شہزادہ محمد عبدالرحیم عمر سولہ سال اور شاہزادہ محمد عابد عمر چھ سال، چار خواجہ سرائیں اور نو ملازمین تھے۔ ۹ ہر کی صبح کو دو بجے وہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ایک اسپیشل ٹرین میں سالونیکا کو روانہ ہوا۔ اس کی محافظت پر فتحی بے، اور دو اور افسر اور بیس آدمی جندرمہ کے تھے۔

دستور کی مخالف جماعت کا بظاہر تو اس وقت صفایا ہو گیا لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ جماعت ہمیشہ کے لئے توڑ دی گئی۔ معزولیٔ عبدالحمید کے بعد باامن انقلاب کا دعویٰ باقی نہ رہا۔ محاصرہ کی حالت جاری رہی۔ فوجی عدالت (کورٹ مارشل) قائم ہوئی اور کئی درجن سول اور فوجی حکام کو پھانسی دی گئی جن میں یوسف پاشا ڈویژن کا جنرل بھی تھا جس نے ارض روم کی افواج کو دستور کے مخالف بنانے کی کوشش کی تھی۔ یہ لوگ خواہ مخواہ قتل کیے گئے ورنہ جو لوگ دراصل اس بغاوت کے محرک تھے وہ سب فرار ہو گئے تھے کیونکہ کسی نے انھیں ہاتھ لگانے کی جرأت نہیں کی تھی۔ ایک داور آغا خواجہ سرا ہی گرفتار ہوا۔

انیسواں باب

محمد خامس ۔ دستوری حکومت

وزارت حلمی پاشا۔ کمیٹی اتحاد و ترقی کی مخفی مطلق العنانی ۔ وزارت حقی پاشا۔ مجلس اعیان کی پارلیمنٹ سے مخالفت ؛ تحریک داماد فرید ۔ اخراجات جنگ یونانیوں سے مقاطعہ پچیس کروڑ کا قرضہ ۔ وزرا اور کمیٹی میں لڑائی۔ پارلیمنٹ کے اتہامات ۔ ۱۹۱۰ء و ۱۹۱۱ء کی البانی بغاوتیں ۔ جماعت اتحاد و ترقی میں نا اتفاقی ، پارلیمنٹ اور حکومت کی بے اقتداری ۔ تیسرے اجلاس کی ہر توقی مسئلۃ العرب ۔ وزارت حقی پاشا کا خاتمہ ۔ جنگ اطالیہ ۔ حقی پاشا کا زوال۔ اطالیہ کا طرابلس میں دخل۔ وزارت سعید پاشا ، پارلیمنٹ میں لطفی فخری کا واقعہ ۔ صدر اعظم اور مجلس اعیان ۔ دستور کی دفعہ ۳۵ ۔ برخاست پارلیمنٹ۔ کمیٹی اور صدر اعظم ۔ البانی بغاوت ، محمود شفقت پاشا کے خلاف فوجی لیگ۔ زوال کابینہ ، وزارت غازی احمد مختار پاشا ۔ برخاست پارلیمنٹ ۔ البانوی مطالبات۔ وزرا میں نا اتفاقی ۔ مسئلہ مقدونیہ ۔

محمد خامس۔ دستوری حکومت

فوج اگر مدد نہ کرتی تو دستور اپنے حکام کی نااہلی کی بدولت خطرے سے محفوظ نہ رہتا۔ کیونکہ ان حکام کو نہ آگے کی ہی خبر تھی اور نہ یہی وہ جانتے تھے کہ حکومت کو بیش از بیش کیا کیا انتظامات کرنے پڑتے ہیں۔ اس فتنے کے فرو ہونے کے بعد خیال تو یہ ہوتا تھا کہ فوجی افسر اپنے ہاتھ میں زمام حکومت لے لیں گے۔ استامبول میں فوج نہ ہونے کے سبب دہشت پھیلی ہوئی تھی۔ صوبوں میں صرف ارض روم میں بغاوت کا اندیشہ تھا سو فوراً ہی اس کا انسداد کر دیا گیا تھا۔ باقی تمام صوبوں میں خاموشی چھائی ہوئی تھی محمود شوکت پاشا کا طوطی بول رہا تھا لیکن نہ تو اس میں آمر سلطنت بننے کا ہی مادہ تھا اور نہ اس کی خواہش ہی تھی۔ جب امن ہو گیا تو وہ قیادت افواج بری و بحری سے دست بردار ہو کے اپنی سابقہ خدمت پر خود ہی واپس آ گیا بلکہ ایثار نفس کو کام میں لا کے پارلیمنٹ کے بیکاروں کو ایک فوجی قانون بھی نافذ کرنے دیا جس کی وجہ سے اس کا درجہ بجائے برنجی فریق (سینیر لفٹنٹ جنرل) کے صرف فریق (جنرل ڈویژن) رہ گیا حالانکہ یہ وہ شخص تھا جس کی بدولت تمام پارلیمنٹی اراکین موت کے منہ سے بچ گئے تھے۔
حلمی پاشا دوبارہ صدر اعظم ہوا مجلس وزرا میں فرید پاشا وزیر ممالک داخلی، اور صالح پاشا وزیر جنگ مقرر ہوئے لیکن دستوری حکومت کا نام ہی نام تھا کیونکہ بجائے فوجی حکومت کے کمیٹی اتحاد و ترقی کی در پردہ حکومت مارشل لا کے ذریعے سے عمل میں آ رہی تھی۔
قومیت اور وطنیت کا ہی سب طرف کلمہ پڑھا جا رہا تھا جس کی وجہ سے ملک اگر تھا تو بس ایک گروہ کا ہی تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد صدر اعظم اور کمیٹی میں ایک مخفی لڑائی شروع ہو گئی۔
جب ان لوگوں نے کمیٹی پر سخت حملے شروع کر دئیے جن کے اغراض کو کمیٹی نے

باقتضائے قومیت پورا نہیں کیا تھا اور اس کو ٹی کی آڑ میں حکومت کرنے کا الزام دیا تو کمیٹی بھی ایک نئی چال چلی۔ قانون مجالس کی رو سے سیاسی کلب ممنوع قرار دئیے گئے تھے۔ یہ قانون دراصل ترکوں کے سوا دوسری قوموں کے لئے نافذ کیا گیا تھا۔ اسی قانون مجالس کا حوالہ دے کے کمیٹی نے یہ اعلان کیا کہ اب کمیٹی کا وجود باقی نہیں رہا۔ آئندہ سے صرف پارلیمنٹ کی جماعت اتحاد و ترقی رہے گی جس میں پارلیمنٹ کی جماعت کثیر کے ساتھ، جس کا کمیٹی کے سابقہ دستور العمل پر عمل درآمد رہا ہے، اتحاد و ترقی کے کلب بھی شامل ہیں جو صرف معاشری اور تعلیمی امور کے لئے مخصوص رہیں گے۔ مگر یہ دکھاوے کا اعلان تھا۔ نئے منصب کی نظر کرتے کمیٹی کی قوت اور اختیارات میں اور بھی اضافہ ہوگیا تھا۔ کمیٹی کی تین شاخیں تھیں مرکزی شاخ سالونیکا میں تھی۔ اس کا کام مقدونی فوج کو کمیٹی کی اطاعت میں رکھنا تھا۔ دوسری شاخ قسطنطنیہ میں تھی۔ اس کا کام حکومت کو سیدھے راستے پر رہنمائی کرنی تھا۔ تیسری شاخ موناستر میں تھی۔ اس کے ذمے البانی اور یونانی معاملات تھے۔ موقوفی کمیٹی کے متعلق جو خبر اڑائی گئی تھی اس کی اصلیت بھی تھوڑے ہی دن میں ظاہر ہوگئی۔ اور کمیٹی کی نسبت اخبارات کے آئے دن کے تذکروں اور خود کمیٹی کی معاملات ملک میں دخل ہی سے لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ یہ خبر کہاں تک سچ تھی۔ سالونیکا کی مرکزی شاخ سے ایک جنرل خلیل بے نمایندۂ منتشہ کے ساتھ جو پارلیمنٹی جماعت اتحاد و ترقی کا قائد بھی تھا کونسل وزرا کے اجلاسوں میں شریک رہتا اور ان میں حصہ لیتا تھا۔

جماعت اتحاد و ترقی پارلیمنٹ میں کمیٹی کے ہدایات پر چلتی تھی۔ اور پارلیمنٹ میں اس جماعت کا وہی اثر تھا جو ایم کومبس کے زمانے میں جماعت یسار (جماعت جمہوری و لبرل) کا تھا۔ تمام کاروبار حکومت ایک ایسے گروہ کے ہاتھ میں تھے جس کے کوئی ذمہ دارانہ فرائض نہ تھے اور جس کے افراد سب سیاہ و سفید کرتے تھے۔ پارلیمنٹ کے اجلاس برائے نام ہوا کرتے تھے۔ تمام معاملات کا تصفیہ کمیٹی اتحاد و ترقی کی کونسلوں میں ہوتا تھا۔ مندرجۂ ذیل واقعہ میں نے اس زمانے میں ایم کونسٹنس سفیر فرانس متعینۂ قسطنطنیہ سے سنا تھا جس کی بعد میں سابق صدراعظم فرید پاشا نے بھی تصدیق کی۔ اس سے معلوم ہوگا کہ کمیٹی کے نزدیک وزرا کی

گیا عزت تھی ۔حلمی پاشا نے قسطنطنیہ سے فرید پاشا سے جو والونا میں تھا تار سے
یہ دریافت کیا تھا کہ آیا وہ وزارت ممالک داخلی کو قبول کرے گا؟ حلمی نے تین تار
دئیے اور تینوں کا بھی کوئی جواب نہ آیا۔اب اس نے والی والونا کو تحریر مخفی میں تار
دیا جس میں اس نے والیٔ مذکور کو متذکرہ پیام فرید پاشا کو پہنچا دینے کی ہدایت دی
اور یہ بھی خفیہ طور پر دریافت کرنے کے لئے کہا کہ آیا سابقہ تار فرید پاشا کو پہنچے یا نہیں۔
ولونا کا ناظم تلغراف کمیٹی کا نمایندہ تھا۔اس نے صدر اعظم کا پہلا تار بیچ میں ہی سے
اڑا لیا اور کمیٹی کے پاس قسطنطنیہ میں روانہ کیا تھا۔کمیٹی نے اس پر یہ احکام دئیے کہ ایسی
جملہ خط و کتاب مکتوب الیہ کے پاس نہ پہنچنی چاہیئے۔حلمی پاشا نے ناظم تلغراف کو
برطرف کر دیا تو کمیٹی نے اس پر اعتراضات کی بھرمار کر دی۔آخر مجبوراً اسے اس
سودائی کو بحال کرنا پڑا۔

صدر اعظم کے اکثر معاونین سے کمیٹی ناراض تھی۔گو فرید پاشا وزیر ممالک داخلی
اور نوراڈ جو نگھین انگندی وزیر تعمیرات دونوں نہایت قابل آدمی تھے لیکن چونکہ
وہ صدر اعظم کے یار و مددگار تھے اس لئے کمیٹی کی ان سے آن بن تھی۔کمیٹی نے
ان کو خدمت سے علیحدہ کر دینے کا تصفیہ کیا۔اس کے لئے پارلیمنٹ سے ناراضگی
کا ووٹ لینے کی ضرورت مناسب نہیں سمجھی گئی بلکہ ایسا چارۂ کار مناسب سمجھا گیا
جس سے وہ خود بخود طیش میں استعفا دیدیں۔طلعت بے کمیٹی کا سب سے زیادہ
با اثر رکن تھا۔صدر اعظم نے اس کو محض اس وجہ سے وزیر ممالک داخلی بنایا تھا کہ
کابینہ کو اس کے وجود سے تقویت ہوگی لیکن جب پارلیمنٹ کا ۱۔۱۴ نومبر ۱۹۰۹ء
کا اجلاس ہوا تو اس کو ارا کین اپنے مخالف نظر آئے چنانچہ اس کو ارا کین مقابلہ اور
کمیٹی سے جو اس کی معزولی کا موقع دیکھ رہی تھی حیص بیص کرنی پڑی۔۱۴ر دسمبر کو
پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا۔اس اجلاس میں جو واقعہ پیش آیا اس سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے
کہ ترک مذہبی معاملات میں جب کہ کوئی شریعت کا مسئلہ زیر بحث ہوتا ہے لکیر کے
فقیر ہی رہنا پسند کرتے ہیں اور گو وہ کیسے ہی تعلیم یافتہ اور روشن خیال کیوں نہوں
جدید خیالات کا سبق یہاں وہ طاق نسیاں میں رکھ دیتے ہیں۔

عہدہ داروں کے تقررات کے متعلق قانون "تفتیش" بغرض تعمیل شیخ الاسلام

کے پاس بھیجا گیا تھا۔ (یہ "قانون تنسیخ" وہ قانون ہے جو پارلیمنٹ، مجلس اعیان اور سلطان کی منظوری کے بغیر نافذ نہیں ہوسکتا۔) شیخ الاسلام نے اس قانون کو عدم تعمیل میں ڈال رکھا تھا۔ پارلیمنٹ میں تمام علما نے جن میں مصطفیٰ عاصم نمایندۂ قسطنطنیہ، حسن فہمی افندی نمایندۂ سائنوپ، اور علی غالب بے نمایندۂ کراسی تھے شیخ الاسلام کے اس طرز عمل کے متعلق سوال کیا۔ اور اس امر پر اعتراض کیا کہ پارلیمنٹ کے تنسیخت کمیشن نے جن افسروں کو خدمت سے علیحدہ کیا تھا ان کو شیخ الاسلام نے حسب حال رکھا ہے اور بغیر کمیشن کی منظوری کے خود اپنی طرف سے اعلیٰ افسروں کا تقرر کیا ہے۔ شیخ الاسلام نے یہ جواب دیا کہ اس سے زیادہ کوئی باضابطہ شخص نہیں ہوسکتا۔ اپنی حریت پسندی کا اس نے جیسا کچھ ثبوت دیا ہے اس سے کسی قسم کا شبہ اس پر نہیں کیا جاسکتا۔ پارلیمنٹ کمیشن کی تجاویز کو وہ اس وجہ سے قبول نہیں کرسکا کہ ان کے متعلق پہلے ہی اس کی رائے نہیں لی گئی اس کے خیال میں "اگر یہ تجاویز خلاف قانون وخلاف رسم ورواج ہوں تو وہ ان کی تعمیل نہیں کرسکتا" شیخ الاسلام کے فرائض منصبی کا لحاظ کرتے ہوئے یہ قانون اور رسم ورواج شریعت کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ پارلیمنٹ کی خاطرداری ظاہر کرنے اس نے یہ اور اضافہ کیا کہ وہ ان کاغذات کو مکرر دیکھے گا جنھیں کمیشن نے اس کے پاس بھیجا ہے لیکن ان میں تغیر وتبدل کا جو اختیار اسے حاصل ہے وہ تو حسب دستور اسے رہے گا۔ جب اس نے اپنی یہ تقریر ختم کی تو روکھے طور سے مخاطب ہو کے کہا کہ "اب آپ لوگوں کو اور تو کچھ مجھ سے پوچھنا نہیں ہے؟" اس پر ایک عالم حسن فہمی افندی نے جو تنسیخت کمیشن کا رکن تھا شیخ الاسلام کے خلاف ایک لمبی چوڑی تقریر کی بہت سخت مباحثہ ہوا یہاں تک کہ تو تو میں میں تک نوبت پہنچ گئی اور میر مجلس پارلیمنٹ کو اجلاس ملتوی کردینا پڑا۔ اجلاس دوبارہ ہوا تو یہ تجویز پیش کی گئی کہ "پارلیمنٹ کی رائے یہ ہے کہ "قانون تنسیخ" کے متعلق کمیشن کی رپورٹ پر اس کے ارکان کے دستخط ہونے کے بعد فی الفور اس پر عمل درآمد کیا جائے۔ اور اس دوران میں دوسرے مسائل زیر بحث کو طے کرنا چاہیئے" اکثر نمایندوں کی رائے یہ تھی کہ اگر شیخ الاسلام اس تجویز کو قبول کرے تو معاملہ رفع دفع کیا جائے۔ خلیل بے میر مجلس جماعت اتحاد وترقی نے کہا کہ شیخ الاسلام کو آج کی

تجویز کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے سوا چارہ نہیں ورنہ انھیں اپنا استعفا پیش کرنا چاہئے۔ صاحب ملا نے کہا کہ وہ کمیشن کی تجاویز سے کلیتہً اتفاق نہیں کر سکتا۔ اور وہ اپنا استعفا پیش کر دے گا لیکن آخر میں فریقین آپس میں راضی ہو گئے۔ شیخ الاسلام نے کہا کہ کبھی اس نے پارلیمنٹ کے تجاویز پر ناراضی نہیں ظاہر کی۔ کمیشن کو چاہئے کہ وہ ایک دوسری رپورٹ پیش کرے وہ اس کی تنقیح کرے گا۔ اگر یہ رپورٹ اس کی نظر میں رسم و رواج اور شریعت کے مطابق اور ضروریات ملازمت پر مبنی ہو تو وہ اس کی تعمیل کرے گا۔ اگر نہیں ہے تو وہ اس کے نقائص بتلائے گا۔ اگر اس کے مشورے پر عمل نہیں کیا گیا تو وہ خدمت سے علیٰحدہ ہو جائے گا۔

صاحب ملا حمیدی حکومت کے شدید ترین مخالفین میں سے تھا جلا وطنی کی عزت بھی اس نے حاصل کی تھی۔ اور اپنی حریت پسندی کی وجہ سے اپنے معاصرین میں ممتاز تھا۔ عبد الحمید کی معزولی کے بعد اس نے تمام دنیا کے مسلمانوں میں ایک اعلان تقسیم کیا تھا جس میں انھیں ہدایت دی تھی کہ قرآن رواداری اور عدل و انصاف کی تعلیم دیتا ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ قرآن کو انھیں معنوں کے ساتھ پڑھیں۔ یہ سب کاغذی باتیں تھیں۔ کام جب پڑا تو مذہبی اثرات دل سے بھلائے نہ جا سکے اور شیخ الاسلام باوجود اپنی حریت پسندی کے مذہبی جانبداری کو ترک نہ کر سکا۔

یہی وہ شیخ الاسلام تھا جو کل اس قدر حریت پسند اور آزادی کا طرفدار تھا لیکن جب اس کے افعال پر نکتہ چینی کی گئی تو دستور کی حیثیت بھی اس کے مذہبی عہدے کے آگے کچھ نہ تھی اور وہ باعتبار فرائض مذہبی بہت بالاتر انسان تھا۔ ۱۴ دسمبر کے اجلاس کی یہی ایک نمایاں خصوصیت نہ تھی۔ یہ ایک لازمی بات تھی کہ شیخ الاسلام اپنے حقوق کی حفاظت کرتا صدر اسلام ہونے کے لحاظ سے اگر وہ اپنی عظمت کو قانون سے بالاتر ظاہر نہ کرتا تو تعجب کی بات تھی۔ مگر سب سے زیادہ تعجب اس امر پر تھا کہ پارلیمنٹ نے اپنے شاہی حقوق سے کام لینے میں پس و پیش کیا اور ناکامی اٹھائی۔ انھوں نے شیخ الاسلام کے خلاف عدم اطمینان کا ووٹ اس خوف سے پاس نہیں کیا کہ اس کا تقرر صدر اعظم کا اختیاری نہیں ہے بلکہ براہ راست سلطان اس کا تقرر کرتا ہے اور اس پر اعتراض کرنے کی صورت میں دستور سے تجاوز لازم آئے گا۔

ان ناتجربہ کار نمایندوں کے خیال میں شیخ الاسلام کے خلاف عدم اطمینان کا ووٹ دینا گویا سلطانی حقوق پر حملہ تھا۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ خیال کس وجہ سے کیا گیا کیونکہ دستور ممہ کی رو سے جو نمایندوں کا منظور شدہ تھا یہ لازمی تھا کہ "اگر سوال کے بعد اعتراضی ووٹ غلبۂ آرا سے منظور ہو جائے تو وزیر معزول ہوگا۔ اگر یہ اعتراض کا ووٹ صدر اعظم کے مقابلے میں ہو تو وزرا مع صدر اعظم معزول ہو جائیں گے"۔ مثل شیخ الاسلام کے صدر اعظم سلطان کی طرف سے مقرر ہوتا ہے اور جب پارلیمنٹ کو صدر اعظم کی معزولی کا اختیار تھا جو صدر کابینہ تھا تو شیخ الاسلام کے مقابلے میں تو اس کو یہ حق بدرجہا ہو سکتا تھا۔

کچھ دن بعد صدر اعظم حلمی پاشا مع وزرا مسئلۂ مراعات پر معزول ہوا۔ یہ مراعات دریائے فرات و ٹائگریس (دجلہ) کی جہازرانی کے متعلق لنش کے معاملے سے متعلق تھے۔ پارلیمنٹ نے یہ تحریک کی کہ یہ مراعات پسندیدگی کے لئے پہلے پارلیمنٹ اور مجلس اعیان میں پیش ہونے چاہئے تھے۔ صدر اعظم نے اس تحریک سے اختلاف کیا۔ ۱۸ دسمبر کو حلمی پاشا نے اپنا اور اپنے وزرا کا استعفا پیش کیا۔ دوسرے دن یہ استعفا منظور اور حقی پاشا سابق مشیر قانونی بابعالی وحال سفیر روم کو تار دیا گیا کہ وہ صدارت عظمیٰ کا جائزہ لے۔

کابینۂ حقی پاشا۔ مجلس اعیان اور ایوان۔

اخراجات جنگ۔ اشیاء یونانی سے مقاطعہ۔ پچیس کروڑ کا قرضہ۔ کابینہ اور کمیٹی کی لڑائی۔ پارلیمنٹ میں افترا پردازیاں۔

۱۱ جنوری ۱۹۱۱ء کو حقی بے قسطنطنیہ میں داخل ہوا۔ دوسرے دن اس نے کابینہ کی ترتیب کا کام شروع کیا جو اندرونی سیاسی جھگڑوں کے باعث بہت مشکل ہو گیا تھا۔ کمیٹی کی تین علٰحدہ علٰحدہ جماعتیں ہو گئی تھیں جنھیں متفق الخیال

ہونے کا دعوے تھا لیکن اکثر ان میں مخالفت رہتی تھی جیسا کہ حلمی پاشا کے بارے میں ہوئی تھی۔ ایک جماعت اتحاد و ترقی کی انتظامی کمیٹی کی تھی جسے حکومتی معاملات میں دخیل ہونے سے انکار تھا۔ دوسری جماعت سالونیکا کی مرکزی کمیٹی کی تھی جسے سیاسیات سے بالکل الگ رہنے کا دعوئی تھا اور جس نے اپنے لئے معاشری اور شہر کے تعلیمی امور بظاہر مختص کر لئے تھے۔ ان کے سوا ایک اور مرکزی کمیٹی تھی جس کا مقام مونستر تھا۔ اس کمیٹی میں تمام فوجی افسر تھے۔ بظاہر یہ کمیٹی بالکل الگ تھلگ نظر آتی تھی لیکن سب سے زیادہ اقتدار اسی کا ہی تھا۔

چونکہ کمیٹی کے مخالفین حلمی پاشا کی معزولی کی ذمہ داری کمیٹی پر رکھ رہے تھے اس لئے عمر ناجی بے نمائندہ مرکزی کمیٹی سالونیکا نے ترکی اخبارات میں اس کا رد شائع کیا اور صدر اعظم سے باصرار یہ درخواست کی کہ وہ ضرور یہ وضاحت کر دیں گے کہ آیا مرکزی کمیٹی سالونیکا نے ان کی مخالفت کی اور انھیں استعفا دینے کے لئے مجبور کیا۔ حلمی پاشا نے اس کا جواب نہایت مناسب پیرایے میں دیا۔ خلیل بے نمایندہ منتیش و میر مجلس جماعت اتحاد و ترقی پارلیمنٹ نے ایک اعلان شائع کیا جس میں یہ ثابت کیا کہ کمیٹی قسطنطنیہ نے معزولی صدر اعظم میں کوئی حصہ نہیں لیا مگر بدقسمتی سے یہ اعلان اس کے خلاف ثابت کر رہا تھا۔ اعلان میں یہ بتایا گیا تھا کہ جماعت اتحاد و ترقی کا اجلاس اس غرض سے منعقد ہوا تھا کہ آیا حلمی پاشا کی مثل سابق معاونت کی جائے یا ان کی جگہ کسی اور کو مامور کیا جائے لیکن ابھی اس امر میں کوئی تصفیہ ہی نہیں کیا گیا تھا کہ صدر اعظم نے آپ ہی استعفا دیدیا۔

دو سخت دشواریاں حقی بے اور اس کے وزرا کو پیش آئیں ایک تو یہ امر کہ جماعت اتحاد و ترقی سے کس طرح کے تعلقات کئے جائیں اور دوسرے فوجی اور دیوانی اقتدارات کا سوال۔ محاصرے کی بدولت جو ۲۴ راپریل ۱۹۰۹ء سے شروع ہوا تھا فوجی اقتدارات غیر محدود ہو گئے تھے حقی بے نے ان شرایط پر صدارت عظمی کی خدمت قبول کی تھی کہ جماعت اتحاد و ترقی جو پارلیمنٹ کی جماعت کثیر تھی ان تمام سوالات کو پیش اور ان پر بحث کرے جو پارلیمنٹ میں اس کے ارکان معرض بحث میں لائیں گے فوجی عمل دخل برخاست کر دیا جائے۔ اور فوج

جو دار الخلافت پر قبضہ کئے ہوئے ہے دار الخلافت سے اپنی چھاؤنیوں کو روانہ کر دی جائے۔ کمیٹی نے حقی بے کے ان شرائط کو منظور کیا جو خود اس سے متعلق تھیں لیکن فوج کو بے دخل کرنے کا سوال حل طلب تھا کیونکہ دستور کی عمارت فوج کے ہی بل پر کھڑی ہوئی تھی۔ یہ سوال اور بھی دقت طلب اس وجہ سے ہو گیا تھا کہ وزارت جنگ کی خدمت کسی اعلیٰ افسر کو منظور نہ تھی۔ اس گتھی کو سلجھانے کا صرف ایک ہی طریقہ تھا وہ یہ کہ محمود شفقت پاشا سے وزارت جنگ قبول کرنے کے لئے درخواست کی جائے۔ حقی پاشا نے یہی کیا۔ ۲۴ گھنٹے کے تامل کے بعد محمود شفقت پاشا نے وزارت جنگ کا جائزہ لیا اور ساتھ ہی اپنی سابقہ خدمت صدر مہتمی یکم و دوم و سوم دستۂ فوج کو بھی باقی رکھا جس کی وجہ سے اس کی حیثیت افواج یورپ کے قائد عام کی تھی۔ اور ایسا ہی دار الخلافت کی قابض فوج کا سپہ سالار بھی بدستور رہا۔ یہ واقعات ایسے تھے جو حقی بے کے سابقہ دستور العمل کے خلاف تھے لیکن ضرورت خود ہی قانون ہے۔ کابینہ کو فوجی سہارے کی ضرورت تھی۔ اگر یہ سہارا حاصل نہ کیا جاتا تو کابینہ کا وجود اور عدم وجود برابر ہو جاتا۔ محمود شفقت پاشا کی موجودگی کابینہ میں کابینہ کی ذمہ دار تھی۔ وزرا کے تقررات ۱۵ ار کو ختم ہوئے۔ اور ۱۵ ار کو ساڑھے تین بجے حقی بے کے صدر اعظم ہونے کا باضابطہ اعلان ہوا۔

حقی بے کے پانچ شرکا جماعت اتحاد و ترقی سے تعلق رکھتے تھے اور کابینۂ حلمی پاشا میں بھی وہ شریک رہے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں طلعت بے وزیر ممالک داخلی جاوید بے، فینانس رفعت پاشا، خارجہ، نجم الدین بے عدالت۔ حلاجین افندی تعمیرات۔ وزارت بحری پر خلیل پاشا امیر البحر کا انتخاب ہوا۔ باقی وزرا حسب ذیل ہیں۔ شریف حیدر بے وزیر اوقاف۔ یہ نیا مامور کیا گیا۔ مورو گورڈیو افندی وزیر معدنیات و جنگلات۔ یہ کامل پاشا کے زمانۂ صدارت میں بھی اسی خدمت پر مامور تھا۔ امر اللہ افندی وزیر تعلیمات۔ یہ دستور کے ابتدائی دور میں ایک ماہ کے لئے ناظم غلطہ سرائے کالج رہا تھا۔ حقی بے کی خواہش تھی کہ صاحب ملا کو بدستور شیخ الاسلام رکھے لیکن ارکان پارلیمنٹ نے بہت سخت مخالفت کی جس کی وجہ سے اس کو اپنا ارادہ بدل دینا پڑا۔ اس نے ایک معمولی قاضی حسین حسنی افندی کو شیخ الاسلام بنایا۔

۲۴ رکو حقی پاشا[1] اور وزرا پارلیمنٹ میں شریک ہوئے ان کا نہایت شاندار خیر مقدم کیا گیا۔ جو مباحثہ پارلیمنٹ میں اس جدید وزارت کے متعلق ہوا اس کی رو سے ۱۸۷ ارکان نے کابینہ پر اپنے اطمینان کا ووٹ دیا۔ ۴۳ رائیں وزارت جدیدہ کے خلاف تھیں اور ۲۶ نے کوئی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ اس اجلاس سے دو اہم نتایج ظاہر تھے۔ یہ پہلا موقع تھا جب کہ صدر اعظم ایک خاص دستور العمل کے ساتھ کرسئ صدارت پر متمکن ہوا تھا اور عاملانہ اختیارات اس نے اپنے ہاتھ میں لئے تھے۔ اہم ذمہ داریوں سے بچنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اور آزادی سے کام کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اور اس لحاظ سے بھی یہ پہلا موقع تھا کہ پہلی مرتبہ پارلیمنٹ میں ایک باضابطہ مخالف جماعت نظر آئی جس کا ایک خاص مطمح نظر تھا۔ اس کے پہلے ہر تجویز کی مخالفت پر اسی اسی سو سو ارکان کھڑے ہو جاتے اور اس طرح سے کابینہ کا وجود معرض خطر میں ہو جاتا لیکن جب ووٹ کا وقت آتا تو یہ تعداد گھٹ گھٹا کر آٹھ پر آجاتی جو منحوس عدد تھا۔ غرض ایک بے ضابطگی تھی۔ اب اعتدال پسند جماعت حریت نے اس وقت تک فریق مقابل رہنے کا اعلان کیا جس وقت تک کہ جماعت اتحاد و ترقی برسر حکومت ہو۔ یہ جماعت گویا باضابطہ ارکان مقابلہ تھی۔ اس میں کل باون آدمی تھے۔ ان میں سے ۴۳ نے تو کابینہ کے خلاف رائے دی۔ اور جنھوں نے کسی طرف رائے ہی نہیں دی ان میں کے اکثر یونانی نمائندے تھے۔

مجلس اعیان نے اس موقع کو پارلیمنٹ کے مقابلے کے لئے غنیمت سمجھا اور اس کے انتظامات کی مخالفت پر آمادہ ہوگئی۔ ۱۵ / جون کو داماد فرید نے یہ تحریک پیش کی کہ مجلس اعیان پارلیمنٹ کے اس ملامت کے ووٹ کو نامنظور کرے جو ۱۸۷۶ء کے دستور پر دیا گیا ہے جس کے بعض دفعات مجلس اعیان کی رائے کے بعد سلطان کے حکم سے منظور کئے گئے ہیں داماد فرید صقلبی الاصل اور خاندان توفاتی سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ خاندان سابق میں آئشرناگورا کے ممتاز خاندانوں سے تھا۔ اور اسلام قبول کیا تھا اور سترھویں صدی عیسوی میں اسے ترکی حقوق حاصل ہوئے تھے۔

---

[1] صدارت عظمیٰ پر نامزد کئے جانے کے بعد حقی بے کو پاشا کا خطاب دیا گیا۔

داماد فرید نے عبدالمجید کی سب سے چھوٹی لڑکی مدیہ سلطانہ سے شادی کی تھی۔ یہ ۱۸۵۵ء میں پیدا ہوئی تھی اور اس کا پہلا شوہر نجیب پاشا ۱۸۸۵ء میں انتقال کر گیا تھا۔ دورِ عبدالحمید میں داماد فرید مشیر سلطنت اور سلطان کے زیرِ عتاب تھا۔ عبدالحمید کی اس سے بدگمانی کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ ترکی کے متعلق اس کے بچوں کے اتالیق نے ایک کتاب لکھی تھی جس کی نسبت خیال یہ کیا گیا تھا کہ خود اس نے بھی اس کی تصنیف میں حصہ لیا ہے۔ جب مجلس اعیان کی تنظیم ہونے لگی تو کمیٹی نے اس کے رکن منتخب کئے جانے پر اعتراض کیا تھا مگر اب تک اس نے حریت اور اعتدال پسندی کا ثبوت دیا تھا اس لئے جب تحریک مذکور اس کی طرف سے پیش ہوئی تو سب کو حیرت ہوئی اور زیادہ تر حیرت اس وجہ سے بھی تھی کہ تحریک کے الفاظ بہت سخت تھے جس سے مذہبی جذبات کو ابھارنے کی کوشش کی گئی تھی اور تمام تر مدعا یہ تھا کہ سلطان کی مطلق العنانی کو مستر د کیا جائے۔ تحریک میں اس نے ظاہر کیا تھا کہ "کرامول نے جب انگلستان میں مطلق العنانی کا خاتمہ کیا تو فرقہ بندی کا بھی خاتمہ کیا" اس کے بعد اس نے انقلاب فرانس و لہستان کا ذکر کر کے اصول جمہوریت پر بہت کچھ لعن طعن کی اور سلطان کو بہت بڑھایا اور یہ واضح کیا تھا کہ وہی سلطنت کا مالک ہو سکتا ہے۔ اور پھر یہ ظاہر کر کے کہ مشرق ہے اور مغرب مغرب اس نے اصول مسلمہ کے طور پر پیش کیا تھا کہ سلطنت عثمانیہ کو اگر ضرورت ہے تو انصاف، آزادی، عمدہ نظم و نسق، محاصل ملکی کے عمدہ انتظام، غیر ممالک میں قومی وقار اور سرپرستی کی۔ اس کے خیال کے مطابق یہ تمام باتیں دستور ۱۸۷۶ء سے پوری ہو سکتی تھیں اس کے ساتھ ہی اگر دفعہ ۱۱۳ کو نکال دیا جائے تو باقی تمام دفعات ترکی کی معاشری حالت پر نظر کرتے ہوئے کافی سے زیادہ تھیں۔ اب دیکھنا یہ ہے یہ دفعہ ۱۱۳ جو ترمیم دستور میں ۵ اکر دی گئی تھی کیا تھی؟ یہ دفعہ محاصری حالت کے متعلق تھی اور ان الفاظ پر ختم ہوتی تھی۔ "اگر ایسی خبریں ملیں یا ظاہری اسباب ایسے ہوں جن سے سلطنت کے کسی حصے میں بدامنی کا اندیشہ پایا جائے تو گورنمنٹ محاصری حالت کا اعلان کر سکتی ہے۔ اس محاصری حالت میں عارضی طور پر قوانین دیوانی مسدود کر دیے جائیں گے۔ اور مارشل لا کے تحت مقامات متاثرہ کا انتظام عمل میں آئے گا۔

مارشل لا نوجوان ترکوں کی حکومت کے بقا کا ایک ذریعہ تھا اور گو دستور اور مارشل لا دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن بقائے دستور کے لئے یہ اس زمانے میں ضروری تھا۔ کمیٹی کے تخیل پسندوں نے اپنی دانست میں ایک با امن انقلاب سے ایک مسلمہ اصول تاریخ کو بدلنے کی کوشش کی تھی لیکن ان کا یہ افسوں ۱۳ ؍ اپریل کو باطل ہو گیا۔ ۲۴ ؍ اپریل کو رومیلی فوجیں قسطنطنیہ میں داخل ہوئیں۔ اس وقت سے قسطنطنیہ اور دیگر ولایات میں مارشل لا جاری تھا۔ یہ مارشل لا ہی ایسا زبردست آلہ تھا جس سے دستور کی حفاظت ہو سکتی تھی۔ دفعہ ۱۱۵ کو حذف کرنا دستوری حکومت کو انقلابی جماعتوں کے مقابلے میں بے اسلحہ کرنا تھا۔ اور داماد فرید کا مطلب بھی یہی تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ سلطان کی مطلق العنانی سلطان کو دیدی جائے۔ اس نے اپنی تحریک میں واضح کیا تھا کہ ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ء) کے دستور سے سلطان ایک مرکزی قوت قرار دیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ نہ صرف تنظیم قانون ہی کا مقتدر تھا بلکہ ساتھ ہی عاملانہ اختیارات بھی اسے حاصل تھے۔ اس طرح سے وہ سلطنت کے امن وامان کا ذریعہ تھا۔ دستور مرممہ سے جس میں اختیارات سلطانی کی تخفیف اس حد تک عمل میں آئی ہے کہ وہ صدر اعظم اور وزرا کا تقرر نہیں کر سکتا نہ صرف تقسیم اختیارات کا بہت بڑا فائدہ ہی ہاتھ سے جاتا رہا جو دستور کو حاصل ہوا تھا بلکہ تاراج کی دوبارہ عملداری میں کوئی شک نہیں رہا۔ اور اخیر نتیجہ یہ ہوگا کہ مختلف اقوام کی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے سے سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائینگے۔

۲۲ ؍ فروری کو داماد فرید کی تحریک پر مباحثہ ہوا۔ صرف دو مقرروں نے اس کی تائید کی۔ یہ سچ ہے کہ یہ دونوں ارکانِ مجلس اعیان مشہور و معروف آدمی تھے۔ ایک تو جارجیا دیس افندی یونانی عیسائی سابق والئ سموس تھا اور دوسرا کامل بے موجودہ ترکی کے بڑے شاعر کا بیٹا اکرم بے تھا جو خود بھی موجودہ ترکی کا مسلم ادیب اور قدیم طرز کا حریت پسند اور اپنے باپ کی طرح مدحت پاشا کا کامل طرفدار ہونے کی وجہ سے واجب التعزیر قرار دیا گیا تھا۔ ایک عجیب بات یہ تھی کہ نوجوان ترکوں میں مدحت پاشا کا جو گروہ تھا وہ داماد فرید کے خیالات سے موافق تھا لیکن جب ہم ان مختلف سازشوں پر جو نوجوان ترک کی مختلف جماعتوں میں

ہو رہی تھیں غور کرتے ہیں تو یہ کوئی عجیب بات نہ تھی۔ علی حیدر بے مدحت
نے جو مدحت کا سب سے بڑا بیٹا تھا داماد فرید کے نام جو مبارکباد کا تار بھیجا گیا
تھا اس کو اخبارات میں شائع کرا دیا۔ اس تار سے کمیٹی کی بہت کچھ رسوائی ہوئی
لیکن کسی ترکی اخبار کو اس تار پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ مدحتی گروہ زیادہ
نہ تھا لیکن ایسا بھی نہ تھا جو کسی شمار میں نہ آتا۔ اس میں سب بڑے بڑے لوگ
مثل اکرم بے وغیرہ کے تھے جن کی یہاں تفصیل باعث طوالت ہے اور بعض
ایسے بھی تھے جو مستعد اور کام کرنے والے آدمی تھے اور مثل دوسری جماعتوں کے زبانی
جمع خرچ ان کے پاس نہ تھا۔ ان میں بھی کئی فرقے تھے۔ مدحتی گروہ کمیٹی کی عثمانیت
(Panottomanisation) کا مخالف تھا۔ اس عثمانیت کی جگہ وہ طریقہ عدم مرکزیت
کا حامی تھا جس کی بدولت مختلف اقوام امن کے ساتھ ترقی کر سکتیں۔ یہ صرف تصورات
کی دنیا تھی اگر ایسا کیا جاتا تو ملک کو بہت خطرہ پہنچتا کیونکہ اس تفریق اقوام سے
ترکی پارہ پارہ ہو جاتی۔ اور اگر پارہ پارہ نہ ہوتی تو مرکزیت باقی نہ رہتی۔ اس خطرے
سے بچنے کی تدبیر انھوں نے یہ سوچی تھی کہ قومی خود اختیاری پر ایک زبردست
خود مختار عاملانہ قوت کو مسلط کیا جائے جس کا سلطان ہی مقتدر ہو سکتا تھا چنانچہ
سلطان صرف تخت پر برائے نام ہی نہ رہتا بلکہ زمام حکومت بھی اس کے ہاتھ میں ہوتی۔

ایک عالم موسیٰ کاظم افندی نے داماد فرید کی اس تحریک کی سخت مخالفت
کی مگر مخالفت کی وجوہ عجیب و غریب تھیں۔ اس کی مخالفت شریعت پر تھی جو وہ
مقدس اور غیر مبدل قانون ہے جس کے سامنے سول قانون خواہ وہ کیسا ہی اہم کیوں نہ ہو
دم نہیں مار سکتا اس نے آیات قرآنی سے یہ استدلال کیا کہ بادشاہت قوم کا حصہ
ہے۔ "اس صورت میں ہم کیونکر ایک شخص کو مطلق العنان حاکم بنا سکتے ہیں۔ اسلام
اس کی اجازت نہیں دیتا۔ خلیفہ اس وقت تک خلیفہ ہے جب تک کہ وہ اپنی
قوم سے مشورہ لیتا ہے۔ سلطان بھی انھیں شرائط کے تحت ہمارا خلیفہ ہے۔
شارع اسلام بھی ان امور کے متعلق جن میں کوئی قطعی حکم نہ ہوتا تھا اپنی قوم سے
مشورہ لیتے تھے۔ قومی بادشاہت کی وجہ سے ہی بادشاہ سچا خلیفہ کہلایا جا سکتا ہے۔"
اس مذہبی اور اعتقادی پہلو پر بحث کر کے اس نے سیاسی نقطۂ نظر سے بھی بحث کی

جس پر مجلس میں ایک ہنگامہ بپا ہوگیا۔ مختلف اجزا کے اتحاد کی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے اس نے کہا "اتحاد سے ہی قوم ہمیشہ کے لئے زندہ رہ سکتی ہے۔ ہمارے پراگندہ اور منتشر رہنے کی صورت میں ترکی حکومت اگر قائم رہ سکتی ہے تو صرف فوجی قوت سے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ دوسری قومیں مٹ جائیں گی"۔ اس کی گفتگو یہیں تک پہنچی تھی کہ سعید پاشا میر مجلس نے اس میں دخل دیا۔ ساتھ ہی دوسرے ارکان بھی مخالفت پر کھڑے ہوگئے سابق صدر اعظم فرید پاشا نے تند ہوکر کہا کہ "بس بس ختم کرو۔ اگر ختم نہ کروگے تو میں اس کمرے سے چلا جاؤں گا۔ یہ بحث ہم میں اور ہمارے عیسائی محبان وطن میں پھوٹ ڈالنے والی ہے" بالآخر میر مجلس نے موسیٰ کاظم افندی کو رد کردیا۔ جب رائے لی گئی تو اکیس اراکین نے داماد فرید کی تحریک سے اتفاق کیا اور اس کو باضابطہ طور پر کمیشن میں بھیجنے کہا بیس اراکین نے اظہار رائے کی جرأت نہ کی۔ اور رائے سے محترز رہے۔

جماعت اتحاد و ترقی کی نا اتفاقی سے کمیٹی کی مطلق العنانی بڑھ گئی جس کی وجہ سے اکثر نمایندے کمیٹی کے مخالف ہوگئے اور فوجی قانون کے انسداد کا مطالبہ کیا۔ کچھ تو اس وجہ سے اور کچھ مجلس اعیان کی متذکرہ بحث سے ارکان مقابلہ کی ہمت بہت بڑھ گئی۔ لیکن جب ان کو متذکرہ معاملے میں شکست ہوئی تو انھوں نے جارحانہ طریقہ اختیار کرکے شاہی قرابتداروں اور دامادوں کے وظائف کا مسئلہ چھیڑا جاوید بے وزیر مالیہ نے جس نے ایک سال پہلے سلطانی دامادوں کے وظائف موقوف کردئے تھے پھر ان کی دوبارہ اجرائی کا مطالبہ کیا۔ اس بحث میں مقررین نے معرکۃ الآرا تقریریں کیں خصوصاً علما نے تو "دامادوں" کے مضمون پر وہ طلاقت لسانی کے جوہر دکھائے جن کا اعادہ یہاں نہیں کیا جاسکتا۔ بالآخر پارلیمنٹ نے ان وظائف کو نامنظور کیا۔ اس پر جاوید بے پارلیمنٹ سے دروازوں کو زور سے بند کرتے ہوئے چلا گیا۔ چند منٹ بعد یہ معلوم ہوا کہ اس نے استعفا دیدیا۔ دوسرے دن صدر اعظم نے اطلاع دی کہ اگر پارلیمنٹ اپنے فیصلہ کو بدل نہ دے گی تو وہ اور اس کے وزرا مستعفی ہوجائیں گے۔ بات تو یہ تھی کہ حقی پاشا کو ان دامادوں کی تنخواہیں جاری کرنے یا نہ کرنے سے کوئی مطلب نہ تھا اور نہ اس بات سے اسے کوئی بحث تھی کہ انھیں تیس ترکی پونڈ ماہوار

منظور کی جائے یا اس سے کم یا زیادہ۔ وہ استعفا دے دینا چاہتا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ کسی کے تابع رہنا اسکے منظور نہ تھا اور اس کے علاوہ البانی معاملات پر بھی بحث ہونے والی تھی جس میں شرکت اسے منظور نہ تھی۔ ان حالات کے لحاظ سے اس نے اس موقع کو اپنے مستعفی ہونے کے لئے غنیمت سمجھا۔

ایوان نے مطالبہ نامنظور کیا اور اپنے فیصلے پر قائم رہی۔ صدر اعظم نے اطلاع دی کہ وہ قلمدان وزارت سلطان کے سپرد کر دے گا۔ چونکہ اب ذمہ دار حکومت باقی نہ تھی اس لئے مجبوراً پارلیمنٹ کو البانی نمایندوں کی تجویز پر جو مباحثہ ہونے والا تھا اس کو جدید کابینہ کے قیام تک ملتوی کر دینا پڑا۔ وزرا معزول ہوئے نہ اس وجہ سے کہ کسی اہم قومی مسئلے میں ان پر تعریض کی گئی بلکہ اس وجہ سے کہ پارلیمنٹ نے ایک ذرا سے واقعے کو نظر انداز نہیں کیا اور چھچھورے پن سے اپنے فیصلے پر اڑی رہی۔ جیت اسی کی ہوئی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتی اور واماد وں کے وظائف کو منظور کر لیتی تو یہ بھی اندیشہ تھا کہ بعد میں ہر مطالبے کو اسے منظور کرنا پڑتا اور پھر کابینہ کو ہر طرح سے البانی مسئلے میں اس پر فتح ہوتی۔ دراصل ان ہر دو صورتوں میں سوال یہ تھا کہ آیا پارلیمنٹ خود کو کابینۂ وزرا کے اختیار میں دیدے گی۔ پارلیمنٹ کو اس بات پر مجبور کرنے کے لئے فوجی طاقت سے کام لیا گیا۔ ۲۸ مئی کو پارلیمنٹ نے ۱۵۰ مسلح افسروں سے مرعوب ہو کر جنھوں نے پارلیمنٹ میں گھس کر نصف دائرے میں نمائندوں کو گھیر لیا تھا دامادوں کے وظائف کو منظور کیا۔

لیکن بہت جلد وزرا آپس میں مخالف ہو گئے چنانچہ محمود شوکت پاشا وزیر جنگ اور جاوید بے وزیر مالیہ کی مخالفت سے مجلس وزرا ہی تہ و بالا ہو گئی تھی۔ بظاہر ان دونوں کی مخالفت کا سبب قانون حساب تھا جسے پارلیمنٹ نے گزشتہ اجلاس میں منظور کیا تھا۔ ہر دفتر وزارت میں مالیات کا ایک معتمد ہوتا تھا جو صرف اپنے ہی محکمے کے زیر اثر رہتا تھا اور ہر قسم کے اخراجات کے لئے جس کی منظوری لینی پڑتی تھی۔ محمود شوکت پاشا محکمۂ جنگ کو اس قاعدے سے مستثنیٰ قرار دینا چاہتا تھا کیونکہ اس قاعدے سے جیسی کچھ تعویق اور طوالت ہوتی تھی اس سے اسے اندیشہ تھا کہ جنگی خدمات میں بدنظمی اور ابتری نہ پھیل جائے اور اس کے سوا

اس نے یہ بھی حجت پیش کی کہ فوجی انتظامات اکثر بالکل راز کے ہوتے ہیں۔ ان کے اخراجات کی تفصیل بھی کسی طرح نہیں کی جاسکتی۔ جاوید بے نے اس کا یہ جواب دیا کہ جب تک مالیہ کو جمع وخرچ کا حال معلوم نہ ہوا اور جب تک خزانہ کا موازنہ نہ کیا جائے سلطنت کے مالیہ کا انتظام درست نہیں ہوسکتا۔ آخر کئی کمیٹیوں کے بعد یہ طے پایا کہ پارلیمنٹ کے افتتاح پر وزیر فینانس قانون حساب میں ترمیم کے متعلق ایک مسودہ پیش کرے گا اور اس مسودہ پیش کرنے کے پہلے ان وجوہ کو معقول طور پر بیان کرے گا جن کی وجہ سے ترمیم ناگزیر ہے۔

ملکی جھگڑوں سے توجہ پھیرنے کے لئے حکومت نے یونان سے چھیڑ چھاڑ شروع کی ترکی اخبارات میں ایک باقاعدہ تحریک یہ کی گئی کہ اکریت کو سلطان کے قبضے میں واپس دیا جائے ورنہ سلطنت ترکی دول اعظم کی حیثیت سے گرجاتی ہے۔ یونان کو جنگ پر مجبور کرنے کا ایک عمدہ طریقہ یہ تھا کہ اس کے سامان کو بائیکاٹ اور اس طرح سے یونان اور اہل یونان کو تباہ کیا جائے۔

یہ تجویز مقاطعہ نوجوان ترکوں کی پیدا کی ہوئی تھی۔ مقاطعہ کمیٹی کے آغاؤں کا استدلال حسب ذیل تھا۔ (آغا ترکی میں بعض بڑے رئیس جاگیرداروں کو کہتے ہیں جو قدیم زمانے کی یادگار تھے۔ نیز ادنیٰ طبقے کے لوگوں اور ناخواندہ آدمیوں کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے)۔ اہل یونان ترکی میں نہتے بغیر مال و اسباب کے آتے ہیں۔ اور عثمانی رعایا کے کام کاج سے پھلتے پھولتے اور متمول ہوتے ہیں یہاں تک کہ بعد میں انھیں کا عمل دخل ہو جاتا ہے۔ ساحلی تجارت عثمانی دریاؤں میں قریب قریب تمام انھیں کی ہے۔ شراب فروش اور چائے وقہوہ فروش سب یونانی ہیں۔ اور اکثر تجارتی دوکانیں انھیں کے ہاتھ میں ہیں۔ اس کا بند وبست ضروری ہے۔ اگر عثمانی بندرگاہوں میں یونانی جہازوں کی آمدورفت موقوف کردی جائے تو یونانی جہازرانی کی جتنی کمپنیاں ہیں آپ ہی تباہ ہو جائیں گی۔ جب اس طرح سے یونانی جہاز ترکی سمندر سے غائب ہوجائیں گے تو ترک یونانی اثر سے نجات پا کے کشتیاں خریدیں گے جہازران کمپنیاں قائم کریں گے۔ ساحلی تجارت کو فروغ دیں گے اور ان طریقوں سے یورپ کو

حیرت میں ڈالیں گے۔ مقاطعہ کمیٹی کے آغاؤں کی یہ بدقسمتی تھی کہ اس مقاطعے سے نہ صرف یونانی تجارت پر اثر پڑا بلکہ تمام غیر ملکوں کی تجارت بھی اس لپیٹ میں آگئی۔ کسی ملک کا بھی سامان اگر وہ یونانی جہاز میں آتا نہ اتار اجاتا۔ اسی وجہ سے جہاز "اگزیموس" کا سامان بیروت میں نہیں اتارا گیا حالانکہ فرانسیسی صدر قونصل اور حاکم بیروت نے بہت کچھ کوشش کی۔ یہ جہاز مارسیلز سے بیروت آیا تھا اور اس پر ڈیڑھ لاکھ فرانک کا سامان تجارت خانہ "مورج" کا تھا مقاطعے کی سب کمیٹیاں تمام بندرگاہوں میں پھیلی ہوئی تھیں اور مرکزی کمیٹی سالونیکا کے زیر اثر تھی۔ ان سب کمیٹیوں کی حجت ہوتی تھی کہ چونکہ یہ معاشی جنگ عثمانیہ جمہوریت کی طرف سے ہو رہی ہے اس لئے حکومت کو اس میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ جب کسی غیر ملکی جہاز میں یونانی تجارت ہوتی تو اس کا بھی مقاطعہ کیا جاتا۔ ہر روز مقاطعین اور غیر ملکی جہاز راں کمپنیوں میں جھگڑے ہوتے تھے۔ مقاطعین ان کمپنیوں کو بزور روکنا چاہتے تھے کہ وہ یونانیوں کو اپنی خدمت میں نہ لیں گو پہلے ہی ان یونانیوں سے معاہدہ کیوں نہ کر لیا گیا ہو قسطنطنیہ میں مقاطعین نے پانی کے پیپوں کو روک دیا جو روسی جنگی جہاز کے لئے جا رہے تھے کیونکہ جس شخص نے اس کا اجارہ لیا تھا وہ یونانی تھا۔ روسی سفیر غصے میں آگیا اور ایک سخت نوٹ بابعالی کو روانہ کیا۔ تمام قونصل خانوں میں ان کے ملک کی جہاز راں کمپنیوں اور تجارت خانوں کی طرف سے شکایتیں وصول ہوئیں مقاطعے کے انسداد کے لئے دوبارہ سفراء نے بابعالی میں کوشش کی۔ صدر اعظم اور وزیر خارجہ نے بہت کچھ وعدے کئے کہ غیر ملکی جھنڈوں کا احترام کیا جائے گا لیکن یہ وعدے سب زبان کی حد تک ہی رہے۔

انصاف تو یہ ہے کہ حکومت اپنے وعدوں کو پورا کرنا چاہتی تھی لیکن اس کا کوئی بس نہ چل سکا اور وہ مجبور تھی۔ مرکزی کمیٹی مقاطعہ سالونیکا اور کمیٹی قسطنطنیہ ہی سب کچھ تھیں۔ ان کمیٹیوں نے گویا حکومت کے ہاتھ پیر باندھ لئے تھے جماعت اتحاد و ترقی کے طرفدار جتنے اخبارات تھے ان میں بہت سخت مضامین اس بحث پر شایع ہوئے کہ قوم کے ارادے کے خلاف گورنمنٹ کو حکم دینے کا حق نہیں "منیر حقیقت" نے جو مونستر کی جماعت اتحاد و ترقی کا

اخبار تھا یہ لکھا کہ اس مقاطعے سے ہی یونان اور ترکی کے تعلقات کشیدہ ہوسکتے ہیں اور یونان جنگ کے لئے مجبور کیا جا سکتا ہے۔ تمام ترکی اخبارات میں "ینی گزٹ" ہی ایک ایسا اخبار تھا جس نے جراءت سے کام لے کے مقاطعے سے اختلاف کیا اور یہ واضح کیا کہ اس مقاطعے سے ترکی کا ہی زیادہ نقصان ہوگا۔ انجمن معاشی جنگ کی مخفی حکومت اور گورنمنٹ کی مجبوری کریم آغا کے حسب ذیل واقعے سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ سالونیکا کے بازاری طبقے نے ایک یونانی کی دکان لوٹ لی جس نے سابق میں ممالک متحدہ میں ہجرت کی تھی اور وہاں کا شہری تسلیم کیا گیا تھا۔ اس نے کچھ سرمایہ وہاں پیدا کر لیا تھا اور سالونیکا میں دکان کھولی تھی۔ ان لوگوں نے نہ صرف دکان کی اشیا کو توڑا پھوڑا اور چھین لیا بلکہ اس کو بھی زدوکوب کیا۔ جب صدر قونصل ممالک متحدہ نے والی سے اس سلوک کی شکایت کی اور سفارتخانہ امریکہ نے بھی اس کی تائید کی تو کریم آغا گرفتار او محبوس کیا گیا۔ اٹھارہ گھنٹے کے بعد وہ رہا ہو کر شہر میں مسلح آدمیوں کی حفاظت میں اکڑ کر پھرنے لگا۔ بائیکاٹ کمیٹی نے جس کا وہ میر مجلس تھا والی کو ڈرایا کہ اگر ان کے اس لیڈر کو رہا نہ کر دیا گیا تو تمام مسلمان مقابلے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے لیکن یہ باتیں عارضی ہوتی ہیں۔ حکومت ایتھنس نے اپنی برانگیختگی کا اظہار نہیں کیا۔ اخیر یہ وہی ہوا جو "ینی گزٹ" نے کہا تھا۔ مقاطعے کا جوش آپ ہی آپ فرو اور ختم ماہ جولائی تک اس کا پورا خاتمہ ہوگیا۔

اب شدید مالی ضرورت پیش آئی۔ موازنہ ۱۹۰۹ء سنہ ۱۹۱۰ء میں ایک کروڑ ترکی پاؤنڈ زائد از تخمینہ خرچ ہوا تھا مگر جاوید بے وزیر مالیہ کی چالاکی سے یہ زائد خرچ گھٹا گھٹا کر کاغذ پر صرف نصف رہ گیا تھا۔ یہ تجویز ہوئی کہ پچیس کروڑ باہر سے قرضہ لیا جائے اور اس کو سرکاری طور پر اس طرح خرچ کیا جائے۔ دس کروڑ موازنے کی بھرتی کے لئے۔ پندرہ کروڑ جنگی جہازوں، توپوں، بندوقوں اور کارتوسوں کی خریدی کے لئے اس قرضے کے لئے فرانس ہی ان کا ساہوکار تھا۔ استامبول کے اخبارات نے لکھا کہ ۲۳ جولائی سنہ ۱۹۰۸ء کا انقلاب انقلاب فرانس سے تعلق رکھتا ہے اس لئے حکومت جمہوریہ کو اخلاقی طور پر لازم ہے کہ وہ ترکی

کی درخواست کو منظور کرے۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ترکی نے خاص اسی وجہ سے فرانس سے قرضے کی درخواست کی۔ نہیں بلکہ زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ فرانس دنیا کی بڑی ساہوکار حکومت ہے۔ جاوید بے نے اس بارے میں عثمانی بنک سے مراسلت کی جو ترکی مالیہ کا سب سے بڑا معاون تھا اور جس کے پاس ایک کروڑ چالیس لاکھ ترکی پاونڈ کے تمسکات تھے نوجوان ترکوں کے خیال کے مطابق اگر اس بنک نے ان کی ضرورت کو پورا نہیں کیا تو وہ ان کا دشمن تھا۔

دستوری حکومت دوبارہ قائم ہوگئی اور قانون و عدالت فوجی کے تحت اپنے فرائض پورے کر رہی تھی۔ پارلیمنٹ میں جو موازنے پیش کئے جارہے تھے ان میں چالاکی سے کام لے کر میزانیں غلط دیجارہی تھیں۔ ان امور کی موجودگی میں ترک چاہتے تھے کہ انھیں قرضہ دیا جائے تو مثل سابق کے کفالت نامجات نہ لئے جائیں۔ بقول ان کے یہی کافی تھا کہ ان کے ساہوکاران کے قول کو قابل اعتماد سمجھیں ورنہ دستوری حکومت ترکی کی بے وقعتی کا الزام ان پر عائد ہوتا تھا جب فرانس، جرمنی اور انگلستان قرض لینے پر خاص طور پر کفالت نامجات نہیں دیتے تھے تو پھر ترکی کو کیا ضرورت تھی۔ کیا وہ ان ممالک کے ہم پلہ نہ تھا؟ یہ سب صحیح لیکن نوجوان ترک ایک بات بھول گئے تھے۔ وہ یہ کہ ترکی نے کبھی قرضہ برابر ادا نہیں کیا۔ ۱۸۷۶ء میں جب دیوالیہ ہوا تو اس نے اپنی صحیح رقم نہیں بتائی۔ ۱۸۸۱ء میں اس نے اپنے ساہوکاروں سے ایک معاہدہ کیا جس کی بدولت اس کا جملہ قرضہ نصف ہوگیا اور ایک جوڈیشل کونسل عثمانی قرض عامہ کی کی تنظیم کے لئے اس پر مقرر کرنی پڑی۔ نئی دستوری حکومت نے شروع سے ہی یہ اعلان کر دیا تھا کہ عبدالحمید کے تمام معاہدے اس کے نزدیک ناقابل تعمیل ہیں۔ اور جب اس کو موقع ملا اس نے تمام معاہدے جو غیر ملکیوں سے کے گئے تھے فسخ کر دئے گو یہ معاہدے از روئے قانون کیسے ہی مستحکم کیوں نہ تھے۔ اتحادی اخبارات یہ جتانے میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانا چاہتے تھے کہ عثمانی اپنے گھر کے آپ مختار ہیں۔ وہ اپنی مرضی کے موافق جو چاہیں کرسکتے ہیں اور نیک و بد میں انصاف کرنے کا اختیار

انھیں کو حاصل ہے۔

جب جاوید بے نے پچیس کروڑ فرانک قرضے کی تحریک پیش کی تو نظامت عثمانیہ بنک نے کفالت نامجات دینے کے لئے لکھا۔ اس پر غرور سے یہ جواب دیا گیا کہ سلطنت کی ساکھ ہی خود کفالت ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مراسلت موقوف اور جاوید بے اگست میں پیرس روانہ ہوا تا کہ براہ راست عثمانیہ بنک کے صدر نظما سے اس کا تصفیہ کرے۔ یہاں بھی وہی نتیجہ نکلا۔ آخر اس نے ایک دوسری جماعت (رویر بنک، لوئی ڈریفس فرم اور بنار بنک) سے تحریک کی۔ اس جماعت نے بھی کفالت نامجات طلب کئے۔ جاوید نے کرڑوڑ گیری کی آمدنی کفالت میں پیش کی اور پانچ لاکھ ترکی پاؤنڈ پیشگی اس شرط پر حاصل کیا کہ پیرس بورس (صرافۂ پیرس) میں اس قرضے کا حوالہ دیا جائے۔ یہ اگر نہ ہو تو قرضہ نہیں دیا جا سکتا۔ حوالے کی جب درخواست کی گئی تو فرانسیسی گورنمنٹ نے چند شرائط پیش کئے۔ ایک تو اس انتظام کے متعلق تھی جس سے ترکی کے جمع و خرچ کے تفصیلی حسابات سے اس کی مالی حالت کا صحیح حال معلوم ہو سکتا۔ نیز تمام ذخیرۂ حرب فرانس سے خریدا جائے۔ اور تعمیرات میں اسے مراعات دئے جائیں۔ باب عالی نے ان شرطوں کو نامنظور کیا اور برلن سے درخواست کی۔ (۴۲) جرمنی اور آسٹروی بنکوں نے مل کر قسطنطنیہ کے محصولخانوں کی کفالت پر مطلوبہ قرضہ دینے کا ذمہ لیا لیکن اس جماعت نے صرف ستر لاکھ ترکی پاؤنڈ دئیے۔

کمیٹی اور کابینہ کے تعلقات بہت کشیدہ ہو چکے تھے۔ کابینہ میں دو جماعتیں تھیں۔ ایک جماعت صدر اعظم کی طرفدار تھی اور اس میں محمود شوکت پاشا وزیر جنگ اور رفعت پاشا وزیر خارجہ شامل تھے۔ یہ رفعت میانہ روئی اور صلح جوئی کا طرفدار تھا۔ دوسری جماعت کمیٹی کی طرفدار تھی اور اس میں طلعت بے وزیر ممالک داخلی۔ جاوید بے وزیر مالیہ۔ اور حلاجین افندی وزیر تعمیرات تھے۔ امیر البحر خلیل پاشا نے وزارت بحری سے کمیٹی کے احکام کی تعمیل کی ناراضی سے استعفا دیدیا تھا۔ اس کی جگہ افسر توپخانہ رضا پاشا وزیر بحر بنایا گیا لیکن اس نے بھی استعفا دیدیا اور وجہ یہ بتائی کہ کمیٹی اس کے انتظامات میں دخل درمعقول کرتی تھی۔

اب جو باقی کابینہ کے وزرا تھے ان کی حالت تماش بینوں کی سی تھی کمیٹی جو بحیثیت مجموعی غیر ذمہ دار تھی اصل حاکم تھی۔ اور پارلیمنٹ سے جس کی حالت بالکل ناقابل اطمینان تھی اور جو وقت اور موقع کے ساتھ چل رہی تھی اپنے حسب منشا کام لیتی تھی لیکن خود کمیٹی میں بھی پھوٹ پڑ گئی تھی سالونیکا کی مرکزی کمیٹی کو قسطنطنیہ کی کمیٹی سے اختلاف تھا جس کی وجہ سے کمیٹی کو قطعی کارروائی میں پس وپیش ہوتا تھا۔ کمیٹی کے اکثر اراکین قدیم کابینہ کی برخاست اور ایک نئے کابینہ کے تقرر کے حامی تھے قلیل اراکین ایسے تھے جو یہ چاہتے تھے کہ صرف چند وزرا کو ہٹا دیا جائے اور صدارت عظمیٰ پر حقی پاشا ہی مامور رہے کیونکہ ایسا قابل صدر اعظم نہیں مل سکتا تھا۔ جن وزرا کو وہ خدمت سے علیحدہ کرنا چاہتے تھے ان میں وزیر تعلیمات سب سے پہلے تھا۔ اس کے بعد وزیر خارجہ، وزیر اوقاف، وزیر زراعت معدنیات وجنگلات، اور وزیر عدالت۔ ایوان میں غلبۂ آرا صدر اعظم کے خلاف تھا لیکن اظہار کی جراءت نہ تھی۔ دوسری طرف ارکان کابینہ پارلیمنٹ پر حملہ کرنے میں پس وپیش کر رہے تھے۔ پارلیمنٹ نے دسمبر کا تمام مہینہ فضول جھگڑوں میں کھویا۔ اور ان جھوٹی کارروائیوں پر طول طویل مباحثے اور بیکار حجتیں کیں جو کمیٹی کی پولیس کی طرف سے بنائی گئی تھیں۔ الغرض کمیٹی میں نااتفاقی روز بروز بڑھ رہی تھی۔ ایوان میں روز کا ایک نیا جھگڑا اور نیا قضیہ اور آپس میں تو تو میں میں ہو رہی تھی چنانچہ عارف عصمت بے رکن کمیٹی اور طلعت بے وزیر داخلی کا واقعہ اہی قابل سے ہے۔ گو طلعت بے ایک مستعد اور کارگزار شخص تھا لیکن اس کی بعض وقت کی بدمزاجی ان اوصاف پر پانی پھیر دیتی تھی۔ یہ واقعہ بھی ناشائستہ الفاظ کے لحاظ سے جو فریقین میں کہے گئے آپ اپنی نظیر تھا[1] طلعت بے مستعفی اور اس کی جگہ خلیل بے نمایندہ منتیش ایوان کی جماعت اتحاد و ترقی کا صدر رہا۔

جماعت اتحاد و ترقی میں خاصہ رخنہ پڑ گیا تھا۔ توبیت پسند چاہتے تھے کہ ایسے وزرا کا تقرر عمل میں آئے جو کمیٹی کے سابقہ دستور العمل کو اپنا دستور العمل

[1] دیکھو سیما فور دی مارسیلز (Semaphore de Marseille) ۳۱ دسمبر ۱۹۱۱ء۔

قرار دیں۔ اور ملک کی تمام مختلف اقوام کو ترکوں کی سیادت میں متحد کر دیں۔ اور تمام عیسائی قوموں کو سلطنت کے قانون دیوانی کے تابع کریں جو مذہبی قانون سے اخذ کیا گیا تھا۔ قرآن مجید سے مطابق ہونے کی صورت میں ہی حقوق ملکی قابل تسلیم سمجھے۔ پارلیمنٹ کے تمام مقررین بار بار اس کو ثابت کرتے تھے کہ دستور اور شریعت ایک ہیں۔ ان میں سے بعض کا تو اعتقاد ہی یہی تھا اور بعض تو مسلمانوں کے تعصب شدید کو کم کرنے کے لئے اس استدلال کو ضروری سمجھتے تھے۔ مرکزی کمیٹی سالونیکا میں اکثر متعصب قومیت پسند تھے جو غیر ملکیوں سے سخت نفرت رکھتے تھے اور اسی وجہ سے ان کی رائے حقی بے کو معزول اور طلعت بے کو صدر اعظم بنانے کی تھی۔ یہ لازمی تھا کہ وزارت جدید کا انتخاب کمیٹی سالونیکا (کمیٹی مونستر دجا کمیٹی سالونیکا سے بھی جذبۂ قومی میں بڑھی ہوئی تھی) اور کمیٹی قسطنطنیہ کے نظما سے کیا جاتا جو علم بردار "اسلامیت" و "ترکیت" تھے لیکن محمود شفقت پاشا نے جو حقی پاشا کا طرفدار تھا یہ اعلان کیا کہ صدر اعظم کو معزول کرنے کی صورت میں وہ بھی وزارت جنگ سے استعفا دیدے گا اس لئے انقلاب وزارت کا معاملہ آگے نہ بڑھا۔

۶ مارچ سنہ ۱۹۱۱ء کو پارلیمنٹ کا منظر عجیب و غریب تماشا پیش کر رہا تھا۔ جس سے توقع نہ تھی کہ پھر ایوان کی عوام میں کچھ بھی وقعت رہے گی گو اس وقعت میں اب بھی زوال آگیا تھا۔ پارلیمنٹ کا تماشائی اس روز دیکھتا کہ مقابلے کے ایک رکن پر تمام وزرا اپنی اپنی نشستوں سے اٹھ کر ٹوٹ پڑے ہیں۔ صدر اعظم اس کو بازو پر مارتا ہے یہی نہیں بلکہ ارکان غالب میں سے ایک شخص پارلیمنٹ کا جاں نثاری یا دور قدیم کا قابوچی بن جاتا اور اس پر پیچھے سے حملہ کرتا ہے اور دوسری طرف سامنے سے وزرا حملہ کرتے ہیں۔

اس تمام ہنگامے میں احمد رضا بے میر مجلس جس نے پارلیمنٹ میں اپنے استبداد کی وجہ سے کئی دشمن پیدا کر لئے تھے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا اور صرف اتنا ہی کہا کہ "صاحبو میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ ہنگامہ نہ کریں۔" خوش قسمتی یہ تھی کہ اجلاس قریب الختم تھا۔ اور حریت پسند ارکان اور اکثر البانی نمایندے

پارلیمنٹ سے جا چکے تھے اگر وہ ہوتے تو خاصی جنگ چھڑ جاتی ۔ جو شخص وزرا اوران کے ارادتمندوں کے ناوک حملہ کا نشانہ بنا وہ اسماعیل کمال بے صدر احرار و نمایندۂ برات تھا اور البانیا کے ایک نہایت ممتاز خاندان سے تعلق رکھتا تھا ۔ چند البانی نمایندے جو رہ گئے تھے ان میں سے ایک نے مقابلے پر آمادگی ظاہر کی ۔ اسماعیل کمال بے نے کہا کہ " وہ بھی دن آئے گا جب کہ آج کے واقعے کا خمیازہ آپ کو بھگتنا پڑے گا ۔ یہ خمیازہ ایسا ہوگا جس سے تمھارے دوست روئیں گے اور تمھارے دشمن ہنسیں گے ۔ تم لوگ نہیں جانتے کہ عزت کیا ہے ۔ اس واقعے کے وہ نتائج ہوں گے جن پر تم کفِ افسوس ملوگے "

یہ حملہ جو البانیا کے ایک بڑے رئیس خاندان کے رکن پر کیا گیا تھا من جملہ ان وجوہ کے تھا جن سے البانیا ترکوں کے تسلط سے چلا گیا ۔ ارناوطی بدل گئے اور نوجوان ترکوں سے ان وعدوں کو پورا کرنے کا مطالبہ کیا جو کشادہ دلی کے ساتھ ان سے کئے گئے تھے مگر جس کے جواب میں ترکوں نے البانیا کو خونریزی اور آتش زنی کا میدان بنا دیا ۔

بغاوت البانیہ (سنہ ۱۹۱۰-۱۹۱۱ء)

البانی لیگ کا قیام محض اس وجہ سے ہوا تھا کہ یورپ کو معاہدۂ برلن کی تعمیل سے روکا جائے ۔ گو اس منصوبے میں لیگ کو ناکامی ہوئی لیکن اس لیگ سے جو اہم نتائج بعد میں پیدا ہونے والے تھے وہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھے یہاں تک کہ خود عبدالحمید کو بھی جن کی سازشوں سے اس لیگ کا وجود ہوا تھا اس کی خبر نہ تھی ۔ یہی وہ لیگ تھی جس نے ارناوطیوں میں ان کی گم گشتہ قومیت کا احساس پیدا کیا ۔ اور یہی وہ احساس تھا جو معزولی

عبدالحمید کے بعد پے در پے البانی بغاوتوں کا سبب ہوا یہاں تک کہ جب بلقان نے ترکی کے خلاف سازش کی تو یورپ میں عثمانی تسلط کی تباہی کے بانیوں میں البانی بھی شامل تھے۔

اس دو سال کے عرصے میں جبکہ لیگ خود مختاری البانیا کے انتظامات کر رہی اور امور نظم و نسق میں مصروف اور محاصل مقرر کر رہی تھی البانیوں کو یہ یقین ہو چلا تھا کہ وہ بیرونی خطرے کے مقابلے میں متحد ہو سکتے ہیں چنانچہ البانیا میں قومی تحریک کے آثار مختلف طور پر ظاہر ہونے لگے۔ اور گو یہ آثار منضبط نہ تھے اور ان میں تخالف بھی تھا لیکن ان کا مرکز ایک تھا یہ قومی تحریک یونانیوں اور صقلبیوں کے مقابلے میں تھی جو البانی خود مختاری کے دشمن تصور کئے گئے تھے۔

نوجوان ترک اور اہل یورپ کے مقابلے کے لئے عبدالحمید نے ان پہاڑی باشندوں کو اپنی خدمت میں لیا تھا۔ سابقہ دربانوں کے عوض جن کے ذمے پاشاؤں اور باغی بیگوں (" قاتلان سلطان ") کا سر لانا ہوتا تھا باڈیگارڈ کی فوج مقرر کی گئی تھی چنانچہ عبدالحمید کی خاص فوج ہی باڈیگارڈ، پلٹنوں اور حبشی رسالے پر مشتمل تھی۔ اس باڈیگارڈ اور پلٹن کے سپاہی بھی پہاڑی باشندے ہوتے تھے۔ ان لوگوں کی بہت کچھ عزت افزائی کی جاتی اور ان کے ساتھ پیسے سے بہت کچھ سلوک کیا جاتا تھا۔ انھیں کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی اور وہ اپنے آپ مختار اور آزاد تھے بلکہ انھیں کافروں کو قتل کرنے اور لوٹنے کی بھی اجازت تھی اس بارے میں سلطان کا طرز عمل شاہ آسٹریا کے طرز عمل کے مماثل تھا نتیجہ یہ تھا کہ قدیم صربستان کے پہاڑوں سے یہ پہاڑی باشندے اترتے اور عیسائیوں کو لوٹتے قتل کرتے، اور ان کی جگہ خود آباد ہوتے تھے۔ اس لحاظ سے البانیوں کو عبدالحمید سے کوئی شکایت نہ تھی۔ اس کے عہد میں ان کے قومی مطالبات صرف اپنی زبان کے سرکاری طور پر تسلیم کرانے اور ان مدارس کے قائم کئے جانے تک محدود رہے جہاں ان کے بچوں کی تعلیم ہو سکتی تھی۔ یہ لوگ پہاڑوں میں فلاکت کی زندگی بسر کرتے تھے اور چونکہ یہ پہاڑی دولت سے متمتع ہونا نہیں جانتے تھے اس لئے مختلف ممالک میں ہجرت کرتے رہے۔

اطالیہ، رومانیہ، اور آسٹریا میں البانی نوآبادیات قائم تھیں۔ ان کی زیادہ تعداد اطالیہ میں تھی۔ کہیں یہ ان البانی سپاہیوں کی اولاد کا ذکر نہ سمجھا جائے۔ جو پندرھویں اور سولھویں صدی کی لڑائیوں میں اسٹراڈیوٹیس کے نام سے اطالیہ میں مشہور اور وہاں آباد تھے اور جن کی اولاد گو اطالوی ہوگئی تھی لیکن جو اپنے کارناموں کے اعتبار سے زیادہ تر البانی ہی تھی۔ ہم بالکل حالیہ ہجرتوں کا ذکر اور اس وقت کا حال بیان کر رہے ہیں جب کہ ۱۹۱۸ء کی لیگ قائم نہ تھی لیکن قومیت کا خیال البانیوں میں ہوچکا تھا اور لیگ کے عالم وجود میں آنے کے سامان ہو رہے تھے۔ اطالیہ اور رومانیا میں جو البانی کمیٹیاں قائم تھیں انھوں نے ارنا وطی خود مختاری کے متعلق بہت اچھا دستور العمل مرتب کیا تھا اور اس میں آسٹریا ہنگری اور اطالیہ نے اپنے اپنے علاقے کے قبائل کی حد تک مدد دی تھی۔ اطالیہ اور آسٹریا ہنگری دونوں البانیا کے امیدوار تھے اور ایک طرف اس کی خود مختاری اور سوراج کے مدح سرا تو دوسری طرف اس کے بانٹ لینے کی فکر میں تھے۔

۸ جون ۱۹۰۱ء کو ایم ڈی مارنیس نے جو بعد میں اطالیہ کا وزیر خارجہ ہوا مانٹیسبیٹیریو میں کہا تھا "ایڈریاٹک میں اطالیہ کے اغراض و مقاصد کا انحصار البانیا کے مستقبل پر ہے۔ بندرگاہ والونا جس کے قبضے میں ہوگی وہ ایڈریاٹک کا بھی بلاشک وشبہہ مالک ہوگا" ۱۹۰۴ء میں جب وینس میں کونٹ گولوکوسکی اور ایم ٹٹونی میں مشورت ہوئی تو البانیا کی حدود بندی کے متعلق بھی مباحثہ ہوا۔ آسٹریا نے مقدونیہ کا ایک بڑا حصہ اس میں شریک کیا تھا۔ جون ۱۹۰۶ء میں پیرس کے "بلقان کوریر" (قاصد بلقان) میں آسٹروی و اطالوی خفیہ معاہدے کا مضمون البانیا کو آپس میں تقسیم کرنے کے متعلق شایع ہوا تھا جس کی رو سے اسکمبی ندی کا شمالی علاقہ آسٹریا اور اس کے جنوب کا علاقہ اٹلی کے تسلط میں قرار دیا گیا تھا۔

خیال تو یہی ہوسکتا تھا کہ نوجوان ترکوں کی تحریک میں البانی عبدالحمید کا ساتھ دیں گے۔ انھوں نے عبدالحمید کا ساتھ نہیں دیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ

نوجوان ترکوں نے ارناوطیوں کی اس نفرت سے فائدہ اٹھایا جو دول یورپ کی ان اصلاحات کی طرف سے انھیں تھی جو وہ ولایات یورپین ترکی میں کرنا چاہتی تھیں۔ ان نوجوان ترکوں نے البانی سرداروں کو سمجھایا کہ مقدونیہ کا نظم ونسق ممالک یورپ کے طرز پر ہوگا جس کی وجہ سے مثل سابق کے خانگری نہو سکے گی۔ مقدونیہ کے بعد البانیا کی باری آئے گی۔ مجلس رول سے البانیوں کو اس کی تصدیق ہوگئی۔ اور ان کے جو کچھ شکوک باقی تھے وہ جاتے رہے۔ مسلح البانیوں کا ایک بڑا جلسہ شمسی پاشا کے زیر اہتمام فریزووک میں ہوا تاکہ قبائل کو اس امر پر ہموار کیا جائے کہ وہ ولایات مقدونیہ میں جو عارضی طور پر انگلستان اور روس کو انتظام کے لئے دئیے گئے تھے ترکی نظم ونسق کو برخاست کرنے کی تجویز پر صدائے احتجاج بلند کریں۔ شمسی پاشا سلطان کا معتمد علیہ تھا اور یہ جلسہ سلطان کی طرف سے ہی کیا گیا تھا۔ لیکن کمیٹی کے کارپردازوں نے اس خوش اسلوبی سے اپنا فریضہ ادا کیا کہ خود اہل جلسہ نے دستور کے مطالبے میں سلطان کو ایک تار روانہ کیا۔ ایک بیان سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ البانیوں نے اصلاحات کو اپنی سمجھ کے موافق محدود معنوں میں لیا تھا لیکن اسقب کے نوجوان ترکوں نے اس کی اور کچھ تاویل کی چنانچہ ان کا بیان کچھ اور تھا۔ صرف ایک سردار عیسی بولیٹنائز نے سلطان کے اگلے احسانات کو نہ بھول کے سلطان کی موافقت کی لیکن تھوڑے ہی عرصے میں اس کا سخت خمیازہ اس کو بھگتنا پڑا۔

البانیوں کو دستور کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ تھا لیکن نوجوان ترکوں نے ان کے اس خوف سے کام لیا جو غیر ملکیوں کی طرف سے انھیں رہتا تھا۔ اور انھیں سمجھایا کہ صرف اسی ایک طریقے سے اول پروگرام اور معاملات ترکی میں یورپ کی دخل ہی سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔ دستور البانیوں کے قومی خصائل کا احترام کرے گا۔ یورپین اصلاحات کے خطرے سے بچائے گا۔ قانون شریعت کو جاری کرے گا۔ البانیوں کے لئے مدارس کھولے جائیں گے۔ اور البانیا کی زبان ملکی زبان تسلیم کی جائے گی۔ خود کمیٹی نے آپ کو البانیوں کے قومی تحریکات کا طرفدار ظاہر کیا۔ اسی کے ایما سے قسطنطنیہ کی البانی کلب نے

نومبر ۱۹۱۰ء کو باشندگان غوغیری وتاسکا سے درخواست کی کہ وہ ۱۸۷۹ء کی لیگ میں پھر جان ڈالیں۔ گورنمنٹ نے چار ہزار بندوقیں البانیا اعلیٰ کے قبائل میں تقسیم کرائیں تاکہ صربیوں اور مانٹینگرویوں سے لڑسکیں۔

اس طرز عمل کے نتائج بہت جلد نکلے۔ یکم ستمبر کو قبائل متر وولٹزا، پرزرند، وآٹپک نے سالونیکا کو ایک وفد روانہ کیا اور بتاکید امور ذیل کے لئے درخواست کی۔ قانون شریعت کی بحالی۔ غیر مسلموں خصوصاً صربیوں کو اسلحہ رکھنے کی ممانعت۔ ان کے حقوق کا باضابطہ اعتراف۔ البانی مدارس کا افتتاح جن کا صرفہ خود گورنمنٹ برداشت کرے گی ونیز عورتوں کی موجودہ حالت میں عدم تبدیلی۔ چونکہ البانی بہت گرم مزاج واقع ہوئے تھے اور اس کے سوا قصاص کی طرف بھی ان کا میلان تھا اس لئے نوجوان ترکوں نے ان قبائل کو مرعوب کرنے کے لئے عمدہ تدبیر یہی خیال کی کہ ان کی بخوبی سرکوبی کی جائے۔ تاکہ وہ آئندہ ذرا عقل سے کام لیں اور ایسے نامعقول مطالبات نہ کریں انھوں نے اپنی قوت آزمائی کے لئے سب سے زبردست قبائل عیسی بولٹینائزا اور لوماکو انتخاب کیا۔ عیسی بولٹینائز قدیم زمانے کے جاگیردار بہادروں کی وضع کا آدمی تھا جو لٹیرے ہوتے تھے چنانچہ وہ زیادہ تر لٹیرا تھا۔ عبدالحمید نے اس کو پنشن مقرر کردی تھی تاکہ وہ اس کا خیرخواہ رہے۔ اس کی اس سرپرستی کی بدولت عیسی کی بداعمالیوں کی کوئی بازپرس نہ ہوتی تھی۔ حکومت دستوری کے بعد وہ قزاقی کو خیرباد کرکے ایک جاگیردار کی طرح شریفانہ زندگی بسر کررہا تھا۔ نوجوان ترک اس سے کھٹکے ہوئے تھے۔ انھوں نے مناسب یہی سمجھا کہ اس کو اور اس کے قبائل کو غیر مسلح کرلیا جائے۔ البانی ہتھیار کو بہت عزیز رکھتے ہیں۔ اور کبھی اپنے سے جدا نہیں کرتے ہتھیار چھین لینے سے بڑھ کر ان کے پاس کوئی ذلت نہیں۔ جب اسے بے اسلحہ ہونے کا حکم دیا گیا تو اس نے نہ مانا۔ اس پر جاوید پاشا کو کئی پلٹنوں کے ساتھ اس کی تنبیہ کے لئے بھیجا گیا۔ لڑائی دوماہ تک رہی۔ بہت خونریز معرکے ہوئے۔ عیسی کے قلعے برباد کردئیے گئے لیکن جاوید پاشا نے بڑی غلطی یہ کی کہ بے پناہ بستیوں کو جلایا اور عورتوں اور بچوں کو

قتل کیا۔ مقصد تو یہ تھا کہ البانیوں میں ایک دہشت پیدا کی جائے لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت کی نیک نامی پر سخت دھبا آگیا اور ارناؤطی بدلے کی فکر میں ہو گئے کیونکہ ان کے پاس عورت ایک قابل احترام ہستی ہے۔ مرد اگر قتل ہو تو اس کا خونبہا ہو سکتا ہے لیکن عورت اگر قتل ہو تو اس کے لئے قصاص ہے۔ جاوید پاشا نے صرف عیسی بولیٹنائز کو ستانے پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ تمام البانی جاگیرداروں پر حملہ کیا۔ آٹپک کے علاقے میں اس نے اٹھانوے قلعے تباہ کئے۔ ۱۹۰۹ء کے موسم بہار میں اس نے جاکووا اور ملیسوریس کے علاقے پر چڑھائی کی اور ان قبائل کو بے اسلحہ کر کے ذرائع جنگ سے بے دخل کرنے کی کوشش کی۔ تین ہزار البانی فریز دوک میں ان انتظامات پر احتجاج کرنے کے لئے جمع ہوئے تو انھیں توپوں سے منتشر کر دیا گیا۔ ستمبر میں جاوید کی فوجوں نے لوما پر حملہ کر دیا لیکن ان پہاڑی باشندوں کی سخت مزاحمت سے اسے واپس ہونا پڑا۔ واپسی میں جو کچھ ملا اسے لوٹا یا جلا دیا گیا۔

ولایت سقودرہ میں نوجوان ترکوں کی سیاست نہ چل سکی۔

۳۱ اپریل ۱۹۰۹ء کے رد انقلاب کی کوشش کے بعد حجیون نے باشندوں کو نوجوان ترکوں کے خلاف برانگیختہ کرنے کی کوشش کی لیکن چونکہ ان کے حقوق میں دست اندازی نہیں کی گئی تھی اس لئے وہ خاموش رہے۔ بغاوت کے جرم میں جب البانیوں کو قتل کیا گیا تو ان کے غصے کی آگ بھڑک اٹھی۔ مردم شماری کی وجہ سے یہ آگ اور بھی دوبالا ہو گئی۔ یہ سمجھا گیا کہ یہ مردم شماری جبری فوجی خدمت اور ان کے حقوق کی پامالی کا پیش خیمہ ہے۔ بمب باری کی جب دھمکی دی گئی تو مسلمانان سقودرہ نے اطاعت قبول کی۔ قبائل کاثولی نے والی سقودرہ کو حسب ذیل عرضداشت پیش کی۔

"اگر نیا دور واقعی نیا دور اور محض افسانہ نہیں ہے تو ہم بھی دستور کو قبول کرنے پر آمادہ ہیں۔ ہم اس شرط پر ٹیکس اور فوجی خدمت کو قبول کریں گے کہ مسلمانان سقودرہ کے ساتھ بھی ایسا ہی عمل کیا جائے گا۔ اور ساتھ ہی ساتھ ایک شرط یہ بھی ہے کہ فوجی سرداری اور "صیغہ آوردہ" کے طریقے کو جو

دونوں مذاہب کی عدم مساوات کی یادگار ہے موقوف کر دیا جائے گا اور ہر قبیلے کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ وہ اپنے حاکموں کو خود انتخاب کرے۔ اگر نیا نام اور قدیم دور باقی ہے تو ہمارے سابقہ حقوق میں دست اندازی نہ کی جائے اور ہم کو اپنے حال پر رکھا جائے چنانچہ انصاف بھی یہی چاہتا ہے[1]

جب البانی کمیٹیوں نے فریز و وک میں خاص سیاسی مسائل پر ایک عام جلسہ ۱۷ جولائی ۱۹۰۸ء کو منعقد کیا تو جماعت اتحاد و ترقی نے اس سے خود فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ ان کا ایک وفد نیازی بے "رستم رییسنا" کی سرکردگی میں ہی نہیں بھیجا گیا بلکہ انھوں نے ایک فہرست ان تجاویز کی بھی تیار کی جو بغیر چون وچرا کے اس جلسے میں تسلیم کئے جانے چاہئے تھے۔ انھیں اس میں کامیابی ہوی لیکن ان تجاویز کو پیش کرکے کانگریس نے اپنے تجاویز کو تتے کی صورت میں پیش کیا تھا جن سے البانی احساسات کا بخوبی اظہار ہو رہا تھا۔ تجاویز کانگریس حسب ذیل تھے۔ انتظامی خدمات پر البانیوں کے تقررات ہر اہل مذہب کو اپنے اپنے قومی مدارس کھولنے اور اپنی قومی زبان میں مذہبی مراسم کی ادائی کا اختیار۔ مدارس کا افتتاح جن میں البانی زبان میں تعلیم دی جائے گی۔ سڑکیں قائم کرنا۔ ولایات کی عام کونسلوں کے اختیارات میں توسیع۔ عدالتوں کی اصلاح۔ عثمانی البانی کانگریس کے سالانہ اجلاس کی منظوری۔ آخری پانچ سال کے اوسط سے محصول بندی (صرف یہی محصول (عشر) البانی دیا کرتے تھے)۔

اہل البانیہ کی اس درخواست پر نہ صرف کوئی لحاظ ہی نہیں کیا گیا بلکہ عثمانی حکام ان کو برانگیختہ کر کرکے خوش ہو رہے تھے۔ نوجوان ترک اپنی ناتجربہ کاری سے ہر چیز کو مرکزیت دینا چاہتے تھے چنانچہ ان امتیازی حقوق کو بھی وہ کالعدم کرنے کے متمنی تھے جو قدیم زمانے سے البانیوں کو حاصل تھے۔ اور انھیں مردم شماری، لازمی فوجی خدمت، اور ان تمام ٹیکسوں پر جو دوسرے صوبجات میں رائج تھے یا رائج کئے جاتے مجبور کرکے انھیں نئے قوانین کا پابند کرنا چاہتے تھے۔

---

[1] مسئلۂ البانیا افرارینی نین ریویو دے دیو مونڈ (Revue Des Deux-Mondes) ۱۵ دسمبر ۱۹۰۶ء

آخر میں انھوں نے جاگیرداروں (بے) کی جاگیری قوت توڑنے کی کوشش کی تاکہ اس طریقے سے ادنیٰ طبقے کو اپنا طرفدار بنائیں۔ یہ خیال ان کی ملکی ناواقفیت کو ظاہر کر رہا تھا کیونکہ البانیا میں ادنیٰ طبقے کا وجود ہی نہیں ہے اور سب البانی اپنے آپ کو باعتبار حسب و نسب شریف سمجھتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے باشندوں کو بھی بے اسلحہ کرنا چاہا۔

لیکن قومی خیالات میں ہیجان ہو رہا تھا۔ جنوب میں قبائل تاسکی میں جو البانیا کی سب سے مالدار قوم اور پچاس سال سے ترکوں کے زیرنگیں تھے یہ تحریک زوردار نہ تھی۔ وسطی و شمالی البانیا میں یہ تحریک سوراج کے لئے تھی۔ اس قومی تحریک کے اندناع کے لئے نوجوان ترکوں نے مذہبی تعصب سے کام لینا چاہا۔ البانیا میں رسم الخط لاطینی تھا۔ انھوں نے اس کی جگہ ترکی رسم الخط کو مروج کرنے کی کوشش کی اور یہ استدلال کیا کہ لاطینی رسم الخط میں لکھنے والے کافر ہیں۔ یہ باتیں اہل البانیہ کی برہمی کا باعث تھیں۔ دسمبر ۱۹۰۹ء میں وسط و شمال البانیا کے سرداروں نے ایک خفیہ جلسہ کیا جس میں چند سیاست داں بھی ان کے شریک حال ہوئے۔ سوراج کی کوشش وحصول کی رائے ہوئی اور اس مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے ایک عام بغاوت ضروری قرار دی گئی۔ ایک انتظامی کمیٹی دستورالعمل تیار اور اس تحریک کو روبراہ کرنے کے لئے قائم ہوئی جو ماہ جولائی میں کی جانے والی تھی گورنمنٹ اور کمیٹی کو اس منصوبے کا علم نہ تھا لیکن ان کی خوش قسمتی سے قبائل لاب و پرشتینہ نے محض مقامی حالات کی بنا پر صدر احکام کی خلاف ورزی کر کے قبل از وقت بغاوت کر دی۔

اپریل ۱۹۱۰ء میں جب مظہر بے والی کوسوو نے نئے ٹکس قائم کرنے کی کوشش کی تو قبائل پرشتینہ و لاب نے جن پر ان محاصل کا پہلے اثر پڑا تھا بغاوت کی۔ ان محاصل ورآمد کے خلاف انھوں نے ایک بڑا جلسہ کیا۔ والی نے اس جلسے کو بزور منتشر کیا اور ان پر بغیر سبب اشتعال کے گولہ باری کی۔ بہت جلد قبائل باغی ہوگئے۔ جس کی وجہ سے کمیٹی کے تمام منصوبے ناتمام رہ گئے۔ کمیٹی نے مناسب یہی سمجھا کہ اعلان بغاوت کر دیا جائے کیونکہ اگر ترکوں کو ان ہر دو

قبائل کی سرکوبی کرنے دیا جاتا تو کمیٹی تمام البانیا میں بدنام ہو جاتی اور اس کے سوا یہ بھی اندیشہ تھا کہ ترک کہیں اس مجوزہ بغاوت سے آگاہ نہ ہو جائیں۔ بغاوت کا اعلان کر دیا گیا مگر قبائلی فوجوں کے اجتماع کے لئے جو اس مہم کے لئے پیش از پیش تیار نہ تھیں مہلت درکار تھی چنانچہ اسی ضرورت کی وجہ سے ہم کو باغیوں کی فن جنگ کی واقفیت کا ثبوت ملتا ہے۔ ترکوں کی فوج فریزووک میں تھی جہاں شاہراہوں کا انصال ہوتا تھا۔ ہر پلٹن میں تین سو یا اس سے کچھ زیادہ آدمی تھے۔ اور کل پچاس پلٹنیں اور توپخانے کے انتیس دستے تھے اور ان کا سپہ سالار شفقت طرغود پاشا فاتح "یلدیز" تھا کیونکہ اسی نے ہی ۲۵ اور ۲۶ اپریل ۱۹۰۹ء کو یلدیز فتح کیا تھا۔ البانیوں نے خواہ مخواہ جاکو اپر ایک سخت حملہ کر دیا۔ طرغود نے ڈر کے اپنے میمنہ کے ایک بڑے حصے کو واپس طلب کر لیا جس کی وجہ پر شٹینا اور مٹرووٹیزا کا راستہ کھل گیا۔ اسٹملیا اور چرنالووا میں ترکوں کو ہزیمت ہوئی جس سے قرہ دغدا اور گیلانی قبائل کو کچانک کی گھاٹی پر قبضہ کرنے کا موقع ملگیا۔ تمام ترکی فوجوں کا مرکزیہی مقام تھا۔ سڑک کو انھوں نے کھلا چھوڑ دیا تھا۔ قبائل ملسور و دیبر نے اس سے فائدہ اٹھایا اور باغیوں کی اصل جماعت سے مل گئے۔ کچانک گھاٹی میں باغی ترکوں سے پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ انھیں اس مقام سے ہٹانے کی کوشش میں طرغود کو تین بار بھی ناکامی ہوئی۔ سرکاری اطلاعوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ "لیٹروں" کی کامیابی محض ظاہری تھی جس کا منصوبے میں لحاظ رکھا گیا تھا طرغود پاشا نے عقب اور بازو سے ان پر حملہ کر دیا اور تقریباً بیس کلومیٹر کچانک کے حصے میں قبضہ کر لیا۔ ترکی اخبارات کا بیان تھا کہ باغیوں کی ہمت بڑھانے کے لئے اس نے انھیں اپنے ہراول کے ایک حصے کو توڑنے دیا تھا تا کہ انھیں اپنے میمنہ میسرہ اور عقب کا حال معلوم نہ ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ طرغود پاشا نے کچانک کے علاقہ پر ناکافی فوجوں سے حملہ کیا تھا جس کی وجہ سے اس کے غیر مستحکم عقب پر البانی کثیر فوج کے ساتھ حملہ آور ہوئے اور اسے شکست دی۔

بہر حال طرغود کے لئے کمک پہنچ رہی تھی جس کی مدد سے اس نے

پھر جارحانہ طریقہ اختیار کیا اور بازوئے لشکر پر حملہ کر دیا۔ ادریس سفر کا جو اس سمت کا البانی افسر تھا صرف خیال یہ تھا کہ ترک صرف گھاٹی پر حملہ کریں گے لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ توپخانے کی فوج نے دیہات کو تباہ کر دیا ہے اور اصل فوج وادی موراوا کی طرف روانہ ہوئی ہے تو وہ اپنی جگہ چھوڑ کے دیہات کو بچانے کے لئے روانہ ہوا جس سے ترکوں نے گھاٹی پر قبضہ کر لیا۔ شدید مقابلوں کے بعد باغی کچانک اور گیلان کی وسطی پہاڑیوں میں بھگا دیئے گئے۔ کئی دیہات پر بمب باری کی گئی۔ اکثر دیہات کو خود گاؤں والوں نے چھوڑ دیا۔ جب کچانک اور الیشن پر قبضہ ہو گیا تو فوج کا ایک بڑا حصہ فریز ووک واپس ہوا۔ کچانک سے جہاں عارضی طور پر قیام تھا۔ پھر فریز ووک فوج کا مستقر قرار دیا گیا۔ پزرند کے اس راستے پر جو استملا اور چرنالو وا کے درمیان تھا البانیوں کا قبضہ تھا۔ شوکت طرغود نے اپنی توجہ اب اس طرف پھیری۔ قریب قریب چودہ پلٹنیں استملیا کی طرف روانہ ہوئیں۔ کچھ فوج لیسرجی پر اور کچھ فوج بوڈاکوواپر روانہ ہوئی۔ اس شاہراہ پر حسن حسین البانیوں کا سردار تھا۔ جب یہ معلوم ہوا کہ ترکی فوجیں استملیا پر بڑھ رہی ہیں تو البانیوں نے چرنالوا کی گھاٹی پر زبردست انتظام کیا چنانچہ ڈاکواپر جو فوج بھیجی گئی تھی وہ شاہراہ پزرند کو ۶/ اور ۷/ مئی کو پہنچی۔ ۸/ مئی کو یسرجی کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ اس کے بعد اس فوج سے ہوا جو استملیا پر بھیجی گئی تھی۔ بغاوت کا خاتمہ کرنے کے لئے گورنمنٹ نے محمود شوکت پاشا کو پورے اختیارات کے ساتھ روانہ کیا۔ اس نے زور و تدبیر دونوں سے کام لیا اور سرداروں کو رقم دے کر اور وعدے کر کے مطیع کیا۔ صرف چند سرداروں نے مثل ادریس سفر اور عیسیٰ بولیٹنا ئز کے امان قبول نہیں کی اور ملسا کو اپنی پناہ گاہ بنایا۔

استنبول اخبارات نے قبل از وقت استیصال بغاوت البانیا کا جشن منایا۔ وعدے صرف زبانی حد تک تھے۔ جن سرداروں نے ان وعدوں پر یقین کر کے ہتھیار ڈال دئیے انھیں گرفتار کیا گیا اور نہ صرف دی ہوئی رقم ان سے چھین لی گئی بلکہ ان کی موروثی جائدادیں بھی ضبط کر لی گئیں ان پر فوجی عدالتیں

قائم کی گئیں اور وہ مقید کئے یا سولی پر چڑھا دیے گئے۔ ان وجوہ سے قبائل ترکی کے اور بھی دشمن ہو گئے اس کے سوا کارسیکا سے زیادہ البانیا میں قصاص ایک مقدس فریضہ ہے۔ باقیماندہ چھ سات ہزار باغی البانیوں نے جنھیں قابل سزا قرار دیا گیا تھا مانٹینگرو اور سقوورہ کے قبائل میں پناہ لی اور حکومت استامبول کا برابر مقابلہ جاری رکھا۔ وہ اچھی طرح سے جانتے تھے کہ پھانسی تو انھیں کسی صورت سے بھی ملے گی اس لیے مانٹینگرو کی سرحد پہ چھاپے مارتے رہے اور اس طرح بے قاعدہ لڑائی جاری رکھی جس کی وجہ سے ترکی فوج تنگ ہو گئی تھی اور البانیا میں خطرے کا اندیشہ ویسا ہی باقی رہا۔ باشندوں کو بے اسلحہ کرنے کا بھی کچھ اچھا نتیجہ نہ نکلا۔ انھوں نے اپنے وہ تمام قدیم اسلحہ حوالے کر دیے جو ان کے پاس تھے یہاں تک کہ ان قدیم سنگی بند وقوں کو بھی حوالے کر دیا جو سیپیوں سے آراستہ کی گئی تھیں اور جنھیں آنکھ بند کر کے کمیشن بے اسلحگی نے لے لیا۔ لیکن انھوں نے حفاظت کے ساتھ اپنی موزر اور من شر بند وقوں کو چھپا دیا تھا۔ ایسا ہی ان میں اسلحہ کی پوشیدہ تجارت ہو رہی تھی۔ بوسنہ ہرزیگوینہ، مانٹینگرو، اور سین جوین ڈی میڈوا کے راستے سے ہزاروں کی تعداد میں عمدہ بند وقیں آ رہی تھیں۔ البانیوں کے پاس کبھی زمانے میں اس قدر اسلحہ نہ تھے۔ اطالیہ، رومانیہ، اور آسٹریا کی البانی کمیٹیوں نے ایک عام بغاوت کی پر جوش تحریک شروع کی چنانچہ ان کا کلمۂ دعوت سوراج البانیہ تھا۔

سنہ ۱۹۱۰ء کی بغاوت ولایت کوسوو تک محدود رہی اور سوائے قبائل جاکووا کے جن کے سردار فنتا ڈوڈا نے اس بغاوت میں بہت سرگرمی سے حصہ لیا دوسرے کاتولی قبائل خاموش بیٹھے رہے مارچ سنہ ۱۹۱۱ء میں کاتولی قبائل سقوورہ نے بے اسلحہ ہونے سے انکار کر دیا اور بغاوت کر دی کستراتی حطی کلیمنٹی اور ان تمام قبائل نے جو سقوورہ کی جھیل کے جنوب و مشرق میں آباد تھے مانٹینگرو کے قابل سزا البانیوں کی مدد سے سرحد کی گڑھیوں پر حملہ کر دیا اور ترکی محافظ فوج کو شکست دی۔ خطرناک صورت زیادہ تر اس وجہ سے بھی ہو گئی تھی کہ اہل مانٹینگرو قبائل ملسور کی مدد کر رہے تھے۔ ۱۷۔ مارچ کو ترکی حاکم نے دفتر سر عسکری کو حسب ذیل تار دیا۔ "پانچ ہزار البانیوں کی کمک سے اہل مانٹینگرو کی ایک بڑی جماعت نے

سرحدی علاقوں پر حملہ کر دیا۔ چار کمپنیوں نے ان مانٹینگرویوں اور مالیسوریوں کی مدافعت کی لیکن ان لٹیروں کی تعداد زیادہ تھی اس لئے پسپا ہونا پڑا۔"

اگر اس بغاوت میں صرف البانی ہی رہتے تو ترک حسب ضرورت فوج کے ساتھ اس کا فی الفور خاتمہ کر دیتے لیکن مشکل تو یہ تھی کہ ان البانیوں کو باہر سے کمک اور ہمت پہنچ رہی تھی۔ مانٹینگرو انھیں گولہ بارود اور اسلحہ مہیا کر رہا تھا۔ مانٹینگرو کی فوجی ٹکڑیاں اپنے افسروں کے ساتھ ان کے دوش بدوش لڑ رہی تھیں۔ ان لوگوں نے تمام لباس البانیوں کا ہی پہن لیا تھا یہاں تک کہ ٹوپی کو بھی انھوں نے بدل دیا تھا۔ اس وجہ سے جبل اسود کے باشندے حطی، گردی، اور کستراتی کے رہنے والوں سے متمیز نہیں ہو رہے تھے۔ زخمی البانیوں کو مانٹینگرو کے علاقے میں منتقل اور ہاسپیتال پاڈگورٹزا میں ان کی مرہم پٹی کی جا رہی تھی۔ اگر ترکی فوج سے باغیوں کی جماعت مغلوب ہو جاتی تو فوراً مانٹینگرو میں فرار ہو جاتی یا اس مقام کو چھوڑ کر دوسرے مقام پر نبرد آزما ہوتی لیکن مانٹینگرو کے پردے میں کون تھا؟ ترکی اخبارات میں یہ سوال ہوتا تھا لیکن اس کے جواب کی انھیں جرأت نہ ہوتی تھی مانٹینگرو کی فلاکت و غربت مشہور تھی۔ پھر کس طرح حکومت سٹینجی البانی باغیوں کی اسلحہ اور سامان خورونوش سے مدد کر سکتی تھی۔ بلقانی شطرنج میں مانٹینگرو کسی بڑی حکومت کا پیادہ تھا جس سے ترکی کو شہ دی جا رہی تھی۔ ترکی اخبارات البانیا میں بیرونی سازشوں کا جس رمز و کنائے سے ذکر کر رہے تھے اس سے پایا جاتا تھا کہ ان کا اشارہ آسٹریا ہنگری کی طرف ہے لیکن انھوں نے صاف طور پر اس کو ظاہر نہیں کیا۔ ان کا تمام غصہ مانٹینگرو پر برس رہا تھا جس کے ساتھ وہ بالکل صاف بیانی کو کام میں لا رہے تھے بلکہ جنگ کی ضرورت کا بھی اظہار کیا تھا۔

قبائل آپنک، جاکووا ڈیر زرند نے جنھیں گزشتہ سال ہزیمت ہوئی تھی پھر اس سال کی مہم میں حصہ لیا جس کی وجہ سے ترکی کو ساٹھ سے زیادہ دستے البانیائے فوقی میں مجتمع کرنے پڑے۔ شوکت طرغود نے جاوید پاشا کی تقلید کی اور باقاعدہ طور پر دیہات کو تباہ اور ان کے باشندوں کو قتل کیا۔ مانٹینگرو کی سرحد پر ملیسوریوں اور ترکوں کی ایک زبردست فوج کا مقابلہ ہوا۔ ترکوں کے

انتقام کے ڈر سے ان مالیسوریوں نے مانٹینگرو میں پناہ لی۔ جوان مرد مقابلے کے لئے
رہ گئے اور بوڑھوں بچوں اور عورتوں نے جن کی جملہ تعداد دو ہزار سے بڑھ کر تھی
مانٹینگرو کو اپنا دارالامن بنایا۔ آسٹریا نے یہ دعوے کر کے کہ البانی کاتھولی اس کی
حمایت میں ہیں ملیسوریوں کی طرف سے مداخلت کی ؎۔ فرم ڈنبلٹ" میں ایک مضمون
شائع ہوا جس میں نوجوان ترکوں کے طرز عمل پر جو البانیا کے متعلق تھا بہت سختی
سے تبصرہ کیا گیا تھا اور حکومت عثمانیہ کو توجہ دلائی گئی تھی کہ وہ البانی قومی
احساسات پر جلد متوجہ ہو کے اس افرا تفری کو دور کرے۔ اس کے ساتھ ہی
روس کی طرف سے ترکی کو ایک نوٹ دیا گیا جس میں اس کو مانٹینگرو سے پرخاش کرنے
کا الزام دیا گیا تھا جو خود کی بالکل فکر نہ کر کے ارنا وطی پناہ گزینوں کے لئے خورونوش
کی فکر کر رہا تھا۔ اس نوٹ اور مضمون کا ترکی میں بہت اثر ہوا۔ شوکت پاشا کو لڑائی
موقوف کرنے کا حکم ملا اور استامبولی اخبارات میں سرکاری مراسلت شایع ہوئی
جس میں بتایا گیا تھا کہ مالیسوریوں کی بغاوت بالکل فرو کر دی گئی اور مردیتیوں نے
اطاعت قبول کی۔ یہ بغاوت نہ تھی بلکہ چند سو بدمعاشوں کی معمولی سرکشی تھی
جن کے پاس ہتھیار تک نہ تھے۔ اب جنگ کا تو کوئی ذکر نہیں رہا جن باغیوں نے
اب تک اپنے ہتھیار نہیں دیے ہیں وہ ایک وقت معینہ میں جس کا تعین مجلس وزرا
کی طرف سے ہوگا اپنے ہتھیار دیدیں اور حکومت کی وفاداری کا حلف اٹھائیں۔
اس صورت میں ان کی خطاؤں سے درگزر کیا جائے گا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر
ہے کہ ترکی اخبارات اور سرکاری تحریرات "رحم" اور "امان" کو غلط طریقے پر
استعمال کر رہی تھیں گو عملی طور پر انھیں ہر دو کا فرق بخوبی معلوم ہوتا تھا۔ نیز یہ بھی
اعلان کیا گیا کہ سلطان دس ہزار ترکی پونڈ نقصانات کی تلافی میں عطا کرے گا۔
اس رقم سے کیا ہو سکتا تھا۔

مانٹینگرو میں ترکی وزیر صدرالدین بے کی گفت وشنید کے بعد ۲۳ جون کو البانی سرداروں
کا ایک جلسہ غرچے میں ہوا جس میں انھوں نے ایک یادداشت اپنی شکایات [۵۱] اور

۵۱۔ باوجود زمانہ قدیم سے سلطان کی وفادار رعایا ہونے کے اور باوجود ان عنایات کے جو معزول سلطان

مطالبات کی روانہ کی جن کا خلاصہ حسب ذیل تھا۔ ولایات البانیا کے تنفیحی محکمے کا قیام۔

بقیہ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ:- کی طرف سے ہم پر تھیں ہم نے شخصی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہ کیا جو سلطنت کو تباہ اور رعایا کو تہس نہس کرتی ہے۔ جب ہمارے برادران کوسوو نے فریز دوک میں جلسہ اور رعایا کی طرف سے مطلق العنان سلطان کی بیدخلی کا اعلان کیا تو ہم نے بھی دستور کا مسرت کے ساتھ خیر مقدم کیا جو آزادی اور مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔ اس نئے دور کے افتتاح کے بعد ہمیں امید تھی کہ تخت سلطانی کو استحکام حاصل ہوگا کہ یہی تمام اقوام کے اتحاد کا ذریعہ ہے۔ سلطنت کی بنیاد استوار و مضبوط ہوگی۔ تمام عثمانیوں کے انفرادی حقوق بالعموم تسلیم کئے جائیں گے اور اس کے ساتھ ان اقوام اور جماعتوں کے حقوق اور اختیارات کو بھی تسلیم کیا جائے گا جن کا فرامین اور خود دستور سے اعتراف کیا گیا ہے۔ آزادئ ضمیر و مذہب اور مذہبی اعتقادات و رسوم کا احترام کیا جائے گا۔ اور نظم و نسق اور مالیہ میں اصلاح ہوگی لیکن بدقسمتی سے ہماری اور ہمارے ساتھ تمام عثمانی رعایا کی امیدیں دھوکے کا شکار ہوئیں سلطانی اقتدار گھٹا دیا گیا اور اس کی سطوت و شوکت کم کر دی گئی محاصل ملکی اور نظم و نسق مملکت ایک ایسی غیر معروف جماعت کے ہاتھ میں ہے جو اپنے کو ملک کی نجات دلانے والی اور مخلص ظاہر کر کے ایک پوشیدہ اور غیر ذمہ دار حکومت کے بل پر مختلف مظالم برپا کر رہی ہے۔ وہ اپنے تصور اور وسوسے کو عالم وجود میں عملی حیثیت سے لانا چاہتی ہے اور یہ ایسا تصور اور وسوسہ ہے جس کی سابق میں نظیر نہیں ملتی۔ اپنے اس انوکھے تخیل کے مطابق مختلف اقوام کو ایک قوم بنانے کے لئے وہ انفرادی اور قومیت کے مقدس حقوق کو پامال کر رہی ہے۔ ہم البانی جنھوں نے دستوری حکومت کو سب سے پہلے لبیک کہا اور اس کی سب سے بڑھ کر اشاعت کی سب سے پہلے اس عجیب پالیسی کا شکار ہوئے۔ جاوید پاشا نے کئی دستوں کے ساتھ پہلے البانیہ پر حملہ کیا اور علاقۂ اوپا میں رہزنی کا انسداد کرنے کے بہانے سے کئی مکانات تمام اور قریے تباہ کئے اور کئی بوڑھوں اور بے گناہ بچوں کو جلا دیا۔ تمام البانیوں کو اس سے سخت صدمہ ہوا اور وہ بھڑک اٹھے مظلوموں کی کچھ دادرسی نہ کی گئی۔ ہمارے نمائندوں نے تحقیقات اور مجرموں کو سزا دینے کا مطالبہ کیا جو کام جمہوری تھے انصاف کرنے کی بجائے ایسے نامعقول انتظامات کئے جن سے البانیوں کی دل آزاری اور انھیں تنگ کرنا مقصود تھا اور ان کو سخت سزائیں دے کے ان کی انتقامی آگ کو روشن کیا۔ پشتینہ کے مزارعین پر بغیر پارلیمنٹ کی رائے کے پیداوار کے لحاظ سے ٹکس لگا دیا گیا ان مزارعین نے

البانیوں کا سرکاری خدمات پر تقرر۔ قومی لباس اور قدیم حقوق کی حفاظت خود مختاری مدارس جہاں البانی زبان اور لاطینی حروف ابجد میں تعلیم دی جائے گی۔ عدم مرکزیت نظم و نسق میونسپل خود مختاری۔ مالیہ کے خرچ کا مقامی انتظام۔ زائد مالگزاری سے مختلف معاشی اصلاحات البانیا میں استفادہ۔ یہ یاد رہے کہ پارلیمنٹ میں جتنے

بقیہ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ: پارلیمنٹ سے اپنا انصاف چاہا مگر پارلیمنٹ کے نمایندے مجبور تھے کیونکہ وہ دار الخلافت کے فوجی قانون میں جکڑے ہوئے تھے اور آزادی رائے کا انھیں کوئی اختیار نہ تھا۔ انھوں نے خفیہ کمیٹی کی اس تجویز سے اختلاف نہ کیا۔ ایک بڑی فوج شوکت طرغود پاشا کی سرکردگی میں کوسوو دپر بھیجی گئی۔ بظاہر تو یہ فوج اس وجہ سے آئی تھی کہ اصلاحات عمل میں لانے کے لئے راستہ صاف کرے لیکن دراصل اس کے آنے کا مقصد ان لوگوں کو سزا دینا تھا جنھوں نے پوشیدہ حکومت کے نمایندوں سے اختلاف کرنے کی جرأت کی تھی اور نمائندگان رعایا کو اپنا واسطۂ کار بنایا تھا۔ جو کچھ اس مہم کے افسوسناک نتائج نکلے وہ ظاہر ہیں۔ ایک سرسبز و خوشحال ملک تباہ کر دیا گیا۔ کئی دیہات اور قلعے ویران اور کئی بے گناہ قتل کر دیے گئے۔ مشہور خاندانوں اور اکثر باشندوں کو سزائیں دی گئیں اور انھیں جلاوطن کیا گیا۔ اور البانی مدارس بند کر دیے گئے جن اصلاحات کے لئے کابینہ نے اس قدر ہنگامہ کیا تھا ان کا مطلقاً خیال نہ کر کے شفقت طرغود پاشا اپنی فوج کے ساتھ البانیا سے فاتحانہ طور پر ولایت سقوطری روانہ ہوا۔ ہمارے کوسوو کے بھائیوں کے افسوسناک واقعات اور اس مہم کے اصل مقصد کا انکشاف ہونے کے باوجود ہم نے حسن ظن اور سادہ لوحی سے دستوری اصلاحات کو سچ سمجھا اور یہ یقین کر لیا کہ ایک سپہ سالار کے ورود کی بدولت ہماری سی وفادار رعایا کی بہبودی ہوگی ہم نے اس کی مزاحمت نہیں کی۔ اور اس نئے دور پر مزید اطمینان ظاہر کرنے کے لئے ہم نے بڑی سے بڑی قربانیوں کو بھی گوارا کر لیا۔ ہم اس باضابطہ شرط پر اپنے ہتھیار ڈال دینے پر رضامند ہو گئے کہ ہمارے احتیاجات اور قدیم رسم و رواج کا لحاظ کر کے ہمارے ملک کا بہتر سے بہتر انتظام کیا جائے گا۔ اس قدر انقیاد کے بعد بھی ہمارے ساتھ ایسا غیر شریفانہ سلوک کیا گیا جس کا اعادہ ہماری خودداری اور نخوت قومی کی وجہ سے نہیں کیا جا سکتا۔

مطالبات کی روانہ کی جن کا خلاصہ حسب ذیل تھا۔ ولایات البانیا کے تنقیحی محکمے کا قیام۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ :- کی طرف سے ہم پر تھیں ہم نے شخصی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہ کیا جو سلطنت کو تباہ اور رعایا کو تہس نہس کرتی ہے۔ جب ہمارے برادران کوسووو نے فریزووک میں جلسہ اور رعایا کی طرف سے مطلق العنان سلطان کی بیدخلی کا اعلان کیا تو ہم نے بھی دستور کا مسرت کے ساتھ خیر مقدم کیا جو آزادی اور مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔ اس نئے دور کے افتتاح کے بعد ہمیں امید تھی کہ تخت سلطانی کو استحکام حاصل ہوگا کہ یہی تمام اقوام کے اتحاد کا ذریعہ ہے۔ سلطنت کی بنیاد استوار و مضبوط ہوگی۔ تمام عثمانیوں کے انفرادی حقوق بالعموم تسلیم کئے جائیں گے اور اس کے ساتھ ان اقوام اور جماعتوں کے حقوق اور اختیارات کو بھی تسلیم کیا جائے گا جن کا فرامین اور خود دستور سے اعتراف کیا گیا ہے۔ آزادئ ضمیر و مذہب اور مذہبی اعتقادات و رسوم کا احترام کیا جائے گا۔ اور نظم و نسق اور مالیہ میں اصلاح ہوگی لیکن بدقسمتی سے ہماری اور ہمارے ساتھ تمام عثمانی رعایا کی امیدیں دھوکے کا شکار ہوئیں سلطانی اقتدار گھٹا دیا گیا اور اس کی سطوت و شوکت کم کردی گئی مجلس ملکی اور نظم و نسق مملکت ایک ایسی غیر معروف جماعت کے ہاتھ میں ہے جو اپنے کو ملک کی نجات دلانے والی اور مخلص ظاہر کر کے ایک پوشیدہ اور غیر ذمہ دار حکومت کے بل پر مختلف مظالم برپا کر رہی ہے۔ وہ اپنے تصور اور وسوسے کو عالم وجود میں عملی حیثیت سے لانا چاہتی ہے اور یہ ایسا تصور اور وسوسہ ہے جس کی سابق میں نظیر نہیں ملتی۔ اپنے اس انوکھے تخیل کے مطابق مختلف اقوام کو ایک قوم بنانے کے لئے وہ انفرادی اور قومیت کے مقدس حقوق کو پامال کر رہی ہے۔ ہم البانی جنھوں نے دستوری حکومت کو سب سے پہلے لبیک کہا اور اس کی سب سے بڑھ کر اشاعت کی سب سے پہلے اس عجیب پالیسی کا شکار ہوئے۔ جاوید پاشا نے کئی دستوں کے ساتھ پہلے البانیہ پر حملہ کیا اور علاقہ ابا میں رہزنی کا انسداد کرنے کے بہانے سے کئی مکانات تباہ اور قریے تباہ کئے اور کئی بوڑھوں اور بے گناہ بچوں کو جلا دیا۔ تمام البانیوں کو اس سے سخت صدمہ ہوا اور وہ بھڑک اٹھے۔ مظلوموں کی کچھ دادرسی نہ کی گئی۔ ہمارے نمائندوں نے تحقیقات اور مجرموں کو سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ حکام جمہوری نے انصاف کرنے کی بجائے ایسے نامعقول انتظامات کئے جن سے البانیوں کی دل آزاری اور انھیں تنگ کرنا مقصود تھا اور ان کو سخت سزائیں دے کے ان کی انتقامی آگ کو روشن کیا۔ پشتینہ کے مزارعین پر بغیر پارلیمنٹ کی رائے کے پیداوار کے لحاظ سے ٹیکس لگا دیا گیا ان مزارعین نے

البانیوں کا سرکاری خدمات پر تقرر۔ قومی لباس اور قدیم حقوق کی حفاظت۔ خودمختاری مدارس جہاں البانی زبان اور لاطینی حروف ابجد میں تعلیم دی جائے گی۔ عدم مرکزیت نظم ونسق میونسپل خودمختاری۔ مالیہ کے خرچ کا مقامی انتظام۔ زائد مالگزاری سے مختلف معاشی اصلاحات البانیا میں استفادہ۔ یہ یاد رہے کہ پارلیمنٹ میں جتنے

بقیہ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ:۔ پارلیمنٹ سے اپنا انصاف چاہا مگر پارلیمنٹ کے نمایندے مجبور تھے کیونکہ وہ دارالخلافت کے فوجی قانون میں جکڑے ہوئے تھے اور آزادی رائے کا انھیں کوئی اختیار نہ تھا۔ انھوں نے خفیہ کمیٹی کی اس تجویز سے اختلاف نہ کیا۔ ایک بڑی فوج شوکت طرغود پاشا کی سرکردگی میں کوسووو پر بھیجی گئی۔ بظاہر تو یہ فوج اس وجہ سے آئی تھی کہ اصلاحات عمل میں لانے کے لئے راستہ صاف کرے لیکن دراصل اس کے آنے کا مقصد ان لوگوں کو سزا دینا تھا جنھوں نے پوشیدہ حکومت کے نمایندوں سے اختلاف کرنے کی جرأت کی تھی اور نمائندگان رعایا کو اپنا واسطۂ کار بنایا تھا۔ جو کچھ اس مہم کے افسوسناک نتائج نکلے وہ ظاہر ہیں۔ ایک سرسبز وخوشحال ملک تباہ کر دیا گیا۔ کئی دیہات اور قلعے ویران اور کئی بے گناہ قتل کر دیے گئے۔ مشہور خاندانوں اور اکثر باشندوں کو سزائیں دی گئیں اور انھیں جلاوطن کیا گیا۔ اور البانی مدارس بند کر دیے گئے۔ جن اصلاحات کے لئے کابینہ نے اس قدر ہنگامہ کیا تھا ان کا مطلقاً خیال نہ کر کے شفقت طرغود پاشا اپنی فوج کے ساتھ البانیا سے فاتحانہ طور پر ولایت سقوطری روانہ ہوا۔ ہمارے کوسووو کے بھائیوں کے افسوسناک واقعات اور اس مہم کے اصل مقصد کا انکشاف ہونے کے باوجود ہم نے حسن ظن اور سادہ لوحی سے دستوری اصلاحات کو سچ سمجھا اور یہ یقین کر لیا کہ ایک سپہ سالار کے ورود کی بدولت ہماری سی وفادار رعایا کی بہبودی ہوگی ہم نے اس کی مزاحمت نہیں کی۔ اور اس نئے دور پر مزید اطمینان ظاہر کرنے کے لئے ہم نے بڑی سے بڑی قربانیوں کو بھی گوارا کر لیا۔ ہم اس باضابطہ شرط پر اپنے ہتھیار ڈالدینے پر رضامند ہو گئے کہ ہمارے احتیاجات اور قدیم رسم ورواج کا لحاظ کر کے ہمارے ملک کا بہتر سے بہتر انتظام کیا جائے گا۔ اس قدر انقیاد کے بعد بھی ہمارے ساتھ ایسا غیر شریفانہ سلوک کیا گیا جس کا اعادہ ہماری خودداری اور نخوت قومی کی وجہ سے نہیں کیا جا سکتا۔

البانی نمایندے تھے وہ سب مسلمان تھے اور ولایت سقودرہ کے تین لاکھ کاتولیوں کو کمیٹی کے حکم سے رائے دینے کا حق نہ تھا۔ اس یادداشت کو روانہ کرنے کے تین دن بعد ۲۶ جون کو فریزووک میں البانی نمایندوں کا اجلاس ہوا نمایندہ اسقب حسن بے کی صدارت میں ہوا جو کمیٹی کا شدید مخالف تھا۔ یہ طے ہوا کہ ایک یادداشت حکومت کو روانہ کی جائے جس میں حسب ذیل مطالبات ہوں۔ البانیوں کو حسب دستور اسلحہ رکھنے کی اجازت۔ ان نئے محاصل سے معافی جو ان کے دیرینہ حقوق کا لحاظ نہ کرکے جن کا سلاطین نے مراد اول کے وقت سے اعتراف کیا تھا عائد کئے گئے تھے۔ البانی سپاہیوں کو البانیا میں فوجی خدمت بجالانے کا اختیار۔

اس یادداشت کو مرتب کرنے کا کام نجیب بے دراغا کو ہوا جو نمایندۂ متروتزا اور اسی نام کے جاگیرداری خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔

اس طرح سے اصل مطالبات پر مسلمان اور کاتولی البانی متفق تھے۔ اب رہے وہ مطالبات جو کاتولی سرداروں کے مجوزہ تھے اگر مسلمان سرداروں کے پروگرام میں ان کا ذکر نہ تھا تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ انھیں مسلمانوں نے نامنظور کیا تھا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مدارس، لاطینی حروف ابجد، میونسپل خود اختیاری، عدم مرکزیت نظم ونسق کے متعلق البانی نمایندوں نے پارلیمنٹ میں بہت زور کے ساتھ مطالبہ کیا تھا۔

حکومت نے بالآخر حسب ذیل تجاویز منظور کئے۔ باغیوں کو معافی۔ فوجی خدمت کے لئے دو سال سقودرہ اور ایک سال قسطنطنیہ میں تعیناتی۔ مدیر کی خدمت پر تقرر مجلس میں ان اشخاص کے انتخابات جو البانی جانتے تھے محصول مویشی ایک بکرے کو ایک قرش کے حساب سے۔ گڈریوں اور جنگل کے چوکیداروں کو ہتھیار رکھنے کی اجازت لیکن وہ شہروں اور کھیتوں میں انھیں نہیں رکھ سکتے تھے۔ سات ضلعوں میں مدارس تحتانیہ کا گورنمنٹ کی طرف سے افتتاح اور ان کے مصارف کی ذمہ داری۔ شاہراہوں کی تعمیر۔ مرمت مکانات جو بغاوت میں تباہ کردیے گئے تھے۔ ملیسوریوں میں دس ہزار ترکی پونڈ کی تقسیم بطور امداد کی جائے گی جس کا اعلان سلطان کے

سفر البانیا کے بعد ہو گا۔ ہر ملیسوری کو روزانہ ایک ترکی پونڈ اور آدھا کلو گرام (آدھ سیر چار تولے) باجرا۔

جنگ سے تنگ آ کے مانٹینگرو کے پناہ گزینوں نے ان تجاویز کی منظوری پر ہی اکتفا کی اور ترکی میں واپس آ گئے۔ باغی جماعتوں کو جو ابھی تک دریائے زم کے سواحل اور سپلیجے پہاڑ کی چوٹیوں پر مقابلے پر اڑی ہوئی تھیں جب مانٹینگرو میں فرار ہونے کا موقع باقی نہ رہا تو انھوں نے بھی ہتھیار ڈال دیے۔ ملیسوریوں کی بغاوت ختم ہونے کے بعد اضلاع جاکووا، آپٹک، دیرزرند کی جنگجو ٹولیاں بھی منتشر ہو گئیں۔

جماعت اتحاد و ترقی کی تفریق پارلیمنٹ اور حکومت کی بے بسی تیسرے اجلاس کا خاتمہ مسئلۂ عرب

مجلس وزرا کمیٹی کی نمائندگی کی وجہ سے برسر حکومت تھی اور اس لئے اس کا کوئی خاص دستور العمل نہ تھا۔ پارلیمنٹ میں کئی پارٹیاں ہو گئی تھیں۔ اور قابل اطمینان کثرت رائے مفقود تھی جس پر کابینہ کو بھروسا ہو سکتا۔ کمیٹی "اتحاد و ترقی" کے دو حصے ہو گئے تھے۔ ایک جانب اتحادی (یونیانسٹ) تھے جو اپنے پہلے دستور العمل پر ثابت قدم اور کمیٹی کے وفادار تھے۔ دوسری جانب مجیدی طبقہ تھا جو آپ کو استبدادی کہتا اور شخصی حکومت کا طرفدار تھا۔ شروع میں جماعت اتحاد و ترقی میں جتنے آدمی تھے وہ کمیٹی کے طرفدار تھے لیکن جب دستور کا بول بالا ہوا تو ہر شخص اتحادی بننے کا خواہشمند ہوا کیونکہ دور جدید کا طغرائے امتیاز اتحاد و برادری اقوام ملک تھا۔ جو لوگ متعصب اور دستور کے مخالف تھے وہ بظاہر سخت حریت پسند ہو گئے۔ جب تک کہ فوج کمیٹی کی وفادار رہی وہ خاموش رہے۔ اور مثل وفاشعار غلاموں کے کمیٹی کے فیصلوں کی تائید کرتے رہے لیکن وہ

کمیٹی کے اقتدار گھٹنے کے منتظر تھے۔ مشرق میں جو کچھ ہے مذہب ہی ہے اس لئے ایک پوشیدہ جنگ کمیٹی کی مخالفت میں دیونمیوں اور فری مشنوں کے زیر اثر شروع ہوگئی تھی دیونمی ان لوگوں کو کہتے ہیں جو ثبتائی کے مریدین کی اولاد ہیں۔ ثبتائی نے اٹھارھویں صدی عیسوی میں عیسیٰ ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ اور پھر سزا سے بچنے کے لئے وہ اور اس کے مریدین مسلمان ہوگئے۔ جاوید بے وزیر مالیات دیونمی اور خاص ثبتائی کی اولاد تھا۔ طلعت بے حسین جاہد بے ناظم بے اور خود شیخ الاسلام فری مشن تھے۔ "اتحاد و ترقی" میں کمیٹی کا اثر زائل ہو رہا تھا۔ ادھر اخبارات سالونیکا و مونستر میں ملک کے ان باغیوں کے خلاف جو کمیٹی کی مخالفت کر رہے تھے جو مضامین شائع ہو رہے تھے وہ ایسے نہ تھے جن سے کمیٹی سے اختلاف رکھنے والے کمیٹی کے طرفدار ہو جاتے یا آپس کی نااتفاقیوں کا ازالہ ہوتا۔ ساتھ ہی کمیٹی کے خلاف فوج میں پوشیدہ طور پر تحریک ہو رہی تھی۔ کئی افسر جن میں کرنل صادق بے نائب ناظم رسالہ سربرآوردگی کے لحاظ سے قابل ذکر ہے نئے استبدادیوں کی طرف ہوگئے۔ صادق بے سالونیکا کو جلا وطن کر دیا گیا لیکن اس کی قائم کردہ فوجی لیگ میں رنگروٹ بھرتی ہو رہے تھے۔

کمیٹی نے دیکھا کہ مرکزی حکومت ہی ترکی کی نجات کا واحد ذریعہ ہوسکتی ہے خود مختاری کی اور جمہوری عدم مرکزیت کے حامی ہونے کی وجہ سے کمیٹی سے علیحدہ ہوگئے تھے اعتدال پسند احرار (قدیم احرار کا نیا نام) بظاہر تو عدم مرکزیت کے طرفدار تھے لیکن دراصل نو استبدادیوں سے بھی زیادہ شخصی حکومت کے حامی تھے۔ ان مخالف، متضاد، اور منتشر جماعتوں پر نظر کرتے ہوئے ایسی غالب جماعت کا وجود ناممکن تھا جو مجلس وزارت کو سنبھالتی۔ بہت سے نمائندے ایسے تھے جن کی رائے اپنے اصول کے ماتحت نہ ہوتی تھی بلکہ مخفی یا علانیہ ذاتی عناد ذاتی اغراض، اور اپنی ناکامیوں کی بناء پر ہوتی تھی۔ آپس کی چوٹیں حریفانہ مقابلے، اور بلند حوصلے ان کے سوا تھے۔ ایک ابتری تھی کہ پارلیمنٹ پر چھائی ہوئی تھی۔ لایعنی مباحثوں میں وقت بیکار جاتا تھا۔ تھوڑا بھی کام ہوتا تو

اس میں بھی تو تو میں میں ہوتی تھی۔ اہانت کے الفاظ لاطینی سے بھی زیادہ ترکی میں موجود ہیں اور یہ سب استعمال ہوتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ لغیر مولدات کے جن کے لئے لمباجی (بے قاعدہ توپچی) اور بالک جی (ماہی فروش) مشہور تھے مباحثہ نہیں کر سکتے تھے۔ ۱۰ر مئی کے اجلاس میں آثار ایسے نظر آرہے پایا جاتا تھا کہ عربوں اور ترکوں میں پستول چل جائے گا۔ اگر ہمایندوں کا مطلب ایسے جھگڑوں سے پارلیمنٹی اصول بدنام کرنا تھا تو اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا تھا۔ تقریباً ہر روز پارلیمنٹ کا اجلاس ناکافی تعداد کی وجہ سے ملتوی ہوتا تھا جملہ پونے تین سو ارکان میں سے ایک سو اسی سے زیادہ کبھی پارلیمنٹ میں نظر نہ آئے۔ باقی اپنے گھروں میں سکون واطمینان سے رہتے تھے یا چہل قدمی کرتے پھرتے تھے۔ اب جو پارلیمنٹ میں آتے تھے ان میں سے بھی اکثر رائے کے وقت چپ چاپ نکل جاتے تھے تاکہ کابینہ کے خلاف رائے دے کے اپنے کو خطرے میں نہ ڈالیں ایسے بھی اجلاس ہوئے جن میں تیس سے بھی کم ارکان شریک ہوئے تھے۔ مخالفین دستور نے اس بے پروائی بدعملی اور بدمعاشگی سے فائدہ اٹھا کے پارلیمنٹی طریقے کو جو بدنام ہو چکا تھا اور بھی بدنام کیا۔

صدر اعظم بالکل سفیہ تھا۔ ہر وقت علمانیتی دوستی کے لئے سبب رکھتا لیکن ذمہ داری سر پر لینے سے ڈرتا تھا۔ اس پر بھی مجلس وزارت میں اتفاق واتحاد نہ تھا۔ طلعت بے کے بعد امر اللہ وزیر تعلیمات اور علما حسین وزیر تعمیرات مستعفی ہوئے۔ امر اللہ کی جگہ اسماعیل حقی بے بابن زادے رکن سینیٹ کا تقرر ہوا۔ تعمیرات کے لئے کوئی شخص دستیاب نہ ہوا تو خود حقی بے نے عارضی طور پر اس کا بھی جائزہ لے لیا۔ ۳ر مئی کو جاوید بے نے استعفا دیا۔ اس کی جگہ پر نائل بے رکن سینیٹ مامور ہوا۔ اس کے بعد اسماعیل حقی بے بابن زادے نے بھی استعفا دیا۔ اس کی جگہ پر عبدالرحمن رکن سینیٹ وسابق ناظم غلطہ سرائے کالج مقرر ہوا۔ اس اثنا میں تعطیلات آگئیں۔ ۴ر جون ساڑھے چار بجے صبح کے ارباب مجلس قانون کی پہلی نشست (سیشن) ختم ہوئی۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ نشست ۳ر جون کو ہی ختم

ہوچکی تھی۔اس لحاظ سے بارہ بجے رات کے بعد سے پارلیمنٹ کا اجلاس جاری نہیں رہ سکتا تھا اور یہ عمل پارلیمنٹ کا خلاف ضابطہ تھا۔پارلیمنٹ کا اجلاس اب بھی ملتوی نہ ہوتا لیکن مجلس اعیان اور اس میں جھگڑا ہو جانے سے ارکان مجلس اعیان کو یاد آیا کہ پارلیمنٹ کو بارہ بجے رات ہی برخاست ہو جانا چاہیئے تھا چنانچہ پارلیمنٹ برخاست کرنے کے لئے معزز ممبروں سے درخواست کی گئی۔پارلیمنٹ کے اس سیشن میں کوئی ایسا کام نہ ہوا جس پر نمایندے فخر کر سکتے تھے۔سوائے موازنے کے کام کے تمام وقت بیکار سوالات، ذاتی جھگڑوں اور کج بحثیوں میں صرف کیا گیا تھا۔ضابطۂ دیوانی کی مزید دفعات اور قانون معاونت صنعت وزراعت کو چھوڑ دیا جائے تو پارلیمنٹ نے ایک ضروری اور اہم تجویز پر بحث اور رائے زنی نہیں کی یہ بات نہ تھی کہ نمایندے کام کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ بات یہ تھی کہ انھیں کام کرنا آتا نہ تھا اور اپنے عُجب میں جس کی کوئی انتہا نہ تھی جو کوئی انھیں سکھانے کی کوشش کرتا اس پر بگڑ بیٹھتے تھے۔عثمانی پارلیمنٹ کو آتا ہی تھا کہ ہر چیز کو موازنے میں شریک کیا جائے اور قوانین مالیہ میں ترمیمات کرے۔یہ ترمیمات ان اہم قوانین سابقہ کے خلاف ہوتی تھیں جو منسوخ نہیں ہوتے تھے۔اس طرح سے قانون کی ابتری اور پارلیمنٹ میں بدنظمی کا دورہ تھا۔اس کی وضاحت وزیر عدالت کے موازنے کی بحث سے ہوتی ہے۔

وزیر عدالت نے عدالتی تنظیم کے بارے میں پارلیمنٹ سے رقوم منظور کرنے کی درخواست کی تھی۔پارلیمنٹ نے نہ تو اس تنظیم کو ہی سمجھا اور نہ ان رقوم کے خرچ پر جو شرائط عائد کئے جاتے ان پر غور کیا۔اس طور سے ہر امر میں مداخلت کی جاتی تھی اور ہر چیز کے لئے موازنہ پیش کیا جاتا تھا چنانچہ اسی موازنے کی ہی وجہ سے مجلس اعیان اور پارلیمنٹ میں چل گئی جس کے سبب اجلاس وقت مقررہ پر ختم نہ ہو سکا۔جس مسئلے کو پارلیمنٹ نے اپنی دانست میں حل کیا تھا وہ یمن کے متعلق تھا۔اس میں بھی پارلیمنٹ نے قابل فخر کام نہیں کیا کیونکہ جس مجوزہ قانون کو اس نے منظور کیا تھا اس کی رو سے عرب کے اس علاقے پر عثمانی تسلط کا ہونا نہ ہونا یکساں تھا۔بات تو یہ تھی کہ ارکان پارلیمنٹ عثمانیت اور اسلامیت کے نظریے میں اندھے

ہو رہے تھے اور مسئلۂ عرب کی اہمیت سے مطلق خبردار نہ تھے۔ عبدالحمید کی اپنے عہد حکومت میں یہی کوشش رہی کہ کسی نہ کسی طریقے سے عثمانی سیادت کو مسلمانوں میں تسلیم کرایا جائے اور ملک عرب پر جو حق بزور شمشیر حاصل ہوا تھا اسے مذہبی حق میں مبدل کیا جائے۔ یہی نہیں بلکہ شاہ قسطنطنیہ کی عظمت تمام مسلمان بادشاہوں کے دلوں میں جاگزیں کرنے کے لیے اس نے خلافت کو سلطنت پر ہمیشہ ترجیح دینے کی کوشش کی تاکہ وہ اس کی اطاعت کا دم بھریں اور اسے اپنا خلیفہ مانیں۔ ان حالات کے سبب عربستان کی صورت حال بہت خطرناک ہو گئی تھی۔ دستوری حکومت کو اس گتھی کے سلجھانے میں سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑتا لیکن اگر وہ ان سے بچ گئی تو اس کی وجہ دور حمیدی کی سیاست نہ تھی یہ نہایت ضروری تھا کہ عرب کے علاقہ ہائے حجاز و یمن ترکوں کے ہی تسلط میں رہیں ورنہ خلافت کا زور ٹوٹ جاتا اور عرب پر عثمانی سیادت اگر بالکل باقی نہ رہتی تو معرض خطر میں ضرور ہی پڑ جاتی۔

حجاز میں مقامات مقدسہ مکّہ اور مدینہ ہیں جہاں ہر سال تمام دنیا کے مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ حج ایک ایسا مذہبی فریضہ ہے جس سے تمام مسلمانان عالم ایک کڑی میں متحد ہوتے ہیں مکّے اور مدینے پر ترکی کی ایک دشمن یا حریف سلطنت کا قبضہ ہو جانے یا حج سے مسلمانوں کو روک دینے یا خلافت پھر عربوں کو مل جانے کی صورت میں سلطان خلیفۃ المسلمین کی بجائے صرف سلطان روم ہی رہتا۔ یمن ترکوں کے لئے اس قدر ضروری نہ تھا جس قدر حجاز۔ یہ اگر سولھویں صدی کے نصف آخر میں فتح نہ بھی کیا جاتا تو کچھ ہرج نہ تھا لیکن اب جبکہ ترکوں کا اس پر قبضہ ہو گیا تھا گو یہ قبضہ برائے نام ہی تھا ترکوں کے تسلط سے اس کا نکل جانا حجاز اور مقامات مقدسہ کے لئے خطرے کا باعث ہوتا۔ اور یہ خطرہ زیادہ تر اس وجہ سے بھی تھا کہ قبائل حجاز ترکوں کے ویسے ہی مخالف تھے جیسے اہل یمن گو اہل یمن کی مانند انھوں نے وقتاً فوقتاً بغاوت نہیں کی بدوی قبائل کے تمام سردار عرب کے اعلیٰ خاندان سے ہیں جن کا سلسلۂ نسب زمانۂ بیگانیت (جاہلیت) کے عربوں سے ملتا ہے۔ اکثر خاندان ہاشم کی اولاد سے ہیں۔ اور یہ خاندان ہاشم

خود پیغمبر اسلام کا خاندان ہے۔ اور بعض خاندان اوقیذر کی اولاد ہیں۔ یہ خاندان مکے کے قدیم شریفوں کا خاندان ہے اور اس میں کے بعض افراد شاہان یمن بھی گزرے ہیں۔ ان میں کا ہر ایک سلطان قسطنطنیہ سے بڑھ کر آپ کو خلافت کا مستحق سمجھتا ہے لیکن جب تک کہ ترکوں کا عمل دخل حجاز میں ہے وہ مجبور ہیں۔ اسی دعوے کی بنا پر بیت المال میں ان کا حصہ ہوتا ہے۔ اور اگر حکومت عثمانیہ انھیں سڑکوں کی حفاظت کے لئے ایک سالانہ رقم کرڑوڑ گیری کے طور پر نہ دے تو وہ کار وانوں کو لوٹ لیں۔ ۱۹۰۹ء میں حجاج کا قافلہ ایسا ہی لوٹا گیا۔

اب تک حجاز اسی سلطنت کے زیر اثر رہا جس کے زیر اثر مصر رہا۔ حجاز کی حالت مصر کے صوبے کی سی تھی جس شخص کی قاہرہ پر حکومت رہی وہ مکے اور مدینے کا بھی فرمانروا رہا۔ صحرائے شام اور صحرائے عرب کے راستے میں طرح طرح کی دشواریاں تھیں اس لیے مصر سے ہی عرب پر فوجیں روانہ ہوتی تھیں گزشتہ صدی کے اوائل میں جب وہابیوں نے مقامات مقدسہ پر قبضہ کیا تو والیان دمشق، بصرہ و بغداد کی کوششیں ان شہروں کو واپس لینے کی بالکل ناکام رہیں۔ وہابیوں کو شکست دینے کے لئے محمد علی اور اہل مصر کی مداخلت ضروری تھی لیکن خدیو مصر بجائے اس کے کہ مقامات مقدسہ ترکوں کو واپس کرتا خود ان پر قابض ہوگیا چنانچہ ۱۸۴۰ء تک اسی کا ہی قبضہ رہا۔ ۱۸۴۰ء میں اتحاد اربعہ کی وجہ سے اس نے سلیشیا، شام، اکریت اور حجاز سلطان کو واپس دے دیے۔ نہر سویز کھل جانے کے بعد ترکوں کے لئے مصر کے راستے سے فوجیں بھیجنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ اسکندریہ پر فوجیں اترتیں اور بندرگاہ قسیر واقع بحیرۂ احمر سے جدہ یا حدیدہ پر جیسی ضرورت ہوتی روانہ ہوتیں اور حجاز اور یمن پر حملہ کرتیں۔ بجائے اس کے وہ اب راست منزل مقصود کو روانہ ہوتی تھیں۔ نہر سویز کی آسانیاں اگر نہ ہوتیں تو حجاز و یمن سے حکومت عثمانیہ کا قبضہ کئی سال قبل ہی اٹھ گیا ہوتا۔ بہرحال حجاز کو مصر سے بہت قریبی تعلق ہے اور کچھ بعید نہیں کہ ایک وقت یہ تعلق ایسا زبردست ثابت ہو جس سے مقامات مقدسہ اسی کے قبضے میں رہیں جس کے قبضے میں سلطنت مصر رہے۔ آج کل انگریزوں کا مطمح نظر بھی یہی ہے۔ وہ عربستان کو اپنے قبضے میں لینا نہیں چاہتے۔

اس کے لیے کثیر فوج اور کثیر رقم کی ضرورت ہے۔ نیز بہت کچھ سیاسی مرحلے بھی اس کے سوا حائل ہیں۔ ان کی کوشش اس بات پر ہے کہ ترکوں کو نکال دے کر ان کی جگہ عرب سرداروں کو مسند نشین اور عربوں میں خلافت کو منتقل کریں جو برائے نام خودمختار لیکن درحقیقت برطانیہ عظمیٰ کے زیر اثر رہیں گے۔ وہ اپنی مطلب برآری کے لیے عربوں کی اس نفرت سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں جو انھیں ترکوں کی طرف سے ہے۔

پیغمبر اسلام کی فتح عربستان کے بعد شرفائے مکّہ نے جو پیغمبر کی اولاد میں سے تھے رفتہ رفتہ تمام حجاز پر اپنی حکومت قائم کر لی اور ایک سلطنت کی بنا ڈالی جو مملوک سلاطین قاہرہ کی باجگزار تھی۔ سلیم اول نے مصر فتح کیا تو مکّے اور مدینے پر بھی اس کا قبضہ ہوگیا اور اس طرح اس نے بزور شمشیر خلیفہ کا لقب اپنے لیے اختیار کر لیا۔ سلیم بدمست کے عہد میں ترک یمن میں آئے اور عربوں پر ظلم کی ابتدا ہوئی۔ سلاطین ترکی کی عنایتوں اور حرم سرا کی سازشوں سے عربستان کی خدمت بڑی بے پر خواجہ سراؤں، دربانوں اور ملاحوں وغیرہ کے تقررات ہوتے تھے جو قبائل عرب کو لوٹتے اور ان کے سرداروں کو تہ خانوں میں سڑنے کے لیے بھیجتے یا کوڑوں سے ہی مار مار کر اُن کا خاتمہ کر دیتے تھے۔ خاندان پیغمبری سے عہدۂ شریف چھین لیا گیا۔ سلطان اپنے حاشیے کے لوگوں میں سے کسی ایک کو حاکم مقامات مقدسہ بنا دیتا۔ شریف مکّہ کی حیثیت ایک معمولی درجے کے عثمانی عہدہ دار کی سی تھی جو اپنے آقا کی مرضی پر معزول کر دیا جاتا تھا۔

ترکوں کی حکومت عربستان میں نہایت بدنظمی پر مبنی تھی۔ حجاز و یمن میں یکے بعد دیگرے جتنے حاکم آتے انھیں دولت جمع کرنے کے سوا دوسرا کام نہ رہتا۔ انھیں حکام قسطنطنیہ نے ملک پر محاصل کا اضافہ کیا تھا جنھیں اعلیٰ و ادنیٰ تمام افسر خود ہی ہضم کر جاتے تھے۔ والیوں کی ظلم و زیادتی سے جو ان کے خزانے اور حرم کو معمور کرنے کی کوشش میں ظاہر ہوتی تھی عرب نہایت تنگ آ گئے تھے۔ چنانچہ ان کی حالت تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق تھی۔

عربستان ترکوں کی جلا وطنی کا مقام تھا عثمانی افسروں کے خیال سے دیکھا جائے تو ان کی یہ جلا وطنی عزت کی جلا وطنی تھی۔ عبدالعزیز اور عبدالحمید کے

عہد حکومت وہ تمام عہدہ دار یہیں بھیجے جاتے تھے جن پر نوجوان ترکوں کی حمایت سے ساز باز رکھنے کا شبہہ ہوتا تھا۔ اور جن کی اولوالعزمی اور دانائی سے کھٹکا رہتا تھا جو سولین افسر معتوب ہو کے یمن یا حجاز کو بھیجے جاتے تھے ان کی دھن یہی ہوتی تھی کہ جلد پیسہ جمع کر کے سلطان کے کسی مقرب کو رشوت دیں اور اس طریقے سے اس کی سرپرستی حاصل کر کے عربستان سے کہیں دوسری جگہ منتقل ہو جائیں یا قسطنطنیہ ہی چلے جائیں اور پھر واپس آنے کا نام نہ لیں۔ یہی سبب تھا کہ والی سے لے کے چھوٹے سے چھوٹے مدیر تک سب زیادہ ستاں تھے۔ اور آئے دن ان کی یہی کوشش رہتی تھی کہ کسی حیلے اور کسی تدبیر سے بھی رقم وصول کریں۔ اگر قبائل ان بے ضابطہ محاصل کے خلاف احتجاج کرتے تو والی فوراً قسطنطنیہ کو تار دیتا عرب باغی ہو گئے ہیں اور ان کی بغاوت کا استیصال ضروری ہے۔ محلسرائے سلطانی سے جواب میں فوجی افسر کو ان قبائل کی سرکوبی کے لئے حکم دیا جاتا۔ اس صورت میں اگر قبائل اس رقم کی سبیل نہ کرتے جو والی انھیں دینے کہتا تو ان پر حملہ اور وہ بالکل تباہ کر دیئے جاتے۔

۱۸۷۷ء اور ۱۸۷۸ء کی جنگ میں ترکوں کو اپنی تمام فوجیں دریائے طونہ اور آرمینیا میں مجتمع کرنی پڑی تھیں چنانچہ عربستان کی تقریباً تمام فوج بھی اسی طرف آ گئی تھی اسی زمانے سے اشور اور یمن میں بغاوتوں کا آغاز ہوا سلطنت کے بیرونی جھگڑوں، صوبجات کی بغاوتوں اور خزانے کی بے مائیگی سے ترک عربستان کو کافی قوت نہیں بھیج سکتے تھے۔ جب کبھی بغاوت ہوتی باغی سرغنہ اپنے خلیفہ ہونے کا اعلان کرتا تھا جیسا کہ امیر نصی (Nussi) نے اشور میں اور شریف محمد الدین نے یمن میں کیا تھا لیکن ان علاقوں کے مسلمان پکے مسلمان نہ تھے اور یہی انھیں اسی نظر سے دیکھتے تھے جس نظر سے کہ وہ نجدی وہابیوں کو دیکھتے تھے اس لئے دنیائے اسلام میں انھیں معاونین نہ مل سکے۔

اسی خیال کو ملحوظ رکھ کر جولائی ۱۸۹۹ء میں انگریزوں نے شریف مکہ انور رفیق پاشا سے خط و کتابت کی اور عبد الحمید کے مقابلے میں ایک ایسے شخص کو خلافت کے لئے انتخاب کرنا چاہا جو نہ صرف سچا اور راسخ الاعتقاد مسلمان اور

الحاد سے بری ہو بلکہ خلافت قاہرہ کے پانچ صدی کے مٹے ہوئے نشانات کو بھی اپنے امیر المومنین ہونے کے دعوے سے تازہ کرے۔ انگریزی قونصل جدہ نے اس بارے میں شریف کو لکھا تھا کہ "آج افریقہ میں چار روشن خیال شہزادے جن کے اجداد اشور کے علاقۂ زائلہ میں فرمانروا گزرے بالکل فلاکت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ حکومت انگریزی ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنانے پر راضی ہے۔ اگر آپ اس رائے سے متفق ہیں تو ہمیں اس کی تعمیل میں کوئی دشواری نہیں۔ آپ چونکہ اولاد پیغمبر سے اور مسلمانوں کے زیر دست ہادی و ملجا ہیں اس لئے یہ ضروری ہے کہ جس روز ملکۂ انگلستان اس جدید خلیفہ کو تسلیم کرے اس روز آپ بھی ایک فتویٰ اس خلیفہ کی توثیق کا شائع کریں۔ حکومت برطانیہ اس امر کا ذمہ لیتی ہے کہ وہ مالگزاری خلافت کی ایک بڑی رقم آپ کی اور اس خلیفہ کی اولاد کے لئے مقرر کر دے گی؛ بلاد مکہ و مدینہ اور ان کے علاقے پر خود مختار رہیں گے۔ اگر اس منصوبے کی تعمیل میں ترکی یا اور کوئی سلطنت مداخلت کرے گی تو حکومت انگریزی اس کی بزور یا بتدبیر جیسی کچھ صورت ہو مخالفت کرے گی۔"

انور رفیق مستعد اور حوصلہ مند تھا اور رشل اپنے پیشرو اور قرابت دار عبد المطلب کے شرافت مکہ و مدینہ کو اپنے خاندان کے لئے مختص و موروث اور اپنے آبا و اجداد کی دنیاوی حکومت کو مستحکم کرنا چاہتا تھا۔ انگریزوں نے اسی وجہ سے اس سے اپنا کام نکالنا چاہا تھا لیکن اشور رفیق نے انگریزوں کی اس تجویز کو ٹال دیا جس کی وجہ شاید یہ تھی کہ اس سے یہ کام نہیں بن سکتا تھا یا یہ کہ وہ خود ہی خلیفہ بننا چاہتا تھا۔

جب شرفائے مکہ سے کام نہ چلا تو انگریزوں نے دوسری تدابیر اختیار کیں۔ ایک طرف تو انھوں نے قویت (Kowiet) کی جو جزیرہ نمائے عرب کے جنوب مغرب میں واقع ہے معاونت کی اور دوسری طرف نجد میں جو عرب کے شمال مشرق اور وسط میں واقع ہے ایسے سامان پیدا کئے جن سے عبد العزیز ابن سعود کو وہابی سلطنت مستحکم کرنے کا موقع ملے تیسری طرف امام صنعا کی خفیہ مدد کی جس نے ۱۸۹۰ء سے خلافت کا دعویٰ کیا تھا اور ترکی کی تمام فوجوں کی مدافعت کی تھی یحییٰ حمید الدین القریشی الحسینی قدیم شاہان یمن کی

اولاد سے اور فرقۂ سادات (Seidite) کا بڑا سردار تھا۔ اس نے پایہ تخت صنعا ساحلی بلاد اور چند مستحکم مقامات مثل مناکا، وغیرہ کو چھوڑ کے تمام ملک پر قبضہ کرلیا اور اپنے نام کا سکّہ جاری کیا تھا چنانچہ ان عثمانی فوجوں میں بھی یہ سکہ رائج تھا جو اس سے جنگ کرنے آئی تھیں۔

۱۹۰۰ء میں سلطان نے اس امام کی شہرت و ترقی سے ڈر کر ایک جماعت حسن بے کی سرکردگی میں یمن کو روانہ کی۔ حسن بے شیخ عبدالہدیٰ کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ شیخ عبدالہدیٰ بدویوں کے سردار رفاعی کا بیٹا اور علمبردار پیغمبر اسلام خالد بن الولید کی اولاد ہونے سے شام اور عراق کے عربوں میں نہایت ذی اثر شخص تھا۔ اس جماعت کو بھیجنے کا مقصد خاص خاص قبائل کے سرداروں کو امام سے منحرف کرنا تھا لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ یمن کے حالات روز افزوں ابتر ہوتے جا رہے تھے اس لئے تین سال بعد ۲۲ر اپریل ۱۹۰۵ء کو ایک خاص جماعت قسطنطنیہ سے روانہ ہوئی۔ اس جماعت کو بھیجنے کے اغراض سرکاری بیان سے یہ تھے کہ "مقامی حالات کو ملحوظ رکھ کر ایسے ذرائع اختیار کئے جائیں جن سے ولایت یمن میں امن و امان اور اس کی فلاح و بہبودی ہو۔" لیکن جب یہ جماعت حدیدہ پہنچی تو سپہ سالار رضا بے نے صنعا میں امام کے مقابلے میں ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ جماعت کی حالت ایسی نہ تھی جس سے امام کو کسی طریقے سے مجبور کیا جاتا اس لئے وہ قسطنطنیہ واپس ہوئی۔ ۱۹۰۷ء میں ترکوں نے حمید الدین کے مقابلے میں ایک گمنام شخص حسن بن یحییٰ کو اس کا مدمقابل بنایا لیکن وہ ایک آفاقی تھا۔ فیضی پاشا کے گئی ہزار دبال سے کر چلتا بنا۔

عربوں کی معرکہ آرائیاں تمام ملک میں منتشر طور پر گروہ بندی کے ساتھ ہو رہی تھیں۔ ترکوں کے لئے باغیوں کی فتوحات مثل صنعا وغیرہ کے فتح کرنا اتنا مشکل نہ تھا جتنا ملک میں ان لڑائیوں کا انسداد کرکے امن کی اشاعت کرنا۔ امام کے پاس تمام سبک سوار سپاہی تھے۔ حریف کے مقابلے میں وہ جم کر نہیں لڑ سکتے تھے لیکن نقل و حرکت ان کی اس سرعت کے ساتھ ہوتی تھی کہ دشمن ان کا تعاقب نہیں کرسکتا تھا۔ کمین سے نکل کر حملہ کرنے میں بھی وہ بڑے مشاق تھے۔ ترکوں کو مزید دقت

اشیائے مایحتاج کے نہ میسر ہونے سے پیش آرہی تھی۔ یمن اگرچہ عربستان کے لحاظ سے زرخیز ملک تھا لیکن بغاوت کے بعد فوج کو ضروری اشیاء کی فراہمی مشکل سے ہوسکتی تھی اس لئے تمام چیزیں قسطنطنیہ سے حدیدہ آرہی تھیں۔ عربوں نے اپنے جنگی اصول یہی قرار دیے تھے کہ ترکوں پر کمین گاہوں سے نکل نکل کے حملہ کریں اور کبھی مقابلے میں نہ آئیں اور دشمن کو ہمیشہ نقل و حرکت میں رکھیں اور اس طرح گولہ بارود کی بجائے مرض اور اضمحلال سے فوجوں کا صفایا اور اپنی تمام توجہ رسد کے لوٹنے اور دشمن کے سامان جنگ پر قبضہ کرنے میں صرف کریں۔

جب رضا پاشا حدیدہ سے صنعا روانہ ہوا جس کا محاصرہ کیا گیا تھا تو اس کے ساتھ چار ہزار اونٹ اور سات آٹھ ہزار کا لشکر تھا۔ اور یہی لشکر اس کی تباہی کا باعث ہوا۔ سابقہ بغاوتوں میں عربوں کے پاس قدیم زمانے کی بندوقیں ہوتی تھیں۔ جن کی وجہ سے ترک آسانی کے ساتھ عربوں پر فتح حاصل کرتے تھے۔ اب یہ بات باقی نہیں ہے۔ عربوں کے پاس عمدہ بندوقیں ہیں جو عدن سے بکثرت آتی ہیں۔ ان کی فراہمی زیادہ تر اس لئے بھی آسان ہوگئی ہے کہ عدن پر مارچ ۱۹۰۳ء سے انگریزوں کا قبضہ ہوگیا ہے اور ان کی سرحدی فوج سے صنعا اڑتالیس گھنٹے کی مسافت ہے چنانچہ اب یمن میں انگریزوں کا تسلط اچھی طرح سے قائم ہوگیا ہے۔

جزیرہ نمائے عرب کی آخری حدود میں انگریزوں کا یہ طرز عمل اور بھی نمایاں تھا۔ قویت کو اپنی حمایت میں لے کر برطانیہ عظمیٰ نے اپنی دلی خواہش پوری کی اور قبائل حجاز و نجد کو ترکوں کی بے اقتداری کا ثبوت دیا۔ قویت خلیج فارس پر شط العرب کے جنوب مغرب میں کسی قدر فاصلے پر واقع ہے۔ اور ایک چھوٹی سی ریاست کا مستقر ہے۔ اس ریاست کے فرمانروا شیخ علی مبارک اور ابن رشید وہابی امیر میں ہمیشہ لڑائی رہتی تھی۔ اس کے سوا ترکوں کا بھی دعویٰ تھا کہ قویت سلطان کے زیر حکومت ہے اور اس لئے یہاں ایک ترکی فوج متعین ہونی چاہئے۔ ان امور کے مدنظر شیخ علی مبارک نے ۱۹۰۱ء میں انگریزوں سے درخواست کی تھی کہ وہ اسے اپنی حمایت میں لیں۔ قویت کی اہمیت اب تک صرف اس لیے تھی کہ وہ جنگی لحاظ سے ایک ایسا مقام تھا جہاں سے ترک جنگ چھڑنے کی صورت میں وہابیوں پر

اچھی طرح سے حملہ کر سکتے تھے لیکن اس کی اہمیت اب اور بھی اس لئے بڑھ گئی کہ وہ جرمنی ریلوے کی آخری حد قرار دیا گیا تھا کونیہ (koniah) اور بغداد سے خلیج فارس کو جانے والی تھی۔ قویت ہی ایک ایسی بندرگاہ تھا جہاں خلیج فارس عمیق تھی یہی وجہ تھی کہ انگریز اس کو اپنی حمایت میں لینا چاہتے تھے۔ بابعالی نے اس مداخلت پر احتجاج کیا اور یہ اعتراض کیا کہ سلطنت برطانیہ کو عثمانی علاقے میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ بہت طویل مراسلت کے بعد انگلستان اور ترکی میں معاہدہ ہوا جس کی رو سے فریقین قویت میں محافظ فوج نہیں رکھ سکتے تھے لیکن اس پر بھی شیخ مبارک انگریزوں کا متوسل رہا۔ اس کے علاوہ اپریل ۱۹۰۵ء میں حکومت عثمانیہ نے اپنی بیوقوفی سے انگلستان کو یہ اعلان کرنے کا موقع دیا کہ بابعالی نے معاہدۂ مذکور کو فسخ کر ڈالا چنانچہ انگریز قویت پر متصرف ہو گئے۔

فرقۂ وہابی کی جدید اشاعت کے انسداد کے لئے ۱۹۰۵ء میں بابعالی نے مبارک کو فریب دینا چاہا تاکہ وہ سیادت ترکی کو تسلیم کر کے ترکی فوج متعین کئے جانے کی درخواست کرے۔ اس غرض سے چند شیوخ قویت بھیجے گئے جن کی دنیائے اسلام میں بہت قدر و منزلت تھی۔ انگریزوں نے ابن سعود کی روپے اور اسلحہ سے مدد کی تھی۔ ان شیوخ کے کامیاب ہونے کی صورت میں وہابیوں کا زور ٹوٹ جاتا۔ ترکوں کی اس سیاست سے خبردار ہو کر انگریزوں نے پہلے ہی اس کے انسداد کا انتظام کیا اور قویت میں اپنی بحری فوج اور توپ خانہ اتارا۔ اور مورچہ بندی کی اور مورچوں پر ان توپوں کو رکھا جو برطانوی جنگی جہاز سے جو خلیج فارس میں ٹھہرا ہوا تھا ساحل پر اتاری گئی تھیں۔ بظاہر یہ تمام انتظامات مبارک کی طرف سے کئے گئے تھے لیکن پھر بھی انگریزوں نے ان تیاریوں میں علانیہ طور پر حصہ لیا اور قویت کی راہ سے نجد پر قبضہ رکھا۔

یہ نجد جزیرہ نمائے عرب کے وسط اور شمال مشرق پر محیط ہے اور اس نجد سے جدا ہے جو ولایت بصرہ میں ترکی متصرفت (ضلع) ہے اور جس کا حکومت عثمانیہ کی غلطی سے نجد نام پڑ گیا ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا علاقہ الحصی کی جانب واقع ہے جس کے اطراف مختلف ریاستیں ہیں۔ ترک دراصل اس کے خاص مقام خطیف کے

مالک ہیں اصل نجد دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ تو نجد ہی کہلایا جاتا ہے اور یہ وسط اور مشرق میں واقع ہے۔ یہ وہابیوں کا علاقہ ہے دوسرے حصے کو شمار کہتے ہیں اور یہ صحرائے نفود سے لے کے ولایت بصرہ تک محیط ہے۔ نجد میں ایک قسم کی مرکزی حکومت ہے۔ شمار ایک جاگیرداری حیثیت رکھتا ہے جب محمد علی نے ۱۸۱۱ء میں وہابیوں کا قلع قمع کیا تو وہابیوں نے پھر سر نہ اٹھایا اور آپس کی لڑائیوں میں اپنی قوت زائل کی۔ ۱۸۷۶ء میں شمار کے رئیس محمد ابن رشید کو جس کی قوت بہت بڑھی ہوئی تھی والی بصرہ نے اپنی پوری امداد دینے کا وعدہ کیا تاکہ وہ وہابی فرمانروا عبداللہ ابن سعود کو تخت سے بیدخل کر کے خود قابض ہو جائے۔ لڑائی بہت دن رہی اور کئی آدمی ہلاک ہوئے۔ بالآخر محمد ابن رشید جس کی ترکوں نے روپیہ اسلحہ اور گولہ باروت سے مدد کی تھی کامیاب ہوا۔ اس نے آپ کو ترکی کا باجگزار تسلیم کیا۔ اور اس کے لئے چند قیمتی گھوڑے اور کئی اونٹ سالانہ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ اس کے معاوضے میں ترکی کی طرف سے بڑی بڑی رقوم جنگی امداد میں دی جاتی تھیں تاکہ وہابیوں کا فتنہ دبا رہے۔

قویت کے واقعے کے بعد ترک محمد ابن رشید کو مبارک کے مقابلے پر بھیجنا چاہتے تھے جس نے ابن سعود کے بیٹے عبدالعزیز کو اس کے مقابلے میں امداد دی تھی۔ ابن سعود بھی اسی کے پاس ٹھہرا ہوا تھا اور اسی کی وساطت سے انگریزوں سے تعلقات بھی پیدا کئے اور ان کی بہت کچھ مدد حاصل کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابن سعود نے نجد کو دوبارہ فتح کیا اور اپنے حریف کو شکست دیکر اور قتل کر کے الریاض میں بحیثیت فاتح داخل ہوا (۱۹۰۱ء) عبدالعزیز ابن رشید میں نہ تو باپ کے مانند قابلیت ہی تھی اور نہ ویسی شہرت رکھتا تھا۔ ترکوں نے اسے بصرے سے کمک روانہ کی لیکن اس پر بھی وہ مقابلہ نہ کر سکا چنانچہ ابن سعود نے شمار کے پایہ تخت حلیل کو بھی فتح کیا (۱۹۰۶ء) یہ امیر نوجوان، مستعد، عالی حوصلہ ترکوں کا دشمن، اور تمام عربستان میں اپنے مصائب و مہمات کی وجہ سے مشہور رہتا تھا۔ اب وہابیت کے پھر ترقی کرنے کی امید بندھ گئی تھی۔ اور ابھی سے عراق عرب اس کی طرف سے خطرے میں تھا۔

دستور ترکی کے دوبارہ نفاذ سے مسئلۂ عرب اور بھی پیچیدہ ہو گیا۔ تمام عرب سردار یہاں تک کہ وہ بھی جو حکومت ترکی کے مطیع و منقاد تھے دستور کے خلاف تھے۔ دستور نے مساوات و آزادی کے اعلان سے ان کے ان حقوق شیوخیت پر دست درازی کی تھی جنھیں وہ عطیۂ ایزدی سمجھتے تھے۔ ۲۳ جولائی ۱۹۰۸ء کے انقلاب کی خبر سے حجاز کے بدوی قبائل میں ایک عام بغاوت ہو گئی۔ مدینہ اور مکہ کے قبضے سے نکل جانے کا اندیشہ تھا لیکن ہر قبیلہ اپنا آپ مختار تھا جس سے ان کی کوششیں پراگندہ رہیں۔ قسطنطنیہ سے فوراً زبردست انتظامات عمل میں آئے اور چودہ پلٹنیں بھیجی گئیں۔

مسئلۂ یمن کو سلجھانے کے لئے ان عرب شیوخ نے امام حمید الدین سے گفت و شنید کی جو عبد الحمید کے زمانے میں رھوڈس کو جلا وطن کئے گئے تھے۔ قسطنطنیہ میں سب لوگوں کو توقع تھی کہ نتیجہ حسب دلخواہ نکلے گا۔ عام طور پر خیال یہ تھا کہ قبائل عرب کی بغاوت حکام حمیدی کے خراب نظم و نسق سے ہوئی ہے۔ چونکہ مطلق العنانی کا دور حمیدی دور کے ساتھ ختم ہو چکا اس لئے وہ تمام خرابیاں بھی جو اس عہد کا نتیجہ تھیں دور ہو جائیں گی۔ نمایندگان حجاز و یمن کا بھی جو قسطنطنیہ سے نامزد کئے گئے تھے یہی خیال تھا۔ ترکی اخبارات نے آزادی کے وسیع اثرات پر ایسے معرکۃ الآرا مضامین لکھے کہ امام یحییٰ نے دستور قائم ہونے کے ساتھ ہی اپنی اطاعت کا ارادہ ظاہر کیا لیکن یہ سب باتیں عوام کے شورش انگیز خیالات میں اصلاح کرنے کی غرض سے تھیں۔

پارلیمنٹ کمیشن نے جب وزیر جنگ سے یمن میں فوجی نقل و حرکت اور انتظامات کے متعلق رپورٹ پیش کرنے کا مطالبہ کیا تو اس نے بصیغہ راز ایک یادداشت پیش کی جس میں بتایا کہ یمن کو فتح اور باغیوں کا انسداد کرنے کے لئے ساٹھ ہزار کی فوج بھیجنے کی ضرورت ہے جس میں سے موسمی حالت اور ملک کی تہی مائیگی پر نظر کرتے ہوئے جملہ چالیس ہزار آدمی میسر آسکیں گے۔ موجودہ حالات کے اعتبار سے اس قدر فوج کی فراہمی کوئی آسان بات نہ تھی کیونکہ یورپ کی فوجیں یورپ سے نہیں ہٹائی جا سکتی تھیں۔ اب رہیں ایشیا کی فوجیں تو وہ

خصوصاً عربوں کا پانچواں اور چھٹا رسالہ قابل اعتبار نہ تھا۔ رپورٹ میں یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ ترکی کو سر دست یمن اور اشور کے ساحل پر مستحکم طور پر قبضہ کرنا چاہیئے تاکہ صنعا اور مناشا کی حفاظت ہو سکے اور بحر احمر میں ایک جنگی جہاز متعین کرنا چاہیئے جو سامان جنگ کی تجارت میں مزاحمت کرے۔ ان انتظامات کے بعد اس کو جارحانہ کارروائی کے لئے موقع کا منتظر رہنا ہوگا۔ اس رپورٹ پر گورنمنٹ نے تنظیم یمن کے متعلق ایک تجویز پارلیمنٹ میں پیش کی جس کی رُو سے تمام ساحلی مقامات حسب سابق باب عالی کے قبضے میں رہتے تھے۔ باقی تمام ملک ایک ولایت کی صورت میں امام کے تحت دس سال کے لئے دیا جاتا جو خود مختار رہے گا اور سالانہ ایک معین خراج ادا کرے گا۔ اس کے علاوہ امام کو فوجوں سے بھی گورنمنٹ کی مدد کرنی پڑے گی جس کے معاوضے میں گورنمنٹ ان عرب قبائل کو اس کا مطیع بنائے گی جو اس کی حکومت کو تسلیم نہ کریں گے۔ یہ انتظام گویا حکومت یمن سے دستبرداری تھا۔ یہ سچ ہے کہ ساحلی علاقے اور صنعا پر ترکی کا ہی قبضہ رہتا جہاں سے بعد میں جنگی انتظامات عمل میں لائے جا سکتے تھے لیکن باب عالی کا یحییٰ حمید الدین کو امیر یمن تسلیم کرنا قبائل حجاز و عراق عرب کی نظر میں حکومت کی بیوقعتی کا باعث ہوتا۔ اس تجویز کو چیمبر نے نامنظور کیا لیکن عثمانی پارلیمنٹ نے اس کی تعمیل کرائی ۱۹۱۳ء میں فرمان سلطانی نے اس انتظام کو منظور کیا۔

۱۹۰۹ء میں اشور میں ترکوں کا ایک نیا دشمن پیدا ہوا۔ اس کا نام ادریس تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ قدیم شاہان یمن کی اولاد سے تھا۔ اس سے پہلے اس کی زندگی ہندوستان میں گزری تھی حکومت برطانیہ کی طرف سے اس کو کچھ وظیفہ بھی ملتا تھا۔ تقریباً ۱۹۰۴ء میں وہ عربستان میں ایک معمولی حاجی کی حیثیت سے وارد ہوا اور اس کے بعد بہت جلد اپنے تقدس کی وجہ سے شہرت حاصل کر لی ایک مدت مدید تک وہ نجد میں رہا اور وہابی عقائد اختیار کیئے۔ پھر وہاں سے اشور چلا گیا جہاں وہابیت کا بہت زور تھا۔ ۱۹۰۸ء میں اشور میں کئی چھوٹی بغاوتیں ہوئیں لیکن چونکہ ان کے کچھ ایسے اہم نتائج نہ نکلے تھے اس لئے انھیں اہمیت نہیں دی گئی۔

جولائی ۱۹۰۹ء میں ایک عام بغاوت ہوگئی۔ اوریس نے اپنے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور اشور کے قبائل کی معیت میں یمن میں داخل ہوا جہاں کچھ قبیلے اس کے طرفدار ہو گئے۔ آج وہ اشور میں خودمختار حکمراں ہے ترکوں نے اس کے ساتھ مثل یحییٰ کے معاہدہ کرنا چاہا لیکن اس نے حقارت کے ساتھ اسے نامنظور کر دیا۔

وزارت حقی پاشا کا خاتمہ۔ اطالیہ سے جنگ

زوال حقی پاشا۔ اطالیہ طرابلس میں

چیمبر (پارلیمنٹ) نے برخواست سے پہلے کابینۂ وزرا کے لئے اپنا اعتمادی ووٹ بہت ناراضی کے ساتھ دیا تھا۔ اس جبری تائید سے قوت حاصل کرکے حقی پاشا نے پارلیمنٹ کے دوبارہ انعقاد تک ٹھہرنے اور مجلس وزرا کی تمام ذمہ داری نمائندوں کے سر رکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ نمائندوں کو صدر اعظم کے تقرر کا اختیار نہیں اسی لئے وہ اس کو کسی طرح سے معزول نہیں کر سکتے وزرا کمیٹی کا کھلونا تھے وہ ہمیشہ انھیں اپنی مرضی پر مامور و برطرف کرتی تھی حقی پاشا کو بھی اس نے برطرف کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ لیکن صدر اعظم کے اس مقابلے پر اس کو بھی حیرت تھی۔ اور حالت یہ تھی کہ جیسا جیسا حقی پاشا صدارت عظمیٰ پر بحال رہنے کی کوشش کرتا جا رہا تھا گتھیاں اور پیچیدہ ہوتی جا رہی تھیں۔ وزرا ایک ایک کرکے علحدہ ہو رہے تھے چنانچہ اندیشہ تھا کہ پارلیمنٹ کے انعقاد پر کہیں صرف صدر اعظم ہی نہ رہ جائے جو اس اثنا میں تمام مستعفی وزرا کی خدمات انجام دے رہا تھا جب لغوم پاشا کے انتقال سے سفیر پیرس کی جگہ خالی ہوئی تو رفعت پاشا نے اپنے جلیل القدر عہدۂ وزیر خارجہ سے دست بردار ہو کر اس خدمت کو قبول کر لیا۔ اس کے

چند دن بعد خلیل بے وزیر داخلی نے استعفا دیا (۸ ستمبر)۔ اس کے مستعفی ہونے کا سبب حسین کاظم بے مدیر شہر کا مستعفی ہونا تھا جس نے اشاعت ہیضہ کے زمانے میں میونسپلٹی کی بے پروائی کی بنا پر استعفا دیا تھا۔ ان سب پر طرہ یہ تھا کہ وزیر جنگ اور وزیر مالیہ ایک دوسرے کے سخت مخالف تھے اور صدر اعظم وزیر جنگ کی در پردہ مخالفت کر رہا تھا۔

نائل پاشا اور محمود شوکت پاشا میں اسی قسم کی لڑائی تھی جس قسم کی جاوید بے اور موخر الذکر میں تھی۔ پہلے اگر موازنہ جنگی کے انتظام کے متعلق تھی تو اب تخفیف موازنہ جنگی کے لئے تھی نائل بے چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طریقے سے بھی اس موازنے میں ایک لاکھ ترکی پاونڈ تخفیف کئے جائیں محمود شوکت پاشا اس تخفیف کا بالکل مخالف تھا چنانچہ اس کا اعتراض یہ تھا کہ اس بے محل تخفیف سے موجودہ فوج میں بھی تخفیف کرنی پڑے گی۔ آخر جب ہر طرف سے اس کو مجبور کیا گیا تو اس نے اس ایک لاکھ کی تخفیف کو قبول کر لیا لیکن جب ایک مخالف اخبار میں یہ اطلاع شائع ہوئی کہ نائل بے اور حقی پاشا کی توجیہات کو تسلیم کر کے وزیر جنگ نے ایک لاکھ کی تخفیف منظور کر لی ہے تو محمود شوکت پاشا نے سرکاری طور پر اس کی تردید کی۔ سرعسکری کے اخبار میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر یہ افواہ ایسی ہی اڑتی رہی تو وہ مستعفی ہو جائیں گے۔ اس پر اس کے مخالفین نے فوج میں اس کا وقار گھٹانے کی کوشش کی اور واضح کیا کہ وہ ایک ادنیٰ درجے کا حریص آدمی ہے جسے نہ تو فوج سے ہی دلچسپی ہے اور نہ سپاہیوں ہی کی فکر ہے۔ یہ جاہلانہ حملہ سالونیکا کے ایک اخبار "صلاح" نے کیا تھا جو اپنی متعصبانہ حب الوطنی کے لئے مشہور اور جس کے کارپرداز مالی و فوجی حکام تھے۔ ۲۱ ستمبر کے نمبر میں "صلاح" میں ایک مضمون بعنوان "ہم کو مطلق العنان حکومت کی ضرورت نہیں" شائع ہوا جس کو کسی قسطنطنیہ کے اخبار کی جرات نہیں ہوئی کہ شائع کرے۔ یہ تمام مضمون وزیر جنگ کی لعنت وملامت سے بھرا ہوا تھا۔ ہم یہاں بجنسہٖ اس کی نقل درج کرتے ہیں تاکہ محمود شوکت کے دشمنوں کی چالبازیوں کا حال معلوم ہو۔

"اس سے کوئی معقول شخص انکار نہیں کرسکتا کہ مختلف مہمات میں تمھاری بے پروائی اور ڈاکٹروں کی عدم موجودگی سے کئی سپاہی ہلاک ہوئے۔ کل کے مضمون میں ہم نے انگورہ کے فوجی دستے کی تعداد اموات کو بتایا تھا۔ یہ سپاہی مٹرو وٹزا سے سالونیکا کو سامان بھرنے والی گاڑیوں میں بھیجے گئے تھے۔ ان میں سے آدھے تو ہیضے سے مرگئے۔ باقی جو تھے انھیں ریل کی سڑک پر چھوڑ دیا گیا۔ یمن میں کئی سپاہی حمل ونقل کا کافی انتظام نہ ہونے کے باعث اور افسر اعلیٰ کی عدم نگہداشت کی بدولت لقمۂ اجل ہوگئے۔ جنگی موازنے میں ایک لاکھ کی تخفیف کا مسئلہ کبھی ختم نہ ہوگا اور ہماری سرزمین کے سپوت صحرا وبیابان میں یونہی مرتے کھپتے رہیں گے۔

اس ابتری اور خرابی نظم ونسق سے ایک بڑے جرم کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ اور اس میں ذرا بھی شک نہیں۔ مجرم چھٹے پھر رہے ہیں۔ انھیں کوئی سزا نہیں دی جاتی۔ کیا قوم اپنے فرزندوں کو فوج کے نذر اسی لئے کرے کہ وہ ایک دو بڑے آدمیوں کی بے پروائی کی وجہ سے صحراؤں اور ریگستانوں میں موت کا شکار ہوں؟ کیا سرزمین وطن کے یہ سپوت جو ملک کے محافظ ہیں اسی قسم سے خشکی میں لومڑیوں اور گدھوں اور سمندر میں مچھلیوں کا شکار ہوتے رہیں گے۔ کیا ایک محبّ وطن بھی ایسا نہیں جو ہمت کرکے ان خرابیوں کا ازالہ کرے۔ محکمۂ سرعسکری میں سیاسیات، قضایائے رقمی، مالیات اور مطلق العنانی میں سب ہنہمک ہیں۔ صرف ایک شخص اس فوجی بدنظمی کا ذمہ دار ہے۔ قوم کو اچھی طرح سے یہ حق ہے کہ فوج کی نگہداشت اور اس کی بقا کے متعلق اپنا اطمینان کرے۔ وزیر جنگ کا سابق رفیق فوجی لفٹننٹ حسین مدیر خصوصی "صلاح" و محرر مضمون ہذا یہ سوال کرتا ہے کہ وہ کس نے انھیں وزیر جنگ بنایا، کس نے ان کے نام کو روشن کیا اور کس نے ان کا سکہ بٹھایا۔ اور آخر میں کس نے قابض افواج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ اگر یہ سب ہماری بدولت ہے تو تم اپنی خدمت کے مستحق ہو اور اگر یہ ہماری بدولت نہیں ہے تو تم اپنی خدمت کے سزاوار نہیں۔

اس غریب ملک پر تمھیں کس لئے رحم نہیں آتا۔ اور کس لئے تم فرایض خدمت کے بجا لانے میں کوتاہی کر رہے ہو۔ اگر تم میں قابلیت ہے تو فوج کا معقول انتظام کرو۔ اگر یہ نہیں ہے تو اپنا راستہ لو۔ قوم کو ایک مطلق العنان کی چنداں ضرورت نہیں۔

اگر تمھیں خدا کی محبت ہے تو اس ظلم اور اس مطلق العنانی سے ہاتھ اٹھاؤ اور ضوابط دستور کی پابندی کرو اور ہمارا ساتھ دو۔

مضمون کا یہ طویل اندراج فوجی لیگ کی تدابیر سمجھنے کے لئے ضروری تھا اس مضمون سے بخوبی ظاہر ہو جائے گا کہ کس طرح محمود شوکت کے مخالفین اس کی معزولی کی فکر کر رہے تھے۔ آخر اسی فوجی لیگ کی بدولت وہ ۱۹۱۲ء میں معزول ہوا لیکن پارلیمنٹ کے دوبارہ انعقاد کے پہلے ہی وزارت حقی پاشا کا خاتمہ ہو گیا چنانچہ جب اطالیہ نے طرابلس کے معاملے میں ترکی کو اعلان جنگ دیا تو اس کے ساتھ ہی ساتھ ۲۹ر ستمبر کو حقی پاشا مع اپنے وزرا کے مستعفی ہو گیا۔ عید بیرم کے پہلے روز ۱۲ر تاریخ کو صدر اعظم کو اطالیہ کا ایک نوٹ ترکی سفیر روما کے ذریعے سے وصول ہوا جس میں سلطنت عثمانیہ سے طرابلس اور سائرینیکا میں اطالوی برتری کو باضابطہ طور پر تسلیم کرنے کی درخواست کی گئی تھی۔ فوراً محلسرائے سلطانی میں مجلس وزرا منعقد ہوئی اور مارشل فان بائبرسٹین سفیر جرمانیہ سے قیصر کی ثالثی کے متعلق مشورہ لیا گیا حقی پاشا نے کارروائی کو تعویق میں ڈالنے کی غرض سے سیف الدین ترکی سفیر روما کو جواب دیا کہ وہ مارکوئیس دی سان گلیانو سے اطالوی مطالبات کے متعلق واضح طور پر دریافت کرے کیونکہ نوٹ میں یہ مطالبات مبہم طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ ساتھ ہی اس نے ترکی اخبارات میں یہ اطلاع شائع کرا دی کہ جرمنی کی وساطت سے اس معاملے کا تصفیہ ہوگا۔ نیز استامبول کی سرکاری اطلاعات میں یہ بھی لکھا تھا کہ بابعالی کو حکومت اطالیہ کے مطالبات کی سرکاری طور پر اطلاع نہیں ہوئی ہے کیونکہ ایم ڈی مارٹینو نے ابھی تک اس بارے میں سرکاری اطلاع نہیں دی ہے۔ ۲۵ر کو ایم ڈی مارٹینو بابعالی آیا اور اتمام حجت کے طور پر اعلان کیا کہ اگر حکومت عثمانیہ مطالبات اطالیہ کو چوبیس گھنٹے کے اندر

نہیں تسلیم کرے گی تو طرابلس اور سائرینیکا پر فوجی قبضہ کر لیا جائے گا۔ الٹی میٹم میں حسب ذیل پانچ مطالبات تھے:۔

۱۔ طرابلس، بن غازی، اور ادرنہ سے عثمانی افواج کی واپسی۔

۲۔ اطالوی افسروں کے تحت طرابلس میں ایک مسلح پولیس کا قیام جو امن و انتظام کی ذمہ دار رہے گی۔

۳۔ اطالوی حکام کو طرابلس کے تمام محصول خانوں کی حوالگی۔

۴۔ والیان طرابلس کے تقررات میں اطالیہ کی منظوری۔

۵۔ معاشی مراعات۔

الٹی میٹم کی مدت ۲۹ر کو ڈھائی بجے ختم ہوتی تھی۔

مجلس اسی میں کونسل کا ایک غیر معمولی اجلاس ہوا۔ رات کے آٹھ بجے تک کمیٹی ہوتی رہی۔ اس کے بعد وزرا کھانے کے لئے اٹھے۔ نو بجے پھر جو کمیٹی شروع ہوئی تو صبح کے ساڑھے پانچ کو ختم ہوئی۔ مباحثہ بہت زور وشور کا رہا حقی پاشا پر اس کے چند ساتھیوں نے بہت سختی سے نکتہ چینی کی اور نا اہلی اور غداری کے الفاظ بھی زبان پر لائے۔ سعید پاشا صدر مجلس اعیان نے کہا کہ ۱۹۰۲ء میں اطالیہ سے انگلستان اور فرانس کے معاہدے ہوئے تو کابینۂ روما نے باب عالی کو ایک نوٹ بھیجا تھا جس کا باب عالی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نوٹ میں یہ بتایا گیا تھا کہ تا وقتیکہ بحر متوسط کی موجودہ حالت میں کوئی تبدیلی عمل میں نہ آئے اطالیہ بھی طرابلس کے متعلق کسی قسم کا مطالبہ نہ کرے گا لیکن اگر موجودہ حالت میں تبدیلیاں ہوئیں تو اطالوی حکومت کو بھی اس علاقۂ سلطنت میں اپنے اہم تعلقات کے مدنظر فوری انتظامات کرنے پڑیں گے۔ اس زمانے میں حقی پاشا باب عالی کے مشیر قانونی تھے۔ اطالوی نوٹ ان کے پاس پیش کیا گیا۔ ان اطالوی مطالبات کو اس وقت وہ نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ نیز ۱۹۰۹ء میں جب کہ وہ سفیر روما تھے ان کو اطالوی منصوبوں کے متعلق واقفیت حاصل کرنے کا اچھا موقع تھا۔ جب کونسل برخاست ہونے لگی تو حقی پاشا نے اپنا استعفا پیش کیا جو نامنظور کیا گیا لیکن چند گھنٹے بعد اس کو منظور کرنا پڑا کیونکہ واقعات نے بہت جلد

نازک صورت اختیار کر لی۔

۲۹ ر کی صبح کے آٹھ بجے سفیر اطالیہ کو تھرا پیا میں الٹی میٹم کا جواب دیا گیا۔ جواب میں یہ بتایا گیا تھا کہ حکومت اطالیہ کے شرائط باب عالی منظور نہیں کر سکتا۔ باب عالی نے اطالوی معاہدات و اغراض کی ہمیشہ نگہداشت کی ہے۔ جہاں تک معاشی مراعات کا تعلق ہے وہ اطالیہ سے گفت و شنید کے لئے تیار ہے۔ اگر حکومت اطالیہ کو یہ منظور نہیں اور وہ فوجی قبضے کی عمل پیرائی کی طرف رجوع ہو تو حکومت عثمانیہ بھی اپنے فریضے سے غافل نہیں لیکن تمام ذمہ داری اطالیہ پر عائد ہو گی شام کے سات بجے اطالوی سفارت کا ترجمان اعلیٰ نشان تاش جو صدر اعظم کا مستقر ضلع تھا روانہ ہوا حقی پاشا محلسرا میں تھا۔ ترجمان بشکتاش روانہ ہوا اور صدر اعظم کو اطالوی سفیر کا نوٹ پیش کیا جس میں یہ لکھا تھا کہ حکومت عثمانیہ کو جو مہلت دی گئی تھی وہ ختم ہو گئی لیکن اس نے کوئی قابل اطمینان جواب نہ دیا۔ اطالوی حکومت مجبور ہے کہ وہ اپنے حقوق و مصالح اور اعزاز و مرتبت کی نگہداشت کے لئے ان تمام ذرائع سے کام لے جو اس کے اختیار میں ہیں۔ جو واقعات پیش آئیں گے گو وہ کیسے ہی الم انگیز کیوں نہ ہوں وہ لازمی نتیجہ ہیں اس طرز عمل کا جس پر ایک مدت مدید سے عثمانی ارباب حل و عقد کاربند ہیں۔ چونکہ ان ہر دو ممالک میں اب امن و دوستی کے تعلقات باقی نہ رہے اس لئے اطالیہ اس وقت سے آپ کو ترکی کے ساتھ برسر جنگ خیال کرتا ہے۔"

اس میں شک نہیں کہ اطالیہ نے اس معاملے میں جہالت سے کام لیا لیکن ساتھ ہی ترکی کے اہل السیاست نے بھی اپنی حیرت انگیز نااہلی کا ثبوت دیا۔ نہ تو حقی پاشا نے نہ وزیر خارجہ رفعت پاشا نے اور نہ عثمانی سفرا نے اطالیہ کے ان ارادوں کے متعلق نہ کچھ خبر ہی رکھی تھی اور نہ قیاس سے ہی کام لیا تھا۔ حالانکہ خطرے کے آثار پیدا تھے لیکن حالات سے اس قدر بے خبری تھی کہ موسیو دے مارٹینو نے جس روز اطالوی نوٹ دیا اس کے ایک روز آگے حقی پاشا نے ترکی اخبارات میں یہ اطلاع شائع کرائی کہ وہ چند روز میں میرین باد روانہ ہو گا۔ مسئلۂ طرابلس پہ کچھ روز تک بحث بھی ہوئی تھی قسطنطنیہ کے اطالوی سفیر نے

طرابلس میں اطالوی کاروبار کے متعلق ترکی حکام کی پیش از پیش مخالفت اور وار الخلافت اور صوبجات کے اخبارات کی اطالیہ کے متعلق تہتک آمیز زبان کے بارے میں بابعالی سے کئی مرتبہ شکایت کی تھی لیکن سوائے زبانی جمع وخرچ اور ترکی کی مصالحت پسندی کی طرف سے اطمینان دلانے کے عملی طور پر ان شکایات کا انسداد نہیں کیا گیا تھا۔ اسی عدم نتیجہ کی بنا پر اور خود اس کے تساہل کی وجہ سے دفتر خارجہ نے بیرن میٹرولیس پلانشس کو قسطنطنیہ سے واپس بلا لیا اور اس کی جگہ یم ڈی مارٹینو کو مقرر کیا۔ ایم ڈی مارٹینو نے بابعالی کو ایک یادداشت بھیجی جس میں ان تمام شکایات کو بیان کیا تھا جو طرابلس اور سلطنت عثمانیہ کے دوسرے صوبجات کے اطالویوں کو ترکی سے تھیں۔ اس یادداشت میں گیارہ باتوں پر توجہ دلائی تھی۔ حقی پاشا نے جو صدارت عظمیٰ کے ساتھ وزارت خارجہ کی خدمت کو بھی انجام دے رہا تھا صرف ایک امر متنازعہ کا جواب دیا تھا جو عدنہ کی ایک نوجوان لڑکی کو بھگالے جانے اور بجبر مسلمان بنانے کے متعلق تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ سفارت اطالیہ اس امر میں اصولاً حق بجانب ہے لیکن قانون قرآنی کی رو سے اس نوجوان لڑکی کو واپس نہیں دیا جا سکتا۔ اب رہے طرابلس کے متعلق مطالبات تو حقی پاشا نے ان کا کوئی جواب نہیں دیا۔

اطالیہ کے اعلان جنگ کرنے کے اغراض بادی النظر میں بجا اور واجبی نہ تھے۔ ۱۶ ، ۱۷ دسمبر ۱۹۱۳ء کو ایم کیولوئی نے اطالوی چیمبر میں طرابلس کے عاجلانہ حملے کی تحریک کا سبب اغادر کے متعلق جرمنی کے طرز عمل کو قرار دیا تھا۔ جرمنی اور فرانس میں مراکش کی تقسیم ہو رہی تھی اور اطالیہ کو خوف تھا کہ علاقہ بحر متوسط میں فرانسیسی مملکت کی توسیع اور جرمنی کو معاوضات دیے جانے کی وجہ سے کہیں وہ خالی ہاتھ نہ رہ جائے۔ طرابلس اس کا معاوضہ قرار دیا گیا تھا اور فوراً بندوبست نہ کرنے کی صورت میں اس کے ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ تھا۔ طرابلس پر قبضہ کرنے میں اس کو کسی قسم کی مشکل نہ تھی کیونکہ انگلستان اور فرانس نے اپنی غیر جانبداری کا اطمینان دلایا تھا۔ انگلستان کی طرف سے اس کو مہ[illegible]سانہ تھا اور جرمنی کی طرف سے بدگمانی کرنے کے کافی وجوہ تھے۔ اور عام طور پر افواہ یہ

تھی کہ اطالیہ کی طرابلس حاصل کرنے کی کوشش کے ساتھ ہی جرمنی طرابلس پر اپنا قبضہ کرلے گا۔ اس کے متعلق بیرن وڈی مارشل سفیر جرمنی نے جنگ یا فتح کرنے کے بغیر ہی قسطنطنیہ میں ایک معاہدہ مرتب کیا تھا جس کی رو سے طرابلس ایک جرمن کمپنی کے اقتدار میں دیا گیا تھا۔[1]

اطالیہ کے اعلان جنگ کا نتیجہ زوال مجلس وزارت حقی پاشا تھا۔ جونہی سفارت اطالیہ کا ترجمان اول اطالیہ روانہ ہوا صدر اعظم نے سلطان کو اپنا اور اپنے رفقا کا استعفا پیش کیا جو فوراً منظور ہوا۔ سلطان نے احمد رضا بے صدر پارلیمنٹ کو حکم دیا کہ وہ فوراً سابق صدر اعظم سعید پاشا صدر مجلس اعیان کو محلسرا میں بلا لائے۔ ایک گھنٹے کی مشورت کے بعد سعید پاشا نے صدارت عظمیٰ کو قبول کیا۔ ۳۰ ستمبر کو اس نے باب عالی میں صدارت عظمیٰ کا جائزہ حاصل کیا۔

استامبول میں غصے کی آگ بھڑکی ہوئی تھی۔ جنگ اور جہاد کے الفاظ کمیٹی کی زبان پر تھے اور یہی ترکی اخبارات کی بھی زبان تھی۔ لیکن سوال یہ تھا کہ ترک اگر اطالیہ سے جنگ کرتے تو کس طرح کرتے اور کیونکر طرابلس کو بچا سکتے تھے جب کہ سمندر پر اطالویوں کا قبضہ تھا جب کہ ترکی بیڑا جو بیروت سے درۂ دانیال آتے وقت دشمن کی گرفت سے نکل جانے پر ہی خوش تھا، باسفورس میں مقیم رہتا۔[2]

---

[1] ۔ "نیز یہ بھی کہا گیا تھا کہ طرابلس پر انگلستان کا دانت ہے اور اطالیہ کو جس نے انگلستان کے اس ارادوں سے مطلع کیا وہ جرمنی تھا۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ انگلستان اور جرمنی دونوں کے طرابلس کے متعلق ایک ہی خیالات ہوں۔ اور دونوں کو اطالیہ کا یہ طرز عمل برا معلوم ہوا ہو۔"

[2] ۔ ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ کیوں امیر البحر آبدی نے ترکی بیڑے کو بچ جانے دیا حالانکہ وہ کوئلے کی قلت سے آہستہ جا رہا تھا۔ کہتے ہیں کہ امیر البحر کی جنگی نقل و حرکت مجلس وزارت روما کی خاص ہدایات کی وجہ سے عمل میں نہ آ سکی۔ طرابلس میں مجلس صرف فوجی مظاہرہ کرنا چاہتی تھی۔ ترکوں کے ساتھ یہ رواداری محض اس لئے تھی کہ ترک اطالیہ کی طرف سے جنگی انتقامات کی طرف مجبور نہ ہوں۔ مجلس نے یہ بہت بڑی غلطی کی۔ بیڑے کے قبضے سے جنگ کا پہلے ہی وہلے میں خاتمہ ہو جاتا۔

اور جب کہ طرابلس اور سائرینیکا میں معدود چند ہزار ترکی فوج تھی جس کی نہ رسد
اور نہ فوج سے مدد کی جا سکتی تھی۔ اس سوال پر پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔
یہ ایک معمولی مسئلہ تھا۔ دراصل ترک اشیائے اطالیہ کا مقاطعہ اور حکومت عثمانیہ میں
اس کی برآمد پر گراں قدر محاصل عائد کر کے تجارتی جنگ کرنا چاہتے تھے۔ ترکی
اخبارات میں تمام معاشیین اسی امر پر زور دے رہے تھے کہ اگر میدہ، گندھک
اور روئی کی اشیاء کی برآمد ترکی میں بند کر دی جائے تو اطالیہ کی مالی حالت پھر
پنپ نہیں سکتی اور اس کی بحری تجارت کو ناقابل تلافی نقصان ہوگا۔ اب رہا
طرابلس تو اس کی محافظت ترک سپاہی اور مسلمانانِ افریقہ کریں گے۔ طرابلس میں
ترکی فوج (کاغذ پر) سترہ دستے پیدل، دس دستے سوار، اور چھ بیٹری توپخانے،
پر مشتمل تھی۔ اور اس طرح سے بارہ ہزار محاربین تمام صوبے میں پھیلے ہوئے تھے۔
اس کے سوا پچیس ہزار سپاہ کی فوج ردیف وار تھی جس کی تعلیم ترکی افسروں کے
زیر اثر ہوئی تھی لیکن یہ سب فوج اس بڑی فوج کا ایک حصہ تھی جس سے اطالیہ کو
نبرد آزما ہونا پڑتا اور جس کی تعداد ترکی اخبارات کے مطابق حسب ذیل تھی:۔
چالیس ہزار ترکی و عرب سوار، فوج طرابلس سے؛ بیس ہزار شتر سوار فزن سے
(یہ یاد رہے کہ فزن کی جملہ آبادی ایک لاکھ آدمی سے زیادہ نہ تھی) بیس ہزار محاربین
غدامسی سے جس کی جملہ آبادی میں اتنے آدمی نہ تھے۔ تیس ہزار کی فوج وداعی سے؛
تیس ہزار برغو سے؛ پینتیس ہزار مصری بدوی، اور تیس ہزار رنگروٹ تونس،
الجزائر وغیرہ سے؛ جنرل محمد پاشا، عبد القادر کا بیٹا اور سابق میں عبد الحمید کا
مقرب تھا۔ عبد الحمید نے اس کو فیلڈ مارشل بنایا تھا اور عثمانی رعایا میں شامل ہونے
کی وجہ سے معاوضے میں ایک بڑی رقم دی تھی۔ اس نے اب ترکی اخبارات کو
ایک خط اس مضمون کا لکھا کہ وہ طرابلس کو روانہ ہونے اور وہاں جا کے اطالیوں
کے خلاف تمام آبادی کو لڑائی پر آمادہ کرنے تیار ہے۔ اس نے لکھا تھا کہ میرے
باپ نے فرانسیسیوں کے ساتھ تیس سال تک جنگ کی (و)، میں اطالیوں کے ساتھ
پچاس سال تک جنگ کروں گا"

حکومت اطالیہ نے دول کو یقین دلایا کہ ترکی اور اطالیہ کی جنگ صرف

طرابلس کی حد تک محدود ہے۔ اس لحاظ سے یوروپین ترکی اس کی نبرد گاہ سے باہر ہے۔ اگر یوروپ میں اس پر حملہ کیا جائے گا تو وہ صرف اپنی مدافعت سے آگے نہ بڑھے گی۔ یہ پیش بندی اس وجہ سے اچھی ہوئی کہ ساحل اپیرس سے کچھ مسافت پر اطالیہ کی طرف سے گولہ باری کی گئی تھی اور ڈیوک ابرزی نے جس کے ذمے دریائے آیونیا کے اطالوی مقبوضات کی حفاظت تھی مدافعت کے لئے جارحانہ جنگ کو مناسب خیال کر کے پریویزا پر حملہ کیا اور ایک تارپیڈو کشتی کو غرق اور دوسری کو گرفتار کیا تھا۔ آسٹریا کے احتجاج پر کابینۂ روما نے اپنے وعدے کی تجدید کی کہ علاقۂ ایڈریاٹک جنگ کا اکھاڑا نہ بنایا جائے گا۔

قسطنطنیہ کو الٹی میٹم بھیجے جانے کے قبل ہی اطالوی بیڑا امیرالبحر آبری کی سرکردگی میں روانہ ہو چکا تھا۔ ۲۹ر ستمبر کو یہ بیڑا طرابلس پہنچا۔ جب اطاعت کے لئے کہا گیا تو اہل طرابلس نے انکار کر دیا۔ ۳۰ر ستمبر کو بمباری شروع ہوئی۔ ۷ر اکتوبر کو کمانڈر کاگنی نے سترہ سو ملاحوں کی معیت میں اس پر قبضہ کیا۔ امیرالبحر آبری نے یکے بعد دیگرے توبروک اور حمص پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد بن غازی پر حملہ کیا جو ۲۰ر اکتوبر کو تیس گھنٹے کی خونریز لڑائی کے بعد فتح ہوا۔ بربری میں اطالویوں کا خیال صرف فوجی مظاہرہ کی حد تک ہی تھا لیکن ان کا یہ خیال بہت جلد غلط نکلا۔ یہاں کے عرب قبائل کی تمام تر گزر بسر بردہ فروشی اور اسلحہ کی ناجائز تجارت پر تھی۔ اطالوی قبضے سے ان کو اپنی تباہی کا خوف تھا اس لئے انھوں نے اطالوی فوج کی شدید مزاحمت کی۔ ترکی کی باقاعدہ فوج نے بندرگاہوں کا تخلیہ کر دیا تھا لیکن عرب کنٹنجنٹ کی کمک پر پہنچ کر اطالیہ کی خشکی کی فوج آنے سے پہلے ہی کمانڈر کاگنی کے جہازوں کو غرق کرنے کی کوشش کی اطالویوں پر سوار اسقط میں اچانک حملہ کر دیا گیا جس کی وجہ سے مجبوراً انھیں شہر بند ہو جانا پڑا۔ ۲۳ر اکتوبر سے ۲۶ر اکتوبر تک انھوں نے نہایت جانبازی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ آخر عربوں اور ترکوں کو پسپا ہونا پڑا لیکن اس معرکے میں اطالویوں کو بھی شدید نقصانات برداشت کرنے پڑے۔

۵ر نومبر کو حکومت اطالیہ نے الحاق طرابلس کا اعلان کیا اس اعلان کے جواب میں

باب عالی کی طرف سے ایک متین و موثر احتجاج شائع ہوا جس میں ترکی کے ناقابل منتقل اور لا یزال حقوق کی توثیق کی گئی تھی۔

اس اثنا میں طرابلس پر کمک بھی پہنچ گئی۔ ۲۶ نومبر کی جنگ میں جنرل کانیوا نے شہر کو دشمن سے بالکل پاک کر دیا اور وادی عین زارا تک اس کا تعاقب کیا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس نے اس مقام پر قبضہ بھی کیا جو اب تک عربوں کا اسلحہ خانہ بنا ہوا تھا۔

ترکی اخبارات میں موجودہ جنگ کے متعلق جتنے مضامین شائع ہو رہے تھے ان میں اطالوی ہزیمتوں کا ایک طومار رہتا تھا۔ اطالوی مقتولین کی تعداد ڈھائی ہزار سے چار ہزار تک کے مقابلے میں ترکی مقتولین ایک یا دو اور مجروحین بارہ سے بڑھتے نہ تھے۔ ان اشاعتوں کی وجہ سے ترکی کی رائے عامہ جنگ کی خواستگار تھی۔ اطالویوں کی گردن جھکانے کے لئے معاشی جنگ کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ ترکی اخبارات کی رو سے اطالیہ کی تجارت ترکی کی بدولت تھی۔ جنگ کا خاتمہ اور اطالیہ کو تباہ کرنے کے لئے ان کی نظر میں اطالوی پیداوار کا مقاطعہ اور اطالوی اشیا کی قیمت پر سو فیصدی محصول عائد کرنا کافی تھا۔ اس کے سوا کمیٹی کے اس بارے میں کچھ عجیب و غریب خیالات تھے۔ ایک انگریز سیاست داں مسٹر ڈبلیو ٹی اسٹیڈ ترکوں کو اپنی طلاقت لسانی سے تسلی دینے قسطنطنیہ آیا تھا۔ اس کا قول تھا کہ "چونکہ مبدء پر لہو ہے"[له] اس لئے دنیا کے تمام امن پسند اطالوی مقاطعے میں ترکوں کا ساتھ دیں گے۔ ساتھ ہی مسٹر اسٹیڈ کی یہ تجویز تھی کہ ایک پارلیمنٹی وفد تمام دار الخلافتوں میں بھیجا جائے اور ہر ملک کی رائے عامہ کے ذریعے سے اطالیہ کو اس امر پر مجبور کیا جائے کہ وہ مسئلۂ طرابلس میں مجلس ہیگ کی ثالثی کو قبول کرے۔

مسئلے کی صورت حال سے اگر واقف تھی تو مجلس وزارت تھی۔ وزرا صلح

له۔ یہ مسٹر اسٹیڈ کے خاص الفاظ ہیں جو ان نامۂ کچھ جنگ طرابلس اور ثالثی کے خاتمے پر کہے تھے جو ۲۴ اکتوبر کو قسطنطنیہ میں صیدہ ہالنڈ میں دیا گیا تھا اور جو ۵ نومبر اکتوبر کو شائع ہوا۔

سکے لئے طرابلس کو بھی بھینٹ چڑھا دینا چاہتے تھے ۔ ۱۶ ؍اکتوبر کو چیمبر کا خاص اجلاس شروع ہوا ۔ ۱۹ ؍ کو ارکان مقابلہ نے نمایندگان طرابلس کی وساطت سے ایک درخواست پیش کی جس میں حقی پاشا پر الزامات لگائے گئے تھے ۔ پارلیمنٹ نے استعجاب کے ساتھ ان زبردست الزامات کو سنا ۔ استعجاب اس وجہ سے بھی زیادہ تھا کہ صرف حقی پاشا پر ہی مواخذہ نہیں ہوا تھا بلکہ ہر ایک شخص اس لپیٹ میں آگیا تھا کیونکہ یہ واضح کیا گیا تھا کہ ترکی مزاج کی بلا سے سدھر نہیں سکتا ۔

ایک طولانی تمہید کے بعد جس میں طرابلس اور سائرینیکا کی اہمیت اور حکومت حمیدی کی غلط سیاست کو ظاہر کیا گیا تھا نمایندوں کی " تقریر " میں تحریر تھا کہ " کابینہ حقی پاشا نے اپنے فقدان عقل ، بے پروائی اور لاابالی کا ثبوت دیا ہے جس کے ہم پہلے سے خوگر نہ ہوے تھے " اس کے بعد نمائیندوں نے اپنی شکایات کا اظہار کیا تھا ۔ دور قدیم میں فوج طرابلس میں پندرہ ہزار سے بیس ہزار تک آدمی ہوتے تھے ۔ مقامی فوج ردیف کو لوغلی اس کے سوا تھی ۔ یہ ایک دیسی فوج اسی نام اور اسی قسم کی تھی جو الجزائر میں ہورمنٹ کے قبضے کے وقت موجود تھی ۔ طرابلس میں اوسط فوج سترہ دستے پیدل دس دستے سوارہ ، اور چھ بطاریہ توپخانہ ہونی چاہئے تھی لیکن اس فوج کا زیادہ حصہ یمن میں تھا ۔ نتیجہ یہ تھا کہ اعلان جنگ پر طرابلس میں پانچ ہزار سے زیادہ سپاہ نہ تھی اور وہ بھی مجرد کاغذ پر تھی ۔ گزشتہ ڈھائی سال سے باشندگان طرابلس فوج میں بھرتی ہونے کے خواہشمند ہیں ۔ اس کے لئے ضروری اخراجات گزشتہ سال منظور بھی کئے گئے تھے لیکن سولہ ہزار رنگروٹوں میں سے صرف تین ہزار چار سو انتخاب کئے گئے ۔ اب رہی ردیف فوج تو اس کی کوئی تنظیم ہی نہیں ہوئی یہاں تک کہ اس کا کوئی خاکہ بھی کاغذ پر نہیں کھینچا گیا ۔ سابق میں طرابلس میں چالیس ہزار بندوقیں مارٹینی اور سنید رکارخانے کی ہمیا رہتی تھیں تاکہ ضرورت پر کولوغلی فوج کو ان سے مسلح کیا جائے لیکن انھیں قسطنطنیہ موزر بندوقوں سے بدلنے کے لئے بھیجدیا گیا مگر موزر بندوقیں ابھی تک نہ آئیں ۔

ملک قحط سالی کا شکار ہے ۔ مارچ سے جون تک صرف طرابلس میں

نو سوچودہ آدمی فاقے سے ہلاک ہوئے۔ جولائی میں پارلیمنٹ نے طرابلس کو غلّہ بھیجنے کے لئے رقم منظور کی لیکن حکومت نے اس کا انتظام نہیں کیا۔ دور حمیدی میں طرابلس میں منتخب افسر مامور ہوتے تھے۔ جو اہل ملک ان کے عادات، ان کے خصائل اور ان کی زبان سے بخوبی واقف ہوتے تھے۔ اب یہ تمام منتشر کر دیے گئے۔ سول حکام جتنے ہیں وہ اپنے عہدوں پر حقی پاشا کی نظر کرم سے مامور رہیں۔ مرکزی حکومت کی طرف سے طرابلس کے حکام کو نہ تو احکام ہی دئیے جاتے ہیں اور نہ کوئی ہدایات اور اس طریقے سے وہ بے دست و پا ہیں۔

تقریر کا خاتمہ ان الفاظ پر تھا: "اس طرح سے حقی پاشا نے ہمارے آبا و اجداد کے ترکے اور افریقہ کی ہماری موروثی جائداد کو بغیر سپاہی، بغیر ہتھیار، بغیر سامان حرب، بغیر غذا، بغیر حکام، بغیر قانون، اور بغیر رقم رکھا" اس کے ساتھ دستور مرممہ ۱۹۰۹ء کی دفعہ ۳۱ سے وزرا کو عدالت العالیہ میں بغرض انصاف پیش کرنے کی درخواست کی گئی تھی۔ نمایندگان طرابلس کا مطالبہ حسب قاعدہ ایک خاص کمیشن کے پاس بھیجا گیا جس کے ارکان پارلیمنٹ سے منتخب کئے گئے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس کمیشن میں جتنے آدمی تھے وہ سب نمایندگان مقابلہ میں سے تھے لیکن بات تو یہ تھی کہ صرف حقی پاشا ہی قابل الزام نہ تھا۔ رفعت پاشا وزیر خارجہ جو لغوم پاشا کی جگہ پیرس میں سفیر ترکی مقرر ہوا، محمود شوکت پاشا وزیر جنگ جو کابینۂ سعید پاشا میں بھی علیٰ حالہ اپنی خدمت پر رہا، خلیل بے وزیر ممالک داخلی، جسے سعید پاشا اپنا مددگار بنانا چاہتا تھا لیکن جس نے اس خدمت کو نامنظور کیا یہ سب حقی پاشا کی طرح خطاوار تھے۔ محمود شوکت پاشا کو عدالت العالیہ میں پیش کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ خلیل بے کمیٹی کا نہایت با اثر رکن تھا طلعت بے کی جگہ وزارت داخلی پر مامور ہونے سے پہلے وہ جماعت اتحاد و ترقی کی پارلیمنٹی جماعت کا پریذیڈنٹ تھا۔ یہ ظاہر تھا کہ ایسے زبردست ارکان پر بغیر کمیٹی کا تختہ الٹنے کے حملہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

لیکن نمایندگان طرابلس کی "تقریر" نے حقی پاشا کو زک دینے کی کوشش میں خود بخود ایک دوسرا کام انجام دیا جس کی پہلے سے پیش بینی نہیں

کی گئی تھی۔ اس "تقریر" نے اس متعصب فرقے کی سادہ لوحی کو آشکارا کیا جو اخبارات اور پارلیمنٹ میں جنگ کی حمایت میں اس قدر ہنگامہ کر رہا تھا اور یہ ثابت کر دیا کہ طرابلس اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ ترکی اخبارات اپنے سننے والوں کو یہ سنا رہے تھے کہ تمام مسلمانان افریقہ طرابلس کی مدد کریں گے اور اطالویوں کو طرابلس سے بھگا دیں گے۔ ان کے قول کے مطابق چار لاکھ عرب اور حبشی رضاکار اسی مقصد کے لئے فراہم ہو چکے تھے۔ نیز کئی لاکھ مسلمان اور فراہم ہونے والے تھے۔ ان کے علاوہ ستر لاکھ سنوسیوں نے بھی اطالیوں کو تباہ کرنے کی قسم کھائی تھی۔ استامبول کے نیک دل باشندوں کو اس من گھڑت پر یقین آ گیا کہ ممالک متحدہ ترکی کی تائید میں مداخلت کرے گا۔ پہلے یہ خبر مشہور ہوئی کہ چھ مسلح امریکن جہاز ایجین میں آ گئے ہیں تاکہ عثمانیہ بیڑے کے دوش بدوش اطالویوں کے ساتھ نبرد آزما ہوں۔ اس کے چند دن بعد مزید یہ اضافہ ہوا کہ نو جنگی اور دس تباہ کن جہاز اور بیس تارپیڈو کشتیاں مائٹیلین میں آ گئیں۔ ۲۰ اکتوبر کو ایک یونانی اخبار نے اس دروغ بیانی میں اپنے استامبولی بھائیوں سے سبقت لے جانے کے لئے ایک زبردست عنوان سے یہ خبر شائع کی کہ تین سو امریکن جنگی جہاز ورۂ دانیال میں آ گئے۔ اس خبر سے غلطہ کے صرافہ (Bourse) میں کھلبلی مچ گئی۔

صدر اعظم نے جرات کے ساتھ اس خطرے کا مقابلہ کیا۔ رد الزامات کے مقابلے پر جو پُر اثر تقریر اس نے کی اس میں اس نے یہ ظاہر کر دیا کہ ترکی کے پاس اطالوی بیڑے سے مقابلہ کرنے کے لئے کوئی بیڑا نہیں۔ اور اس لئے اب جنگ جاری رکھنے کا موقع نہیں۔ اس نے یہ بھی بیان کیا کہ وہ "سیاست الدول کے ذریعے" عزت کے ساتھ صلح حاصل کرنے کی ہر ممکن طریقے سے کوشش کرے گا۔ اجلاس کے پہلے سب کا یہ خیال تھا کہ کابینہ پر نفرین کا ووٹ دیا جائے گا۔ مجلس اتحاد و ترقی نے جس کی کثیر تعداد تھی مقابلے کے ساتھ اس امر پر اتفاق کیا تھا کہ کابینۂ حقی پاشا کو علیحدہ کر کے ایک جدید کابینہ فوراً ترتیب دینے کے لئے صدر اعظم کو ہدایت دی جائے۔ صدر اعظم کے متعلق طمانیت و ووٹ اسی ایک

صورت میں دیا جاسکتا تھا۔ سعید پاشا نے ان صورتوں کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ بالآخر صدر اعظم کی راست بیانی، اور اس کی تمام ذمہ داری اپنے سر لینے کی جرأت پر کثیر ارکان اس کے طرفدار ہوگئے اور طمانیتی ووٹ بدیں الفاظ دیا۔

"صدر اعظم نے واضح کیا ہے کہ وہ عزت قومی، سیادت عثمانیہ اور اغراض سلطنت کی نگہداشت میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھیں گے۔ اس اعلان پر ارکان پارلیمنٹ آج کے اجلاس میں صدر اعظم کے متعلق اظہار طمانیت کرتے ہیں۔"

یہ تحریر بہت ہی پرمعنی تھی۔ اس طور پر ارکان پارلیمنٹ آپ کو اس گتھی سے نکالنا چاہتے تھے۔ اخبارات مقابلہ نے اس پر رائے زنی کی اور یہ استفسار کیا کہ کمیٹی کیونکر سعید پاشا سے اتفاق کرسکتی ہے جب کہ سعید پاشا نے اپنی تقریر میں صاف طور پر اطالیہ کے ساتھ صلح کرنے کی شدید ضرورت پر زور دیا ہے اور جب کہ خود کمیٹی صلح کی مخالف اور جہاد کی طرفدار ہے۔ اطالیہ کے ساتھ صلح اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب کہ طرابلس اور سائرینیکا کے اطالوی قبضے کو تسلیم کیا جائے۔ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں تو پھر طرابلس پر سیادت عثمانیہ کی نگہداشت کا دعویٰ باطل ہوجاتا ہے۔ اس کے جواب میں ۲۱ر اکتوبر کو اخبار "صباح" میں جس کے ذریعے صدر اعظم کے خیالات و آرا کی اشاعت ہوتی تھی ایک مضمون شائع ہوا جس میں جہاد کی مخالفت کی گئی تھی اور یہ بتایا گیا تھا کہ ایک شریف مقصد کے لئے جان دینا بیشک نیکنامی ہے لیکن محض نیکنامی اور نمائش ظاہری کے لئے قوم کی قوم اپنے کو موت کے منہ میں نہیں دے سکتی۔ جب قوم ہر ممکن قربانیوں کو برداشت کرنے پر تیار ہے تو اسے موت کا خیال نہ کرنا چاہئے۔

سرکاری حلقوں میں عموماً یہ خیال تھا کہ کوئی نہ کوئی سلطنت اس معاملے میں ترکی کی طرف سے مداخلت کرے گی اور اس طرح تائید غیبی سے اس لڑائی کا خاتمہ ہوگا۔ صدر اعظم سعید پاشا نے پارلیمنٹ میں دوسری سلطنتوں سے ترکی کے میل جول کی ضرورت پر تقریر کی تھی اس لئے تمام ترکی اخبارات میں اس بارے میں مضامین شائع ہونے لگے کہ دول یورپ کے دونوں گروپوں میں سے ترکی کے لئے کونسا گروپ مفید ہوگا۔ اب تک تو نوجوان ترکوں نے

تمام دول کے ساتھ اتحاد و اتفاق کا اعلان کرتے ہوئے ان سب پر ائتلاف ثلاثہ یا بالفاظ دیگر جرمنی کے ساتھ اتحاد کو زیادہ ترجیح دی تھی لیکن جب ترکی نے جرمنی سے امداد طلب کی اور قیصر جرمنی نے جو شد و مد کے ساتھ وعدے کئے تھے انھیں یاد دلایا تو جرمنی کی طرف سے سکوت کے سوا کوئی جواب نہ ملا اس لئے اکثر اخبارات کا جرمنی کی طرف سے خیال پلٹ گیا تھا کیپٹلی کا اخبار "تعنین" جرمنی کا نہایت سرگرم حامی تھا۔ برخلاف اس کے مقابلے کا اخبار "تمام وار" ائتلاف ثلاثہ کا مخالف اور اتحاد ثلاثہ کا طرفدار تھا۔ ان دونوں اخبارات میں ایک دوسرے کے خلاف مضامین شائع ہو رہے تھے۔ حسین جاوید بے نے اس بارے میں ایک عجیب مضمون لکھا جس میں اس نے اتحاد روس کے بہت کچھ فوائد بیان کئے تھے۔ اس اتحاد کی بدولت ایک دوسرا اتحاد ایک طرف انگلستان سے اور دوسری طرف فرانس سے لازمی ہو جاتا۔ اس نے اس اتحاد سے خود روس کا جو نفع ہوتا اسے بھی بیان کیا تھا چنانچہ ائتلاف ثلاثہ اور اتحاد ثلاثہ میں جنگ ہونے کی صورت میں روس کو ٹرانس کاکیشیا کی طرف سے کسی قسم کا خدشہ نہ رہتا آبنائے کا سوال بھی اس کے مفاد کے موافق حل ہو جاتا۔ شمال ایران ایرانی حدود میں مداخلت نہ کرنے کی شرط کے ساتھ وہ اپنے خاص اغراض کی بجا آوری میں آزاد رہتا۔ مدحت پاشا کے بیٹے علی حیدر مدحت بے کا بھی یہی خیال تھا۔ ایک اور اخبار کی یہ رائے تھی کہ اگر ترکی ائتلاف ثلاثہ میں شریک رہا تو ائتلاف ثلاثہ اور اتحاد ثلاثہ میں لڑائی ہونے کی صورت میں اس کو فرانس اور انگلستان کے حملوں کا نشانہ بننا پڑے گا۔ کیونکہ ان ہر دو ملک کے جہاز بحر متوسط کے مسلمہ طور پر مالک ہیں۔ اور ان کی مدافعت کے لئے اس کے پاس بیڑا نہیں۔ بات تو یہ تھی کہ ائتلاف ثلاثہ یا اتحاد ثلاثہ کے ساتھ اتحاد کرنے کے لئے وقت مساعد نہ تھا کیونکہ ترکی نے ان دونوں گروپ میں سے کسی ایک کے ساتھ اتحاد کے لئے یہ شرط قرار دی تھی کہ مسئلۂ طرابلس میں اس کی پوری تائید کی جائے گی جو کسی کو بھی منظور نہ تھی۔ آسٹریا اور جرمنی اس شرط کو کسی طرح سے قبول نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اطالیہ کی مخالفت میں ائتلاف ثلاثہ باقی نہ رہتا۔ اتحاد ثلاثہ میں ترکی کے شریک ہونے سے اتحاد ثلاثہ کی بجائے اتحاد اربعہ ہو جاتا۔ برطانیہ عظمیٰ اور فرانس نے اطالیہ کے ساتھ

معاہدہ کر لیا تھا جس کی رو سے اطالیہ نے جنگ کی صورت میں اپنے غیر جانبدار رہنے کا یقین دلایا تھا۔ ترکی سے اتحاد کی ضرورت کو انگلستان اور فرانس غیر ضروری سمجھتی تھیں کیونکہ جرمنی سے جنگ ہونے کی صورت میں ترکی سے امداد کی کچھ زیادہ توقع نہیں ہو سکتی تھی۔

با ایں ہمہ اطالویوں نے طرابلس پر پیشقدمی نہیں کی۔ کئی ترکی افسروں نے بشمول انور بے و فتحی بے جنھوں نے انقلاب ۲۳ جولائی ۱۹۰۸ء میں بہت زبردست حصہ لیا تھا سرحد مصر کو عبور کر کے اور برقہ میں داخل ہو کر مدافعت کی تیاری کی تھی گولہ بارود اور اسلحہ مخفی طور پر یا صحرائے لیبیا کے راستے سے برابر پہنچ رہے تھے۔ عثمانی فوجیں چار ہزار باقاعدہ سپاہی اور تیس ہزار عربوں پر مشتمل تھیں۔ حالات کے لحاظ سے عربوں کی تعداد میں بیشی ہو سکتی تھی کیونکہ عرب محض ترکوں کی طرفداری میں لڑ رہے تھے اور اس لئے ضرورت کے لحاظ سے مجتمع اور منتشر ہو جاتے تھے۔ جنوری ۱۹۱۲ء کے اختتام پر چار ماہ کی جنگ کے بعد اطالویوں نے جن کی فوج افریقہ میں ایک لاکھ تھی صرف ساحل پر ہی ناکافی طور پر قبضہ کیا تھا۔ موقع اور تعویق کے جس طریق پر جنرل کانیوا کاربند تھا اس سے لڑائی کا ختم ہونا ممکن نہ تھا۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ اودونا کے واقعے نے ان پر گہرا اثر کیا ہے۔ طرابلس سے بھی زیادہ اطالوی فوجیں سائرینیکا کے ساحل پر مجتمع کی گئی تھیں۔ وہ بڑا مرتفع حصہ جو بن غازی، اور ادرنہ کے درمیان ساحل کی طرف واقع ہے اور جس کا طول تقریباً تین سو اور عرض ڈیڑھ سو سے دو سو کلو میٹر ہے اب تک عربوں کے ہی قبضے میں تھا حالانکہ اگر ذرا بھی جارحانہ طریقہ کار اختیار کیا جاتا تو ضرور عرب پسپا اور ملک کے اندرونی علاقے میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاتے اگر خشکی میں مدافعتی طریقے کو کام میں لایا گیا تھا تو دریا میں جارحانہ طریقہ اختیار کرنے اور ایجین میں بحری جنگ اور درۂ دانیال پر حملہ کرنے کے بارے میں بہت کچھ گفتگو ہوئی۔ یہ بحری جنگ سالونیکا، سمرنا، اور جزیروں پر بمباری کرنے سے متعلق تھی۔ لیکن سمرنا اور سالونیکا پر بمباری کرنے کا نتیجہ یہی نکلتا کہ ترک

مشتعل ہو کر ان اطالویوں سے اس کا انتقام لیتے جن کی ایک کثیر تعداد اب بھی سلطنت عثمانیہ میں موجود تھی۔ اس کے علاوہ اس میں دوسری سلطنتوں خصوصاً آسٹریا سے مخالفت ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ نیز سالونیکا اور سمرنا پر قبضہ کرنے کے لئے دو دستے فوج کی ضرورت تھی لیکن اس میں ترکی فوج سے مقابلے کے سوا یہ بھی ایک خطرہ تھا کہ کہیں بحری انتظامات پیچھے ہٹا لینے نہ پڑیں کیونکہ ترکوں کی فوجیں تعداد میں بہت زیادہ تھیں۔ جزائر کے قبضے سے سلطنت عثمانیہ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا۔ اب رہا درۂ دانیال تو اطالیہ نے ۲۲ر نومبر سے اس کے محاصرے کا اعلان کیا تھا لیکن اکتوبر سے ترکوں نے نہایت سرگرمی و جانفشانی سے مورچوں پر کام کرنا شروع کر دیا اور چالیس ہزار آدمی درۂ دانیال پر جمع کر دیئے تھے۔ اس طور سے بھی اطالوی درۂ دانیال میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اطالویوں نے داخل ہونے کی کوشش بھی نہیں کی۔ کمانڈر ملّو کی سرکردگی میں آٹھ تارپیڈو کشتیوں کے ساتھ جو حملہ کیا گیا وہ ایک امتحانی طور پر کیا گیا تھا ان طولانی مخالفتوں سے دنیائے سیاست میں کھلبلی پڑ گئی۔ گو جزیرہ نمائے بلقان کی علیٰ حالہٖ بقا کے متعلق ہر سلطنت سرکاری طور پر کیوں نہ اعلان کرے لیکن جزیرہ نمائے بلقان ایک باروت کا پیپا تھا جس کو ہر سلطنت خود ہی دیا سلائی کھینچ کر اڑانا چاہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ دول یورپ نے روس کی رہبری میں محاربین کو التوائے جنگ اور صلح کے لئے اپنے خدمات پیش کئے لیکن طریقۂ مداخلت میں دول کو اختلاف تھا۔ روس ترکی پر دباؤ ڈالنا چاہتا تھا۔ فرانس اور انگلستان کو اس میں پس و پیش تھا۔ جرمنی کو ایک طرف ترکی سے جلب منفعت مقصود تھی تو دوسری طرف اطالیہ سے بحیثیت اپنے حلیف ہونے کے مخالفت نامنظور۔ اس لئے روس کی قوت کو توڑنے کے لئے اس نے اپنی غیر جانبداری کا اعلان کیا۔ آسٹریا ہنگری نے جرمنی کی تقلید کی لیکن ساتھ ہی ساتھ ڈیڑھ لاکھ کی فوج ہرزیگونیا اور بوسنیا میں ترکی سرحد پر تمرین فوجی کے بہانے میں جمع کر دی۔ بالآخر ۱۴ر اپریل کو دول ستہ کے سفرا نے قسطنطنیہ میں وزیر خارجۂ ترکی کو حسب ذیل نوٹ بھیجا۔

"اطالیہ اور ترکی کی باہمی جنگ کا سلسلہ ہر دو فریقین کے لئے نقصان دہ ہے چنانچہ عوام الناس یوروپ کے احساسات کو ملحوظ رکھکر کابینۂ روما کی شرکت سے اس جنگ کو ختم کرنے کے لئے انتظامات عمل میں لائے جارہے ہیں۔ کابینۂ مذکور نے شرائط صلح کے متعلق جو کچھ اپنا نقطۂ نظر ہے اس سے ایما کیا ہے۔ اب دول کی مصالحتی اور دوستانہ طریقے پر حکومت عالیہ ترکی سے درخواست ہے کہ صلح کے متعلق وہ اپنے نقطۂ نظر سے آگاہی بخشے تاکہ اس طرح سے ثالثی پر غور کیا جاسکے۔"

دول کے اس نوٹ سے ترک بہت خوش ہوگئے اب اس پر بحث مباحثے کی ضرورت ان کے نزدیک بیکار تھی چنانچہ عاصم بے نے سفرائے دول کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ وہ آٹھ یا دس دن میں حکومت عثمانیہ کے فیصلے سے انھیں مطلع کرے گا۔ اس بارے میں بابعالی کا جواب وقت سے پیشتر ہی معلوم ہوگیا۔ نہ صرف ترکی کے مختلف المذاہب اخبارات نے اس پر زائد از ضرورت لکھ مارا بلکہ روس کی تحریک ثالثی کے ساتھ ہی حکومت ترکی نے سفرا کے ذریعے سے اطالیہ کے ساتھ مصالحت کے شرائط بڑے اہتمام کے ساتھ بیان کئے تھے۔ یہ شرائط حسب ذیل تھے۔ اعلان الحاق طرابلس وسائرینیکا کی تنسیخ اور اطالوی افواج کا بری سے تخلیہ۔ اس ایک مضمون کو ترکی اخبارات طرح طرح سے بدل بدل کے بیان کر رہے تھے چنانچہ ایک اخبار "تعنین" نے لکھا تھا۔

"بلند رتبہ دول نے ہر دو سلطنتوں کی حالت کا موازنہ خود بخوبی کرلیا ہے اس کے متعلق مزید لکھنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ بابعالی اس وقت تک مصالحت نہیں کرسکتا جس وقت تک کہ اطالوی طرابلس کا کامل تخلیہ نہ کردیں گے۔ بابعالی کے لئے اس کے سوائے اور کوئی چارۂ کار نہیں۔ جب تک طرابلس میں ایک آدمی بھی بندوق سے کام لینے کے قابل ہوگا جنگ جاری رہے گی۔ جس روز سلطنت ترکی طرابلس سے دست بردار ہوگی وہ روز اس کی سیاست ملکی کی تباہی اور غیر ملکوں میں بے وقعتی کا روز ہوگا اس لئے وہ

طرابلس کی آخری وقت تک حفاظت کرے گی...... ہم صلح قبول کرنے تیار ہیں بشرطیکہ اطالوی طرابلس کا تخلیہ کر دیں۔ اگر وہ تخلیہ کے لئے راضی نہیں تو ہم بھی صلح کے لئے نہیں۔ جنگ طرابلس مدافعتی جنگ ہے۔ ہم برسوں مدافعت کر سکتے ہیں۔ بہتر تو یہ ہے کہ دول بجائے فریقین میں صلح کرانے کے چندے اور توقف کریں اور دیکھیں کہ یہ خطرہ جو دنیائے تہذیب کے درپے ہے کس طرح دور کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں اطالویوں کو لازمی طور پر تخلیۂ طرابلس کے لئے مجبور ہونا پڑے گا۔

مارچ میں اطالیہ کا مقصد ترکوں کو صرف مرعوب کرنا تھا۔ اس غرض سے اطالویوں نے بیروت میں ایک جنگی جہاز "عون اللہ" (جو ۱۸۶۹ء میں بنا اور جس کی سنہ ۱۹۰۷ء میں کارخانہ انسالڈو نے مرمت کی تھی) اور گن بوٹ انگورہ کو جلا دیا تھا۔ اب انھوں نے ایجین میں بحری جنگ کرنے کا تہیہ کیا۔ ۱۸ ہر کو امیر البحر ویال کے بیڑے نے درۂ دانیال کے قلعوں پر گولہ باری کی اور جزیرۂ ملناس میں خلیج مودس، اور رھوڈس کے قریب جزیرۂ اسٹا سیلیا پر قبضہ کیا ترکی نے درۂ دانیال کا راستہ تارپیڈو گولوں سے بند کر دیا لیکن جب دول نے تمام دنیا کی تجارت پر اس کا اثر پڑنے کی شکایت کی تو ۲ ہر مئی کو درۂ دانیال کا راستہ کھول دیا گیا۔ ۴ ہر کو جنرل امیگلیو نے رھوڈس پر قبضہ کیا اور اس کے بعد اسی طرح اور بھی جزیرے فتح کئے گئے۔ ۲۳ ہر مئی کو سلطنت عثمانیہ نے ایک جدید انتظام نافذ کیا جس کی سات ماہ سے دھمکی دی جا رہی تھی یہ انتظام ترکی کے تمام اطالویوں کے اخراج کے متعلق تھا۔ پندرہ روز کی مہلت ان لوگوں کو دی گئی۔ مذہبی جماعت، بیوائیں جن کے بچے نہ تھے اور ریلوے لائنوں کے کاریگر اس حکم سے مستثنیٰ کئے گئے تھے۔ کاریگروں کو خارج البلد کرنے کی صورت میں بغداد ریلوے کا کام رک جاتا۔ چونکہ ترک اپنے نیک جرمن دوستوں کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے اس لئے اطالوی کاریگر فائدے میں رہے لیکن حکومت اطالیہ نے خود ان کو کیلیبرین ریلوے لائن کے کام پر طلب کر لیا جس کے قائم کئے جانے کے متعلق رائے منظور ہوئی تھی۔ اطالویوں کے اخراج کے متعلق حکومت عثمانیہ کے پاس اس سے بہتر کوئی حیلہ نہ تھا کہ اسے خود اطالویوں کی حفاظت کے لئے

مفید بتایا جائے۔ طلعت بے وزیر داخلی نے ناظم تحفظ عامہ سے ایک رپورٹ پیش کرائی جس میں عہدہ دار مذکور نے یہ واضح تھا کہ اطالویوں کو جن کے اہل وطن نے طرابلس میں مسلمانوں پر سخت مظالم کئے تھے انھیں قسطنطنیہ میں چلتے پھرتے دیکھکر باشندگان قسطنطنیہ کا صبر ہاتھ سے جاتا رہا ہے اور اندیشہ ہے کہ اطالویوں کے خلاف عام شورش برپا نہ ہو جائے اس لئے اطالویوں کا فوری اخراج مناسب ہے مجلس وزرا میں صدر اعظم سعید پاشا اور وزیر خارجہ عاصم بے اس انتظام کے خلاف تھے لیکن کمیٹی کے آگے انھیں مجبوراً اسے قبول کر لینا پڑا۔

طرابلس میں اطالویوں کی پیشقدمی بڑی مصیبت کے ساتھ قدم بقدم ہو رہی تھی۔ ۸ ہر جون کو انھوں نے وادئی زنظور پر قبضہ کیا جو طرابلس سے چند فرسنخ فاصلے پر تھی۔ اس کے بعد مستورا فتح ہوا جس سے طرابلس کا تمام ساحلی علاقہ ان کے قبضے میں آگیا۔ ترکی میں اب صلح کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی تاکہ عیسائی ریاستہائے بلقان کے متعلق آزادی کے ساتھ کام کیا جا سکے۔ پارلیمنٹ بند تھی۔ مصالحت اور برہری کو حوالہ کرنے کے بارے میں کمیٹی کو کامل آزادی تھی اور وہ اس ذمہ داری کو قبول کرنے تیار تھی بشرطیکہ اس میں اس کی بدنامی نہ ہو۔ اطالیہ کا کام اس معاملے کو آسان بنانا تھا۔ بغیر احکام نیابت صلح کی گفت و شنید نیم سرکاری افسروں کے ذریعے سے سوئٹزرلینڈ میں شروع ہوئی۔ اطالیہ کی طرف سے مسیر برٹولوتی سابق وزیر و نمائندہ، مسیر فوسینا ٹو ناظم بنک تجارتی، اور مسیر والپی تھے۔ ترکی کی طرف سے نبی بے اور فریدالدین بے تھے۔ ۱۰ ستمبر کو صلح ہونے کی افواہ اڑی۔ یہ خبر قبل از وقت اڑی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ فریقین صلح کے بہت قریب ہو چکے تھے۔ ترکوں نے صلح کے لئے حسب ذیل بھونڈے تجاویز پیش کئے۔ تصفیۂ سیادت طرابلس کے قبل ہی ترکی حکومت اپنی فوجوں کو افریقہ سے طلب کر لے گی۔ ایک بندرگاہ (تبروک) مع مضافات ترکی کے قبضے میں رہے گی۔ سلطان طرابلس کا مذہبی صدر رہے گا۔ اور اطالیہ کی طرف سے ترکی کو لیبیا کے قرض عامہ کے محاصل سے ایک سالانہ معینہ رقم ادا کی جائے گی۔

اطالیہ کا مطالبہ یہ تھا کہ ترک خود مختاری طرابلس و سائرنیکا کو تسلیم کریں گے۔

یہ اس کی آخری رعایت تھی۔ اگر اس خود مختاری کو نہیں تسلیم کیا گیا تو وہ الجزائر میں اپنی فتوحات کا سلسلہ قایم رکھے گا۔ اور نہ میں جنرل بریکولا کی کامیابی (۱۴ ستمبر) اور ایسا ہی زنظور میں جنرل رایزنی کی کامیابی سے (۲۰ ستمبر) اطالویوں کو سیادت لیبیا کے لئے اپنے مطالبات پر اڑے رہنے کی جرأت ہوئی۔ اس دوران میں رشید پاشا سابق سفیر روما و وائنا ترکی کی طرف سے گفت وشنید پر مامور ہوا لیکن بلقانی واقعات کا شگوفہ کھلا اور ترکی اور جزیرہ نمائے الیریا کی عیسائی ریاستوں میں آپس میں جو متحد ہو گئی تھیں جنگ چھڑنے والی تھی۔ اطالیہ نے تصفیئے کے لئے بابعالی کو تین روز کی مہلت دی۔ اس مہلت کے قبل ہی حکومت عثمانیہ نے اس جنگ کو ختم کرنے کا تصفیہ کیا۔ ۱۵ اکتوبر چھ بجے شام کے اوچی میں ابتدائی صلحنامہ پر فریقین کے دستخط ہو گئے۔

اس صلحنامہ سے ترکی نے لیبیا پر اطالیہ کی سیادت کو قطعاً تسلیم کیا۔ چنانچہ اس کا ثبوت یہ تھا کہ طرابلس اور سائرینیکا پر شاہ اطالیہ کی سیادت کے اعلان کے ایک روز بعد سلطان نے صلح کو قبول کیا تھا۔ مزید ثبوت اس اطالوی سیادت لیبیا کا یہ تھا کہ اطالوی فوجوں کے مقابلے میں عساکر سلطانی کے تخلیئے کی شرط تھی۔ نیز جزائر اثنا عشرہ کا اطالوی فوجیں اسی وقت تخلیہ کر سکتی تھیں جب کہ عثمانی فوجیں لیبیا کا کامل طور پر تخلیہ کر دیں۔ اس طرح سے سلطان نے ان جزائر کو اپنی افواج کے تخلیئے کے لئے کفالت میں دیا۔

شاہ اطالیہ کو بربری کے سیاسی مجرمین کے معاف کرنے کا حق حاصل تھا جو حقوق سیادت میں ایک بڑا حق ہے۔ عثمانی قرض عامہ کے متعلق ترکی کو جو تاوان دیا گیا وہ اس قسم کا تھا جو عموماً ایک سلطنت سے دوسری سلطنت میں کوئی علاقہ منتقل ہونے کی صورت میں دیا جاتا ہے۔ آخر میں تسلیم سیادت اطالیہ کا قطعی ثبوت اس واقعے سے ظاہر تھا کہ الحاق کے حکم شاہی سے سوراج لیبیا کے بارے میں جو سلطانی فرمان شائع ہوا تھا اس کی تنسیخ ہوتی تھی لیکن باوجود اس کے ترکی نے جنگ سے پہلے جو تعلقات اطالیہ اور اس میں قائم تھے انھیں دوبارہ قبول کر لیا تھا۔

وزارت سعید پاشا۔ پارلیمنٹ میں لطفی فخری کا واقعہ۔ صدر اعظم اور مجلسِ اعیان۔ تنظیم کی دفعہ ۳۵۔ برخاست پارلیمنٹ۔ کمیٹی اور صدر اعظم۔ البانی بغاوت۔ محمود شوکت پاشا کے خلاف سازش۔ زوال کابینہ۔

جب سعید پاشا، حقی پاشا کی جگہ صدر اعظم ہوا تو اس نے اپنی مجلس وزارت حسب ذیل ارکان پر ترتیب دی تھی۔

شیخ الاسلام موسیٰ کاظم۔ وزیر جنگ محمود شوکت پاشا۔ وزیر خارجہ عاصم بے، وزیر داخلی جلال بے۔ وزیر تعمیرات حولوسی بے۔ وزیر مالیہ نائل بے۔ وزیر بحری خورشید پاشا۔ وزیر عدالت ممدوح بے۔ وزیر تعلیمات عبد الرحمن بے۔ وزیر زراعت سینیاپین افندی، وزیر ڈاک و تلغراف (ڈاک کا صیغہ سابقہ وزارت میں قائم کیا گیا تھا) ابراہیم بے سوسی۔ موجودہ وزارت سے بڑھ کر کوئی وزارت ایسے دشوار مرحلے میں نہ تھی۔ کمیٹی اور مقابلہ دونوں اس کے مخالف اور حب الوطنی کا جوش دکھا رہے تھے کیونکہ عام انتخابات ۱۹۱۲ء میں ہونے والے تھے۔ سعید پاشا اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اطالیہ سے ترکی نہیں لڑ سکتا اور طرابلس حوالے کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ اس کے مد نظر صرف ایک امر تھا وہ یہ کہ شرائط جہاں تک ہو سکیں سخت نہوں وینز نام و نمود کو خلل نہ دیا جائے۔ ایک نقطۂ نظر سے وہ عام جنگی جوش اور مطالبۂ جنگ سے خوش تھا کیونکہ اس ہیجان جنگی سے اطالیہ کے اثر پذیر ہونے کی صورت میں

یہ ممکن تھا کہ وہ ترکی سے آشتی کے ساتھ پیش آئے اور اسے اپنی سابقہ سیادت طرابلس پر گو برائے نام ہی سہی بحال رکھے لیکن اس تصویر کا دوسرا رخ بھی تھا مطالبہ جنگ اس قدر جوش کے ساتھ کیا گیا تھا کہ اگر سعید پاشا پارلیمنٹ کو صلح کے متعلق اپنے ارادوں سے مطلع کرتا تو نمائندے عوام کے ڈر سے جن کے خیالات میں انھوں نے یہ تلاطم برپا کیا تھا اس کے لئے اظہار طمانیت کرنے سے انکار کرتے۔

فوجی قانون کی رو سے مجلس وزارت پر نکتہ چینی نہیں کی جا سکتی تھی۔ سعید پاشا نے اس ممانعت کو اور بھی محکم کر دیا تھا اور خود محمود شوکت پاشا نے بھی اس کی تائید کی تھی لیکن باوجود اس شدید امتناعی حکم کے "تعنین" میں سعید پاشا کے خلاف ایک سخت مضمون شائع ہوا جس میں جنگ کی حمایت کی گئی اور صدر اعظم پر حصول ثالثی دول کی کوشش میں قیمتی وقت ضائع کرنے کا الزام رکھا گیا تھا۔ اخبار "صلاح کار مشرق" (اورنیٹل مانیٹر) کے نمائندے سے اسمٰعیل حقی بے بابن زادے سابق وزیر تعلیمات نے ملاقات میں ان اسباب کو بیان کیا تھا جن کی وجہ سے جنگ ضروری تھی۔ پہلا سبب اسلامی دنیا میں ترکی کی وقعت تھا جو جنگ نہ کرنے کی صورت میں باقی نہ رہتی۔ دوسرا سبب موجودہ حکومت کا مفاد تھا جسے جنگ نہ کرنے کی وجہ سے سخت صدمہ پہنچتا۔

لیکن اگر سعید پاشا معزول اور پارلیمنٹ برخواست کر دی جاتی تو کون اس کی جگہ مامور ہوتا؟ یہ عام طور پر مشہور تھا کہ سعید پاشا نے صدارت عظمیٰ کو اس شرط پر قبول کیا تھا کہ وہ پارلیمنٹ کو برخاست کر سکے گا چنانچہ برخاست پارلیمنٹ کے متعلق ایک حکم بھی اس کی میز میں تھا)۔ کامل پاشا۔ حلمی پاشا، طلعت بے یا کمیٹی کے اور کسی ممبر کا انتخاب نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ان لوگوں نے بہت زور وشور کے ساتھ جنگ کی تائید کی تھی۔ اور اب وقت نہ تھا کہ ترک اپنے آپ کو مزید دھوکے میں رکھیں۔ بغیر مصالحت کے کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ سعید پاشا ہی تنہا ایسا شخص تھا جو جرأت اور قابلیت کے ساتھ اس کٹھن کام کو اختتام پر پہنچا سکتا تھا۔ ایسے نازک حالات میں صدارت عظمیٰ کو قبول کر کے اور ختم ملازمت کے زمانے میں سلطنت کے ایک صوبے کی علاحدگی کی ذمہ داری کو اپنے سر لے کے جو اس کے

پیشروؤں کی غلطیوں کا نتیجہ تھی سعید پاشا نے اس پیرانہ سالی میں حیرت انگیز اولوالعزمی اور جوانمردی کا ثبوت دیا تھا۔ جو اپنی آپ مثال تھی۔
۱۶ اکتوبر کو پارلیمنٹ کا اجلاس شروع ہوتے ہی مجلس وزارت حقی پاشا اور محمود شوکت پاشا کی "مطلق العنانی" کے متعلق جو اعتراضات کئے گئے تھے ان پر مباحثہ ہوا۔ مجلس وزارت کی نکتہ چینی کو بذریعۂ مارشل لا ممنوع قرار دیا گیا۔ اعتدال پسند احراری جماعت کے اخبار "تنظیمیت" نے جب اس پہ پابندی نہیں کی تو اس کو بند کر دیا گیا۔ جو مضمون "تنظیمیت" میں شائع ہوا تھا وہ رضا توفیق بے کا تھا چنانچہ اس کو اور "تنظیمیت" کے ایڈیٹر لطفی فخری کو فوجی عدالت میں حاضر ہونے کا حکم دیا گیا۔ دونوں نے انکار کر دیا۔ رضا توفیق اور محمود شوکت میں خاصی جنگ ہو پڑی۔ رضا توفیق نے خلاف ورزی دستور کی پاداش میں محمود شوکت سے مواخذے کے لئے پارلیمنٹ میں مسودۂ قانون پیش کرنے کا اعلان کیا۔ مقابلے کا ایک وفد جس میں رضا توفیق بے، ابوضیا توفیق بے نمایندۂ عدلیہ، عمر افندی نمائندۂ کراسی، جنرل اسماعیل حقی پاشا نمائندۂ ایسیا تھے۔ صدر اعظم کے پاس گرفتاری کے خلاف احتجاج کرنے پہنچا۔ سعید پاشا نے کہا کہ اس حکم سے وہ لاعلم ہے اور یہ حکم منسوخ ہونا چاہیے لیکن محمود شوکت لطفی فخری کی گرفتاری کے احکام دینے پر مصر تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ مسئلہ پارلیمنٹ میں کئی دن تک چھڑا رہا اور فریقین میں بڑے جھگڑے ہوئے۔ رضا توفیق بے، لطفی فخری بے، بصری بے، البانی نمایندہ دبرہ، صدقی بے نمایندۂ عیدن نے وزیر جنگ پر نہایت سختی اور چالاکی سے حملے کئے۔ صدر اعظم نے یہ سمجھ کر کہ محمود شوکت کے بغیر وہ حکومت نہیں کر سکتا ۹ نومبر کے اجلاس میں اس کی بہت زور سے تائید کی۔ اجلاس میں ایک ہنگامہ بپا تھا اتحاد و ترقی کی بھی ایک جماعت بظاہر مقابلے کا ساتھ دینے پر مائل تھی۔ اس اثنا میں ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ اب مباحثہ موقوف اور اس روز کی مختلف کارروائیوں کے متعلق ووٹ لئے جانے والے تھے کہ چتون بے نمایندہ بن غازی منبر پر چڑھا۔ چھ روز پیشتر ترکی اخبارات نے لکھا تھا کہ اس نے ستر ہزار "شیروں" کے ساتھ جو عثمانی یا عرب تھے بن غازی میں اطالویوں کو

ہزیمت دی تھی۔ جب وہ منبر پر آیا تو سب کے سب بھونچکے رہ گئے۔ اس نے کہا کہ اطالویان طرابلس و بن غازی کے حوصلے پست اور وہ مایوس ہو گئے ہیں لیکن انھیں قطعی طور پر شکست دینے کے لئے عثمانیوں کا آپس میں متحد ہونا لازمی ہے۔ وزرا نے مرحبا کے نعرے بلند کئے۔ ارکان مقابلہ پر بھی جوش چھا گیا۔ اعتدال پسند احرار اور عمومیت پسندوں نے اپنی تحریک واپس لی اور ارکان نے اپنے ہاتھ بلند کر کے سعید بے غالب جماعت وزرا کے صدر سے حسب ذیل قرار داد پر اتفاق کیا کہ " ارکان وزیر جنگ کے اس بیان پر یقین کرتے ہیں کہ کوئی نمائندہ گرفتار نہیں کیا گیا اور یہ خواہش ظاہر کرتے ہیں کہ پارلیمنٹ کا کوئی رکن عدالت فوجی میں طلب کیا جائے گا۔ یہی آج کا حکم رہے گا۔ پانچ نمائندوں نے اس حکم پر اپنے ہاتھ نہیں بلند کئے۔ لطفی فخری بے مدعیٰ رضا توفیق بے' بصری بے' مصطفےٰ عارف بے' اور ماہر سعید بے۔

سعید پاشا کے نا ملائم و استبدادی لہجے پر جب کہ اس نے وزیر جنگ کی تائید میں تقریر کی تھی بہت کچھ نکتہ چینی کی گئی تھی۔ مجلس وزرا میں اس کا طرز بیان اور بھی خشونت لئے ہوئے تھا۔ سلطان کے معتمد اعلیٰ خالد ضیا بے کا انتخاب رکنیت مجلس اعیان پر کیا گیا تھا۔ مجلس اعیان میں یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا حرم سرائے سلطانی کے منصب کے ساتھ رکنیت مجلس اعیان کی خدمت بھی اس کو دی جاسکتی ہے۔ مرافعے سے نفی میں فیصلہ ہوا۔ صدر اعظم مجلس اعیان سے اس فیصلے کو بدلوانا چاہتا تھا۔ بہت شدید مباحثہ ہوا جس میں سعید پاشا کو کامیابی نہ ہوئی کیونکہ مارشل غازی احمد مختار پاشا، صدر اعظم سابق حلمی پاشا، اور نوراڈنگھین افندی سابق وزیر تعمیرات اس کے مدمقابل تھے جنھوں نے اس پر مستعدی کے ساتھ مباحثہ کیا مجلس اعیان نے اس کی تقریر کو سننے سے انکار کیا۔ صدر اعظم نے جھلا کے کہا کہ " اگر مجلس اعیان مجھ کو تقریر کی اجازت نہیں دیتی ہے تو میں اس کے فیصلے کی تعمیل کروں گا۔ اور اس کمرے سے چلا جاؤں گا۔"

مجلس نے جب تصفیہ کیا کہ اس کی رائے کے بعد صدر اعظم کو ایک طے شدہ مسئلے پر دوبارہ مباحثے کا حق نہیں تو سعید پاشا نہایت غصے میں یہ کہہ کے

چلا گیا کہ "بہت اچھا میں پرسوں لطفی فخری کا واقعہ سمجھانے آؤں گا یا کسی کو بھیجدوں گا۔" وہ دوسرے روز ہی آموجود ہوا۔ اور نخوت آمیز لہجے میں مجلس کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ خالد ضیا بے کا وقت واحد میں دو خدمتوں پر مامور کیا جانا بالکل ضابطے کے موافق ہے۔ اور پھر بغیر جواب سننے وہ چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد حلمی پاشا اور سابق صدر اعظم فرید پاشا کی رائے سے مجلس اعیان نے ایک وفد سلطان کے پاس اس استفسار کے لئے بھیجا کہ خالد ضیا بے یا تو معتمد اعلیٰ کی خدمت پر مامور رہے یا رکن مجلس اعیان کے فرائض بجا لائے۔ سلطان نے "آرٹریڈ" کے ذریعے مجلس وزرا کے فیصلے کی تعمیل کا حکم دیا اور اس تصفیے کو نامنظور کیا جس سے ضیا بے ایک سے بڑھ کر خدمات انجام دینے کا مستحق نہیں سمجھا گیا تھا۔ مجلس اعیان کے جواب کا بے چینی سے انتظار تھا لیکن اس اثنا میں خالد بے نے بحیثیت رکن مجلس اعیان اپنا استعفا پیش کر دیا اس پر بھی اصولی بحث جو اس مسئلے کے متعلق باقی تھی وہ باقی رہی۔ مجلس اعیان نے یہ تصور کر لیا کہ فیصلہ اس کے منشاء کے موافق ہو گیا کیونکہ دستور کے لحاظ سے ترجمانی قوانین کا حق صرف اسے ہی حاصل تھا۔ ابھی صدر اعظم اور مجلس اعیان میں اس سے بھی بڑھ کر ایک بڑا جھگڑا پیش آنے والا تھا۔ یہ دستور کی دفعہ ۳۵ کی تبدیلی کے متعلق تھا۔ سعید پاشا کی تجویز کی رو سے زمانۂ امن میں بغیر اجازت مجلس اعیان سلطان پارلیمنٹ کو برخاست کر سکتا اور زمانۂ جنگ میں التوا کا حکم دے سکتا تھا۔ یہ تجویز ایسی تھی جس پر عمل کرنے کی صورت میں دستور کو ایک آفت ناگہانی کا سامنا کرنا پڑتا۔ چنانچہ تاریخ ماسبق اس کی شاہد تھی۔ ۲۹ر دسمبر کے اجلاس میں سعید پاشا نے اس تحریک کی دو ضرورتیں بیان کیں۔ پہلی ضرورت ایک عام حیثیت رکھتی تھی لیکن خصوصیت کے ساتھ اس نقطۂ نظر سے اس پر زور دیا گیا تھا کہ سلطنت میں خلافت کا شمول متقی مسلمانوں کی خوشنودی کا باعث تھا چنانچہ اس تجویز سے "سلطان خلیفہ" کے اختیارات میں توسیع ہو کر تمام خدمات عامہ میں توازن قائم رہتا۔ دوسری ضرورت جو بیان کی گئی تھی وہی در اصل بنائے تجویز تھی۔ اور وہ اطالیہ سے صلح کرنے کے لیے ایک قومی حکومت کی ضرورت تھی۔

صلح اسی صورت میں ہو سکتی تھی جب کہ طرابلس اور سائرنیکا اطالویوں کے حوالے کیے جاتے۔ صدر اعظم کے اس استدلال سے ارکان مقابلہ سخت برہم ہو گئے چنانچہ ان کے ایک قائد رضا نور بے نمایندۂ سائنوپ نے سعید پاشا سے کہا "تم طرابلس کو اسی طرح فروخت کرنا چاہتے ہو جس طرح تھسلی کو فروخت کیا"

صدر اعظم کا صلح کا خیال درست تھا کیونکہ جنگ جس قدر طول کھینچتی اسی قدر مانٹینگرو اور سرویا کی سرحد پر خطرہ بڑھتا جاتا لیکن یہ خطرناک صورت حال پارلیمنٹ کے کیونکر ذہن نشین کی جاتی جب کہ عوام کو اس قدر اطمینان دلایا گیا تھا کہ حالات نہایت اطمینان بخش ہیں۔ صدر اعظم نے سوچا کہ صرف ایک طریقے سے ہی مقصد حاصل ہو سکتا ہے وہ یہ کہ دستور کی دفعہ ۳۵ میں ذرا سی تبدیلی کر کے پارلیمنٹ کو برخاست کیا جائے۔ یہ سچ ہے کہ دستور کی دفعہ سائٹ میں لکھا تھا کہ "مصالحت، تجارت، اور الحاق یا حوالگی علاقہ ہائے سلطنت کے لیے پارلیمنٹ کی پسندیدگی ضروری ہے"۔ اس دفعہ کی نظر کرتے برخاست یا التوائے پارلیمنٹ سے مشکل رفع نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ صدر اعظم کی تجویز کے مطابق برخاست پارلیمنٹ کے تین ماہ کے اندر جو نئی پارلیمنٹ مرتب ہوتی اس سے معاہدۂ صلح کے متعلق اظہار پسندیدگی حاصل کیا جاتا۔ پارلیمنٹ کی اس باضابطہ توثیق کے حصول کے لیے کمیٹی نے ایسے انتخابات کی تجویز ٹھہرائی تھی جس میں بہت بڑی جماعت ارکان غلبہ کی ہوتی۔

کوئی تجویز اسی وقت منظور ہو سکتی تھی جب کہ دو ثلث ارکان متفق الرائے ہوتے اس لحاظ سے سعید پاشا کی تحریک کا نامنظور ہونا یقینی تھا "تعنین" نے جو خاص کمیٹی کا اخبار تھا اس مسئلے میں ایک نئی بات پیدا کی اور ایک مضمون میں جس کا عنوان "یہ برخاست پارلیمنٹ نہیں بلکہ تباہی پارلیمنٹ ہے" تھا اس نے اراکین مقابلہ پر ملامت کی کہ ملک کو اطالویوں کے حملۂ طرابلس سے اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا ان سے پہنچ رہا ہے۔ انقلاب پسند بلغاریوں نے مقدونیہ میں اتنا فساد نہیں پھیلایا جتنا وہ پھیلا رہے ہیں۔ پارلیمنٹ کی پناہ میں انھوں نے کوئی بیضابطگی نہیں چھوڑی۔ وہ تباہی کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ کوئی محب وطن ترک ایسا نہیں

جس کی دعا اللہ سے یہ ہو کہ ترکی کو اس پارلیمنٹ سے نجات دے۔ ان آدمیوں کی بدعنوانیوں کو یاد کرتے ہیں تو بے اختیار خیال آتا ہے کہ جندرمہ (فوج) کا ستم ان کے ستم سے اچھا تھا۔ مضمون ان الفاظ پر ختم ہوتا تھا۔

"قوم کو ان سے کسی بھلائی یا کسی ملکی خدمات کی توقع نہیں ہے یہ جذبات اور شدید مخالفت سے اندھے ہوگئے ہیں۔ اراکین اتحاد و ترقی نے اس بات کو سمجھ کر یہ ارادہ کر لیا ہے کہ ایکدم سب مل کر رکنیت پارلیمنٹ سے استعفا پیش کر کے اپنی حب الوطنی کا ثبوت دیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ پارلیمنٹ میں اب زندگی کے آثار نہیں۔" مجلس کاملہ کے لیے جملہ اراکین کی نصف تعداد ہونی لازمی تھی۔ اتحاد پسندوں کی علحدگی کے بعد پارلیمنٹ برخاست ہو جاتی اور نئے انتخابات شروع ہوتے۔ اراکین مقابلہ نے صدر اعظم کی تجویز کو میدان بحث میں نہ لانے کے لئے پارلیمنٹ سے غائب ہونے کی ترکیب نکالی۔ ۳۰ر دسمبر کو اجلاس نہ ہو سکا کیوں کہ جملہ ایکسو اکتیس اتحاد پسند ارکان حاضر تھے اور مجلس کاملہ کے لیے ایکسو انتالیس نمائندے ہونے چاہیئے تھے۔ صدر اعظم نے تقریر کی اور کہا کہ اگر تعداد معینہ پوری رہتی تو میں مسودۂ قانون دربارۂ تبدیلی دستور کے متعلق گورنمنٹ کے خیالات کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کرتا۔ لیکن اس پر بھی موجودہ نمائندوں اور گیلری کے عام حضرات کے سامنے ان خیالات کی توضیح کرتا ہوں۔ ساتھ ہی اس نے اس مسئلے کو مذہبی نقطۂ نظر سے پیش کیا۔ اس نے کہا کہ تمام قوانین کو قانون شریعت کی پابندی ضروری ہے کیوں کہ سلطنت کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔ اس اعتبار سے ۱۹۰۹ء میں برخاست پارلیمنٹ کے متعلق اختیارات سلطانی کی جو حد بندی کی گئی وہ شریعت کے منافی ہے۔ اسی بنا پر گورنمنٹ نے یہ مسودۂ قانون پیش کیا ہے جس سے سلطان کو برخاست پارلیمنٹ کا پورا اختیار دیا گیا ہے۔ یہ اصول کوئی نیا اصول نہیں بلکہ تمام دستوری حکومتوں کا مسلمہ اصول ہے۔ صدر اعظم کی تقریر کے بعد وزیر جنگ نے تقریر کی یہ تقریر بے محل تھی کیونکہ اس کے مخاطب تمام وزرا تھے جن کے متعلق اراکین مقابلہ نے تبدیلی دستور کے بانی مبانی ہونے کا الزام دیا تھا۔ محمود شوکت پاشا نے

تبدیلی دستور کے متعلق بے سروپا افواہ" کی بہت زور کے ساتھ تردید کی۔ اس نے کہا کہ مجلس وزرا کے متعلق کبھی یہ خیال نہ کرنا چاہیئے اور خصوصاً ایسی مجلس وزرا سے کبھی ایسی توقع نہیں ہو سکتی جس کا میں رکن ہوں۔ دستور کبھی نہیں بدل سکتا کیونکہ ہماری شاندار فوج اس کی محافظ ہے۔"

آخر میں سعید پاشا نے کہا کہ نمایندوں کی عدم موجودگی سے خیال ہوتا ہے کہ وہ دفعہ ۳۵ کو بحث میں لانا نہیں چاہتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ مجھے اور میری تجویز کو پسند نہیں کرتے۔ بدیں سبب میں اپنی خدمت سے سبکدوش ہوتا ہوں۔ دوسرے دن سلطان نے اس کو ایک نئی کابینہ کی ترتیب کا حکم دیا۔

اس ترتیب میں مختلف مشکلات کا سامنا ہوا۔ جلال بے وزیر داخلی اور جلوسی بے وزیر تعمیرات نے نئی مجلس کی رکنیت سے انکار کیا۔ طلعت بے نے وزارت داخلی قبول کی لیکن سلطان نے صدر اعظم کو ہدایت دی کہ نمایندۂ ایڈریانوپل کے سوائے کسی اور کا انتخاب زیادہ مناسب ہوگا۔ وزیر جنگ، وزیر البحر، وزیر خارجہ، وزیر عدالت، وزیر مالیہ وزیر اوقاف، اور وزیر ڈاک وتلغراف اپنی اپنی خدمت پر بحال رہے۔ شیخ الاسلام کے متعلق فری مشن ہونے کا الزام تھا اس لیے اس کی جگہ قاضی مصر عبد الرحمن نصیب افندی مامور ہوا۔ امر اللہ افندی وزیر تعلیمات مقرر ہوا جس پر وہ پہلے بھی مامور تھا۔ سینیا پین افندی، وزیر معدنیات وجنگلات، وزیر تعمیرات ہوا۔ اس کی بجائے ارستیدی پاشا وزیر معدنیات وجنگلات بنایا گیا۔ ممدوح بے وزیر عدالت کو مناسب انتظام ہونے تک وزارت داخلی کی خدمت بھی سپرد ہوئی۔ بالآخر ۱۲؍ جنوری ۱۹۱۲ء کو طول طویل مباحثے کے بعد اختتام بحث کے لیے تجویز صدر اعظم کے بارے میں رائیں لی گئیں۔ ۱۲۴ رائیں موافق اور ۱۰۵ مخالف نکلیں اور چار ارکان نے اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ چونکہ دو ثلث ارکان متفق نہ تھے اس لیے تجویز نامنظور ہوئی۔

سعید پاشا نے دفعہ (۷) کے مطابق سلطان سے برخاست پارلیمنٹ کی درخواست کی۔ ۱۸؍ جنوری خاتمۂ اجلاس کے روز سلطان کا مقرب خاص

باقاعدہ لباس اور احتشام کے ساتھ مجلس اعیان میں پہنچا دیوان مباحثہ میں پریذیڈنٹ غازی احمد مختار پاشا نے اس کا استقبال کیا اور اس سے سُرخ اطلس کا ایک لفافہ لیا جس میں سلطانی خط شریف تھا۔ اس کا بوسہ لیا اور اسے پیشانی سے لگایا۔ تقریب خاص واپس ہوا تو پریذیڈنٹ نے منبر پر چڑھ کے خط شریف پڑھا جو حسب ذیل تھا۔

معزز ارکان مجلس اعیان۔

موجودہ حالات کے نظر کرتے ہیں نے برخاست پارلیمنٹ کے متعلق تجویز کی ہے چنانچہ انتخابات عمل میں آکے جدید پارلیمنٹ حسب دفعہ (۷) تین ماہ کے اندر ترتیب دی جائے گی۔ حسبہٖ مجلس اعیان نمائندگان پارلیمنٹ کو اس کی اطلاع دیدی گئی۔

چھ اراکین کے مطالبے پر جن میں ایک مصری ایک بلغاروی دو آرمنی، ایک کوٹزو والیک اور ایک مارونیتی تھے مجلس اعیان کا خفیہ اجلاس ہوا" حالانکہ جنرل رضا پاشا سابق اعلیٰ افسر توپخانہ، اور مارشل فواد پاشا فائخ الینا نے اس اجلاس کے خلاف احتجاج کیا تھا لیکن مطالبہ باضابطہ تھا۔ اگر پانچ اراکین کی طرف سے بند دروازوں کا مطالبہ کیا جائے تو مجلس اعیان تجویز کا خفیہ طور پر فیصلہ کرے گی۔ کمیشن مجلس اعیان نے ۲۰ کو اپنی رپورٹ پیش کی جس میں سات ووٹ سے بمقابلہ دو ووٹ کے برخاست پارلیمنٹ کی تحریک منظور کی گئی تھی۔ اس کے متعلق انتالیس رائیں موافق پانچ مخالف اور ایک غیر جانبدار تھی۔ پانچ اراکین جنھوں نے مخالفت کی ان کے نام حسب ذیل ہیں:۔ مارشل فواد پاشا، سابق صدر اعظم فرید پاشا ولورا، داماد فرید پاشا جو سلطان کا بھتیجا داماد تھا، جارجیا وسیں افندی سابق والی سیموس، شیخ عبد القادر امیر کبیر کردستان۔ عازیرین افندی وزیر سفارت دول نے کوئی رائے نہیں دی۔ اور غیر جانبدار رہا۔ اب برخاست پارلیمنٹ کا اعلان کرنا تھا۔ اجلاس پانچ بجے شروع ہوا۔ وزیر عدالت ممدوح پاشا نے حکم پڑھا جو حسب ذیل الفاظ پر ختم ہوتا تھا۔

دستور کی ساتویں دفعہ کی رو سے میں نے بمنظوری مجلس اعیان

برخاست پارلیمنٹ کا فیصلہ کیا ہے اس لیے حکم دیا جاتا ہے کہ تین ماہ کے اندر جدید انتخابات عمل میں آئیں اور پارلیمنٹ کے از سر نو اجلاس ہوں۔ صدر اعظم اس فرمان کی بجا آوری کا ذمہ دار ہوگا۔

پریزیڈنٹ بغیر کچھ کہے سنے اپنی جگہ سے اٹھا۔ نمایندگان مقابلہ نے ایک ساتھ "دستور زندہ باش" "قوم زندہ باش" کے نعرے لگائے۔

وزرا نے جواب میں "سلطان زندہ باش" کی صدا بلند کی۔ رضا نور نمائندۂ سائنوپ نے کہا "پارلیمنٹ برخاست کر دی گئی لیکن ہم دستور کی حمایت میں لڑے اور اب پارلیمنٹ سے اطمینان ضمیر اور راستبازی کے ساتھ علیحدہ ہوتے ہیں۔

صدر اعظم اور کمیٹی نے متفق ہو کے پارلیمنٹ برخاست کرنے کی کوشش کی تھی جس میں مقابلے کا عنصر اس قدر زبردست ہو گیا تھا کہ گورنمنٹ کچھ کام نہیں کر سکتی تھی اور اتحاد پسند جماعت کو بھی خطرہ تھا کہ کہیں اس کے ارکان مقابلے کا ساتھ دے کے اس کا زور نہ توڑ دیں۔ جب لڑائی کا خاتمہ ہوا اور مقابلے کو شکست ہوئی تو صدر اعظم اور کمیٹی میں اختلاف ہوا۔ سعید پاشا چاہتا کہ انتخابات ایک غیر محدود عرصے تک ملتوی رہیں اور از روئے دفعہ ۳۶ احکام نافذ کیے جائیں لیکن کمیٹی کا خیال یہ تھا کہ انتخابات جلدی کے ساتھ ہونے میں اس کا فائدہ ہوگا۔ تعنین نے جس کے معاونین میں مرکزی کمیٹی کے نہایت ذی اثر اراکین تھے صدر اعظم پر سخت حملہ کیا اس پر بیکاری کا الزام دھرا اور اس کا مضحکہ اڑایا۔

اس اخبار کے ایک مضمون میں لکھا گیا تھا کہ حکومت نے پارلیمنٹ سے رہائی پانے کے لیے تو کوشش عاجلانہ کی۔ بڑی بے صبری کے ساتھ اس کو اس خوشگوار زمانے کا انتظار تھا جب کہ وہ آزادی اور مستعدی سے امور مملکت کا انصرام اور آپ کو کارآمد ثابت کر سکتی تھی۔ بڑی وجہ جو برخاست پارلیمنٹ کی بتائی گئی وہ یہ تھی کہ پارلیمنٹ اس کے نیک کام میں مانع و مزاحم ہوتی ہے لیکن ادھر پارلیمنٹ برخاست ہو گئی اور ادھر حکومت کا جوش فقر و ہو گیا۔ حکومت نے کہا کہ "چلو اب تمام میری ایڑی چوٹی کا زور صرف ہو گیا۔ اب مجھے آرام لینا چاہیے۔ یا داشس! یا داشس! (دیکھیے۔ دیکھیے) لفظ یا داشس سے

ترکی کا سارا فلسفہ بالکل اسی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا لفظ "نٹکیو" سے روسی فلسفہ۔ طرفداران نظریۂ یا واش کو اچھی طرح سے لتاڑ نے کے بعد اخبار مذکور استفسار کرتا ہے کہ آیا سعید پاشا کو خوش کرنے کے لیے واقعات کا دریا بہنے سے رک جائے گا یا یورپ پر نیند مسلط ہو جائے گی؟ مضمون کا خاتمہ ان الفاظ پر ہوتا ہے "جو لوگ ثابت قدم نہیں ہیں یا جو لوگ نا اہل ہیں اور نازک حالات میں بھی سوائے "یا واش! یا واش" کے اور کوئی اصول نہیں جانتے وہ آخر میں اوندھے منہ گر پڑتے ہیں"

نئے انتخابات کا مرحلہ نہایت افسوسناک طریقے پر عمل میں آیا۔ امیدواران مقابلہ کے ساتھ سخت جبر و تعدی کی گئی۔ ان کے اخبارات بند کر دیے گیے۔ اور ان کے ایڈیٹروں اور مہتمموں کو قید اور جرمانہ کیا گیا۔ بعض اوقات تو قتل سے بھی کام لیا گیا چنانچہ رضا توفیق بے گوملڑ جینا میں قتل ہوتے ہوتے بچ گیا۔ اس کی شہر (ولایت بروسہ) اور لن غازہ (ولایت سالونیکا) میں مسلح فوج نے انتخاب کنندگان مقابلہ پر فائر کیا۔ کئی آدمی مارے گئے۔ اور کئی زخمی ہوے۔

۱۱ر اپریل سے نئی پارلیمنٹ کے اجلاس شروع ہوے۔ جدید پارلیمنٹ نے تحفظ طرابلس کے لیے قسم کھائی لیکن اس نے اپنی پیشرو کی طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہی۔ باوجود کمیٹی کے اثرات کے مقابلے کی قوت اب بھی اس قدر بڑھی ہوئی تھی جس سے اتحاد پسند جماعت (جو غالب جماعت تھی) کا زور ٹوٹ سکتا تھا۔ اس کی زیادہ تر وجہ یہ بھی تھی کہ بہت سارے ارکان کم ہمت اور غیر مستقل مزاج تھے اور جدھر ہوا کا رخ دیکھتے اس طرف رائے دیدیتے تھے۔ صدر اعظم کی مرضی شروع سے انتخابات کے خلاف تھی اس لیے اس نے علیل ہونے کا بہانہ کیا اور اجلاس میں نہ آیا۔

صوبوں میں انتخابی ہنگاموں کا نتیجہ یہ ہوا کہ البانیا باغی ہو گیا۔ گو باقی تمام دنیا اس بغاوت کے متعلق پہلے سے جانتی تھی لیکن گورنمنٹ کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا چنانچہ جب بغاوت ہوئی تو گورنمنٹ کے پاس اس کی مدافعت کے لیے ناکافی فوجیں تھیں۔ مہلت حاصل کرنے کے لیے اس نے باغیوں سے گفت و شنید کی اور انھیں اپنے شکایات بیان کرنے کے لیے کہا اور دستور کی حد تک اصلاحات عمل میں لانے کا

وعدہ کیا۔ البانیوں کو معلوم تھا کہ یہ سب فرصت حاصل کرنے کی چالیں ہیں۔ جون میں مجلس قومی کا جودک میں اجلاس ہوا جو ایک چھوٹا سا مقام جاکووا اور آئیک کے درمیان ہے اور جہاں سابق میں سرداران قبائل کی کمیٹیاں ہوتی تھیں۔ اس اجلاس میں قبائل ٹوسک اور گیگ نے بھی اپنے وفد بھیجے تھے حالانکہ یہ قبائل اس وقت تک ارناوطیوں کے سخت دشمن تھے۔ مسلمان، کاثولی اور کلیسائے یونانی کے قبائل کے چھیاسی سردار اس جلسے میں حاضر تھے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ کلیسائے یونانی کے البانیوں نے (جن کا وطن ناوف البانیائے تحتی ہے) یہ پہلی دفعہ ترکوں کی مخالف تحریک میں حصہ لیا تھا۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں کلیسائے یونانی کے البانیوں نے شاید اس وجہ سے کہ وہ ایک حدتک یونانی تھے مسلمانوں کے ساتھ ہونے سے انکار کیا تھا چنانچہ یہی وجہ تھی کہ تاسکیوں کی بغاوت ناکام رہی۔ جونک کے جلسے میں تقریباً تمام البانی قوم کے نمائندے موجود تھے کیونکہ شمال میں پلیویا سے جنوب میں پریویراتک اور ساحل ایڈریاٹک سے دہانہ وردرتک جتنے اضلاع تھے ان سب کے وفد آئے تھے۔ اس اجلاس کی صدارت کالری بیوکا، واکشی (علاقہ کوسود) کے ایک مسلمان سردار نے کی۔ اس بغاوت کا ملک میں مضبوطی کے ساتھ جڑ پکڑنے کا حال اس بات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قائدین تحریک صرف وہی لوگ نہ تھے جو سنہ ۱۹۰۸ء سے ترکوں کے مقابلے میں پہاڑی علاقے میں مسلط ہوگئے تھے جیسے عیسی بولیٹینا نٹر، فنطہ دووا، سفرا دریس، رضا بے غیلانی وغیرہ بلکہ جنوری میں جو پارلیمنٹ برخاست کردی گئی تھی اس کے نہایت بااثر البانی نمائندے بھی اس میں شامل ہوگئے تھے۔ ان نمائندوں کے نام حسب ذیل ہیں۔ بصری بے نمائندۂ وبرہ حسن بے وبحیٰی بے نمائندگان اسقب یحیٰی بے ایک عالم شخص اور اپنے علم اور خصائل حسنہ کی وجہ سے بہت عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ نجیب بے دراغہ نمایندہ پرشتینا، اسماعیل کمال بے نمایندۂ براٹا جو بانی بغاوت تھا اور ایسے ہی بہت سے لوگ تھے۔

حکومت کی سراسیمگی کو البانی افواج کی بغاوت نے مکمل کر دیا۔ کپتان

طیّار بے نے مونستر میں کمیٹی سے بغاوت کا انھیں الفاظ میں اعلان کیا جن الفاظ میں نیازی بے نے سلطان عبدالحمید کے خلاف اعلان کیا تھا۔ اور اپنے دو ہمراہیوں کے ساتھ البانیوں کو خصوصاً فوجی آدمیوں کو مسلح ہونے کی دعوت دے کے پہاڑوں میں فرار ہو گیا۔ البانی سپاہی اپنی اپنی چھاؤنیوں سے ایک ہی وقت میں فرار ہوئے۔ ان مفرورین کی حسب قرار داد سابق بیقاعدہ ٹکڑیاں ہو گئیں حکومت کو اپنی فوج کے غیر البانی افسروں پر بھی بھروسا نہ تھا کیوں کہ ان میں کے اکثر فوجی لیگ کے ممبر تھے جسے مقابلے کے کارپردازوں نے کمیٹی کے مقابل تلوار کا تلوار سے مقابلہ کرنے قائم کیا تھا۔ غرض فوج میں بدنظمی کا عالم تھا۔ یہ بات نہ تھی کہ بلند حوصلہ جنرل حصول اقتدار کے لئے باغی ہو گئے تھے۔ برعکس اس کے جتنے اعلیٰ افسر تھے وہ حیرت انگیز طور پر خاموش تھے ان کے اس قدر سکوت سے گمان یہ گزرتا تھا کہ انھیں اپنی ذمہ داری کا خوف ہے اور اس ذمہ داری سے بچنے کے لیے وہ ساکت و صامت ہیں۔ جنھوں نے البانیا کی کایا پلٹ کرنے کی کوشش کی تھی وہ فوج کے معمولی عہدہ دار لفٹننٹ، سب لفٹننٹ، کپتان اور سبلٹرن افسر تھے۔ ترکی شاہی فوج کے مظالم رخصت ہونے کا اب وقت آگیا تھا۔

چونکہ نوجوان ترکوں اور دیگر انقلابی کمیٹیوں نے کامیابی کے ساتھ حمیدی حکومت کا خاتمہ کیا تھا اس لیے ترکی میں خفیہ سوسائٹیوں کا مذاق عام ہو گیا تھا جن افسروں نے عبدالحمید کے خلاف سازش کی تھی انھوں نے دستور کی عملداری کے بعد بھی خفیہ کمیٹیوں کا سلسلہ باقی رکھا۔ اتحاد و ترقی کی جماعتوں نے ان افسروں کی معاونت کی اور جہاں جہاں چھاؤنیاں تھیں وہاں اتحادی کلب قائم کرنے اور جہاں تک ہو سکے ان میں ممبر زیادہ کرنے کی ہدایت دی۔ جو افسر کمیٹی کے مخالف تھے انھوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کے حکومت کے خلاف بہ اطمینان تمام سازش اور ایک فوری حملہ کی تیاری کی۔ ماہ مارچ اور اس کے بعد سے مونستر میں ایک خفیہ سوسائٹی قائم تھی جس نے اتحادی کلب کے پردے میں جماعت اتحاد و ترقی کے تمام مخالفین کو سمیٹا تھا۔ اس خفیہ سوسائٹی کا نام "حفظ وطن" تھا اور اس کی شاخیں پرسپی، وبرا، فلورینہ، فرینڈ ووک،

سیرس وغیرہ میں تھیں۔ اس نے مالی اور فوجی عہدہ داروں کو اپنا طرفدار بنانے کی کوشش کی خصوصاً البانیائے تحتی میں اس نے اپنی بہت سرگرمی دکھائی۔ طیار بے جس نے مونستر میں کمیٹی کی مخالفت کا اعلان کیا تھا اس سوسائٹی کا ایک قائد تھا۔

سربرآوردہ ارکان نے تحریک کو سلطنت عثمانیہ کے لیے عام کر کے طلعت بے وزیر ڈاک و تلغراف، محمود شوکت پاشا وزیر جنگ، جاوید بے وزیر تعمیرات، ایوب صبری بے جنرل سکرٹری کمیٹی کے مستعفی کیے جانے کا مطالبہ کیا۔ چونکہ پارلیمنٹ میں تمام کمیٹی کے ہی ساختہ پرداختہ ارکان تھے جن کے انتخابات حکومتی دباؤ سے ہوئے تھے اس لیے موجودہ پارلیمنٹ کو برخاست کر کے انتخاب کنندگان کی پوری آزادی کے ساتھ جدید انتخابات عمل میں لائے جانے کی بھی درخواست کی گئی تھی۔ نیز حق آزادی مطابع اور حق انعقاد جلسہ واپس دیے جانے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ حکومت حیران تھی کہ کیا کرے۔ معلوم ہوتا تھا کہ چھٹے دستے کے افسر جنرل فتحی پاشا اور جنرل ذکی پاشا دوسری ڈویژن کے افسر نے (اس ڈویژن میں سالونیکا کا پانچواں، مونستر کا چھٹا، اسقب کا ساتواں دستہ و نیز سقوورہ، کوزانہ، اور رجانینہ کے خودمختار فوجی دستے شامل تھے) باغیوں سے سمجھوتہ کیا ہے۔ انھوں نے استامبول کو تار روانہ کیا کہ اگر جبر و زیادتی سے کام لیا گیا تو فوجیں بددل ہو جائیں گی۔ محمود شوکت نے اس امر پر زیادہ زور دیا کہ توسیع بغاوت کے قبل ہی بغاوت کا فی الفور مستعدی کے ساتھ خاتمہ کر دیا جائے۔ ۲۹ر جون کو حکومت نے ایک مسودۂ قانون منظور کیا جس کی نو دفعات تھیں اور جس میں افسروں کو سیاسیات میں دخل دینے کی ممانعت کی گئی تھی۔

اس قانون کے بارے میں لفٹننٹ تحسین افندی نے جو سابق میں کمیٹی کا نہایت محب وطن ممبر تھا اخبار ”صلاح“ میں لکھا کہ ”بس ختم بھی کرو۔ سب لفاظی ہی لفاظی ہے اور کچھ نہیں۔ ہمیں اب ضرورت ہے توعمل کی ہے۔ اب تک ہم کو جن بدقسمتیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ تم لوگ اپنا وقت شیخی اور خودستائی میں صرف کرتے ہو اور جو کہتے ہو اس کو عمل سے ثابت نہیں کرتے۔ اگر حکومت کرنی تمھیں منظور ہے تو عقل کے ساتھ حکومت کرو ورنہ اپنا بستر سنبھالو اور قابل

اشخاص کو اپنی جگہ کام کرنے دو"۔ ایک دوسرے مضمون میں اسی اخبار نے لکھا تھا کہ ضرورت اس کی ہے کہ وزیر جنگ کی آنکھیں نکال دی جائیں۔ ہاتھ اور پیر کاٹ دیے جائیں۔ حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی۔ محمود شوکت نے جب قانون فوجی کے مطابق ولایت قسطنطنیہ میں "صلاح" کی فروخت اور داخلہ ممنوع قرار دیا تو ایک مضمون میں جس میں ذلیل ترین پیرایے میں وزیر جنگ کو نشانۂ ملامت بنایا گیا تھا قانونی چارہ جوئی کی دھمکی دی گئی تھی جولائی کی گیارھویں شب کو محمود شوکت پاشا نے اپنا استعفا پیش کیا جس کی عبارت حسب ذیل تھی:۔

یور ہائنس پارلیمنٹ نے ضمیمۂ قانون تعزیرات فوجی کو جس میں تمام مدارج کے فوجی آدمیوں کو سیاسیات میں حصہ لینے سے ممانعت کی گئی ہے منظور کر لیا ہے اور اب توثیق کے لئے یہ ضمیمہ مجلس اعیان میں پیش ہوگا۔ اس کے احکام صاف وصریح ہیں اور اس کی پابندی لازمی ہوگی۔ تین سال سے میں صیغۂ فوج کا افسر اعلیٰ رہا ہوں۔ میرے خیال میں ملازمت کے لحاظ سے یہ بہتر ہوگا کہ نئے قانون کے نفاذ کے ساتھ نیا وزیر جنگ مامور ہو۔ صرف یہی وجہ نہیں بلکہ گزشتہ چند روز کی مصروفیتوں نے بھی میری صحت پر بار ڈالا ہے جس کی وجہ سے میں اپنی خدمت سے مستعفی ہونا چاہتا ہوں۔

میں یور ہائنس کی ہمدردی کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو اس آٹھ ماہ میں بحیثیت میرے شریک کار ہونے کے یور ہائنس سے برابر ظاہر ہوتی رہیں۔ اور میں اس معاونت و امداد کا بھی شکر گزار ہوں جو بجا آوری فرائض میں مجھے دی گئی۔

جو اسباب محمود شوکت نے اپنے مستعفی ہونے کے بیان کئے تھے وہ عام لوگوں کو خوش کرنے کے لیے گھڑے تھے اور مطلب اصل حقیقت پر پردہ ڈالنا تھا۔

سیاسیات میں فوجی افسروں اور سپاہیوں کی عدم مداخلت کا قانون خود اس کا مجوزہ تھا جس کی وجہ سے بحیثیت وزیر جنگ اس سے بہتر کوئی نگران کار نہیں ہو سکتا تھا۔ محنت اور مصروفیت کا عذر بھی عذر اول کی طرح لاطائل تھا۔ محمود شوکت کی صحت ہمیشہ اچھی رہی۔ اس کے استعفا دینے کے یہ اسباب

نہ تھے۔ میں لکھ چکا ہوں کہ محمود شوکت اگر چاہتا تو "آمر" بن جاتا لیکن بجائے اس کے اس نے اپنی فوجی خدمت پر ہی رہنا پسند کیا۔ بااین ہمہ کمیٹی کو ڈر تھا کہ کہیں وہ اپنے اس بیگانہ وار طرز عمل کو چھوڑ نہ بیٹھے یہ اس لئے کہ اکثر لوگوں کے حق میں وہ ایک معما تھا۔ بحیثیت سپہ سالار وافواج قابضہ ومحاصرۂ قسطنطنیہ اہل سیاست کے نزدیک وہ خطرناک آدمی تھا۔ کمیٹی کی اس وقت تک جان میں جان نہ آئی جب تک کہ اس نے وزیر جنگ کی خدمت قبول نہ کرلی۔ کمیٹی کو دشوار گزار گھاٹی طے کرنی تھی۔ اس کے لیے محمود شوکت اسپ تازی بنایا گیا۔ ایک طرف تو کمیٹی نے اس سے سپر کا کام لیا۔ اور دوسری طرف خفیہ طور پر سپاہیوں میں اس کی ہر دلعزیزی کو مٹانے اور افسروں کو سرکش بنانے کی کوشش کی۔ اور آپ کو محفوظ رکھکر ہر ذریعے سے وزیر جنگ کے کارنامہ کو تباہ کرنا چاہا۔ اس دغا بازی، فریب وجعل اور ارکان مقابلہ کے شدید حملوں سے تنگ آکر اس نے اس معاملے کو ایکدم ختم کرنا مناسب سمجھا لیکن جو اسباب اپنے مستعفی ہونے کے بیان کئے تھے اس سے اصل واقعہ چھپ نہیں سکتا تھا۔ ایک بات تھی۔ اس کو ایسے وقت میں مستعفی نہ ہونا چاہئے تھا۔ اس وجہ سے کہ جو اتہامات اس پر لگائے گئے تھے ان میں صداقت کا شائبہ ہوتا تھا۔

محمود شوکت کے مستعفی ہونے کے ساتھ مجلس وزارت کا خاتمہ ہوا۔ ان تمام جنرلوں نے جنھیں سعید پاشا نے خدمت وزارت جنگ پیش کی یا تو اسے قبول کرنے سے انکار کیا یا ناممکن شرائط پیش کیے۔ "تعنین" کے قول کے مطابق یہ مقاطعۂ وزارت جنگی تھا۔ جن جنرلوں کو یہ خدمت پیش کی گئی تھی ان میں بعض ایسے اولوالعزم بھی تھے جن کا ماضی نہایت شاندار اور جن کے مستقبل کی طرف سے اندیشہ لگا ہوا تھا لیکن ایک جاں بلب خدمت کو قبول کرکے وہ اپنے مستقبل کی امیدوں پر پانی پھیرنا نہیں چاہتے تھے۔ مجبوراً سعید پاشا نے اپنا استعفا پیش کیا حالانکہ کونسل کے ایک صدر کو اس سے بڑھ کر اظہار طمانیت کے ووٹ نہیں مل سکتے تھے ۱۹۴ رائیں موافق اور ۴ مخالف تھیں۔ ایک طرف البانی بغاوت اور فوج کی سرکشی کے سامنے اس کو اپنی بےبسی کا اعتراف کرنا پڑا تھا

تو دوسری طرف جماعت اتحاد و ترقی کے دستور العمل کی ناکامی کا۔

صدارت غازی مختار پاشا۔ برخاست پارلیمنٹ البانی مطالبات وزارتی تفریق۔ مسئلہ مقدونیہ

سعید پاشا کی جگہ مارشل احمد غازی مختار صدر اعظم ہوا۔ یہ ۱۸۷۷ء-۱۸۷۸ء میں لوئی ملیکو کا نامور حریف رہا تھا۔ اس دفعہ مجلس اتحاد و ترقی کا ایک علانیہ دشمن سے مقابلہ تھا مجلس وزارت مرتب ہوئی ہی تھی کہ فوجی لیگ نے مطالبات کے متعلق ایک اعلان شایع کیا جس کی عبارت اخبار کے دو کالم میں آئی تھی" حسب ذیل مطالبات تھے۔ عود حکومت، غیر ذمہ دار اشخاص کو امور مملکت میں دخل دینے کی ممانعت، برخاست پارلیمنٹ، پوری آزادی کے ساتھ نئے انتخابات کا معاملہ۔ یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ ان مطالبات کی تعمیل کے بعد فوج بھی سیاسیات میں دخل دینے سے محترز رہے گی۔ اس اعلان پر اکتفانہ کر کے ۱۴ جولائی کو لیگ نے ایک خط طویل بے صدر نشین پارلیمنٹ کو ایک "جماعت افسران" کے نام سے لکھا جس میں کسی قدر لعن طعن کے بعد یہ لکھا تھا کہ " ہم اپنے ہاتھوں کو تمھارے نجس لہو سے آلودہ نہیں کرنا چاہتے اور اس لئے تمھیں حسب ذیل مشورہ دیتے ہیں۔ تم اڑتالیس گھنٹوں کے اندر یہ ثابت کرو گے کہ تم موجودہ پارلیمنٹ کے برخاست کرنے میں کسی قسم سے ہارج نہیں ہو۔ اور فوج اور رعایا کی متفقہ مرضی کے مقابلے میں تمھیں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔ اگر یہ نہ ثابت کر و گے تو ہم اپنے فرائض کی تعمیل میں تمھیں اس کی سزا دیں گے "

جب یہ گستاخانہ خط ۱۵ جولائی کے اجلاس میں پڑھا گیا تو پارلیمنٹ میں ایک شور مچ گیا۔ تمام نمایندوں نے اپنی اپنی جگہ جان دینے کی قسم کھائی۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ صدر اعظم اور وزیر جنگ جنرل ناظم پاشا کو بلا کے ان سے جواب لیا جائے۔

جنرل ناظم پاشا نے اس خط کے متعلق کہا کہ وہ ایک افسوسناک اور ذلیل ترین مذاق ہے اور وعدہ کیا کہ وہ اس گمنام خط کے لکھنے والوں کو معقول سزا دے گا۔ اور آخر میں ان اخبارات کو سخت سُست کہا جنھوں نے فوجی لیگ کے اعلان کو شایع کرکے پبلک کو بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔ اور یہ واضح کیا کہ مجلس وزرا فوراً اس معاملے کی طرف رجوع ہوگی۔ اور پارلیمنٹ کو یہ یقین دلا کے اس نے اپنی بکواس کو ختم کیا کہ وہ دوبارہ اطاعت و انقیاد فوج میں قائم کر دے گا۔

۳۰ر جولائی کو پارلیمنٹ میں وزرا کی مجلس ہوئی۔ صدر اعظم نے اعلان وزارت پڑھا جس میں مجلس وزارت سعید پاشا پر سختی سے تنقید کی گئی تھی۔ یہ خود پارلیمنٹ پر ایک در پردہ حملہ تھا جس نے ۱۹۴ ووٹ بمقابلہ ۴ کے سعید پاشا کے لئے اظہار طمانیت کیا تھا۔ پارلیمنٹ کو صورت حال سے واقف کرنے کے ادعا سے اعلان میں بتایا گیا تھا کہ ملک میں نہایت شورش پھیلی ہوئی ہے جس کے چار وجوہ بیان کیے گئے تھے۔

انتخابات میں حکام کی خلاف ضابطہ مداخلت۔ مختلف سیاسی جماعتوں سے فوج اور افسروں کے تعلقات۔ ملکی خدمات پر تقررات میں قانون رائجہ کی خلاف ورزی۔ اصول و قواعد دستور کے خلاف انتظامات۔

ان چاروں مسائل کے متعلق مجلس وزرا کا جو طرز عمل ہونے والا تھا اس کی تشریح کی گئی تھی۔ جنگ اطالیہ اور شرائط صلح کے متعلق عوام الناس میں جو چرچا تھا اس کے متعلق کوئی قابل ذکر بات نہ تھی۔

اعلان کا خاتمہ ان روزمرہ کے معمولی الفاظ پر ہوا تھا "ہم کو عثمانی قوم کی حب الوطنی اور جانبازی پر اعتماد ہے۔ اپنی قوم اور اللہ کی مدد اور ثابت قدمی اور ہمت کے ساتھ ہم اپنے ملک کی حفاظت، اور اپنے حقوق کی نگہداشت اس وقت تک کریں گے جس وقت تک کہ ہمارے حقوق اور ہماری قومی عزت کے اعتبار سے عمدہ بنیاد پر صلح نہو۔"

ایک معرکۃ الآرا مباحثے کے بعد مجلس وزرا کے لیے طمانیت کا ووٹ دیا گیا۔ ۲۱۳ رائیں موافق ۴۸ مخالف اور ۹ غیر طرفدار تھیں۔ اکیسو نمایندوں نے

دیا (پارلیمنٹ کے جملہ ۲۱۰ ممبر تھے) اجلاس میں شریک ہونا مناسب نہ سمجھا۔ اپنی کامیابی کے بل پر مجلس وزراء نے سعید پاشا کی تجویز تبدیلی دستور پر ہاتھ ڈالا اور اس کو ایک نئی ہیئت دی۔ سعید پاشا کی تجویز سے سلطان کو برخاست پارلیمنٹ کا پورا اختیار دیا گیا تھا لیکن یہ اختیار منظوری مجلس اعیان کے تحت تھا۔ جب اس تبدیلی کو پارلیمنٹ نے نامنظور کیا تو وہ برخاست کر دی گئی اور نئے انتخابات عمل میں آئے۔ جدید پارلیمنٹ نے تمام مجوزہ تبدیلیوں کو منظور کر لیا، لیکن مجلس اعیان نے اس قانون کی ضرورت کا اعلان کرنے سے انکار کیا اور اس طریقے سے یہ قانون اسی ناتمام حالت میں جاری رہا۔ اب پارلیمنٹ کو برخاست کرنے کے لیے حکومت کو دستور کی دفعہ ۳۵ کے پیچیدہ طریقے سے مدد لینی پڑی اس کیلئے یہ ضرور تھا کہ حکومت اور پارلیمنٹ میں ایک مسئلے کے متعلق جو حکومت کا مجوزہ ہو نزاع ہو اور گورنمنٹ کی تجویز کے باضابطہ اور متواتر انکار کے بعد اگر پارلیمنٹ کے نقطۂ خیال پر مجلس وزراء نہ آئے تو مجلس وزراء کو مستعفی ہونا پڑتا۔ اس کے بعد اگر جدید مجلس وزراء قدیم مجلس وزراء کا مسودہ قانون پیش کرے اور پارلیمنٹ پھر اسے نامنظور کرے تو سلطان پارلیمنٹ کو برخاست کرنے کا مجاز ہوتا۔

۳۱ جولائی کے اجلاس میں حکومت نے دفعات ۳۵ و ۴۳ کی ترمیم کو قبول کر کے ایک دوسری تجویز ترمیم دفعہ (۷) کے متعلق پیش کی۔ اس دفعہ میں سلطان کے اختیارات کی توضیح کی گئی تھی چنانچہ من جملہ اور اختیارات کے سلطان مجاز تھا۔

"مشورۂ مجلس اعیان سے برخاست پارلیمنٹ کا بدیں شرط کہ تین ماہ کے اندر جدید انتخابات عمل میں آئیں اور جدید پارلیمنٹ کے اجلاس ہوں"

سعید پاشا نے اس میں یہ ترمیم کی تھی "بشرط ضرورت برخاست پارلیمنٹ و التوائے اجلاس کا" پارلیمنٹی کمیشن نے مجوزہ ترمیم حکومت کی حسب ذیل ترمیم کی تھی "بشرط ضرورت و بمطابقت دفعہ ۳۵ برخواست پارلیمنٹ و نیز التوائے اجلاس کا ....

یہ آخری ترمیم ہی ۲۲ جون کو (۲۱۰) ووٹ بمقابلہ (۱۵) کے منظور ہوئی تھی" حکومت نے حسب ذیل ترمیم پیش کی جس سے دفعہ ۳۵ کا جھگڑا ہی

مٹ گیا اور جس سے سلطان جب چاہے پارلیمنٹ کو برخاست کر سکتا تھا۔ غیر معمولی حالات میں سلطان کو بعد مشورۂ مجلس اعیان پارلیمنٹ برخاست کرنے کا حق حاصل رہے گا۔

اس کے بعد برخاست کے لیے پارلیمنٹ اور مجلس وزرا میں تخالف رائے کی بحث باقی نہ رہی بلکہ اس کا انحصار مجلس اعیان کی صوابدید پر رکھا گیا۔ سابق میں مجلس وزرا صرف مشورہ دینے کی مجاز تھی۔ اگر گورنمنٹ کی تجویز برخاست پارلیمنٹ پر اس نے اتفاق کیا تو گورنمنٹ کی کامیابی میں مزید اضافہ ہوا لیکن اگر مجلس وزرا نے اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا تو حکومت کا کوئی حرج بھی نہیں ہوتا تھا۔ تکمیل ضابطہ کے لئے اس کی رائے حاصل کی جاتی اور موافق ہونے کی صورت میں اس پر عمل کیا جاتا۔ کمیٹی نے مقابلہ کو اپنا کرنے اور پارلیمنٹ کو مملوکوں کی پارلیمنٹ بنانے کے لئے سلطان کو برخاست کا کامل اختیار دینا چاہا تھا لیکن خود اس جال میں پھنس گئی۔ اور جس ہتھیار کو اس نے اپنے حریفوں پر چلانا چاہا تھا وہ خود اس پر چل گیا۔ اتحاد پسند اکثریت نے جارحانہ روش اختیار کی اور ناظم پاشا وزیر جنگ کے مفرور افسران موتستر اور فوجی لیگ سے تعلقات رکھنے کے متعلق سوال پیش کرنے کا نوٹس دیا۔ سوال کی تاریخ دوشنبہ ۵ / اگست مقرر کی گئی۔ ۱۳ کو مجلس اعیان کا ایک غیر معمولی اجلاس ہوا جس میں من جملہ ۵۲ اراکین کے ۳۵ نے گورنمنٹ کی ان تمام مجوزہ ترمیمات کو منظور کر لیا جو دفعات ۳۵ و ۴۳ و ۷ کے متعلق کی گئی تھیں۔ اس کے بعد بہت جلد صدر اعظم نے منشور پر اپنا استدلال کرتے ہوئے جس کی رو سے مجلس اعیان توضیح احکام دستور کی مجاز تھی مجلس اعیان سے یہ تصفیہ کرنے کو کہا کہ آیا موجودہ اجلاس اس اجلاس کا سلسلہ سمجھا جائے جو بوجہ برخاست سابقہ پارلیمنٹ موقوف ہوا تھا اور آیا گورنمنٹ کو یہ سمجھنے کا حق ہے کہ یہ پارلیمنٹ کا آخری اجلاس ہے جس کی رو سے پارلیمنٹ کو ۱۸ جولائی کو ہی اجلاس برخاست کرنا چاہیئے تھا اس لحاظ سے پارلیمنٹ کا خلاف ضابطہ پانچ روز سے اجلاس ہو رہا ہے۔

محمود شوکت پاشا سابق وزیر جنگ نے صدر اعظم کی تجویز کی سختی کے ساتھ مخالفت اور اپنے جانشین ناظم پاشا کی سرگرمی کے ساتھ حمایت کی۔ اراکین پارلیمنٹ نے

اس پر جنرل کو تقریر سے روکنے کے لیے اس قدر ہنگامہ اور شور کیا کہ پارلیمنٹ کو سر پر اٹھالیا۔ مجبوراً محمود شوکت کو منبر سے اتر آنا پڑا۔ شریف حیدر بے نائب صدر مجلس اعیان جو اتحاد پسند جماعت سے تعلق نہ رکھتا تھا اس واقعے پر غصے کو ضبط نہ کر سکا "اگر تم لوگ تقریر کی اجازت نہیں دیتے تو مجھے کیوں اس خدمت پر انتخاب کیا" یہ کہا اور پارلیمنٹ سے ہمیشہ کے لئے چلا گیا۔

حکومت کی پارلیمنٹ برخاست کرنے کی تجویز پر ۲۸ ووٹ موافقت میں اور (۵) مخالفت میں دیے گئے۔ ایک نے کسی طرف رائے نہیں دی۔ اس طرح سے یہ تجویز منظور ہوئی۔ پانچ اراکین جنھوں نے مخالفت کی حسب ذیل تھے۔ جنرل حسین حسنی جو محمود شوکت سے پہلے قسطنطنیہ کی رومیلی افواج کا سپہ سالار تھا۔ احمد رضا بے سابق صدر پارلیمنٹ و حال رکن مجلس اعیان۔ موسیٰ کاظم بے سابق شیخ الاسلام تلکف بلغاروی۔ بشریریا کوٹزد وافلاقی۔ محمود شوکت غیر جانبدار رہا۔ اس کے بعد صدر اعظم حرم سرائے سلطانی کو روانہ ہوا۔ سلطان کی طرف سے "ارید" جاری ہوا جس میں پارلیمنٹ برخاست کرنے کا حکم تھا۔

پارلیمنٹ نے اس حکم کی مزاحمت کی۔ دوشنبہ ۵ اگست ۱۰ بجے صبح کو اس کا اجلاس ہوا۔ جاوید بے نے تقریر کی۔ یہ تقریر عثمانی پارلیمنٹ کا شاندار کارنامہ تھی۔ ایک گھنٹے تک وہ کہتا رہا۔ اس کی زبان گورنمنٹ کے نقائص وعیوب کو طشت از بام کر کے اس پر تازیانہ لگا رہی تھی۔ اس نے ایک طرف دستور کی خلاف ورزیوں کو ظاہر کیا تو دوسری طرف اس خطرے کو بیان کیا جو آزادی رعایا کے درپیش تھا۔ اور ظاہر کیا کہ مجلس وزرا ناظم پاشا کی شمشیر کی حفاظت میں جو خود باغی افسروں کا محکوم بنا ہوا تھا دور حمیدی پر مراجعت کر رہی ہے نمائندوں اور نیک شہریوں کو صیانت دستور کی دعوت دیتے ہوئے اس نے کہا۔

"مجلس اتحاد و ترقی کا بدترین جرم یہ ہے کہ قوم کے سرکشوں کی اس نے معقول تنبیہ نہیں کی۔ سالہا سال سے فرزندان قوم ستائے گئے۔ انھیں جلاوطن اور قید کیا گیا۔ قید خانوں میں طرح طرح کی سزائیں دی گئیں۔ وہ دریا میں غرق کر دیے گئے۔ اُن سیہ کاروں کو سزا دینے اور ان کا قلع قمع کرنے کی بجائے

جو ان مظالم کے مرتکب ہوئے تھے مجلس اتحاد وترقی نے ان کی جانیں انھیں بخشیں اور ان کی جائداد کا احترام کیا لیکن یہ سمجھ رکھو کہ اتحاد وترقی نے بڑی بڑی قربانیوں کے بعد دستور کا دوبارہ احیا کیا۔ جب انھوں نے اس کوشش میں عبدالحمید کی پروانہ کی تو اب وہ اس کے غلاموں کی کیا پرواکر سکتے ہیں ....۔"

موجودہ حالت میں صرف ایک آدمی کی کسر رہ گئی ہے۔ یہ عبدالحمید ہے۔ بہتر ہوتا کہ مجلس وزرا اس کو طلب کر لیتی۔ پھر تو وہ اور اس کے ساتھی یہ کہہ سکتے کہ ہم نے مجلس اتحاد وترقی کا جائزہ لیا۔"

جو لوگ ترکی سے واقف ہیں ان کا بیان ہے کہ جاوید بے کی تقریر کا سارا زور ان جملوں میں تھا جن میں اس نے افواج رومیلیا سے قوم کی مدد کے لیے استمداد کی تھی چنانچہ اس کے الفاظ تھے۔ "اے نامور فوج تو کہاں ہے؟ اے فوج اے بہادروں کی بہادر تو نے ہی استبداد کے خونخوار پنجوں سے دستور کو رہائی دلائی۔ اب کیوں تو خاموش ہے؟ کیا تو نہیں دیکھ رہی ہے کہ تیرے پردے میں ہم پر کیا کیا مظالم کیے جا رہے ہیں۔

اے شریف فوج عثمانی اٹھ اور اپنے فرزندوں کے اس قاتل کو ذرا دیکھ جسے یہاں تیرے فرزند مظفر و منصور لائے ہیں۔

بیشک پارلیمنٹ کو کبھی وہ غدار برخاست نہ کریں گے جو باب عالی میں متمکن ہیں۔ ان کا قول ہے کہ وہ ملک میں قانون کی اشاعت کریں گے لیکن "قانون" کا لفظ ان کے دعووں کو جھٹلاتا ہے۔ یہی لفظ ان کی زبان پر تھا جب کہ انھوں نے مدحت پاشا کو ان مدحت وہ جو بانی دستور اولین تھا اس کے قتل نامہ پر دستخط کیے تھے ....۔"

آخر میں جاوید نے کہا کہ حکومت اور سلطان پر غدار لوگوں کا قابو ہے۔ پارلیمنٹ کے برابر اجلاس جاری رہنے چاہئیں کیونکہ پارلیمنٹ رعایا کی طرف سے وکیل ہے۔ اور رعایا ہی بادشاہ ہے۔ اس نے کابینہ کے خلاف ناخوشی کا ووٹ تجویز کیا۔ نیز یہ بھی تجویز پیش کی کہ صدر نشین جب تک کوئی ہدایات اس بارے میں نہ دے پارلیمنٹ کا اجلاس ملتوی رہے۔ ان ہر دو

تجاویز کو باستثنائے دو نمایندوں کے تمام اراکین نے نعرہ ہائے مسرت کے ساتھ منظور کیا۔ یہ دو نمایندے شاہین بے اور اسد پاشا تھے۔ وہ اس بارے میں کچھ عذر کرنے والے تھے کہ رحمی بے نمایندۂ سالونیکا و داماد حسنی پاشا نے شاہین بے کو کہا "معلوم ہے بڑے بہادر ہو عبد الحمید جب یہاں ہوگا اس وقت تقریر کرنا" شاہین بے نے جیب سے اپنا پستول نکالا۔ اس پر سبھوں نے اپنی جیب سے "برو ننگ" پستول نکالے۔ ذرا کچھ اور ہوتا تو طرفین میں گولی چل گئی ہوتی لیکن صدر نشین اور ارکان کی مداخلت سے ہنگامہ ہوتے ہوتے رک گیا۔ گیارہ بجے اجلاس ختم ہوا۔ بارہ بجے ایک تارپیڈو تباہ کن کشتی نے پارلیمنٹ کے سامنے مقام کیا۔ اور دلمہ باغچہ میں فوجیں جمع ہوئیں ایک بجے صدر اعظم آیا اور صرف سات نمایندوں کی موجودگی میں برخاست پارلیمنٹ کا حکم سنایا۔

برسے جاوید بے کی دھمکیوں کے جواب میں گورنمنٹ نے نفاذ قانون فوجی کا اعلان کیا۔ اخبارات کے لیے ایک فوری حکم صادر ہوا کہ وہ مسائل فوجی کے متعلق کسی قسم کی بحث نہ کریں اور کسی جماعت کے لئے نشر و اشاعت نہ کریں ورنہ وہ فوراً بند کر دیے جائیں گے اور عدالت فوجی کی رائے ہوگی تو انھیں قید اور ان پر جرمانہ بھی لگایا جائے گا۔ یہ حکم صرف اتحاد پسند اخبارات کے لیے تھا چنانچہ ان اخبارات نے سمجھ بھی لیا کہ یہ ان کا خرخشہ مٹانے کے لئے ہے۔

"حق" اور "طنین" نے جو اتحاد پسند جماعت کے سب سے زیادہ باثر اخبارات تھے خود ہی اشاعت بند کر دی۔ مجلس اتحاد و ترقی کے جتنے کلب تھے وہ بند کر دیے گئے اور ان مقامات میں فوج کا پہرہ بھی بٹھا دیا گیا۔

تمام پولیس کمشنر بدل دیے گئے۔ اور عوام کو درہم برہم کر دیا گیا۔ یہ الٹی صفائی تھی۔ پیدلوں اور سواروں کے دستے شہر میں گشت کرتے تھے۔ استامبول میں گیارہ بجے رات کے بعد تمام دکانیں اور مکانات وغیرہ بند کر دیے جاتے تھے۔ پیرا میں قہوہ خانے، رسٹورنٹ، تھیٹر وغیرہ نصف شب کے بعد کھلے نہیں رہ سکتے تھے اور کوئی شخص اپنے گھر سے باہر نہیں نکل سکتا تھا اس وقت کے بعد اگر کوئی پکڑا جاتا تو اسے استامبول محکمۂ وزارت جنگی میں پہنچایا جاتا

جاوید بے، طلعت بے، رحمی بے، ایوب صبری بے، ناظم بے، اور دیگر اراکین مرکزی کمیٹی سالونیکا چلے گئے تاکہ وہاں مجلس وزرا کا مقابلہ کریں اور اگر ہو سکے تو حسین حسنی کے قسطنطنیہ پر کوچ کے واقعے کو ایک اور بار دہرائیں۔ گورنمنٹ نے بہت جلد ولایت سالونیکا میں مارشل لا جاری کر دیا۔ سلطانی آئرید سے مجلس وزرا کو تمام ولایات رومیلیا میں مارشل لا کے نفاذ کا حق دیا گیا لیکن جلد عوام الناس کے خیالات میں تبدیلی اور شورشانہ ارادوں میں کمی ہو گئی۔

اتحاد و ترقی کے سیاست دانوں نے ایک اور بار اپنی انتہا پسند جماعت کو قانون کی حد میں رہنے اور انقلاب پسند نہ بننے کا مشورہ دیا اور مرکزی کمیٹی کے اس عاجلانہ فیصلے کی مخالفت کی جس سے انتخابات میں حصہ نہ لینے اور انتخاب کنندگان کو انتخابات سے الگ تھلگ رہنے کی ہدایت دی گئی تھی۔ اس سے زیادہ خراب اثر کسی جماعت پر نہیں پڑ سکتا کہ وہ اپنے انتخاب کنندگان کو انتخاب سے باز رکھے کیونکہ عوام الناس اس طریقے کی سیاسی جنگ کو نہیں سمجھ سکتے۔ وہ یہی خیال کرتے کہ اتحاد و ترقی نے اپنی شکست و مجبوری کا اقرار کر لیا اور اپنے حریفوں کے مقابلے میں ہتھیار ڈال دیے۔ علاوہ اس کے جماعت اتحاد و ترقی ہی ایک باتربیت اور باقاعدہ جماعت تھی اور اس کو خوف تھا تو صرف حکومت کا ہی لیکن اگر حکومت اپنی غیر جانبداری کے محکم وعدوں پر قائم رہے اور انتخاب کنندگان پر دباؤ نہ ڈالے تو اتحاد و ترقی کی کامیابی میں شک نہ تھا۔ ساتھ ہی مخالف جماعت میں صلح کے تیور نظر آ رہے تھے۔ لطفی فخری بے سابق نمائندۂ درسین نے جو جماعت امن و آزادی کا نہایت بااثر قائد اور جماعت اتحاد و ترقی کے شدید ترین مخالفین سے تھا اپنے اخبار میں صلح کی اس طرح تائید کی تھی۔

"کمیٹی کا وجود نہیں مگر جماعت اتحاد و ترقی باقی ہے۔ ملک کے لئے جماعت اتحاد و ترقی اور جماعت امن و آزادی دونوں لابدی ہیں۔ سیاسی لڑائی کے لئے کم از کم دو جماعتیں ہونی چاہئیں۔ ایک تو برسر اقتدار اور ایک نگراں کار۔ جماعت اتحاد و ترقی کے لیے برخاست پارلیمنٹ کے صرف ایک معنی ہیں۔ وہ یہ کہ آج سے کمیٹی برخاست ہو گئی۔ صرف اتحاد و ترقی کی ایک سیاسی جماعت ہے

جو انقلاب اور اسلحہ سے نہیں بلکہ اخبارات، عام تقاریر، اور نشر و اشاعت سے لڑے گی...... پس ہمیں وفاداری کے ساتھ برابر کے ہتھیار سے ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا چاہئیے۔ جب دونوں میں سے کوئی ایک جیتے تو ہم کو چاہئیے کہ مخالفت کو بھول جائیں اور ایک دوسرے سے مصافحہ کریں اور کہیں "عثمانیت زندہ باش، کیوں کہ ہم سب عثمانی ہیں"۔

کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ یہ ایک بہتر پروگرام نہ تھا لیکن بدقسمتی سے تمام ممالک میں عموماً اور ترکی میں خصوصاً واقعات اس کے خلاف ظہور میں آتے ہیں۔ ادھر حکومت نے بھی جماعت اتحاد و ترقی سے دوستی جوڑنے کی کوشش کی۔ اس میں شک نہیں کہ جتنے اتحاد پسند ولاۃ و متصرف تھے وہ موقوف کر دیے گئے تھے لیکن حکومت نے بار بار یہ ظاہر کیا کہ اس کو اتحاد و ترقی سے کسی قسم کی عداوت نہیں بلکہ اس جماعت کی امداد پر اسے ایسا ہی بھروسا ہے جیسا ملک کی دوسری جماعتوں سے۔ اس وقت اتفاق کی بہت سخت ضرورت تھی کیوں کہ البانی بغاوت کی رفتار خطرناک طور پر ترقی کر رہی تھی۔ ارناوطیوں نے اعلان کیا کہ جس وقت تک کہ حسب ذیل مطالبات پورے نہ کیے جائیں وہ ہتھیار نہ رکھیں گے۔

۱۔ تمام البانیا کے لیے ایک خاص قانون کی تدوین جو "پہاڑی" قانون پر منضبط ہو۔ یہ جاگیری قانون ڈوکاجن نامور ڈیوک جین، سکندر بیگ کے رفیق فوجی نے وضع کیا تھا اور جو قبائل مرویت، مالیسیا، لوما وغیرہ میں رائج ہے۔

۲۔ باستثنائے زمانۂ جنگ رومیلیا میں فوجی خدمت کی بجا آوری۔

۳۔ باشندگان میں جدید ترین نمونے کے اسلحہ کی تقسیم بحساب فی مکان تین۔

۴۔ ایسے لوگوں کا تقرر جو ملک کی زبان، اور آداب و رسوم اور خصائص سے واقف ہوں۔

۵۔ سنجقوں میں مدارس زراعتی کا افتتاح اور مدارس میں ملکی زبان کی اشاعت۔

۶۔ مسلمانوں کے مذہبی مدارس میں اضافہ۔

۷۔ خانگی مدارس کھولنے کی آزادی۔

۸۔ تحتانیہ و وسطانیہ مدارس میں ملکی زبان کی تعلیم
۹۔ ریلوے لائن میں اضافہ
۱۰۔ ہر جگہ کمیون (بلدیہ) کا قیام
۱۱۔ شریعت اسلامی کے مطابق احترام رسوم وعادات ورواج۔
۱۲۔ حقی پاشا اور سعید پاشا کی مجلس وزرا کے اراکین کی عدالت العالیہ میں سپردگی۔
۱۳۔ افسروں اور تمام باغیوں کو نوید امن۔
۱۴۔ ان البانیوں کے لیے تاوان کا انتظام جن کے مکانات فوج نے گذشتہ چار سال میں تباہ کئے۔

گورنمنٹ کو اس دستورالعمل سے ڈر تھا اور اس لیے اس نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا لیکن ساتھ ہی وہ باغیوں کے مقابلے میں بھی بے بس تھی۔ ساتواں دستہ (اسقب) قریب قریب پورا باغیوں کے ساتھ مل گیا تھا۔ چھٹے دستہ کی بھی حالت نہایت مشتبہ تھی اور سقودرہ کی خود مختار فوج بھی اپنے بد لنے کی دھمکی دے رہی تھی مجلس وزرا کو مرتب ہوکے ایک ماہ بھی نہ گزرا تھا کہ وہ نزاعات ملکی کا شکار ہوگئی جن سے خود اس کا وجود خطرے میں ہوگیا۔

ایک طرف صدر اعظم، وزیر عدالت، اور وزیر بحری جماعت اتحاد وترقی سے مصالحت اور ممکن ہوسکے تو باہمی سمجھوتہ کرنا چاہتے تھے تو دوسری طرف شیخ الاسلام صدر نشین مجلس حل وعقد (کونسل آف اسٹیٹ) اور وزیر جنگ، وزیر خارجہ سے متحد ہوکر اتحاد پسندوں کا بغیر رحم وامان کے خاتمہ کرنا چاہتے تھے۔ یہ اختلاف خیال باوجود چھپانے کے چھپ نہ سکا اور مجلس وزرا کی ترتیب کے وقت ہی ظاہر ہوگیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ مارشل مختار پاشا نے وزارت داخلی پر سابق صدر اعظم فرید پاشا کا انتخاب کیا تھا لیکن اس کے قبول نہ کرنے پر ضیا پاشا وزیر مالیہ کو وزیر داخلی اور ضیا پاشا کی جگہ وزارت مالیہ پر عبدالرحمن بے کا تقرر کیا جو مالیہ کا ایک اعلی عہدہ دار تھا لیکن ضیا پاشا مفاہمت پسندوں کے انتقام کا آلہ نہیں بننا چاہتا تھا اس لیے تین یا چار والیوں کو ان کے نذر کرلے کے بعد اس نے اس خدمت سے سبکدوش

ہونا مناسب سمجھا۔ اس کی جگہ داماد شریف پاشا وزیر تعمیرات کا انتخاب کیا گیا جس کی بڑی قابلیت یہی تھی کہ اس نے ایک سلطانہ سے شادی کی تھی چنانچہ وہ وزیر داخلی بنا یا گیا۔ اس کی خدمت وزارت تعمیرات پر جنرل صالح پاشا کا تقرر کیا گیا جو کابینہ حلمی پاشا میں وزیر جنگ اور ترکی کا ایک قابل ترین افسر تھا۔ داماد شریف پاشا کے وزیر داخلی ہوتے ہی کابینہ کا اختلاف عام طور پر ظاہر ہو گیا۔ شریف پاشا نظم ونسق میں از سرنو انتظام کرنا۔ اور جملہ والیوں، متصرفوں، قائم مقاموں، صدر نشینوں اور منصفوں کو جو اتحاد پسند تھے فوراً علیحدہ کر دینا چاہتا تھا۔ حسین حلمی پاشا وزیر عدالت نے رکن داخلی کی تجاویز کی سخت مخالفت کی اور وزیر اعظم نے داماد شریف کی پیش کردہ فہرست اشخاص قابل سزا کو نامنظور کیا۔ اس پر داماد شریف نے استعفا پیش کیا۔ اس کے ساتھ ہی مفاہمت پسند اخبارات نے حسین حلمی پاشا پر حملے کیے اور اسے باغی ٹھیرایا۔ ادھر یونانی اخبارات نے یہ خبر شایع کی کہ کامل پاشا میر مجلس حل وعقد نے کابینہ میں حلمی پاشا کے رہنے کی صورت میں مستعفی ہو جانے کا اعلان کیا ہے۔ شیخ الاسلام جمال الدین افندی کے داماد ڈاکٹر جمیل کا تقرر جب پریفکٹ دار الخلافت (Prefect of the city)، پر ہوا تو حلمی پاشا نے ۳۰ر اگست کو اپنا استعفا پیش کیا۔ (جمال الدین افندی سابق میں عبد الحمید کا مقرب اور ڈاکٹر جمیل فوجی ڈاکٹر تھا ڈاکٹر جمیل کو عبد الحمید نے مارشل کے عہدے پر ترقی دی تھی انقلاب میں اس کا کرنل کے عہدے پر تنزل ہوا۔ اس کے بعد وہ علیحدہ کر دیا گیا) ناسازی صحت استعفا کی وجہ بتائی گئی لیکن "تنین" نے اس راز پر سے نقاب اٹھایا اور لکھا کہ

"ہز ہائنس شیخ الاسلام کا خیال یہ ہے کہ چونکہ جمیل پاشا ہاتھ پیر کی جراحی اور زخموں کی مرہم پٹی میں قابلیت رکھتے ہیں اس لئے راستوں اور شاہراہوں کی تعمیر میں بھی انھیں دسترس ہونی چاہئے لیکن جب صدر اعظم کے صاحبزادے کا تقرر محکمۂ بحری میں ہو چکا ہے۔ (تنین نے یہ نظر انداز کر دیا کہ محمود مختار پاشا اس عہدۂ جلیلہ پر حقی پاشا کی اتحاد پسند مجلس وزرا میں بھی مامور تھا) اور نوراڈونگھیمین افندی نے اپنے صاحبزادے کو سفارتخانہ پیرس کا معتمد اعلیٰ بنایا ہے تو اس میں حیرت کی کونسی بات ہے اگر شیخ الاسلام اپنے داماد کو پریفکٹ دار الخلافت بنائیں۔

علاوہ ازیں اس سے بڑھکر ملک کی کیا خدمت ہوسکتی ہے[1]"!

مجلس وزرا کے تین عہدے، داخلی، عدالت، اور زراعت، خالی تھے۔ زراعت پر کسی کا انتخاب نہیں کیا گیا تھا۔ صدراعظم نے وزارت داخلی پر رشید بے سابق والی حلب کا انتخاب کیا جو ایک زمانے میں حریت پسند اخبار "چہرہ" کا ناظم بھی تھا جس کا مدیر خاص تقی بے قتل ہوا تھا اور جس کے قتل کی نسبت بعض لوگوں کا گمان تھا کہ کمیٹی کے حکم سے ہوا۔ فرید پاشا سے جس نے پہلے صدارت مجلس اعیان کو زینت دی تھی پھر مکرر درخواست کی گئی۔ سابق صدراعظم نے مکرر انکار کیا اور وہی ناسازی صحت انکار کی وجہ بتائی لیکن فرید پاشا کامل پاشا کے ساتھ مجلس وزرا میں شریک نہیں رہ سکتا تھا کیونکہ اس نے کامل کو جب کہ وہ والی عیدن تھا معزول کیا تھا جس کی بنا یہ تھی کہ کامل کا بیٹا سعید پاشا افسر بحری جو یلدیز کے خاص خبر رسانوں سے تھا ڈاکوؤں کی جماعت کے ساتھ صوبے میں غارتگری کر رہا تھا۔ نیز ۲۴ اپریل ۱۹۰۹ء کے بعد کابینۂ حلمی پاشا میں وزیر داخلی ہونے کی حیثیت سے وہ کامل کی اس کوشش سے بھی بخوبی واقف تھا جو ۱۳ اپریل کے حمیدی انقلاب میں اس کی طرف سے عمل میں آئی تھی۔ چونکہ اس خدمت پر ایک البانی کے تقرر کی خواہش کی گئی تھی اس لئے علی دانش بے رکن رفارم کمیشن البانیا کے جذبۂ حب الوطنی کو ابھارا گیا۔ چنانچہ اس نے وزیر داخلی کی خدمت قبول کی۔ عدالت کے لیے خیال تھا کہ رکن مجلس اعیان حلیم بے اس خدمت کو قبول کرلے گا لیکن خوب غور کرنے کے بعد اس نے اس بار گراں کو قبول کرنے سے انکار کیا۔

ادھر وزارتی انتخابات کے جھگڑے ہو رہے تھے ادھر ملک میں بدنظمی چھائی ہوئی تھی۔ ارمینو کردستان میں معلوم ہوتا تھا کہ عبدالحمید کا بدترین زمانہ پلٹ آیا۔ اس سے بھی بڑھ کر یورپ میں روز بروز جنگ کے آثار خطرناک صورت اختیار کر رہے تھے۔ مسئلۂ مقدونیہ کی وجہ سے عہد عبدالحمید کا خاتمہ ہوا تھا۔

---

[1] جمیل پاشا آج شدید اتحاد پسند مجلس وزارت کے دور میں بھی ناظم بلدہ ہے۔

نوجوان ترکوں نے اپنی دانست میں اس مسئلے کو اعلان دستور سے حل کر لیا تھا جو سلطنت کے تمام باشندوں کی آزادی اور مساوات کا اعلان تھا لیکن بعد میں اس مسئلے نے مہیب صورت اختیار کر لی۔ نوجوان ترکوں کی حکومت نے اپنے وعدوں کو ایفا نہیں کیا تھا جس کی وجہ سے مقدونیہ میں پہلے سے زیادہ نراج کی عملداری تھی۔ عود دستور کے ساتھ ہی مقدونیہ میں طلسمی طور پر تبدیلی واقع ہو گئی۔ البانی، بلغاروی، کوتزوافلاقی، یونانی، سروی، اور ترک جتنے ڈاکو تھے وہ سب بے اسلحہ اور آپس میں بھائی بھائی ہو گئے تھے چنانچہ دعوتوں میں چور، امرا، اور حکام ایک دوسرے کے پہلو میں بیٹھے ہوئے نظر آتے تھے۔ ۱۳ اپریل ۱۹۰۹ء کی انقلابی کوشش کے بعد جب رومیلی افواج کی قسطنطنیہ پر پیشقدمی ہوئی تو حسنی پاشا اور محمود شوکت پاشا کی فوج میں بلغاروی جماعتوں کے بہت سارے رضاکار تھے۔ سنڈانسکی اور شرنوپوجیف نے کننشجنٹوں کے ساتھ مدد کی۔ اس کے بعد اکثریت کا نازک سوال پیش ہوا۔ ترکوں نے یونانیوں سے نفرت کی بنا پر بلغاریوں پر نظر شفقت زیادہ کی۔ اور اسی قدر یونانیوں کو دور پھٹکارا لیکن بعد میں قومیت اور تعصب پر سرگرمی کے ساتھ کاربند رہ کر کمیٹی نے مقدونیہ کے تمام عیسائی فرقوں میں کوئی امتیاز باقی نہ رکھا۔ اور سب کو مشق ستم بنایا۔

سنہ ۱۸۴۶ء میں رشید پاشا نے ممالک طارس و گوردین سے آرمینیوں کے اخراج کی جو تجویز سوچی تھی اس کو پیش نظر رکھ کر کمیٹی نے مقدونیہ سے عیسائی مزارعین کے اخراج اور ان کی زمینیں ہرزیگونہ و بوسنہ کے مسلمان مہاجرین کو دینے کا تہیہ کیا چنانچہ استامبولی کارندوں نے ان مسلمانوں کو مقدونیہ میں وسیع اور شاداب زمینوں کی توقع دلائی تھی بشرطیکہ وہ اپنے وطن کو چھوڑ کر یہاں چلے آئیں۔ عبدالحمید اس طریقے کو ایک بڑے پیمانے پر ایپرس میں عمل میں لایا تھا۔ عیسائی مزارعین کی حالت بعینہ آئرش مزارعین کی سی تھی۔ ابتداءً زمین پر وہ بحیثیت مالک قابض تھے۔ مفتوح ہونے کے بعد وہ بیدخل ہو گئے۔ اور اپنی زمین سے بحیثیت مزارع ان کا تعلق رہا۔ یورپ کے عیسائی مواضعات پر ترکی امرا متصرف ہو گئے لیکن مزارعین کو اختیار تھا کہ وہ اپنی مزروعہ زمین کو خرید لیں۔ نیزان کے بنائے ہوئے

مکانات ان کے قبضے میں تھے۔ اور اگر مالک انھیں نکال کر اور لوگوں کو ان میں رکھنا چاہتا تو اسے ان کی قیمت ادا کرنی پڑتی۔ حکومت نے ان بیگوں سے جو بالعموم مقروض رہتے تھے ان کی زمینیں بڑی بڑی قیمتیں دے کے خرید لیں اور پھر بعد میں عیسائی مزارعین کو بغیر کسی معاوضے کے نکال دیا اور ان کی جگہ مسلمان مہاجرین کو آباد کیا۔ ان بے خانماں مزارعین کو سوائے پہاڑی جرگوں میں شامل ہونے کے اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔

البانیائے فوقی کی بغاوت کے بعد جب قبائل البانیا سے اسلحہ ضبط کرنے کا حکم صادر ہوا تو حکومت نے اس حکم کو تمام عیسائی آبادی کی بے اسلحگی کے لیے عام کر دیا تاکہ نئی ٹولیاں قائم نہ ہونے پائیں۔ یہ اسلحہ کی ضبطی کا کام نہایت وحشیانہ پن کے ساتھ عمل میں آیا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ مختلف عیسائی فرقوں کی دل آزاری مقصود ہے چنانچہ اخبارات اور بلغاری اور یونانی نمائندوں نے اس طرز عمل کی شکایت کی اور اسے غیر مسلم آبادی کے مٹانے کا منصوبہ قرار دیا۔ طلبی اسلحہ کا کام مسلح پولیس (جندرمہ) سپاہیوں اور فوجی دستوں کے ذمے کیا گیا تھا۔ اس فوج علی الخصوص جندرمہ نے کوئی ستم باقی نہ رکھا۔ ہر گاؤں میں بندوقوں، پستولوں، اور کارتوسوں کی ایک تعداد مقرر کر دی گئی تھی۔ اگر اس قدر اسلحہ حوالے نہ کیے جاتے تو لاٹھیوں سے عمائد کو زد و کوب اور انھیں مختلف طریقوں سے تنگ کیا جاتا اور وہ قید خانے بھیج دیے جاتے بسا اوقات یہ بے اسلحہ کرنے والے دوبارہ اور سہ بارہ آتے اور پھر اسی افسوسناک منظر کا اعادہ ہوتا۔ ایک طرف عیسائیوں کو بے اسلحہ تو دوسری طرف مسلمانوں کو مسلح کیا جا رہا تھا۔ عیسائیوں سے بندوقیں لی جاتیں اور وہی بندوقیں بوسنہ کے مسلمان مہاجرین کو دی جاتیں۔ اگر اس طرز عمل سے برے نتائج رونما ہوئے تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ رفتہ رفتہ یہ ٹولیاں پھر قائم ہو گئیں اور پھر ملک کو لوٹنا شروع کر دیا بطریہ کی اور اکسرخسی (Exarchists) بجائے آپس میں لڑنے مرنے کے جیسا کہ عبدالحمید کے زمانے میں لڑتے تھے اب ایک ہو گئے تھے چنانچہ ان کی جنگ اب صرف ترکوں کے ہی ساتھ تھی۔ بلغاریوں اور یونانیوں کے

دشمن اگر تھے تو صرف ترک ہی تھے۔ کمیٹی کی سیاست کا خلاف توقع نتیجہ نکلا جو وہم و گمان میں بھی نہ تھا یعنی بلغاری اور یونانی دو مشرقی گرجا کے متعصب دشمن آپس میں شیر و شکر ہو گئے تھے۔ اس اتحاد کا آغاز اس وقت ہوا جب کہ ترکوں نے ایطریرکیت کے امتیازی حقوق کو کالعدم کر دینے کا اعلان کیا جس کی رو سے عیسائی فرقوں کے مدارس ترکی مدارس میں متبدل کیے جاتے اور ترقی اسلام کے مدنظر غیر مسلموں کے لیے فوجی خدمت لازمی قرار دی جاتی۔ اس طریقے سے بھرتی شدہ عیسائیوں کو بجبر مسلمان بنایا جاتا۔ یہ اتحاد مشترکہ بے بسی اور مشترکہ مظالم سہنے اور اس ملاپ کی قطعی ضرورت سے اور بھی مستحکم ہو گیا تھا جس کے بغیر وہ اپنے مصائب سے نجات نہیں پا سکتے تھے۔ یونانی کینیسائی شہر غریبنہ کے رئیس کنیسہ کے قتل نے جو تمام مشرقی گرجا کے متبعین میں برہمی اور نفرت کا باعث ہوا اس اتحاد کے استحکام میں کچھ کم حصہ نہ لیا تھا۔ گو قائم مقام، میر مجلس ندوۂ اتحاد و ترقی، اور افسر جندرمہ مقامی کو رئیس کنیسہ کے قتل کا حال معلوم تھا لیکن انھوں نے چشم پوشی کی تھی محض اس وجہ سے کہ مقتول گرجا کا ایک بڑا آدمی تھا۔ سازشیوں کے نام پارلیمنٹ میں پیش کیے گئے اور یورپ کے اخبارات میں بھی شایع ہوئے لیکن حکومت نے ایک مضحکہ خیز تفتیش پر اکتفا کی اور اپنے اخبارات کے ذریعے سے معلوم کرایا کہ قاتل یونانی قزاقوں کے جرگے میں سے تھے اور قتل کے بعد یونانی سرحد پر روپوش ہو گئے۔

مقدونیہ میں ایک عام بغاوت کے سب سامان ہو چکے تھے۔ دیر صرف ارکان تنظیم مقدونی کے اعلان کی تھی۔ یہ تنظیم ہمیشہ سے موجود تھی جس کی اجازت مجلس اتحاد و ترقی نے بھی دی تھی لیکن اس کا وجود ایک سیدھی سادی سیاسی جماعت کی حد تک ہی تھا۔ نومبر ۱۹۱۱ء کے اختتام پر انقلابی کمیٹی نے مقدونیہ کے قونصلوں کے نام ایک کھلا خط تحریر کیا جس میں عیسائیوں کی اس افسوسناک حالت کا ذکر تھا جو مٹھی بھر مسلمانوں کی وجہ سے ہوئی تھی، رہزنی، غارتگری، قتل، زنا بالجبر، اور عورتوں اور نوجوان لڑکیوں کی عصمت دری معمولی باتیں ہیں۔ ملکی قوانین اپنی ظاہری حالت میں بھی عیسائیوں کے حق میں

کالعدم ہیں۔ عیسائی کیا ہیں گویا یا رہ ہیں اور حدود قانون سے خارج ہیں۔" اعلان میں حکومت کے طرز عمل پر نفرین کی گئی تھی جو یہ تھا "عیسائیوں کا اپنی مزروعہ اراضی سے جن پر وہ قدیم زمانے سے زراعت کرتے چلے آرہے تھے اخراج؛ عیسائیوں کی تعداد گھٹانے کے لئے دوسرے ممالک سے رومیلیا میں مسلمانوں کی ہجرت، جرائم اور سیاسی قتل اور شدید مظالم جن کے سامنے دور حمیدی کی سفاکیاں بھی ہیچ ہیں۔ آبادی کے شائستہ اور مہذب باشندوں کا صفایا کرنے کے لئے ترکوں کی سازشی جماعتوں کی موجودگی۔ جنگ میں شریک ہونے والے عیسائیوں کے ساتھ لدو جانوروں کا سا سلوک، بیڑے اور گارڈ رسالے میں جبری بھرتی۔ قانون جرائم پیشہ کا استعمال (جس سے حکام جس کسی کو چاہیں ناخوشی کی بنا پر جلا وطن کردیں) ڈاکوؤں کے قرابتداروں کی ڈاکوؤں کے متعلق ذمہ داری حالانکہ اس مسودۂ قانون کو پارلیمنٹ نے ابھی باضابطہ طور پر منظور نہ کیا تھا۔ مرکزی حکومت کی عیسائی جماعتوں اور عیسائی مدارس کے معاملات میں مداخلت۔ تمام غیر مسلم مدارس اور غیر مسلم باشندوں کو ترک بنانے کا میلان......"

اعلان میں واضح کیا گیا تھا کہ کمیٹی نے عمدہ مستقبل کی امید پر ۱۹۰۸ء میں التوائے جنگ کو قبول کیا تھا لیکن نہایت سفاکی کے ساتھ اس کی امیدوں کا خاتمہ ہوا جس کی وجہ سے تجدید بغاوت اور ترکی حکومت کا دم آخر تک مقابلہ کرنے کے لئے مجبور ہونا پڑا۔ اپنے دستور العمل کے متعلق اس نے بتایا تھا کہ کمیٹی کا کام ٹرینوں اور سرکاری عمارتوں کو تباہ کرنا اور ڈاکوؤں کی جماعتوں کو تیار کرنا ہوگا چنانچہ اس کام کو کمیٹی اپنی پوری کوشش کے ساتھ سرانجام دے گی۔

حکومت کو چاہیئے تھا کہ مقدونی انقلابی کمیٹی کی ان دھمکیوں سے متنبہ ہو کر پہلے ہی سے کچھ انتظامات کر لیتی لیکن اس نے کچھ بھی نہ کیا۔ ۱۰؍ دسمبر کو دو ریل گاڑیوں کو بم سے اڑانے کی کوشش کی گئی۔ ۱۱؍ دسمبر کو اسٹپ میں جو سنجک اسقب اور ولایت کوسوو میں واقع ہے ہولناک واقعات رونما ہوئے۔ چدریون مسجد میں ٹھیک نماز بیرم کے وقت ایک دھماکہ ہوا۔ مسجد کے اندر دو بچے اور مسجد کے باہر بارہ آدمی زخمی ہوئے۔ اس حملے کا

نتیجہ یہ ہوا کہ اس قصبے کے تمام مسلمان بلغاریوں پر ٹوٹ پڑے اور انھیں اس جرم کا ذمہ دار گردانا۔ سرکاری حساب سے پچیس بلغاری مارے گئے اور ایکسو بہتر زخمی ہوئے۔ مسلمانوں میں صرف دو قتل اور کچھ زخمی ہوئے۔ تعداد میں تفاوت اس وجہ سے تھا کہ بلغاری سرکاری طور پر بے اسلحہ کردیے گئے تھے۔ اور تمام مسلمانوں کے پاس جن کے اسلحہ چھین لیے جانے کا گمان تھا ہتھیار وافر تعداد میں تھے۔

ترکوں نے اس بلغاری حملے کا ہی انتقام نہیں لیا بلکہ ایسے حملوں کی پیش بندی کرکے قتل کا سلسلہ جاری رکھا۔ جنوری ۱۹۱۲ء میں کرچیوو میں اسی بلغاری صرف شبہے کی بنا پر قتل کردیے گئے۔ اسقب کے قریب کروشٹو میں خانقاہ کے پادری العزیشی اس کی نوے سال کی معمر مائی پیلد کروشٹو دا اور خانقاہ کے دو ملازم، باورچی اور قصاب کو طرح طرح کی تکلیف دی گئی۔ ان کے اعضا اعضا الگ کیے گئے اور بیدردی کے ساتھ انھیں قتل کردیا گیا۔ (فروری ۱۹۱۲ء) ان مقتولوں کی تفصیل باعث طوالت ہے اس لیے میں کوچانہ کا واقعہ لکھتا ہوں۔ جو من جملہ ان اسباب کے تھا جن کی وجہ سے بلغاریا اور ترکی میں جنگ واقع ہوئی۔ یکم اگست ۱۹۱۲ء کو نو بجے صبح کے بازار علی عادل بے خاں کے عقب میں ایک بم کا گولہ پھٹا۔ چار یا پانچ منٹ کے بعد پہلے بم سے پانچ سو میٹر کے فاصلے پر ایک دوسرا گولہ پھٹا۔ آٹھ آدمی ان گولوں کا نشانہ بنے جن میں دو ترک تھے ایک ہلاک اور ایک زخمی ہوا۔ باقی لبناری تھے۔ جلد محافظ فوج کو خطرے کی اطلاع دی گئی۔ افسر فوج نے ملدے کے محاصرہ کا حکم دیا۔ اس کے بعد قتال شروع ہوا۔ ڈیڑھ سو سے زیادہ آدمی مارے گئے اور ڈھائی سو سے تین سو تک مجروح ہوئے۔ بابعالی نے تحقیقات کا حکم دیا اور بلغاری اکسرخس (Balgarian Exard) کو نمائندگی کی دعوت دی لیکن کمیشن کے ترکی اراکین نے یہ فیصلہ کیا کہ بلغاری خود اپنے بموں سے آپ ہلاک ہوئے۔

ان بموں کے متعلق صوفیا کے سرکاری اخبار "گوریر ڈی بلگیری" نے ۱۴ اگست کو بعنوان "کس لئے یہ کوششیں" حسب ذیل سطور لکھی تھیں جن سے مقدونیہ کی افسوسناک حالت موشیہ اسے میں بیان کی گئی ہے۔

"ہم نے اس شخص سے ہیں کے متعلق اندرونی تنظیم کے واقفکار ہونے کا

گمان تھا دریافت کیا کہ "تقریباً تمام مقدونیہ میں گزشتہ سال سے یہ بمب بازی کیوں ہو رہی ہے؟ بہتر ہوتا اگر بغاوت کو پہاڑوں کے حدود میں ہی رکھا جاتا۔ اس سے بااَمن باشندوں کے خوفناک قتل نہ ہوتے جیسا کہ اسٹپ اور کوچانہ میں بیچارے قتل کیے گئے۔ جواب دیا گیا کہ "جہاں تک مجھے علم ہے پہاڑوں میں بغاوت کرنے سے نہ تو ترکی حکومت اور نہ دول غیر پر ہی اثر پڑ سکتا ہے کیونکہ جب تک عوام اور تجارت سے اس کا براہ راست تعلق نہو اس جنگ کو کوئی نہیں پوچھتا۔ اس میں شک نہیں کہ ایسی جنگ کا بھی آخر میں کچھ نہ کچھ نتیجہ نکلے گا لیکن یہ نتیجہ اس قابل نہو گا جس پر مقدونیہ میں دلچسپی لینے والے کچھ متوجہ ہوں۔

لیکن یہ حملے بازار کے دنوں ہی میں کیوں کیے جاتے ہیں؟ اُس سے تجارت اور تمام کاروبار کو روکنا مقصود ہے۔ یوں تو مسلمانوں کی عصبیت کے جس کا اس زمانے میں کوئی حد و حساب نہیں شہید تعداد میں بہت زیادہ ہیں لیکن یہ تعداد اس تعداد سے کم ہے جو نہایت اَمن اور خاموشی کے زمانے میں مقدونی آبادی میں سے قتل کی جاتی ہے۔ گزشتہ سال صرف ایک مہینے میں [illegible] (قصبہ؟) فلورینہ (لیرین) میں ساٹھ آدمی بغیر بمب کے حملوں کے مارے گئے۔ قاضہ لن نمازہ میں بھی ایسی ہی قیامت گزری۔ ایک ماہ میں ساٹھ یونانی اور بلغاری عمائد قتل کیے گئے جس کی وجہ سے اکسرخس اور بطریک عام کو عیسائیوں کے قتل سے ہاتھ روکنے کے لیے باب عالی سے شکایت کرنی پڑی۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ قتل موقوف نہیں ہوئے۔ ان امور پر نظر کرتے ہوئے آج کی ہماری شورشیں اگلی خاموشی سے بہت اچھی ہیں۔

بیسواں باب

محمد پنجم اور دستوری حکومت۔ اجزائے سلطنت کا انتشار

مشرق کی طرف کوچ اتحاد بلقان۔ ترکی کے خلاف اتحاد۔ ترکوں کی روحانی حالت۔ تحریک بر کنٹولڈ۔ مانٹی نیگرو کے خلاف اعلان جنگ۔ متحدین کی ۳۰ اکتوبر کی یادداشت۔ بلغاریہ اور سربیہ کے خلاف ترکی کا اعلان جنگ۔ یونان کا اعلان جنگ۔ ترکوں کی پہلی مصیبت۔ مختار پاشا کی وزارت کا زوال۔ کامل پاشا کی وزارت عظمیٰ بلغاری شتلجہ (chataldja) کے آگے۔ التوائے جنگ اور صلح کی تمہید۔ ۱۷ر جنوری ۱۹۱۳ء کا مشترکہ نوٹ۔ ناظم پاشا کی موت۔ کامل کا زوال۔ محمود شوکت پاشا کی وزارت عظمیٰ۔ مخالفتوں کی تجدید۔ صلح کی گفت وشنید۔ دول کا ۱۳ر مارچ کا نوٹ۔ لندن میں صلح کی مبادیات ۳۰ مئی۔ اختلاف اور کمیٹی۔ محمود شوکت پاشا کا قتل۔ سعید حلیم پاشا کی وزارت۔ بلقان اور ترکی میں جنگ۔ ترکی کی جارحیت اور ادرنہ پر دوبارہ قبضہ۔ بلغاریہ کے ساتھ صلح۔ معاہدۂ قسطنطنیہ۔ یونان کے ساتھ صلح۔ معاہدۂ اتینا۔ مسئلۂ جزائر ترکی اپنے انتقام کی تیاری کرتی ہے۔

"مشرق کی طرف کوچ"۔ اتحاد بلقان

انیسویں صدی میں جس زمانہ سے کہ مسئلۂ مشرق مغربی سیاست کے روبرو

پیش ہوا تھا، ترکی کو روس کے خلاف انگلستان کی حمایت حاصل رہی تھی۔ یہ برطانیہ ہی تھا، جس نے ۱۸۷۸ء میں گرانڈ ڈیوک نکولاس کی فوجوں کو قسطنطنیہ پر قبضہ کر لینے سے باز رکھا تھا۔ یہ انگلستان ہی تھا، جس نے معاہدۂ سان اسٹیفانو کی شرایط کو معتدل کر کے معاہدۂ برلن سے بدل دیا تھا۔ لیکن مصر پر انگریزی قبضہ ہو جانے سے سینٹ جیمس کی کابینہ کی پالیسی میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا تھا، جو ایک حد تک ترکوں کے خلاف تھا۔ یہ ایک ایسا انقلاب تھا، جو واقعات کی رو میں اس وقت تک بڑھتا ہی چلا جانے والا تھا جب تک کہ دفتر خارجہ میں اس کے مخالف اصول کو کامیابی حاصل نہ ہو جائے۔ یہ اصول، جو اُس اصول کے خلاف تھا، جو اس وقت تک جاری و ساری تھا، سلطنت عثمانیہ کی تمامیت کا اصول تھا۔ یہ اسی انقلاب کا باعث تھا کہ عبدالحمید کو رفتہ رفتہ جرمنی پر بدرجۂ مجبوری اعتماد کرنا پڑا اور یہ کسی ذاتی پسند یا ایک مطلق العنان پادشاہ کے میلان خاطر کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ تحفظ ذات کی خاطر ایسا کیا گیا تھا اس لیے کہ عبدالحمید کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ صرف جرمنی ہی اس کے تخت و تاج کی حفاظت کر سکتا ہے۔

فرانس کی طاقت ۷۱-۱۸۷۰ء میں پامال ہو چکی تھی اس کو ابھی سنبھالا لینے کی ضرورت تھی اور شرقیین کے نزدیک، جو قوت و طاقت کے بڑے شیدا ہیں، سرود گاہ مغرب میں ایک متوسط الحال طاقت سے زیادہ اس کی اور کوئی حیثیت نہیں تھی۔ تاہم سلطان، فرانس کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتا تھا اور اس کے دل میں اپنے چچا عبدالعزیز اور اپنے بھائی مراد کی معیت میں اپنے ۱۸۶۷ء کے سفر پارس کی یاد ہمیشہ تازہ رہتی تھی۔ ترکی کی خارجی پالیسی کا رخ فرانس کے خلاف پھیر دینے کے لیے ان غلطیوں کے ارتکاب کی ضرورت تھی۔ جو ہر قلبی امور اور ترکی میں فرانس کے جنگی وفد سے سرزد ہوئیں۔ روس کے ساتھ لڑائی کے ختم ہوتے ہی عبدالحمید نے سب سے پہلے جس امر کی طرف توجہ کی، وہ یہ تھا کہ اس نے اپنے پاس بیشمار فرانسیسیوں کو جمع کر لیا۔ اس نے ان تمام لوگوں کو، جو اس زمانے میں جب کہ وہ ایلیسی (قصر شاہی) میں نپولین ثالث کا مہمان تھا، اس کی ہم رکابی میں تھے یا اس کے خدام میں داخل تھے، اپنے پاس بلا لیا تھا۔ ان لوگوں میں انجنیرنگ افسر

ڈریسی (Drevsse) بھی تھا، جو اس کے قیام پاریس کے زمانے میں اس کی اردلی کا افسر رہ چکا تھا اور جس کو اس نے مارشل اور قلعوں کا انسپکٹر جنرل مقرر کر دیا تھا فرانسیسی حکومت کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ترپ کے پتے، جو اس کے پاس ہیں، ان کو کس طرح کھیلے۔ اس کے کچھ عرصے بعد ہی تونس کا مسئلہ پیش آگیا، جس نے ترکی اور فرانس میں شدید مخالفت پیدا کر دی اور جس کو فرانس کے مخالفین نے، جن کا اتنا اثر نہیں تھا کہ ان کی مصروفیتوں کی تردید کی کوشش کی جاتی، اس مسئلے پر نہایت بے رحمانہ طریقے پر زور دینا شروع کر دیا، جس سے مقصد یہ تھا کہ اس کو ایک شدید فرانسیسی خطرہ بنا دیا جائے۔

برلن کانگریس کے موقع پر انگلستان کے طرز عمل سے ترکوں کو بہت کچھ مایوسی ہوئی تھی۔ ترک انگلستان کی قوت عمل کے متعلق بہت کچھ غلط فہمی میں مبتلا ہو کر ایک ناممکن چیز کو ممکن تصور کرنے لگے تھے یعنی وہ یہ سمجھتے تھے کہ معاہدۂ سان استیفانو کامل طور پر منسوخ ہو جائے گا۔ بفرض محال اگر انگلستان کو بلغاریہ الغ کو مشرقی رومائلی کے خود مختار صوبوں کے ساتھ ساتھ ایک باجگذار ریاست میں تبدیل کر دینے میں کامیابی بھی ہو جاتی تب بھی نہ تو انگریزی مدبرین میں اتنی قدرت تھی اور نہ ان کی یہ خواہش تھی کہ ترکی بوسنہ، ہرسک اور تھسلی کا نقصان نہ اٹھائے۔ علاوہ بریں ۴ جون ۱۸۷۸ء کے معاہدے کی رو سے انگلستان کو دولت علیہ ترکیہ کے متعلق اپنے حقوق اتالیقی پر، جو سلطان کے اقتدار ذاتی کے لیے بہت کچھ خطرناک تھے، اس لئے غرہ پیدا ہو گیا تھا اس نے اصلاحات مقدونیہ کے متعلقہ فقرہ ۲۳ اور اصلاحات ارمنیہ کے متعلقہ فقرہ ۶۱ کی تکمیل کا اپنے آپ کو منتظم و منصرم قرار دے لیا تھا۔ اسکندریہ کی گولہ باری اور مصر پر انگریزوں کے قبضے کی، جو سلطان اور پان اسلامزم دونوں پر ایک ایسی ضرب لگا کر حاصل کیا گیا تھا، جو تونس میں (جو ایک عرصے سے دولت علیہ ترکیہ کے اقتدار سے آزاد تھا) فرانسیسی استعمار کے قیام سے بھی زیادہ کاری تھی۔ اس معاملے کی نوعیت ایسی نہیں تھی کہ عبدالحمید کو لندن سے حمایت حاصل کرنے کی جراءت ہوتی۔

فرانس اور انگلستان دونوں میں سے کسی نے بھی ضمانت ہائے مطلوبہ سلطان کی

خدمت میں پیش نہیں کیں۔ لہٰذا جرمنی ہی ایک ایسا ملک تھا جس کو بظاہر یورپ میں اعلیٰ ترین فوجی قوت و طاقت حاصل تھی۔ جرمنی ہی کو یہ قابلیت حاصل تھی کہ وہ روس کی حرص و آز کو جس کو روس کی ۱۸۷۱ء کی فتحیاب جنگ کے سیاسی نتیجے سے بہت کچھ مایوسی ہوئی تھی اور جس کا اب کوئی حد و حساب باقی نہیں رہا تھا، روکنے کے لئے، ترکی کی خاطر خواہ مدد کرے۔ جرمنی، جس نے اپنی عالمگیر توسیع کی تحریک کا آغاز کر دیا تھا، مشرق سے بے اعتنائی نہیں برت سکتی تھی۔ اس سلسلے میں پہلا قدم جو اٹھایا گیا اور جو در اصل فراکس کا تصور تھا، وہ ترکی فوج کی تنظیم جدید کے لئے جرمنی کے فوجی وفد کی روانگی تھی۔ یہی وہ ابتدا تھی جس کی بنا پر ترکی میں اکثر صنعتی اور تجارتی امور پر تسلط حاصل ہوگیا اور یہی وہ پہلا قدم تھا جو "مشرق کی طرف کوچ" کو صحیح کر دکھانے کے لئے اٹھایا گیا۔

یہ ایک قسم کی رسم سی ہوگئی ہے کہ "مشرق کی طرف کوچ" کے خیال کی ابتدا کو بسمارک سے اس لئے منسوب کر کے اس کی عزت افزائی کی جاتی ہے کہ اس نے اس پر بہت زیادہ زور دیا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس فولادی چانسلر نے اس خیال کو صرف ایک نظریے کی حیثیت سے پیش کیا تھا۔ اس کے زمانے سے بہت عرصہ پہلے سے اس مسئلے پر گفتگو شروع ہوگئی تھی۔ اس نے اس نظریے کو سیاسی اور معاشی دونوں حیثیتوں سے ایک ممکن الوقوع واقعے کی حیثیت دیدی۔ یہ ایک ایسا نظریہ تھا، جو بسمارک کے زمانے سے قبل محض ایک علمی مسئلے کی حیثیت رکھتا تھا۔ ۱۸۴۸ء میں بھی روشر (Roscher) نے شمالی المانیوں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ امریکہ کے مختلف ملکوں میں بس جانے کے بجائے مشرق میں بس جائیں۔ اس نے اہل جرمنی کی اس بے اعتنائی کے خلاف، جو وہ مشرق سے برتتے تھے، بہت کچھ کہا سنا تھا اور یہ واضح کر دیا تھا کہ یہ ایک ایسی بے اعتنائی ہے، جو جرمنی مفاد کے لئے مضر ثابت ہوگی۔ اس نے اس امر پر زور دیا تھا کہ اگر جرمنی کی تارک الوطنی کا رخ ہمارے مشرقی ہمسایہ ملکوں، یعنی ہنگری، ملداویہ، بلغاریہ اور ایشیائے کوچک کی زرخیز مگر کم آباد اراضیات کی طرف پھر گیا تو ایک نئی صورت پیدا ہو جائے گی۔ لسٹ (List) کی علمی طبیعت نے ہمیشہ اس خیال کی تائید کی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں مصالحانہ فتوحات کے ذریعے سے ایک نئی جرمنی معرض وجود میں آسکتی ہے۔ یہ نئی جرمنی بہ لحاظ وسعت، آبادی اور دولت قدیم جرمنی سے کہیں بڑھ جائے گی اور روس اور اتحاد سلافیت کے خلاف ایک مستحکم

دیوار ہو گی۔ ان ملکوں سے ہم وہی کام لے سکتے ہیں جو ریاستہائے متحدہ (United States) مغرب بعید سے لیتی ہیں۔"

ایک رسالہ میں جس کا نام "جرمنی کی معاشرتی بدحالی" (Social misery in Germany) تھا اور جس نے ملک میں بہت کچھ جوش پھیلا دیا تھا، جرمنی کا ایک ایسے آدمی سے مقابلہ کیا گیا تھا، جس نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے اور شدید مصائب برداشت کئے ہیں، اور جو محنت کرنا اور اجتہادی شان پیدا کرنا چاہتا ہے مگر اس کو اپنی مصروفیتوں کے آغاز کے لئے کوئی میدان عمل نہیں ملتا۔ مشرق کا دروازہ، جو اس کے لئے بہترین میدان عمل تھا، اس کے لئے مسدود تھا۔ ۱۸۸۸ء میں لارانی دے اسٹین (Laurent de Stein) نے "یورپ کی سب زیادہ زبردست قوم" جرمنی کو یہ قسم دلائی کہ مشرق کے متعلقہ مسائل میں وہ اپنے لئے جگہ پیدا کرے۔ اس نے اس امر پر اظہار تاسف کیا کہ جرمنی اپنی قوت کی اہمیت سے ناواقف معلوم ہوتی ہے۔ آسٹریا کے مفاد سے اس کے اپنے مفاد کا جو تعلق ہے وہ اس سے ناآشنا ہے۔ وہ یہ محسوس نہیں کرتی ہے کہ آسٹریا وسط بلقان میں اپنی حیثیت کو متیقن کر لینے کے بعد اس کے لئے مشرق کا راستہ کھول دے گی۔

برلن کے دفتر خارجہ کے مصالح اب تک اس نتیجہ پر نہیں پہنچے تھے ترکی کے ساتھ دوستی معاہدہ کرنا ضروری ہے۔ وہاں صرف دولت علیہ ترکیہ میں مستحکم اثر حاصل کر لینے کا سوال تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ بیمار کی موت کے دن اس کے ترکے کے بیشتر حصے پر قابض ہو جانے کے لئے پہلے سے تیاری کر لی جائے۔ جس وقت تک جرمن حکمت عملی کی باگ بسمارک کے ہاتھوں میں تھی آسٹریا اور جرمنی کے اتحاد میں ترکی کی شرکت کے مفروضے پر بحث کرنا تو درکنار المانوی سیاست نے کبھی اس کا خیال بھی نہیں کیا تھا۔

اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ چانسلر کا خیال اس مشہور مقولے کے مطابق تھا جو اس سے منسوب کیا جاتا تھا "مسئلۂ مشرق اس قابل نہیں ہے کہ اس کے لئے پروشیہ کے ایک ادنیٰ سے سپاہی کی ہڈیوں کو خطرے میں ڈالا جائے" بلکہ اس کی یہ وجہ تھی کہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ پیرس اور سینٹ پیٹرس برگ کے اتصال جدید کے انسداد کے لئے وہ کافی انتظام کر سکتا ہے۔ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ ترکی کو دو وسطی سلطنتوں کے اتحاد میں شریک کر لے اور اس طرح روس پر یہ ظاہر ہو جائے کہ اس کے ایشیائے قریب سے دست بردار ہو جانے کا وقت آ گیا ہے، جس کو خفیہ طور پر اس نے زار کے مقبوضات کے منصوبہ تصور کر لیا تھا۔ قسطنطنیہ کی جرمنی سفارت

کے روسی سفارت کے ساتھ بہترین تعلقات تھے اور وہ موخرالذکر کے افعال کی عام طور پر نہایت احتیاط کے ساتھ مگر موثر طریقے پر تائید کیا کرتی تھی۔

ولیم ثانی کے تخت نشین ہونے کے بعد جرمنی اور ترکی کے تعلقات کے متعلق ایک نیا خیال پیدا ہو گیا جس کا رجحان کسی آئندہ زمانہ میں مشترکہ طور پر مصروف عمل ہونے کے لئے دونوں ملکوں کے اتحاد کی طرف تھا۔ چانسلر نے ترکی کے ساتھ اتحاد کے تمام خیالات کو مسترد کر دیا۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ یہ طاقت جرمنی کو کسی قسم کی مدد دینے کے بجائے اس کے لئے اور دقتیں پیدا کر دے گی۔ لیکن قیصر کا بجائے خود یہ خیال تھا کہ یورپ میں جنگ واقع ہونے کی صورت میں دولت علیہ ترکیہ ایک نہایت ہی اہم عنصر کی حیثیت اختیار کر لے گی اور اس لئے وہ ایک باقاعدہ معاہدے کے ذریعے سے اس کو اپنے سے ملحق کر لینا چاہتا تھا۔ ستمبر ۱۸۸۹ء میں ولیم ثانی کے سفر قسطنطنیہ کے بعد ولیم کے خاص حکم کی بنا پر وزیر خارجہ کاونٹ ہربرٹ وان بسمارک، نے جو اس سفر میں ولیم کے ہمرکاب تھا، اس باب میں بعض تحریکیں کی تھیں لیکن باب عالی اور یلدیز والوں نے یہ ظاہر کر کے کہ جس کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکتے اس سوال کو ٹال دیا۔

اگرچہ سلطان کی طرف سے اس امر کے متعلق قطعی ثبوت دئے جا رہے تھے کہ وہ جرمنی اور اہل جرمنی کو دوسروں پر ترجیح دیتا ہے اور باوجودیکہ وہ اپنی سلطنت میں جرمنی صنعت و تجارت کی ترقی کو ہر طرح بہ نظر استحسان دیکھتا تھا تاہم وہ یہ چاہتا تھا کہ اپنی خارجی پالیسی میں اس کی آزادی عمل اسی طرح برقرار رہے۔ وہ جرمنی کی دوستی کی اس لئے قدر کرتا تھا کہ وہ اس کو یورپ کی سب سے زیادہ زبردست طاقت سمجھتا تھا لیکن اس کا یہ مقصد تھا کہ معاہدات کے ذریعے سے اپنے اوپر کوئی ذمہ داری عائد کئے بغیر وہ جرمنی کی دوستی سے اپنے سیاسی مقاصد میں کام لے۔ جرمنی کے لئے جو معاشی سہولتیں اس نے بہم پہنچائی تھیں ان کے متعلق اس کو یہ خیال تھا کہ اگر برلن کی طرف سے اس کی کسی قسم کی امداد کی گئی تو یہ سہولتیں اس امداد کا کافی معاوضہ ہو سکیں گی۔ لیکن ولیم ثانی بھی اپنی ضد کا پکا تھا اور اس نے اپنے اس خیال کو معرض وجود میں لانے کے لئے کبھی کسی کوشش سے دریغ نہیں کیا۔ آرمنی کشت و خون، جنگ یونان و ترکی، صلح کی گفت و شنید، اور ترکی افواج سے تھسلی کا تخلیہ نیز مسئلۂ قندیہ کو حل کرنے کے متعلق بحث و تمحیص، یہ تمام باتیں قیصر کے نزدیک سلطان کو یہ باور کرا دینے کے لئے دلیل قاطع کی حیثیت رکھتی تھیں کہ اس کے مفاد اس امر کے شدت سے متقاضی ہیں کہ وہ جرمنی کے ساتھ

اتحاد کے وجوب کو تسلیم کرنے میں اب مزید انکار سے کام نہ لے۔ ترکی کی طرف سے جرمنی حکومت کے خلاف، جو ہمیشہ یورپین اتحاد میں رخنہ اندازی کے لئے تیار رہی تھی اور جس نے ان تمام تجاویز کو ناکامیاب بنانے کی کوشش کی تھی، جو سلطان کو پسند نہیں تھیں۔ عبد الحمید نے بھی اپنی جانب سے کسی نہ کسی ایسی طاقت کے خلاف، جو کم و بیش ترکی کے مقابلے میں تخویف آمیز طرز عمل اختیار کر رہی تھی، اپنے اچھے بھائی اور دوست سے مداخلت کی درخواست کرنے میں کوئی کمی نہیں کی تھی۔ سلطان کی انھیں التجاؤں کا باعث تھا کہ ولیم ثانی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ سلطان سے اس امر کے متعلق صاف طور پر جواب لینے کا یہی وقت ہے کہ آیا وہ اس کا حلیف بننا چاہتا ہے یا نہیں اور یہ کہ آیا وہ اتحاد ثلاثہ کا ہمقدم بننا چاہتا ہے یا روس کی تازہ ترین مخالفت، فرانس کی بری خواہشات، اور برطانیہ کے دوستانہ پیشکشوں کے باوجود جو ویسے ہی خطرناک تھے جیسے کہ اس کی دشمنی کی دھمکیاں ہوا کرتی ہیں، وہ اس اتحاد سے الگ تھلگ رہنے کا خواہشمند ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ قیصر ولیم نے "گول میز" (Round Table) کے ایک نئے سورما کی طرح مقدس گریل (Holy Grail) کی تلاش میں، جب مشرق کا دوسرا سفر کیا تو اس کا مقصد یہ تھا کہ عیسائی آبادی یہ سمجھنے لگے کہ شارلیمین (Charlemagne) یہ جانشین مغرب کا وہ زبردست ترین بادشاہ ہے، جس کے سامنے تمام دوسرے بادشاہوں اور سرداروں کو اپنے سر جھکا دینے چاہئیں۔ ولیم اس موقع پر پہلے ہی سے ایک ایسا معاہدہ تیار کر کے اپنے ساتھ قسطنطنیہ لے گیا، جس میں صرف عبد الحمید کے دستخطوں کی کمی تھی۔ سلطان کی اپنے عہد سلطنت میں دوامی پیش بندیوں کی غرض یہ تھی کہ ترکی کو جنگی کاروبار سے علیحدہ رکھے۔ یونان کی لڑائی کا تو اس نے موقع تلاش نہیں کیا تھا بلکہ مجبوراً اس کو اپنا دامن اس میں الجھانا پڑا تھا۔ ان عذرات کی بنا پر اس نے اب بھی اس معاہدے پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا، جس کے سلطان کے ملاحظے میں پیش کئے جانے پر قیصر کو اصرار تھا۔ اس معاہدے کے ساتھ ساتھ قیصر کے اس سفر کا ایک دوسرا مقصد بھی تھا، اور وہ یہ تھا کہ مشرقی کیتھولکس سے جو فرانسیسی استعمار سے متعلق ہے اس کو تباہ کر دیا جائے۔ اس مقصد میں بھی بہر حال قیصر کو کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ دولت علیہ ترکیہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ باب عالی اور ہولی سی (Holy See) کے مابین تعلقات قائم کرنے کی غرض سے اس گفت و شنید کا از سر نو آغاز کرے، جس کو اب سے

چھ ماہ پہلے ناکامی ہو چکی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایشیا میں جرمنی کی صنعتی عزائم و مہمات کے معاملے میں قیصر زیادہ خوش قسمت ثابت ہوا تھا۔ اناطولیہ کی ریلوے کمپنی کے لئے بندر حیدر پاشا اس کو مل گیا نیز بغداد ریلوے کی مراعات کا بھی اس سے باقاعدہ طور پر اقرار کر لیا گیا اور یہی دو چیزیں تنہا اس کی زحمت سفر کا کافی معاوضہ ہو سکتی تھیں۔

ولیم ثانی نے ۱۹۰۱ء میں اپنے سفر کی یادگار کے طور پر استنبول میں ایک فوارے کی تعمیر کے موقع پر اس معاملے میں از سر نو سلسلہ جنبانی شروع کی۔ اس فوارے کا خاکہ ولیم ہی نے تیار کیا تھا اور اسی نے اس کی تعمیر کے اخراجات برداشت کئے تھے۔ لفٹننٹ جنرل بیرن وان کیسل (Kessel) رائل پروشین گارڈ کی پہلی ڈویژن کا کمانڈر اور اس افتتاحی رسم میں مدد دینے کے لئے قیصر کے بھیجے ہوئے وفد کا سردار جرمنی اور ترکی کے مابین ایک جنگی معاہدہ بھی اپنے ساتھ تیار کر کے لایا تھا، جو در اصل تمہید تھا جرمنی اور ترکی کے مابین ایک اتحاد کا۔ جنگ سے عاجز ہو جانے کی بنا پر ممکن تھا کہ سلطان ایک مدافعانہ اتحاد کو اس لئے منظور کر لیتا کہ ایسی صورت میں ترکی زیادہ فائدے میں رہتی کیونکہ جرمنی سلطنت عثمانیہ کی تمامیت کی ذمہ دار ہو جاتی اور ترکی کی جانب سے ہر اس حکومت کے معاملات میں مداخلت کرتی، جو جنگ کی خواہشمند ہوتی لیکن جرمنی کا اس کے برخلاف یہ منشا تھا کہ اگر اتحاد ثلاثہ کی اتحاد ثلاثہ سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ایسی صورت میں ترکی سے روس کے خلاف کام لیا جائے۔ ماوراء قاف پر ترکوں کا حملہ ایک نہایت زبردست انحراف ہوتا جس کی بنا پر روس کو بالعموم سے بایزید تک بیس سے تیس لاکھ تک فوج مجبوراً منتشر کر دینی پڑتی۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے اس امر کی ضرورت تھی کہ معاہدہ آتنا ہی جارحانہ ہو جتنا کہ مدافعانہ مگر سلطان اس معاہدے کو منظور کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ایسے قضیئے میں جس سے یورپ کے دو لشکر گاہوں میں منقسم ہو جانے کا امکان تھا، ترکی مستقل طور پر شرکت کرنے سے خود ترکی کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ دونوں فریقوں میں سے کسی ایک فریق کے شریک حال ہو جانے میں ترکی ایسی پیچیدگیوں میں پھنس جاتی جو خود اس کی بقا کے لئے خطرناک ثابت ہوتیں خصوصاً ایسی صورت میں کہ جس لیگ سے ترکی کا تعلق تھا، وہ ان پیچیدگیوں سے اس کے خلاف کام لینا شروع کر دیتی۔ علاوہ بریں ترک ایک جارحانہ جنگ کے لئے تیار نہیں تھے۔ تھسلی کے ساتھ جو لڑائی ہوئی تھی وہ اس عنوان کے تحت

اس لئے نہیں آتی کہ اس موقع پر ترکوں کا حقیقی طور پر کسی باقاعدہ فوج سے مقابلہ نہیں تھا۔ یلدیز اس حد تک کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا نہیں تھا اور باوجودیکہ جرمنی کو کھلم کھلا پسند کیا جاتا تھا تاہم ترکی اس کی خاطر خطرے میں نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ لیکن ترکی کو آسٹریا سے بھی اتنا ہی خطرہ تھا جتنا کہ روس سے چنانچہ اس نے یہ مطالبہ کیا کہ جرمنی اس امر کی ذمہ داری لے لے کہ آسٹریا، سالونیکا پر حملہ کرنے کی غرض سے اسکوب اور کسافو (Uskub & Kossova) کی طرف نہ صرف پیشقدمی ہی نہیں کرے گا بلکہ وہ بوسنہ اور ہرسک کو بھی واپس کر دے گا لیکن اس کا یقین دلانا قیصر کے امکان سے باہر تھا۔ جرمنی کی تمامتر پالیسی کا رخ "مشرق کی طرف کوچ" کی جانب تھا اور اس کے یہ معنی تھے کہ روس کی چالبازیوں کے توڑ کے لئے آسٹریا کو جزیرہ نمائے بلقان میں سب سے پہلے بار دیا جائے۔ لہٰذا ایسی صورت میں اتحاد ثلاثہ میں شریک ہو کر دولت علیہ وہی کام انجام دے سکتی تھی۔ جو ایک احمق کا ہوا کرتا ہے۔

۲۳ جولائی ۱۹۰۸ء کے انقلاب نے حمیدی مطلقیت کو یکایک زیر و زبر کر دینے سے یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ جرمنی اثرات کے خلاف ایک شدید ردعمل واقع ہوگا جس زمانے میں کہ جرمنی، سلطان کی مطلق العنانی کی مستقل طور پر حمایت کر رہی تھی، نوجوان ترکوں نے جن کو عبدالحمید نے ممنوع البلد اور واجب القتل قرار دیدیا تھا، فرانس اور انگلستان میں اپنے لئے مامن و ملجا تلاش کر لیا تھا، جہاں سے وہ اس جنگ حریت کی تنظیم اور رہبری کر سکتے تھے جس میں بالآخران کو کامیابی نصیب ہو کر رہی۔ طاقت اور قوت حاصل کر لینے کے بعد ان کا اپنے حریف کی پالیسی کے مخالف پالیسی اختیار کر لینا بالکل حق بجانب تھا۔ احراری مظاہرات میں، جو پیرا کے مقام پر پیٹس کیمپس (Petits champs) کے باغ میں جس کی اس زمانے میں وہی حیثیت تھی، جو جولائی ۱۷۸۹ء میں پاریس کے پیلیس رائل کی تھی، اگست کے مہینے میں واقع ہوئے، تمام مقرروں نے جرمنی پر خوب لعنت ملامت کی اور اس کے خلاف سخت نفرت و حقارت کا اظہار کیا۔ احراریین کی زبان سے ہر طرف "مار و جرمنی کو" کے نعرے نکل رہے تھے۔ استنبولی جرائد مسلسل اس امر کی تکرار کر رہے تھے کہ دستوری حکومت کو انگلستان اور فرانس جیسے آزاد ملکوں کے ہمقدم چلنا چاہئے۔ یہ جرائد جرمنی پر یہ الزام لگا رہے تھے کہ اس نے آسٹریا ہنگری کو

بوسنہ اور ہرسک کے دبا لینے اور بلغاریہ کو اپنی خودمختاری کا اعلان کردینے پر مجبور کیا تھا۔ سلطان کی اختیاری طاقتوں کی بازبحالی کی متعلقہ سازشوں کے متعلق وہ بہت کچھ لعنت و ملامت کر رہے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ ایک مکمل انقلاب ملک میں رونما ہوگیا تھا۔

اس انقلاب میں زیادہ تر اہمیت اس لئے پیدا ہوگئی تھی کہ وزیر اعظم، کامل پاشا انگلستان کو دوست رکھنے کے متعلق بدنام تھا، خود لندن میں بھی یہ باور کیا جاتا تھا کہ انگریزی اثر جرمنی کے اثرات کو پامال کردے گا۔ دلیل یہ تھی کہ جس طرح دولت علیہ ترکیہ نے اپنی مالی گتھیوں سے ایک ماہر مالیات (financier) کی خدمات کو مانگا تھا اسی طرح بحری امور کے دولت علیہ نے سب سے پہلا کام یہ کیا تھا کہ ترکی بحریہ کی تنظیم جدید کے لئے ایک امیر البحر اور متعدد افسروں کی خدمات انگلستان سے مستعد طلب کی تھیں۔ انگریزی جرائد کامل پاشا کی مدح و ثنا سے مملو تھے اور ایڈورڈ ہفتم نے اس کو ایک خط بھی بھیجا تھا جو اس کی قابلیت اور سیاسی ذہانت کے صداقت نامہ کی حیثیت سے اس کے کام آسکتا تھا۔ لیکن کامل پاشا کی مدح سرائی کرکے انگریزی جرائد نے، جن کے نامہ نگاروں کی مرسلہ اطلاعات ناقص ہوتی تھیں اور جو کافی طور پر صحیح واقعات سے واقف نہیں تھے، احرار کو کمیٹی کی مخالفت میں مدد دی اور احرار نے ایک ایسی زبردست جماعت کو انگلستان سے بے تعلق کردیا، جس کو بالآخر غلبہ حاصل ہوکر رہا۔ اس کے علاوہ نئی ترکی کا اہم ترین جزو، جو اگرچہ خود سیاسی تماشہ گاہ پر جلوہ گر نہیں تھا تاہم غلام گردشوں میں جس کی مصروفیتیں ایک قطعی حیثیت رکھتی تھیں اس لئے کہ اس کے بغیر قانون اساسی کا وجود ناممکن اور اس کا نفاذ محال تھا، یعنی فوج جرمنی کی طرفدار تھی۔ چند شخصی مستثنیات کے علاوہ، جن کو فرانس اور انگلستان کے ساتھ ہمدردی تھی عثمانی جنرل اسٹاف جرمنی کا طرفدار تھا اور اس کی وجہ ظاہر ہے۔ برابر تیس سال سے ترکی فوج کی جرمنی اصول و ضوابط کے مطابق ایک جرمن فوجی مشن تنظیم و ترتیب میں مصروف تھا۔ گویا ترکی فوج ایک حیثیت سے جرمن فوج کی ایک شاخ تھی۔ تقریباً تمام سپہ سالاروں نے جرمنی میں اپنی تعلیم پوری کی تھی۔ جرمنی کی فوج میں کئی سال تک انھوں نے ملازمت کی تھی۔ اس کے اصول و ضوابط ان کے ذہن نشین ہوچکے تھے اور ان کی غیر ہینت جرمنی ذہنیت کی حصہ دار بن گئی تھی۔

نوجوان ترک بازیگاہ یورپ میں اپنے کرتب دکھانے کے خواہشمند تھے حلقہ ہائے

حکومت میں وہ اگرچہ دانشمندانہ غیر جنبہ داری کے اصول کے پابند نظر آتے تھے لیکن ترکی قومیت پسندی کو عمل کے برابر خطبے دے رہے تھے۔ ایک ترکی جریدے نے مسئلہ قندیہ کے سلسلے میں "ایک اتحاد فروخت کیا جاتا ہے" کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا تھا، جس پر بہت کچھ بحث و تمحیص ہوئی تھی۔ اس مضمون میں اس اصول کا تذکرہ کرنے کے بعد کہ فتح اسی جتھے کو حاصل ہو گی، جس کے ساتھ ترکی شریک ہو جائے۔ اس لئے کہ ترکی کی امداد پر تین سو ملین مسلمان موجود ہیں اس جتھے کے ساتھ اتحاد کی شرط یہ قرار دی گئی تھی کہ قندیہ ترکی کو واپس کر دیا جائے۔ حکومت ترکی مطالبات کو بحیرۂ روم میں نافذ کرنے کے لئے بشرط ضرورت ایک زبردست جنگی بیڑہ تیار کرنا چاہتی تھی۔ ترکی سمجھتے تھے کا مقصد ایک توازن معاوضت کا قیام تھا جس کی حیثیت روسی اسکواڈرنوں کے مقابلے میں اس سے کچھ زیادہ ہوتی۔ ترکی افواج کی تنظیم جنرل وان ڈرگولٹز (Goltz) کی تنہا ہدایات کے مطابق عمل میں آ رہی تھی، جو اپنا آدھا وقت جرمنی کے عساکر سواروں کے سردار معائنہ کی حیثیت سے صرف کرتا تھا اور بقیہ ترکی کی مجلس علیہ حربیہ کے نائب صدر کی خدمات کے انجام دینے میں۔ اس امر کی تصدیق ہو چکی ہے کہ جنرل وان ڈرگولٹز کے سپرد یہ کام کیا گیا تھا کہ وہ بصورت جنگ ترکی حملے کی حدود عمل کا ایک خاکہ تیار کرے، جو ظاہر ہے کہ جرمنی کا مخالف نہیں ہو سکتا تھا لیکن سب سے زیادہ جس چیز سے ترکی کا تعلق تھا وہ یہ تھی کہ جزیرہ نما کی عیسائی ریاستوں کے مقابلے میں سوا اس کی اس لئے شدید دشمن تھیں کہ اپنی حالیہ شکستوں کا انتقام وہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں لینا چاہتی تھیں کہ آل عثمان کو یورپ سے نکال دیا جائے کونسی پالیسی اختیار کرنی چاہئے۔ اس موروثی حریف مشترک کے خلاف اتحاد کے لئے اثینا، بلغراد ستنجی، اور صوفیہ میں خفیہ کارروائیاں کی جا رہی تھیں۔ ایک بلقانی اتحاد کی تحریک عالم وجود میں آ چکی تھی۔ ترکی جرائد نے فوراً خطرے کو محسوس کر لیا اور حکومت سے اس امر پر اصرار کرنا شروع کر دیا کہ وہ سلافیقی کارستانیوں کے خلاف نہایت ہوشیاری کے ساتھ اپنی حفاظت کرے اس لئے کہ ترکی جرائد یہ باور نہیں کر سکتے تھے کہ یونانی بلغاری اور سربی متحد العمل ہو سکتے ہیں۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں اس اتحاد میں ترکی کی شرکت کے متعلق سوال اٹھایا گیا تھا۔ کابینہ نے اس کا جواب یہ دیا تھا کہ وہ اس کے متعلق کوئی صریح بیان نہیں دے سکتی کیونکہ اخبارات میں جو کچھ شائع ہوا ہے اس سے زیادہ اسے کچھ علم نہیں ہے۔

صرف ایک ترکی اخبار ایسا تھا جس نے اتحاد بلقان کی تائید کی تھی اور بتایا تھا کہ اس اتحاد کے ذریعے سے جزیرہ نما کی تمام قومیں ایک دوسرے سے متحد ہو جائیں گی اور اس طرح آسٹریا کے لئے ایک سد باب پیدا ہو جائے گا۔ یہ اخبار ابوضیاء توفیق بے (Ebuzzia Tewfik-Bey) کا اخبار (Firmin Didot of Turkey) تھا۔

میٹرنخ کی پالیسی نے، جس کا رخ عہد یہ المانیہ میں آسٹریا کی فوقیت اور اتحاد مقدس کی طرف پھر گیا تھا، الحاق کے خیال کو روک دیا تھا، جو جس نے اٹھارویں صدی میں ہیپس برگس (Hapsburgs) کو جزیرہ نمائے بلقان میں کھینچ بلایا تھا اور یہ قاعدہ نافذ کر دیا تھا کہ (Statuquo) اور عثمانی تسلط کو برقرار رکھا جائے۔ لیکن ۱۸۵۹ء میں جب آسٹریا میں جدید معاشی خیالات پیدا ہو گئے تو نہایت سر برآوردہ معاشیئین نے میٹرنخ کے خیالات کی سختی کے ساتھ مخالفت کی۔ لاراں دے اشٹین (Laurent de Stein) نے قابل ذکر مضامین کا ایک سلسلہ شائع کیا، جس میں یہ ثابت کر دیا کہ آسٹریا کے لئے بالدوولا شٹین صوبہ جات اور سربیا کی تسخیر ناگزیر ہے مگر لڑائی کے ذریعے سے نہیں بلکہ معاشی، صنعتی، اور تجارتی ذرائع سے۔

جرمنی میں پروشیہ کے غلبے کو تحقق کرنے کی غرض سے اتحاد المانیہ میں آسٹریا کو شریک کرنے سے انکار اور ایک خود مختار سیاسی ترکیب اور ایک قومی وجود مستقل کی حیثیت سے سینٹ اسے ٹی فی کے علاقے کی بحالی کے ذریعے سے سادووہ نے آسٹریا کے مدبرین کو جنوب مشرق میں اپنا معاوضہ تلاش کرنے پر اکسا دیا اور "مشرق کی طرف کوچ" کے نظریے کو سیاسیات عملی کی دنیا میں لے آیا۔ معاہدہ برلن نے ایک غیر معینہ مدت کے لئے بوسنہ اور ہرسک کا نظم و نسق آسٹریا ہنگری کے تفویض کر کے اس علمی قاعدے کی بصورت حقیقت تبدیل ہیئت کو حاصل کر لیا، جس میں جرمنی قوم کی تمام طمع کاریاں اور ہوسناکیاں ملوث تھیں۔

اس مرتبے سے گر کر جو اس کو المانوی ممالک میں حاصل تھا اور اپنے جرمن مقبوضات میں، جن کے متعلق برلن اور خود ویانا کے حامیان اتحاد جرمانیہ کا یہ مطالبہ تھا کہ ان کو از سر نو ہابن زولرن کی سلطنت مقدسہ میں شامل ہو جانا چاہئے، اپنے لئے خطرات کو محسوس کر لینے کے بعد آسٹریا ہنگری کو اپنے نقصان کا معاوضہ بہ زبان ترکی جزیرہ نمائے بلقان ہی میں مل سکتا تھا۔ وہ محرکات سیاست جو آسٹریا کو ایجین کی طرف دھکیل رہے تھے،

دوسرے اسباب کا اضافہ بھی ہوگیا تھا، جو شاید ان سے زیادہ موثر تھے اور جو ایک ایسے عنصر کی مخصوص پالیسی سے اخذ کیے گئے تھے، جو اب تک راست مصروفیتوں سے بے نیاز رہا تھا مگر اب جس کا اثر روز بروز ترقی کر رہا تھا اور جس نے خاندان ہیپس برگ، ہنگری کی پالیسی میں جدید اصول و ضوابط نافذ کر دئے تھے۔ سینٹ اے ٹی نی کے علاقے کے "تاریخی حقوق" کے ایک جوشیلے حامی کاؤنٹ انڈراسی نے ویانا کے (Ballhaus platz) میں ایک مرتبہ قدم جما لینے کے بعد خارجی پالیسی میں ان سے فائدہ اٹھانے کی ذمہ داری لے لی۔ یہی وہ شخص تھا، جس نے خفیہ طور پر بوسنہ اور ہرسک میں بغاوت پیدا کر کے ان دونوں صوبوں پر آسٹریا ہنگری کے قبضے کے لئے راستہ کھول دیا تھا۔ جرمنی اس وسعت مزید کی موید نہیں تھی اس لئے کہ آسٹریا ہنگری کو جنوب میں جس قدر زیادہ وسعت حاصل ہوتی جاتی تھی اسی قدر جرمنی کی پوزیشن شمال میں کمزور ہو رہی تھی۔ جرمنی کا مقصد یہ تھا کہ وہ آسٹریا کی رفتار کی مناسبت سے ترقی کرے اور جب ایک سالونیکا میں داخل ہو تو دوسرا اسی وقت ٹریسٹی پر ہو۔

جزیرہ نمائے بلقان میں آسٹریا ہنگری کی قیادت کے قیام کے لئے کاؤنٹ انڈراسی نے جو نظام العمل مرتب کیا تھا، اس میں مشرقی یورپ میں آسٹریا ہنگری کے زیر ہدایت ایک ساہوکاری اتحاد کی تجویز بھی (customs union) پیش کی گئی تھی۔ یہ اتحاد (zollverein) جو دراصل ایک ایسی بلقانی شراکت کا دیباچہ تھا، جو جزیرہ نما کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو اقتصادی حیثیت سے اپنا غلام بنا کر، ان پر سیاسی نگرانی قائم کرنے والی تھی، کبھی سرِ عرض ظہور میں نہیں آسکتا تھا۔ پھر بھی آسٹریا ہنگری کے زیر حمایت ایک بلقانی مشارکت کے قیام کی تجویزیں اب بھی ویانا میں کی جا رہی تھیں۔ ۲۳ جولائی ۱۹۰۸ء کا ترکی انقلاب، جس کی بجائے خود ایسی نوعیت تھی کہ اس نے ان تشویشناک عناصر کا سدباب کر دیا تھا، جن سے متروویزہ (mitrovitza) اور اس سے بھی آگے تک نوجیں بڑھا دینے کے لئے کم و بیش نمائشی حیلے آسٹریا کے ہاتھ لگ جاتے، مشرق کی طرف کوچ کے لئے ایک غیر متوقع ضرب کی حیثیت رکھتا تھا۔ جرمنی جرائد نے عام طور پر "مشرق کی طرف کوچ" کے متعلق یہ بیان کرنا شروع کر دیا کہ یہ ایک افسانہ ہے ایسا افسانہ جس کو مخالفین جرمنی نے عام طور پر مشہور کر دیا ہے، لیکن اس کے باوجود

آسٹریا ہنگری معاہدۂ برلن کے اصول یعنی "مٹروویزہ سے بڑھ چلو" کے راگ اسی طرح الاپ رہا تھا اور سلونیکا کو اس نے اپنی منزل مقصود قرار دے لیا تھا۔

جنوری ۱۹۰۹ء میں المانوی تحریک کے حامی رسالہ "اوسترر ندشاؤ" (Osterr Rundschau) نے ایک مضمون میں، جس پر بہت کچھ بحث و مباحثے ہوئے تھے، مسئلۂ بلقان کو بہترین طریقے پر حل کرنے کے لئے طورانی ریاستوں اور بلقانی ریاستوں میں آسٹریا ہنگری کی زیر صدارت ایک عہدیہ قائم کرنے کی تجویز کی، جو جرمن امپائر کے قدم بقدم ہو۔ صاحب مضمون کا خیال تھا کہ روس کے سوا کوئی دوسری یوروپین طاقت اس عہدیے کی مخالفت نہیں کرے گی۔ اسی کے ساتھ اس نے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ روس کی مخالفت بھی اتنی شدید نہیں ہوگی کہ اس کی طرف خاص طور پر اعتنا کیا جائے۔ اس کا بیان تھا کہ "جرمنی کو اپنے حلیف، آسٹریا ہنگری کی مشکلات کو کم ہوتے دیکھکر مسرت ہوگی۔ انگلستان اور اٹالیہ کو مشرق کی اقتصادی آزادی سے بہت فائدہ ہوگا اور ترکی فوراً ان طاقتوں کے ساتھ تعلقات قائم کرلے گی، جو اس کے مقابلے میں تہدید سے کام نہیں لے گی۔ ایسی صورت میں صرف ایک چیز قابل تصفیہ باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ کونسا ایسا طریقہ اختیار کیا جائے، جو اس عہدیے کے لئے سب سے زیادہ مناسب ہو"۔

لیکن وہ ایسا طریقہ کونسا ہوسکتا تھا؟ ہر چیز کا انحصار اسی طریقے پر تھا بلقانی عہدیہ ایک ایسی تجویز تھی، جو بجائے خود تو مضر نہیں تھی لیکن اگر آسٹریا ہنگری کی قیادت میں اس کی تشکیل عمل میں آتی تو یقیناً یہ اسی مقصد کے خلاف پڑتی جس کی تکمیل کے لئے اس کو قائم کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ ایک ایسے عہدیے کا دراصل سوائے اس کے اور کوئی مقصد نہیں ہونا چاہیئے تھا کہ اس کے قیام سے جزیرہ نمائے الیریہ کی متعدد ریاستوں کی خودمختاری اور تمامیت متیقن ہو جائے اور ان کے اداروں کو اجانب کی تمامتر طمع کاریوں اور مداخلتوں سے محفوظ کرکے ان کی صلح آمیز ارتقا میں ان کی مدد و معاون بنئے۔ اگر آسٹریا ہنگری کے مفاد کو پیش نظر رکھکر اس کو قائم کیا گیا تو اس کا سوائے اس کے اور کچھ نتیجہ نہیں ہوگا کہ بلقان پر ویانا اور بیسٹ کا قبضہ ہو جائے گا اور بلقانی ریاستیں تباہ ہو جائیں گی۔ بجائے اس کے کہ آپس میں اعتماد اور اتحاد قائم ہو، ایسا اعتماد اور اتحاد جس کے وجود کی وجہ ہی "مشرق کی طرف کوچ" کو روکنے کے لئے ایک تیقن آمیز

حفظ ماتقدم کی ضرورت ہے۔

اس نقطۂ نظر سے اس امر کی ضرورت تھی کہ بلقانی مشارکت کے قیام کے لئے سب سے پہلے ترکی کی حمایت حاصل کی جاتی، خصوصاً اس لئے کہ مشرق کی طرف کوچ، سے سب سے پہلے ترکی ہی کے لئے خطرہ پیدا ہوتا۔ لیکن واقعات اس کے بالکل برعکس تھے۔ ترک اپنے مطالبات پیش کر رہے تھے۔ اور تمام بلقانی اتحاد سے مشتبہ تھے۔ سب سے پہلے تو وہ اس خیال کے خوگر نہیں ہو سکتے تھے کہ وہ ایسے لوگوں کے ساتھ تعلقات قائم کریں جو پہلے ان کی رعایا تھے اور اب ان کے ساتھ مساویانہ سلوک کرنے پر ہی اکتفا نہیں کریں گے بلکہ دوسروں پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش بھی کریں گے کہ ترک ان کی حمایت میں ہیں۔ استنبول کی جرائد کی رائے تھی کہ اگر سلطنت عثمانیہ کو بلقانی مشارکت سے اتفاق ہو تو یہ مشارکت اس طریقے پر قائم کی جانی چاہیئے کہ ترکی کو اس میں امتیازی خصوصیت حاصل ہو بالخصوص اس لئے کہ بلقان میں سب سے زیادہ زبردست طاقت اسی کی ہے۔ دوسرے استنبول میں عام طور پر باور کیا جاتا تھا کہ مقدونی جرگوں کی نقل و حرکت جو فی الحال رکی ہوئی ہے اس میں اگر صوفیہ اور بلغراد کو اپنی بہتری کی کوئی صورت نظر آئی تو فوراً شروع ہو جائے گی۔ ترکوں کو یہ خوف تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ روس کی خفیہ امداد پر جزیرہ نما کی سلافیقی ریاستوں میں اتحاد قائم ہو جائے اور وہ یکایک ترکی کو اپنا نشانہ بنالیں۔ اگر یہ صورت ہوئی تو وہ یہ سمجھتے تھے کہ بلقانی مشارکت بھی اتنی ہی خطرناک ہو جائے گی جتنی کہ خود آسٹریا ہنگری ہے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ یہ خطرہ عنقریب پیش آنے والا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ سلطنت کے مفادات اس امر کے مقتضی ہیں کہ آسٹریا ہنگری اور بلقان کی سلافیقی ریاستوں کے درمیان ایسے سیاسی تدبر سے کام لینے کی ضرورت ہے کہ جن کی بناء پر دونوں کی مخالفت باہمی سے سلطنت کو فائدہ پہنچے۔ ایک طرف تو آسٹریا ہنگری بلقان کی سلافیقی ریاستوں کے جندارمہ کا کام دے اور ان کو مقدونیہ میں نئی نئی بغاوتیں پھیلانے سے باز رکھے اور دوسری طرف اگر آسٹریا ہنگری اپنی سلونیکا پر حملہ کرنے کی تجویز کو روبعمل لانے کی کوشش کرے تو یہ ریاستیں اسی کے لئے خطرہ پیدا کریں۔

ایک بلقانی مشارکت کے قیام کے ساتھ ساتھ یونان اور ترکی کے مابین بلغاریہ اور سربیہ کے خلاف ایک اتحاد کا نظریہ بھی پیش کیا گیا۔ ۹ دسمبر ۱۹۱۰ء کو پیرا کے یونانی

اخباروں نے صدر چیمبر کی اصل گفتگو کو جو اس نے دو یونانی نمایندوں ' بوسیاس افندی اور کاسمیدی افندی (Bussios & cosmidi) سے کی تھی شایع کیا۔ اس گفتگو میں احمد رضا بے نے ایک یونانی و ترکی اتحاد کے مفادات کو بہت کچھ بڑھا چڑھا کر بیان کیا تھا۔ اور یہ کہا تھا کہ حکومت اپنے بیڑے کی توسیع کا خیال اس لئے چھوڑ دے گی کہ یونان اور ترکی کا متحدہ بیڑہ سلافیقی ریاستوں سے اپنی خواہشات کو منوانے کے لئے کافی ہوگا۔ احمد رضا بے نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ عنقریب منضبطۂ اتحاد پر دستخط ثبت کرنے کے لئے اتھینا کو روانہ ہو جائے گا۔ اس اشاعت کے دوسرے روز یونانی نمایندوں نے، جن کا اس سلسلے میں نام لیا گیا تھا، تمام قصے کی تردید کردی۔ یہ اشاعت دراصل ایک آزمائشی طیارے کی حیثیت رکھتی تھی، جس کو اس غرض سے اڑایا گیا تھا کہ ہوا کا رخ معلوم ہو جائے۔ مگر ہوا کا رخ بالکل مخالف تھا۔ یونانی اور ترکی اتحاد کا خیال کسی پریشان خیال شخص کا خواب پریشاں معلوم ہوتا تھا — مسئلۂ قندیہ نے، جس کے سلسلہ میں اگست ۱۹۰۹ء میں ترک یونان سے جنگ کرنے والے تھے، اتحاد کے تمام امکانات ہی پر سرے سے پانی پھیر دیا تھا۔

ایک بلقانی مشارکت کا قیام عمل میں آچکا ہے مگر یہ ترکی کی مخالف ہے یونین اور یہ وگرلیس کے افتخار ہیجا (chauvius) کو اس کام کے انجام دینے میں اپنی ناقص پالیسی کی بناء پر کامیابی حاصل ہوچکی ہے جس کو قطعاً ناممکن تصور کیا جاتا تھا۔ یونانی اور بلغاری عناصر کی مصالحت نے مشترکہ طور پر مقدونیہ کو تباہ کردینے کا خطرہ پیش کر دیا تھا۔

ترکی کے خلاف اتفاق۔ ترکوں کی اخلاقی حالت۔ تحریک برکٹولد (Berchtold)

مانٹی نگرو کا اعلان جنگ

قومی تنافر پایہ کہنا چاہئے کہ مذہبی تنافر کے باوجود، جس نے عیسائیوں میں

پھوٹ ڈال دی تھی، بلقانی مدبروں میں ایسے لوگ موجود تھے جو ترکی کے خلاف مشترکہ کارروائی اختیار کرنے کے حامی تھے۔ وے لاپنی کا ۱۸۸۵ء ہی میں یہ خیال تھا لیکن وہ یہ سمجھتا تھا کہ ابھی وقت اس کے مناسب نہیں ہے۔ ۱۸۸۸ء میں شاہ مانٹی نیگرو نے روس کے زیر حمایت بلقان فیڈریشن کے لئے ایک اسکیم تیار کر کے نام روانہ کی۔ ۱۸۹۳ء میں ٹری کوپس (Tricopis) نے بلغاریہ کے ساتھ ایک اتحاد قائم کرنے کی تجویز پیش کی لیکن اس سلسلے میں تمام گفت و شنید اس لئے ناکام رہی کہ ہر فریق اپنے شریک پر یہ الزام لگاتا تھا کہ اس کا منشا و مقدونیہ میں ترکوں سے بعض مفادات حاصل کرنا ہے۔ باشندگان جزیرہ نما کے مابین سب سے پہلے جو مفاہمت ہوئی، وہ مانٹی نیگرو اور بلغاریہ کی مفاہمت تھی جس میں بلغاریہ نے یہ وعدہ کیا تھا کہ ترکی کے سربیہ کو سنجک عطا کرنے پر وہ اس معاملے میں مداخلت کرے گا تاکہ مغربی حصہ پھر مانٹی نیگرو کو مل جائے۔ ۱۹۱۱ء میں بلغاریہ نے بہر حال سنتنجی اور بلغراد، دونوں ریاستوں میں مصالحت کرا دینے کی غرض سے، جو ایک اتحاد کا پیش خیمہ تھی، درمیانی کا کام انجام دیا۔ لیکن جس وقت تک یونانی اور بلغاری ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس وقت تک اتحاد بلقان ناممکن تھا۔ اس اتحاد کے لئے جو لوگ خاص طور پر کوشاں تھے، وہ ام پاناز (Panas)، جو ۱۹۱۰ء میں صوفیہ میں بحیثیت سفیر یونان متعین تھا، اور یونان کا وزیر اعظم ام وینی زولاس (Venezolos) تھے۔ ایک یونانی پبلسسٹ، ڈاکٹر کلین تھیز نکولے ڈیز (Kleanthes nicholaides) نے، جس نے بلقان کے اتحاد اربعہ کی تیاری میں نہایت اہم کام انجام دیا تھا اور جو کولون ٹائمز کا نامہ نگار تھا، ام پاناز اس طرح تشریح کی تھی کہ "وہ سب سے پہلے اس کو ان مناقشات کو، جو بلغاریہ میں یونانی مدارس اور گرجوں کے بند ہو جانے کا نتیجہ تھے، رفع کرنا پڑا۔ اس کے بعد اس نے ایک عام یونانی و بلغاری مصالحت کے مسئلے پر غور کرنا شروع کیا۔ یہاں اس امر کا تذکرہ لازمی ہے کہ ام پاناز ۲۴ پچیس سال تک وزارت حربیہ کا ایک سربرآوردہ عہدہ دار رہا تھا اور اس طرح اس کو بیرونی ممالک کے ساتھ ساتھ یونان کے تعلقات کے متعلق بھی پوری معلومات حاصل کر لینے کا موقع مل گیا تھا۔ مارچ ۱۹۱۲ء میں میرے سفر صوفیہ کے موقع پر تمام بلغاری

وزرا نے مجھے اطمینان دلا دیا تھا کہ ام پاناز اس تحریک کا روحِ رواں بن گیا ہے، جس کا مقصد بلقانی ریاستوں میں اتحاد قائم کر دینا ہے۔ بلغاریہ کے وزیر مالیہ، ام تھیوڈورو (Theodorow) اسی زمانے میں ام پاناز کے صوفیہ میں دو سال تک قیام کرنے کے بعد مجھ سے یہ کہا تھا کہ ام پاناز کی کوششیں ابھی تک مکمل نہیں ہوئی ہیں"۔

ام وینی زولاس یونان اور بلغاریہ کے اتحاد کو ایک ایسی جغرافی ضرورت سے تعبیر کرتا تھا جس کی تکمیل کے لئے خود قدرت متقاضی تھی۔ ام پاناز کی رپورٹوں نے اس کو اپنے خیال میں اور بھی مستحکم کر دیا تھا۔ ام حاجی میتشا (Hadji Mitschew) بلغاری سفیر متعینہ ایتھنا بھی یونان اور بلغاریہ کے اتحاد کا سرگرم حامی تھا۔ اس نے ایتھنا اور صوفیہ کے تمام اختلافات کو رفع کر دینے کی عملی طور پر کوشش کی تھی۔ لیکن اس کے برخلاف یونان اور ترکی کے تعلقات اور بھی خراب ہو گئے تھے اور ترکی مظالم نے عثمانی یونانیوں کو بلغاریہ اور سربیہ والوں سے اتحاد قائم کر لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ ترکی پارلیمنٹ کی کمیٹی کے تشدد کا باقاعدہ طور پر مقابلہ کرنے کی غرض سے یونانی، سرفی اور بلغاری نمایندے اپنی ایک علیحدہ جماعت بنا لینے اور مشترکہ طور پر اپنی خواہشات کو پیش کرنے نیز ایک ہی قوم کی حمایت کرنے پر متفق ہو چکے تھے۔ یونانیوں اور بلغاریوں نے اپنی مذہبی نزاعوں کو یک لخت فراموش کر کے، پیٹریارگیٹ اور ایگزارکیٹ میں بہتر تعلقات قائم کر دینے کی غرض سے بالاتفاق کام کرنا شروع کر دیا اور کچھ ایسے استقلال، صبر اور نیک نیتی سے کام لیا کہ عام طور پر یہ باور کیا جانے لگا کہ وہ دن بہت قریب آ گیا ہے جب کہ دونوں قوموں میں کامل طور پر مصالحت ہو جائے گی اور مشرقی کلیسا کی بدعتوں کا وجود باقی نہیں رہے گا۔ مقدونیہ میں مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والے عیسائیوں کی باہمی لڑائیاں بہت کم ہو گئی تھیں۔ یونانی باشندوں نے بلغاریوں کی بستی میں داخل ہونے پر اپنے مکانوں کی دھس بندی کرنا چھوڑ دیا تھا اور گرد و نواح میں یونانیوں کے نئے مدرسوں کے قائم کرنے سے بلغاری مدارس کے جبراً بند کر دینے کا خطرہ اب باقی نہیں رہا تھا۔ عیسائی قومیت پرستوں نے موت اور استیصال کے خطرات سے دوچار ہو کر، جو ایک ایسی پالیسی کا مہلک نتیجہ تھا، جو ان کو فنا کر دینے والی تھی، یہ محسوس کر لیا تھا کہ ان کی نجات کا ذریعہ صرف یہی ہو سکتا ہے کہ وہ مشترکہ

طور پر مدافعت کریں۔ ان تمام باتوں نے ارباب تدبر کے کاموں میں بہت کچھ سہولتیں پیدا کر دی تھیں۔

نومبر ۱۹۱۱ء میں بلقانی اتحاد کے معاہدوں کا سوال یونانی پارلیمنٹ میں اٹھایا گیا۔ ام وینزولاکس نے صاف طور پر اتحاد کی حمایت کی۔ کچھ عرصے کے بعد اسی مسئلے پر اسکوپشینا (skuptchina) میں بھی سوال اٹھایا گیا اور ام موفانوفتش (Milovanovitch) وزیر خارجیہ نے بھی یہی کہا۔ چاروں آزاد مملکتوں کی حکومتوں نے بعجلت مطالبات کا ایک نظام العمل مرتب کر لیا اور دولت علیہ ترکیہ کو انصاف سے کام لینے پر مجبور کرنے کے لئے تدابیر وضع کریں۔ گفت وشنید کا آغاز اس لئے آسان نہیں تھا کہ اس تحریک میں آئندہ شریک ہونے والے اگرچہ ایک ہی مقصد کے حصول کے درپے تھے تاہم ان کی رائیں مختلف تھیں۔ بہر حال ۱۳ مارچ ۱۹۱۲ء کو ترکی کے خلاف بلغاریہ اور سربیہ کے مابین ایک خفیہ معاہدۂ اتحاد ۱۹۲۰ء تک کے لئے طے ہو گیا، جس میں ایک فوجی معاہدہ مورخہ ۱۹ جون کا بھی اضافہ کر دیا گیا جس نے ان علاقوں کو دونوں فریقوں میں تقسیم کر دیا، جو مقدونیہ میں ترکوں سے حاصل کئے جانے والے تھے۔ اس معاہدے میں ایک خفیہ اضافہ اور بھی کیا گیا، جس نے ثابت کر دیا کہ اس گفت وشنید میں، جو اس اتحاد کا پیش خیمہ تھی، روسی تدبر بھی عملی طور پر شریک تھا۔ [1]

---

[1] (۱) اگر عملی کارروائی اختیار کرنے کے متعلق کوئی معاہدہ ہو جائے تو اس سے روس کو لازمی طور پر مطلع کرنا چاہئے اور ایسی صورت میں کہ روس کو اس سے اختلاف نہ ہو، معاہدۂ منعقدہ کے مطابق یکجہتی اور یکسانی مفادات کے ساتھ کارروائی کی جائے گی۔ اس کے برخلاف اگر کوئی معاہدہ نہ ہو تو دونوں ریاستیں روس سے مشورہ کریں گی اور روس کا یہ مشورہ اسی حد تک ہوگا، جس حد تک کہ وہ دونوں فریقوں کے مقابلے میں اپنے کو پابند تصور کرتا ہے۔

(۲) ایسی صورت میں کہ روس اس معاملے میں مشورہ دینے سے احتراز کرے اور ہر دو فریق معاہدہ کوئی مفاہمت نہ کر سکیں، تو وہ فریق، جو اس تحریک کا موافق ہوگا، بذات خود اپنی ذمہ داری پر عمل پیرا ہوگا اور فریق ثانی کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اپنے حلیف کے مقابلے میں مروت آمیز غیر جانبداری سے کام لے۔ اور جنگی معاہدہ کی معینہ حدود کے اندر تو ماؤبینی فوجوں کو آراستہ کر کے ایسی

۲۹ مئی کو بلغاریہ اور یونان کے دستخط معاہدے پر ہو گئے۔ یہ معاہدۂ اتحاد تین سال کے لئے اس شرط کے ساتھ منعقد ہوا تھا کہ انقضائے مدت پر اگر یہ راز ظاہر نہ ہوا تو اس میں ایک سال کی اور توسیع کر دی جائے گی۔ اس معاہدے کے پہلے فقرے میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ اگر قندیہ کے متعلق ترکی اور یونان میں جنگ ہو تو بلغاریہ اس میں شریک نہیں ہوگا۔ یہ مسئلہ مفتوحہ علاقہ جات کی تقسیم جدید سے کسی طرح متعلق نہیں تھا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ۵ راکتوبر کو جبکہ فریقین کی فوجیں آراستہ ہو چکی تھیں کہ ایک یونانی وبلغاری فوجی معاہدہ سدراہ ہو گیا۔ ۱۰ اسی سال کے جولائی کے مہینے میں ام ڈانیف (Daneff) نے خود اس معاہدے سے زار کو اور لوادیا (Livadia) میں سزوناف (Sezonaf) کو مطلع کیا اور ترکی کو منسلفات کی بناء پر اصطلاحات کے نظام العمل کو نافذ کرنے پر مجبور کرنے کے لئے روس سے سیاسی امداد کی درخواست کی۔ روس نے اس معاملے میں اپنی نیم رضامندی کا اظہار کیا۔ اگست میں اس مسئلے میں اس واقعہ کی بناء پر اور بھی ابرام پیدا ہو گیا کہ البانیوں کی بغاوت اور دلیرانہ افعال نے ترکی اور البانیہ کو بعض مراعات عطا کر دینے پر مجبور کر دیا تھا۔ ایسے مراعات جن سے بلقانی ریاستوں کو یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ ان کے قومی مفادات خطرے میں ہیں۔ [1]

بلقان میں یہ گفت وشنید جاری ہی تھی کہ باب عالی نے ستمبر کے مہینے میں ایکایک

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ صورت میں کہ کوئی تیسری ریاست ترکی کی طرف سے جنگ کے لئے آمادہ ہو جائے اپنی تمام فوجوں کے ساتھ اپنے حلیف کی امداد کرے گا۔

فقرہ ۵۔ معاہدے اور موجودہ خفیہ ضمیمے کی ایک نقل مشترکہ طور پر روس کی امپیریل گورنمنٹ کے پاس اس غرض سے بھیجی جائے گی، جو فوراً اس کے متعلق ایک یادداشت مرتب کر لے گی کہ مقاصد معلومہ میں دونوں فریقوں کے کشادہ دلی سے کام لینے کا ثبوت پہنچ جائے اور زار روس سے یہ التجا کی جائے کہ ہر دو آئین میں اس کی ذات اور اس کی حکومت کے مقابلے میں جن تعلقات کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ ان کو منظور اور تسلیم کریں۔

فقرہ ۶۔ اگر معاہدہ یا موجودہ خفیہ ضمیمہ معاہدہ یا جنگی معاہدے کے کسی فقرے کی تعبیر یا طریق نفاذ کے متعلق کوئی اختلاف پیدا ہو تو ایسی صورت میں اس کو روس کے تصفیۂ آخر کے لئے پیش کیا جائے گا کہ کسی فریق کی طرف سے یہ ظاہر کر دیا جائے کہ اس کی واقفیت میں براہ راست گفت وشنید سے کوئی معاہدہ نہیں ہو سکتا۔

فقرہ ۷۔ دونوں فریقوں کے قبل از قبل اتفاق اور روس کی منظوری کے بغیر موجودہ خفیہ ضمیمہ معاہدے کے کسی فقرے کو شائع نہیں کیا جائے گا اور نہ کسی دوسری ریاست کو اس کی اطلاع دی جائے گی۔

[1] M, Kleanthes Nicholaides, Echo de Paris, November 28, 1912.

ادرنہ کے نواح میں عظیم الشان مشورات سے کام لینے کا ارادہ کیا، جس میں نظام مستقل
نواح نبرد آزما) کی بارہ ڈویژنوں اور ردیف (محفوظ) کی چھ ڈویژنوں نے حصہ لیا۔
ترکی نے اس وقت تک انتظار کیا جب تک کہ بلغاریہ کے مشورات پورے نہ ہو گئے اور
سرحد پر معتدبہ فوج مجتمع کرنے کی غرض سے، محفوظ سپاہ کو برطرف کر دیا۔ ترکی کا بظاہر
یہ ارادہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بلغاریہ پر، وادی مریزہ (maritza) کے راستے سے
حملہ کرنے کی دھمکی دے کر، دباؤ ڈالنا چاہتی تھی۔ بلغاریہ اس وجہ سے ادرنہ کے محاذ میں
ایسی فوجیں جمع کرنے والا تھا، جو ترکی فوجوں کا جواب ہو سکیں۔ ضرورت کے وقت
بلغاریہ میں عام طور پر بھرتی کی جا سکتی تھی۔ بلغاری سفیر متعینہ قسطنطنیہ، ام سارافاف
(Sarafoff) کو اس کی حکومت نے یہ حکم دیا کہ ترکی سے جواب طلب کرے۔ وزیر خارجہ
آفندی (Noradounghian) نے جواب دیا کہ ترکی حکومت بلغاریہ کی طرف
سے بہترین خیالات رکھتی ہے اور یہ کہ مشورات زیر بحث سے اس کا سوائے اس کے
اور کوئی مقصد نہیں تھا کہ ایک ایسی رسم کو پوری کرے، جو دنیا کے تمام ممالک میں
عام طور پر کی جاتی ہے۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ آخر وہ کونسی وجہ تحریک تھی، جس نے
ترکوں کو ان مشورات پر مجبور کیا، جنھوں نے بلغاریہ کے لئے اشتعال کے آوازے بلند
کرنے کا بہانہ پیدا کر دیا؟ بعض بیانات کے مطابق کابینہ، جو اس غدر کی وجہ سے
جو تمام ملک میں پھیلا ہوا تھا، مجبور محض ہو گئی تھی، ایسے ذرائع تلاش کر رہی تھی
جو ایک خارجی لڑائی کے ذریعے سے تمام مسلمانوں کو غیور (ghiaours) کے خلاف
ازسرنو متحد کر دے۔ حسین کاظمی پاشا نے، جو انجمن اتحاد و ترقی میں نہایت ہی
امتیازی شخصیت رکھتا تھا، جو وقتاً فوقتاً والئ حلب، ناظم قسطنطنیہ اور والئ سالونیکا رہ چکا
تھا اور جو اپنی وفاداری، دیانتداری اور جدت طرازی کے لئے مشہور تھا اور جس کو
یہ کہنا چاہئے کہ ایک مخصوص سیرت کا مالک تھا۔ اس نے ایک کتاب کا جو سالونیکا میں مخفی آغاز کی
منفقین کے نام سے شائع ہوئی تھی، مقدمہ لکھا جو بجائے خود ایک اصول کا اعلان تھا۔ سب سے پہلے اپنے
دوستوں اتحادیوں (unionists) کے افعال پر جو ایک ناممکن العمل مرکزیت کو قائم کرنا چاہتے
تھے اور پھر اپنے صاحب اقتدار دشمنوں، احرار کے طرز عمل پر نہایت غیر جانبدارانہ
اور سخت نکتہ چینی کر کے، جنھوں نے سمجھ بوجھ رکھنے کے باوجود مرکزیت کو معدوم کیا

تھا، حسین کاظمی نے یہ ظاہر کیا تھا کہ موجودہ درہمی و برہمی سے بچنے اور مزاج کو درد کرنے کا ایک یہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ "اس بلقانی ریاست کو، جو سب سے زیادہ بے چینیاں اور بے انتظامیاں ہمارے ملک میں پھیلاتی ہے، پامال کر دیا جائے۔ آلِ عثمان جو روما ئلی میں بزورِ شمشیر داخل ہوئی تھی، یہ جانتی ہے کہ کس طرح بزورِ شمشیر اس پر قابض رہے"۔

اس امر کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ بلقانی ریاستوں اور بلغاریہ کے ساتھ معاہدہ کرنے کے خیال کو ابتداءً اس نے بہت کچھ تقویت پہنچائی تھی اور اسے اس کے متعلق بہت کچھ امید بھی تھی، حسین کاظمی نے یہ بیان کیا کہ اسے مجبوراً اپنے اس خیال میں ترمیم کرنی پڑی۔

"میری دانست میں معاہدے کا اب کوئی امکان نہیں ہے۔ میرا یہ خیال ہے کہ صرف جنگ ہی کے ذریعے سے ترکی حکومت مقدونیہ میں باقی رہ سکے گی۔ اس امر کی قطعی ضرورت ہے کہ حکومت کو برخاست کر دینے کے خیال کو، جو مختار پاشا کی کابینہ پر نہایت مہلک طریقے پر حاوی ہے، بیخ و بن سے اکھاڑ دیا جائے۔ اسی طرح اس امر کی بھی قطعی ضرورت ہے کہ ظالموں کو سزا دی جائے اور یہ دراصل ایک مقاومت کی ناگزیر ضرورت ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس ضرورت کو پورا کریں ورنہ جلد یا بدیر داخلی اور خارجی مشکلات کا پہاڑ ہمارے سروں پر ٹوٹ پڑے گا"۔

یہ نظریہ کہ آج لڑائی کرنا بہتر ہے بہ نسبت کل کے، حسین کاظم بے کے ساتھ مخصوص نہیں تھا بلکہ اکثر لوگوں کا یہی خیال تھا۔ لیکن ایک اس سے بھی زیادہ اہم شئے اور بھی تھی۔ یہ ممکن تھا کہ لڑائی ایک نئے اعلانِ جنگ کا فوری طور پر انسداد کر دیتی مگر اس موقع پر اس سے اتحاد و ترقی کو فائدہ ہوتا"۔

کاؤنٹ برک ٹولڈ (Berchtold) نے ایک تجویز توسط پیش کر کے، جس میں اس نے دولتِ علیہ کو اس امر کے لئے مدعو کیا تھا کہ تمام یورپ میں مرکزیت کو معدوم کر دیا جائے، جس سے آسٹرین ڈپلومیسی کے نزدیک ترکی کی تمام خرابیاں رفع ہونے والی تھیں۔ جنگ کے خطرے کو دفع کرنے کی کوشش کی تھی۔ دولتِ علیہ نے اس تحریک کا نہایت سرد مہری کے ساتھ خیر مقدم کیا جس کی وجہ زیادہ تر یہ تھی کہ ایک آسٹریا کے ایک سرکاری پرلویو نے یہ لاف زنی کی تھی کہ اس اعدام مرکزیت کو ایک "خارجی استقلال سے" تعبیر کیا جائے وہ نہ کہ مقامی استقلال" سے۔ یہ امر فوراً واضح ہو جاتا

ہے کہ ایک خارجی استقلال یا آزادی سے کسی ایسے ملک کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ جہاں مختلف قومیں صرف ایک دوسرے کے مقابل ہی نہیں تھیں بلکہ ہر ایسی مصیبت میں بھی مبتلا تھیں، جو ان پر عائد کی جا سکتی تھی۔ البانی سرداروں نے ولایت کسا وو (kassavo) کے ارباب اقتدار اور دول عظمیٰ کے قونصلوں کے نام جو یادداشت بھیجی تھی اس میں "البانیہ کی سیاسی سرحدوں کے تعین" کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ اگر کسی شخص کو اس تجویز میں اس طرح کامیابی حاصل ہو جاتی کہ دوسرے خارجی عناصر، جو یہ سمجھتے کہ ان کے ساتھ ناانصافی کی گئی ہے اور یونانیوں اور اسلاونوں کو اس امر کی شہادت کے لئے طلب کرتے کہ ان کے علاقے کو دبا لیا گیا ہے اور سیاسی سرحدوں کا تعین اس لئے عمل میں لایا گیا ہے کہ اس سے ان کو نقصان پہنچے، نہ تو مسلح مداخلت اور غصے سے کام لیتے اور نہ الٹا اسی کو ملزم قرار دیتے، تو پھر اس شخص کی ہوشیاری اور چالاکی کی کوئی نظیر نہ مل سکتی۔ یہی واقعات تھے، جن کی بنا پر شیبی البانیہ یا اپیرس کے متعلق البانیوں کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ ارناؤط کا ملک ہے اور یونانیوں کا یہ بیان تھا کہ وہ یونانی علاقہ ہے۔ مزید براں ولایت ینینہ میں ارناؤط اور یونانی باہم سے کم وہ لوگ جو اپنے کو ارناؤط اور یونانی بتاتے تھے، اس قدر رل مل گئے تھے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں تفریق کرنا قطعی ناممکن تھا۔ میں نے ان دونوں لفظوں کو عمداً اس لئے استعمال کیا ہے کہ اپیراٹ عیسائیوں کی کثیر تعداد البانی النسل ہے لیکن وہ اپنے کو یونانی بتاتے ہیں اور یونانیت ان پر اس قدر غالب ہے کہ ان میں اور البانیوں میں کوئی بات مشترک نہیں پائی جاتی۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں وہ عظیم الشان مسئلہ جس کا حل اس قدر دشوار ہے، پیش آتا ہے یعنی یہ کہ ترکی کے خارجی عناصر کو کس طرح مشخص کیا جائے اور وہ کونسا طریقہ ہے جس سے دونوں کے مابین صحیح اور ٹھیک امتیاز قائم ہو سکے؟

ظاہر ہے کہ ایک ایسی عدم مرکزیت جو نسلی استقلال پر مبنی ہو قطعی ناممکن العمل تھی۔ اگر اس قسم کی لامرکزیت معرض ظہور میں آ جاتی تو اس سے سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ نہیں ہوتا کہ مختلف قومیتیں ایک دوسرے کے گلے پر چھری پھیرتیں۔ اب رہا سیاسی اعدام مرکزیت تو اس کا مقصد بھی زیادہ سے زیادہ خود مختار صوبوں کا نسٹی ٹیوشن ہو سکتا تھا، جیسا کہ پہلے مشرقی روما ئلی کا حال تھا۔ اس صورت میں بھی بہت جلد ترکی کا عضو

علیحدہ ہو جاتا۔ اگر دولت علیہ ترکیہ واقعی علی، مفید اور نتیجہ خیز اصلاحیں نافذ کرنا چاہتی تو اس کو بالعموم اسلام کی اور بالخصوص ترکوں کی فلاح کے لئے سلطنت کی تمام قوموں کو ترک بنا دینے کے خیال کو قطعاً چھوڑ دینا پڑتا۔ ترکی میں اعدام مرکزیت کی صرف ایک صورت ہو سکتی تھی اور وہ میونسپل ادارات کے قیام کے ذریعے سے کمیونس کی آزادی اور ایک کامن کن فیشنل کا تقرر تھا۔ یہی وہ تنہا ذریعہ تھا، جو عیسائیوں کی مذہبی مخالفتوں کو ایک کن فیشنل پر دوسرے کن فیشنل کے تفوق کے لئے ایک دوسرے سے متصادم نہیں ہونے دیتا۔ ساتھ ہی ساتھ اس ترکیب سے لڑائی بھی رک جاتی؛ جو بغیر التوا یا ترحم کے کبھی کھلم کھلا اور کبھی تا حدِ امکان پوشیدہ طور پر، سلطان کے فرامین ایرادات (Trades) اور خطوط (Hatts) اور شیخ الاسلام اور علماء کے فتووں کے باوجود، مسلمان غیور (Ghiaours) کے خلاف برابر لڑ رہے تھے۔ اگرچہ اس نظام العمل کے پہلے حصے میں بھی اس لئے مشکلات موجود تھیں کہ ہر بطریق اپنے مراعات کی آڑ میں اپنے ہمسایے کے پیروؤں کو اپنا پیرو بناتا اور ان کو اپنے گروہ میں شامل کرنے کی کوشش کرتا، تاہم یہ قابل عمل تھا۔ لیکن دولت علیہ نے ایک ایسے میونسپل ضابطے کو نافذ کرنے سے انکار کر دیا، جو مسلمانوں اور غیور (Ghiaours) میں تفریق کر دیتا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ ترکوں کی دستوری حکومت، جس کے نظام العمل میں مذاہب کی مساوات، مواخات اور آمیزش داخل تھی، اپنی رعایا کی تفریق و تبویب کر کے ان میں غیریت کس طرح پیدا کر سکتی تھی۔ کیسے ممکن تھا کہ وہ بجائے ایک قوم قائم کرنے کے لوگوں کو چھوٹے چھوٹے فرقوں میں تقسیم کر دیتی۔ دولت علیہ، ترکی مدبرین اور استنبولی جرائد جب خارجی عناصر میں یکجہتی اور اخوت کے قیام کا تذکرہ کرتے تھے تو یا تو وہ اپنے سامعین کا مضحکہ اُڑاتے تھے یا خود اپنے سے بھی بے خبر ہو جاتے تھے۔ اور یہ دونوں باتیں ایسی ہیں، جو ساتھ ساتھ ظہور پذیر ہوتی ہیں۔

فی الحقیقت یہ کسی قدر ٹیڑھا سوال ہے کہ جب ایک ملک میں مختلف قومیں آباد ہوں تو کس طریقے سے ان میں یکتائی پیدا کی جائے؟ علم تشریح اور تمدنی نقطۂ نظر سے سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں ہے کہ مختلف فرقوں میں شادیاں کر کے ایک کا دوسرے میں پیوند لگا دیا جائے۔ لیکن اس امر میں ترکی کے اندر زبردست مذہبیت کی پیدا کی ہوئی رکاوٹیں

ناقابلِ علاج ہیں۔ مذہبی توہین کی حیثیت سے ناجائز قرار دیتی ہیں بلکہ اس قسم کے تعلقات پیدا کرلینے پر قانونِ شریعت کی رو سے جس کا قانونِ سیاست ایک ادنیٰ غلام ہے، موت کی سزاؤں کو بھی جائز سمجھتی ہیں، خارجی عیسائی فرقے پہلے ہی سے ایک دوسرے فرقے میں بہت کم شادیاں کرتے ہیں۔ اس قسم کے تعلقات نادر ہیں اور دونوں فریق اس کو ناپسندیدہ نظر سے دیکھتے ہیں۔ ایک یونانی کے لئے کسی ارمنی سے یا ایک آرتھوڈاکس کے لئے کسی کیتھولک سے یا اس کے برعکس شادی کرلینا ہر فرقے میں سخت رسوائی کا باعث ہوتا ہے۔ لیکن مسلمانوں اور عیسائیوں کی حد تک اس کی بالکل جداگانہ حیثیت ہے۔ شریعت ہر اس مسلمان کو، جو کسی غیور (Ghiaour) کے ساتھ جائز یا ناجائز تعلق قائم کرلے موت کی سزا دیتی ہے۔ ایک مسلمان مرد ایک عیسائی عورت سے باقاعدہ طور پر نکاح کرسکتا ہے اس لئے کہ ایسی شادی سے جو بچے ہوتے ہیں ان کا مذہب اسلام ہوتا ہے اور پھر اس بات کا بھی امکان ہے کہ خود یہ عورت بھی مسلمان ہو جائے۔ لیکن ایک مسلمان عورت کا ایک عیسائی مرد کے ساتھ شادی کرلینا شریعت میں ایک ایسا جرم ہے کہ جس کا کفارہ موت بھی مشکل سے ادا کرسکتی ہے۔ بہرحال یہ یقینی ہے کہ جس وقت تک کہ عیسائیوں اور مسلمانوں میں آزادی کے ساتھ شادیاں نہ ہونے لگیں، اتحادِ اقوام کا سوال ترکوں کی کج بحثی سے زیادہ اور کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

برکٹولڈ (Berchtold) کی نوٹ دراصل ایک تہدید تھی، جس کا مقصد یہ تھا کہ ترکی کو آسٹریا ہنگری کی اتالیقی میں دیدیا جائے۔ بلقانی ریاستوں اور ترکی میں جو تصادم عنقریب واقع ہونے والا تھا اس کے انسداد کے لئے امِ پانکار (Poincare) نے مختلف وزارتِ خارجہ کے سامنے "اصلاحات میں حصہ لینے کی" تجویز پیش کی۔ اور اس طرح

ـــــــــــــ

لے عیسائی مصنف نے اس جگہ دانستہ طور پر شریعت کی ایک اصولی بحث کو چھیڑ دیا ہے۔ اس امر کو بہرحال ہمیشہ اور ہر ایسے موقع پر پیش نظر رکھنا چاہئے کہ مصنف عیسائی ہے اور عیسائیوں کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ اسلام اور بانیٔ اسلام صلعم کے مقابلے میں تعصب سے کام لیں۔ (مترجم)

پر اس کام کے لئے جو صرف آسٹریا کو تنہا انجام دینا چاہیئے تھا تمام یورپ کو آمادہ کر دینا چاہا۔ لیکن ویانا کی بیشمار سازشوں کے نتیجے کے طور پر جن میں بوجوہ مختلف لندن اور سینٹ پیٹرس برگ کا بھی ہاتھ تھا، ایسا نہیں ہوا۔ آسٹریا یہ نہیں چاہتا تھا کہ دول متفقہ طور پر اس سلسلے میں قدم اٹھائیں جس کی وجہ یہ تھی کہ صوبہ جات رومانی میں اس بناء پر امن و انتظام کے قائم ہو جانے کی صورت میں آسٹریا کے پاس اپنے مشرق کی طرف کوچ کرنے کے جواب کو سچا کر دکھانے کے لئے کوئی بہانہ باقی نہیں رہتا۔ برکنٹولڈ کی تحریک میں سب سے پہلے ایک البانی خود مختاری کے قیام کی تجویز پیش کی گئی تھی، جو قدرتاً آسٹریا کے زیر حمایت عمل میں آتا اور اسی کے لئے وقف ہو جاتا۔ انگلستان نے، جس کو ابتداً امر یا تنکار کی تحریکات کو منظور کرنے میں پس و پیش تھا لیکن جو بلقان کی آسٹرین سازشوں کو نہایت نفرت کی نظر سے دیکھتا تھا، ترکی کو دول کی متفقہ کوشش کا انتظار کئے بغیر نفاذ اصلاحات میں تقدیم کے لئے آمادہ کر کے، تمام معاملات کی یکسوئی کر دینے کی کوشش کی۔ بلقانی ریاستوں نے یہ ظاہر کر کے کہ صرف نفاذ اصلاحات کے لئے فوجوں کو آراستہ کیا گیا تھا اس امر کا اعلان کر دیا کہ اب جنگ و جدل کی کوئی ضرورت واقع نہیں ہوگی۔ اس تدبیر کو باب عالی نے بھی پسند کیا اور ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا کہ البانیہ میں جن اصلاحات کے نفاذ کی خواہش کی جاتی ہے وہ سلطنت کی تمام ولایتوں میں بھی نافذ ہونے چاہئیں۔ اتوار کے دن ۶ اکتوبر کو مجلس وزراء میں یہ تصفیہ ہو گیا کہ سنہ ۱۸۶۸ء کا قانون تمام ولایتوں میں نافذ کر دیا جائے۔

اس طرح سے، جیسا کہ میں پہلے ہی ظاہر کر چکا ہوں باب عالی نے سنہ ۱۸۷۸ء کے برلن کے تیئیسویں فقرے کے مطابق مشرقی رومانی کے خود مختار صوبوں کے یورپین کمیشن کے سامنے، یورپین ترکی کے ان صوبوں کے لئے، جن میں مخصوص نظم و نسق نہ ہو اصلاحات کی ایک تجویز پیش کی۔ اس یورپین کمیشن کے ذمہ یہ کام عائد کیا گیا کہ باب عالی کے ملاحظے میں پیش کرنے کی غرض سے وہ ایک اسکیم پیش کرے، جس میں ان قواعد کی امداد سے، جو ترکی کمیشنوں نے دولت علیہ کے سامنے پیش کئے تھے بعد کو ترمیم و تنسیخ ہوگی اور اس کا لحاظ رکھا جائے گا کہ ملکی عیسائیوں کی کافی نمائندگی کی جائے۔

دولت علیہ بہرحال یہ زیادہ مناسب سمجھتی تھی کہ ملکی عیسائیوں کے مشورے کے بغیر خود ہی قسطنطنیہ ہی میں ایسی اسکیم تیار کرلے۔ یوروپین کمیشن نے اس خیال سے کہ رد و قدح میں وقت ضائع نہ ہو اور خود ان کے اظہارِ خیالات کے لئے ایک خاکہ تیار ہو جائے اس کو منظور کر لیا۔ اس کمیشن نے یوروپین ترکی کی ولایتوں کے لئے ایک قانون مورخہ ۲۳ اگست ۱۸۸۰ء وضع کیا، جس میں (۳۲۷) دفعات اور (۱۰) باب تھے۔ (ترکی کے قانون میں (۴۴۹) دفعات اور (۲۳) ابواب تھے) اس قانون کے متعلق نہ تو سلطان کی منظوری صادر ہوئی نہ اس کی اشاعت کی گئی اور نہ اس کا نفاذ ہوا۔

معاہدۂ برلن میں شریک ہونے والی طاقتوں نے بھی اسی طرح اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے کوئی سنجیدہ کارروائی اختیار نہیں کی تھی۔ بابِ عالی کی سرکاری مراسلت میں، جس میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ ۱۸۶۸ء کا قانون نافذ کیا جا رہا ہے، اس امر کے متعلق کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا تھا کہ آیا قانون مذکور وہی ہے جو یوروپین کمیشن نے دولتِ علیہ کی اسکیم کے پیش ہونے پر وضع کیا ہے۔ سرکاری طور پر جرائد کی موسومہ مراسلت میں صرف یہ بیان کیا گیا تھا کہ ان اصلاحات کا معاہدۂ برلن کے تئیسویں ۲۳ فقرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کے علاوہ قانونِ ولایت کی جس کی ترکی کے مجوزہ قانون میں (۴۴۹) اور یوروپین قانون میں (۳۲۷) دفعات تھیں غور و تعمق کے ساتھ نظرِ ثانی اور ترمیم و تنسیخ ہونی لازمی تھی اور کمیشنوں اور سب کمیشنوں کے مباحثات کے ختم ہو جانے اور مہینوں کے مہینے اس طرح گزر جانے پر، ولایتوں کا یہ نیا قانون جو ان طول طویل اور فاضلانہ تفکرات کا نتیجۂ عمل ہوتا، پارلیمنٹ میں پیش کیا جانے والا تھا۔ چیمبر اور سینیٹ کی منظوری اور تصویب اور سلطان کے باقاعدہ طور پر اس کے متعلق شاہی منظوری عطا کر دینے کے بعد کہیں جا کر اس کا نفاذ ہونے والا تھا۔ یہ مرحلے ابھی طے کرنے باقی ہی تھے کہ صورتِ حال اور بھی بدتر اور ناقابلِ تحمل ہو گئی۔

مغربی دول کی حکمتِ عملی یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ بابِ عالی کے مواعید پر اعتماد کرتی ہے۔ اس نے ۱۸۶۸ء کے قانون کو بلقانی ریاستوں سے ان کی فوجوں کو برطرف کرنے کے لئے اصرار کرنے کا بہانہ قرار دے لیا۔ دول کا کسی ایسی چیز کے ساتھ مقابلہ کرنا زیادہ مناسب ہوتا جو ایک مرتبہ بننے کے بعد پھر بگڑ نہ سکتی ہو۔ یہ چیز صرف

جنگ ہو سکتی تھی لیکن سربیہ اور یونان کی فوجیں اب تک اتنی آراستہ نہیں ہوئی تھیں جتنی کہ بلغاریہ کی ہو چکی تھیں لہٰذا بلغاریہ کو مجبوراً ان کی فوجوں کے آراستہ ہونے تک اعلان جنگ کو ملتوی کر دینا پڑا اور نہ بصورت دیگر یکے بعد دیگرے جنگ کا اعلان کرنے کی حالت میں اتحادیوں کے لئے علیحدہ علیحدہ طور پر لڑائی میں گھر جانے کا خطرہ تھا۔ مانٹی نیگرو البتہ ایک ایسی ریاست تھی جس کی فوجیں ہر وقت تیار رہتی تھیں اور جس کی مصافی مصروفیتیں جغرافی صورت حال کے لحاظ سے ایک مخصوص دائرۂ محاربت تک محدود تھیں۔ سہ شنبہ کو بتاریخ ۸ اکتوبر، دن کے گیارہ بجے مانٹی نیگرو کے وزیر مختار، اسم پلامناز (Plamenatz) نے شاہ نکولاس کی طرف سے اعلان جنگ باب عالی کے حوالے کر دیا۔ بلغراد، صوفیہ اور ایتھنا میں اب یورپین دول کے استفسارات کا یہ جواب دیا جا سکتا تھا کہ اس کے مشورے بالکل بعد از وقت ہیں اور یہ کہ مانٹی نیگرو نے جنگ کا اعلان کر کے اپنے متحدین کو بھی اپنے ساتھ لڑائی میں پھانس لیا ہے۔

اتحادیوں کا ۱۳ اکتوبر کا نوٹ۔ سربیہ اور بلغاریہ کے خلاف ترکی کا اعلانِ جنگ۔ یونان کا اعلانِ جنگ۔ ترکوں کی پہلی تباہی۔ مختار پاشا کی وزارت کا زوال۔
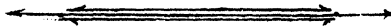
اس خبر کو سن کر استنبول میں لوگ خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ جرائد تمام عیسائی ریاستوں کے خلاف جنگ کے نعرے لگانے لگے سلطنت کی حدود کو طونہ وغیرہ تک پھر بڑھا دینے کے علاوہ وہ کسی اور چیز کا تذکرہ نہیں کرتے تھے۔ طلبا نے باب عالی کی کھڑکیاں توڑ ڈالیں۔ اور حکومت کو مجہولیت اور سستی کا ملزم اس لئے قرار دیا کہ اس نے فوراً یونان، سربیہ اور بلغاریہ پر حملہ کیوں نہیں کیا۔ ان لوگوں کو پسپا کرنے کے لئے ایک پورے رسالے کی مدد لینی پڑی۔ وزارت حربیہ نے یہ حکم دیدیا کہ تمام طلباء کو فوج میں بھرتی کر کے سرحد پر بھیجدیا جائے۔

۱۳ اکتوبر کو اتھینا، بلغراد اور صوفیہ میں عثمانی سفیروں کے ایک ایک نوٹ حوالے کر دیا گیا، جن کا مضمون ایک ہی تھا۔ اس نوٹ میں ترکی سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ معاہدۂ برلن کے فقرہ (۲۳) کے مطابق اصلاحات کو نافذ اور اپنی نیک نیتی کے ثبوت میں ترکی فوج کو منتشر کر دیا جائے۔ بلغراد اور صوفیہ کے سفیروں نے اس نوٹ کو باقاعدہ طور پر رسید دے کر باب عالی کے ملاحظہ میں پیش کر دیا لیکن اتھینا کے ترکی وزیر مختار، مختار بے نے بہ اخذ رسید نوٹ وصول کر لینے کے بعد اس کو پھر یونانی وزیر خارجہ، موسیو کو رومبلاس کے پاس واپس کر دیا گر موسیو کورومبلاس نے یہ جواب دیا کہ جس نوٹ کو بہ اخذ رسید حوالے کیا گیا ہے، وہ اس کے استرداد کو قبول نہیں کر سکتا اور یہ کہ وہ بہر صورت یہی تصور کرے گا کہ نوٹ باقاعدہ طور پر ترکی سفیر کے حوالے کیا جا چکا ہے۔ ۱۴ کو یونانی سفارت کے ترجمان اول موسیو ناؤم نورادوں گھیان آفندی کے نام ایک یادداشت روانہ کی، جس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ چوبیس گھنٹے کے اندر یونان کے باربرداری کے جہازوں پر سے، جو ترکی بندرگاہوں میں ہیں، گھاٹ بندی کا حکم اٹھا لیا جائے ورنہ یونانی حکومت اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے اور اپنی رعایا کے مفادات کی حفاظت کی غرض سے مناسب کارروائی اختیار کرے گی۔ ام کورومبلاس نے بھی اسی زمانے میں نورادوں گھیان آفندی کو ایک تار اس مضمون کا روانہ کیا کہ وہ مختار بے کو یہ حکم دیدے کہ یونان کا مرسلہ نوٹ فوراً قسطنطنیہ بھیج دیا جائے۔ نورادوں گھیان نے جواب دیا کہ اگر حکومت یونان کو کوئی نوٹ ہی بھیجنا تھا تو اس کو امم کرانی پارلیں کے توسط سے بھیجنا چاہئے تھا لیکن اگر موجودہ سوال (بلغراد اور صوفیہ کے) ہم مضمون نوٹ سے متعلق ہے تو ایسی صورت میں دولت علیہ عثمانیہ نے اپنے نمایندے کو اس کی ترسیل سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔(Noradounghian)

کا یہ جواب مجلس وزراء کے اس فیصلے کے بالکل مطابق تھا کہ ایک ایسی تحریر کا، جس میں اس نوٹ کی طرح "اس قدر گستاخی اور اس قدر جسارت سے کام لیا گیا ہے" کوئی جواب نہ دیا جائے۔ اور یہ کہ صرف اسی صورت میں بلقانی ریاستوں کی استدعاؤں پر غور کیا جا سکتا ہے کہ ان کو ایسے طریقے پر پیش کیا جائے جو آل عثمان کے نام کی شوکت و حشمت کے شایان شان ہو۔ مجلس وزراء میں یہ فیصلہ بھی ہو گیا کہ صوفیہ اور بلغراد کی ترکی

سفارتوں کے وزراء کو قسطنطنیہ طلب کر لیا جائے۔ یونان کے باربرداری کے جہازوں کی آزادی کے متعلق جو نوٹ پیش کیا گیا تھا، اس کو مسترد کر دیا گیا اور چونکہ یونانی پارلیمنٹ میں قندیہ کے نمایندوں کو شریک کر لیا گیا تھا اس لئے ترکی وزیر مختار متعینہ اتھینا کو واپس بلا لیا گیا۔

۱۵ / تاریخ کو یہ صورت حال تھی۔ ان واقعات کو دیکھکر لازمی طور پر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اب ہر چیز کا خاتمہ ہو گیا تھا اور یہ کہ بلقانی سفراء متعینہ قسطنطنیہ نے باب عالی سے اپنے پاسپورٹ حاصل کر لئے ہوں گے۔ لیکن اس قسم کی کوئی صورت پیش نہیں آئی۔ اور کامل پاشا کے اخبار ینی غزاطہ (yeni gazetta) نے اس کے دوسرے روز یہ عبارت شائع کی کہ "تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو جانا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ جنگ کا اعلان ہو گیا۔ دولت علیہ ترکیہ ایسے ملکوں کے خلاف، جو کمزور ہیں، جنگ کا اعلان کر کے اپنی توہین نہیں کرتی۔ وہ صرف اپنے ہمسروں سے جنگ کرتی ہے۔ اگر بلقانی ریاستوں نے اپنی طرف سے جنگ چھیڑ دی تو ان کی قرار واقعی گوشمالی کرنے میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ دولت علیہ اس امر کو ترجیح دیتی ہے کہ جنگ کا اعلان اُن کی طرف سے کیا جائے۔" لیکن، ۱۷ کو حکومت نے اپنی رائے بدل دی اور وزارت خارجہ کی کابینہ کے صدر، ادھم بیے نے بلغاری اور سربی سفارتوں میں ایک ہم مضمون مراسلت خود لیجا کر دیدی جس میں ترکی کی شکایتوں کو نمبروار بیان اور یہ اظہار کیا گیا تھا کہ امن کو قائم رکھنا ناممکن ہو گیا ہے۔

نتیجے کے طور پر شاہی سفارت کے صدر اور اس کے اسٹاف کو یہ اطلاع دے دی گئی کہ ان کو پاسپورٹ یقیناً حاصل کر لینے اور جتنی جلد ہی ممکن ہو سلطنت کے علاقے سے باہر چلا جانا چاہئے۔"

یہ دیکھکر عوام کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی کہ مسٹر نیناڈوویش (Nenadovitch) اور مسٹر سارافاف (Sarafoff) کو تو اعلان جنگ دے دیا گیا مگر سفیر یونان، ام گرائی پارلیس کے اس قسم کی کوئی مراسلت حوالے نہیں کی گئی۔ استنبول میں یہ افواہ پھیل گئی کہ ترکی یونان سے انگلستان

کے توسط سے مراسلت کر رہی ہے۔ اگر یونان نے اپنے متحدین سے علیحدگی اختیار کر لی تو ترکی اسی طریقے پر قندیہ اس کے حوالے کر دے گی جیسے کہ اس نے ایطالیہ کو اپنی لیبیا کی حوالگی کا روپ بدل دیا تھا۔ نیز انگلستان کی خدمات کے صلے میں یونان نے اس کو سودہ کے مقام پر ایک بحری مرکز قائم کرنے کا مجاز کر دیا ہے۔ یونانی حلقوں میں یہ بیان کیا جاتا تھا کہ کامل پاشا نے ایکیومینیکل پیٹریارک (Ecumenical Patriarch) سے کیا وہ ایک ترکی اور یونانی مفاہمت کے قیام کے لئے اپنے اس رسوخ سے کام لے گا جو ایتھنا میں اس کو حاصل ہے اور یہ کہ اس خدمت کے معاوضے میں یونانیوں کے تمام مطالبات منظور کر لئے جائیں گے۔ باب عالی کو یہ قطعی امید تھی کہ یونان کو اپنی طرف ملا لینے میں کامیابی ہوگی۔ ۱۷ راکتوبر کو وزارت عظمیٰ کے اخبار الصباح نے مسلمانوں کو یہ اطمینان دلانے کے لئے کہ یونان اور ترکی کے مابین کوئی اہم اختلاف نہیں ہے، ایک مضمون شائع کیا، جس کے دوران میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ مختار بے کے یونانی نوٹ کو وصول کرنے سے انکار نے بین القومی حقوق کے مسئلے کی صورت ہی بدل دی ہے۔ لہٰذا اب صرف دو مسئلے تصفیہ طلب ہیں ایک تو ایتھنا کی پارلیمنٹ میں قندیہ کے نمائندوں کی شرکت اور دوسرے یونانی جہازوں کی گھاٹ بندی:

"قندیہ کے متعلقہ مسئلے میں ترکی اور یونان کے بیچ میں دول محافظ حائل ہیں۔ اور باب عالی نے قندیہ میں اپنے حقوق کے مسئلے کا تصفیہ انھیں پر چھوڑ دیا ہے۔ باب عالی نے اپنے حقوق کی خلاف ورزی کے متعلق ان سے احتجاج کیا ہے۔ لہٰذا قدرتی طور پر دولت علیہ ان کی تدابیر کے ظہور میں آنے کا انتظار کر رہی ہے۔ اور اس کے خلاف چارۂ کار اختیار کرنے کا یہ اثر ہوگا کہ وہ اپنے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکے گی۔"

"اب رہا ناکہ بندی کا سوال تو یہ مسئلہ عدالتی نقطۂ نظر سے اس وقت تک جبتک کہ جنگ کا اعلان نہ ہو کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ ترکی نے پہلے ہی یہ اعلان کر دیا ہے کہ اگر جنگ واقع نہ ہوئی تو مالکان جہاز کے مادی مفاد کو کوئی صدمہ نہیں پہنچے گا۔

مزید براں ترکی نے اس غرض سے کہ سوداگروں کو نقصان نہ ہو تمام امکانی تدابیر اختیار کر لی ہیں۔"

"اتھینا کی کابینہ اگر ضرورت سمجھتی تو اپنا نوٹ جس کی طرز تحریر اعلان جنگ کی سی تھی ارسال کرنے کے بعد تعلقات منقطع کر کے جنگ کا اعلان کر دیتی۔ یہ واقعہ کے اس قسم کی کوئی صورت پیش نہیں آئی ہے اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ موجودہ مسئلے کی ایسی کوئی تعبیر نہیں کی جا سکتی۔ ایسی صورت میں باب عالی کا اپنے سفیر کو اتھینا سے طلب کر لینا اور ام گرائی پاریس کو پاسپورٹ نہ دینا ایک قدرتی امر ہے۔"

"بہر حال یہ ظاہر ہے کہ امپیریل گورنمنٹ اور یونان کی صورت حال نہایت نازک اور اہم ہے۔ اس امر کا ہر وقت امکان ہے کہ جنگ کا اعلان کر دیا جائے۔ لیکن کل جب کہ بلغاری اور سربی سفیروں کو اپنے اپنے پاسپورٹ مل گئے ہیں، حکومت کے یونانی سفیر کے پاسپورٹ کے جاری نہ کرنے کی بنا پر سیاسی دنیا یہ نتیجہ نکالتی ہے کہ یونان کی صورت حال دوسری بلقانی ریاستوں سے بالکل مختلف ہے۔ جس زمانے میں اتحاد بلقان کی تکمیل ہوئی تھی ماہرین سیاست نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ یونان کو اس اتحاد میں ایک غیر معمولی حیثیت حاصل ہے۔ اگر آج یا کل تعلقات میں کسی قسم کا رخنہ بھی پیدا ہو گیا تو بے ضابطگی عارض ہو گی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ رخنہ کل واقع نہیں ہوا۔"

الصباح کی یہ اشاعت علی الصباح چھ بجے تقسیم ہوئی۔ گیارہ بجے ام گرائی پاریس باب عالی کو گیا اور یونان کی طرف سے اعلان جنگ نورادون گھیسیان آفندی حوالہ کر دیا۔ اس اعلان جنگ کے ذریعے سے ان شرمناک افواہوں کی ام وینتی زیلاسس نے تردید کی تھی کہ یونان اور ترکی آپس میں مصالحت کر رہے ہیں اور یہ کہ یونان اپنے متحدین سے علیحدہ ہو جائے گا۔ جس سازش کو روبراہ لانے کی ترکیب کی جا رہی تھی، وہ اب بالکل فنا ہو گئی۔ ام گرائی پارس، لایڈ آسٹرین جہاز پالکی پر سوار ہو کر چار بجے قسطنطنیہ سے پائی ریس کو روانہ ہو گیا۔

یورپ میں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ترک ایک ہی نوالے میں بلقان کو نگل جائیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ یوروپین ڈپلومیسی عیسائی ریاستوں کی حماقت پر اظہار نفرت کرتے ہوئے ترکی کو اس امر کا موقع نہیں دے سکتی تھی کہ وہ ان کے لئے خطرہ پیدا کر کے اپنی حدود میں توسیع کر لے۔ چنانچہ یوروپین ڈپلومیسی نے باغیوں کو اس امر سے آگاہ کر دیا تھا کہ نتیجہ چاہے کچھ بھی ہو کسی قسم کی توسیع علاقے کو جائز نہیں رکھائے گا۔ اور (Statusquoaute bellum) برقرار رہے گا۔

پہلے وار کا صدمہ بلغاریہ کو برداشت کرنا پڑا۔ مانٹی نیگرو کی فتح کا، جو آٹھ دن پہلے ہی سے ایک دور و دراز رزمگاہ میں مصروف جنگ تھا، مشترکہ افواج کی مصروفیتوں کے آخری نتیجے اور واقعات مابعد پر بہت کچھ اثر پڑا۔ بلغاریہ اس ضرب کے لئے بہر حال تیار تھا اور اب سے پہلے ترکی کے مقابلے میں کامیابی کا ایسا اچھا موقع کبھی اس کو حاصل نہیں ہوا تھا۔ اس کے پاس نہایت عمدہ فوج تھی۔ اس فوج کی بہترین طریقے پر ٹریننگ ہوئی تھی، اس کا ساز و سامان نہایت عمدہ تھا اور اس کی معلومات نہایت اعلیٰ تھی۔ بلغاری اسٹاف کی پیہم مصروفیتوں کا مقصد اولین یہ رہ چکا تھا کہ فوج کو ترکی کے خلاف جنگ کرنے کے لئے تیار کر لیا جائے۔ اس موقع پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ قوم کی تمام ضروری طاقتیں ایک جگہ مجتمع ہو کر اس جنگ کی آخری فتح کے حصول میں صرف کر دی گئی تھیں۔ بلغاریہ نے خط محاذ میں لڑنے والی ڈھائی لاکھ فوج میدان میں آتاری تھی اور ترک اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔

کاغذات میں ترکی کی حملہ آور فوج کی تعداد چودہ لاکھ بتائی گئی تھی لیکن صرف نظام اور ردیف اس قابل تھے کہ ان کو قواعد دان تصور کیا جا سکے۔ اس صورت سے قابل جنگ فوج کی تعداد آٹھ لاکھ ہو جاتی تھی۔ یوروپین افواج میں گھٹوتی بہت معتدل تھی یعنی حقیقی لڑنے والوں اور فوج کی تعداد نفری میں کچھ زیادہ فرق نہیں تھا۔ بہ لحاظ حالات ملک اس گھٹوتی کا شمار (۱۲) سے (۱۵) فیصد تک لگایا گیا ہے۔ ترکی فوج میں گھٹوتی کم سے کم (۲۰) فیصد

تھی، جس سے تمام چیزوں کو بہتر تصور کر کے اور گھٹوتی کو (۱۵) فیصد مان لینے کے بعد قابل جنگ توپوں اور تلواروں کی تعداد چھ لاکھ اسّی ہزار رہ جاتی ہے۔ اگر گھٹوتی کو (۲۰) فیصد مان لیا جائے تو ایسی صورت میں یہ تعداد اور بھی گھٹ جاتی ہے اور صرف چھ لاکھ چالیس ہزار آدمی باقی رہ جاتے ہیں۔ ترکی حکومت شام، ارمنی کردستان نیز عراق سے، جہاں چھ کورس متعین تھیں، اپنی افواج مستحفظ کو نہیں ہٹا سکتی تھی۔ ایسی صورت میں یورپ میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے رومانیہ میں صرف سات کورس (Corps) باقی تھیں، جن کی ردیف ایشیائے کوچک میں تھی۔ سربیہ، مانٹی نیگرو، اور یونان کے مقابلے نیز مقدونیہ میں تاخت و تاراج کرنے والے گروہوں سے لڑنے پر مجبور رہ کر عثمانی جنرل اسٹاف زیادہ سے زیادہ دو لاکھ آدمی بلغاریہ سے لڑنے کے لئے مہیا کر سکتا تھا۔ اس صورت سے عددی فوقیت جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے، ترکوں کو حاصل نہیں تھی۔ اب رہی عقلی فوقیت تو وہ بھی ترکوں کو حاصل نہیں تھی۔ عبدالعزیز کی قدیم فوج، وہ پیشہ ور فوج، جس کے کارہائے نمایاں میں پلونا اور ایشیا میں احمد مختار پاشا کی فتوحات بھی داخل تھیں، اب باقی نہیں رہی تھی۔ عبدالحمید ثانی نے اس کو قتل کر دیا تھا اور جو کچھ فوج باقی تھی، اس کو ایک غیر تنظیمی حالت میں چھوڑ دیا تھا، جس کا نتیجہ جیسا کہ میں پہلے ظاہر کر چکا ہوں، لازمی طور پر تمام بیت کا فقدان تھا۔ سلطان نے، جس کے دل میں ایک فوجی پیش دستی کا خطرہ جانشیں ہو گیا تھا اور جو یہ سمجھتا تھا کہ جسطرح اس کا چچا ایک فوجی سازش کا شکار ہو کر معزول ہو گیا تھا ویسا ہی اس کا بھی حشر ہو گا، افواج کے اجتماع کو ممنوع قرار دے دیا تھا۔ ترکی فوج کو بٹالین اسکول کے باہر کی کسی چیز سے واقفیت نہیں تھی۔ اگر کوئی پوری رجمنٹ مناورات میں مصروف ہوتی تو بجائے خود اس کو ایک واقعہ تصور کیا جاتا تھا۔ بریگیڈ اور ڈویژنل یا آرمی کور کے مناورات کے متعلق جو شخص تحریز پیش کرتا تھا اس کا اخراج کر دیا جاتا تھا۔ پیدل فوج کے لئے کسی قسم کی فائرنگ اکسرسائزز کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا

تھا اور نہ توپ خانے کے لئے کوئی فائرنگ اسکول تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ افسروں کو سپاہیوں پر کچھ زیادہ فوقیت حاصل نہیں تھی لہٰذا وہ بغاوت کی جرأت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ عبدالحمید سپاہیوں کی خوشامد کیا کرتا تھا اور اپنے راست افسر کی مخالفت ان میں پیدا کر دیتا تھا۔ ایک شاہی فرمان میں یہ حکم نافذ کیا گیا تھا کہ کوئی افسر کسی سپاہی کو یلدیز سے منظوری حاصل کئے بغیر سزا نہ دے۔ اسی کے ساتھ مخبری کا سلسلہ، جس کو سلطان نے حکومت کا ایک جداگانہ طریقہ قرار دیا تھا، فوج کی تمام رجمنٹوں میں نافذ ہو گیا تھا اور اس سے فوج میں ایک زہریلا اثر پھیل گیا تھا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ رینکیں ذلیل سے ذلیل کاموں کے معاوضے میں عطا کر دی جاتی تھیں۔ نتیجہ یہ تھا کہ جنرلوں اور اعلیٰ افسروں کا ایک ایسا گروہ جمع ہو گیا تھا جو چار آدمیوں اور ایک کارپورل کو بھی مارچ نہیں کرا سکتے تھے۔

مجلس اتحاد و ترقی نے ان خرابیوں کا "تصفیۂ مدارج" کے متعلق اپنے ایک قانون کے ذریعے سے ازالہ کرنا چاہا جس کو ۱۹۰۹ء میں بیت المبعوثین نے منظور کیا تھا۔ لیکن اس کا اثر صرف یہ ہوا کہ قدیم افسر فوج سے نکل گئے اور ادنیٰ طبقے کے متعلقہ تمام انتظامات درہم برہم ہو گئے۔ اسی قانون کی رو سے نان کمیشنڈ افسر بوڑھے ہو جانے کے بعد ایڈجوٹنٹ رینک تک پہنچ سکتے تھے اور اعلیٰ مدارج پر ان کی ترقی باقاعدہ طور پر ممنوع قرار دی گئی تھی۔ نان کمیشنڈ افسروں کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا گیا تھا لیکن چونکہ ان کو آئندہ ترقی کی کوئی توقع نہیں ہوتی تھی اس لئے وہ تین سال کی مدت پوری کر لینے کے بعد فوج سے علیحدہ ہو جاتے تھے۔ اس کے علاوہ اس مدرسہ میں نہایت ہی محدود تعداد میں نان کمیشنڈ افسروں کو ٹرین کیا جاتا تھا۔ ترکی فوج میں کوئی نان کمیشنڈ کور نہیں تھی اور نہ ایسے افسر تھے جنھوں نے رینک وار ترقی کی ہو۔ سب آلٹرن افسر ویسے ہی نو عمر اور ناتجربہ کار تھے جیسے کہ خود سپاہی تھے۔

قدیم فوج اب باقی نہیں رہی تھی اور نئی اب تک وجود میں نہیں آئی تھی۔

تھی۔ فوج کے سرداران اعلیٰ کا یہ حال تھا کہ ایسے سپہ سالار، جن کی گذشتہ زندگی نہایت شاندار اور پُر عظمت تھی، مثلاً مارشل مختار پاشا اور مارشل فواد پاشا جو ۱۸۷۷ء کی جنگ کے ویٹیرنس تھے، اب بالکل ضعیف ہو چکے تھے۔ دوسرے لوگوں میں بہت کم ایسے تھے جن کو کسی قسم کا تجربہ حاصل تھا اور ان میں سے بعض کو صرف بغاوتوں کو فرو کرنے میں لڑائی کا موقع ملا تھا، جس کو ایک کثیر فوج کے انتظام کی بہترین تعلیم تصور نہیں کیا جا سکتا۔ انھی لوگوں میں مثال کے طور پر محمود شوکت پاشا اور شوکت طرغود پاشا (Torghoud) بھی تھے۔ عبدالحمید کے پرانے اسٹاف کے لوگوں کی کثرت تھی اور ہر شخص جانتا ہے کہ یہ لوگ کس قابل تھے۔

یہی اسباب تھے کہ اس موقع پر تیراس کی فوج کا عبداللہ پاشا کو سپہ سالار اعظم بنا دیا گیا تھا۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے اوصاف کیا تھے؟ وہ عبدالحمید کا چہیتا تھا، اس کی فوجی کابینہ کا سردار تھا؛ اس فوجی لیگ کا ایک سرغنہ تھا، جس نے وزیر حربیہ محمود شوکت پاشا کے خلاف بغاوت کی تھی، جس کے احکام کی تعمیل کرنے سے اس نے انکار کر دیا تھا؛ اس نے فوجوں میں اس لئے بغاوت پھیلا دی تھی کہ کابینہ اس کو برطرف اور سلطان مجلس کو برخاست کر دینے پر مجبور ہو جائے۔ لیکن اس شخص کو جنگ کا مدبر اعظم تصور کیا جاتا تھا اور یہ کہا جاتا تھا کہ وہ وان در گولٹز کا شاگرد رشید ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ اس کے متعلق وزیر حرب، ناظم پاشا اور سپہ سالار افواج کی کیا رائے تھی؟ سابق میں جبکہ وہ یلدیز کا چہیتا تھا، مارشل فواد پاشا کی رسوائی اور بیحرمتی میں اس کی بھی شرکت تھی چنانچہ ارزنجان میں اس کا اخراج کر دیا گیا تھا، جہاں وہ چند سال تک رہا۔ قانون اساسی کے قیام جدید کے بعد اس کو سیکنڈ کور کا کمانڈر نامزد کیا گیا۔ اس کے بعد اس نے یلدیز سے پھر مصالحت کر لی، جس کی بنا پر اس کی کمانڈ منسوخ کر دی گئی۔ فروری ۱۹۰۹ء میں جب کامل پاشا کو اپنے سیاسی حربے میں ناکامی ہوئی تو اس کا یہ ارادہ تھا کہ ناظم کو وزیر حرب بنا دیا جائے۔ ۱۳ اپریل کو اس کے شرکا نے اس امر پر اصرار کیا کہ سرعسکرات کا عہدہ اس کو دے دیا جائے۔ اس نے اس عہدے کو قبول کر لیا لیکن تین دن کے بعد اس کو یہ احساس ہو گیا کہ اس سپاہ کی یوروپین ترکی سپاہیوں کے سامنے جو یہاں آ رہے تھے کچھ نہیں چل سکتی لہٰذا وہ انسے مل گیا۔ اس کے معاوضے میں اس کو عراق کا وائسرائے مقرر کر دیا گیا اور بالآخر اس عہدے سے بھی اس کو تینوں ولایتوں کے ناظمین کی شکایتوں کی بنا پر واپس طلب کر لیا گیا۔ اس کے بعد وہ احرار سے مل گیا

اور ملٹری لیگ کی کوششوں کی بنا پر، جس کا وہ بھی ایک سردار تھا، وہ مختار پاشا کی کابینہ میں وزیر حرب مقرر کر دیا گیا۔ الغرض ان کے سیاسی حقوق نے فوجی حقوق پر فوقیت حاصل کر لی۔

سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ ترکی فوج میں جو ابتداءً اطاعت مجہول کے اصول پر پابند تھی، بے انتہا بدنظمی پھیلی ہوئی تھی، جو بغاوت کے لگ بھگ تھی۔ یہ دیکھکر کہ بنی چری وزیروں یا ایسے برگزیدگان بارگاہ سلطانی کے سروں کا مطالبہ کر رہے تھے، جن سے وہ ناخوش تھے یا کسی ایسے بادشاہ کی معزولی کے درپے تھے جس کے متعلق ان کو اعتراض تھا، یہی تصور کیا جا سکتا تھا کہ اس گردن کش فوج کا یہ بدترین زمانہ ہے۔ البانیہ میں پوری ڈیڑھ ڈویژن باغیوں سے مل گئی تھی۔ افسروں نے اپنے ایک رفیق کو، جس نے اپنی بٹالین کو اپنا فرض منصبی پورا کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش کی تھی، ارناوط کے حوالے کر دیا تھا اور نہایت اطمینان کے ساتھ اس کے پھانسی پر لٹکنے کے تماشے کو دیکھتے رہے تھے۔ وزیر حرب نے اس روسیاہی کو یہ کہہ کر دور کرنا چاہا تھا کہ یہ البانی سردار کا ایک شخصی انتقام تھا۔

افسروں نے اپنی مجلسیں قائم کیں اور متمردانہ طریقے پر وزارت کی برطرفی اور چیمبر کی برخاست کا مطالبہ کرنے لگے۔ البانیہ میں سپاہیوں نے اپنے افسروں کا جو قتل عام اس لئے کیا تھا کہ وہ ان مظالم اور قتل و غارت کو روکنے کی کوشش کرتے تھے جن کا ان کے البانیہ والوں سے مل جانے والے ساتھیوں نے ارتکاب کیا تھا، اس کا اب کوئی شمار نہیں رہا تھا۔ میجروں اور کپتانوں نے وزیر حرب اور سپہ سالار سے بغاوت کر دی تھی۔ پھر اس پر کیوں تعجب کیا جائے کہ سپاہی اپنے لفٹنٹوں اور کپتانوں کے سروں کا مطالبہ کرتے تھے؟ ان تمام باتوں سے شکست کی پیشین گوئی ہوتی تھی نہ کہ فتح کی۔

عیسائیوں سے قطع نظر کر کے، جو کچھ زیادہ گرانقدر نہیں تھے، اگر سپاہیوں کی حالت پر غور کیا جائے تو ان میں اور ان سپاہیوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا، جن کا افسانوں میں تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ترکی فوج میں اب یورپ سے

سپاہیوں کو بھرتی نہیں کیا جاتا تھا۔ اس کو تیرا س کے مسلمان باشندوں میں سے سپاہی مل سکتے تھے۔ کچھ لوگ قسطنطنیہ کے باہر سے فراہم ہو جاتے تھے، کچھ مقدونیہ سے اور کچھ بیزار البانیہ سے۔ اگرچہ موخرالذکر کی تعداد دوسرے لوگوں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہوتی تھی لیکن وہ فوجی خدمت میں داخل نہیں ہوتے تھے اور صرف والنٹیر بننے پر راضی ہوتے تھے۔ ترکی فوج میں ایشیائی سپاہیوں کی کثرت تھی۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ایشیا میں ترکی قوم تباہی کی حالت میں ہے اس لئے کہ اس کے جسمانی اختلاط کے ساتھ اخلاقی اختلاط بھی شامل ہو گیا ہے۔ ترکی مسلمان لڑائی سے جی چرانے لگے ہیں کیونکہ اب لڑائی میں ان کو وہ مال غنیمت حاصل نہیں ہوتا، جو پہلے ان کے لئے اس قدر ترغیب کا باعث ہوا کرتا تھا۔ گذشتہ دس سال سے رویف کے سپاہی مقدونیہ، یمن اور البانیہ کی بغاوت کی وجہ سے لڑائی کے لئے طلب کر لئے گئے تھے اور یہ نہایت ہی مہلک اور مشکل مہمات تھیں، جن میں کثرت کے ساتھ ان پر حملے کئے گئے تھے اور کمی کے ساتھ انھیں مال غنیمت حاصل ہوا تھا۔

وطن پرستی کا خیال ترکی ذہنیت کے لئے ایک عجیب چیز ہے۔ نوجوان ترکوں کی کمیٹی کو احیائے عثمانیت میں ناکامی ہو چکی تھی۔ مسلمان صرف اپنے مذہب سے واقف ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہو تو اسلام اسلام نہیں رہے گا۔ اگر وہ لڑتا ہے تو صرف اللہ کے لئے لڑتا ہے اس لئے کہ اس کے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے غیور کو ایمان والوں کی انتقام گیر تلوار کے لئے وقف کر دیا ہے اور جو شخص مسلمانوں کے مذہب کو قبول کرنا گوارا نہیں کرتا ہے اس کا استیصال لازمی ہے۔ مذہبی جوش ہی وہ کمانی ہے جو اناطولی سپاہی کو حرکت میں لاتی ہے۔ اس جوش کو فرو کر دو، سپاہی غائب ہو جاتا ہے اور صرف انسان باقی رہ جاتا ہے، جو لڑائی میں ایسا اچھا ثابت نہیں ہوتا، اس فوج اور خود سلطنت عثمانیہ کے احیائے جدید کے لئے مسلمانوں کی ذہنیت میں اصلاح ہونے کی قطعی ضرورت ہے لیکن اگر کبھی ایسا ہو بھی، تو اس کے لئے برسوں چاہئیں۔ اگر اس امر کی کوشش کی گئی اور جلد تر مقصد حاصل کر لینا چاہا گیا تو یقینی طور پر رکاوٹ پیدا ہو جائے گی۔

جنگ کے آغاز پر یہ اعلان کر کے کہ یہ بالکلیہ سیاسی ہے کامل پاشا نے اپنی ہوشیاری جتانے اور یورپ کی ہمدردی حاصل کر لینے کا خیال کیا تھا۔ لیکن ترکی نقطۂ نظر سے یہ ایک مہلک غلطی تھی۔ ابتدا ہی سے اس امر کی ضرورت تھی کہ لوگوں کو ایک مقدس جنگ کی تبلیغ کی جائے اور سنجاک شریف کو نکال کر فوج کے ساتھ روانہ کر دیا جائے۔ اس کے بغیر اس امر کا پہلے ہی سے یقین کر لیا جانا چاہیئے تھا کہ فوجوں کو شکست ہوگی۔ وسط نومبر میں جب ایک سو علماء مقدس جنگ کی تبلیغ کے لئے (Tchaldja) چتلجہ بھیجے گئے تو اب بہت دیر ہو چکی تھی۔

جرمنی کے فوجی وفد کے باوجود جس کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اس نے عثمانی فوج کی حالت کو سنبھال دیا ہے عثمانی فوج ایک غیر ترکیبی چیز تھی۔ یہ جرمن افسروں کا قصور نہیں تھا بلکہ خود ترکی حکومت کا قصور تھا کہ اس نے اپنی مضحکہ خیز بے اعتباری اور ناقابل تصور جبر و تعدی سے ان کے کام کو کسی قابل نہیں ہونے دیا۔ فوج میں ہر چیز کی کمی تھی۔ باوجود ایسے کثیر التعداد افسروں کے جن کے پاس سرنامے تھے نہ کوئی جنرل اسٹاف تھا نہ مباشرہ تھا، نہ حفظان صحت کا کوئی انتظام تھا، نہ فوجی جلو تھا غرض ہر چیز کی کمی تھی۔ فوج کو آراستہ کرنے کے لئے کوئی تدبیر اختیار نہیں کی گئی تھی اور نہ سپاہیوں کو جنگ کی تعلیم دینے کے لئے کبھی کسی قسم کی ورزشوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ لوگ کچھ یہاں جمع ہو گئے تھے کچھ وہاں۔ ان کو بغیر کسی قسم کے ہتھیاروں یا دوسرے ساز و سامان کے قسمت آزمائی کے لئے میدان جنگ میں کچھ یہاں کچھ وہاں بھیجدیا گیا تھا۔ ان کی کسی طریقے پر بھی تجسیم نہیں کی گئی تھی اور مقصد صرف یہ تھا کہ جن رجمنٹوں میں آدمیوں کی کمی ہو یہ اس کمی کو پورا کر دیں[1] غرض

---

[1] ان حیرت انگیز واقعات کی تفصیل کے لئے حسب ذیل تصنیفات کو دیکھنا چاہیئے۔ جنرل عزت فواد پاشا کی "ایک شکست خوردہ انسان کے الفاظ"، لفٹنٹ سلیمغ (Selimeg): "ایک ترک افسر کی یادداشت جنگ" وغیرہ وغیرہ۔

یہ ہے کہ ہر چیز کو خدائے حوادث و اتفاقات کے اوپر چھوڑ دیا گیا تھا!
تاہم استنبول میں دیوانگی فتح اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ وزیر حربیہ نے روانگی سے پہلے افسروں سے ملاقات کے دوران میں ان سے خاص طور پر اس امر کی سفارش کی تھی کہ صوفیہ، بلغراد، ایتھنا اور سلونیکی میں عثمانی افواج کے فتمند داخلے کے موقع پر وہ سرکاری وردی کو پہنا نہ بھول جائیں۔[1]

جنگ کے دو مگر غیر مساوی اہمیت رکھنے والی تماشہ گاہیں تھیں پہلی تھریس میں تھی، جہاں ترکی فوج کا بڑا حصہ مجتمع کیا گیا تھا، جو کاغذات میں نو آرمی کورس پر مشتمل تھا۔ مشرق کی فوج کا سپہ سالار عبداللہ پاشا تھا۔ فرسٹ کور عمر یاور پاشا کی زیر کمان تھی۔ سیکنڈ کور ہر شوکت طرغود (Torghoud) کمانڈر تھا، تھرڈ کور محمود مختار کی ماتحت تھی، فورتھ کا احمد ابوک (Ahmed-Abouk) افسر اعلیٰ تھا۔ سولھویں محمد حقی کی نگرانی میں تھی اور سترھویں کا کمانڈر محمود چدوک تھا اور یہ دونوں حال ہی میں قائم کی گئی تھیں۔ سولھویں کور رفتہ رفتہ فرار ہوگئی اور اپنی جگہ سے ہٹکر بہت جلد ٹوٹ گئی اور خط جنگ پر اس کو کبھی آنا نصیب نہیں ہوا۔ اس کا کمانڈر تھرڈ کور کا محمود مختار کی جگہ کمانڈر مقرر ہو گیا، جس کو ۲۸ اکتوبر کو مشرق کی دوسری فوج کا، جو حال ہی میں قائم کی گئی تھی۔ احمد حمدی کی جگہ سپہ سالار اعظم نامزد کر دیا گیا تھا۔

فوج محفوظ کا کمانڈر خورشید پاشا تھا، اٹھارھویں کور کا جنرل احمد حمدی، ساتویں کور کا عزت فواد۔ یہ ساتویں کور پوری طرح قائم بھی نہیں ہوئی تھی کہ توڑ ڈالی گئی۔ اب رہی کور تو لڑائی بھر میں اس کا کہیں پتہ نہیں چلا۔

شکری پاشا چار ڈویژن کے ساتھ ادرنہ میں تھا۔ ایک آزاد فوج محمد یاور پاشا کے زیر حکم مشرق کی فوج کے انتہائی یسار پر صف آرا ہوئی، جو میستا اور استرمیاں کی وادیوں اور رودوپ کے پہاڑی علاقے میں مصروف عمل تھی۔
جنگ کی دوسری تماشہ گاہ، جو مقدونیہ میں تھی۔ دو خاص حصوں میں منقسم تھی۔

[1] اس واقعے کو قسطنطنیہ کے تمام ترکی، فرانسیسی، یونانی اور ارمنی اخبارات میں شائع کیا گیا تھا۔

ان میں سے ایک فرازی متقدونیہ تھا، جہاں منستیر اور سالونیکا کو اپنی منزل مقصود قرار دے کر، اہل سربیہ مصروف جنگ تھا اور دوسرا شیبی متقدونیہ تھا جہاں یونانی سالونیکا کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے بڑھ رہے تھے۔ ان کے علاوہ دو اور مقامات بھی تھے، جن کو ثانوی حیثیت اس وجہ سے حاصل تھی کہ وہ مرکز سے فاصلہ پر تھے۔ یہ ایپرس، جس پر یونانیوں نے حملہ کیا تھا، اور سنجک نوی بازار تھے، جہاں سربیہ اور مانٹی نیگرو ایک دوسرے سے مل جانے والے تھے۔ متقدونیہ کی فوج پر علی رضا پاشا، سردار توپ خانہ کمانڈر تھا اور اس میں تین آرمی کور شامل تھیں: پانچویں کور کا خواستیف اور استدمیزہ کے بیچ میں وادی استدولہ میں علی ناور کی ڈویژن کو منقطع کرتی تھی، فرہ سعید، چھٹی کا جاوید اور ساتویں کا فتحی کمانڈر تھا جو کمانفو کے شمال میں سربیہ اور بلغاریہ کی فوجوں پر حملہ کرنے والا تھا۔ ایک اور فوج، جس کا کمانڈر زکی پاشا تو مدافعت منستیر تھا، علی رضا یا حسین پاشا کی فوج کی امداد کے لئے جانے والی تھی، جو متقدونیہ کے مرکز جنگ میں یونانیوں کا مقابلہ کرنے والی تھی۔ رضا پاشا کو مانٹی نیگرو کے خلاف جنگ کے لئے متعین کیا گیا تھا۔

بلغاریہ نے ۱۸ اکتوبر کو لڑائی شروع کر دی۔ سیکنڈ آرمی وادی مریزہ کے راستے سے طونجہ کے سیدھے کنارے پر ہو کر اورنہ کی طرف بڑھی، مصطفیٰ پاشا پر قبضہ کر لیا اور ایک اچانک حملے کے ذریعے سے اورنہ کو لے لینے کی کوشش کی۔ یہ تدبیر ناکامیاب رہی۔ لیکن فرسٹ آرمی کو، جو طونجہ کے مشرقی قطعے میں حسیلر تک پھیلی ہوئی لڑ رہی تھی، ایسی فتوحات حاصل ہوئیں، جنھوں نے لڑائی کے نتیجے کا تصفیہ کرنے میں بہت کچھ مدد دی۔ عبداللہ پاشا نے ۲۰ اور ۲۱ کی رات کو باوجودیکہ عثمانی فوج کا نہ تو کوئی خط جنگ تھا اور نہ کوئی خط پسپائی، ایک عام حملے کا حکم دے دیا۔ ۲۲ کو گشکیتلی کے مقام پر ترکوں میں، جنھوں نے اب تک لڑائی کو قائم رکھا تھا۔ شام کے وقت ہراس پھیل گیا۔ چوتھی فوج کی چھٹی ڈویژن اور فرسٹ کور کی ایک ڈویژن نے ایک دوسرے کو دشمن سمجھ کر آتش باری

شروع کر دی۔ محمود مختار تیسری کور کے ساتھ بہر حال پیترہ کے مقام پر اپنی جگہ پر جما رہا لیکن صبح کے پانچ بجے بلغاریہ کی پیدل فوج کے ایک اچانک حملے سے اس کے بائیں جانب سے ایک نیا خطرہ پیدا ہو گیا۔ محمود مختار نے فوج کو قائم رکھنے کی کوشش کی لیکن اس کے یمین پر جنرل راڈکو ڈمی ٹریف (Radko-Dimitrief) نے، جس کے مغربی رومائلی کو طے کرانے کی ترکوں کو اطلاع نہیں تھی۔ یکایک حملہ کر دیا۔ پہلی ڈویژن نہایت ابتری کے ساتھ قرق فلاسی کی طرف فرار ہو گئی۔ چوتھی کور کے ۲۲ اور ۲۳ کی رات میں پاؤں اکھڑ گئے۔ ۲۳ کو تیسری کور نے بھی فرار کو قرار پر ترجیح دی اور ۲۳ اور ۲۴ کی رات کو فرسٹ کور نے بغیر سوچے سمجھے سلاغلو پر حملہ کر دیا اور اس کو ہزیمت اٹھا کر نہایت پریشانی کے ساتھ پسپا ہو جانا پڑا۔ یہ فرسٹ کور اپنے ساتھ سیکنڈ کور کو بھی گھسیٹ لے گئی، جس نے لڑائی میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔

عبداللہ پاشا نے [1] بابا اسکی کے عقب میں، جو مریزہ کی ایک باجگذار ندی ہے۔ ایک عام اجتماع کا حکم دیا۔ "حقیقت یہ ہے کہ ۲۲ اور ۲۳ اکتوبر کو کوئی لڑائی ہی نہیں واقع ہوئی۔ ڈویژنوں نے اپنے آپ کو تارپیڈوز کی طرح (میدان میں) گرا دیا۔ ہر ڈویژن اپنے لئے بغیر کسی تعلق کے لڑتی رہی۔ کسی کو یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ یہ پولی چنیلی (Polichinelle) کی مہارت فن جنگ تھی۔"

قسطنطنیہ میں سرکاری اطلاعات کے علاوہ اور کوئی اطلاع نہیں پہونچی تھی۔ ان اطلاعات میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ بلغاریوں نے ادرنہ کے سامنے مراشش کے مقام پر چھ ہزار مقتولین کا نقصان اٹھایا ہے اور یہ کہ ایک لڑائی میں جس میں مانٹی نیگرو کو شکست ہوئی ہے، سربیہ کے چھ ہزار آدمی مارے گئے ہیں اور دس ہزار قیدی ہیں۔ ان اطلاعات کے بعد حکومت نے ۲۷ کو جب حسب ذیل مراسلت شائع کی تو لوگوں کو سخت حیرت ہوئی۔

---

[1] جنرل مرقت فوادپا تنبا۔

"ہمارے عساکرِ مشرق نے، بلغاری فوج کی پیشقدمی کو، جس نے طونجہ کی جانب مشرق سرحد کو پار کرلیا ہے، روکنے کے لئے، دشمن کے کالموں کے سروں پر حملہ کیا ہے اور ان کی پیشقدمی کو روکنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ اس حملے کے لئے وقت اور متوقع کمک کے پہنچ لینے کی ضرورت تھی۔ ایسا کرنے سے فوج کو دشمن کا وقت ضائع کرانے میں کامیابی ہوئی ہے اور اس طرح اس نے ایک ایسی لڑائی کو ٹال دیا ہے، جس کا نتیجہ مشتبہ ہوتا؛
ہماری فوجیں نہایت باقاعدگی کے ساتھ اس سمت پسپا ہوگئیں، جدھر سے متوقع کمک آنے والی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کو یہ نہ معلوم ہوسکے کہ ہماری تدابیر حربیہ اس پسپائی کے عمل میں لانے پر مشتمل تھیں۔ مذکورۂ بالا مقصد کو پیش نظر رکھ کر ہمارے بعض کن ٹن جنٹوں نے ایک شدید لڑائی اس قدر شاندار طریقے پر لڑی۔ کہ ان لڑائیوں کے ذریعے سے ہم اپنے مقاصد کو پالینے کے قابل ہوگئے ہیں۔"

عبداللہ پاشا کی فوج دو سمتوں میں پسپا ہوئی تھی۔ ایک حصہ فیضی (vize) کی طرف اور دوسرا بابا اسکی؛ لولی بورگاز (Baba-Eski, Lule-Bourgas) کی طرف۔ اس پسپائی سے فوج کے دو علٰحدہ علٰحدہ حصے ہوگئے تھے اور بغیر کسی قسم کے رسل و رسائل کے اس قدر مستحسن طریقے پر دشمن کا کام کر رہے تھے۔ صرف محمود مختار پاشا کو اپنے محاذ کے لئے ایک عمودی خط حاصل تھا، جس سے پسپائی کی صورت میں، لولی بورگاز کی طرف صف آرائی کی صورت میں بڑھنے والی فوج کی بہ نسبت، اس کی فوج کے لئے بہت کم خطرہ تھا۔

۲۴ سے ۲۶ تک بلغاری فوج اور فیضی اور قرق قلاسی کے راستے سے بونر حصار کی طرف بڑھتی رہی، لیکن اس سلسلے کو اس نے جاری نہیں رکھا۔ چونکہ اس فوج میں سوارہ فوج بہت کم تھی اس لئے اس کی یہ خواہش تھی کہ اس کو محفوظ رکھا جائے مگر ایسا کرنے میں اس نے ایک شدید غلطی کا ارتکاب کیا؛

۲۶ سے ۲۸ تک محمود مختار پاشا کے دستے اور تیسری بلغاری فوج کے پسپا ہیں

چھوٹی چھوٹی لڑائیاں واقع ہوئیں۔ ۲۸ر لڑائی اس تمام خطا پر شروع ہو گئی، جو بونر حصار سے لولی بورگاز تک پھیلا ہوا تھا۔ اور جس کا طول تقریباً (۴۰) کلو میٹر تھا۔ اس صبح کو ناظم پاشا نے فوج کی جنرل کمانڈ اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ فوج کو دو حصوں میں منقسم کر دیا گیا تھا۔ مشرق کی فرسٹ آرمی عبداللہ پاشا کی ماتحت تھی۔ (پہلے احمد ابوک کا تقرر کیا گیا تھا مگر اس نے انکار کر دیا اور کافی اسٹاف کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس نے اپنی کور کا چارج لے لیا۔ یہ بہر حال سرکاری بیان ہے) پہلی دوسری اور چوتھی رجمنٹ اس میں شامل تھی۔ دوسری رجمنٹ کو، جو محمود مختار پاشا کی ماتحت تھی، مع تین کورس کے (۸) متشخص بٹالینوں، سترھویں اور اٹھارھویں رجمنٹ اور خود مختار رسالوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

۲۹ر اکتوبر کو پہلی رجمنٹ نے لولی بورگاز اور قرہ عاج پر ایک شدید لڑائی لڑی۔ اس مقام پر اس فوج کی تینوں رجمنٹوں نے اپنے تمام محفوظ ذرائع سے کام لیا۔ محمود مختار پاشا کی ذات سے، جس نے اپنی فوج کو از سر نو ترتیب دیا تھا ناظم اور عبداللہ پاشا کی تمام تر امیدیں وابستہ تھیں، جنھوں نے ایک مشترکہ گرد آوری نقل و حرکت کا آغاز کر دیا تھا، جس کا محور لولی بورگاز تھا کرنل جعفر بے نے، جس کو محمود مختار پاشا نے اورن بیلی (Eioren Bayli) اور چفلق طپی (Tchifliktepe) کی گھاٹیوں پر قبضہ قائم رکھنے کے لئے متعین کیا تھا۔ بلغاریوں کو ان گھاٹیوں پر قابض ہو جانے دیا۔ یہ ایک ناقابل تلافی غلطی تھی اس لئے کہ اس اہم مقام سے دشمن ۳۰ر اکتوبر سے یکم نومبر تک برابر محمود مختار پاشا کو پریشان کرتا رہا۔ بلغاریوں نے اپنی تمام فوجوں کا دباؤ عبداللہ پاشا پر ڈالا، جس نے بڑی مشکل سے مقاومت کی۔ محمود مختار نے اب حملہ کر دیا اور فرسٹ اور سیکنڈ کور کا ہاتھ بٹانے کی کوشش کی، لیکن عبداللہ پاشا کو پہلے ہی مات ہو چکا تھا۔ بہر حال سیکنڈ کی فوج نے ۳۱ر کو پھر لڑائی شروع کر دی۔ محمود مختار نے، جس کو فرسٹ آرمی کے متعلق کوئی خبر نہیں تھی اور جس کو یہ یقین تھا کہ وہ بھی اس کے برابر آگے بڑھ رہی ہے،

جنرل کرسٹوف کی ڈویژن کو توڑ کر بلغاریہ کے انتہائی یسار پر ایک گردشی نقل و حرکت کی کوشش کی۔ محمود مختار پاشا کا ارادہ بونر حصار پر حملہ کرنے کا تھا، لیکن بلغاریہ کے یمین کو نہایت اہم امداد پہنچ چکی تھی اور اس لئے ترکوں کو کچھ کامیابی نہیں ہوئی۔ پنجم نومبر کو فرسٹ آرمی کی سیکنڈ کور کے قطعی پاؤں اکھڑ گئے اور سیکنڈ آرمی کا یسار بالکل دشمن کی زد میں آ گیا۔ مشرق کی تمام فرسٹ آرمی، سیکنڈ آرمی کو دشمن کے ساتھ مصروف حرب و ضرب چھوڑ کر، چرکس خانی کو فرار ہو گئی تھی۔

محمود مختار پاشا برابر اپنے مورچے پر جما رہا۔ اس کو یہ امید تھی کہ فرسٹ آرمی اس سے آ ملے گی۔ لیکن دوسری نومبر کو وہ پسپائی کا حکم دینے پر مجبور ہو گیا۔ پسپائی پہلے پہلے نہایت باقاعدہ طریقے پر عمل میں آئی، لیکن ناظم کے اس حکم پر کہ چرکس خانی کی طرف پسپائی عمل میں لائی جائے، فوج میں بہت جلد بھگدڑ مچ گئی۔ تباہی یہیں ختم نہیں ہو جاتی اور شدید کوشش کے باوجود ترکی فوج میں شلجہ کے محاذات پر ایک نہ سنبھلنے والی ابتری پھیل جاتی ہے۔ اگر بلغاریہ کی سوارہ فوج، باوجودیکہ قلیل تھی، قواعد جنگ کے مطابق تعاقب جاری رکھتی تو مفرورین کے ساتھ ساتھ شتلجہ میں داخل ہو جاتی۔ اس فقدان عمل کی وجہ سمجھ میں نہیں آ سکتی کہ کیا ہے، اور یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس جنگ کے، جو تعجبات سے بھری ہوئی تھی، متعجبات کے منجملہ ایک چیز تھی۔ تاہم یورپ میں عثمانی طاقت ٹوٹ چکی تھی۔ بلغاریہ والوں کے لئے قسطنطنیہ کا راستہ کھل گیا تھا، ساتھ ہی ان کی تعجب خیز کامیابی نے مقدونیہ کو کمک بھیجنے سے بھی حکومت عثمانیہ کو باز رکھا۔

سمندر پر یونان کا قبضہ تھا۔ ترکی بیڑہ الناائی (Hellenic) سکواڈرنوں سے لڑنے کے لئے دردانیال سے باہر نکلنے کی ہمت بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن دمیاطہ اور سالونیکا اور سالونیکا جنکشن اور قسطنطنیہ کی ریلوں[1] کے ذریعے سے ترک جتنی چاہتے مقدونیہ کو اناطولی فوجیں بھیج سکتے تھے۔ لیکن ۲۲ اکتوبر سے دمیاطہ پر بلغاریوں کا قبضہ تھا اور کسی ترکی فوج کا اس پر اثر نہیں

[1] (Demotika-Salonika) ریلوے لائن۔

ہو سکتا تھا۔ مقدونیہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

اس کے علاوہ اسی وقت جب کہ بلغاریہ کی پوری فوج تھریس کی ترکی فوج کو تباہ کر رہی تھی، جنرل تھیوڈوراف اور جنرل کوفاچیف کی فوجیں ورڈر اور مریزہ کے درمیانی علاقے کو صاف کر رہی تھیں۔ ۲۷ نومبر کو مریان ڈی پر، جو فریکی سے بجانب شمال دس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، محمد یاور پاشا نے کوفاچیف کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ مقدونیہ میں تھریس سے کچھ زیادہ ترکوں کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ ۲۳ اکتوبر کو علی رضا پاشا کی ترکی فوج، جس کو بدینغوبر ۲۰ تاریخ کو اور کسانوپر ۲۲ کو پہلے ہی ہزیمت ہو چکی تھی، کمانوفو کے مقام پر تباہ ہو گئی جس کے ذمہ دار ایک بڑی حد تک البانی گروہوں کے نقائص تھے اسی اثنا میں بلغاری ڈویژن وادی برغیزہ کے راستے سے میدان میں آترا۔ اورکشانہ کے مقام پر اس نے قرہ سعید پاشا کی فوج کے ایک حصے کے ساتھ جنگ کی۔ ترکی فوج کا جس میں (۱۶۰۰۰) کا جانی نقصان ہوا تھا، جس کے منجملہ (۲۰۰۰) مارے گئے تھے۔ یہ واقعہ سرکاری اطلاع کے بالکل خلاف تھا جس میں فتح کا اعلان کیا گیا تھا۔ منستیر کی طرف پسپا ہو گئی کچھ لوگ غستفار کے راستے سے اور کچھ پری لپ کے راستے سے گئے۔ اسکوب کو خالی چھوڑ دیا گیا۔ چنانچہ یہ ۲۶ کو مسخر ہو گیا۔ سربی افواج نے حسب ذیل طریقے پر اپنے کو تقسیم کر لیا تھا۔

فرسٹ آرمی: چار ڈویژنیں: پرنس الگزانڈر، پری لپ کی طرف بڑھی سیکنڈ آرمی: دو ڈویژنیں: ادرنہ کو بھیجی گئیں۔ تھرڈ آرمی: تین ڈویژنیں: فرسٹ کے یمین کی طرف صف آرا ہوئیں۔ ایک ہوائی دستہ سالونیکا کی طرف روانہ ہوا۔ ۳ نومبر کو تھرڈ آرمی نے کرچافو کے مقام پر ترکوں کا مقابلہ اور منستیر تک ان کا تعاقب کیا۔ ۵ کو فرسٹ آرمی نے، پہلے پری ساٹ کے مقام پر قرہ سعید کو شکست دے کر، جہاں وہ فوج کو از سر نو ترتیب دینے کی کوشش کر رہا تھا، پری لپ کے مقام پر اس سے مقابلہ کیا اور اس کو تباہ کر دیا۔ ۱۴ کو تھرڈ اور

فرسٹ آرمی نے علی رضا کی فوج پر حملہ کیا، جو منستیر میں دوبارہ قائم ہوگئی تھی تین دن کی لڑائی کے بعد ترک نہایت ابتری کے ساتھ بھاگ نکلے اور منستیر فتح ہوگیا۔ ترکی فوج ہٹ چکی تھی۔ صرف جاوید پاشا جس نے تھوڑی دیر کے لئے کماتو و پر فتح کو ایک متوازن حالت میں قائم رکھا اور جس کو سالونیکا کی فوج سے جا ملنے کی کوشش میں یونانیوں پر فتح حاصل ہوئی تھی، پہاڑوں کی گھاٹیوں میں سے ان کے مسدود ہونے سے پہلے اپنے آدمیوں کو سلامت نے نکلا تھا۔ اس نے البانیہ میں پناہ لی تھی، جہاں وہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر اس لئے منتقل ہوتا رہا کہ دشمن اس کے تعاقب میں تھا اور البانیہ والوں نے اسے اپنے یہاں ٹھہرنے نہیں دیا تھا۔ سربی فتوحات کو بالکل غیر متوقع طور پر ایک جوابی صدمہ پہنچنے والا تھا اور یہ البانیہ کی ترکی سے علیحدگی تھی۔ ارناؤط، اسماعیل کمال بے کی صدا پر یکایک اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ شخص برات کا ایک سابق نائب تھا۔ اس نے والونہ میں ایطالیہ اور آسٹریا کی امداد سے خود مختار ریاست البانیہ کی پراوسی تزنل حکومت قائم کی تھی۔

تیسی مقدونیہ میں یونانیوں کی فوج نے جو دیا دوق (Diadoque) کے زیر کمان تھی، ۱۹ اکتوبر کو ایلسونا (Ellassona) سے ترکوں کو پسپا کر دیا تھا۔ ۲۲ کو انھوں نے سرن دایروز کی گھاٹی کو فتح کر لیا۔ اور پھر یکے بعد دیگرے سرفچہ، کشانی، اور غرافینہ پر قابض ہوگئے۔ ترکی فوج شمال میں کیلار کی جانب اور مشرق میں فیریہ کی طرف پسپا ہو کر ینیسزتجا پر مجتمع ہوگئی۔ اور پسار نے برکہ پر دم لیا۔ ۲ نومبر کو پچیس ہزار ترک میدان میں جمے رہے لیکن دوسرے دن دیادوق کی ساٹھ ہزار فوج کے آجانے سے اس کے پاؤں اکھڑ گئے۔ سالونیکا پر ایک طرف سے یونانی اسکواڈرن نے دباؤ ڈالا جس نے خود بندرگاہ میں ایک چھوٹے سے آہن پوش جنگی جہاز "فتح بلند" کو ڈبو دیا اور جس نے قرہ بورنان کے قلعوں پر گولہ باری کی۔ دوسری طرف سے سربیہ والے اس طرف بڑھے، جن کی سوار فوج نے ہرتا رسیح گوجوران پر قبضہ کر لیا تھا اور جن کی پیدل فوج نے دردار میں اتر کر ینیسزی کے مفرورین کو

منقطع کر دیا تھا۔ تیسری جانب سے تھیوڈوراف کی بلغاری فوج نے اس پر حملہ کیا، جو شمال اور شمال مشرق کی طرف سے آئی تھی اور جس کی سوارہ فوج ۸ر تاریخ کو یونان کی سوارہ فوج سے مل گئی تھی۔ تحسین پاشا نے یہ دیکھ کر مغلوب ہو جانے کا اور سالونیکا کو یونانیوں کے حوالے کر دینے کا ارادہ کر لیا (۸ر نومبر ۱)۔

اسی زمانے میں کرنل ہتھیاپولو منستیر کی طرف بڑھا لیکن نیزہ کے مقام پر جاوید پاشا کی سپہ سالاری میں ترکوں کی طرف سے اس پر ایک جوابی حملہ کیا گیا۔ جاوید پاشا نے، جو کمانوو پر پسپا ہو گیا تھا اور سالونیکا کی فوج سے جا ملنے کی کوشش کر رہا تھا، سروویش کے مقام پر یونانیوں کو ہزیمت دی اور دو روز کی جنگ کے بعد ۵ر نومبر کو یہ لوگ میدان میں نہیں ٹھہر سکے۔ لیکن کمکیں فوراً آگئیں اور جاوید پاشا کو فلورینہ اور پھر منستیر کو واپس آجانا پڑا، جہاں سربیہ کی فوج سے اس کا مقابلہ ہوا۔ ۱۵ر کو ویادوق کی تمام فوج نے عام حملہ کر دیا۔ ۱۶ر اور ۱۷ر کو فلاکوتہ، کراتنیز د، اور کمانو کی لڑائیاں واقع ہوئیں اور ۱۹ر کو غورنشاؤ اور فلورینہ کی۔ ۲۰ اور ۲۱ر نومبر کو فلورینہ سے زیروانی تک ایک آخری لڑائی لڑی گئی۔ اوروسعی، جو یہاں سے چند گھنٹوں کی مسافت پر تھا، ترکی فوج کو سربیہ والوں نے تباہ کر دیا جن کی سوارہ فوج یونان کے یمین سے اتصال قائم کر چکی تھی۔ ہر طرف بقیۃ السیف ترکی فوج کا تعاقب کیا جا رہا تھا اور مقدونیہ آزاد تھا۔

ایپی رلس میں یونانیوں نے فلپیاری (۲۶ر اکتوبر) پریوی ونیزہ (۲ر نومبر) پنتی لیگا وبہ (۵ تا ۸ر نومبر) مزیقو (۱۳ر نومبر) اور کراسفستو (۲۳ر نومبر) پر یکے بعد دیگرے قبضہ کر لیا تھا۔ اور نومبر کے اختتام پر جنرل سپولن جاکیس کی فوج

۱۔ بلغاریوں نے قبضے کی اولیت کا دعوی کیا تھا۔ اس مسئلے پر اگر غور کیا جائے تو بہت دیر لگے گی۔ بہر حال بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یونانی بلغاریہ کے بہ نسبت قبضہ کرنے کے زیادہ مشتاق تھے۔

جنینہ کے بیرونی چوکیوں کے مقابل تھی'

مانٹی نیگرو کے جانب سرناگوریوں نے برانہ اور ایپک پر قبضہ کر کے ترکی افواج کا ہاتھ بٹایا تھا اور سنفودرہ کا محاصرہ کر لیا تھا' جہاں دراز و کے سابق نمایندہ اور رسوائے عالم "فاتل حمید" غنی پاشا کے بھائی' اسد پاشا کی ماتحتی میں پندرہ ہزار البانی متعین تھے۔

سمندر میں ترکوں نے ۱۹ اور ۲۰ اکتوبر کو وارنہ پر گولہ باری کرنے کی بے سود سی کوشش کی تھی۔ اور کاوزنا اور بلشک کے قریوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ لیکن ۲۷ نومبر کو بلغاریہ کی ایک تارپیڈو کشتی نے حمیدیہ نامی کروزر کو بیکار کر دیا۔ اس کی بہر حال مرمت کر لی گئی اور ۱۴ جنوری ۱۹۱۳ء کو اس نے یونانی اسکواڈرن کی ناکہ بندی کر دی' سیرہ پر جو ایک غیر محفوظ بندرگاہ تھی' گولہ باری کی اور لڑائی کے اختتام تک یونانیوں سے بچ کر ادھر ادھر پھرتا رہا۔
یونانی بیڑے نے سب سے پہلے اس امر کی طرف توجہ کی کہ دہ دانیال کی ناکہ بندی کر دی جائے اور اس طرح ان جزائر پر اپنے قبضے کو یقینی کر لیا جائے جو دردانیال کے دروازے پر حاوی ہیں۔ ۲۰ اکتوبر کو یونان نے تینی داز پر' ۲۱ کو لمناز پر' ۳۰ کو تھیساس' امبراز اور استرانی پر' یکم نومبر کو سموتھراس پر' ۲۱ کو متی لینی پر قبضہ کر لیا۔ متی لینی کی مستحفظ فوج' جس کی تعداد ستر ہ سو تھی ۲۰ دسمبر تک پہاڑوں میں دشمن کا مقابلہ کرتی رہی۔

۲۴ نومبر کو کرنل ڈیلا گراماٹی کا کیو کے مقام پر اترا اور یہاں کی مستحفظ فوج کو' جو کوہ پیشیو کی طرف پسپا ہو گئی' مار کر ہٹا دیا۔ ۵ دسمبر کو سلیمپے کے اٹھارہ سو آدمیوں نے مجبوراً اطاعت قبول کر لی۔ ۱۷ دسمبر کو عثمانی بیڑے نے آبنائے درہ دانیال میں یونانی اسکواڈرن سے مقابلہ کیا۔ لڑائی ایک گھنٹے تک جاری رہی اور ترکوں نے اس اثنا میں دوبارہ قلعوں کی آڑ پکڑ لی۔ سب سے زیادہ شدید نقصان امیر البحر کے جہازوں' افیروف اور باربیروصہ نے اٹھایا۔ پہلے جہاز کے صرف بالائی حصے کو صدمہ پہنچا اور دوسرے کا بوائلر بالکل بیکار ہو گیا۔

تیر اس کی مصیبتوں کا ردعمل استنبول میں شروع ہوا۔ ۲۹ اکتوبر کو مارشل احمد غازی مختار پاشا نے کامل پاشا، پریسیڈنٹ آف دی کونسل آف اسٹیٹ (صدر اعظم باب حکومت) کے حق میں استعفا دے دیا، جو وزارت کی تشکیل کے زمانے سے اس کی بیخ کنی کی کوشش کر رہا تھا۔ اس خبر کو شائع کرتے ہوئے اخبار حق نے، جو انجمن اتحاد و ترقی کا آرگن تھا اور جو طنین کے بند ہو جانے پر جنین اور جنین کے بند ہو جانے پر سنین کے ناموں سے موسوم ہوتا ہوا اب حق کے نام سے نکل رہا تھا، تحریر کیا کہ ملک نے نہایت حیرت و استعجاب کے ساتھ حکمت علی کے اس غیر متوقع انقلاب کا خیر مقدم کیا ہے خصوصاً اس وجہ سے کہ جنگ کی بنا پر مخالف جماعتوں میں صلح ہو چکی تھی۔ اسی سلسلے میں اس اخبار نے یہ بھی تحریر کیا کہ:۔ "مختار پاشا کے استعفا کے وجوہات تحریک نہ تو معمولی ہیں اور نہ طبیعی اس لئے کہ سابق وزیر اعظم نے ہزاروں مرتبہ یہ کہا ہے کہ وہ استعفا نہیں دے گا۔"

لڑائی نے کامل پاشا اور اس کے رفیقوں کو اس کے بیٹے کو بدنام کر کے اس مارشل کو اپنی خدمت سے مستعفی ہو جانے پر مجبور کرنے کا موقع دے دیا تھا۔ ایک جریدے میں، جو کامل پاشا کا طرفدار تھا یہ شائع کیا گیا تھا کہ جنرل محمود مختار اور جنرل شاہزادہ عزیز کو فوج کی کمان سے سبکدوش کر دیا گیا ہے اس خبر کی اشاعت کے بعد جو بالکل غلط تھی، تازہ اطلاعیں شائع کی گئیں جن میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ کورٹ مارشل کے حکم کی بناء پر (۵۳) افسروں اور سپاہیوں کے گولی مار دی گئی۔ اس قسم کی افواہیں، جن میں جرأت کی بہ نسبت بہت کم اخفا سے کام لیا گیا تھا، پھیل گئیں کہ ان دو نو جنرلوں کو گرفتار کر لیا گیا تھا اور کورٹ مارشل نے انھیں موت کی سزا دے دی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ وزیر اعظم کو یہ بتلا دیا جائے کہ اس کے بیٹے پر کیا تہمت لگائی گئی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مارشل متنفر ہو کر اپنی خدمت سے مستعفی ہو گیا۔

کامل پاشا کی وزارتِ عظمیٰ۔ بلغاری شتلجہ کے سامنے۔ التوائے جنگ اور مباویاتِ صلح ۱۷ جنوری ۱۹۱۳ء کا مشترکہ نوٹ۔ زائد دیوانِ اعظم۔ ۲۲ جنوری کا حکومت کی پالیسی کا انقلاب

ناظم پاشا کی موت ـــ کمال کا زوال
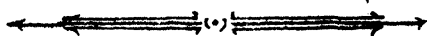
اگر احراری جرائد پر اعتبار کیا جائے تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ کامل پاشا اس نیک طبیعت جن کا کام انجام دینے والا تھا، جو اپنی عصا کی صرف ایک جنبش محض سے شکست کو فتح سے بدل دے، یورپ کی نہایت ہی گراں قدر مودت و محبت کو حاصل کرلے اور ترکی کی فتح کا یقین دلا دے۔

۳۰ اکتوبر کے اقدام میں یہ شائع کیا گیا تھا کہ:۔ "جو سواری کل رات کامل پاشا کو بابِ عالی تک لائی وہ کامل پاشا کے ساتھ انگریزی اتحاد کو بھی لائی ہے۔ .... کیا کہنا اے دانشمند وزیر! ۔ تجھے نہایت ہی عظیم الشان سیاسی فتح حاصل ہوئی ہے۔ گھر میں اور گھر سے باہر ہماری توقعات تیرے کاموں کی فتح سے، چاہے اس کا حاصل کرنا کتنا ہی تکلیف دہ کیوں نہ ہو وابستہ ہیں۔ خدا کرے کہ جنگ میں ہمیں فتح حاصل ہو تاکہ تو ملک کی اصلاح کر سکے اور ہمیں خوش و خرم زندگی بسر کرنے کا موقع ملے تو ملک کا شگفتہ ہے"۔

سچ یہ ہے کہ کامل پاشا برسرِ اقتدار ہو جانے کے بعد ردِ عمل کا حامی ہو گیا تھا۔ قسطنطنیہ کے متعلق نہایت مہیب افواہیں پھیلی ہوئی تھیں۔ لوگ غیور (ghiaours) اور غیر ملکیوں کے فوری قتلِ عام کے تذکرے کر رہے تھے۔ نیز اس کی فوج کے تمام منتشر شدہ سپاہی دار السلطنت میں جمع ہو گئے تھے۔ دو قسطنطنیہ اور اس کے اطراف و اکناف ان لوگوں کے نظارے سے لرزہ براندام تھے، جن کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی۔ دول عظمیٰ نے اپنے

اپنے اپنے ہمقوموں کی حفاظت کے لئے جنگی جہاز بھیجدئے تھے۔ اس تحریک کو روکنے سے زیادہ اور کوئی چیز آسان نہیں ہو سکتی تھی۔[1]

لیکن حکومت نے کوئی تدبیر اختیار نہیں کی۔ اس کو یہ توقع تھی کہ یورپین سیاسیات پر ترکی کے مفید مطلب اثر ڈال کر موجودہ صورتِ حال سے بہت کچھ کام لیا جا سکتا ہے۔ نارڈگنان (Noradounghian) آفندی، وزیر خارجیہ نے لولی بورگا زکی شکست کے بعد حکومت کی طرف سے سفیروں کو یہ اطلاع دے دی تھی کہ اگر دول نے بلغاریوں کی پیشقدمیوں کو، جن کی بنا پر کہ منتشر شدہ سپاہی دارالسلطنت میں گروہ در گروہ جمع ہو رہے ہیں، روکنے کے لئے مداخلت نہیں کی تو پھر باب عالی ذمہ دار نہیں ہوگی۔ اس پردہ پوش دھمکی نے ڈپلومیٹک کور کو خطرے کی اطلاع اور ان لوگوں کو قابو میں رکھنے کے لئے ایک بین القومی اسکواڈرن کی حفاظت کا مطالبہ کرنے پر آمادہ کر دیا"۔

بہرحال بلغاریوں نے ان اصول کی خلاف ورزی کر کے، جو پہلے انھوں نے اختیار کئے تھے، ہزیمت خوردہ ترکوں کا تعاقب آہستہ آہستہ جاری رکھا۔ انھوں نے ۸ نومبر ہی کو کورلان پر قبضہ کر لیا اور ۱۲ کو ان کی فوج شتلجہ کے سامنے تھی۔ یہاں پہنچ کر ان لوگوں کو رک جانا پڑا۔

اس سلسلے میں یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ بلغاری آگے کیوں نہیں بڑھے اور ۱۷ اور ۱۸ نومبر کی لڑائیوں کے بعد، جو دراصل ترکی مورچوں کے صرف ایک دریافت حال یا جاسوسی کی حیثیت رکھتی تھیں، مستعدی کے ساتھ حملہ کرنے کے بجائے بلغاری کمانڈر نے سیاسی نقل و حرکت کس لئے شروع کر دی؟ بلغاریہ کی طرف کے جنگی نامہ نگاروں کا یہ بیان تھا کہ بلغاری درماندہ اور خستہ ہو گئے تھے؛ بعض رجمنٹوں میں پچاس فی صد سپاہی ہیضہ میں مبتلا تھے؛ ان کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ ترکی مورچے نہایت زبردست تھے اور ان کے لئے ایک باقاعدہ محاصرے کی ضرورت تھی؛ نوجوں کا جوش و خروش ٹھنڈا ہو گیا تھا اور ان میں ترکوں کو ان کے

---

[1] جنرل عزت فواد پاشا۔ "ایک شکست خوردہ سپہ سالار کے الفاظ"۔

آخری مامن وملجا سے ہٹا دینے کی ہمت نہیں تھی؛ یہ کہ "ادورنہ کی تاریخوں میں بلغاریوں پر اس قدر خونیں دباؤ پڑا تھا کہ وہ ایک دوسری شکست کا خطرہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ"۔

اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بلغاریہ کی فوج نے شدید نقصانات اٹھائے تھے اور اس میں بہت سے لوگ بیمار تھے۔ لیکن شتلجہ کے خطوط کے متعلق ایک دوسرا ہی قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ اس مسئلے کے متعلق "رومانی بیاض اخضر" میں، جو ان سرکاری دستاویزات کا واحد مجموعہ ہے جو اس جنگ کے متعلق شائع کی گئی تھیں، ایک نہایت ہی پرمعنیٰ مراسلت شامل ہے:۔

بروز سہ شنبہ بتاریخ ۲۳ر نومبر بکرش کے مقام پر پیلکھ کے محل میں ہز مجسٹی دی کنگ کے ملاحظے میں پیش کیا گیا:۔

کل شیپٹو آف پیلکھ کو میرے اشارات پر مشتمل تار کے بھیجنے کے بعد، ترکی وزیر، سفیر بے بہت بے وقت مجھ سے ملاقات کے لئے آئے اور اپنی حکومت کا ایک مراسلہ مجھے پڑھ کر سنایا، جس کا مضمون حسب ذیل ہے:۔

"ہماری فوج کی نہایت ابتر صورت حال یہ امید قائم نہیں ہونے دیتی کہ ہم شتلجہ کی کارگر مدافعت کر سکیں گے۔ لہٰذا بلغاریوں کو قسطنطنیہ میں داخل ہو جانے سے باز رکھنے کے لئے ہمارے پاس یہی چارہ کار ہے کہ سیاسی تدابیر سے کام لیا جائے۔ ہم بلغاری فوج کی پیش قدمیوں کو روک کر دول عظمیٰ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ لڑائی کو روک دیں اور صلح کی گفت وشنید کا آغاز کریں۔ التوائے جنگ کی راست گفت وشنید سے سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو گا کہ ہمارا قیمتی وقت ضائع ہو جائے اور قسطنطنیہ پر دشمن کا قبضہ ہو جانے سے، جو خطرناک نتائج پیدا ہوں گے ہم ان کے متعلق کوئی اندازہ قائم نہیں کر سکتے۔ رومانیہ کی حکومت سے یہ درخواست کی گئی ہے کہ وہ قسطنطنیہ میں بلغاریوں کے داخلے کو روکنے کے لئے ہر ممکن تدبیر سے کام لے۔

دستخط میسوریسکو"

ایسی صورت میں اگر ۵ نومبر کو حکومت شتلجہ کی چوکیوں کو اس قدر نامستحکم سمجھتی تھی تو پھر بارہ دن کے بعد بلغاری فوج کے حملوں کا کس طرح مقابلہ کیا جاسکتا تھا؟ ضرورت اس امر کی ہے کہ بلغاریہ کے بے حس و حرکت قیام کی وجہ کسی دوسری جگہ تلاش کی جائے۔ قسطنطنیہ کے سیاسی حلقوں میں یہ باور کیا جاتا ہے کہ بلغاریہ کی یہ بے بسی روس کے امتناعی احکام پر مبنی تھی، جس نے صوفیہ کو یہ نوٹس دے دیا تھا کہ وہ قسطنطنیہ میں بلغاری فوجوں کے داخلے کو کبھی جائز نہیں رکھے گا اور یہ کہ ان کو شتلجہ سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے اس لئے کہ اس محاذ پر قابض ہو کر وہ دارالسلطنت پر قابض ہو جائیں گے۔ شاہ فرڈیننڈ اور جنرل سیفاف میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس حکم سے انحراف کریں۔

اس واقعے سے بڑھ کر ۱۲ نومبر سے التوائے جنگ کے متعلق نیم سرکاری طور پر گفت و شنید کا آغاز ہو گیا تھا۔[1] اس امر کا اور کوئی ثبوت نہیں ہے کہ شتلجہ کے حملے کے وقت بلغاریوں کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئی تھیں اور یہ کہ ترکوں کو

---

[1] اگرچہ اس کے متعلق پوری طور پر واقفیت نہیں ہے تاہم ایسا قیاس کر لیا گیا ہے کہ دراصل جو بات تھی وہ یہی تھی۔ مارکوئس ڈی سیگنزیگ (Segouzæ) کے ایکوڈی پاریس کے موسومہ ایک خط مورخہ ۲۲ نومبر میں بلغاریوں کی واپسی کے متعلق یہ بیان کیا گیا تھا کہ:۔ "دوسرا سبب جس نے بلغاریہ کے حملے کو متزلزل کر دیا، کمانڈر ان چیف کے ان الفاظ سے بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے:۔ "اگر وہ ہم کو قسطنطنیہ میں داخلے کی اجازت دے دیں گے تو ہم شتلجہ کو، چاہے کیسی ہی قربانیاں کیوں نہ ادا کرنی پڑیں، فتح کر لیں گے۔ اگر اس کی اجازت نہیں دی گئی تو یہ کوشش بہت گراں قیمت ہے۔"

"اور اس کے علاوہ مدبرین کی آوازیں جنرلوں کی صداؤں پر غالب آجاتی ہیں۔ وہ مداخلت کرتے ہیں اور جنگ شتلجہ یہ معلوم ہونے لگتی ہے کہ گویا یہ ایک محض مظاہرہ تھا جس کی بنا پر بلغاریوں کو آخری دلیل ہاتھ آگئی۔ میری یہ رائے ہے کہ صرف دھمکی ہی ایک غیر مکمل حملے کے بہ نسبت اس موقع پر زیادہ موثر ثابت ہوتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک آسان فتح کی توقع کی گئی تھی۔ یہ ایک سیاسی اور تدابیر حرب کی متعلقہ غلطی تھی جس نے ایک فتحمند جنگ کو ایک بے نتیجہ حملے کے ذریعے سے اس طرح روک دیا۔"

جنرل عزت فواد پاشا کی بھی، جو شتلجہ کے مقام پر ہیڈ اسکی تھرڈ ڈویژن کو رکا کمانڈر تھا، یہی رائے ہے کہ بلغاریہ کی واپسی کا سبب روس کی مداخلت میں تلاش کرنا چاہئے۔" (ایک شکست خوردہ سپہ سالار کے الفاظ) ص۲۳

سخت شرائط تسلیم کرنے پر مجبور کرنے کی غرض سے وہ صرف ان پر اثر ڈالنا چاہتے تھے۔

۳ دسمبر کو سہ شنبہ کے روز گفت و شنید کا آغاز ہو گیا۔ آدھی رات سے کچھ پہلے وزیر اعظم کو ناظم کا ایک مراسلہ ملا، جس میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ التوائے جنگ کے معاہدے پر ایک جانب سے ترکی کے اور دوسری جانب سے بلغاریہ، سربیہ اور مانٹی نیگرو کے دستخط ہو گئے ہیں۔ یونان نے بہر حال اپنی جنگی مصروفیتوں کو جاری رکھا۔ ۴ تاریخ کو ایک سرکاری مراسلت میں التوائے جنگ اور اس امر کا اعلان کر دیا گیا کہ تاریخ التوائے جنگ سے دس روز کے اندر صلح کی گفت و شنید کا آغاز ہو جائے گا۔

اتحادیوں نے التوائے جنگ کے متعلق گفت و شنید کے آغاز پر حسب ذیل شرطیں پیش کی تھیں:۔ ادرنہ، سقوطری، و مناستیر (اس شہر پر سربیہ کا اندرون میں قبضہ ہو گیا تھا) اور جنینہ کی حوالگی؛ خطوط چتلجہ کا ناظم پاشا کی فوجوں سے تخلیہ؛ ترکی یورپ کو کمک نہ بھیجنے کا عہد کرے۔ ترکوں کی طرف سے یہ شرطیں پیش کی گئی تھیں:۔ جنگجو فوجوں کا ان مورچوں پر قیام، جس پر وہ معاہدۂ التوائے جنگ پر دستخط ثبت ہونے سے قبل قابض تھیں؛ اس تمام عرصہ مدت میں جب کہ جنگی مصروفیتیں معطل رہیں، محصور مقامات پر رسد کا انتظام؛ ترکی شہروں پر سے یونان کی ناکہ بندی کا اٹھا لیا جانا۔

بے انتہا بحث و تمحیص اور معاہدۂ التوا کو فسوخ کر دینے کی بے شمار دھمکیوں کے بعد سارا آفاف اور ناظم پاشا نے ان امور پر اتفاق کر لیا۔ چتلجہ میں ترکی اور بلغاری دونوں فوجیں اپنے اپنے مورچوں کو قائم رکھیں اور دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک غیر جنبہ دار منطقہ کی حدیں مشخص کر دی جائیں۔ التوائے جنگ پر دستخط ہوتے ہی ہر جگہ تمام جنگی مصروفیتیں روک دی جائیں۔ محصور مقامات پر رسد رسانی کا مطالبہ، چاہے وہ صرف افواج مستحفظ ہی کے لئے کیوں نہ ہو، منظور نہیں کیا گیا۔ ان مورچوں کے باہر، جو ان کے قبضے میں تھے، فریقین معاہدہ کی فوجوں کی نقل و حرکت کو ممنوع قرار نہیں دیا گیا تھا۔ بہ الفاظ دیگر ہر فریق کو یہ حق حاصل تھا کہ جہاں چاہے کمک بھیجدے۔

یونان نے ان شرائط پر، جو اس کے حلفاء نے منظور کر لی تھیں، التوائے جنگ کو تسلیم کرنے سے صاف طور پر انکار کر دیا تھا۔ ابتداءً اس خبر سے کہ یونانی اپنے

خلفاء سے علیحدہ ہو گئے ہیں اور ترکی کے خلاف تنہا جنگ جاری رکھیں گے، بہت کچھ حیرت و استعجاب پیدا ہو گیا تھا۔ اس خبر کے موصول ہوتے ہی فوراً تمام ترکی جرائد نے، سوائے ایک جریدے کے جس نے یہ دریافت کر لیا تھا کہ اس تمام کاروبار میں عثمانی تدبر کو دھوکا دینے کے لئے داؤ پیچ سے کام لیا گیا ہے، بڑے جوش و خروش کے ساتھ اس امر کا اعلان کرنا شروع کر دیا کہ اتحاد بلقان ٹوٹ گیا ہے اور یہ کہ اب یونان کو پامال کر دینے میں ترکی کو کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ ینی غزاتہ (The Yani Gazetta) نے جو وزیر اعظم کا چہیتا اخبار تھا، نہایت سنجیدگی کے ساتھ تحریر کیا کہ: "اگر (۴۸) گھنٹے کے اندر یونانیوں نے خود التوائے جنگ پر دستخط کرنے کی التجا پیش نہیں کی تو حکومت عثمانیہ یہ معلوم کر لے گی کہ ضروری جوش و خروش کے ساتھ کس طرح عمل پیرا ہونا چاہیئے"۔ ایک دوسرے ترکی جریدے نے نہایت اطمینان کے ساتھ اس اہمیت کو شائع کیا کہ: "چتلجہ کی عثمانی فوجوں کو تھسلی میں یونانیوں پر حملہ کرنے کی غرض سے بلغاری خطوط میں سے نہایت آزادی کے ساتھ گزرنے دیا جائے گا"۔

یونان نے صلح کو "جو کچھ تمہارے پاس ہے اپنے ہی پاس رکھو" کے مقولے کی روشنی میں دیکھنا چاہا، اور اس امر کا ارادہ کیا کہ جنینہ کا واحد مالک بن جائے تاکہ اس طرح ایپرس پر دعویٰ کرنے کا اس کو حق حاصل ہو جائے۔ یونانی فوجیں علی طبیلینی کی دیواروں کے سامنے تھیں، یہ یقینی تھا کہ وہ ترکوں کو پامال کر دیں، جو توپ خانے کی پناہ میں تھے۔ وہ اس بات کے لئے تیار نہیں تھے کہ ایک یقینی فتح میں روڑے اٹکا دئے جائیں۔ اسی لمحے سے جب سے کہ التوائے جنگ اس شہر کو مسخر کرنے سے قاصر رہا۔ یونانیوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر وہ اپنے اور اپنے متحدین کے مفادات کے مدنظر ناکہ بندی کو اٹھا لینے پر بھی راضی نہیں ہو سکتے تھے۔ اگر ناکہ بندی اٹھا لی جاتی تو ترک سمندر کے راستے سے شام سے فوجیں طلب کر لیتے اور ان کو سواحل البانیہ پر اتار دیتے۔

طے یہ ہوا تھا کہ مبادیاتِ صلح کا آغاز لندن میں ہو لیکن اس سے پہلے کہ متحدین اور ترکی کے وزراء مختار ایک جگہ جمع ہوں، قسطنطنیہ میں تکمیل صلح کے متعلق شکوک

پیدا ہو گئے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ متحدین کے ملکی مطالبات اور باب عالی کی حقیر قربانیوں میں اس قدر بین فاصلہ تھا کہ کسی قسم کی مفاہمت کا ظہور پذیر ہونا نا ممکن معلوم ہوتا تھا۔ باب عالی نے ان اعلانات کو پیش کر کے، جو آغاز جنگ پر اس کے دشمنوں کی طرف سے کئے گئے تھے یعنی یہ کہ وہ صرف اپنے ہموطنوں کی حالت کی اصلاح کرنی چاہتے ہیں، اس امر پر آمادگی کا اظہار کر دیا کہ نہ صرف مقدونیہ ہی کو اختیارات خود انتظامی عطا کر دئے جائیں گے بلکہ البانیہ کو بھی ایک باجگذار ریاست بنا دیا جائے گا اور خاندان عثمان کا کوئی شہزادہ البانیہ کا بادشاہ بنا دیا جائے گا۔ ساتھ ہی اس نے متحدین کے مفاد کو پیش نظر رکھ کر سرحدوں کی بھی معمولی سی ترمیم و تنسیخ کو قبول کر لیا۔ متحدین کی طرف سے یہ جواب دیا گیا کہ ان کے ہموطنوں کی حالت کی، جو جنگ کا باعث تھی، اس صورت سے زیادہ اصلاح ہو جائے گی کہ وہ عثمانی رعایا بنے رہنے کے بجائے اپنے ہی ملکوں کے باشندے بن جائیں۔ دول کی زیر نگرانی اختیارات خود انتظامی کے عطا کئے جانے کا متحدین نے جو مطالبہ کیا تھا۔ اس کی غرض یہ تھی کہ لڑائی نہ ہونے پائے لیکن چونکہ اب نفاذ اصلاحات سے حکومت عثمانیہ کے انکار کی بناء پر لڑائی واقع ہو چکی ہے، اس لئے حالات بالکل بدل گئے ہیں اور فاتحین کو ان قربانیوں کا معاوضہ ملنا چاہئے جو ان کو اس سلسلے میں کرنی پڑی ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ متحدین کی طرف سے علاقہ جات کی الحاق اور تشکیل زرتاوان جنگ کا مطالبہ کیا گیا۔

بلغاریہ چاہتے تھے کہ سرحد اس طرح متعین کی جائے کہ بحر اسود پر میڈیہ سے شروع ہو کر ارغنی اور مریزہ کے برابر سمندر تک چلی جائے جس سرحد کا مطالبہ کیا جا رہا تھا وہ کفالا (Kavalla) کے مغرب میں ہوتی ہوئی بالائی استرومہ کی وادی کو اپنے اندر لیتی ہوئی شمال مشرق کی طرف چلی جاتی تھی۔ سربیہ والے سنجک ولایت کسافوا اور ولایت منستیر نیز ایڈریاٹک پر ایک بندرگاہ کا مطالبہ کر رہے تھے۔ مانٹی نیگرو کی طرف سے سنجک کے اس تمام حصے کا جس پر وہ قابض ہو چکے تھے، نیز سقودرہ کا جس میں انھوں نے ناکہ بندی کر کے قحط پھیلا دیا تھا، ساتھ ہی دریائے سیدھے کنارے اور میڈوہ کے سینٹ جان کا مطالبہ کیا جا رہا تھا۔ یونانی تمام

جزائر ایجین (بہ استثناء ان جزیروں کے، جن پر اطالیوں کا قبضہ تھا)؛ اپیرس
مع ینینہ؛ اور تھیسلی مقدونیہ کا مع سالونیکا سیرس اور ارفانو کے مطالبے کر رہے تھے۔
ترک، جو بلغاری حملے کے رک جانے کے بعد ابتدائی بیم و رجا کی حالت سے نکل چکے
تھے، اور جن کے پاس ایشیا سے روزانہ امدادی فوجیں آرہی تھیں، نویں، دسویں،
اور گیارھویں کور کو مکمل کر لینے کے لئے ذرا سی مہلت چاہتے تھے۔ خود کامل پاشا
کو جنگ کے نتیجے سے بہت کچھ پریشانی تھی۔ ترکی وزراء مختار نے قسطنطنیہ سے
لندن روانہ ہونے سے قبل، ان تمام لوگوں کے سامنے، جو سننا چاہتے تھے،
صاف طور پر کہدیا تھا کہ ترکی اپنے علاقے کی ایک انچ زمین بھی نہیں دے گی۔
جزیرہ نمائے گالی پولی پر محاذ بولیبر کے عقب میں اس توقع کے ساتھ فوج قائم
کی جارہی تھی کہ بلغاریہ کی فوج پر پیچھے کی طرف سے حملہ کر دیا جائے اور ادرنہ کی ناکہ بندی
کو اٹھا دیا جائے۔

بالآخر بہت کچھ بحث و تمحیص کے بعد ترکوں نے ولایت ادرنہ کی مغربی زمین
کی حوالگی کو قبول کر لیا۔ بہ الفاظ دیگر انھوں نے ادرنہ کو اپنے ہی قبضہ میں رکھا اور
البانیہ کے اختیارات خود انتظامی کو تسلیم کر لیا۔ جس کے متعلق یہ طے پایا کہ دول
اس کی سرحدوں کو مشخص کرے۔ ترکوں نے قندیہ اور دوسرے جزائر کی حوالگی
یا ان کے متعلق اپنے حقوق کی دست برداری سے انکار کر دیا لیکن وہ اس امر پر
رضامند ہوگئے کہ مسئلہ قندیہ کی ترتیب دول کے ذریعے سے عمل میں آئے۔ یوروپین
ڈپلومیسی نے اب یہ خیال کیا کہ مداخلت کا وقت آگیا ہے۔ ۱۰ جنوری ۱۹۱۳ء کو
قسطنطنیہ کے خارجی وفود کے سرداروں نے اس غرض سے ایک جلسہ کیا کہ باب عالی
کو یہ مشورہ دینے کے لئے کہ وہ مسئلہ ادرنہ اور جزائر پر اصرار نہ کرے، کس نمونے پر
مشترکہ یادداشت مرتب کی جائے۔ اس تصفیئے کے لئے تقریباً آٹھ دن صرف
ہوئے اور ۱۷ کو یادداشت بھیج دی گئی۔

اس یادداشت میں یہ تحریر کیا گیا تھا کہ دول باب عالی کی سنجیدہ توجہ
ان اہم ذمہ داریوں کی طرف مبذول کرانے کی عزت حاصل کرتے ہیں، جو
شتلجہ پر جنگی مصروفیتوں کی تجدید سے عائد ہوئی ہیں۔ دول نے یہ محسوس کیا ہے

کہ ان زرخیز علاقوں میں، جو باب عالی کے پاس باقی رہ گئے ہیں صنعتی کاروبار کے آغاز کے لئے یورپ کی مالی امداد ناگزیر ہے۔

لہذا ایسی صورت میں اگر باب عالی نے دول کی خواہشات پر لحاظ کرنے سے انکار کر دیا، تو پھر یہ مالی امداد نہیں دی جائے گی۔ حکومت عثمانیہ کو یہ مشورہ دیا گیا کہ وہ ادرنہ کو حوالے کر دے اور دول نے یہ وعدہ کیا کہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اور مساجد، مقابر اور مقامات مقدسہ کے احترام کو برقرار رکھنے کے لئے تمام ممکن کوششیں عمل میں لائی جائیں گی۔ آخر میں باب عالی کو تنبیہ کی گئی تھی کہ جنگی مصروفیتوں کی تجدید سے قسطنطنیہ کے لئے خطرہ پیدا ہو جائے گا اور بہت ممکن ہے کہ لڑائی ایشیائے کوچک میں بھی پھیل جائے۔ اس یادداشت کے اختتام پر یہ تحریر کیا گیا تھا اگر ترکی نے ان باتوں کو مان لیا تو اسے صرف روپیہ مل جائے گا۔ غرض یہ ہے کہ دول قحط کے ذریعے سے ترکوں پر قابو حاصل کرنا چاہتے تھے۔

اس واقعے پر کہ کامل پاشا صلح کا طالب تھا کسی کو کچھ شبہہ نہیں تھا۔ اتحادئین نے اس کو برا بھلا کہنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی تھی۔ ان لوگوں نے رعایا اور فوج میں ایک شدید پروپاگنڈا شروع کر دیا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ آئین اساسی کی رو سے مقبوضات کی تمام حوالگیوں کے متعلق پارلیمنٹ کا ووٹ حاصل کیا جانا چاہئے اور یہ کہ ۵ اگست ۱۹۱۲ء کی برخاستگی کے بعد سے چیمبر کا کوئی اجلاس منعقد نہیں ہوا ہے، اس لئے حکومت آئین اساسی کی مخالفت بغیر ادرنہ کی حوالگی پر رضامندی کا اظہار نہیں کر سکتی۔ اس بہانے کی آڑ لیکر کمیٹی کے ارکان نے نہایت بلند آہنگ اعلانات سے کام لے کر خوب حاشئے چڑھائے اور مشہور کر دیا کہ مطلق العنانی اب دوسرا بھیس بدل کر ظاہر ہو رہی ہے۔ کمیٹی نے اس امر کو فراموش کر دیا کہ ترکی کی طرف سے لیبیہ کی حوالگی کا بہانہ کر کے خود اسی نے جنگ کو ختم کر دینے کی غرض سے اطالیہ کے ساتھ گفت و شنید کی تھی اور یہ کہ اس موقع پر اس نے پارلیمنٹ کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ لیکن کامل پاشا نے، جو سیاسیات میں ایک گرگ باراں دیدہ کی حیثیت رکھتا تھا، کچھ ایسی ترکیب سے کام لیا کہ جس سے ایک طرف تو اس کے مخالفوں میں سخت بے چینی پھیل گئی اور دوسری طرف رعایا کو حیرانی اٹھانی پڑی۔ ایک

غیر معمولی دیوان اعظم کے تقرر سے اس کا صرف یہ مطلب تھا کہ شہنشاہیت عثمان کے قدیم طریقے کی تجدید کر دے۔

ابتداءً جب کبھی ایسا موقع پیش آتا تھا کہ سلطنت کے لئے کوئی خطرہ پیدا ہو جائے یا اگر صاف الفاظ میں کوئی کہنا چاہے تو یوں کہہ سکتا ہے کہ کسی لڑائی کے لئے، جس کو سلطان شروع کرنا چاہتا تھا اور جس کے متعلق اس کو بعض حنفیۃ النفوس کا گمان ہوتا تھا، جواز کی صورت پیدا ہو جائے تو سیریل میں ایک غیر معمولی دیوان اعظم کا تقرر کر دیا جاتا تھا۔ اس دیوانِ عظمیٰ میں یہ تمام لوگ شریک ہوتے تھے:۔ موجودہ اور سابقہ وزراء، ایک خاص درجے کے (جو آج بریگیڈیئر جنرل تک محدود ہے) تمام موجودہ اور وظیفہ یاب فوجی افسر، تمام موجودہ اور وظیفہ یاب سول عہدہ دار جن کا ایک خاص کم سے کم درجہ مقرر تھا؛ تمام علما، ملا، حجاج، سردار، ارکان کونسل، نمایندگان شخصیّہ؛ مختلف خاندانوں میں بیعت رکھنے والے درویش؛ سوداگر؛ زمیندار؛ مرکاندار؛ نائبین کاشتکاران وغیرہ وغیرہ۔ الغرض اس قدر وسیع دیوانی کے اجزائے ترکیبی یہ لوگ تھے، جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا۔ اسی سلسلے میں یہ بیان کر دینا بھی مناسب ہے کسی غیر معمولی دیوان نے حکومت کے فیصلے کے خلاف کبھی کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ آخری دیوان اعظم کا تقرر ۱۸۷۶ء میں عبدالحمید نے کیا تھا، جس نے اس کے سامنے بوسنہ وہرسک مقدونیہ، اور بلغاریہ کے، بہ نگرانی یورپ، اختیارات خود انتظامی کے متعلق قسطنطنیہ کانفرنس کے فیصلے پیش کئے تھے۔ دیوان نے اس موقع پر شرائط پیش کردہ کو ناقابل قبول قرار دیا تھا اور یہ ظاہر کیا تھا کہ جنگ زیادہ مناسب ہوگی۔

کامل کا یہ خیال تھا کہ دیوان بھی اسی رائے کا اظہار کرے گا، جو خود اس کی رائے تھی اور یہی عام طور پر بھی خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن عین اس وقت جب کہ ہر شخص کو صلح کا یقین تھا اور مدبرین مسئلہ ادرنہ اور جزائر آجین کے متعلق حکومت عثمانیہ کا سر تسلیم خم کرا دینے پر ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے، ایک بغاوت نے، جو انجمن اتحاد و ترقی کی ترتیب دی ہوئی تھی اور جس میں

وزیر حربیہ، ناظم پاشا کو بھینٹ چڑھا دیا گیا تھا، کامل پاشا کو مستعفی ہو جانے پر مجبور کر دیا اور عنانِ حکومت محمود شوکت پاشا کے ہاتھوں میں دیدی ساتھ ہی ساتھ حکومت کی صلح پسند پالیسی کو "مرتے دم تک لڑائی" کی پالیسی سے بدل دیا۔ وزارت کی یہ صورتِ حال جس پر واقعات کا بغور مطالعہ کرنے والوں کو کچھ بھی تعجب نہیں ہوا، اور جو رعایا کی نفرت و حقارت کے بار سے دب کر ٹوٹ گئی۔ پے درپے علیلیوں اور رذیلیوں کا نتیجہ تھی، جن سے اس کا کوئی فعل خالی نہیں تھا اور جو اس کو صلح اور جنگ کی حامی جماعتوں کے بیچ میں سنچا رہی تھیں۔ وزارت میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ صداقت سے کام لے۔ جس طرح وہ تمام دنیا سے جھوٹ بول رہی تھی بالکل اسی طرح خود اپنے مقابلے میں بھی کذب و افترا سے کام لے رہی تھی۔

۱۹ جنوری کو اتوار کے دن حکومت نے یہ اعلان کیا کہ دول کی یادداشت کا جواب دینے سے پہلے وہ ایک غیر معمولی دیوانِ اعظم کو مدعو کرے گی۔ سرجی لوتھر اور ام ڈی گرز (Lowther & Giers) کے تخویف آمیز احتجاجات کے باوجود جنھوں نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ دول کا تصفیہ ناقابلِ انفساخ ہے، سہ شنبے کے دن ۲۱ تاریخ کو قصرِ دولمہ باغچہ میں دیوانِ اعظم کا اجلاس ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ محض ایک بے جس و حرکت دیوان تھا۔ یہ مجلس، جس کو قومی مجلس کہنے سے لوگوں کو خوشی ہوتی تھی، نہایت سادہ صورت میں تبدیل ہو گئی تھی اور صرف ان عہدہ داروں پر مشتمل تھی جو حکومت کے بہی خواہ تھے۔ ان میں سے ہر شخص کا کام پہلے ہی سے مشخص کر دیا گیا تھا اور ان کو ان تمام باتوں سے قبل از قبل اتفاق تھا۔ جن کو وزیر اعظم آخری تصفیئے کے لیئے ان کی فراست و کیاست کے سامنے پیش کر کے اپنے انکسار و خلق کا ثبوت دینے والا تھا۔ حکومت نے صرف ان لوگوں کو طلب کیا تھا۔

سینیٹرس؛ شیخ الاسلام کے پانچ عہدہ دار؛ دو عالم؛ مارشل ابراہیم پاشا؛ عزت پاشا؛ ڈویژنل جنرل؛ سردار جنرل اسٹاف؛ جنرل عبداللہ پاشا تیراس کی فوج کا سابق سپہ سالار؛ وزارت حربیہ کے سات ڈویژنل چیفس؛ عدالت العالیہ (Court of cassation) کے تین اراکین؛ کونسل آف اسٹیٹ کے تین رکن؛ تین امارت بحر کے عہدہ دار؛ حاکم شہر (سٹی پری فکٹ)؛ ناظمِ مجلس پیمایش،

صدر ناظم حاصل بالواسطہ، سابق وزیر اعظم، حقی پاشا؛ اور شہاب الدین بے
ان لوگوں میں حسب ذیل تین شہزادوں کا نام نہیں لیا گیا ہے:- یوسف عزالدین
ولیعہد سلطنت؛ ان کے بھائی مجید؛ اور وحید الدین آفندی، سلطان کے چھوٹے
بھائی، جن کا بہ لحاظ سلسلۂ جانشینی یوسف عزالدین کے بعد نمبر تھا۔

اس لحاظ سے اس دیوان سے حسب ذیل تمام ایسے لوگ خارج تھے جن کو
اس میں حصہ لینے کے روایتی حقوق حاصل تھے:- علاوہ ان لوگوں کے جن کا سنیٹ
سے تعلق تھا، تمام سابق وزراء؛ تمام موجودہ یا وظیفہ یاب ایسے عہدہ دار،
جو وزیر یا مشیر کا مرتبہ رکھتے تھے؛ علماء؛ حجاج؛ مجسٹریٹ؛ عام عہدہ داروں
کی ایک کثیر تعداد؛ کارپوریشنوں کے تمام نمایندے اور نائب؛ زمیندار؛ ملکاندار؛
نمایندگان کاشتکاران؛ غرض یہ ہے کہ وہ تمام لوگ، جن کی شرکت سے اس
مجلس کو ایک قومی حیثیت حاصل ہو سکتی تھی۔ اکثر اراکین سنیٹ نے دیوان کی شرکت
سے انکار کر دیا۔ ان لوگوں میں سابق وزیر حربیہ، محمود شفقت؛ سابق شیخ الاسلام،
موسیٰ کاظم؛ سابق وزیر مالیہ، نائل بے بھی شامل تھے۔ سابق وزیر اعظم،
حقی پاشا بھی علی ہذا اس میں شریک نہیں ہوا۔

دیوان کا ہر ایک کام بحسن وخوبی انجام پایا۔ ہر شخص نے اپنا کام قابل تحسین
طریقے پر انجام دیا۔ وزیر حربیہ، ناظم پاشا نے جنگ کے مختلف پہلوؤں پر بالتفصیل
بحث کی۔ یا یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے ایسا کیا ——— چونکہ یہ ایک خفیہ جلسہ
تھا اس لئے صحیح واقعات معلوم کرنا آسان نہیں تھا اور چونکہ اس کا اختتام اچھا
نہیں ہوا اس لئے کسی نے اس کے متعلق گفتگو کرنے کا بھی خیال نہیں کیا۔ ناظم
نے اپنے سامعین کو یہ یقین دلایا کہ فوجی تنظیم بہمہ وجوہ مکمل اور فوجوں کی اخلاقی حالت
نہایت عمدہ تھی۔ وزیر مالیہ، عبدالرحمٰن نے سلطنت کی مالی حالت کی تعریف کی۔
وزیر خارجہ، نارد نگیان نے ترکی کے مقابلے میں دول کے رویے پر تقریر کی۔ کل آٹھ
مقررین نے اس موقع پر تقریریں کیں اور صرف ایک شخص، اسماعیل حقی بے
عدالت عالیہ کے پروکیورر جنرل نے جنگ کی تجدید پر زور دیا۔ دوسرے مقررین،
خواجہ مصطفےٰ آصف آفندی، سابق نائب قسطنطنیہ؛ مارشل فواد پاشا، ناظم پیمائش

محمد اسد آفندی؛ رشاد اشفاق پاشا؛ (Logothchi Bey) داماد فرید پاشا، اور سابق وزیر اعظم، سعید پاشا، نے، جو سب کے سب سینیٹ کے رکن تھے، دول کی یادداشت کو تسلیم کر لینے اور صلح کی حمایت میں تقریریں کیں۔ اس پر دیوان تین مخالفتوں کے ساتھ بالاتفاق فیصلہ کر دیا۔

حکومت اپنی اس خیالی کامیابی پر اپنے کو مبارکباد دے رہی تھی۔ اس کو اس امر کا احساس نہیں تھا کہ اس نے اپنے اس بے حس و حرکت دیوان غیر معمولی کے ذریعے سے (جس کو اور بھی مضحکہ خیز بنانے کے لئے، اس کے عہدہ دار اس کو نہایت شان کے ساتھ "مجلس قومی" کے نام سے پکارتے تھے) اپنے مخالفوں کے لئے خود ہی اسلحہ فراہم کر دئے ہیں۔ سفراء اس امر پر خوشیاں منا رہے تھے کہ نبرد آزما طاقتوں کے مابین تجدید جنگ کے خاردار مسئلے کا تصفیہ ہو گیا ہے۔ ایک طرف تو یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور دوسری طرف جنگ کی حامی جماعتیں حکومت کو زیر و زبر کر دینے کے لئے نہایت چستی کے ساتھ مصروف عمل تھیں۔ حکومت نے اپنی مدافعت یا کم سے کم حفظ ماتقدم کے لئے بھی کوئی تدبیر اختیار نہیں کی حالانکہ اس کو اتحادیین کی ریشہ دوانیوں کا یقینی طور پر علم ہوگا بالخصوص اس لئے کہ چند جریدے کھلے بندوں اس پر لعنت ملامت کر رہے تھے۔ طلعت بے، اتحادیین کے اس تنہا سردار نے جو حاجی عادل بے اور خلیل بے کے ساتھ اس وقت جب کہ دوسرے تمام اشخاص یورپ کو فرار ہو گئے تھے، اس پروپاگنڈا کو نہایت ہی دلیری اور مردانگی کے ساتھ جاری رکھا۔ استنبول میں اس قسم کے اشتہاروں کی ایک ریل پیل مچی ہوئی تھی جن میں تمام نیک مسلمانوں کو غیر ملکیوں کے خلاف ہتھیار سنبھال لینے کی دعوت اور اس حکومت کو، جس نے اپنے فرض کو بھلا دیا تھا، تہ و بالا کر دینے کی قسم دی گئی تھی۔ عین اس وقت جب کہ دیوان، قصر دولمہ باغچہ میں مصروف مکالمت تھا، انجمن اتحاد و ترقی کا سان استفانو میں ایک خفیہ جلسہ ہو رہا تھا، جس میں اس نے یہ فیصلہ کیا کہ باب عالی کے خلاف ایک کامیاب ضرب لگانے کی کوشش کی جائے۔

جمعرات کے دن ۲۳ جنوری کو اس وقت جب کہ سفراء نہایت اطمینان کے ساتھ اپنی یادداشت کے جواب کا انتظار کر رہے تھے؛ اس جواب کا جس پر

مجلس وزراء میں آخری مرتبہ نظر ثانی کی جا رہی تھی، کہ استنبول میں ایک انبوہ کثیر جمع ہو گیا۔ مقررین دیوان پر لعنت ملامت کرنے لگے، جس نے صلح کے حق میں فیصلہ کیا تھا۔ یہ مظاہرے ہونے لگے کہ ایک ایسی مجلس کو، جو اس قسم کے لوگوں پر مشتمل تھی، کسی قسم کا کوئی اقتدار حاصل نہیں تھا اور یہ کہ اس کے ارکین صرف ایسے باغی ہی ہو سکتے تھے، جنھوں نے اپنے ملک کو فروخت کر دیا ہے۔ ساڑھے تین بجے کے قریب، ان مجمعوں نے، جن سے پولیس نے کوئی پرخاش نہیں کی تھی۔ ایک فوجی دستے کی صورت اختیار کر لی، جس میں مشکل سے سو آدمی ہوں گے۔ ان میں زیادہ تر سب آسٹرن افسر اور کچھ انجمن اتحاد و ترقی کے (softas) نوجے اور سویلین ممبر تھے۔ طلعت بے کے زیر قیادت یہ لوگ سبلائم پورٹی کے کنجوں میں باب عالی کی طرف بڑھنے کے لئے داخل ہو گئے۔ یہ لوگ پولیس کی طرف سے معمولی سی بھی مزاحمت کے کے پیش آئے بغیر اپنی منزل مقصود تک تقریباً آ ہی پہنچے تھے کہ لفٹننٹ کرنل انور بے گھوڑے پر بیٹھے ہوئے سرکاری بیان کے مطابق اتفاقاً ادھر آ نکلے۔ انور بے ۱۹۰۸ء کے انقلاب کے ایک بانی تھے، وہ علمبردار حریت تھے، جیسا کہ ان کے دوست ان کو کہتے تھے۔ وہ ابھی ابھی طرابلس سے واپس آئے تھے، جہاں وہ سائی رینیشیا میں ایطالیوں کے خلاف فوج کی کمان کر رہے تھے۔ مظاہرہ کنندگان نے "خدا جنگ کو عرصہ تک قائم رکھے" "خدا اتحاد اور ترقی کو ہمیشہ باقی رکھے"، "ہم اورنہ سے دست بردار نہیں ہوں گے" اور "مار و باغیوں کو" کے نعرے لگا کر انور بے کو گھیر لیا، ان کے کارہائے نمایاں کی تعریف و توصیف اور ان سے التجا کی کہ وہ ان کی سرداری کریں۔ انور بے نے ان کی درخواست کو فوراً منظور کر لیا۔ مجمع نے باب عالی میں داخل ہو جانا چاہا لیکن کپتان نفیس بے کامل پاشا کے ایڈی کانگ ان کے راستے میں حائل ہو گئے اور گارڈ کو ان پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ سپاہیوں نے اپنے آتش بار ہتھیاروں سے کام لینے سے انکار کر دیا۔ نفیس بے نے خود ریوالور لے لیا اور ابھی چند ہی فیر کئے تھے کہ پیشکس منتشر ہو گئیں اور ان کا افسر مہلک زخم کھا کر زمین پر گر پڑا۔ مظاہرہ کنندگان نے باب عالی پر حملہ کر دیا اور ایک ناقابل بیان خوف و ہراس ہر طرف پھیل گیا۔ تمام ملازمین اور افسر ٹوپیاں اور کوٹ چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ انور بے اور طلعت بے سیدھے اس کمرے کی طرف

بڑھے ۔ جہاں مجلس وزراء کا اجلاس ہو رہا تھا ۔ عین اسی وقت وزیر حربیہ، ناظم پاشا اور ایک افسر توپخانہ، توفیق بے قبرسلی (Kibrisli) نے کونسل کے کمرے کا دروازہ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ یہ فیر کیسے ہو رہے ہیں اور گارڈ کو طلب کرنے کے لئے کھولا ۔ فوراً ہی حملہ آوروں کے مجمع سے فیر کی آوازیں آئیں اور ناظم پاشا اور توفیق بے شدید زخم کھا کر گر پڑے ۔

اس واقعے کے متعلق بہت سی باتیں بیان کی گئی تھیں ۔ سب سے پہلی تعبیر میں، جو اتحادیین کے جرائد میں شائع ہوئی، یہ بیان کیا گیا تھا کہ ناظم پاشا کی موت محض ایک حادثہ تھا اس لئے کہ وہ اپنے افسر توپخانہ کے پیچھے ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آئے ۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ لوگ ایک وزیر سے زیادہ اس کے خون کے کس لئے خواہاں تھے ؟ ایک دوسری تعبیر میں، جو پہلی کی طرح اتحادی ہی تھی، یہ بیان کیا گیا تھا کہ توفیق بے نے انور بے پر فیر کر کے ایک ہنگامہ برپا کر دیا اور اس ہنگامے کے دوران میں ایک گولی ناظم پاشا کے بھی لگ گئی اگرچہ ان کو نشانہ نہیں بنایا گیا تھا ۔ دوسرے لوگوں کا بیان ہے کہ ناظم پاشا کو جس سے اتحادیین کو خوف تھا اور جس کے فوج میں اثر پیدا کر لینے کا خطرہ تھا، خود انور بے نے قتل کیا ۔ انور بے، جواب انور پاشا ہیں، ناظم پاشا پر فیر کرنے سے انکار کرتے ہیں ۔

کونسل کے کمرے میں داخل ہو کر طلعت بے اور انور بے نے، جن کے ہاتھوں میں ریوالور تھے، بوڑھے کامل سے استعفا پیش کر دینے کا مطالبہ کیا ۔ وزیر اعظم نے وہ خط لکھا، جو اس سے لکھوایا گیا تھا، اور پھر اس پر دل کا دورہ پڑا، جو ایک گھنٹے تک رہا ۔ انور بے استعفا لے کر فوراً ایک موٹر کار میں بیٹھ کر قصر شاہی اس لئے روانہ ہو گئے کہ سلطان سے ایک اتحادی کابینہ کی تشکیل کو منظور کرا لیں ۔ ان کے غیاب میں مجمع میں دس گنا اضافہ ہو گیا اور ہر طرف سے اہم اتحادیین نے "کامل پاشا کی بغاوت عظمیٰ" کے متعلق وعظ کہنے شروع کر دئے اور جنگ کے جاری رکھنے پر اصرار کیا ۔ آخر میں انور بے واپس آئے اور یہ اعلان کیا کہ سلطان نے کامل پاشا کا استعفا منظور کر لیا ہے اور یہ کہ محمود شوکت پاشا کو، جو اس موقع پر مارشل بنا دئے گئے تھے، یہ حکم دیا گیا ہے

کہ وہ ایک جدید کابینہ کی تشکیل عمل میں لائیں۔ انور بے کو سلطان پر یہ ظاہر کر کے کہ اگر اس نے کامل کی تائید پر اصرار کیا اور صلح کر لی تو اس کے تخت و تاج کے لئے خطرہ ہے، اس سے ان چیزوں کا منظور کرانے میں ایک حد تک جبر سے کام لینا پڑا تھا۔ ساڑھے آٹھ بجے محمود شوکت سلطان کے معتمد اول کے ساتھ باب عالی کو آئے اور معتمد نے فرمان شاہی کو پڑھ کر سنایا، جس میں مارشل کو وزیر اعظم نامزد کیا گیا تھا۔

محمود شوکت پاشا کی وزارت عظمیٰ۔ جنگی مصروفیتوں کا اعادہ۔ صلح کی گفت و شنید۔ ۳۱ مارچ کی دول کی یادداشت۔ مبادیات صلح بمقام لندن، ۳۰ مئی۔ جماعت مخالف اور کمیٹی۔

محمود شوکت پاشا کا قتل

۳۰ جنوری کو حکومت عثمانیہ نے دول کی یادداشت کی حجت پیش کر کے جواب دیا۔ لیکن ۲۷ ہی کو متحدین کے نمایندگان نے، جو لندن میں مقیم تھے، باب عالی کے جواب کے انتظار سے عاجز آ کر گفت و شنید کے منقطع ہو جانے کا اعلان کر دیا تھا اور ۲۹ کو بلغاریوں نے التوائے جنگ کو فسوخ کر دینے کا تصفیہ کر لیا تھا۔ ترکی یادداشت نہایت ہی عجیب و غریب تھی، نہ صرف اس تجویز کی بنا پر جو اس نے ادرنہ کو دو حصوں میں منقسم کر دینے کے متعلق کی تھی اور جس میں دول کو وہ تمام رقبہ عطا کر دینے کی، جو مریزہ کے سید ھے کنارے پر ہے یعنی قرہ غاچ کا صرف یورپین نواح اور ترکی کے پاس اس تمام رقبے کے باقی رہنے کی تحریک کی تھی، جو الٹے کنارے پر ہے اور جو خاص شہر ہے، اور نہ صرف اس لئے کہ ترکی نے جزائر ایجین کا اس حیثیت سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ دار دانال اور قسطنطنیہ کی حفاظت کے لئے ناگزیر ہیں، بلکہ اس وجہ سے یہ یادداشت عجیب و غریب تھی کہ اس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ ان وعدوں کی ایفا کے بدلے میں، جو ۱۷ جنوری کے مشترکہ نوٹ میں کئے گئے تھے، یورپ کو چاہئے کہ وہ ترکی حکومت کو معاوضہ ادا کرے۔ اس نوٹ میں حکومت عثمانیہ کو ان تمام خطرات

سے آگاہ کرکے جو یورپ کے مشوروں پر کاربند نہ ہونے کی صورت پیدا ہونے والے تھے، یہ بیان کیا گیا تھا کہ :۔ "بہر صورت امپیریل آٹومان گورنمنٹ کو جنگ کے ختم ہو جانے کے بعد اس غرض سے یورپ کی دول عظمیٰ کی اخلاقی اور مادی امداد کی ضرورت ہوگی کہ وہ جنگ کے مصائب کی تلافی کرے؛ قسطنطنیہ میں اپنی صورت حال کو مجتمع اور مستحکم کرے؛ اور ان وسیع ایشیائی علاقوں میں صنعتی کاروبار شروع کرے، جن کی زرخیزی سلطنت کی نہایت ہی موثر طاقت کا کام دے گی۔ اس ضروری کام کو شروع اور بوجوہ احسن انجام تک پہنچانے کے لئے ہز امپیریل مجسٹی سلطان کی حکومت اس وقت دول کی فیاضانہ امداد پر اعتماد نہیں کر سکے گی، جب تک کہ وہ ان کے مشورے پر کاربند نہ ہو، جو یورپ اور ترکی کے عام مفادات پر مبنی ہے"۔

یہی وہ بنا تھی، جس پر ترکوں نے، جنھوں نے اس قدر سختی کے ساتھ دول کی یادداشت کا جواب دیا تھا، یورپ کے مقابلے میں اپنی شرائط کو مبنی کیا تھا، انھوں نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ترکی میں یورپین حقوق کو مٹا دیا جائے گا اور وہ باب عالی کی صوابدید پر منحصر ہوں گے۔

یادداشت میں تحریر کیا گیا تھا کہ :۔ "یہ بالکل ضروری ہے کہ دول اب اور آئندہ ترکی کے اس حق کو تسلیم کرلیں کہ وہ آزادی کے ساتھ محاصل سائرات کی ایک خودمختار شرح مقرر کر سکتے ہیں؛ یہ کہ ترکی کو اس امر کے متعلق پوری آزادی حاصل ہے کہ وہ جدید قانون کی بنا پر تجارتی معاہدات مرتب اور مالی قوانین کو، جن کی عثمانی رعایا پابندی کرتی ہے اور کرے گی، اپنی رعایا پر جس طرح چاہے نافذ کرے اور یہ کہ محاصل سائرات میں چار فی صدی اضافے کو ترکی حکومت منظور کرلے گی،

دولت علیہ یقین کرتی ہے کہ ترکی میں، جو خارجی ڈاک خانے ہیں ان کا ان شرائط پر جو بہ لحاظ کفالت ہائے عجلت اور ضمانت، جو ڈاک خانوں کے نقطۂ نظر سے ضروری ہے، جو آسانی کے ساتھ طے کئے جاسکیں گے، برخاست کیا جانا ناگزیر ہے۔ دولت علیہ یاد دلاتی ہے کہ دول کی طرف سے سلطنت عثمانیہ میں سیاسی مراعات کے سلسلے کو منقطع کر دینے اور صلح کے طے ہو جانے کے بعد اس قسم کی گفت و شنید کے آغاز کا اعلان کر دینے سے کہ جس کی بنا پر وہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مشترکہ طور پر

غور و خوض کر سکیں، حوالۂ بالا ماتحتی امور کے ساتھ مل کر ایسی تدابیر صورت پذیر ہو جائیں گی، جن سے ان وعدوں کے ایفا میں، جو دول نے مذکورۂ بالا یادداشت میں کئے ہیں بہت کچھ مدد ملے گی۔"

معینہ تاریخ اور وقت پر بلغاریوں نے ادرنہ پر گولہ باری اور بولیر پر حملہ کر کے جنگی مصروفیتوں کو دوبارہ شروع کر دیا۔ بلغاری اس حملے کے ساتھ ہی ساتھ چتلجہ کے باہر اپنی مدافعت بھی کرتے رہے۔ عثمانی فتوحات کے متعلق سرکاری اخبارات خاموش نہیں رہے۔ چنانچہ "آٹومان ایجنسی" نے حسب ذیل مراسلت شائع کی۔

"۴ فروری کو دشمن نے، جس کی فوج کا ایک حصہ گالی پولی کے نواح میں مجتمع تھا، اپنی ایک رجمنٹ کو قاضی حانی سے کفاک کی طرف روانہ کیا، جہاں ہمارا ایک ڈٹاچمنٹ موجود تھا۔ ایک لڑائی واقع ہوئی، جو رات تک جاری رہی۔ اس لڑائی میں ہم فائدے میں رہے۔ رات ہو جانے پر پہلے ہی سے انتظامات کے مطابق ہماری فوج بولیر کی طرف پسپا ہو گئی اور دشمن اس کا تعاقب نہ کر سکا۔"

جب کبھی عثمانی فوجوں کو کسی قسم کی ممنوعات پیش آتی تھیں تو ترکی مراسلوں میں بالعموم اسی قسم کا طرز کلام اختیار کیا جاتا تھا۔ دوسرے دن ۵ تاریخ کو یہ مزاحمت شکست سے بدل گئی۔ یہی وہ واقعہ تھا، جس نے لڑائی کو روک دینے کے متعلق شوکت پاشا اور جنرل سیفاف میں جو گفت و شنید شروع ہو چکی، اس کو تکمیل تک نہیں پہنچنے دیا۔ چار حانی پر جو بار کوششکی پر اترنے کی کوشش کی گئی تھی، وہ بھی ناکام رہی اور ترکوں نے بولیر پر کامل شکست اٹھائی۔

محمود شوکت اس واقعے سے باخبر تھا کہ لڑائی کا طول سلطنت کی صورت حال کو روز بروز نازک تر بنا رہا ہے۔ ایک جریدہ الوظیفہ نے (Vazife) جو اس کا طرفدار تھا ایک افتتاحیہ حوالہ قلم کیا، جس میں وزیر اعظم، "۲۳ جولائی ۱۹۰۸ء کا زبردست عنصر، ۱۳ اپریل ۱۹۰۹ء کا ہیرو، فوج کا معظم اعظم" کی، "جو اپنے ملک کی نجات صرف تکمیل صلح پر منحصر سمجھتا ہے" مدح سرائی کر کے، تحریر کیا تھا کہ "حکومت حقیقی، سابقہ حکومت کی طرح صلح کے لئے کام کرتی ہے۔ اپنے کو جنگ کا طرفدار ظاہر کرنا اور گلی کوچوں میں "مار و فلاں شخص کو" اس سے

کوئی بحث نہیں کہ وہ کون ہے)" کے نعرے لگانا دراصل خود قوم کے وجود کے ساتھ بازی کرنا ہے۔ اس وقت جب کہ قوم کے قلب سے اس قدر کثرت کے ساتھ خون بہہ رہا ہے مناسب یہ ہے کہ تباہی کی طرف بڑھنے کے بجائے نقصانات کی تلافی کی تدبیریں سوچی جائیں۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو اس امر کا امکان ہے کہ تباہی پر تباہی آئے گی اور یہ کہ اگر قوم نے غصے سے کام لیا تو صلح قطعی ناممکن ہو جائے گی اور یہ ملک اور حکومت کے لئے ایک نہایت اہم خطرہ ہوگا۔"

حکومت شرائط پر بحث کرنا چاہتی تھی، چنانچہ اس نے حقی پاشا کو اس غرض سے لندن بھیجا کہ وہ ۱۰ر جنوری کی مشترکہ یادداشت کو پیش نظر رکھ کر گفت و شنید کا آغاز کرے۔

لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ وقت نکل گیا تھا۔ بلقان کے لئے تاوان جنگ کے نظریے کو مجلس سفراء نے منظور کر لیا تھا۔ باب عالی نے جاوید بے کو لندن اور پارس گفت و شنید کرنے کے لئے روانہ کیا عثمانی قرضے کا کس قدر حصہ ہر اتحادی اپنے ذمے لے گا۔ ۲۶ مارچ کو ایک ایسی مدافعت کے بعد، جس نے مدافعت کرنے والے، جنرل[1] شکری پاشا کے نام کو ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا، ادرنہ کی فتح نے (اشقودرہ نے ۵ کو یونانیوں کی اطاعت قبول کر لی تھی) قسطنطنیہ کے حامیان صلح کی تائید کے لئے ایک اور دلیل پیدا کر دی۔ تاہم کمیٹی پہلے سے بھی زیادہ تادم مرگ لڑائی کے اصول پر جمی رہی اور اس کے جرائد پبلک کو بھی اس امر کا اطمینان دلانے سے باز نہیں آئے کہ عثمانی فوج بلغاریہ والوں کو پیس ڈالنے والی ہے۔ سقودرہ کے متعلق، جس کو وہ مانٹی نیگرو کے قبضے میں نہیں جانے دینا چاہتی تھی، آسٹریا کی مداخلت سے کمیٹی کے دل میں یہ غلط امید بھی پیدا ہو گئی کہ آسٹریا، سربیہ اور مانٹی نیگرو کے خلاف عمل پیرا ہوگا۔

بہر حال ۳۱ مارچ کو قسطنطنیہ کے متعینہ سفیروں نے باب عالی کو ایک مشترکہ یادداشت روانہ کی، جس میں ترکی اور بلغاریہ کی سرحد میڈیہ سے بخط مستقیم اینوز تک

---

[1] محمود مختار: جاوید پاشا اور عزت فواد کی طرح شکری پاشا بھی وہ شخص ہے جس نے عثمانی اسلحہ کی لاج رکھ لی۔ یہ اسی کا طفیل ہے کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس المناک لڑائی میں ترکی فوج کو ایک عظیم الشان فتح حاصل ہوئی تھی۔ اس عظیم الشان فتح کے صلے میں ۲ جنوری ۱۹۱۴ء کو اسے وظیفہ (پنشن) دے دیا گیا۔

معین کی گئی تھی اور تاوانِ جنگ کے متعلق متحدین کے مطالبات کو مسترد کیا گیا تھا مگر اسی کے ساتھ یہ امر بھی واضح کر دیا گیا تھا کہ وہ عثمانی قرضہ عامہ میں سے جو ان پر واجب الادا تھے، حصہ لے سکیں گے۔ یکم اپریل کو بابِ عالی نے جواب دیا کہ اس کو دول کے فیصلے سے کامل اتفاق ہے۔ متحدین نے، جن کے پاس بھی دول نے یہ یادداشت روانہ کی تھی، فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ وہ اشقودرہ کی فتح کا انتظار کرتے رہے۔ جنگی مصروفیتیں جاری رہیں لیکن دونوں طرف سے کسی قسم کے جوش و خروش سے کام نہیں لیا جاتا تھا۔ شتلجہ پر روز گولہ باری کی جاتی تھی لیکن جنگ معمولی معمولی حملوں تک محدود تھی۔ انتہا پسند جرائد کی ترغیب و تحریص کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ کوئی فریق لڑنا نہیں چاہتا تھا۔ ۱۲؍ اور ۱۳؍ اپریل کو شتلجہ پر شدید گولہ باریاں واقع ہوئیں، جن کو بعض لوگوں نے "خونخوار لڑائیوں" سے تعبیر کیا۔ ۱۴؍ اور ۱۶؍ کو مقتولین اور مجروحین کو منتقل کرنے کے لئے لڑائی ملتوی ہو گئی۔ فرانسیسی سفیر سے التجا کی گئی کہ وہ صوفیہ میں جنگ کے اس انقطاع کو التوائے جنگ سے تبدیل کرا دینے میں واسطے کا کام دے تاکہ شرائطِ صلح پر غور کرنے کی مہلت مل جائے۔ ۱۷؍ اپریل کو ذیل کی شرائط پر التوائے جنگ کی تکمیل ہو گئی:-

(۱) شتلجہ اور بولایر کی جنگی مصروفیتیں ۲۳؍ اپریل تک روکی جاتی ہیں۔

(۲) اگر اس مدت میں صلح کی گفت و شنید ختم نہیں ہوئی تو بتراضیِ طرفین التوائے جنگ میں توسیع کی جا سکتی ہے۔

(۳) فریقین کا مقرر کردہ ایک کمیشن دونوں فوجوں کے بیچ میں ایک غیر جانبدار منطقے کی حد بندی کرے گا۔

(۴) اعادۂ جنگ کی صورت میں فریقین اڑتالیس گھنٹے کا نوٹس دیں گے۔ یہ تاخیر اسی دن شام کے آٹھ بجے شروع ہو گی، جس دن کہ نوٹس دیا جائے گا۔

(۵) التوائے جنگ کے اثناء میں عثمانی بیڑہ خلیج سارَاس اور بحر اسود کے بیچ میں بلغاری فوج کی بصورتِ خوراک و بصورتِ سامانِ جنگ رسد رسانی میں مزاحمت نہیں کرے گا۔"

التوائے جنگ میں توسیع ہو گئی اور آخری تصفیے کا اعلان لندن کانفرنس پر

چھوڑ دیا گیا۔ ۲۰ مئی کو اس کانفرنس نے صلح کے جو مبادیات قائم کئے وہ یہ تھے :۔
خط اینائز و میڈیہ کے تمام مغربی ترکی علاقوں کی حوالگی؛ البانیہ کی حدود اور مرتبے کا تصفیہ؛ جزائر ایجین کی حکومت کے تعلقات اور اس کا ایک خاص طرز[1]
خط اینائز و میڈیہ کو مستقیم ہونا چاہئیے تھا لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ یہ خط ویسا ہی مستقیم ہونا چاہئیے تھا جیسا کہ اقلیدس کا خط ہوتا ہے۔ نقشہ پر جو نیلی اور سرخ لکیر ہوتی ہے، جس میں پہاڑوں، وادیوں اور دریاؤں کا کچھ لحاظ نہیں کیا جاتا اس میں اور ایک علمی شخص سرحدات میں ہئیت طباعت پر لحاظ کرتے ہوئے بڑا فرق ہوتا ہے۔ یہ دونوں دو قطعی مختلف چیزیں ہیں۔ وزراء مختار کے مرتب کئے ہوئے نقشے کو ایک مشترکہ کمیشن کی برسر موقع نظر ثانی کے لئے پیش کیا جانا لازمی تھا۔ یہ نظر ثانی شروع بھی ہو چکی تھی اس لئے کہ ۹ مئی کو اسٹاف افسروں کا ایک کمیشن بلغاری کیمپ کو روانہ ہو چکا تھا اور اس سے مقصد یہ تھا کہ بلغاریہ کے جنرل اسٹاف کے اتحاد عمل سے ایک مشروط سرحدی خط معین کیا جائے۔ جس طرح کہ معاشی اور مالی مسائل پیرس کانفرنس کے لئے محفوظ کر دئے گئے تھے بالکل اسی طرح البانیہ اور جزائر ایجین کا مسئلہ کانفرنس سفراء کا اختیاری ہو گیا تھا۔ البانیہ کے ساتھ ترکی کو خود باقی نقطۂ نظر سے علاوہ اور کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی تھی[1]۔ ترکی کو اس سے کوئی بحث نہیں تھی کہ البانیہ کا تاج کس کے سر پہ رکھا جاتا ہے۔ ترکی کو اس سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا تھا کہ کہ آیا البانیہ جدید میں سقودرہ؛ آرگی روکاسٹرو اور دوسرے وہ مقامات بھی جن سے

---

[1] بہر حال نوجوان ترکوں کی حکومت نے جنوری ۱۹۱۴ء میں یہ کوشش کی تھی کہ البانیہ میں ترکی تسلط کی موافقت میں بغاوت برپا ہو جائے۔ یہ کوشش جس کا نہایت ناقص طریقے پر آغاز کیا گیا تھا بالکل ناکام رہی اور البانیوں نے جن کی خود مختاری کا یورپ نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ اعلان کر دیا تھا، ترکوں کی موافقت نہیں کی۔ جن ترکی افسروں کو اس مہم میں شریک کر لیا گیا تھا، ان کو والونہ (Vallona) کے مقام پر کورٹ مارشل میں ایک سے پندرہ سال تک کی سزا دی گئی یا ان کو ملازمت سے علٰحدہ کر دیا گیا۔ سردار بکیر آغا کو موت کی سزا دی گئی تھی لیکن اس کی سزا کو نافذ نہیں کیا گیا۔

متحدین نے مطالبہ کیا تھا، شامل ہیں۔ ان مسائل پر مبادیات صلح کے دوران میں وہ بحث نہیں کرنے والی تھی۔ یہ متحدین کا کام تھا کہ وہ دول کے ساتھ ان مسائل کا تصفیہ کریں۔ اب رہا جزائر کا مسئلہ تو فی الحقیقت یونان کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ دوسرے جزیروں کے متعلق دول تصفیہ کرنے والے تھے، جس پر ترکی کو اتفاق تھا۔ وہ اب بے بس تھی"۔

خارجی پیچیدگیاں اس قدر زبردست نہیں تھیں کہ وہ جماعتوں کو غیر مسلح کر دیتیں۔ مخالف اتحادیین، جو کچھ دیر کے لئے ۲۳ جنوری کی اچانک گر شدید ضرب سے بے حس و حرکت ہو گئے تھے، اب پھر سنبھل گئے تھے اور انھوں نے لڑائی کو دوبارہ شروع کر دیا تھا۔ فضا سازشوں سے بھری ہوئی تھی۔ اپریل میں پولیس نے یہ اعلان کیا کہ انھوں نے ایک زبردست سازش کا سراغ لگایا ہے، جو صباح الدین بے اور فوجی لیگ کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ پولیس نے بہت سی گرفتاریاں بھی کیں مگر ہر چیز کچھ اس قدر پوشیدہ رکھی گئی کہ حقیقت کا دریافت کرنا ناممکن ہے۔ بہر حال سازش قطعی واقع ہوئی تھی، اور اس کا ثبوت ۱۰ جون کی صبح کو محمود شوکت پاشا کے قتل سے مل جاتا ہے"۔

"انقلاب بجائے خود ایک زحل ہے، جو اپنے بچوں کو خود ہی کھا جاتا ہے"۔

یہ فقرہ اگرچہ انقلاب فرانس کے متعلق کہا گیا تھا لیکن ترکی انقلاب پر بھی یہ اسی طرح حاوی ہوتا ہے۔ ۲۳ جولائی ۱۹۰۸ء کے بعد سے یہ تیسرا وزیر تھا، جو ایک شدید موت سے مرا تھا۔ یہ تینوں وزیر مارشل رجب پاشا، جس کو یلدیز نے زہر دیا تھا، جنرل ناظم پاشا، جس کو اتحادیین نے ۲۳ جنوری ۱۹۱۳ء کو روالور سے ہلاک کیا؛ اور مارشل محمود شوکت پاشا؛ جو سڑک کے ایک موڑ پر اپنی موٹر کار میں ہلاک کر دیا گیا تھا تھے۔ اس آخری جرم کا ارتکاب جماعت "حریت و اتفاق" نے کیا تھا۔ یہ جماعت ایک قسم کا سرنامہ تھی، جس کے تحت جماعت ہائے مخالف، احرار اور ارتجاعی کی، جو عبد الحمید کے پرانے طرفداروں میں تھیں، گروپ بندی کی گئی تھی"۔

مارشل، جو اپنا صبح کا وقت روزانہ وزارت حربیہ میں گزارتا تھا، سر عسکرات سے صبح کے پونے گیارہ بجے باب عالی کو جانے کے لئے نکلا۔ وہ ایک موٹر میں سوار تھا۔

اس کے ساتھ اس کی اردلی کے دو افسر تھے۔ مگر کوئی بدرقہ نہیں تھا۔ یہ دونوں افسر کپتان اشرف بے اور بحری لفٹننٹ ابراہیم بے تھے۔

قسطنطنیہ میں موٹر کاروں کے رائج ہونے سے پہلے یہ طریقہ تھا کہ وزیر اعظم وزیر حربیہ وزیر بحریہ اور توپ خانے کے افسر اعلیٰ کی گاڑیوں کے ساتھ ساتھ آگے اور پیچھے، رسالے کا ایک دستہ چلا کرتا تھا جو قرابینوں سے مسلح ہوتا تھا اور اردلی کے افسر دروازوں پر کھڑے ہوتے تھے۔ موٹر کاروں کے رائج ہونے سے بدرقے کا یہ طریقہ اس لئے مسدود ہو گیا کہ موٹروں کو تیز چلاتے وقت ان کے ساتھ ساتھ جانا سخت دشوار تھا بدرقے کے نہ ہونے کی وجہ ہی تھی، جس سے کہ یہ جرم واقع ہوا۔ موٹر سلطان بایزید اسکوئر کے موٹر کو امین بے روڈ کی طرف جانے کے لئے طے کر چکی تھی کہ راستے میں ایک جنازہ آتا ہوا دکھائی دیا۔ موٹر فوراً رک گئی اور یکا یک ہر طرف سے روالور کے فیر کئے جانے لگے۔ وزیر اعظم موٹر کے تکیوں پر گر پڑا۔ ایڈیکانگ ابراہیم بے اپنے سردار کو آڑ میں لے لینے کے لئے اٹھا مگر فوراً ہی قتل کر دیا گیا۔ کپتان اشرف بے روالور لے کر موٹر کار سے کود پڑا مگر کارتوس نہیں چلا۔ صرف موٹر ڈرائیور قاتلوں کی گولیوں کا جواب دیتا رہا۔ اشرف بے استمداد کے لئے سر عسکرات کی طرف جھپٹا اور قاتل، محمود شوکت پاشا کا کام تمام کر کے، ایک سرخ و سیاہ موٹر کار میں، جو سلطان بایزید اسکوائر میں قریب ہی ان کا انتظار کر رہی تھی، بیٹھ کر ایک خطرناک رفتار کے ساتھ فرار ہو گئے۔ محمود شوکت پاشا کو سر عسکرات میں منتقل کر دیا گیا، جہاں وہ ایک لفظ بھی زبان سے نکالے بغیر بیس منٹ میں ہلاک ہو گیا۔ اس کے پانچ گولیاں لگی تھیں۔ ایک گولی الٹی کنپٹی میں لگ کر سیدھے کنپٹی سے پار ہو گئی تھی۔ دوسری شانے کی ہڈی سے پار ہو گئی تھی اور بایاں ہاتھ ٹوٹ گیا تھا۔ تیسری گولی نے گردن کے قریب ریڑھ کی ہڈی کو توڑ دیا تھا۔ اور دو گولیاں پشت میں لگی تھیں۔

پولیس کی تحقیقات سے واضح ہوتا ہے کہ حکومت کی بیخ کنی اور اس کے خاص خاص ممبروں کے قتل کے لئے ایک سازش کی گئی تھی، جو صباح الدین اور سیف لطفی بے کی مرتب کردہ سازش کا نتیجہ بننے والی تھی اور جس میں حسب ذیل لوگوں کو نشانہ بنایا جانے والا تھا۔ محمود شوکت پاشا، جمال بے، قسطنطنیہ کا فوجی گورنر اور فرسٹ آرمی کور کا کمانڈر، انور بے، دسویں کور کے سردار اشاف، جو سالن اسیفا کو

اور رکری خانی پر مقیم تھی اور دار السلطنت کی ہر اس نقل و حرکت کے مقابلے میں حفاظت کر رہی تھی، جن سے ہدیم خانی کی نوجوں کے، جن کے متعلق یہ یقین نہیں تھا کہ آیا ملٹری لیگ نے ان کو بھی بھڑکانے کی کوشش کی ہے یا نہیں، بغاوت کرنے کا امکان تھا، طلعت بے، انجمن اتحاد و ترقی کے جنرل سکریٹری، جو اس تمام منظر کے پس پشت تھا اور جو حکومت اور اتحادیت کا اصلی سردار تھا؛ قرا سو آفندی (corasso) سابق نائب قسطنطنیہ؛ اور مزلیہ آفندی سابق نایب سمرنا۔ یہ تمام لوگ انجمن کے ممبر تھے اور ان پر یہودی ہونے کا الزام لگایا جاتا تھا۔ حکومت کو اس سے آگاہ کیا جا چکا تھا لیکن اس نے کسی حفظ ما تقدم سے کام نہیں لیا اور صرف اسی پر اکتفا کیا کہ وزارتوں اور باب عالی کے محافظ دستوں میں اضافہ کر دیا تاکہ ۲۳ر جنوری کی طرح پھر کوئی دوسرا واقعہ پیش نہ آنے پائے۔ یہ نہایت ہی عجیب بھولا پن تھا کہ حکومت کو بہر راہ اس قسم کے حادثے کے پیش آنے کا خیال نہیں آیا۔ خود محمود شوکت نے یہ سننے کے بعد کہ اس کی جان خطرے میں ہے صرف اپنے شانے ہلا دئے تھے۔

قاتلوں کی تعداد چھ تھی اور یہ حسب ذیل تھے:۔ توپل (یعنی لنگڑا) توفیق، جو ایک نہایت ہی خطرناک شخص تھا اور ہر جرم کے لئے ہمیشہ تیار رہتا تھا۔ اس کو قتل کی سزا دی گئی تھی لیکن تمام قانونی مجرموں کی طرح ۱۹۰۰ء میں اس کو یلدیز نے معافی دے دی تھی۔ قانون اساسی کے قیام جدید کے بعد اس کو ۱۳ر اپریل ۱۹۰۹ء کو باغی کی حیثیت سے گرفتار کر لیا گیا تھا اور یہ انجمن اتفاق (Entente club) کا ایک نہایت ہی اہم ممبر بن گیا تھا۔ کور امین (Kior-Emin) جو کامل پاشا کا ایک نہایت ہی قابل اعتماد جاسوس تھا۔ چرکسی ضیا اور زفادر ناظم؛ یہ تینوں پرانے جرائم پیشہ لوگ تھے۔ کاظم بے، سابق کپتان، جو فوج کو تنہا چھوڑ دینے کے جرم میں تنزل کی سزا بھگت چکا تھا۔ عبد الرحمن پاشا پسر جنرل حاجی عظیم پاشا وظیفہ یاب۔ موٹر کار اسی شخص کی تھی۔ یہ عبد الحمید کا ایک نہایت ہی بدنام جاسوس تھا۔ اس کو عبد الحمید نے بریگیڈ جنرل بنا دیا تھا لیکن ادارۂ اساسی نے اس کو فوج سے علیحدہ کر دیا تھا۔ ان لوگوں کے علاوہ اور بھی بہت سے شرکا و معاونین جرم تھے۔ اس قتل کے سلسلے میں جن لوگوں پر جرم عائد ہوتا تھا، ان میں حسب ذیل اشخاص بھی شامل تھے:۔ بریگیڈ جنرل داماد

صالح پاشا، جو سابق وزیرِ اعظم خیر الدین پاشا کا فرزندِ اکبر اور سلطان کے بھائی مرحوم شہزادہ کمال الدین کی بیٹی منیر سلطان کا خاوند تھا۔ اس شخص نے کورابین کو ایک ہزار ترکی پاؤنڈ کا ایک تمسک لکھکر دیا تھا۔ رشاد بے، سابق وزیرِ داخلہ۔ صباح الدین بے سلطان کا بھتیجہ۔ جنرل شریف بے، سابق سفیر متعینہ اسٹکہلم (Stockholm) (بظاہر اس شخص کا نام غلطی سے لیا گیا ہے) پاریس کے ہر سہ پناہ گزین۔ موحد بے جو کامل پاشا کی وزارت میں صدر ناظم پولیس تھا۔

وزیرِ اعظم کے قتل کے ساتھ ساتھ قسطنطنیہ میں ایک فوجی اعلان بھی کیا جانے والا تھا لیکن ملٹری لیگ کو اپنے اثرات کے متعلق کچھ غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ قسطنطنیہ کے سپاہی ذرا بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلے۔ جس چیز نے اس جرم کو خاص طور پر سنگین بنا دیا تھا وہ یہ تھی کہ حامیانِ مفاہمت یا سردارانِ مطلقیت (دونوں نام ہم معنی ہیں) میں سے بعض اشخاص قتل کی سازش کی تھی اور اس کے متعلق حکم دیا تھا، ایسے تھے، جن کی جاں بخشی محمود شوکت پاشا کی مرحمت و مکرمت کی بنا پر ہوئی تھی۔ محمود شوکت پاشا نے ان لوگوں کو ۲۴ اپریل کے بعد سلطان کی التجا پر، جو اپنے خاندان کے ارکین کو سزا یاب نہیں ہونے دینا چاہتا تھا، پھانسی سے بچا لیا تھا۔ محمود شوکت پاشا ہی وہ شخص تھا، جس نے ابھی ابھی کمیٹی کی مخالفت کے باوجود تمام سزا یافتہ سیاسی مجرموں کو امان دے دی تھی۔ ان لوگوں نے محمود شوکت پاشا کو اس کا معاوضہ یہ دیا کہ اس کو قتل کر ڈالا۔

سعید پاشا حلیم کی وزارت جنگ بلقان ترکی کی حملہ اور ادرنہ پر دوبارہ قبضہ

محمود شوکت پاشا جس دن قتل ہوا اسی دن شہزادہ سعید حلیم کو عارضی طور پر صدرِ اعظم نامزد کر دیا گیا تھا۔ اس واقعے کے دوسرے دن محمود شوکت پاشا کی تجہیز و تکفین کے بعد شہزادہ سعید حلیم وزیرِ اعظم ہو گیا اور سات دن کے عرصے میں اس نے اپنی وزارت قائم کر لی۔ تشکیلِ وزارت کچھ آسان کام نہیں تھا تاہم اس کے اکثر قدیم رفیقان کابینہ جن کا صدر

محمود شوکت پاشا تھا، منٹی میں بھی برسر اقتدار رہے۔ ترمیمات صرف وزارت حربیہ جس کا صدر شوکت پاشا تھا، وزارت داخلہ، تعمیرات اور تجارت میں واقع ہوئیں؛

وزارت داخلہ پر حاجی عادل بے کی بجائے، انجمن اتحاد و ترقی کے جنرل سکریٹری طلعت کا تقرر عمل میں آیا۔ طلعت نے ۱۹۰۹ء سے لے کر اس وقت تک جماعت اتحادیین میں نہایت ہی عظیم الشان کام انجام دئے تھے۔ وہ وقتاً فوقتاً وزیر داخلہ، وزیر تعمیرات؛ اور اکثریت پارلیمنٹ کا قائد رہ چکا تھا۔ طلعت ہی ۲۳ جنوری کے شدید انقلاب حکمت علی کی قوت محرکہ تھا، جس نے کامل حکومت کا استیصال کر دیا تھا۔ وہ ایک نہایت ہی غیر معمولی ذہانت و قابلیت کا آدمی تھا، جو یہ جانتا تھا کہ اس کو کس چیز کی ضرورت ہے اور جو ذمہ داری سے کبھی نہیں جھجکتا تھا۔ سب سے زیادہ جو نمایاں فوقیت اس کو حاصل تھی وہ یہ تھی کہ ترکی نظم و نسق کی انتہائی خرابیوں کے دوران بھی وہ دیانت دار رہا تھا۔ حاجی عادل بے، جو طلعت بے کا جسد ثانی تھا انجمن اتحاد و ترقی کا طلعت بے کی جگہ جنرل معتمد مقرر کر دیا گیا۔ اس عہدے کی ذمہ داریاں نہایت اہم اور نازک تھیں، اور طلعت ہی ان پر قابو حاصل کر سکتا تھا۔ وزارت حربیہ پر عزت پاشا کا تقرر کیا گیا، جو ڈویژنل جنرل؛ سابق سردار اسٹاف؛ عساکریمن کا میجر جنرل اور سپہ سالار اعظم تھا اور جو ۲۳ جنوری کے بعد سے نائب سپہ سالار اعظم اس لئے ہو گیا تھا کہ اساسی قانون کے مطابق سلطان بحری اور بری دونوں فوجوں کا سپہ سالار اعظم تھا۔ وزارت تعمیرات عثمان نظامی پاشا کو دی گئی، جو برلن کا سابق سفیر اور لندن کا پہلا وزیر مختار تھا۔ ایک ایسے وقت میں دی گئی جب کہ جرمنی سواس؛ ہرپوت۔ دیار بکر ریلوے (Sioas-Harpout-Diabekir Rly.) کے متعلق فرانس سے جھگڑ رہی تھی، اس عہدے پر ایک ایسے شخص کا تقرر، جو جرمنی کا نہایت جوشیلا طرفدار اور جرمنی کے اثرات کا نہایت سرگرم موید تھا، فرانس کے مقابلے میں کوئی دوستانہ فعل نہیں تھا۔ وزیر تجارت، سلیمان البستانی کو مقرر کیا گیا، جو مرونی کیتھولک سنیٹر تھا۔ جس زمانے میں وہ بیروت کی نیابت کر رہا تھا، اسی زمانے میں وہ پارلیمنٹ کا نائب صدر بھی رہ چکا تھا۔ یہ عہدہ اس کو اتحادیت کے ساتھ وفاداری کے صلے میں عطا کیا گیا تھا۔ سابق وزیر اعظم، سعید پاشا اس قدر بیمار تھے کہ وہ کوئی کام نہیں کر سکتے تھے

لہٰذا ان کی جگہ خلیل بے کو کونسل آف اسٹیٹ کا صدر بنا دیا گیا جو وقتاً فوقتاً اتحاد و ترقی کے صدر، وزیر داخلہ، اور بیت المال کے صدر رہ چکے تھے۔ خلیل بے بہت دولتمند آدمی تھا۔ جماعت اتحادیین کی قیادت اور حکومت خلیل بے؛ طلعت بے اور عادل بے کی ذات پر منحصر تھی۔ ابتداءً کونسل آف اسٹیٹ کا صدر مجلس وزراء میں نہیں بیٹھا کرتا تھا۔ یہ ایک نئی بدعت تھی، جس کا آغاز سعید پاشا کی گزشتہ وزارت سے ہوا تھا اور جو اسی وجہ سے شروع کی گئی تھی کہ کمیٹی شہزادہ سعید پاشا حلیم کو کابینہ کے کاروبار میں حصہ لیتے دیکھنا چاہتی تھی، چاہے وہ بحیثیت ایک ایسے وزیر ہی کے کیوں نہ ہو، جس کے تحت کوئی سررشتہ نہ ہو۔ سعید پاشا حلیم نے جو محمود شوکت پاشا کے عہد وزارت میں وزیر خارجہ تھے، اب بھی اس عہدے کو اپنے ہی پاس رکھا۔ پہلے رفعت پاشا، ترکی سفیر متعینہ پاریس کو اس عہدے کے لئے منتخب کیا گیا تھا مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ لہٰذا وزیر اعظم نے وزارت خارجیہ کا کام خود سنبھال لیا۔

چونکہ بعض ایسے اہم مفادات جو خود سلطنت کی بقا پر موثر تھے خطرے میں پڑے ہوئے تھے، لہٰذا یہی مناسب تھا کہ یہی صورت اختیار کی جائے۔ ترکی کی خارجی حکمت عملی صرف ایک خاص طریقے اور تسلسل کے ساتھ ہی برقرار رہ سکتی تھی۔ وزارت کا سب سے پہلا کام محمود پاشا کے قاتلوں کے مقدمے کا فیصلہ کرنا تھا، جس میں کمیٹی کے تمام دشمنوں کو، جن میں ایسے لوگ بھی تھے جو بالکل بے گناہ تھے، شریک کر لیا گیا تھا۔ ۲۲ جون کو کورٹ مارشل نے (۲۴) آدمیوں کو سزا دی جن میں (۱۲) عدم پیروی میں سزایاب ہوئے تھے۔ سزا یافتہ مفرورین میں حسب ذیل اشخاص شامل تھے:۔

شریف پاشا؛ صباح الدین بے، سلطان کی بہن سلطانہ سینیکا (Senika) کا بیٹا؛ رشید بے، سابق وزیر داخلہ؛ کمال مدحت بے؛ پرتو (Pertew) توفیق بے؛ لفٹنٹ کرنل ذکی بے؛ اسماعیل بے؛ سابق نائب گومل جینا (Gumuldjina) سابق جنرل عبدالرحمن پاشا؛ حکمت، برادر کپتان کاظم بے؛ محمود بے، جندارمی کا وظیفہ یاب کمانڈر؛ کواکی (Civaki) مصطفےٰ آفندی[1]؛ اور ناظم بے۔ ۲۴ کو دن کے

---

[1] اس کو دسمبر ۱۹۱۳ء میں ترکی پولیس نے ایک روسی جہاز میں گرفتار کیا تھا۔ وہ سیوس نے اس

ساڑھے تین بجے سلطان بایزید اسکیر میں بقیہ حسب ذیل ملزمین کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا:-
بریگیڈ جنرل داماد صالح پاشا؛ سابق کپتان کاظم بے؛ کرنل توفیق؛ لفٹننٹ محمد علی؛ ضیا بے؛ بحری لفٹننٹ، شکری بے؛ کرنل فواد بے؛ سابق ناظم پولیس، موعد بے؛ پروفیسر عبداللہ صفا؛ جواد شوفر؛ جندارمی کمال؛ اور حقی۔

لیکن قسمت ترکوں کے لیے ایک انتقام کی تیاری کر رہی تھی۔ بلغاریہ نے مفتوحہ علاقہ جات کی تقسیم کے متعلق سرویہ اور یونان اور رومانیہ کے ساتھ جھگڑا پیدا کر کے، جس نے دربوجہ کی سرحدوں میں ترمیم کا مطالبہ کیا تھا، ۳۰ جولائی کو اپنے دو حلیفوں پر حملہ کرنے کی حماقت کا ارتکاب کیا، جس کی بنا پر رومانیہ نے بھی میدان میں آ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ استنبول کے ترکی جرائد نے اس جنگ بلقان میں ترکی کی مداخلت کے متعلق نہایت شد و مد کے ساتھ تلقین کرنی شروع کر دی۔ انھوں نے یہ اعلان کیا کہ عثمانی مصائب کا اصلی سبب ملعون و منحوس بلغاریہ ہی ہوا ہے اور یہ کہ اسی کو تباہ ہو جانا چاہیے۔ انجمن اتحاد و ترقی کے آرگن طنین نے اس موقع پر حسب ذیل تحریر شائع کی:-

"موجودہ صورت حال میں ترکی کو بھی کچھ توقعات ہیں۔ متحدین نے گزشتہ سال نہایت ہی نامعقول غیظ و غضب کے ساتھ ہم پر حملہ کیا تھا۔ ہم نے اسی موقع پر صرف اپنی مدافعت کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں شکست ہوئی۔ متحدین ہی کی جانب سے اس امر کی طرف پیشقدمی کی گئی تھی کہ انھوں نے ہمارے جواب کا انتظار کیے بغیر التوائے جنگ کو منسوخ کر کے لڑائی کو از سر نو شروع کر دیا۔ آج بھی انھیں کی طرف سے ایسا ہو رہا ہے کہ معاہدات کو وہ پامال کر رہے ہیں اور ایک دوسرے پر حملہ آور ہیں۔ مبادیات صلح کی اب تک توثیق بھی نہیں ہوئی ہے۔ اور بعض نے معاہدۂ صلح پر اب تک دستخط بھی نہیں کیے ہیں۔ جو مسائل معاہدۂ صلح سے خارج ہیں ان کا ابتک تصفیہ بھی نہیں ہوا ہے۔ پیرس کی معاشی کانفرنس کو اپنا اجلاس ملتوی کر دینا پڑا ہے۔ کیا ہمیں بہار کے موسم تک جب کہ ہمارے دشمن آپس میں صلح کر لیں انتظار

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- گرفتاری کے خلاف بہت کچھ احتجاج کیا اور قیدی کو واپس مانگا لیکن کوئی اثر نہیں ہوا۔ عثمانی حکومت نے اپنے عذرات پیش کیے اور پولیس کے بریگیڈ کو موقوف کر دیا لیکن یہ اعلان کیا گیا کہ کواکی نے اپنے آپ کو قید میں ہلاک کر دیا۔

کرنا چاہیئے؟ کیا ہمیں موجودہ صورت حال کے، جس کو نہ جنگ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ نہ صلح سے، اخراجات برداشت کرنے چاہئیں اور فوجوں کو سرحدوں پر مقیم رکھنا چاہیئے؟ تمام دنیا جانتی ہے کہ ہماری فوجوں کے اجتماع کے اسباب فینانشل کانفرنس کے اشتعالات ہیں۔ کیا سلطنت عثمانیہ اپنے دشمنوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنی رہے گی؟ پارلیمنٹ گفت وشنید کا انقطاع، بلقان میں جنگ، نامکمل صلح یہ تمام ایسی باتیں ہیں جن کی بناء پر ہمیں ایک معقول نتیجہ حاصل کرنے کی فوراً کوشش کرنی چاہیئے۔ ہم اپنے دشمنوں کو صلح نامہ پر دستخط کرنے پر مجبور کریں گے۔ بلغاریہ ہمارے بالکل مقابل ہے۔ اور اسی کے خلاف ہم وار کریں گے۔ شکنجہ میں بلغاریوں نے تمام متحدین کے نام سے بعض مطالبات مرتب کئے تھے۔ لہٰذا اس سے زیادہ طبیعی اور کوئی امر نہیں ہوسکتا کہ ہم اپنے ان تمام مطالبات کا جو ہمیں متحدین سے کرنا چاہئیں، صرف بلغاریہ کو مخاطب بنائیں۔ اگر بلغاریہ بلقان کی دوسری ریاستوں کے ساتھ مفاہمت نہیں کرسکتا تو اس سے ہمیں کوئی بحث نہیں۔ بلغاریہ، جس نے اس قدر علاقے حاصل کرلئے ہیں، ہمارے واجبی مطالبات کو پورا کرسکتا ہے۔ لہٰذا ہمیں کو سب سے پہلے بلغاریہ کو ان تمام امور سے آگاہ کردینا چاہیئے، جو معاہدات میں طے ہوئے ہیں۔ بلغاریوں کو ماہورہ کے مخرج سے نکال دینا چاہیئے اور اس امر کے متعلق قابل اعتماد ضمانتوں کا مطالبہ کرنا چاہیئے کہ وہ تاوان جنگ کے متعلق تمام قسم کی روباہ بازیوں سے دست کش ہوجائیں گے اور ساتھ ہی ساتھ عثمانی قرضۂ عامہ کا وہ حصہ ادا کریں گے، جو ان پر واجب الادا ہے۔ علاوہ بریں سلطنت عثمانیہ نے "تاوان جنگ کے نظریے کو قبول کرنے سے انکار کردیا ہے"۔

۶۔ جولائی کو سلطنت عثمانیہ نے صلح کانفرنس کے پہلے عثمانی نمایندے، جنرل عثمان نظامی پاشا کے ہاتھ ام ڈانف کے پاس ایک نوٹ ارسال کیا، جس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ بلغاری فوجیں سلطنت عثمانیہ کے ملک کو، علاقہ تیراس کا خط ایناز و میڈیہ تک فوراً تخلیہ کردیں۔ بہر حال چونکہ اس نوٹ میں جواب کے لئے کوئی قطعی تاریخ مقرر نہیں کی گئی تھی اس لئے اس کی حیثیت اعلان جنگ کی سی نہیں تھی۔ بلغاریوں نے اس کا کوئی براہ راست جواب نہیں دیا بلکہ انھوں نے ام نےچی وچ کو قسطنطنیہ بھیج دیا۔ یہ شخص بلغاریہ کا سابق سیاسی ایجنٹ متعینہ ترکی تھا اور ہمیشہ سے دونوں ملکوں میں قیام اتحاد

کا طرفدار رہا تھا۔ ام نے چی وچ کی رسالت کا کچھ اچھا نتیجہ مرتب نہیں کیا گیا۔ ۹ر کو حکومت نے حسب ذیل سرکاری مراسلت شائع کی:۔

"بعض جرائد میں آج صبح یہ خبر جو شائع ہوئی ہے کہ صوفیہ اور قسطنطنیہ کے مابین مبادلۂ خیالات سے ام نے چی وچ کا یہاں آنا بیکار ہو جائے گا، قطعی بے بنیاد ہے۔ اطلاعات موصولہ سے واضح ہوتا ہے کہ سرکاری حلقوں میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ام نے چی وچ کی سفارت قسطنطنیہ کا تعلق صرف سواحل مارمورہ اور سرحد اینوز و میڈیہ تک عثمانی علاقوں کے فوری تخلیئے سے ہے۔ ان علاقوں پر بلغاری قبضے سے سول اور ملٹری حلقوں میں جو جذبات پیدا ہو رہے ہیں ان کے مدنظر نیز اس معتدبہ نقصان کے لحاظ سے جو بلغاریوں کے قبضے سے ملک کو پہنچ رہا ہے۔ یہ یقینی معلوم ہوتا ہے کہ اگر بلغاریہ نے ہمارے مطالبات کو فوراً پورا نہیں کیا تو ان علاقوں پر دوبارہ قبضہ حاصل کرنے کے لئے ضروری تدابیر اختیار کی جائیں گی"۔

طنین نے روزمرہ اپنے لب و لہجہ میں زیادہ نخوت سے کام لینا شروع کر دیا۔ اس نے تحریر کیا کہ:۔ "ترکی کا نہ صرف اتحاد بلکہ اس کی غیر جانبداری بھی اس وقت ایک نعمت غیر مترقبہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ترکی بلغاریہ یا یونان کو خوش کرنے کے لئے کوئی کام نہیں کرے گی۔ روپیہ فوراً رکھوا لئے جائیں"۔ ام نے چی وچ نے اعلان کیا کہ بلغاریہ کی ترکوں کے ساتھ بہتر تعلقات قائم کرنے کی غرض سے اس کے علاوہ اور کوئی خواہش نہیں ہے کہ ان مقامات کا تخلیہ کر دیا جائے، جو خط اینوز و میڈیہ کے دوسری طرف واقع ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ فوری تخلیئے کی طرح ترکوں کا یہ مطالبہ بھی تھا کہ بلغاریہ تاوان جنگ سے دست بردار ہو جائے، عثمانی قرضہ عامہ میں اپنے حصے کو تسلیم کرے۔ اور بلغاری علاقوں میں جو مسلمان آباد ہیں ان کے حقوق کی ضمانت و کفالت ادا کرے۔ بلغاری نمایندوں نے ان مطالبات کے جواب میں تجاہل اور چناں چنیں سے کام لیا۔ ۲۰ر کو شتلجہ کی فوجوں کو یہ حکم ملا کہ روڈاسٹو اور چارلو کی طرف کوچ کرنے کے لئے تیار رہیں۔ یہ لفٹننٹ کرنل انور بے ہی کا کام تھا کہ انہوں نے بالآخر، کمیٹی کی مدد سے، بلغاریہ کے خلاف جارحانہ کارروائی اختیار کرنے کے متعلق حکومت سے منظوری لے ہی لی۔ مشرقی نیز اس پر کسی مقابلے کے

بغیر دوبارہ قبضہ ہوگیا اور بلغاری فوجیں ہمیشہ پسپا ہوتی رہیں۔ ۲۲ کو اس خبر نے کہ "انور بے کے رضاکاروں اور ابراہیم بے کی بے قاعدہ سوار فوج نے ادرنہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا ہے،" استنبول کو خوشی سے دیوانہ کر دیا۔

اس واقعے کے تین روز قبل ۱۹ جولائی کو باب عالی نے ہوشیاری سے کام لے کر دول عظمیٰ کو یہ اطلاع دے دی تھی کہ ترکی ادرنہ پر قبضہ کر لے گی۔ عثمانی یادداشت اس طرح شروع کی گئی تھی کہ اس میں بلغاریہ پر مارہورہ کے مخرج کا تخلیہ کرنے سے انکار اور جب امپیریل گورنمنٹ نے اپنی فوجوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا تو اس وقت بلغاری فوجوں کو پیچھے نہ ہٹانے کا الزام لگایا گیا تھا۔ اسی سلسلے میں یہ تحریر کیا گیا تھا کہ:-

"اس کے برخلاف امپیریل گورنمنٹ نے، جو دارالسلطنت اور دردانیال کی مدافعت کرنا چاہتی ہے، ہمیشہ اس امر پر اصرار اور اس کا مظاہرہ کیا ہے کہ پوری سرحد اینازسے شروع ہو کر ایک ایسے خط سے شناخت کی جائے، جو شمال کی طرف جھکا ہوا ہو اور مریزہ کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا ہو۔ اس واقعے کی کہ معاہدۂ صلح میں جیسا کہ چاہئے اس خط کو کھینچا نہیں گیا ہے توجیہ دول عظمیٰ کی اس خواہش سے ہو جاتی ہے کہ بلغاریہ کی پیدا کی ہوئی مشکلات کا ازالہ ہو جائے اور لندن میں نمایندوں کا اجلاس فوراً منعقد کر دیا جائے۔ ...... ان صورتوں میں امپیریل گورنمنٹ مجبور ہے کہ سرحد زیر بحث پر قبضہ کر لے اور دول کے اشتراک عمل کے ساتھ تیر اس کے مستقبل کا فیصلہ کر دے۔ باب عالی کی طرف سے اس امر کو بھی واضح کر دیا جاتا ہے کہ حکومت کی ایک طرف تو اس خواہش کی تکمیل کے لئے کہ دول عظمیٰ کے فیصلوں کا احترام کیا جائے اور دوسری طرف اس غرض سے کہ بلغاریہ کے ساتھ معمولی تعلقات قائم ہو جائیں، باب عالی مذکورہ خط کو ایک مشخصہ سرحد تصور کرتی ہے اور اس امر کا اقرار کرتی ہے کہ کسی عذر پر بھی اس خط کو عبور نہیں کیا جائے گا"۔

یورپ نے لندن کانفرنس کے نصفیوں کے متعلق ترکی کی بے پروائی پر بہت کچھ ناک بھوں چڑھائی۔ انگلستان نے اپنے وزیر مختار متعینہ قسطنطنیہ کے ذریعے سے یہ اطلاع دی کہ عثمانی حکومت کے طرز عمل اور ادرنہ کے قبضے کو پیش نظر رکھتے ہوئے برطانوی حکومت اپنے ان ایقانات کو واپس لیتی ہے کہ ترکی کو اپنے ایشیائی مقبوضات

میں صنعت و حرفت کے آغاز کے لئے وہ اخلاقی اور مادی مدد دے گی۔ برطانیہ ترکی کو اپنی موجودہ پالیسی کے تباہی خیز اثرات کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے حال پر چھوڑ دے گا۔ یہ دھمکی اس لحاظ سے اہم تھی کہ اس کی بناء پر ترکوں نے ابھی سے اپنے ابتدائی مقبوضات کی انقطاعیت کا اندازہ لگا لیا۔ لیکن عثمانی حکومت ان گیدڑ بھبکیوں سے اچھی طرح واقف تھی اور یہ جانتی تھی کہ یہ صرف زبانی جمع خرچ ہی ہے حکومت عثمانیہ کو معلوم تھا کہ بینہ اتحاد یورپ محض ایک افسانہ ہے اور یہ کہ دول ترکی کے خلاف مشترکہ طور پر عمل پیرا ہونے پر کبھی متفق نہیں ہوں گی۔ ترکی کو اس امر کا یقین تھا کہ وہ جرمنی کی سیاسی تائید پر اچھی طرح بھروسہ کرتی ہے اور یہ کہ جرمنی کے اختلاف سے نہ صرف جبر سے کام لینے کے متعلق تمام مفاہمتیں ہی کالعدم ہو جائیں گی بلکہ اس کی بناء پر انگلستان اور روس فوجی مصروفیتوں سے بھی احتراز کریں گے۔ اس کے علاوہ دفاترِ خارجہ کو جو ترکی کو لندن کے فیصلہ جات کا احترام کرنے پر بڑی خوشی سے مجبور کرتے اس وقت اس امر کا خطرہ درپیش تھا۔ کہ کہیں اس قسم کی پیچیدگیاں واقع نہ ہو جائیں، جو ایک عام لڑائی کا پیش خیمہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ترکوں نے اس موقع پر اس قدر اطمینان کے ساتھ صاف طور پر کہدیا کہ وہ ادرنہ سے کبھی دست بردار نہیں ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ انور بے نے سب کو صاف طور پر یہ سنا دیا کہ: "لو ہم یہاں آ پہنچے اور اب ہم یہیں رہیں گے"۔ یہی وجہ ہے کہ جنرل عزت پاشا نے استنبول کے جرائد کے نام حسب ذیل تار روانہ کیا: "میں اپنی اور اپنے رفیقانِ جناب کی طرف سے اعلان کرتا ہوں کہ ہم کو ادرنہ کے چھوڑنے کا خیال نہیں ہے اور نہ کبھی ہم ایسا خیال کر سکتے ہیں کہ ادرنہ کبھی دشمنوں کے حوالے نہیں کیا جائے گا"۔

۷ اگست کو دول کے نمایندگانِ متعینہ قسطنطنیہ نے وزیر اعظم کے حسب ذیل اعلان کو حوالے کر دیا، جس کی انھوں نے ایک نقل چھوڑ دی تھی:۔

"میں اپنی حکومت کے حسب الحکم امپیریل گورنمنٹ کو نہایت صاف صاف الفاظ میں اس احترام کی یاد دہانی کرتا ہوں جو معاہدۂ لندن کے قائم کردہ نظریوں کے لئے واجب ہے اور خصوصاً اس فقرے کے متعلق جو خط اینوز و میڈیا سے متعلق ہے اسی کے ساتھ مجھے یہ اقتدار بھی حاصل ہے کہ میں یورپائی نسں پر اس امر کا اظہار کر دوں

تشخیص جدید کے دوران میں دول ان حالات پر غور کریں گی، جن کو کہ حکومت اس سرحد کی حفاظت کے لئے ناگزیر تصور کرے" ؎

اگر حکومت یہ بھی چاہتی کہ یورپ کی ہدایتوں پر عمل کرے تو ایسا کرنے میں اس کے لئے ایک شدید انقلاب کا خطرہ تھا، جس میں فوج ہر چیز کا صفایا کر دیتی۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ وہ یورپ کی مخالفت کرنے پر مجبور تھی۔ اس افواہ کے پھیل جانے پر کہ حکومت کی ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ یورپ کی طاقتوں کی متفقہ رائے کی مخالفت کرنا بیکار اور خطرناک ہے اور یہ کہ معاوضات کی بنا پر مسئلۂ ادرنہ پر غور کیا جانا مناسب ہے، طلعت بے وزیر داخلہ نے طنین میں حسب ذیل نوٹ شائع کیا:۔

"ممکن ہے کہ بعض لوگ تخلیۂ ادرنہ کے مؤید ہوں، لیکن جس شخص کے دل میں اس قسم کے خیالات ہیں وہ کابینہ کا رکن نہیں رہ سکتا۔ تمام وزراء کی بالاتفاق یہی رائے ہے کہ ادرنہ پر قبضہ بحال رکھا جائے۔ جو شخص اس کے تخلئے کی موافقت میں زبان کھولے گا اس کو حکومت سے علحدہ کر دیا جائے گا" ؎

۱۱ کو وزیر اعظم نے دول کے نمایندوں کو ان کی یادداشت کا جواب حوالے کر دیا۔ اس نوٹ میں حکومت عثمانیہ نے اپنے کو معاہدۂ لندن کا نہایت ہی راسخ پیرو ظاہر کیا۔ لیکن خط اینا ز ومیڈیہ کی دوسری طرف کی آبادیوں کے باقاعدہ استیصال کو روکنے کی فوری مجبوری نے اس کو اس امر پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ مذکورہ خط کے متعلقہ حصے کو نظر انداز کر دے۔ دول کے متفقہ نوٹ کے پہلے اور دوسرے فقرے میں جو تضاد واقع ہو گیا تھا، اس سے نہایت ہوشیاری کے ساتھ فائدہ اٹھا کر باب عالی نے یہ عذر پیش کیا کہ ایک ایسی سرحد کی قطعی ضرورت ہے، جو دار السلطنت اور آبناؤں کی حفاظت کر سکے۔ اپنے جواب میں باب عالی نے "بے انتہا شکر گزاری کے ساتھ" اسی نوٹ سے یہ بھی ثابت کیا تھا کہ دول نے اس ضرورت کو تسلیم کر لیا تھا اور یہ کہ اس کی بنا پر امپیریل گورنمنٹ کا طرز عمل بالکل جائز اور درست تھا۔ آخر میں وزیر اعظم نے اس توقع کا اظہار کیا تھا کہ دول بھی اس سرحدی خط کو منظور کر لیں گی، جس کا ۱۹ جولائی کی مراسلت میں مطالبہ کیا گیا تھا ؎

اس واقعے کے دوسرے روز دار العوام میں ایڈورڈ گرے نے جو تعریف آمیز

بحث کی اور جس طریقے پر ترکی نوٹ کا جواب دیا کہ اس سے استنبول کی آبادی کے جذبات اور بھی برانگیختہ ہوگئے۔ لوگ صرف بلغاریہ کے ساتھ لڑائی کی بات چیت کرنے لگے۔ یورپین ڈپلومیسی نے اپنی خواہشات کو ترکی سے منوانے کے لئے بہت کچھ کوشش کی مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ روس نے ترکی کے مالی مقاطعے کی تجویز پیش کی مگر باب عالی پر ذرا بھی اثر نہیں ہوا۔ باب عالی نے روس کی اس تجویز کا یہ جواب دیا "اور واقعات نے اس کے اس جواب کو ثابت بھی کر دیا" کہ اسے ہمیشہ روپیہ مل سکتا ہے۔ ترکی بندرگاہوں کی ناکہ بندی کا بھی کچھ تذکرہ کیا گیا۔ صوفیہ میں اس امر کو یورپ ہی پر چھوڑ دیا گیا کہ وہ اپنے فیصلوں کا ترکوں سے احترام کرائے۔ ترکوں کی طاقت میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ انھوں نے نہ صرف ادرنہ ہی کو اپنے قبضے میں رکھا بلکہ اس امر کا بھی مطالبہ کیا کہ جدید سرحد اینا ز" مریزہ "اور ادرنہ کے متعلق خود اپنی شرطیں پیش کریں گے۔ ساتھ ہی انھوں نے مغربی تیراس پر بھی دوبارہ قبضہ کر لینے کا کچھ تذکرہ چھیڑا۔ بلغاریہ والوں نے اس خوف سے کہ مبادا ان کی سابقہ فتوحات کا یہ آخری ٹکڑا بھی ان کے ہاتھ سے نکل جائے، ترکی سے راست معاملت کرنے کا تصفیہ کر لیا۔

بلغاریہ کے ساتھ صلح۔ معاہدۂ قسطنطنیہ۔ یونان کے ساتھ صلح۔ معاہدۂ ایتھنا۔ مسئلۂ جزائر۔ ترکی کی انتقام کے لئے تیاری

سرکاری کانفرنسیں ستمبر میں شروع ہو گئیں۔ ان کانفرنسوں کے اجرائے کار میں پہلے ہی سے بہت کچھ دقتیں حائل ہو رہی تھیں اور اب اس وجہ سے اور بھی زیادہ مشکلیں پیدا ہوگئیں کہ مغربی تیراس میں مسلمانوں نے بغاوت برپا کر دی۔ باغیوں نے اپنے لئے ایک علحدہ صوبہ داری حکومت قائم کر لی تھی، جس کا صدر مرکز گومول جینا میں تھا۔ یہی وہ صورت حال تھی جس نے باب عالی کو مریزہ کے سیدھے کنارے کی زمینوں کے متعلق مطالبات

پیش کرنے پر اکسایا تھا۔ بہرحال ۱۸ ستمبر کو بیشتر مسائل کا تصفیہ ہوگیا جس معاہدۂ صلح میں جدید سرحدوں کا تشخص کیا گیا تھا اس پر دستخط ثبت ہو چکے تھے اور اس معاہدۂ صلح کے اس ضمیمے کا مسودہ بھی دونوں فریقوں کے فوجی نمایندوں نے مرتب کرلیا تھا۔ بلغاریوں نے تمام شرائط کو منظور کرلیا تھا۔ انھوں نے ادرنہ قرق قلعہ سی، ڈموتیکا سے دست برداری دے دی اور اس طرح مریزہ کا تمام دایاں کنارہ ترکوں کے حوالے کر دیا۔ یہ علاقہ مندرہ سے شروع ہو کر ڈموتیکا کے جنوب و مغرب میں (۲۵) کلومیٹر تک پھیلتا ہوا مصطفےٰ پاشا کے جنوب میں دو کلومیٹر تک وسیع تھا۔ ترک شرمات پر قابض رہے۔ سرحد قدیم ترکی اور بلغاری سرحد سنجک تا جیلر کی پیروی کرتی ہوئی ٹھیک مشرق کی طرف مڑ کر اسینا کے ساتھ ساتھ موضع سیان استیفانو تک گئی تھی، جو بحر اسود پر ترکی نواجمک کے مغرب میں واقع ہے۔ ایک قسم کی تالیف قلب کے طور پر بلغاریوں کو بحر اسود کے ساحل پر بعض ایسے اضلاع دے دئے گئے، جہاں ان کو اکثریت حاصل تھی لیکن اسی کے ساتھ ان کو ادرنہ اور دیدغاچ ریلوے لائن کا یا کم سے کم اس کے بالائی حصے اور دیدغاچ کا نقصان برداشت کرنا پڑا۔ اس کو دراصل بحر ایجین پر وسطی بلغاریہ کا ایک حصہ شمار کیا جانا چاہئے تھا۔ اس قطعے کے بلغاریہ کے ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے اس کی معاشی ترقی اپنے آغاز ہی میں خاک میں مل گئی اس لئے کہ پہاڑوں میں ریلوے لائن کے تعمیر کرنے سے بے شمار اخراجات لاحق ہوتے ہیں۔

ان امور میں بھی، جن کا تعلق تیراس اور مقدونیہ کے ان اضلاع کے باشندوں کی قومیت سے تھا جو بلغاریہ کو دے دئے گئے تھے، ترکی مطمح نظر کو غلبہ حاصل رہا۔ ان باشندگان زیر بحث کو چار سال کی مہلت اس لئے دی گئی کہ وہ اس اثنا میں اپنے لئے کسی قومیت کا انتخاب کرلیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی طے ہوگیا کہ اس چار سال کی مدت میں ان کو عثمانی رعایا سمجھا جائے گا۔ اور یہ کہ اگر اس مدت کے منقضی ہو جانے پر کسی نے اپنے لئے کسی قومیت کا انتخاب نہیں کیا تو ترکی اس کو بلغاری رعایا تصور کرے گی۔ ان علاقوں کے اصلی باشندے، جو سلطنت کے ایک صوبے میں سکونت رکھتے تھے، حسب سابق عثمانی رعایا تسلیم کر لئے گئے۔ اسی طرح یہ بھی تصفیہ ہوگیا کہ دوسرے لوگ بھی جو سلطنت کے کسی صوبے کے باشندے ہوں، اپنی عثمانی قومیت کو اس صورت میں بھی برقرار رکھیں گے کہ ان کے مسکونہ صوبوں کو بلغاریہ کے حوالے کر دیا جائے۔ یہ حقِ انتخاب شخصی تھا اور باپ کو یہ اختیار حاصل

نہیں تھا کہ وہ اپنے خاندان کے لئے انتخاب کر سکے نابالغ بالغ ہو جانے پر اپنے لئے انتخاب کرنے تھے "

ترکی کے جنگی قیدیوں کے متعلق بلغاریہ نے یہ مطالبہ کیا کہ ان پر جو اخراجات ہوئے تھے وہ ترکی ادا کرے۔ ترک صرف افسروں کے اخراجات برداشت کرنے پر راضی ہو گئے اور سپاہیوں کے اخراجات کے مطالبے کو انھوں نے مسترد کر دیا۔ ترکوں کی طرف سے اس امر کا اظہار کیا گیا کہ بلغاریہ کو اس معاملے میں اپنے کو خوش قسمت سمجھنا چاہیئے کہ ان قیدیوں کے متعلق کسی قسم کے تاوان کا مطالبہ نہیں کیا جا رہا ہے، جو اس کی قید میں ہلاک ہو گئے تھے۔ سعارنت کے متعلق عدالت ہیگ سے استفتا کیا گیا۔

اب صرف اوقاف، مفتیوں اور مسلم فرقوں کے متعلقہ مسئلے کا تصفیہ باقی رہ گیا تھا۔ ایک سرکاری مراسلت میں جو ۲۵ کو شائع ہوئی یہ بیان کیا گیا کہ :- "یکشنبہ کے اجلاس کے لئے صرف اوقاف کا مسئلہ باقی رہ گیا ہے، جس کو یقیناً توضیح کے ساتھ طے کر لینا چاہیئے۔ اس مسئلے کے تصفیے کے بعد آئندہ ہفتے کے شروع میں معاہدۂ صلح پر دستخط کئے جا سکتے ہیں "

یہ نہایت ہی پیچیدہ مسئلہ تھا اور اگر بلغاری ترکوں کے تمام مطالبات کو جنھیں وہ قلیل ترین مطالبات سے تعبیر کرتے تھے، تسلیم کر لینے پر تیار نہ ہوتے، تو اس کی بنا پر صلح کی گفت و شنید میں بہت کچھ رخنے پڑ جاتے۔ بلغاریہ والوں نے اصولی حیثیت سے مسئلۂ وقف کے متعلق اپنی رضامندی کا پہلے ہی سے اظہار کر دیا تھا۔ اوقاف کی آمدنی بلغاریہ کے جدید علاقے کے ادارات مقدسہ کے قیام میں صرف کی جاتی تھی اور تصفیہ یہ ہوا تھا کہ سنہ ۱۹۰۹ء کے ترکی اور بلغاری معاہدے کی پابندی کرتے ہوئے مسلم جماعت ان کا انتظام کرے گی۔ جس امر کے متعلق اختلاف تھا، وہ یہ تھا کہ معاہدۂ زیرِ بحث میں بلغاری حکومت کے حق نگرانی کو تسلیم کیا گیا تھا اور ترک یہ چاہتے تھے کہ بلغاریہ جدید میں اوقاف کی نگرانی کا حق قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام کو حاصل ہونا چاہیئے۔ اوقاف کی ابھی دو قسمیں اور بھی باقی تھیں (۱) مضبطہ، جو اناطولی کے خیراتی کاموں کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا اور (۲) مستثنے، جو خیرات عامہ کے اخراجات کی کفالت کے لئے مخصوص تھا۔ سنہ ۱۹۰۹ء کے معاہدے میں بلغاریہ قدیم کے مستثنے کا اس طرح لحاظ کیا گیا تھا کہ اس معاملے کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن کا قیام عمل میں آیا تھا، جو تین سال کے اندر اپنی رپورٹ پیش کر دینے والا تھا۔

اس کمیشن نے، جس کا کام ترکی اور بلغانی جنگ سے پہلے ہی ختم ہو جانا چاہیئے تھا، اب تک آخری نتائج اخذ نہیں کئے تھے۔"

۲۹ ستمبر کو صلحنامے پر دستخط ثبت ہو گئے۔ معاہدۂ قسطنطنیہ نے بلغاریہ کے مسلم فرقوں کو ایک ایسی حیثیت عطا کر دی، جس نے ایک حیثیت سے انھیں ریاست میں ایک اور ریاست کا مرتبہ حاصل ہو گیا۔ اس معاہدے سے انھیں نہ صرف عیسائیوں کے ساتھ کامل مساوات ہی حاصل ہو گئی بلکہ شخصی مراتب کا جس حد تک تعلق ہے وہ بجائے بلغاری قانون دیوانی کے قانون شریف کے بھی ماتحت ہو گئے مسلم فرقوں کے صدر مفتیوں کا انتخاب خود مسلمان کرتے تھے اور یہ مفتی اپنی باری پر صدر مفتی کو نامزد کرتے تھے، جس کی توثیق قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام کی طرف سے ہوتی تھی اور جس کو مدارس اور خیراتی اور مذہبی ادارات پر اقتدار حاصل ہوتا تھا۔ بلغاریہ کے مسلم مدارس کے اخراجات جن کو اب تک خانگی تصور کیا جاتا تھا، اب ریاست پر عائد کر دیئے گئے۔ اوقافی جائدادوں کے انتظام کے متعلق یہ تصفیہ ہوا کہ وہ شریف کے قانون اور ارشاد کے مطابق نافذ کیا جائے گا۔ کسی اوقافی جائداد کو اس وقت تک منتقل نہیں کیا جا سکتا تھا جب تک کہ بلحاظ جائے وقوع اتنی ہی مالیت کی زمین اس کے معاوضے میں نہ دی جائے اور مکان کی تعمیر کے مصارف نہ ادا کئے جائیں۔"

اس موقع پر فقرہ ۱۹ کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے، جس کے آخر میں یہ تحریر کیا گیا ہے کہ:۔ "معاہدۂ لندن کے فیصلہ جات ان امور کے متعلق جن کا امپیریل آٹومان گورنمنٹ اور رائل بلگیرین گورنمنٹ سے تعلق ہے اسی حد تک برقرار رہیں گے کہ آیندہ بحث و تمحیص سے ان میں کسی قسم کی ترمیم و تنسیخ نہ کی جائے۔"

عثمانی حکومت کی طرف سے اس امر کا اعلان ہو جانے پر کہ وہ معاہدۂ لندن کو تسلیم نہیں کرتی، یہ ضابطہ صرف کاغذ کا ایک پھٹا ہوا ٹکڑا باقی رہ جاتا ہے۔ لیکن اب بلغاریہ کے ساتھ معاہدہ کر کے باب عالی نے معاہدۂ لندن کے اثبات کی تصدیق کے ذریعے سے اپنے کو خود ہی جھوٹا ثابت کر دیا۔ ترکوں کے مقابلے میں بلغاریوں کے صلح جویانہ اور عاجزانہ طرز عمل سے ہر شخص کو حیرت تھی۔ اس حالتِ درماندگی کو شاہ فردیننڈ کے جنگ سے پہلے کے اس عظیم الشان اعلان سے کس طرح مناسبت دی جا سکتی ہے،

جس میں اس نے اپنی رعایا کو صلیبی جنگ کی دعوت دی تھی اور اپنے لئے ارنِ ثانی کے اس قدیم نعرۂ جنگ کو اختیار کیا تھا کہ "خدا کا یہی منشا ہے"۔ بہر حال التوائے جنگ کے بعد سے جس کو انھوں نے نہایت حماقت سے کام لے کر ترکوں کے مقابلے میں منظور کر لیا تھا، بلغاریوں نے جو پالیسی اختیار کی تھی، وہ بالکل بعید القیاس معلوم ہوتی تھی۔ اس راز کا انکشاف روسی مداخلت سے ہو جاتا ہے، جس نے فتحمند بلغاری فوج کو اپنی فتوحات کے سلسلے کو جاری رکھنے سے روک دیا تھا اور خطوط شتلجہ پر قابض ہو جانے کو قطعی ممنوع قرار دیدیا تھا۔ فوجی جماعت، جو غالباً آسٹریا کی امداد پر پھولی ہوئی تھی، سربیہ اور یونان کو نقصان پہنچا کر مقدونیہ میں اپنا معاوضہ حاصل کرنا چاہتی تھی، جہاں دو سابق حلیفوں میں ایک مجرمانہ اور برادر کش لڑائی جاری تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نستیر، جو سربیہ کے حوالے کر دیا گیا تھا ایک بلغاری اور رکوزو ویلائش قصبہ ہے، جہاں آدھی درجن سرب النسل لوگ بھی سکونت نہیں رکھتے لیکن سربیہ کو اس قصبے کے لئے اپنے تمام عظیم الشان نتائج محصلہ کو جوکھم میں ڈالنے سے پہلے دوبارہ اس مسئلے پر غور کر لینا چاہئے تھا۔ یونان اور سربیہ کے خلاف لڑائی نہایت ہی برے طریقے پر شروع کی گئی تھی کیونکہ سیاسی اختیاجات نے جنگی ضروریات پر اولیت حاصل کر لی تھی۔ اس لڑائی کا بلغاریہ پر بہت برا اثر مترتب ہوا تھا اور یہی وجہ تھی کہ اس نے یونان کے خلاف ترکوں سے اتحاد کر لینا چاہا۔ ام نے جی وچ کی سفارت کا مقصد یہ تھا کہ ترکی اور بلغاریہ کے مابین ایک معاہدہ طے کر لیا جائے، جس کی قیمت یہ تھی کہ بلغاریہ خط استفنیم کی صورت میں اینانز اور میڈیہ کی سرحد کا تخلیہ کر دے اور اس سرحد کو تسلیم کر لے، جو مریزہ اور ارغنی کے ساتھ آگے بڑھتی ہے۔ ترکوں نے اپنی تمام فوجوں کو ادرنہ کی طرف بڑھا کر بلغاریوں کو دھوکا دیا۔ ترکوں کو معلوم تھا کہ ادرنہ کی مدافعت نہیں کی جائے گی اس لئے کہ ترکی کے خلاف جنگ کی تجدید کر کے بلغاری یونان سے انتقام لینے کی امید کو منقطع کرنا نہیں چاہتے تھے۔

شتلجہ کے قبضے کے متعلق روس کے امتناع سے، جس کا سینٹ پیٹرس برگ میں اقرار نہیں کیا جا سکا، بلغاریہ کی اس گردش منقلب کی تشریح ہو جاتی ہے، جو روسی محور پر آسٹریا کی جانب گردش کرنے سے رک گئی۔ اس نے صرف اس امداد کی

قوت کے متعلق وہ خواب دیکھا تھا جو اس کے خیال میں یہاں سے اس کو حاصل ہونے والی تھی۔ اس واقعے سے یہ بات بھی سمجھ میں آسکتی ہے کہ روسی جرائد اور بعض پان سلیوسٹ اخبارات نے بلغاریوں پر کس لئے حملہ کیا تھا اور کیوں ان کے مظالم کے تمام قصوں کو شائع کیا تھا، جو قسطنطنیہ سے ان کے پاس بھیجے جاتے تھے۔ روس کو یقیناً اس امر پر اصرار تھا کہ کوالا (Kavaila) بلغاریوں کے حوالے کر دیا جائے لیکن اس رسمی مداخلت سے ان کے نزدیک اس اخلاقی امداد کا، جو سربیہ کو دی گئی تھی اور روس کی اس بے پروائی کا، جو مسئلۂ ادرنہ کے متعلق اس نے برتی تھی، کوئی معاوضہ نہیں ہوتا تھا۔ مقدونیہ کے بلغاریوں میں آرتھوڈاکس مذہب کو ترک کر دینے اور رومہ یا انگلستان کے کلیسا میں شریک ہو جانے کی جو تحریک پیدا ہوئی تھی، وہ روس کے خلاف اسی قدر غصے پر مبنی تھی، جتنی کہ فناریوں (Fanariote) اور یونانیوں کے خلاف نفرت پر۔

بلغاریہ کی طرف سے تمام قسم کی پریشانی سے آزاد ہو کر باب عالی نے اپنی توجہ یونان کی طرف مبذول کی۔ جولائی کے اختتام ہی سے ترکی اور یونان کے معاہدۂ صلح کے ضمیمے پر دستخط ثبت کئے جانے کے متعلق اثینا میں گفت وشنید کا آغاز ہو گیا تھا لیکن چونکہ دونوں فریقوں کو اتفاق نہیں تھا اس لئے ابھی تک گفت وشنید اپنے آغاز ہی میں تھی۔ مسائل مابہ النزاع حسب ذیل تھے:۔ سیاسی مراعات؛ اے کیومے نی کل (Ecumenical) پیٹریارک کے حقوق؛ جائداد وقف؛ حقوق شہریت؛ فوجی خدمت؛ یونانی جہازوں کا تاوان، جن کو جنگ سے پہلے ترکی نے ناجائز طریقے پر روک لیا تھا۔

حکومت اثینا کا یہ مطالبہ تھا کہ یونانی رعایا کو حوالگیوں سے اسی طرح استفادہ کرنا چاہیئے جیسا کہ ۱۹۱۲ء کی جنگ ترکی و یونان سے قبل تسلیم کیا گیا تھا۔ باب عالی نے یہ ظاہر کر کے کہ معاہدۂ کنلجہ میں، جس پر یونان کے مطالبات مبنی ہیں، اس امر کے متعلق وضاحت سے کام نہیں لیا گیا ہے، یہ اعلان کر دیا کہ ایسا کرنا ناممکن ہے۔ اسی سلسلے میں یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ حکومت عثمانیہ نے ہمیشہ حوالگیوں کے متعلق ان کے حقوق کی مخالفت کی ہے اور اگر کبھی انھوں نے اس سے استفادہ کیا ہے تو یہ ایک غلط عمل تھا، جسے ہرگز قانون نہیں بنانا چاہیئے۔ علاوہ بریں حوالگیوں کو دول عظمیٰ نے پہلے ہی سے

ناجائز قرار دے دیا ہے اور یہ طریقہ مسدود ہو جانے والا ہے۔
یونانی حکومت کی طرف سے مسلمانوں کی مذہبی آزادی، اوقاف کے انتظامات اور ان مقامات پر، جو یونان سے ملحق ہو گئے تھے، مسلمانوں کے شخصی مراتب کے قیام کے متعلق جو ضمانت دی گئی تھی، اس کے معاوضے میں اس کا صرف یہ مطالبہ تھا کہ معاہدے کے ایک فقرے میں ایکومینیکل پیٹریارک کے ان تمام حقوق کو ناقابل تنسیخ تسلیم کر لیا جائے جو محمد الفاتح نے عطا کئے تھے۔ باب عالی نے اس بنا پر اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ وہ کسی ایسے فقرے کے اضافے سے اتفاق نہیں کر سکتی کہ جس کی بنا پر ایک بیرونی ریاست کو ترکی کے داخلی امور میں مداخلت کا حق حاصل ہو جائے۔
یونان کو جو علاقے حوالے کئے گئے تھے، ان میں مسئلہ اوقاف سے جن چیزوں کا تعلق تھا، ان کے متعلق باب عالی کا یہ مطالبہ تھا کہ یونانی حکومت نے ۱۸۸۱ء میں تھسلی کے اوقاف کے انتظامات کے متعلق جن شرائط کو تسلیم کیا تھا، انھیں یونان کے نئے صوبوں میں بھی نافذ کر دیا جائے۔ گویا تمام تہدیہ شدہ جائداد کو، جو وقف کے نام سے موسوم ہو، مساجد اور دوسرے ادارات مقدس کی ملک تسلیم کر لیا جائے۔ ایتھنز کی کابینہ یہ چاہتی تھی کہ مساجد کے لئے صرف ان اوقاف کو چھوڑ دیا جائے، جو ان کے نام سے موسوم ہیں۔ بقیہ تمام اوقاف کی وہ خود دعویدار تھی۔ وہ باور کرتی تھی کہ بین الاقوامی قانون کے لحاظ سے یہ تمام مقامات یونانی ریاست کے قبضے میں آجاتے ہیں، جو عثمانی ریاست کی جانشین ہے۔ اگر یونان تھسلی میں اس امتیاز سے کام نہ لیتا تو یہ صوبہ جنگ کے ذریعے سے فتح نہیں ہوتا بلکہ دوستانہ طریقے پر حوالے کر دیا جاتا۔
علاقہ جات مفوضہ کے اصلی باشندوں کے متعلق باب عالی نے حق انتخاب کے لئے تین سال کی مہلت کا مطالبہ کیا، جس میں ان کو عثمانی رعایا تصور کیا جائے گا۔ یونانی حکومت نے صرف ایک سال کی مہلت منظور کی اور یہ خواہش کی کہ حق انتخاب مفتوحہ علاقے کے ہر باشندے کو بلالحاظ اس امر کے عطا کیا جائے کہ وہ کہاں مقیم ہے۔
یونان نے حکومت عثمانیہ کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ وہ اس کی مسلمان رعایا کو فوجی خدمت سے اس شرط کے ساتھ مستثنیٰ کر دے گی کہ ترکی کی یونانی رعایا کو بھی اسی قسم کا استثناء عطا کر دیا جائے۔ باب عالی نے اس مسئلے پر بحث کرنے سے بھی

انکار کر دیا۔ ایتھنا کی کابینہ نے اب یہ تجویز پیش کی کہ ترکی اپنی یونانی رعایا کی ایک خاص بٹالین قائم کرے اور یونان بھی اپنی مسلمان رعایا کے ساتھ یہی طریقے اختیار کرے جو ترکی ٹوپیاں پہنیں گے اور اپنی قومی روایات کو برقرار رکھیں گے۔ باب عالی نے پھر انکار کر دیا اس لئے کہ اگر یونانیوں کے لئے ایسا کیا گیا تو ارمینوں کے لئے بھی کرنا پڑے گا۔ حکومت یونان نے ترکی سے اس تمام یونانی رعایا کے لئے ایک عام معافی کا مطالبہ کیا، جو عثمانی فوج سے فرار ہو کر ادھر اُدھر چلی گئی تھی اور جس نے اپنے کو یونانی فوج میں بھرتی کرا لیا تھا۔ باب عالی نے اپنی غیر فوجی رعایا کو، جس نے یونانی فوج میں کام کیا تھا، معافی دیدینے پر رضامندی کا اظہار کیا مگر ان افسروں اور سپاہیوں کو معافی دینے سے انکار کر دیا، جو فرار ہو گئے تھے، اس لئے کہ اس عمل سے فوج کے انتظام پر برا اثر پڑتا تھا۔

سب کے آخر میں یونان نے اپنے ان تنو تجارتی جہازوں کی گرفتاری کے معاوضے میں تین ملین ترکی پاؤنڈ کا مطالبہ کیا، جن کو ایسے زمانے میں جب کہ ترکی اور یونان میں صلح تھی اور کامل پاشا ایک معاہدے کے انعقاد کی تجویز پیش کر رہا تھا ترکی نے بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کر کے ضبط کر لیا تھا۔ ترک کسی قسم کا تاوان دینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ انھوں نے بلند لب و لہجہ اختیار کر لیا۔ کیٹی کے ایک آرگن، "ترجمان حقیقت" نے متکبرانہ طریقے پر یونان کو یہ نوٹس دے دیا کہ اگر اس نے باب عالی کے مرتبہ صلحنامہ پر فوراً دستخط نہیں کئے تو ترکی بلغاریہ کے ساتھ اتحاد کر لے گی اور پھر یونانی خراب و خستہ ہو کر کوالا، سالونیکا اور جزائر ایجین کے استرداد پر مجبور ہو جائیں گے۔

اتحاد و ترقی کے آرگن نے تحریر کیا کہ "روس سلافیقیوں کا لحاظ کرتے ہوئے یونان کے خلاف ایک مشترکہ ترکی اور بلغاری فوجی نقل و حرکت کی مخالفت نہیں کرے گا بلکہ ممکن ہے کہ وہ اس میں خود بھی امداد کرے۔ اس قسم کے اشتراک عمل سے ہمارے لئے بہت کچھ فائدوں کے حاصل کرنے کا یقین پیدا ہو جائے گا۔ ہم صاف طور پر یہ کہے دیتے ہیں کہ ہم ایک ایسے اتحاد کے شریک ہیں، جو جزائر کے دوبارہ قبضے کو یقینی کر دے گا اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا تعلق اناطولی کے حیات و ممات سے ہے۔ یونان کو، جو اپنی شدید غلطیوں سے نہ صرف اپنے ہمسایوں ہی بلکہ نہایت ہی دوست رکھنے والی طاقتوں کو بھی اپنا مخالف بنا رہا ہے، سنجیدگی کے ساتھ اس مسئلے پر غور کرنا چاہئے۔

اس کو اس امر کا یقین پیدا کر لینا چاہئے کہ اس کی قسمت کا دارومدار باب عالی کی ایک جنبشِ زبان پر ہے۔ اگر وہ ترکی اور بلغاری اتحاد کو روکنا چاہتا ہے تو اس کو فوراً ہمارے واجبی مطالبات کو منظور کر لینا چاہئے"۔

باب عالی کا یہ منشا تھا کہ اس گفت و شنید میں جزائر ایجین کو بھی شامل کر دیا جائے۔ وسط ستمبر کے قریب بہرحال گفت و شنید منقطع ہو گئی۔ تعلقات میں کچھ اس قدر کشیدگی پیدا ہو گئی تھی کہ یونان نے اپنی فوجوں کے انتشار کو روک دیا اور ترکی نے سرگرمی کے ساتھ اسلحہ بندی شروع کر دی۔ ۲ اکتوبر کو طلعت نے یہ اعلان کیا کہ باب عالی کے پاس چار لاکھ آدمی تیار اسی میں جمع ہو چکے ہیں، جو ایک مہینے کے عرصے میں تمام تحقیقوں کو سلجھا دیں گے۔ بہرحال ایک نیا عثمانی نمایندہ ہرانت بے آبرو (Hrant-Bey-Abro) باب عالی کا مشیر قانونی ۳ تاریخ کو دوبارہ گفت و شنید کا آغاز کرنے کے لئے اتینا کو روانہ ہوا۔ چھ ہفتے کی شدید محنت کے بعد، جس میں استنبولی جرائد یونان کے خلاف متواتر اہانت آمیز مضامین شائع اور تجدید جنگ کا مطالبہ کرتے رہے، ۱۴ نومبر کو آدھی رات کے کچھ بعد صلحنامہ پر دستخط ثبت ہو گئے۔ معاہدہ اتینا ترکوں کے حق میں مفید تھا۔ یہ ایک نہایت ہی تعجب کی بات ہے کہ یونان نے بعض ایسے امور کو منظور کر لیا، جن کو اس کے جرائد اور مدبرین نے ہمیشہ ناقابل قبول بتایا تھا۔ چنانچہ فقرہ ۲ کی رو سے، جس میں سیاسی تعلقات کے منقطع ہوتے ہی موجودہ معاہدات کے نفاذ سے بحث کی گئی تھی، یونان کو حوالگیوں کے متعلق ویسے ہی محدود اختیارات حاصل ہوئے، جیسے کہ ۱۸۹۷ء کے قونصلی معاہدے سے ہوئے تھے۔ شہریت کے متعلق بھی عثمانی مطمح نظر کو فوقیت حاصل رہی (فقرہ ۴) سلطان اور شاہی خاندان کی ذاتی املاک نیز علاقہ مفوضہ کے باشندوں کے حقوق املاک و مقبوضات کے متعلق بھی باب عالی کو کامیابی ہوئی۔ (فقرات ۶ و ۷)۔ سب سے زیادہ جس مسئلے پر بحث ہوئی وہ اس جائیداد سے متعلق تھا، جو عبدالحمید کی سول لسٹ کے ذریعے سے حاصل کی گئی تھی اور جس پر سلطنت عثمانیہ نے اس لحاظ سے قبضہ کر لیا کہ سابق سلطان نے اس کو غصب کر لیا تھا۔ یونانی ریاست ان کی اس لحاظ سے دعویدار تھی کہ اس کے نزدیک وہ عام جائدادوں کی حیثیت رکھتی تھیں۔ اس مسئلے کے متعلق عدالت ہیگ کی رائے

طلب کی گئی۔ (پروٹوکول ۲) ان کے علاوہ حسب ذیل مسائل کا بھی تصفیہ ہو گیا۔ جون کے عثمانی جنگی قیدیوں کی کفالت (فقرہ ۸) اعلانِ جنگ سے یونانی جہازوں کی گرفتاری (فقرہ ۹) تسخیر سالونیکا کے سلسلے میں مال غنیمت کے متعلق بعض فقروں کی تعبیر (فقرہ ۱۰) یونان میں اسلامی فرقوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک روا رکھا گیا جیسا کہ معاہدۂ قسطنطنیہ کی رو سے بلغاریہ میں کیا گیا تھا۔ اوقاف کے مسئلے میں بہرحال یونان کو فتح ہوئی۔ باب عالی نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ان املاک کا انتظام قسطنطنیہ کی وزارت اوقاف کا ایک نمایندہ انجام دے مگر یونان نے اس امر پر زور دیا کہ خود اسلامی فرقے ہی ان کا انتظام کریں۔ چنانچہ اسی نظریئے کو فتح حاصل ہوئی اور یہی حال اوقافی عشر کی تنسیخ کا ہوا (فقرہ ۱۲)۔

اب صرف سربیہ اور مانٹی نیگرو کے ساتھ صلح ہونی باقی تھی لیکن ام پیغلوفش اور حکومت عثمانیہ کے مابین گفت و شنید کا سلسلہ ابھی تک برابر جاری تھا۔ سربیہ ایک ایسے علاقے کے ذریعے سے ترکی سے ملحق تھا کہ جس میں ایک بھی سربی باشندہ آباد نہیں تھا۔ لہٰذا اس نے مسلمانوں کے ساتھ وہی سلوک روا رکھنے سے انکار کر دیا، جو بلغاریوں اور یونانیوں نے روا رکھا تھا[۱]۔ اب رہی ترکی اور مانٹی نیگرو کی صلح تو بعینہ اسی قسم کی تھی، جیسی کہ ترکی اور سربیہ میں طے پائی تھی۔

لیکن نہ تو معاہدۂ لندن ہی میں جس کو ترکوں نے تسلیم نہیں کیا تھا، اور نہ معاہدۂ قسطنطنیہ یا معاہدۂ اتھینا میں مقدونیہ اور مشرقی تھریس سے عثمانی تسلط کے اٹھا دینے کے متعلق کوئی تصفیہ کیا گیا تھا۔ ترکوں کے لئے تینوں معاہدوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی۔ عثمانی حکومت انتقام کی تیاری کرتی ہے اور وہ شخص بڑا ہی احمق ہوگا، جو ثبوت کو تسلیم نہ کرے۔ معاہدۂ اتھینا پر دستخط ثبت ہونے سے پہلے ترکی جرائد نے اپنے طرز عمل کو ترک کر کے یہ اعلان کر دیا کہ اگر جزائر ایجین ترکی کو نہیں دیئے گئے تو یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں ہوگی۔ ۱۴ نومبر کے بعد یونان کے خلاف جنگی جذبات میں از سر نو دگنی شدت پیدا ہو گئی۔ یورپ کے اس تصفیے نے کرٹنی ڈانز: امبراز: اور کیسٹی لوریزو کے علاوہ بقیہ تمام

۱۔ اس مسئلے پر بالآخر دونوں فریق متفق ہو گئے۔ اور صلحنامہ پر ۱۴ مارچ کو دونوں نے دستخط کر دیئے۔

جزیرے یونان کو دیدئے جائیں، ترکی کو انتہائی درجے تک گرا دیا۔ استنبولی جرائد نے یونان کے خلاف جنگ کی لگا تار تلقین شروع کر دی اور ان کے شائع شدہ مضامین پر اس وجہ سے اور بھی زیادہ غور کرنا چاہئے کہ ان کو لڑائی کے متعلق القا ہوا تھا۔ اسی دن سے جس دن سے کہ ترکی اور بلغاریہ میں صلح ہوئی استنبول نے یونان کے خلاف بلغاریہ کے ساتھ اتحاد کا سوال اٹھا دیا تھا۔ بہر حال بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے اس کے متعلق سب سے پہلے بلغاریہ کی طرف سے بعض تجاویز پیش کی گئی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ معاہدۂ صلح پر دستخط ہو جانے کے بعد بھی جنرل سیغاف کچھ مدت تک قسطنطنیہ میں ٹھہرا رہا۔ صوفیہ کے حالات اس موقع پر اتحاد کے موافق نہیں تھے۔ آج بہر حال دونوں حکومتیں باور کرتی ہیں کہ ان میں اتحاد قائم ہو سکتا ہے کیونکہ اس معاملے کے متعلق خفیہ طور پر گفت و شنید کی جارہی ہے۔ فتحی بے، ترکی سفیر متعینہ صوفیہ ۲۰ جنوری ۱۹۱۴ء کو قسطنطنیہ آیا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ بلغاری حکومت کی طرف سے بعض جامد تجاویز لے کر آیا تھا۔"

تمام واقعات کو پیش نظر رکھ کر اس امر کے متعلق جس حد تک قیاس قائم کیا جا سکتا ہے، اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ترکی یونان سے لڑائی کی تیاری کر رہی ہے۔ اس کو صرف اپنے ڈریڈ ناٹ، ریو ڈی جینیرو کا انتظار ہے، جو اس نے انگلستان سے خریدا ہے اور جس سے اس کی بحری فوقیت متیقن ہو جائے گی۔ اس ڈریڈ ناٹ کے آتے ہی وہ اپنے بیڑے کو مجتمع کرلے گی۔ کون جانتا ہے کہ واقعات کے حدوث میں عجلت واقع نہیں ہوگی؟ یورپ نے اپنی بے بسی کو ثابت کر دیا ہے۔ ترکی تنہا یونان کے ساتھ اپنے معاملات کا تصفیہ کر لینا چاہتی ہے۔ اس کو جزائر کی ضرورت ہے اور ان کو حاصل کرنے کے لئے وہ بلغاریہ کی امداد سے لڑائی چھیڑ دے گی۔ حکومت عثمانیہ کے سرکاری آرگن صاف طور پر یہی کہہ رہے ہیں۔ ۱۹ جنوری ۱۹۱۴ء کا ترجمان رقمطراز ہے کہ: "یونان کا یہ مطالبہ کہ جزائر پر اس کے قبضے کی دول ضمانت کریں ایک شرمناک واقعہ اور ایک آئندہ شکست کا علی الاعلان اظہار ہے۔ یونان اب ایک نئی لڑائی اور شکست کے احتمال کا اقرار کرتا ہے، جس کے آگے اسے یقیناً سر تسلیم خم کر دینا چاہئے۔" ۲۰ جنوری کے طنین میں ترکی اور بلغاریہ کے اشتراک عمل

کو تسلیم کیا گیا ہے۔ "جس حد تک ان طاقتوں کا تعلق ہے، جن کو ایک عام لڑائی کے
واقع ہو جانے کا خطرہ ہے وہ باہمی مراعات کے ذریعے سے اپنے اختلافات کو
مرتب اور اپنے مناقشات کو ہمارے سمندروں میں غرق کرکے اس کو ٹال دینا چاہتی
ہیں۔ یہی وہ طریقہ ہے، جس سے کہ اتفاق ثلاثہ جنوبی البانیہ کی سرحد کے متعلق
اتحاد ثلاثہ کو اور اتحاد ثلاثہ، جو اپنی ہر دلعزیزی میں پیچھے نہیں رہے گا، جزائر کے
متعلق اتحاد ثلاثہ کو اطمینان دلا رہے ہیں۔ لہٰذا ہم یہ پوچھتے ہیں کہ کیا کسی ایسے
رشتۂ ہدایت کا تلاش کر لینا ممکن نہیں ہے کہ جو صوفیہ کو استنبول سے ملا دے؟ بلغاریہ
کی آنکھیں ہمیشہ مقدونیہ کی طرف لگی رہی ہیں، جس کو وہ بھول نہیں سکتا۔ ترکی کے
لئے صرف جزائر کو ترکی مقدونیہ تصور کر لینا باقی ہے اور یہی وہ رشتۂ ہدایت ہے،
جو دونوں ریاستوں کو ایک دوسرے سے وابستہ کر دے گا اور ان کو انتقام کی گھاٹیوں
میں ڈھکیل دے گا۔ بہ الفاظ دیگر ترکی کے قلب پر جو زخم لگایا گیا ہے، وہ ہماری
کوششوں کے باوجود ہمیں ایک ایسے راستے پر ڈال دے گا، جو امن عامہ کے منافی ہے،
لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہ کس کا قصور ہے؟ ۔ .... ترکی کو وہ تلخ تجربے
اچھی طرح یاد ہیں، جو اس کی شکست کے بعد اس نے حاصل کئے ہیں۔ ان مساعی
میں، جن سے ہم کل کام لینے والے ہیں ہم دول کے ۱۹۱۲ء کے تحائف کو کبھی فراموش
نہیں کریں گے۔ عثمانیت اور اسلامیت نے اس واقعے کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا ہے
کہ دنیا کی آنکھوں میں اپنا ایک حق قائم کرنے کے لئے، صرف ایک ہی ایسا طریقہ ہے،
جس کی پیروی کی جا سکتی ہے۔ بدقسمتی سے یہ طریقہ دردناک ہے لیکن ہم اس کی
پیروی کر رہے ہیں"۔

۲۲ کو حسین جاہد نے طنین میں یہ تحریر شائع کی: "اگرچہ دول نے باب عالی
پر یادداشتوں، زبانی اور دوسری قسموں کے نوٹس کے گولے برسا دئے ہیں، لیکن
ان مٹی لین اور خیوس کے یونان کو دیدینے کے متعلق ترکی کی رضامندی کبھی حاصل
نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ترکی اور یونان کے تعلقات ایک لڑائی سے شروع ہوتے ہیں،
جو بظاہر ناممکن التصفیہ معلوم ہوتی ہے۔ یہ لڑائی کس طرف رہبری کرے گی؟
اس وقت اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے لیکن باب عالی اور عوام کی رائے کا استقلال

اور قابلیت کو پیش نظر رکھ کر اس کے متعلق پیش بینی کرنا اتنا مشکل نہیں ہے۔
یہ درست ہے کہ دول نے اس مسئلے کا اپنے مطمح نظر کے مطابق تصفیہ کیا ہے۔
لیکن یونان اور ترکی کے مابین ابھی اس کے متعلق کوئی تصفیہ نہیں ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ باب عالی کو اور اسی طرح یونان کو اپنی باری پر متحدین کی تلاش ہو لیکن اس قسم کی پیچیدگیوں کا وقوع ہونے سے پہلے دیکھنا یہ ہے کہ مدبرین کی چالاکیاں اور نیک خواہشات کیا کر سکتی ہیں"؟

"تصویر افکار" نے ظریفانہ پیرائے میں یہ سوال کیا ہے، "کیا دول ترکی حملے کے مقابلے میں صرف مٹی لین اور شیو کی حفاظت کریں گی یا تمام یونان کی؟ اس اثنا میں کہ مٹی لین اور شیو کی حفاظت کی جا رہی ہو اگر یونان سے سالونیکا اور کوالا کو چھین لیا گیا تو پھر کیا ہوگا؟ اگر قندیہ اور لوبیہ پر قبضہ کر لیا گیا دول کیا کریں گی؟...."

"ترجمان حقیقت" کا بیان ہے کہ: "اس کی کچھ پروا نہیں کہ کیا کچھ کہا جا رہا ہے۔ نتیجہ یہی ہوگا کہ ہمارے اور یونان کے مابین حساب فہمی ہو جائے گی"۔
"اگر عثمانی افواج ادرنہ کو نہ چلی گئی ہوتیں تو خط اینا زومیڈیہ اب تک ہماری سرحد بنا رہتا۔ آج اگر ہم میں استحکام ہے تو جزائر کے متعلق دول کے تصفیے کو ہم غیر اہم تصور کر سکتے ہیں۔ جس دن ہم ایک مسلمہ واقعے کو محسوس اور اپنے حقوق کو دوبارہ حاصل کر لیں گے تو یہ فیصلہ خود بخود کالعدم ہو جائے گا۔ باب عالی نے یہ اعلان کر دیا ہے کہ وہ اس فیصلے کو کالعدم تصور کرتی ہے۔ لہٰذا اس کو اپنے حقوق کو منوانے کے لئے لازمی طور پر ضروری فوج کو تیار کر لینا چاہئے"۔

ایسے اقتباسات، جو پہلے سے زیادہ پر معنی ہوں، کثرت کے ساتھ درج کئے جا سکتے ہیں بالخصوص اس حالت میں کہ کسی کو حکومت کا وہ امتناعی حکم یاد ہو، جس میں اس نے جرائد کو اس امر کی ہدایت کی تھی کہ وہ سیاسی مسائل سے کوئی تعلق نہ رکھیں۔ اور پھر اس کے باوجود اس نے کمیٹی کے اخبارات کو اجازت دے دی تھی کہ وہ یونان کے خلاف جنگ کی فوری ضرورت کا اعلان کریں اور ترکی کی یونانی رعایا کے خلاف عوام کے جذبات کو بھڑکا دیں۔ ترکی حکومت نے، جو فرانس سے قرضہ لینے پر مجبور تھی، حکمت عملی سے کام لے کر اپنے کو صلح پسند ظاہر کر دیا۔ اس طریقے پر اس نے اپنی ۱۴ فروری ۱۹۱۴ء کی یادداشت میں دول کے اس فیصلے کے خلاف

محض ایک رسمی احتجاج کیا تھا کہ ٹینی ڈاز؛ امبرا ز؛ اور کیسٹی لو ریزو کے علاوہ تمام جزائر یونان کے حوالے کر دئیے جائیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان تمام باتوں کے باوجود ترکی حکومت جزائر کو دینا نہیں چاہتی تھی اور اس نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ ایک مفید پیرائے میں خود یونان سے اس معاملے کا فیصلہ کر لے گی۔

یہ سوال کہ جزیرہ نمائے بلقان کس کی ملک تھا تصفیہ طلب ہی رہا۔ ایک طرف ترکی اور غالباً بلغاریہ تھے اور دوسری طرف یونان اور یقیناً سربیہ تھے، جن کی امداد پر بشرطیکہ قرائن صحیح ثابت ہوں، رومانیہ بھی تھا۔ اس مشرقی ڈرامہ کا اب صرف آخری ایکٹ باقی رہ گیا تھا۔

ترکی کی موجودہ حالت

نسلی اعتبار سے

معاہدۂ برلن کے بعد یورپین ترکی ۔ ایجین سواحل ۔ ترکی اِن ایشیا۔ ایشیائے کوچک۔ دریائے فرات اور دریائے دجلہ کی گھاٹیاں ۔ شام اور عرب ۔ آبادیاں اور مذاہب۔ ترکی گروہ: عثمانی ؛ ترکمانی ۔ لاطینی دیونانی، لاطینی ۔ سلافیتی گروہ: بلغاری؛ قزاق (Cossaks) گرجستانی گروہ، چرکس، لز۔ ہندی گروہ چنغانی (Tchinghanies) فارسی گروہ، ارمنی کرد۔ سامی گروہ، دروزی (Druses) عرب، مرونی (Maromites) متولی، اسمٰعیلی، یزیدی، کلدانی اور شامی؛ یہودی۔

معاہدۂ برلن کے بعد یورپ میں ترکی کی حیثیت

سلطنت عثمانیہ پر جس پہلو سے بھی نظر کی جائے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی امتیازی

خصوصیت اتحاد کا کامل فقدان اور اجتماعی زندگی کے ظاہری معمولی اسباب بھی موجود ہیں۔ جغرافیائی نقطۂ نظر سے ترکی تین غیر مساوی حصوں پر منقسم ہے، جو دنیائے قدیم کے تین مختلف حصوں میں واقع ہیں اور جن کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ یورپ اور افریقہ میں ان کی کوئی قدرتی حد نہیں ہے۔ علم نسل انسانی کے لحاظ سے ترکی میں مختلف قوموں اور قومیتوں کا جو ایک دوسرے کی بالکل ضد ہیں، مختلف مذاہب اور عقائد کا، جو ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں اور مختلف رسم و رواج کا، جن میں التیام و یکسانی قطعی ناممکن ہے، ایک حیرت انگیز طوفانِ بے تمیزی مچا ہوا تھا اور اب تک مچا ہوا ہے۔ سیاسی نقطۂ نظر سے ترکی کی بنیاد چونکہ فتوحات پر قائم ہوئی تھی۔ اس لئے اس کو کبھی یہ ڈھنگ نہیں آیا کہ مغلوب و مفتوح قوموں کو کس طرح اپنی قوم کے ساتھ ملا جلا لیا جائے۔ اس نے ان لوگوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جیسا کہ ہیلوٹس کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ ترکی کی ایک سیاسی اصطلاح سے بڑھ کر کبھی کوئی حیثیت نہیں ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ جس دن فتح و نصرت نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اسی دن اس کے حصے بکھرے ہو جائیں گے اور اس ناگزیر لمحے کا انتظار شروع ہو جائے گا۔ جب کہ وہ قطعی طور پر فنا ہو جائے گی۔"

بحیرۂ روم کے تقریباً تمام سواحل افریقہ پر قابض ہو جانے اور یورپین سرحدوں کو تھیس (Theiss) تک فتح کر لینے کے بعد، سلطنت عثمانیہ نے اپنی اپنی فتوحات کا بڑا حصہ رفتہ رفتہ ہاتھ سے کھو دیا ہے۔ افریقہ میں اس کے پاس کچھ باقی نہیں رہا ہے۔ یورپ میں سواحل بحر اسود پر اس کا نہایت ہی ضعیف سا قبضہ باقی ہے اور بحر ایجین پر اس کے قبضے میں صرف ایک دوسرے درجے کا بندرگاہ یعنی بندر اینائز (Enos) ہے۔

سواحل بحر ایجین

تیراس، جس کو ترک رومائلی کہتے ہیں، اگرچہ یہ رومائلی کی پاشلک عظمیٰ (Pashalik) کا ایک حصہ ہی ہے، صرف مریزہ (Maritza) کے نشیبی مجرا پر مشتمل ہے۔ اس کے شمال میں بلغاریہ ہے۔ مغرب میں بلقانی پہاڑوں کا ایک وسیع

سلسلہ، روڈپ (Rhodope) ہے، جو بحر ایجین تک پھیلا ہوا ہے۔ مشرق میں بحر اسود اور کوہ استرانجہ (Strandja) ہے اور جنوب میں ماہورہ اور تکیر داغ (Tekir Dagh) ہے، جس کے شواخ سے جزیرہ نمائے گالیپولی کے قالب کی ترکیب و تعمیر عمل میں آئی ہے اور جس کے شمالی حصوں سے کوہ استرانجہ کی شاخوں کے ساتھ مل کر جزیرہ نمائے قسطنطنیہ بنا ہے۔ ان حدود کے باہر ترکوں کے قبضے میں صرف مشرقی تیراس باقی ہے، جس کی حد مریزہ پر ختم ہوتی ہے۔ مریزہ (جس کو قدما ہیبرا کہتے تھے) روڈپ سے نکل کر مصطفےٰ پاشا کے آگے ترکی علاقے میں داخل ہوتی ہے۔ ادرنہ کے مقام پر اس میں طنجہ اور اردہ (Tundja and Arda) ملتی ہیں اور پھر کچھ آگے بڑھ کر ارگنی (Erghen) بھی اس میں مل جاتی ہے۔ روڈپ کو شگاف تمپریغہ (Temprega gap) کے ذریعے سے صاف کرتی ہوئی دو مخرجوں سے سمندر میں جا گرتی ہے، جن میں سے ایک راست بحر ایجین میں گرتا ہے اور دوسرا خلیج اینا زمیں۔

مریزہ کا نشیبی مجرا یوروپین ترکی کا سب سے زیادہ دولتمند اور آباد علاقہ ہے اور اس کو سب سے زیادہ سیاسی اہمیت حاصل ہے۔ شمال کے علاوہ اس کے تینوں طرف یا تو اونچے اونچے پہاڑ ہیں، جن میں بہت تھوڑے اور دشوار گزار درے ہیں جو ایسی چٹانوں اور گھاٹیوں میں ہو کر گزرتے ہیں، جن پر وہ گھنے جنگل ہیں جہاں اب تک کسی کی رسائی نہیں ہوئی ہے یا سمندر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تھریس اس لحاظ سے کہ ایشیا سے قریب ہے اور اس میں بے شمار بندرگاہیں ہیں، تجارتی نقطۂ نظر سے نہایت ہی عمدہ مقام پر واقع ہے۔ بحر اسود کا زائد پانی ایک وسیع قدرتی نہر کے ذریعے سے، جو ایک (۱۳۰) میل طویل اور (۴۵) میل عریض مخرج کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور یہ مخرج بھی پھر ایک تنگ نہر میں بدل جاتا ہے، بحر ایجین میں منتقل ہوتا ہے۔

قسطنطنیہ کی آبنائے یا تھریس کے باسفورس کی لمبائی (۲۹) کلومیٹر ہے اور چوڑائی، جو کہیں زیادہ ہے اور کہیں کم (۶۰۰) میٹر سے لے کر (۲۷۰۰) میٹر تک ہے۔ اس کے پانی کی، جو بحر اسود سے آتا ہے، روانی کی رفتار تقریباً (۵۰۰۰) میٹر

فی گھنٹہ ہے اور باوجود بے شمار موڑوں کے یہ شمال مشرق سے جنوب مغربی کی طرف بہتا ہے۔ اب تک اس آبنائے کی حفاظت کا دارومدار خاص طور پر کرباش (Karbash) اور کوئینہ (Foyna) کے قلعوں پر تھا، جو بیرن دے توت نے ۱۷۷۳ء میں دو چٹانوں پر ایسی جگہ تعمیر کئے تھے، جہاں باسفورس کی چوڑائی صرف (۸۰۰) میٹر ہے۔ لیکن اب سٹی کے ایسے اہم دمدمے تیار کئے گئے ہیں، جن میں نہایت طاقت دار کروپ (Krupp) توپیں رکھی گئی ہیں۔ یہ درست ہے کہ یہ تمام دمدمے ان اونچائیوں کی پوری زد میں ہیں، جو یہاں سے کچھ ہی فاصلہ پر واقع ہیں اور دشمن دموز دری (Domuz-Dere) پر اپنی فوجیں اتار کر، جو یورپین لائٹ ہاؤس کے مغرب میں آٹھ کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے، ان اونچائیوں پر قبضہ کر کے مذکورۂ بالا تمام قلعوں کو مسمار کر سکتا ہے۔

باسفورس کے جنوبی سرے پر قسطنطنیہ دنیا کے ایک نہایت ہی خوبصورت مقام پر واقع ہے۔ اس کی بندرگاہیں، جو (۹۰۰۰) میٹر تک خشکی میں گھس آئی ہے، ایک ہی وقت میں (۶۰) لائن کے اور (۱۲۰۰) تجارتی جہاز آسکتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے، جہاں ایران اور ایشیائے کوچک سے آنے والے تمام قافلے ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔

بحر مارمورہ (جس کو قدماء پروپانٹس کہتے تھے) یورپین سواحل کے ساتھ تقریباً ایک متوازی خط قائم کرتا ہے اور ایشیائی ساحل پر خلیج اسمد (نکومیڈیہ) خلیج موڈانیہ یا خلیج غملک اور جزیرہ نمائے قزیلق اس کو قطع کرتے ہیں۔

دردانیال (ہے لس پانٹ)، جو (۶۷) کلو میٹر لمبا اور (۵۲۶۲) سے (۷۵۹۰) میٹر تک چوڑا ہے، ایک بڑے دریا سے مشابہ ہے۔ یہ قسطنطنیہ اور بحر اسود کی کنجی ہے۔ راس ہجی (Sigie) اور راس ایلیانتلی بحر ایجین کی طرف سے آبنائے کے داخلے کو روکتے ہیں۔ یہاں یورپ کی سمت میں سدالبحر قلعہ سی نامی قلعہ ہے اور ایشیا کی طرف قومہ قلعہ سی کا قلعہ ہے۔ ان دونوں قلعوں کے گولے اس طرف سے اس طرف تک نہیں پہنچ سکتے حالانکہ ان میں بھاری بھاری بحری توپیں موجود ہیں۔ دردانیال، کلید بحر، بہ سمت یورپ اور کلید سلطانیہ بہ سمت ایشیا ایسے قلعے ہیں جن کے گولے اس مقام پر ایک دوسرے کو پار کرتے ہیں، جہاں راس رولاز،

راس دار دانا زیا راس باربیرس کے واقع ہونے کی وجہ سے آبنائے میں صرف پندرہ سو میٹر کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن مدافعت کا ضروری حصہ وہ مقام ہے، جہاں جزیرۂ نمائے نغارہ بہ سمت ایشیا واقع ہے اور جہاں پہلے ابیدوز تھا۔ یہاں قریب قریب زاویہ قائمہ کی صورت کا ایک موڑ ہے، جو پایاب اور ریت سے بھرا ہوا ہے۔ اس میں سے ایک نہایت ہی تیز رفتار چشمہ بھی گذرتا ہے۔ اور جہازوں کو مجبوراً یورپین ساحل سے ملے ہوئے چلنا پڑتا ہے اور پھر ایک وقت میں صرف ایک جہاز ہی گزر سکتا ہے۔

۱۸۰۷ء میں بعض فرانسیسی افسروں نے، جن میں کرنل تروشے رو دے سیمین دیہی کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے، یہ تجویز پیش کی تھی کہ اس مقام پر ایک مربع قلعہ تعمیر کر دیا جائے۔ جس کی اونچائی تین یا چار منزلوں کے برابر ہو اور اس میں پوشیدہ بیٹریاں رکھدی جائیں؛ ان قلعوں کے گولے سامنے والے قلعۂ بیتاز کے لوگوں کو کراس کر کے دشمن کے جہازوں پر نہایت ہی تباہی خیز اثر ڈالتے اور ان کو اس قابل نہیں رہنے دیتے کہ وہ ان مدافعتی اسکواڈرنوں پر حملہ آور ہوتے، جو راس نغارہ کے پیچھے چھپی ہوتیں۔ اس تجویز کو منظور کر لیا گیا تھا مگر اس پر عمل کبھی نہیں کیا گیا۔ بہرحال اب بھی جرمن افسروں کے زیر نگرانی قلعہ سد البحر قلعہ ستی اور قلعہ توم قلعہ سی میں جو نئی تعمیرات کی گئی ہیں، ان کی اور ترکی بیٹریوں کے زبردست توپ خانہ کی موجودگی میں اس راستے کو ویسی آسانی کے ساتھ طے نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ ۱۸۰۷ء میں کیا گیا تھا۔ تاہم خشکی کی طرف سے آبنائے پر حملے کو روکنے کے لئے کوئی تدبیر اختیار نہیں کی گئی ہے۔ دشمن کی فوج خلیج سارو زمیں کردیہ کے قریب خشکی پر اتر کر پیچھے کی طرف سے درۂ دانیال پر قبضہ کر سکتی ہے یورپین سمت پر اگر قبضہ ہو تو اس سے ایشیائی ساحل کے قبضے کا بھی یقین ہو جاتا ہے اس لئے کہ موخر الذکر اول الذکر کی پوری زد میں ہے۔ آبنائے کی مدافعت حقیقی معنی میں تھریس کے شبہ جزیرہ (chersonese) پر منحصر ہے یعنی گالی پولی اور میتاز پر۔

ترکی ایشیا میں

ارمنیہ کا وسطی حصہ، جس کا بلند ترین مقام آغر طاغ (Ararat) ہے

ترکی ان ایشیا کے تمام پہاڑوں کے ذریعے سے الگ تھلگ ہوگیا ہے۔ پہاڑوں کے دو سلسلے سواحل بحرِ اسود اور بحیرۂ روم کے ساتھ خطوط متوازی قائم کرتے ہیں۔ جنوبی سلسلے کو، جو سب سے زیادہ بلند ہے، طور کہتے ہیں اور دوسرے کو متقابل طور (anti-Taurus)

ایشیائے کوچک کی، جس کو ترک اناطولی کہتے ہیں، قدیم زمانے میں حسب ذیل تقسیم کی گئی تھی: بحیرۂ روم پر سلیشیہ، بمفیلیہ اور لیشیہ، بحرِ ایجین پر بسمت مشرق و مغرب قاریہ، لیڈیہ اور میسیہ میں؛ بحرِ اسود پر شمال کی جانب بتھینیہ، پیف، لیگونیہ و دریان ٹس ہیں؛ وسط میں فریجیہ، قلاصیہ اور کپاڈوشیہ ہیں؛ اور اس سطح مرتفع پر، جو بہ سمت جنوب طور کے پہاڑی سلسلے اور وسط کے بلند سطح مرتفع پر واقع ہے۔ پسیڈیہ لائی کونیہ اور اساروس ہیں؛

ساحل بحرِ اسود میں بے شمار آبی راستوں کی وجہ سے بندیں بن گئی ہیں۔ یہ آبی راستے حسب ذیل دریاؤں کے بنائے ہوئے ہیں: رگوش ہان، جس کا دہانہ طریپولی کے قریب ہے؛ سرمدن؛ یسل ارماق (آئرس) اور رقزل ارماق (ہےیس) جو اناطولی کی سب سے بڑا دریا ہے اور وسطی سطح مرتفع سے نکل کر خلیج سامسون میں گرتا ہے؛ یا ریقینہ جو بتھینیہ کی مشرقی حد قائم کرتی ہے اور عماصرہ کے جنوب میں سمندر سے مل جاتی ہے؛ سقاریہ (سینگلے ریس)، جو تین باجگذار دریاؤں سے مل کر بنی ہے جن میں سے ایک انقرہ کے میدان مرتفع سے نکلتی ہے دوسری کوہ دین دی میونز سے اور تیسری کوہ الیپس سے؛

خلیج مدونیہ میں ریس کے نہر کا پانی گرتا ہے، جس کے کنارے پرنگی کا شہر آباد تھا، جو ۱۲۱۴ء کی کونسل اور سلجوقی سلطان پر صلیبیوں کی فتح کے لئے مشہور ہے۔ اسی خلیج میں سوسنو رکو (میکوسٹوز) بھی مع اپنی باجگذار دریاؤں خندوکس اور نیلوفر کے گرتی ہے؛

غراشیق جو ایدہ سے نکلتی ہے، بحرِ مارمورہ میں گرتی ہے۔ بحرِ ایجین میں سموکس اور سکمندری گرتی ہے، جو ٹرائے کے میدان میں سے گزرتی ہے اور جس کے دہانے کیکوس، اور ہرمز سے، جو میسیہ اور لیشیہ اور راولیدوکس اور آیونیا کے بیچ میں حد قائم کرتی ہے، نیز مندری (میانڈر) سے ملتے ہیں، جو زمانۂ قدیم میں اپنی رفتار کی سنجیدگی کے لئے مشہور تھی اور جو لیڈیہ کو قاریہ سے اور آیونیا کو ڈورس سے جدا کرتی ہے؛

بحیرۂ روم میں حسب ذیل ندیاں گرتی ہیں :۔ کیٹے راکنس، یوری میدان، جو فارسیوں پر کمان کی فتح کے لئے مشہور ہے سیلف (cydnus) جہاں اسکندر تقریباً تباہ ہوگیا تھا اور جہاں فریڈریک باربروصہ غرق ہوا تھا، لاماز، جو کوہستانی سلیشیہ کو میدانی سلیشیہ سے جدا کرتی ہے، جیحون (پیراموز) طورا ورا ماموز کے نقطۂ اتصال پر سے گزرتی ہے اور جسکی وادی میں خانہ بدوش ترکمانی بستے ہیں ۞

دریائے فرات اور دریائے دجلہ کے مخرج :۔ فرات کوہ الوز سے اتر کر ارض روم میں سے گزرتی ہے، جہاں وہ سڑکیں، جو قاف سے ایشیائے کوچک کو جاتی ہیں، ملتی ہیں اور یہاں اس میں مراد چاہ (فرات مشرقی) بھی مل جاتی ہے، جو کوہ اغرہ طاغ سے نکلتی ہے ۔مغرب کی طرف خم کھا کر یہ دریا ایکا یک جنوب کی طرف مڑ جاتا ہے اور مسکین کے مقام پر خلیج فارس کی طرف اپنا معمولی جنوب و مشرقی راستہ اختیار کر لیتا ہے ۔ ویر اور میا دین کے درمیان میں بائیں طرف سے جنو راس میں آ ملتی ہے ۔ فلوجہ کے مقام پر، جہاں وہ نہر واقع ہے، جو فرات کو دجلہ سے ملاتی ہے، یہ جہاز رانی کے قابل بن جاتی ہے اور قرنق کے مقام پر دجلہ میں مل جاتی ہے ۔ یہاں اس کا نام شط العرب ہو جاتا ہے اور وہ دہانوں کے ذریعے سے، جن میں سے صرف مغربی دہانہ ترکی کے قبضے میں ہے، خلیج فارس میں جا گرتی ہے ۞

ٹائگرس (جس کا ترکی نام دجلہ (بمعنی تیر) ہے) بہت سی باجگزار ندیوں سے مل کر بنی ہے، جو طورا اور وان لیک کے نواحی پہاڑوں سے نکلتی ہیں ۔ دجلہ دیار بکر (عمیدہ) میں سے گزرتی ہوئی موصل کی آبپاشی کرتی ہے، جو اس کے سیدھے کنارے پر نینوا کے کھنڈروں کے سامنے واقع ہے ۔ الٹی طرف سے زاب اکبر اور زاب اصغر اس میں گرتی ہیں اور یہ بغداد پہنچکر، جس کی اگلی عظمت اب باقی نہیں رہی ہے، قرنق کے مقام پر دوبارہ فرات سے مل جاتی ہے ۞

فرات اور دجلہ کا مخرج دو امتیازی حصوں پر منقسم ہے، جو ارمنیہ اور عراق (میسوپوٹیمیہ) ہیں ۔ پہلا حصہ ایک کوہستانی علاقہ ہے جو کوہ نفتہ کے ذریعے سے، جو ارمنیہ اصغر کو ارمنیہ اکبر سے جدا کرتا ہے، دو حصوں میں منقسم ہوگیا ہے ۔ دوسرے کا نام عراق اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ دجلہ اور فرات کے بیچ میں واقع ہے ۔

یہ چار منطقوں پر منقسم ہے، جو ایک دریا سے دوسرے دریا تک متوازی خطوط کی شکل میں بڑھتے چلے گئے ہیں۔ پہلا کوہستانی علاقہ طور کے شمالی نشیبوں تک جزیرہ تک پھیلا ہوا ہے، جو دریائے دجلہ پر واقع ہے۔ دوسرا، جو معمولی طور پر ناہموار ہے، پہاڑوں کے دامن سے شروع ہو کر فرات اور دجلہ کے سنگم تک پھیلا ہوا ہے۔

شام و عرب :- خلیج الکزنڈرانٹہ کے گرد گھوم کر طور کے آخری نشیب پیراموز کے مخرجوں کے قریب کوہ اامانوز سے مل جاتے ہیں، جو سلیشیہ کو شام سے علیحدہ کرتا ہے اور دریائے آرنٹیز کے پیچھے، جو کوہ کاسیوز کو کوہ پیروز سے جدا کرتا ہے، لبنان اور انٹی لبنان کی طرف چلا جاتا ہے۔

شام کے شمال میں اامانوز ہے، مشرق میں فرات اور ریگستان ہے، جنوب میں بحر احمر ہے اور مغرب میں بحیرۂ روم ہے اور لبنان اور انٹی لبنان کے دو متوازی پہاڑی سلسلوں نے اس کو شمال سے جنوب تک دو حصوں میں منقسم کر دیا ہے۔ ان دونوں پہاڑوں کے بیچ میں وہ وسیع وادی ہے، جو (۲۴۰) میل لمبی ہے اور جس میں دریائے ترانٹہ اور دریائے آرنٹیز بہتی ہیں۔ پہلی دریا انٹی لبنان سے نکل کر جنوب بمغرب میں بہتی ہے اور اپنے مخرج خاص سے نوے میل کے فاصلے پر سمندر میں جا گرتی ہے۔ آرنٹیز بھی، جو بے شمار ندیوں اور نالوں کے اتصال سے بنی ہے، انٹی لبنان سے ترانٹہ سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر نکلتی ہے۔ یہ دریا پہلے شمال شمال مغرب کی طرف بہتا ہے، پھر مشرق کی طرف مڑ جاتا ہے اور پھر شمال کی طرف مڑ کر عرض البلد (۳۶) ڈگری تک ساحل کے متوازی بہتا ہے۔ یہاں سے یہ پھر مغرب کی طرف اور کچھ آگے بڑھ کر جنوب کی طرف مڑ جاتا ہے اور (۱۰۰) میل کی مسافت طے کر کے قدیم شہر سلوشیہ کے کھنڈروں کے قریب سمندر میں جا گرتا ہے۔ یہ دریا حمص (ایمیسا)، حمہ (ایپی فینی)، فامیہ (اپے میئی) اور انطاکی (اینٹیاک) کو، جس میں رومہ والوں کے عہد کے چھ لاکھ باشندوں کی جگہ صرف دس ہزار کی آبادی ہے، پانی پہنچاتا ہے۔

ترانٹہ اور آرنٹیز کی یہ وادی، جو شام کے قلب کی حیثیت رکھتی ہے، زمانہ قدیم کی (cœle syria) ہے۔ جو رومہ والوں کے زمانے میں دنیا کے بڑے غلہ گوداموں میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس وادی کے شمال میں آرنٹیز اور فرات کے مابین ایک خشک

اور غریب ملک ہے، جس کی جنوبی اور شرقی حد طورا ورا اماموز سے قائم ہوتی ہے۔ انٹی لبنان کے مشرق میں شام دمشقی (Syria Demascene) ہے، جو حقیقی معنوں میں ایک بے نظیر باغ ہے جس کی ابانہ اور رفرفر آبپاشی کرتی ہیں۔ لبنان کے مغرب میں زمین کا ایک اور قطعہ ہے، جو (۲۴) سے (۳۰) میل تک چوڑا ہے۔ یہ قطعہ پہاڑوں اور سمندر کے بیچ میں واقع ہے اور نزانہ کے دہانے سے آرنٹیز کے دہانے تک پھیلا ہوا ہے۔

کوہ ہرمن کے مغرب میں، انٹی لبنان کے مغربی سرے پر، وادی جبردان شروع ہوتی ہے، جس کا مجرا قدیم فلسطین اور موجودہ پر مشتمل ہے۔ کوہ ہرمن سے نکل کر جبردان، میرام، جان سراتت اور طبریہ کی جھیلیں بناتی ہوئی، ایک سو بیس میل کی مسافت طے کرنے کے بعد، بحر لوط (ڈیڈسی) میں گم ہو جاتی ہے۔ بحر لوط ایک وسیع نشیب ہے، جو سطح سمندر سے (۴۹۹) میٹر نیچے ہے۔ اس کے چاروں طرف ننگے پہاڑ ہیں، جس سے موت اور تباہی کا اثر پڑتا ہے۔

ان پہاڑوں کے وسط میں ایک خشک مجرائے آب (basin) ہے، جو چاروں طرف سے زرد اور چٹیل چوٹیوں سے ڈھکا ہوا ہے۔ یہ چوٹیاں صرف اس قدر کھلی ہوئی ہیں کہ ان میں سے بحر اسود کے غار اور عرب کے دور و دراز پہاڑوں کی صرف ایک جھلک سی نظر آتی ہے۔

اس پتھریلے منظر کے وسط میں، جس کے چاروں طرف ایک دیوار کھنچی ہوئی ہے، عبرت خیز آثار، منتشر سرو، کچھ صنوبر اور نوپل (nopals) کے درخت اور کچھ عربی وضع کی چھتیں سفید مزاروں کی طرح نظر آتی ہیں، جو کھنڈروں کے اس انبار کو چھپائے ہوئے ہیں۔ یہی مقام اندوہناک بیت المقدس ہے۔ [1]

عرب برائے نام سلطان کا مطیع ہے اور حقیقتہً عرب سے مراد اسلام کے مقامات مقدسہ، مکہ (معظمہ)، مدینہ (منورہ)، صنعہ، طائف (اشرف) اور جدہ ہیں۔

---

[1] شیٹوبرائن: سفرنامہ پیرس تا بیت المقدس (Chateaubriands: Itinerary from Paris to Jerunsalem)

ان کے علاوہ اور تمام ملک خود مختار رہے۔

آبادیاں اور مذاہب

سلطنت عثمانیہ کے باشندوں کی صحیح قدر کو بصورتِ اعداد بیان کرنا نہایت مشکل کام ہے۔ صرف یہی نہیں ہے کہ اعداد و شمار ہی موجود نہ ہوں بلکہ یہ دشواری بھی ہے کہ اگر اعداد و شمار ہوں بھی تب بھی ان کو اس قدر بے پروائی اور غیر دیانت داری کے ساتھ فراہم کیا جاتا ہے کہ ان سے اور بھی الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہر شخص، جو مشرق اور بالخصوص ترکوں کے حالات سے واقف ہے، جانتا ہے کہ یہ لوگ اس بات کو کس قدر بری نظر سے دیکھتے ہیں کہ ان کی عورتیں منظر عام پر نظر آئیں یا ان کا تذکرہ کیا جائے۔ اکثر اضلاع میں عیسائی مسلمانوں سے بھی زیادہ اس معاملے میں احتیاط برتتے ہیں، اس لئے کہ ان کی عورتوں کے لئے اس قسم کے روز خطرے پیش آتے رہتے ہیں کہ بیوں، آغاؤں اور آفندیوں کے حرموں میں اضافہ کرنے کے لئے بھگائی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مسلمانوں سے بھی زیادہ احتیاط سے کام لے کر ان کے وجود کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ حالیہ مردم شماریوں میں، جو کم و بیش سرکاری طور پر لے گئی ہیں، اکثر سنجقوں کے صرف مرد باشندوں کی تعداد ظاہر کی گئی ہے۔ اشتباہ کی دوسری وجہ، جس کا تعلق صرف عیسائی باشندوں سے ہے، وہ شدید اختلاف ہے جو مختلف فرقوں کے سرداروں کے فراہم کئے ہوئے اعداد و شمار میں نظر آتا ہے۔ ہر فرقہ، دوسرے فرقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو بھی، اپنے میں شمار کر کے اپنے افراد کی تعداد میں بے انتہا اضافہ کر دیتا ہے اور دوسرے فرقوں کی تعداد کو گھٹا دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص ان خانہ بدوش باشندوں کے جو بجائے خود اہم ہیں مثلاً کردوں اور عربوں کے شمار کی ناممکنیت پر غور کرے تو آسانی سے یہ بات اس کی سمجھ میں آ جائے گی کہ ترکی کی مردم شماری کے متعلق صرف ایک اندازہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص سلطنت کی مردم شماری کو دریافت کرنے کی غرض سے ان اعداد و شمار سے کام لے، جو پارلیمنٹ کے گزشتہ دو انتخابات کے موقع پر فراہم کئے گئے تھے تو اس سے

نہایت ہی تعجب خیز نتائج برآمد ہوں گے۔
ہر نائب پچاس ہزار مرد باشندوں کا نمایندہ ہوتا ہے اور پارلیمنٹ میں (۲۶۰) ممبر ہیں، جن کے منجملہ (۲۱۴) مسلمان، (۴۲) عیسائی اور (۴) یہودی ہیں۔ اس لحاظ سے مسلمان مردوں کی تعداد (۱۰۶،۵۰،۰۰۰)، عیسائیوں کی (۱۶،۰۰،۰۰۰) اور یہودیوں کی ۲ لاکھ ہوئی۔ لیکن اگر کوئی شخص قومیتوں کا مطالعہ کرے تو یہ صورت بالکل بدل جاتی ہے۔ گزشتہ پارلیمنٹ میں حسب ذیل ارکین تھے:۔ ترک (۱۱۹)؛ عرب (۷۲)؛ یونانی (۲۳)؛ البانی (۱۵)؛ ارمنی (۱۰)؛ کرد (۸) بلغاری (۲)؛ وغیرہ وغیرہ اس لحاظ سے ترکوں کی تعداد (۵۹،۵۰،۰۰۰)؛ عربوں کی (۳۶۰۰،۰۰۰)؛ یونانیوں کی (۱۱۵۰،۰۰۰)؛ ارمنیوں کی (۵،۰۰،۰۰۰)؛ کردوں کی (۱۰،۰۰،۰۰۰) اور بلغاریوں کی (۱،۰۰،۰۰۰) ہو جاتی ہے۔ چونکہ ان اعداد و شمار کا تعلق صرف اکیس سال سے زیادہ عمر رکھنے والے مردوں سے ہے اور ان میں بچے اور عورتیں شامل نہیں ہیں، لہذا یہ نتیجہ نکلتا ہے انتخابی شمار کے مطابق عثمانی آبادی (۴۳) ملین سے بھی زیادہ ہے اب رہیں قومیتیں تو اس شمار کے بموجب بعض میں تو ایک مضحکہ خیز حد تک تخفیف ہو جاتی ہے اور بعض بالکل ہی فنا ہو گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انتخابی اعداد و شمار کو کمیٹی اپنی ضروریات کے لئے جیسا چاہتی تھی بنا لیتی تھی۔ للہذا ان پر نہ تو بحیثیت مردم شماری کے کوئی اعتبار کرنا چاہئے نہ بحیثیت قومیت شماری کے۔

۱۹۱۲ء کی لڑائی سے پہلے آبادی غالباً (۲۶) ملین سے زیادہ نہیں تھی اور یہ حسب ذیل طریقے پر منقسم تھی:۔

(۱) ترکی اقوام	آل عثمان	۷،۰۰،۰۰،۰۰۰
	ترکمان	۳،۵۰،۰۰۰
(۲) یونانی ولاطینی اقوام	یونانی	۲۵،۰۰،۰۰۰
	البانی	۱۴،۰۰،۰۰۰
	کوزوو یلاش coutzo-Walach	۶،۵۰،۰۰۰
(۳) سلافیتی اقوام	بلغاری	۱۵،۰۰،۰۰۰
	سربی	۵،۰۰،۰۰۰

قوم	شاخ		تعداد
(۴) گرجستانی اقوام	قزاق	(Cossæks)	۳۵،۰۰۰
	پماق	(Pomaks)	۵۰،۰۰۰
	چرکس	(circassians)	۷،۰۰،۰۰۰
	لز	(Lazes)	۵۵،۰۰۰
(۵) ہندو اقوام	چنگانی	(Tchinganies)	۲،۱۲،۰۰۰
(۶) فارسی اقوام	ارمنی		۲۰،۰۰،۰۰۰
	کرد		۱۱،۵۰،۰۰۰
(۷) سامی اقوام	عرب		۶۵،۰۰،۰۰۰
	دروز		۳،۱۰،۰۰۰
	مرونی	(Maronites)	۴،۹۰،۰۰۰
	متولی		۳۰،۰۰۰
	کلدانی		۲،۳۰،۰۰۰
	شامی		۹۸،۰۰۰
	یزدی	(Yezedis)	۲۰،۰۰۰
	یہودی		۳،۰۰،۰۰۰

بلحاظ مذاہب آبادی کی حسب ذیل تقسیم کی گئی ہے:-

مذہب	فرقہ	قوم	تعداد
مسلمان (۱۹،۵،۰۰۰)	سنی	آل عثمان	۷۰،۰۰،۰۰۰
		ترکمان	۳،۵۰،۰۰۰
		البانی	۱۰،۰۰،۰۰۰
		یونانی	۱،۵۰،۰۰۰
		کرد	۱۱،۵۰،۰۰۰
		چرکس	۷،۰۰،۰۰۰
		پماق	۵۰،۰۰۰
		لز	۵۵،۰۰۰
		عرب	۵۵،۰۰،۰۰۰

	شیعہ اور بے دین مسلمان	متولی		۳۰،۰۰۰
		عرب		۱۰،۰۰،۰۰۰
عیسائی (۸۱،۵۳،۰۰۰)	اس کرسینٹک گریک چرچ موسومہ ارتھوڈاکس	یونانی		۲۲،۸۵،۰۰۰
		ارمنی		۱۰،۰۰۰
		کوزووبلاکش		۶،۵۰،۰۰۰
		البانی		۵۰،۰۰۰
		سربی		۵،۰۰،۰۰۰
		قزاق		۳۵،۰۰۰
		بلغاری کلیسا		۱۴،۸۰،۰۰۰
	کیتھولک چرچ	لاطینی	البانی	۲،۵۰،۰۰۰
			شامی	۱۲،۰۰۰
			ارمنی وغیرہ	
		مرونی		۴،۸۰،۰۰۰
		ملکی	(Melkites)	(یونانی) ۶۵،۰۰۰
		ارمنی		۶۰،۰۰۰
		کلدانی		۲،۳۰،۰۰۰
		شامی		۱۰،۰۰۰
		بلغاری		۲۰،۰۰۰
	گرجستانی کلیسا (ارمنی)			۱۹،۳۰،۰۰۰
	جیکوبی کلیسا (شامی)			۶۱،۰۰۰
	پروٹسٹنٹس			۱۵،۰۰۰
مختلف (۸،۴۲،۰۰۰)		دروز		۳،۱۰،۰۰۰
		یزیدی		۲۰،۰۰۰
		چنگانی		۲،۱۲،۰۰۰
		یہودی		۳،۰۰،۰۰۰

۱۹۱۴ء کی نئی پارلیمنٹ کے انتخابات نے ۱۹۱۲ء کے محاربہ کے انقلابات کی بنا پر ایک تازہ مردم شماری کی ضرورت پیدا کر دی۔ مفتوحہ ولایتوں کے اعداد کو وضع کر دینے کے بعد تمام سلطنت کی آبادی (۲۰) ملین باقی رہ جاتی ہے مگر یہ تعداد لازمی طور پر اندازے سے بیان کی گئی ہے۔

ترکی قبائل

آلِ عثمان:- ترکوں کا اصلی وطن وسطی ایشیا ہے لیکن مغرب کی طرف بڑھتے رہنے اور ہمیشہ یوروپین اقوام سے ملتے جلتے رہنے کی وجہ سے ان کی اصلی وضع قطع، جو ترکمانیوں میں اب تک پائی جاتی ہے، باقی نہیں رہی ہے۔ موجودہ زمانے میں وہ بہ نسبت التائی (Altaique) قوموں کے قاف کے قوموں سے زیادہ مشابہ ہیں۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یورپ میں اب ترکوں کا وجود باقی نہیں رہا ہے سلطنت کے اس حصے کے مسلمان وہ البانی، سرزی، یونانی اور بلغاری لوگ ہیں، جنھوں نے اسلام قبول کر لیا ہے ایشیائے کوچک میں ان کی ایک متحدہ قوم آباد ہے، جو تقریباً چھ ملین کے قریب ہے۔ آلِ عثمان میں اضافہ اور زیادتی ہونے کے بجائے یہ لوگ مستقل طور پر گھٹ رہے ہیں ۱۸۶۷ء میں مصطفےٰ فضیل پاشا نے عبدالعزیز کی موسومہ اپنی ایک رپورٹ میں اس واقعے کے متعلق خطرے کی اطلاع دی تھی مسلمانوں کی بالعموم اور ترکوں کی بالخصوص اس بتدریج تخفیف کے کئی وجوہ ہیں جن کا ترکی کے متعینہ تمام یوروپین قونصلوں نے اظہار کیا ہے، اور جن کے منجملہ خاص وجہ فوجی خدمت ہے جو صرف مسلمانوں اور بالخصوص ترکوں سے لی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک وجہ آتشکی امراض بھی ہیں، جو گزشتہ پچاس سال سے ایشیائے کوچک میں شدید خرابیاں پھیلا رہے ہیں۔

اکثر مقامات پر، نہ صرف ان علاقوں ہی میں، جو ساحل سے نزدیک ہیں اور جہاں عیسائی عناصر کو غلبہ حاصل ہے، جو ان لوگوں سے زیادہ چست و چالاک، زیادہ محنتی، زیادہ جفاکش، زیادہ کفایت شعار اور مردم خیز ہیں، مسلمان پیچھے رہ گئے ہیں، بلکہ وسط کی سنجکوں میں بھی، جہاں مسلمانوں کو زبردست اکثریت حاصل ہے ان وسیع

میدانوں کے عین وسط میں، جن کو ویران اور بنجر چھوڑ دیا گیا ہے اور جو کچھ عرصے پہلے آباد اور زرخیز تھے، مقبرے اور سرو کے درخت اجڑ جانے والے مواضعات کی وجود کی شہادت دیتے نظر آتے ہیں۔ امراض خبیثہ اور فوجی خدمت اس تباہی کا سبب ہیں۔ یہ دونوں چیزیں اناطولی پر غیر معمولی تباہی خیز اثرات ڈال رہی ہیں اور ایشیا کے اگلے حصے پر بھی اب ان کے اثرات شروع ہو گئے ہیں۔ فوجی دستوں کی تخفیف ایک ایسا واقعہ ہے جس پر کسی طرح ردّ و قدح نہیں کی جا سکتی کستمونی، سیواس، اور رقوتیہ، کی جو ولایت خداوندغیار کا ایک حصہ ہے، ایدین اور انقرہ کی ولایتوں میں بھی یہ وبا شروع ہو گئی ہے۔"

عبدالحمید کو اس خطرے سے، جس سے ترکی قوم کے ماخذ کے تباہ ہونے کا اندیشہ تھا، بہت کچھ پریشانی تھی۔ چنانچہ اس نے ایک جرمن اسپیشلسٹ، ڈاکٹر فان ڈورن پاشا کو جو نہ صرف اپنے فن کا ماہر ہی تھا بلکہ جس کا ضمیر بھی زندہ تھا، اس وبا کے دفعیہ کے طریقے دریافت کرنے کے لئے، ایشیا کے طبی معائنہ کی غرض سے متعین بھی کیا تھا۔ اس شخص کی مرتب کردہ رپورٹیں، جن کو اس لئے پوشیدہ رکھا گیا تھا کہ وہ نہایت ہی مایوس کن تھیں، اگر شائع ہو جاتیں تو کہا جاتا ہے کہ ان سے ترکی کی اخلاقی اور معاشرتی زندگی کے متعلق سالہاسال کی سیاسی رپورٹوں سے کہیں زیادہ مواد فراہم ہو جاتا ڈاکٹر فان ڈورن پاشا کی تجویز پر دواخانوں، انسدادی دواؤں اور مریضوں کے مواجبہ میں لیکچروں کے متعلق کامل طور پر منتظمی تدابیر اختیار کرنے کے لئے فرمان شاہی نافذ ہوا۔ ولایت کستمونی میں ان باتوں کا آغاز بھی ہو گیا تھا لیکن ترکی میں قانون تو نہایت عمدہ عمدہ بنائے جاتے ہیں مگر ان پر عمل کوئی نہیں کرتا۔ جب ڈاکٹر فان ڈورن پاشا ترکی ملازمت سے علیحدہ ہوا تو اس نے جو جو تدبیریں اختیار کی تھیں ان سب پر پانی پھر گیا۔ سلطان نے ان مقامات پر، جو سب سے زیادہ موثر تھے، دواخانے قائم کرنے کے لئے بارہا احکام نافذ کئے مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اس غرض کے لئے جو رقم دی گئی تھی وہ سب ہضم کر لی گئی اور جو باتیں شروع ہو چکی تھیں وہ بھی ذریعہ ہائے قیام کے موجود نہ ہونے سے فنا ہو گئیں۔ حفظانِ صحت اور قیام تندرستی کا یہ مسئلہ اس قابل ہے کہ جدید حکومت اس کی طرف فوراً کامل توجہ مبذول کرے اس لئے کہ سلطنت عثمانیہ کے لئے

بالعموم اور ترکوں کے لئے بالخصوص یہ ایک نہایت اہم اور ضروری مسئلہ ہے[1]،

ترکمانی :- یہ لوگ ترکوں کے ہم نسل اور ہم زبان ہیں۔ ترکمانی، خلافتِ بغداد کے آخری دور میں بحرِ خزر کے سواحل پر ایشیائے کوچک کے میدانوں میں آبسے تھے۔ ان لوگوں نے ہمیشہ اپنی تنظیم اردو ئی یا لشکری کو برقرار رکھا ہے یعنی قبیلے ایک فوجی ادارہ کی اطاعت کرتے ہیں۔ ان میں کے بعض قبائل ایک جگہ مقیم ہو گئے ہیں اور بعض نے جنکو یروق، کوچ کرنے والے، کہتے ہیں، اپنی خانہ بدوش زندگی کو برقرار رکھا ہے۔ ترکمانیان جالس زیادہ تر طرسوس کے علاقہ میں رہتے ہیں اور اپنے مال واسباب کی حفاظت کرنے کے لئے ہمیشہ اپنے آوارہ گرد بھائیوں سے لڑتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر لانگ لوئی نے جو اعداد وشمار برسرِ موقع فراہم کئے ہیں[2]، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ تیس ہزار باشندے ہیں، جن کے پاس تین لاکھ چالیس ہزار بیل اور تین ہزار سات سو بیس اونٹ ہیں۔ یروق، جنکی تعداد کا شمار تین لاکھ کیا گیا ہے، ولایت ہائے عدانہ، ایدین، خداوند غبار، حلب اور دمشق میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ مسلمہ دزد ہیں۔ ان کو کوئی دوسرا ذریعہ حیات معلوم نہیں ہے۔ "بندوق نہیں تو روٹی بھی نہیں" ان کا نہایت عزیز مقولہ ہے۔

یونانی اور لاطینی گروہ

یونانی :- یونانی لوگ بحرِ اسود اور مارمورا کے تمام ساحلی علاقے پر آباد ہیں۔ قرامانیہ کے

---

[1] اس وبا نے جو مہلک اثرات پھیلائے ہیں وہ ناقابلِ یقین ہیں۔ یہ اس قدر سرعت کے ساتھ پھیل رہی ہے کہ گویا لوگ اس کے سامنے بالکل بے بس ہیں۔ ولایت ہائے اناطولی پر یکے بعد دیگرے اس کا اثر ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر عبد اللہ جودت بے نے اکتوبر ۱۹۱۳ء میں "آفتاب کرد" نامی ریویو کی پہلی اشاعت میں، جو "انجمن نوجوان کرد" "ہیوی" (امید) کے زیرِ حمایت نکل رہا ہے۔ ایک خط شائع کیا تھا جس میں یہ بیان کیا تھا کہ "اس سال (۲۸۴) نوجوانوں میں سے جنھوں نے اپنے کو ولایت اوہنہ کے ایک مقام پر فوج میں بھرتی ہونے کے لئے پیش کیا صرف (۱۲) ایسے تھے جن کو کوئی بیماری نہیں تھی۔

[2] ڈاکٹر لانگ لوئی :- "سائنٹفک رکس پلوریشن آف سیلیشیہ" ۵۲-۵۳ء ۱۸۶۱ء

علاوہ ساحل سے چند لیگ کے فاصلے پر یہ لوگ غائب ہو جاتے ہیں اور پھر بڑے بڑے شہروں میں ان کا پتا چلتا ہے۔ جزائر بلا شرکت غیرے یونانیوں کے ہیں۔

ڈیومانٹ[1] نے یونانیوں کی تعداد دو ملین بتائی ہے اور یونانی اعداد و شمار میں صرف ترکی میں چار ملین یونانیوں کا ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ سب لوگ مشرقی کلیسا کے عقائد رفض پر پابند ہیں اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ ایسے ہیں، جن کے آباء و اجداد نے مسلمانوں کی فتح کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا۔ یونانی کلیسا، جس کو ۸۶۳ء میں بطریق فوطیوس نے مغربی کلیسا سے علٰحدہ کر دیا تھا اور جس کو اس واقعے کے دو صدی بعد میکائل کیرولیر نے ہمیشہ کے لئے ایک جداگانہ کلیسا بنا دیا تھا، ان تمام لوگوں پر (بہ استثنائے ملکیین) جو یونانی الاصل ہیں، نیز سربی، کوزوویلاش، کچھ البانیوں اور معتقدین قدیم کے فرقے پر مشتمل ہے۔ خاص خاص اصولی اختلافات یہ ہیں کہ مشرقی کلیسا مذہب رسول (apostle's creed) میں "اور بیٹا" کے الفاظ کو شریک نہیں کرتا نیز عیسائیت پر پوپ کی فوقیت سے انکاری ہے۔

یہ بتایا جا چکا ہے کہ محمد ثانی نے قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے بعد مفتوحین کو اپنے رسم و رواج، قوانین اور مذاہب کی پابندی کی اجازت دے دی تھی اور تمام سلطنت میں اس فرقے یا یونانی "قوم" کے سول چیف کی حیثیت سے بطریق مقرر کر دئے تھے۔ ۱۸۶۰ء میں ترکی کے عیسائیوں کی حالت کا اندازہ لگانے کے لئے دفتر خارجہ نے جس تحقیقات کا حکم دیا تھا، اس سے یونانی پادریوں کا ان لوگوں پر جو ان کے حلقۂ اثر میں تھے خطرناک ظلم و ستم اور استحصالات بالجبر کا اظہار ہوتا ہے۔ ذیل میں ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے، جو برطانوی قونصلوں کی مرتبہ رپورٹوں سے کہیں کہیں سے اخذ کیا گیا ہے:

"مسٹر کالورٹ، قونصل سالونیکا کا مراسلہ مورخہ ۲۰ جولائی:

"یونانی کلیسا کے عیسائی معتقدین یعنی روحانی سردار اور پادری بس اپنے تنگ حلقوں میں

---

[1] ڈیومانٹ: "دی بلقانس اینڈ دی ایڈریاٹک"

اس سے زیادہ ظالم اور غارتگر ہیں جتنا کہ ترک اپنے وسیع حلقوں میں ہیں۔ اسقف اور میٹرا پولیٹنس اپنے معتقدین کے مقابلے میں مظالم اور فریب کاریوں کے مجرم ہیں۔ اگر یہی جرائم کا ترک ارتکاب کرتے تو عیسائیوں کے تمام شرکا و معاونین چیخ پکار مچا دیتے۔ کچھ دن ہوئے کہ اسقف نے روپیہ کی ضرورت ہونے کی وجہ سے اپنے حلقۂ اثر سے چالیس خاندانوں سے ایک ہزار پیاسٹر کے ٹیکس کا مطالبہ کیا تھا۔ وہ باقاعدہ ٹیکس اس کے علاوہ ہیں جو نہایت شدید ذرائع سے کام لے کر عائد کئے جاتے ہیں تاکہ پیروانِ مذہب کو جتنا کہ واجب الایصال ہے اس سے زیادہ ادا کرنے پر مجبور کیا جائے اور پادری اس زائد آمدنی کو ہضم کر جائیں‘‘۔ ۴؎

’’مسٹر کیتھ کارٹ، قونصل برائی ونیزہ کا مراسلہ مورخہ ۲۰ جولائی ء۔

’’عیسائیوں کے اسقفوں اور پادریوں کے، جن کے غیر محدود اقتدار کو باب عالی نے تسلیم کر لیا ہے، مظالم اور استحصالات بالجبر سے عیسائیوں میں بہت زیادہ بے چینی پھیل جاتی ہے یہاں بھی اسی طرح جیسا کہ ترکی میں ہر جگہ ہوتا ہے، عیسائی اپنے پادریوں سے تمام قسم کی ناانصافیوں، جبر اور استحصالات کو منسوب کرتے ہیں۔ کم مرتبہ پادری، جو نہایت ہی مفلس ہیں، محنت مزدوری کرنے، زمین کھودنے اور کاشتکاروں کے ساتھ دوسرے قسم کے کام کرنے پر مجبور رہیں۔ یہ لوگ عام طور پر جاہل ہیں۔ اس کے برخلاف اعلیٰ مرتبہ رکھنے والے پادریوں کے پاس بے شمار دولت ہے اور وہ اپنی دولت اور اقتدار کو بڑھانے کے لئے تمام قسم کی سازشیں کرتے رہتے ہیں‘‘۔ ۵؎

ایک یونانی رسالہ میں، جو اسی سال قسطنطنیہ میں شائع ہوا تھا، یونانی پادریوں کی حسب ذیل تصویر اتاری گئی تھی:۔ ’’یہ فناری بطریق، اور اس کے شاگرد پیشہ فناری اسقف ہمارے مقدس مذہب کو تذلیل کر رہے ہیں۔ ہماری آبادی کو روحانی ضروریات کے لئے ان لوگوں کے ہاتھوں نہ صرف کوئی مشفقانہ پریشانی ہی اٹھانی پڑتی ہے بلکہ بہت سی تکلیفیں بھی برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ یہ لوگ اپنی مذہبی تلقینات کو سیاہیانہ تعلیم سے بدل دیتے ہیں۔ اسقف کے عہدوں کو اپنی جاگیریں تصور کر کے بطریق اور سنود ان لوگوں کو اسقف منتخب کرتے ہیں، جو ان کو سب سے زیادہ رقم ادا کر سکتے ہیں۔ اور پھر یہ لوگ اپنے اقتدار کے لئے ایک کثیر قیمت ادا کر چکنے کے بعد، اس کو اپنے پادریوں اور پیروؤں

وصول کرتے ہیں روپیہ کے خاطر وہ عشائے ربانی کو تقسیم کرتے ہیں روپے کے لئے وہ جائز شادیوں کو منسوخ کر دیتے ہیں اور ناجائز شادیوں کی توثیق کر دیتے ہیں روپے کی خاطر وہ بے گناہ پادریوں کو ملعون ٹھیراتے اور سزائیں دیتے ہیں اور مجرموں کو جرائم سے پاک کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ اشیائے مقدس کے بائع اور مشتری ہیں۔ ان کو اپنے گلوں کی کوئی پروا نہیں ہے اور وہ اون کے ساتھ اپنی بھیڑوں کی کھال تک کھینچ لیتے ہیں...... یہ لوگ جاہل ہیں اور عصیاں کار اور ان کا تمام ترطرزِ عمل بدنام کن ہے۔ کسی یونانی اسقف کو ان تمام جائز اور واجبی شکایتوں کے باوجود جو بطریق کے سامنے اس کا گلہ پیش کرتا ہے، کبھی سزا نہیں دی جاتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کیا جاتا ہے کہ اس کی جگہ کسی ایسے ہی دوسرے شخص کا تقرر کر دیا جاتا ہے اور اکثر اس شخص کو کسی دوسرے وسیع تر اور زیادہ نفع بخش مذہبی حلقے پر بھیجدیا جاتا ہے"۔

اس رسالے میں، جس میں فناری پادریوں کے خلاف الزامات قائم کئے گئے ہیں جن بے شمار استحصالات بالجبر کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان میں سے اور برطانوی قونصلوں کی رپورٹوں میں سے ہم صرف یہ اقتباس درج کرتے ہیں:۔ "ہر نئے گرجا کی رسم تقدیس کے وقت اسقف لوحِ مقدس کے نصب کرنے کے لئے ایک ٹیکس کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس زیادہ ستانی سے، اس کے اعداد کی زیادتی کی بناء پر گرجاؤں کی تعمیر میں ایک حد پیدا ہو جاتی ہے، جو گرجاؤں کی تعمیر کے لئے کم سے کم اسی قدر مانع ہے جتنا کہ مسلمانوں کا تعصب زیادہ سے زیادہ مانع ہوا کرتا ہے۔ ولادت، شادی، اور موت کے رجسٹر رکھکر پادری تعلقات اور قرابتوں کے متعلق خیال آرائیاں کرتے ہیں اور شادیوں میں طرح طرح کے ممنوعات وضع کرتے ہیں، جو روپے کے زور پر ہٹادئے جاتے ہیں۔ شادی کی معینہ فیس (۱۲) پیاسٹر ہے۔ لیکن شادی کرنے والوں کی دولت اور ذوق وشوق کے مطابق اس کو (۵۰۰) تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ شادی ہو جانے کے بعد، اسقف اس رشتے کو منقطع کرنے کے طریقے تلاش کر لیتا ہے اور اس کی توثیق و تصدیق مزید کے لئے مزید روپے کی ضرورت ہوتی ہے۔ دولت طلاق کی صورتوں کا تصفیہ کرتی ہے۔ موت بھی اتنی ہی قیمتی ہے جتنی کہ شادی۔ "نجاتِ ارواح" کے نام سے اسقف (۱۰۰) سے (۲۰۰۰) پیاسٹر تک فیس

وصول کرتا ہے، اور لاش اس وقت تک مکان سے باہر نہیں جا سکتی جب تک کہ یہ رقم ادا نہ ہو جائے۔ لیکن روحوں کی نجات کے لئے جو دعائیں کی جاتی ہیں وہ صرف تین سال تک خدا کے نزدیک قابل لحاظ ہوا کرتی ہیں۔ اس مدت کے منقضی ہونے سے پہلے متوفی کے خاندان کو ایک نہایت ہی کریہ رسم ادا کرنی پڑتی ہے۔ قبر جو صرف ایک پتھر سے ڈھکی ہوتی ہے، اس وقت کھولی جاتی ہے اور ہڈیوں کو جمع کرکے شراب سے دھویا جاتا ہے۔ کھوپڑی پر اگر مرد ہو تو ایک ترکی ٹوپی اور اگر عورت ہو تو ایک شال رکھدیا جاتا ہے۔ از سر نو دعائیں مانگی جاتی ہیں اور ایک آخری زبردست محصول (۵۰۰) سے (۲۰۰۰) پیاسٹر تک ادا کیا جاتا ہے"۔

تیس سال کا زمانہ ہوتا ہے کہ بعض نیک نیت لوگوں نے جن میں مدبرین سیاست اور مجتہدین دین عیسوی نیز کیتھولک اور آرتھوڈاکس، سب کے سب شریک تھے کلیسائے رومہ کے ساتھ کلیسائے مشرق کے اتحاد کے متعلق رائے عامہ کو پیشتر ہی سے آمادہ کرنے کے لئے ایک تحریک کا آغاز کیا تھا۔ ان میں سے ایک شخص، مسٹر فلیمسان، اتھینا کے میئر، نے ۱۸۹۳ء میں اپنے اخبار "عیون" میں یہ تحریر کیا تھا کہ یونانیت کا مستقبل مشرق اور مغرب کے کلیساؤں کے اتحاد پر منحصر ہے۔ اسی سلسلے میں اس نے اس امر پر اظہار تاسف بھی کیا تھا کہ یہ اتحاد اب تک معرض وجود میں نہیں آیا ہے۔ کلیسائے یونان کے مقابلے میں محمد نے جس بے تعصبی کے ساتھ کام لیا تھا، اور بطریق کو انھوں نے جو جو رعایتیں عطا کی تھیں، ان کا سوائے اس کے اور کوئی مقصد نہیں تھا کہ مشرق کے عیسائیوں کو مغرب میں اپنے حامی اور معین تلاش کرنے سے باز رکھا جائے اور اس طرح یورپ میں حال حال ہی میں قائم ہونے والے مسلم تسلط کو ایک حقیقی خطرے سے بچا لیا جائے۔ ۱۴۵۳ء سے قبل کلیسائے بازنطہ کا کلیسائے رومہ کے ساتھ اتحاد ہو جانے سے قسطنطنیہ بچ جاتا۔ اگر اس کے بعد یہ اتحاد قائم ہوتا تو ترک دوبارہ ایشیا کی طرف مار کر ہٹا دئے جاتے۔ محمد الفاتح جانتا تھا کہ اگر اس نے یونانی پادریوں کے غرور و جذبات کی مدح سرائی نہیں کی اور بطریق قسطنطنیہ کو اس امر کی اجازت نہ دی کہ وہ ایک بادشاہ کی طرح قادر و خود اختیار کرے اور حکومت اور یونانی عیسائیوں کے مابین اپنے کو ایک وسیلہ بنائے تو پھر یہ لوگ یقیناً مغرب کے کیتھولکس سے استعانت کریں گے اور

اس کی فتوحات کے لئے ایک دوامی خطرہ پیدا ہو جائے گا۔

لیکن دونوں کلیساؤں کے اتحاد کی متعلقہ تحریک کے بانیوں کی تکلیف فرمائیوں کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ ان میں سے بعض ام نعمان، فرانسیسی قونصل متعینہ ادرنہ جو نہایت ہی پکا الہینیت پسند تھا؛ ام فلیمان؛ اور آرچی منتوفیا، قسطنطنیہ کے خانقاہی نابانیوں کے صوبہ داری وزیر، کی طرح مایوس ہو کر مر چکے ہیں۔ جو لوگ زندہ ہیں، انھوں نے متنفر ہو کر اور دونوں طرف کے حربوں سے عاجز آکر اس جنگ سے ہاتھ اٹھا لیا ہے۔

سرکاری طور پر کلیسائے یونان کو آرتھوڈاکس چرچ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا اور یہ چار بطریقیتوں پر مشتمل تھا۔ قسطنطنیہ؛ بیت المقدس؛ انطاکیہ؛ اور اسکندریہ قسطنطنیہ کا بطریق اس فرقے کا سول چیف ہے لیکن مذہبی طور پر اس کو دوسرے بطارقہ پر صرف ایک اعزازی فوقیت حاصل ہے، جن کا انتخاب ان کے اپنے اپنے سنود کے ذریعے سے عمل میں آتا ہے اور قانوناً وہ خود مختار ہیں۔ قبرس اور کوہ سینا کے مطران بھی اسی طرح ان کے یاوروں (suffragans) کے ذریعے سے منتخب کئے جاتے ہیں اور اول الذکر کو تمام بطریقی مراعات حاصل ہیں۔ بطریق قسطنطنیہ کا انتخاب تاحیات عمل میں آتا ہے اور اس کو یا تو صرف باب عالی اپنے عہدے سے علیحدہ کر سکتی ہے یا سنود اور مجلس قومی کی شکایتوں پر اس کو علیحدہ کیا جاتا ہے۔ برات نصب (فرمان تقرر) میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سوائے تین صورتوں کے اس کو اپنی خدمت سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا یعنی یہ کہ یا تو وہ یونانی مذہب کے احکام کی خلاف ورزی کرے یا رعایا کو پریشان کرنے کے جرم میں وہ سزایاب ہو یا سلطان کے ساتھ اپنے تعلقات وفاداری کو منقطع کر لے۔ سنود مقدس، آرتھوڈاکسی (مونیت) کا ایک مقدس تربیت گاہ ہے، جو بارہ اسقفوں پر مشتمل ہے، جن کے منجملہ نصف کا ہر سال از سرِ نو تقرر عمل میں آتا ہے۔ یہ اصول مذہب کی حفاظت کرتا ہے اور مذہبی انتظامات کو برقرار رکھتا ہے۔ مجلس قومی انھیں چیزوں کی دنیوی حیثیت سے نگہداشت کرتی ہے، جن چیزوں کی کہ سنود مذہبی حیثیت سے حفاظت کرتا ہے۔

اس فرقے کے متعلق تمام اہم مسائل پر مجلس عام غور کرتی ہے اور اسی کے ذریعے ان کے تصفئے کئے جاتے ہیں۔ مجلس عام حسب ذیل لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے:-

سنود اور مجلس قومی کے ارکین؛ بطریقیت کے خاص خاص عہدہ دار؛ شاہ سیہاز؛ مجلس حکومت کے یونانی ممبر؛ احرار یین کے نمایندے؛ بنک اور تجارت کے نمایندے؛ اور گرجاؤں کے نائب۔"

بطریق اور اس کے حلقۂ اثر کے اسقف دونوں کو اپنے پادریوں سے اپیل کئے بغیر مساوی حقوق اختیارات حدود اراضی حاصل ہیں۔ بطریق کو آرتھوڈاکس فرقے کے مقدمات وراثت کے علاوہ شادی اور طلاق کے متعلق تمام مقدمات؛ پادریوں اور دنیاداروں کے مابین مذہبی رسموں کے متعلق تمام مباحثوں؛ اور خانقاہوں سے متعلق تمام امور کے تصفیے کا حق حاصل ہے۔ ان مقدمات میں جو سزائیں دی جاتی ہیں وہ ضرورت کے وقت بزور اسلحہ نافذ کی جاتی ہیں اور حکومت ایسے موقعوں پر بطریق؛ اسقف اعظم؛ اور اسقف کے کچھ فوج حوالے کر دیتی ہے۔ اس کے علاوہ یونانی اسقف کو دوسرے غیر مسلم فرقوں کے سرداروں پر فوقیت بھی حاصل ہے اور وہ استحقاق کے طور پر مجلس انتظامی سے تعلق رکھتا ہے۔ جہاں وہ رہتا بھی ہے۔"

۱۸۸۳ء میں امپیریل گورنمنٹ نے بطریق اور اسقفوں کے اختیارات کو محدود کر دیا اور یہ چاہا کہ ان کو صرف یہ اقتدار دیدیا جائے کہ وہ صرف ایسے پادریوں کو سزائیں دیں جو یا تو اپنے فرائض منصبی میں کسی قسم کی بدعنوانی سے کام لیں یا کلیسا کے قوانین کی خلاف ورزی کریں۔ جانشینی؛ وصیت؛ اور نان نفقہ کے مسائل عدالت ہائے مذہبی کے زیر اثر قرار دیدیئے جائیں اگر فریقین ان کے خلاف سرکاری عدالتوں میں مرافعہ کرنے کے مجاز رہیں۔ براتِ یا اسقفوں کے فرامین تقرریں اس لحاظ سے ترمیم کی جاتی تھی اور اس ترمیم کے بعد وہ مقدونیہ کے سیاسی اور دستوری پٹرو پولی ٹنس کے پاس بھیجدئے جاتے تھے جن کا ان گرجاؤں پر تازہ تقرر ہوتا تھا۔ اسی کے ساتھ ایک وزارتی گشتی میں مذکورۂ بالا تدابیر کے نفاذ کی صورتوں کا تعین کر دیا گیا تھا۔ ایکومینیکل پیٹریارکیٹ نے اپنے حقوق پر جو یونانی کلیسا کو زمانۂ قدیم سے حاصل تھے۔ اس تازہ حملے کے خلاف احتجاج کیا۔ مورخہ ۱۴ جولائی ۱۸۸۳ء کی ایک یادداشت میں بطریق جوکیم ثالث (Joachim III) نے تحریر کیا:"

آرتھوڈاکس کلیسا اور فرقے کے نمایندوں نے دولتِ علیہ کی سابقہ اجازت سے ایک قومی قانون مرتب کیا ہے اور اس اہم میثاق کے متعلق؛ جو ریاست اور کلیسا کے تعلقات کو مرتب

کرتا ہے، ۱۸۵۶ء میں شاہی منظوری بھی حاصل ہو چکی ہے۔ قانون اور بین الاقوامی منظوریات
کے لحاظ سے برات احکام میں کوئی ترمیم و تنسیخ نہیں ہو سکتی"۔

اس نظریے کی تائید میں یونانی اخبارات نے بیشمار سیاسی دستاویزات کا حوالہ دیا تھا۔
رشید پاشا کے ۱۴ جولائی ۱۸۵۳ء کی یادداشت کا بھی تذکرہ کیا گیا تھا، جو کاونٹ نیسل کا
موسومہ تھا اور جس میں ڈینیوبی صوبوں پر روسیوں کے قبضے کے خلاف احتجاج کیا گیا تھا۔
اس کے علاوہ ۲۶ مئی ۱۸۵۳ء کی عثمانی یادداشت کا بھی حوالہ دیا گیا تھا، جو انگریزی،
آسٹرین، فرانسیسی اور روسی نمایندگان قسطنطنیہ کے نام ارسال کی گئی تھی اور اسی طرح
سلطان عبدالمجید کے اعلان کا بھی تذکرہ کیا گیا تھا، جو ۲ جولائی ۱۸۵۳ء کا مجریہ تھا اور
شیخ الاسلام اور وزراء کے دستخطوں کے ساتھ تمام سلطنت میں گشت کرایا گیا تھا۔ اس کا
مضمون حسب ذیل تھا:-

"سلطان المعظم نے اپنے پر عظمت آبا و اجداد کی تقلید کر کے ان لوگوں کے ساتھ جو
رعایتیں ملحوظ رکھی ہیں، انھوں نے ان کے دلوں میں ایک مزید اطمینان پیدا کر دیا ہے۔
اس صورت سے کسی شخص کے دل میں یہ خیال بھی نہیں آ سکتا کہ اس قدر قدیم مراعات پر،
جو شاہی اقتدار نے خود بخود عطا کئے ہیں، کسی قسم کا حملہ ہو سکتا ہے یا ان کو کسی طرح محدود
کیا جا سکتا ہے۔ اس امر کے متعلق سلطان کی حکومت تمام دنیا کو اطمینان دلا سکتی ہے"۔

ان تمام دستاویزات کا جواب ایک نہایت ہی ہوشیاری سے مرتب کئے ہوئے
نوٹ میں دیا گیا، جس میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ "جن حقوق کا مطالبہ بحیثیت حقوق قطعی
کے کیا جا رہا ہے، وہ صرف ایک قسم کی رعایتیں تھیں، جو فاتح نے مغلوب قوم کو تالیف
قلب کے طور پر عطا کی تھیں اور یہ کہ برات کا مطالبہ کرنا یا عطا کیا جانا صرف داخلی امور
کے انتظامات سے متعلق ہوتا ہے اور اس حیثیت سے یہ بین الاقوامی میثاق کا مقصد و منشا
نہیں بن سکتا۔ مختلف مواقع پر اب سے چار مرتبہ پہلے بطریق کے حقوق میں ترمیم
کی جا چکی ہے اور اس کی طرف سے کوئی اعتراض نہیں اٹھایا گیا ہے"۔

بطریق اور باب عالی کے مابین تلخ گفت و شنید کے بعد اس امر پر اتفاق ہو گیا کہ
ایک فرمان تقرر، اسی حیثیت کا جیسا کہ اس کے آبا و اجداد کو عطا کیا جاتا تھا، بطریق کو
عطا کر دیا جائے۔ ۶ اپریل ۱۸۸۴ء کو یہ برات جو کمیٹی ثالث کے حوالے کر دے گی لیکن

ایک وزارتی تذکرے میں، جو اس کے ساتھ بھیجا گیا تھا، اس کی تردید کردی گئی اور انھیں ترمیمات کو نافذ کردیا گیا، جن کو یونانی کلیسا نے مسترد کردیا تھا۔

بطریق پر اس کے پیروؤں نے کمزوری اور نااہلیت کا الزام لگایا جس کی بنا پر وہ مستعفی ہوگیا اور مجلس قومی اور سنود نے برات کو وزارت معدلت کے پاس بھیجدیا۔ اس جھگڑے نے ایک سنگین صورت اختیار کرلی اور یورپین ڈپلومیسی نے اس معاملے میں مداخلت کی۔ سنود اور مجلس قومی نے مستعفی ہوجانے کی دھمکی دی اس کا اثر یہ ہوتا کہ اسکر منتک یونانیوں کے تمام مذہبی انتظامات درہم برہم ہوجاتے اور یونانی صوبوں میں مشکلیں پیدا ہوجاتیں۔

باب عالی نے اب ان لوگوں کے مشورے کو منظور کرلیا جنھوں نے اس کو اس امر سے آگاہ کیا تھا کہ اصلاحات کی ایک ایسی خطرناک اسکیم پر اس کو اصرار نہیں کرنا چاہئے سنود مقدس اور مجلس قومی کے پاس ایک وزراء کا تذکرہ روانہ کیا گیا جس میں حسب ذیل عبارت تحریر تھی:۔

"دولت علیہ کی یہ خواہش ہے کہ وہ اس میں اور اس کی قوم میں یگانگت پیدا کردے۔ لہٰذا وہ تمام آزادیاں اور رعایتیں از سر نو عطا کی جاتی ہیں، جو اصلاحات کی وجہ سے معمولی طور پر متزلزل ہوگئی تھیں تاکہ وہی صورت حال پھر پیدا ہوجائے جو پہلے تھی۔ جن معاملات کا تعلق پادریوں، راہبوں اور مذہبی کارروائیوں سے ہے ان کے متعلق مجلس جس کو بطریق کے انتخاب کے لئے منعقد کیا جائے گا، سلطنت اور کلیسا کے اختیار کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کرے گی۔ اگر حالات موجودہ کو کسی قسم کا صدمہ پہنچا ہے اور قانون کسی طرح متاثر ہوا ہے تو اس کا ذمہ دار سابق بطریق جوکیم آفندی ہے۔"

درخاز کے اسقف کو جوکیم رابع کے نام سے بطریق منتخب کیا گیا اور ایک شاہی صداقت نامہ اس کو عطا کیا گیا جیسی کہ اس کے پیش روؤں کو عطا کیا جاتا تھا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام قضیے کا تصفیہ ہوگیا ہے لیکن حکومت عثمانیہ نے اپنی تجویزوں کو پورا کرنے کے لئے کوئی تدبیر اختیار نہیں کی اور کسی موقع پر بھی ان چیزوں کو ایک ایک کرکے واپس لینے سے نہ چوکی جو اس نے اکھٹی دے ڈالی تھیں۔ اسی

طرزِ عمل میں بطریق جوکیم رابع کے مستعفی ہو جانے اور اس کے جانشین ڈینیز خامس سنہ ۱۸۸۷ء کے انتخاب کے بعد اور بھی شدت پیدا ہو گئی، گو ایسا ممکن تھا کہ نئے بطریق کو برات کے عطا کئے جانے میں کوئی دشواری نہ ہوتی۔ بہر حال سنہ ۱۸۹۰ء میں کلیسائے یونان کے حقوق کے مسئلے نے نہایت ہی سنگین صورت اختیار کر لی۔

جس زمانے میں کہ اگناٹیف روسی سفیر قسطنطنیہ بہ زمانہ سنہ ۱۸۷۰ء کی تحکمانہ درخواستوں نے سلطان عبد العزیز کو بلغاری اگزارکیٹ کے متعلق فرمان جاری کرنے پر مجبور کیا تو اس وقت اس قانون میں یہ امر خاص طور پر واضح کر دیا گیا تھا کہ بلغاری اسقفوں کو صرف ان مقاموں پر مقرر کیا جائے گا جہاں $\frac{3}{5}$ آبادی بلغاریوں کی ہو۔ بلغاریوں کی بغاوت اور ترکی اور روس کی جنگ سے باب عالی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ بلغاری پادری بھی اتنے ہی خطرناک ہیں جتنے کہ خود نہایت ہی کٹر باغی اور باغی گروہوں کے سردار۔ چنانچہ باب عالی نے صرف یہی نہیں کیا کہ اب تک جن اسقفوں کا تقرر نہیں ہوا تھا ان کو تقرر کے فرامین عطا کرنے سے انکار کر دیا بلکہ مقدونیہ کے بلغاری پادریوں کو بھی اپنے مرتبے سے گرا دیا۔ ایک بلغاری ریاست اور ایک خود مختار صوبے کے قیام اور پھر ان دونوں کے ایک ہی ریاست میں مدغم کرنے سے جو برائے نام باجگزار تھی اور حقیقت میں خود مختار بلغاری ایکزارک کے لئے ایک نہایت نازک صورت حال پیدا کر دی۔ یونانیوں نے اس سے یہ فائدہ اٹھایا کہ مقدونیہ کے تمام بلغاریوں کو فنار کے اختیارات حدود ارضی میں شامل کر دیا۔ عثمانی مقتدرین پر اکیومنیکل پیٹریارکیٹ کا اتنا اثر تھا کہ یونانی جو چاہتے تھے کرتے تھے۔ بلغاری ایکزارک نے سنہ ۱۸۹۰ء میں استقف تھیوفیل کو مقدونیہ اس غرض سے بھیجا کہ وہ بلغاریوں کی صورت حال کے متعلق تحقیقات کرے۔ اسی شخص کو دبری کے مقام پر یونانی استقف انتھی موتزہ کے اشارے اور متصرف کے ایما سے قتل کر دیا گیا۔ اور ایکزارکیٹ کو اس کے متعلق کوئی اطمینان بخش جواب نہ مل سکا۔ سنہ ۱۸۹۰ء کے آغاز پر اسکوب کا بلغاری استقف یم۔ تھیوڈورجو وزیر اعظم کی باقاعدہ اجازت کے ساتھ اپنے حلقۂ اثر میں گیا تھا فنار کی سازشوں کے ذریعے سے نہایت ہی تشدد کے ساتھ نکال دیا گیا۔

اکیومنیکل پیٹریارکیٹ کو یہ یقین تھا کہ بلغاری ایکزارکیٹ بالکل بے بس ہو چکی ہے

خصوصاً اس موقع پر جب کہ بلغاریہ کے سرکاری کارکن متعینہ قسطنطنیہ نے حکومت موصوفہ کی طرف سے کامل کو ایک نوٹ حوالہ کیا جس میں کوبورگ کے بادشاہ کو تسلیم کر لینے اور بلغاری اسقفوں کی برات کے مسئلے کو مرتب کرنے کے متعلق مطالبہ کیا گیا تھا ۔ (۱۶ جون ۱۸۹۰ء) ان دونوں مطالبات میں سے پہلا مطالبہ صرف اس لئے کیا گیا تھا کہ دوسرے کو کامیابی ہو ۔
فنار کی بطریقیت کے احتجاجات کے باوجود جس نے یہ دلیل پیش کی تھی کہ مقدونیہ کے بلغاری اسقفوں کو برات کے عطا کئے جانے سے آرتھوڈاکس کلیسا کے حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور روس کی طرف سے مخالفت ہونے پر بھی جو امر استامبولاف کے مطالبۂ برات کو اپنے مقابلے میں ایک قسم کا جرم تصور کرتا تھا ، اسکوب پرولی اور آفرید ہ کے بلغاری اسقفوں کو ۲۹ جولائی کو برات عطا کر دئے گئے ۔ حکومت عثمانیہ نے روس اور اتفاق ثلاثہ اور انگلستان کے مابین جن میں سے اول الذکر برات کا مخالف تھا اور انگلستان اور اتفاق ثلاثہ موافق دول کے دباؤ کو جن کو وہ سب سے زیادہ زبردست تصور کرتی تھی مان لیا ۔ ایکومنیکل پیٹریارکیٹ نے اس ضرب کو بہت کچھ محسوس کیا اور واقعہ یہ ہے کہ یہ صورت حال بالائی مقدونیہ میں یونانی اثر کی تباہی اور بلغاری عنصر کے تجاوز کے احترام کی حیثیت رکھتی تھی جس کو اب اسقفوں اور فناری مدرسوں کے ظلم و تشدد سے آزادی مل گئی تھی ۔ لازمی طور پر سیاسی مبانی سے خواہ مخواہ پریشان ہو کر ان لوگوں نے اس مسئلے کو مذہبی معاملات میں شامل کرنے کی کوشش کی ۔ اس بطریق نے ترکوں کی یونانی کلیسا کی آزادیوں کو کم و بیش خفیہ طریقے پر منسوخ کر دینے کی کوششوں سے یہ فائدہ اٹھایا کہ ایسی مسلسل شکایتیں پیش کرنا شروع کر دیں جن میں بلغاری برات کا مسئلہ بظاہر ایک عام مسئلہ معلوم ہوتا تھا ۔ فنار نے حسب ذیل چھ امور کے متعلق دعوے کئے تھے :۔
(۱) شادی اور طلاق (۲) وصیت نامے اور جانشینیاں (۳) مدارس (۴) پادریوں کا حلف (۵) پادریوں کے اختیارات حدود اراضی (۶) بلغاری اسقفوں کی برات ۔
بطریق نے ترکی عدالتوں کے اس حق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ وہ شادی طلاق ۔ نان نفقہ اور وصیت کے مقدمات میں مداخلت کریں ۔ اس دعوے کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کی جو درست تھی ، شادی ایک قسم کا اصطباغ ہے اور اس لئے

ایک اسلامی عدالت اس چیز کو کھول نہیں سکتی جسے کلیسہ نے باندھ دیا ہے اور یہ کہ عیسائی اسلامی قواعد کی اس لئے پابندی نہیں کر سکتے کہ وہ قرآن پر مبنی ہیں ۔ مدارس کو چونکہ ارتھوڈاکس فرقہ قائم کرتا تھا اور ابھی ان کے اخراجات کا متحمل ہوتا تھا اس لئے بطریق نے پروفیسروں کے متعلق حق نامزدگی کا مطالبہ کیا جس میں حکومت کو صرف نگرانی رکھنے کا استحقاق حاصل تھا۔ چوتھے اور پانچویں معاملے کے متعلق بطریق کے دلایل کمزور تھے ۔اس نے یہ بیان کیا تھا کہ پادریوں کا عدالت میں حلف اٹھانا کلیسہ کے اساسی قانون کے خلاف تھا ۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ تمام سزا یافتہ پادریوں کو مذہبی مجلسوں میں بھیجا جانا چاہیئے کلیسہ کے تمام مسلمہ حقوق سے مدد دی اور اس پر زور دیا کہ اگر کسی سزا یافتہ پادری کا جبہ کلیسائی عدالت نے اس سے واپس نہیں لیا ہے تو ایسی صورت میں سرکاری عدالت اسکے خلاف کچھ نہیں کر سکتی ۔ چھٹے مسئلے کے متعلق بطریق کا یہ مطالبہ تھا کہ :-

(۱) یہ چونکہ کلیسہ اعظم نے بلغاریوں کو برادری سے خارج کر دیا ہے، اس لئے ان پر نفاق کی ذمہ داری عاید ہوگی ۔ اور کلیسہ کا یہ فیصلہ ایسا ہے کہ جس کے خلاف صرف ایسی کلیسائی مجلس میں چارہ جوئی ہوسکتی ہے جس کی صدارت صدر اسقف کرے گا ۔ یہ مجلس یونانی رسم و رواج کے متعلقہ تمام کلیساؤں پر مشتمل ہوگی اور جو دنیاوی طاقت کے اختیارات حدود ارضی کے حلقے سے خارج ہوں ۔

(۲) یہ کہ بلغاری پادریوں کو اپنے لباس میں ترمیم کرنے پر مجبور کیا جانا چاہیئے تاکہ خارج از کلیسا ہونے کی حیثیت سے ان کو لوگ ارتھوڈاکس پادری نہ سمجھیں ۔

(۳) بائزنطینیوں میں مل جل کر ترک بھی اس قدر جلد جو بن گئے تھے جتنے کہ خود بائزنطینی تھے ۔ باب عالی اور فناریس یادداشتوں کے ایک نہایت ہی بامعنی مبادلے کا سلسلہ شروع ہوا جن میں ذومعنی اشاروں اور الفاظ کی لڑائی ایک مدت تک جاری رہی مگر جس کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ بطریق ڈینیز ہاس سے جو بلغاری اسقفوں کو براءت عطا کئے جانے کے بعد کئی مرتبہ مستعفی ہونے کا ارادہ ظاہر کر چکا تھا مگر عثمانی حکومت نے اس منظور کرنے سے انکار کر دیا تھا اب اپنے عہدے سے استعفا پیش کر دیا اور اپنے دیہاتی مسکن میں گوشہ نشین ہو گیا ۔ سنود مقدس نے جس کا صدر

ہراقلیس کا اسقف اعظم اُم جرمینوس تھا ایک گشتی جاری کی جو فی الحقیقت لڑائی کا اعلان تھا۔ اس میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ کلیسہ پر سختی کی جا رہی ہے اور سنود اور مجلس قومی کوئی ذمہ داری نہیں لے سکتی اور اس لئے وہ بطریقیت کو خالی چھوڑ کر اور تمام مذہبی رسموں کو روک کر علیحدہ ہو جانے پر مجبور رہیں۔ چنانچہ تمام گرجاؤں کے دروازے بند کرنے کا حکم دیدیا گیا اور صرف اصطباغ اور تقدیس آخر کی رسمیں جاری رہیں[1]۔

ان معاملات کو انتہا تک پہنچا دینے میں سنود کو یہ توقع تھی کہ باب عالی اس امر سے خوف زدہ ہو کر کہ آرتھوڈاکس لوگوں میں تعصب مذہبی کے پھوٹ پڑنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سلطنت کے تمام یونانی صوبے اُٹھ کھڑے ہوں گے مفاہمت کرے گی۔ لیکن سوائے اس کے کہ سمرنا میں ایک پُرامن مظاہرہ کیا گیا اور بعض دوسرے مقامات پر اس مسئلے سے کسی قدر دلچسپی ظاہر کی گئی، تمام یونانی آبادی خاموش رہی۔ بعض میٹروپولیٹنس نے، جو ترکوں میں رسوخ حاصل کرنا چاہتے تھے، سنود کے احکام کی خلاف ورزی کی اور اپنے گرجاؤں کو اس وقت تک بند نہیں کیا جب تک کہ ان کو تکفیر کی دھمکی نہیں دی گئی۔ اپنے پیرووں کی بے پروائی دیکھکر بطریق نے یہ سمجھ لیا کہ مدعی سست و گواہ چست والا مضمون ہے؛ لہٰذا اُس نے یہ مناسب سمجھا کہ ترکوں سے شرائط طے کر لے۔ گفت و شنید، جس کا سلسلہ باب عالی اور فنار کے مابین کبھی منقطع نہیں ہوا تھا اور اس وقت بھی جاری تھی جب کہ صورت حال نہایت نازک ہو گئی تھی، اب ایک ایسی مفاہمت پر ختم ہو گئی، جس کو یونانیوں نے اپنی فتح سمجھ کر خوب خوشیاں منائیں، مگر جو در اصل ان کی شکست تھی۔

وزیر کے ایک خط نے، جو ۲۳ جنوری ۱۸۹۱ء کو تحریر کیا گیا تھا شادیوں،

---

[1] اسی قسم کی ایک نازک مذہبی صورت حال اس سے پہلے دو مرتبہ اسکر ہیننگ آرتھوڈاکس چرچ میں بھی واقع ہو چکی تھی۔ پہلی ۱۲۰۴ء میں قسطنطنیہ پر صلیبیوں کے قبضے کے بعد واقع ہوئی تھی جب کہ کلیسائے یونان کا مستقر نکی میں بدل دیا گیا تھا، جہاں وہ ۱۲۶۱ء تک قائم رہا۔ دوسری ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ پر ترکوں کے قبضے کے بعد واقع ہوئی تھی جبکہ کلیسا کو دوبارہ قسطنطنیہ سے نکالدیا گیا تھا جو صرف اس وقت واپس ہوا جبکہ محمد ثانی نے پاپائی تخت پر جنیڈیوس کو بٹھا دیا۔

طلاق، وراثت[۱] اور مدارس کے معاملے میں بطریق کو مطمئن کر دیا۔ مگر پادریوں کی حلف اور اختیارات کے معاملے میں بطریق کو اتنی کامیابی نہیں ہوئی۔ جس پادری کو کسی دیوانی یا فوجداری معاملے میں حلف اٹھا لینے کے لئے طلب کیا جاتا تھا اسے مسلمہ مذہبی احکام کے مطابق قسطنطنیہ کی بطریقیت یا صوبہ جات کی میٹرو پولیٹن میں مجبوراً حلف اٹھانا پڑتا تھا۔ جرائم کی حد تک پادری سرکاری عدالتوں کے جوابدار ہیں۔ معمولی قصوروں میں بطریق ان کو سزائیں دیتا ہے۔ جرائم کی صورت میں پادریوں کی مذہبی حیثیت باقی نہیں رہتی وہ عام مجالس میں بھیج دیئے جاتے ہیں۔ اگر کسی مقام پر جنگی قانون نافذ کیا جاتا ہے تو اس موقعے پر صرف کورٹ مارشل پادریوں کے معاملات کا فیصلہ کرتا ہے۔ بلغاری مراتیں علیٰ حالہٖ برقرار ہیں۔ یونانیوں کو اس معاملے میں جو کچھ رعایت حاصل ہوئی وہ یہ تھی کہ بلغاری اسقف کے تیسر ولی کی اسقفیت پر قابض ہو جانے کو کچھ عرصے کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔

بہر حال فنا ئیین کے حقوق کے خلاف ترکوں کی جنگ یعنی ختم نہیں ہو گئی۔ حکومت نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ ان حقوق کو منسوخ کر دیا جائے تاکہ عیسائیوں کے یہ معاملات دیوانی تمام اختیارات خود انتظامی خود بخود فنا ہو جائیں۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے صرف وقت کا سوال باقی رہ گیا تھا اس لئے کہ باب عالی جبر سے کام لینا نہیں چاہتی تھی۔ ترکی کے قانون رجسٹریشن نے ۱۹۱۰ء میں ایک نیا جھگڑا پیدا کر دیا جو ایکونیمیکل پیٹریارک کے موافق نہیں تھا اور جس کا لو نانیوں کے لئے لازمی نتیجہ یہ تھا کہ سنو دمقدس اور مجلس قومی بطریق قسطنطین جاسں کو برطرف کر کے سابق بطریق جوخیم ثالث کو اس کی جگہ مقرر کر دے، جو ۱۸۸۴ء میں اپنی خدمت سے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔

[۱] وراثت کے مسئلے میں ایک نہایت ہی اہم قید لگائی گئی تھی۔ "اگر وارث دوسرے فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں یا دوسری سلطنتوں کی رعایا ہیں، یا اگر وصیت نامہ قانونی وقف یا پبلک اراضی پر مشتمل ہے، یا اگر عثمانی رعایا میں سے کوئی شخص یا کوئی پردیسی شخصی جائیداد یا اصل اسٹیٹ کا دعویدار ہو تو ان تمام صورتوں میں سرکاری عدالتوں میں ایسے امور کا تصفیہ کیا جائے گا"

سن ۱۹۱۴ء تک ترکی میں سرکاری رجسٹریشن کا طریقہ کم سے کم اس حیثیت سے نافذ نہیں تھا، جیسا کہ فرانس میں ہے۔ مسلمانوں میں اماموں اور عیسائیوں میں پادریوں کے پاس ولادت، شادی، اور موت کے رجسٹر رہا کرتے تھے۔ حکومت نے حکومت کے ماتحت رجسٹریشن کا ایک جدید سررشتہ قائم کرنا چاہا۔ کچھ مدت کی مہلت کے بعد یہ نیا قانون نافذ کیا جانے والا تھا اور یہ تصفیہ ہوگیا تھا کہ تاریخ نفاذ سے صرف سرکاری رجسٹریشن کو تسلیم کیا جائے گا۔ تمام عثمانی رعایا کا، عام اس سے کہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتی ہو، فرض تھا کہ تمام ولادتوں، شادیوں، اور اموات کی رجسٹری کرائے ورنہ قانون کا مخص کیا ہوا جرمانہ ادا کرے۔ سنود مقدس نے اس قانون کے خلاف اس بنا پر احتجاج کیا کہ اس کے نزدیک یہ ان کے فرقے کے حقوق کی خلاف ورزی تھی اور اس نے بطریق سے مطالبہ کیا کہ وہ کلیسائے یونان کے حقوق کی حفاظت کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرے۔ قسطنطین خامس کی کمزوری عیسائیوں کو اس امر کا موقع دے دیا کہ وہ اس پر الزامات عائد اور حکومت سے اس کے خلاف سازباز کریں۔ سنود مقدس اور مجلس قومی نے اس کو اپنے عہدے سے برطرف کر دیا۔ بطریق نے اس امر کے متعلق لڑنا چاہا مگر باب عالی اس کی مخالف ہوگئی اور ۱۲ اپریل کو وزارت عدالت کے ناظم مذاہب، زبور بے نے قسطنطین خامس کو اطلاع دے دی کہ ایک شاہی فرمان میں اس کی برطرفی کے متعلق ہر دو مجالس کے فیصلے کو منظور کر لیا گیا ہے۔

جوکیم ثالث کے ۱۸۸۴ء میں زوال کے بعد سے فنار میں پانچ بطریق یکے بعد دیگرے مقرر کئے جا چکے تھے مگر ان کا انتظام کچھ اس طرح کا تھا کہ ہر روز سابق بطریق کو لوگ تاسف کے ساتھ یاد کیا کرتے تھے۔ جوخیم ثالث کے جانشینوں کی ونائت کی بنا پر اس نے لوگوں میں ہر دلعزیزی حاصل کر لی تھی اور اس کے جانشینوں کی نااہلی کے مقابلے میں اس کے ذاتی جوہروں کو عجیب و غریب تصور کیا جانے لگا تھا۔ اس کی بطریقیت کے زمانے میں لوگوں کو اس سے جو کچھ شکایتیں تھیں، وہ اب بھلا دی گئی تھیں، اور اس کی صرف وہ ناقابلِ تردید خدمات، جو اس نے اپنے کلیسا اور اپنی قوم کے لئے انجام دی تھیں لوگوں کو یاد تھیں۔ ۱۴ جون کو جوخیم ثالث دوبارہ بطریق منتخب کیا گیا، اور اس کی ذات سے لوگوں کو جو امیدیں وابستہ تھیں، ان میں

کسی کو اس لئے مایوسی نہیں ہوئی کہ اس نے فناریئین کے حقوق کے لئے حکومت سے سخت لڑائی لڑی ہے۔

بطریقی مجلس دراصل اب ایک ہارا ہوا کھیل کھیل رہی تھی۔ مشرق کی عیسائی آبادی کو یونانی اثر میں لانے کا وہ عظیم الشان کام جس کو اس نے عثمانی تسلط کی آڑ میں اس قدر تصمیم قلب کے ساتھ شروع کیا تھا اور جس کے متعلق اس کو یہ خیال تھا کہ گزشتہ صدی کے آغاز میں پورا ہو چکا ہے، عیسائیوں کے مختلف فرقوں کے قومی مطالبات کے روز افزوں طوفان میں ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔ فناریئین نے بلغاری اگزارکیٹ سے نہ صرف بلغاریہ ہی کو علیحدہ کر دیا تھا بلکہ مقدونیہ کے متعلق بھی کامیابی کے ساتھ انھوں نے اس سے جنگ کی تھی اور خود قسطنطنیہ میں ایک حریف سنود قائم کر دیا تھا۔ سربی اور کوزودیلاکش اپنے کو آزاد ہی کر لینے والے تھے اور اس معاملے میں صرف وقت کا سوال باقی رہ گیا تھا۔ ۱۸۹۹ء میں انطاکیہ کی بطریقیت نے فناری عنصر کے تسلط سے اپنے کو اس وقت آزاد کر لیا تھا جب کہ روس کی امداد سے عربی اور شامی جماعت نے یونانی بطریق، اسپیریڈیان کو، جو فناریئین کے مفادات کی خاطر بطریقی تخت کی خود مختاری کو مٹا دینے کے لئے سرگرم عمل تھا۔ معزول کر کے جماعت قومی کے امیدوار آرام میلی طوس (meletius) کو بطریق بنا دیا تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ بیت المقدس کی بطریقیت یونانی اثرات سے یونانی راہبوں کے خلاف جنھوں نے تمام خانقاہوں اور کلیسائے بیان کے تمام مقدس مقامات پر مالکانہ قبضہ جما لیا ہے، ہر ارتھوڈاکس عربوں کی بغاوت کے ذریعے سے آزاد ہو رہی ہے۔

کلیسائے رومہ سے تعلق رکھنے والے یونانیوں کو ملکیین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ نام بدعتی لیڈروں نے ان لوگوں کا رکھا تھا، جنھوں نے شاہ مرشیان (marcien) کے جس نے کل سیڈان کی مجلس کے فیصلوں کو نافذ کرنے کا حکم دیا تھا، احکام کی تعمیل کی تھی۔ گزشتہ صدی کے آغاز میں رومہ میں مجتمع ہو کر ۱۸۳۱ء میں ان لوگوں کو ایک علیحدہ فرقہ قائم کر لینے کا استحقاق عطا کر دیا گیا۔ بطریق کے ماتحت (۱۸) اسقف ہوتے ہیں، جن کے منجملہ ایک اسقف، جس سے کوئی گرجا متعلق نہیں ہوتا، چانسلر کے فرائض انجام دیتا ہے۔ ان اسقفوں کا انتخاب

عوام اس فہرست سے کرتے ہیں، جو بطریق مرتب کرتا ہے۔ خود بطریق کا انتخاب اسقف کرتے ہیں اور یہ انتخاب پوپ کی تصدیق کا محتاج ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے مذہبی قانون عربی زبان میں ہیں۔ یہ لوگ شام کے باشندے ہیں، جہاں مسلمانوں کی فتح تک ان کو غلبہ حاصل تھا۔

البانی :۔ لندن کی کانفرنس سفراء نے البانیہ کو ایک خودمختار ریاست بنا دیا تھا، چنانچہ اس میں اور سلطنت عثمانیہ میں کوئی چیز مشترک نہیں پائی جاتی۔

کوزو ویلاش :۔ کوزو ویلاش (ویلاش لنگا) تھسلی، اپیرس، مقدونیہ، اور بالائی البانیہ میں پھیلے ہوئے ہیں اور آجکل ان کا کچھ حصہ یونان، سربیہ، یا البانیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اوؤسے بیس، اندرونائس، کولاکوز، حاجی پترو اور کلیٹی، جو یونان کی جنگ حریت کے شہرۂ آفاق سردار ہیں، بیرن سینا اور دوسرے دولتمند بنکرس اسی قوم سے تعلق رکھتے تھے۔

لاطینی :۔ اس نام سے باب عالی کی اس کیتھولک رعایا کو ممتاز کیا جاتا ہے، جو مذہبی نقطۂ نظر سے رومہ سے راست تعلق رکھتی ہے۔ ان کا کوئی خاص فرقہ نہیں ہے اور ان کا سردار ایک ایسا نائب ہوتا ہے، جو بغیر کسی قسم کے اعزازات یا خطابات کے اپنے فرائض کو انجام دیتا ہے۔ یہ لوگ مذہبی حیثیت سے ایاسٹولک وکاریٹ آف قسطنطنیہ اور اس کی متعلقہ اسقفیتوں کے ماتحت ہوتے ہیں اور ان کے دیوانی معاملات کا تصفیہ نائب کرتا ہے، جس کا تقرر باب عالی کی طرف سے کیا جاتا ہے اور جس کی امداد کے لئے چار ممبروں کی ایک مستقل کونسل ہے۔ البانی کیتھولک لوگوں کا اگرچہ کلیسائے رومہ سے تعلق ہے لیکن یہ لاطینی رعایا میں شمار نہیں کئے جاتے، جس کو خاص خاص حقوق حاصل ہیں (vatican) ویٹیکان کے قول کے مطابق لیوانٹ کے تمام کیتھولک عمال پر ہمیشہ فرانس کی نگرانی رہتی ہے۔ باوجودیکہ ریاست سے کلیسا کا تعلق باقی نہیں رہا ہے۔

۱۸۹۲ء میں باب عالی نے تجربے کے طور پر ایک ایسے کیتھولک بطریق کے تقرر کی کوشش کی تھی، جس کی رومہ سے تعلق رکھنے والے تمام فرقے دیوانی معاملات میں اطاعت کریں۔ یہ دراصل ترکی اور پوپ کے مابین ایک قسم کا معاہدہ تھا اور اول الذکر

کے لئے مذہبی پروٹسٹنٹ نو رنیس کے مٹا دینے کا ایک ذریعہ ہو۔
اس مسئلے کے متعلق وینٹی کان کے ساتھ ارمنی کیتھولک بطریق کے توسط سے سلسلہ جنبانی کی گئی۔ یہ شخص ام ازاریان تھا، جو ایک زمانہ ساز، حیلہ گر اور متعصب پادری تھا اور جس کو ایک ہی وقت میں قسطنطنیہ، روما، پاریس اور برلن میں رسوخ حاصل تھا اور جو اپنے لئے کیتھولک بطریقیت کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ اس خیال سے تمام کارروائی درہم برہم نہ ہو جائے اس مسئلے کا ابتداءً صرف الباتیہ سے تعلق تھا لیکن کلیسائے روما نے یہ جواب دیا کہ وہ صرف اس صورت میں کسی معاہدے کو تسلیم کر سکتا ہے کہ آسٹریا کے حقوق کی صراحت کے ساتھ حفاظت کر دی جائے۔ یہ ایک مسئلے سے دوسرے مسئلے کو حل کرنے والی صورت تھی۔ اس تجویز کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا لیکن اس سلسلے کا پھر کسی وقت یقیناً آغاز کیا جانے والا ہے۔ اور یہ فرانس کا، جس کے مفادات و اثرات مشرق کے لئے اس سے خطرہ ہے، فرض ہے کہ وہ اس کو صورت پذیر نہ ہونے دے۔
قسطنطنیہ کے کیتھولک پادریوں کا فرقہ ایسے مقامی پادریوں پر جو خانقاہی قواعد سے آزاد ہیں اور کثیر التعداد مذہبی حلقوں پر مشتمل ہے۔ کیتھیڈرل چرچ کے علاوہ تمام گرجاؤں کی خدمت راہب کرتے ہیں۔ یہ حلقے حسب ذیل ہیں:۔ ڈومی نی شنس، جو سب سے قدیم ہے؛ جے سوٹس، جو ۱۵۸۳ء میں "لارڈس پیرس کی استدعا پر ان کے بچوں کی تعلیم کے لئے" آئے تھے؛ فران سس کنس (۱۶۱۳ء)؛ ربی کولٹس (۱۷۸۳ء)؛ لزارسٹس (۱۶۷۳ء)؛ برادرانِ اصولِ مسیحیت؛ سسٹرس آف چیرٹی (۱۸۳۹ء)، جنھوں نے اپنے مدارس اور شفاخانے تمام ترکی میں پھیلا دئے ہیں؛ لیڈیز آف سیان؛ اے زمپ شنسٹس، اور زمانہ حال سے تعلق رکھنے والے گرجستانی۔
یہ تمام مذہبی حلقے اور خصوصاً فران سس کنس؛ اصولِ مسیحیت اور سسٹرس آف چیرٹی لیوانٹ میں فرانسیسی اثرات کے نہایت سرگرم موئید ہیں۔

سلانیقی گروہ

۱۸۷۷ء کی لڑائی سے پہلے سلانیقی ترکی ان یورپ کی سب سے زیادہ زبردست

قوم تھی۔ یہ لوگ سربی اور بلغاری دو بڑی بڑی شاخوں میں منقسم ہیں۔ معاہدۂ برلن اور ۱۹۱۲ء کی لڑائی کے بعد سے تمام سربی اور تقریباً تمام بلغاری باب عالی کی اطاعت سے آزاد ہوگئے ہیں۔

بلغاری :۔ یہ لوگ تاتاری النسل ہیں۔ ان لوگوں نے موسیہ کے سلافیقیوں کی، جن کو ۸۰۰ء میں انھوں نے مغلوب کرکے عیسائی بنا دیا تھا، زبان، طریقے، اور رسم و رواج اختیار کر لیا۔

پورے ترکی علاقے میں بلغاریوں کی تعداد (۲) سے (۷) ملین تک ہے۔ یونانی اکثر مواضعات اور قلعوں ہی کا اس بہانے سے مطالبہ نہیں کرتے ہیں کہ ان کے باشندے یونانی زبان بولتے ہیں، بلکہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ چند مستثنیات کے علاوہ تیراس اور مقدونیہ کے بلغاریوں کو کامل طور پر یونانی بنا دیا گیا تھا۔ مقدونیہ میں مختلف قومیں ایک دوسرے سے اس قدر مل جل گئی ہیں کہ مردم شماری ناممکن تھی۔ اب رہا یہ کہنا کہ ایک ملک میں یہ زبان بولی جاتی ہے اور دوسرے میں یہ تو امتیاز کا یہ کوئی موثق طریقہ نہیں ہوسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ تیراس اور مقدونیہ کے جنوبی علاقوں میں تمام طبقے یونانی یا بلغاری زبان بلاتمیز استعمال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمہ یونانی منطقے کے اکثر بلغاری مواضعات میں صرف یونانی پادری اور مدرس ہیں اور عام اس سے کہ ان کی خواہش ہے یا نہیں یہاں کے باشندے ایک ایسی زبان استعمال کرنے پر مجبور رہیں، جو ان کی نہیں ہے۔ آج ترکی حکومت کا ماتحت مشرقی تیراس کے علاوہ اور کوئی بلغاری باشندہ نہیں ہے۔

صرف ۱۸۷۰ء کے بعد اس وقت جب کہ بلغاری کلیسا اور فنار یئین میں بدعتوں کا آغاز ہوا اور باب عالی نے سرکاری طور پر ان کے اپنی ایک قوم قائم کر لینے کے حق کو تسلیم کر لیا، بلغاریوں نے اپنا ایک علیحدہ فرقہ قائم کر لیا۔ مذہبی اور سیاسی لڑائی اور تمام قسم کی سازشوں کو، جو بلغاری اگزارکیٹ کے قیام جدید سے پہلے واقع ہوئی تھیں اور اسی کی ذمہ دار تھیں، ۱۸۷۶ء اور ۱۸۷۷ء کی جنگ کی تمہید سمجھنی چاہیئے اور اسی لئے ان پر توجہ کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ بالخصوص اس لئے کہ مشرق میں مذہب قومیت کا اس حد تک مرادف ہے کہ صرف الفاظ میں فرق ہوا کرتا ہے۔ ان لوگوں میں سے ہر فریق

جو ترکوں کی جانشینی کی توقع لے کر جزیرہ نمائے بلقان میں اپنی فوقیت کے لئے لڑتا ہے، ہمیشہ اپنے تاریخی حقوق اور نسلی حالات کی امداد کے لئے جو ان حقوق سے پیدا ہوتے ہیں، مذہب سے استعانت کرتا ہے۔

ابتداً جزیرہ نمائے بلقان میں صرف ایک بطریقیت بائزنطہ میں تھی، چھٹی صدی میں اقریدہ کی اسقفیت عظمٰی کو قائم کیا گیا، جس کے اختیارات کو البانیہ اور بالائی مقدونیہ بھی تسلیم کرتے تھے۔ بلغاریوں اور سربیوں کے موسیہ؛ دردانوز؛ اور مقدونیہ میں ساتویں صدی میں آباد ہوجانے اور خود مختار حکومتوں کے قائم ہوجانے کا یہ نتیجہ ہوا کہ بائزنطہ کی رقیب دو اور بطریقیتیں قائم ہوگئیں۔ ایک بلغاری بطریقیت طرناؤ میں سنہ ۱۱۹۶ء میں اور دوسری سربی بطریقیت سنہ ۱۳۴۶ء میں اپیک میں۔ اقریدہ کی اسقفیت عظمٰی موخر الذکر کی ماتحتی میں چلی گئی۔ ابھی ترکی فتوحات پوری طرح مکمل بھی نہیں ہوئی تھیں کہ بلغاری بطریقیت سنہ ۱۳۹۳ء میں برخاست ہوگئی۔ اپیک کی بطریقیت سنہ ۱۷۶۵ء تک قائم رہی اور پھر فناری سازشوں نے اس کو بھی معدوم کر دیا۔

اس زمانے کے بعد سے فنار کی بطریقیت کو یہ خیال ہوگیا کہ وہ جو چاہے کر سکتی ہے۔ چنانچہ اس نے ایک ایسا رسوا کن مذہبی طریقہ اختیار کر لیا کہ شاید سیمونزم نے مذہب کی کبھی ایسی گت نہ بنائی ہو۔ بلغاری پادریوں کے اعلیٰ فرقے کا انتخاب ایسے یونانیوں میں سے کیا جاتا تھا کہ جو مشکل ہی سے کبھی اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ یہ پادری اپنے پیروؤں کی ضروریات؛ اُن کے طریقوں اور ان کی زبان سے قطعاً نا آشنا ہوتے تھے اور ان کا صرف یہ مقصد ہوتا تھا کہ جتنا روپیہ بھی مل سکے حاصل کر لیا جائے۔ سلافیتی زبان کو متروک کر دیا گیا اور اس کی جگہ بلغاری زبان کی ترویج کی گئی۔ یونانی اسقفوں نے لوگوں کو عیسائی بنانے کے شوق میں اس قدر شدت سے کام لیا کہ وہ ایسے افعال کے ارتکاب سے بھی نہ شرمائے جن سے وحشت و بربریت صاف عیاں تھی۔ بلغاریہ کی تاریخ؛ روایات؛ اور ابتدا کے متعلق تمام قدیم کتابیں، جن کو ترکوں نے محفوظ رکھا تھا، ان لوگوں نے نہایت بے رحمی کے ساتھ تلاش کرنی شروع کر دیں اور جو کتاب ہاتھ آئی اس کو جلا دیا۔ ایسی صورت میں فناری اسقفوں کے مظالم کے خلاف قومی جذبات کا ردِ عمل قطعی ناگزیر تھا۔ چنانچہ ۱۵ر جنوری سنہ ۱۸۶۰ء کو

ایک یادداشت شائع ہوئی، جس میں بلغاریوں نے یونانی پادریوں کے مظالم و جرائم ہی کی تلافی کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ اپنے کلیسا کے اختیاراتِ خود انتظامی کا بھی، جو ۱۷۶۷ء سے پہلے اس کو حاصل تھے، مطالبہ کیا۔ یونانیوں سے بلغاریوں کو اس قدر نفرت ہوگئی تھی کہ ان کو آرتھوڈاکسی کے ترک کرنے پر مجبور کرنے کے لئے کسی اور چیز کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔

مذہبی اور سول اختیاراتِ خود انتظامی کو حاصل کرنے کی غرض سے اور سرکیشیوں (چرکسوں) کے مظالم کو روکنے کے واسطے، جو ان کے ملک کو اپنا مفتوحہ ملک تصور کرتے تھے۔ پوری کی پوری قوم نے فوٹیوس کی بدعتوں سے توبہ کر لی تھی۔ فرانسیسی سفارت ان تمام باتوں کو اچھی طرح سمجھتی تھی اور رام بورے (Boure'c) نے پولش مذہبی وفود کے ذریعے سے فرانس کے زیرِ حمایت بلغاریوں کو کیتھولک بنا دینے کا بیڑا اٹھا لیا۔ اگر یہ تدبیر کارگر ہو جاتی تو بلغاریہ روس کے اثر سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہو جاتا۔ ۲۴ جنوری ۱۸۶۱ء کو مذہب تبدیل کرنے والوں کی تعداد (۱۴۰۰۰) تک پہنچ گئی اور ۹ جون کو باب عالی نے یونی ایٹ بلغاریوں کو ایک علیحدہ فرقہ تسلیم کر لیا۔ یہ دیکھ کر یونانیوں اور روس نے کچھ عرصے کے لئے متفقہ طور پر رام بورے کے کام کو خراب کر دینے کی غرض سے فوراً صلح کر لی۔ فناریئین باب عالی کو یہ باور کرا دینے میں کامیاب ہو گئے کہ فرانس بلغاریہ کی خود مختاری چاہتا ہے اور خفیہ طور پر ایک صلیبی جنگ کی تیاری میں مصروف ہے۔ دیوان نے خوفزدہ ہو کر پیرس سے اس کے متعلق شکایت کی اور فرانسیسی حکومت نے اپنی سفارت کو اس سے روک دیا۔ یونی ایٹس کی تعداد میں اب اسی تیزی کے ساتھ کمی ہونے لگی جتنی تیزی کے ساتھ کہ اس میں اول اول اضافہ ہوا تھا اور نوبت یہ ہوئی کہ صرف (۲۰۰۰) آدمی باقی رہ گئے۔ ۱۸۷۶ء کے واقعات اور معاہدۂ برلن نے بہرحال اس امر کو ثابت کر دیا کہ رام بورے بالکل حق بجانب تھا۔

بہرحال بلغاریوں نے روسیوں کی امداد سے، جنھوں نے فناریئین کو اس موقع پر اچھی طرح بے وقوف بنایا، باب عالی میں خوب خوب کوشش کی اور اسقفِ اعظم، رہبلیہ پاپان نے چند بلغاری پادریوں کو ساتھ لے کر، جن کے متعلق ایک طرف تو آرتھوڈاکس کلیسا کو مطالبہ تھا اور جنھیں دوسری طرف فناریئین ہیبلیسٹ تصور کرتے تھے، بلغاریہ کے

قومی کلیسا کا اعلان کر دیا (۱۸۶۶ء) ۔ ۱۸۶۲ء کے فرمان نے، جس میں اس تفریق کی تصدیق کی گئی تھی، صرف بلغاریوں کا ایک سابقہ حق ان کو دوبارہ عطا کیا تھا مگر یونانیوں نے اس کے باوجود اس فرمان کو نافذ ہونے سے روکنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ۔ ان کی تمام کوششیں بہرحال ناکام رہیں ۔ ۲۲ر فروری ۱۸۷۲ء کو بلغاریوں کی مجلس عام نے امپلیریان کو اور اس کے انکار کر دینے پر امانتھیموز، و دین کے میٹروپولیٹن کو اگزارک منتخب کر لیا۔ ایکومینکل پیٹریارک نے اپنے جلے پھپھولے اس طرح پھوڑے کہ ۱۶ - ۲۸ر ستمبر ۱۸۷۲ء کی ایک کونسل میں اس نئے فرقے کو برادری سے خارج کر دیا ۔

بلغاری کیتھولک یعنی وہ لوگ، جو کیتھولک عقیدہ رکھتے ہیں سب کے سب بلغاریہ میں ہیں ۔

اب رہے یونی ایٹ بلغاری تو یہ لوگ قبیلوں کی صورت میں ادرنہ کے قریب تیراس میں اور اس لیئے ترکی میں آباد ہیں ۔ لیکن ان کی ایک کثیر تعداد مقدونیہ میں بسی ہوئی ہے ۔

قزاق :- ان لوگوں کا سلافیقی گروہ سے تعلق ہے ۔ یہ روس سے ترک وطن کر کے آئے تھے اور ایشیائے کوچک میں ان کے دو گروہ ہیں ۔

۱۷۷۲ء میں پولینڈ کی پہلی تقسیم کے بعد زیپوروگ قزاقوں کی ایک جماعت نے روس کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہ لوگ بیس ۲۰ ہزار کی تعداد میں ترک وطن کر کے ترکی کو چلے گئے ۔ سلطان نے ان لوگوں کا خیر مقدم کیا اور ڈینیوب کے کناروں پر ان کو زمینیں اور اس امر کی اجازت بھی دے دی کہ وہ اپنے قوانین اور رسم و رواج کے مطابق سیلف گورنمنٹ قائم کریں ۔ ان کا صرف یہ فرض تھا کہ جنگ کی صورت میں وہ ایک کن ٹن جنٹ مہیا کریں۔ ان کے آخری سردار حدیقی نے ۱۸۲۸ء میں ان کے ساتھ دغا کی اور روس کو ان پر قابو حاصل ہو گیا۔ بحر اسود کے سواحل تک پہنچکر یہ لوگ پھر بچ نکلے اور ترکی کو واپس آ گئے ۔ ان میں سے ایک جماعت نے دبروجہ میں قیام کیا اور دوسری نے قزل ارماق کے دہانوں کی زمینوں پر، جن پر وہ اب بھی قابض ہے ۔ نشیبی ڈینیوب کے زیپوروگ اب رومانیہ کی رعایا ہیں ۔

دوسری نو آبادی بروصہ کے قریب ڈان قزاقوں کی ہے ۔ یہ لوگ اس فرقے سے تعلق رکھتے تھے، جس کو "معتقدین قدیم" کہا جاتا تھا چنانچہ جب پیٹر اعظم نے اپنے کو کلیسائے ماسکو کا صدر مشہور کیا تو ان لوگوں نے زار کی منصوبہ روحانی طاقت کو تسلیم کرنے

سے انکار کردیا۔ ان لوگوں کو زار بینہ این کے مظالم نے روس سے نکال دیا اور انھوں نے ۱۷۳۹ء میں خان قریم کے یہاں پناہ لی۔ روسی فتوحات نے ان کو یہاں سے بھی اراضیہ کی طرف نکال دیا اور معاہدۂ تجارت کی رو سے ان کو اراضیہ سے بھی نکال دیا گیا محمود ثانی نے ان کو بروصہ کے قریب آباد کیا اور ان کی مذہبی آزادی اور قوانین کے بحال رہنے کے متعلق ان کو اطمینان دلادیا۔ ان لوگوں نے ایک فوجی نوآبادی کرلی، جس کا نظم ونسق ایک سردار کے ہاتھوں میں تھا ؎

گرجستانی گروہ

چرکس:۔ اس عام عنوان میں قاف کی مختلف قومیں شامل ہیں، جو اپنے ملک کے روس کے ہاتھوں فتح ہو جانے کے بعد ترک وطن کر کے ترکی کو چلی آئیں۔ ۱۸۶۴ء میں ان تارکان وطن کی تعداد (.... ، ...) تک پہنچ گئی لیکن بیماری، افلاس، اور قحط سے یہ آدھے رہ گئے، ایک شے سوائے عالم تجارت نے ان بدقسمتوں کو اپنا شکار بنالیا۔ یہ سپید رنگ رکھنے والوں کی تجارت تھی، جو اپنی وحشتوں میں ان تمام چیزوں سے بڑھی ہوئی ہے، جو افریقہ کی بردہ فروشی کے متعلق کہی جاسکتی ہیں۔ ترک ہمیشہ سے چرکسی یا گرجستانی غلاموں کے جویا رہے ہیں لیکن اسباب تجارت بہت نادر تھا اور قیمتیں بہت گراں۔ چرکسوں کا ورود ان لوگوں کے لئے ہمیشہ ایک نوازش قسمت کی حیثیت رکھتا تھا، جو غلامان حرم کے رسد رساں تھے۔ لہٰذا تارکان وطن کو اپنی بہنوں، بیویوں، اور لڑکیوں کو بیچ ڈالنے پر مجبور کرنے کی غرض سے ان لوگوں کو فاقے مارا جاتا تھا اور پھر انسانی گوشت کے معاوضے میں، جس کی اس قدر مانگ تھی اور جو اس قدر ارزاں خرید کیا جاتا تھا، ان کو روٹی کے کچھ ٹکڑے دیدیے جاتے تھے۔ جو لوگ باقی بچے، وہ بلغاریہ، البانیہ، اور سربیہ قدیم میں تقسیم ہو گئے۔ ۱۸۶۵ء-۶۶ء کی ایک جدید تحریک ترک وطن نے ترکی اعداد وشمار کے مطابق ان لوگوں کی تعداد ایک ملین تک پہنچادی۔ ان نئے آنے والوں کی ایشیا کی طرف رہبری کی گئی، جہاں حکومت نے ان کو، زمینیں، مکانات، آلات کشاورزی، غلہ اور مویشی عطا کئے۔ قیام مستعمرات کے متعلق یہ عاقلانہ کوشش نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئی۔ چرکسوں نے کام کرنے سے انکار کردیا اور اس بہانے سے

کہ وہ اپنی اسلامی طرفداری کے شکار ہوئے ہیں، ترکی سے یہ مطالبہ کیا کہ ان کو چین سے بیٹھنے دیا جائے۔ آل خاص کی تحریک ترک وطن، جو سخوم کال کی مہم کا نتیجہ تھی (۱۸۶۴ء) اور پچاس ہزار خاندان ترکی میں لے آئی۔

جنگ کے زمانے میں باب عالی چرکسوں میں سے بے قاعدہ فوج کی بھرتی کرتی تھی، جو سوار فوج کے خاص دستوں کا کام دیتے تھے لیکن بحیثیت سپاہی کے وہ جتنے کار آمد نہیں تھے اس سے زیادہ تکلیف دہ تھے اس لئے کہ وہ آتش باری کے موقع پر ٹھہر نہیں سکتے تھے اور صرف لوٹ مار اور قتل و غارت میں مشاق تھے۔ انھیں لوگوں کی زیادتیاں تھیں، جنھوں نے عیسائی آبادیوں کو ترکوں سے بدظن کر دیا اور یورپ میں عوام کی رائے کو بھڑکا دیا۔ بلغاری کشت و خون میں انھیں لوگوں نے نمایاں کام انجام دیے تھے۔

ہندی گروہ

چنغانی:۔ موسیو پال بتیار کے بیان کے مطابق چنغانی یا ذغانی ہندی الاصل ہیں دوسرے ملکوں میں ان لوگوں کو زنگاری، جٹانو (gitanos) اور جپسی کہتے ہیں۔ یہ تمام ترکی سلطنت میں آوارہ پھرتے رہتے تھے۔ ان لوگوں کی ایک بہت ہی کم تعداد مواضعات میں مستقلاً مقیم ہوگئی ہے اور سربیہ کے چنغانیوں کے نام سے ایک ہی جگہ رہ پڑی ہے۔ ترک ان لوگوں کو مسلمان تصور کرتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ بظاہر اسلام کا اعتراف کرتے تھے۔ لیکن بہ باطن یہ ایک ایسے مذہب کے پابند ہیں، جو بت پرستی، زرتشتی مذہب اور ہندوستان کے مذہبوں سے مل کر بنا ہے۔ یہ لوگ قبیلوں یا ذیلی قبیلوں میں منقسم ہیں اور ایک موروثی سردار اعلیٰ کے مطیع ہیں۔ حکومت عثمانیہ ان سے قطعاً کوئی تعرض نہیں کرتی۔

فارسی گروہ

ارمنی:۔ ماوری (Mauri) کے بیان کے مطابق یہ لوگ، جو ایرانی اور

تورانی قوموں کے اتصال سے پیدا ہوئے ہیں اور اپنے قومی افسانوں کے مطابق اپنے کو جیفث کے پوتے ہیک کی اولاد بتاتے ہیں، فریجین قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ زمانۂ قدیم میں ارمنیہ ایک ایسی اقلیم تھی جو قاف؛ ولایت ہائے ارض روم؛ فان؛ بطلس اور فارس شمال و مغربی صوبوں کے ایک حصے کی حقیقی و انسرالٹی پر مشتمل تھی۔ قلیل یا طویل دیسی مدتوں کے بعد، جن میں تخت بالکل خالی رہا، ارمنیہ میں چار خاندانوں نے حکمرانی کی۔ پہلا خاندان، جو ہیکزی خاندان (ہیک کے ورثاء) تھا واہی کے ساتھ ساتھ، جو دارا کا حلیف تھا اور اربل کی لڑائی میں مارا گیا (سنہ ۳۳۱ قبل مسیح)، مٹ گیا۔ واہی کی موت کے بعد ارمنیہ پر جنوب و مغرب کے چند اضلاع کے علاوہ، جنھوں نے قومی شہزادوں کے ماتحت اپنی خود مختاری کو برقرار رکھا، مقدونیہ کا تسلط ہوگیا۔ ان میں کے آخری بادشاہ ارتوزد کو سنہ ۱۸۹ قبل مسیح میں پارتھیا کے واغ ارشاد، ارساسی خاندان کے بانی نے تخت سے اتار دیا۔ ارمنیہ کو باری باری سے پہلے اہل رومہ نے فتح کیا، اس کے بعد یہ سینزرس اور پارتھیا کے بادشاہوں کا باجگزار بنا اور سب کے آخر میں ایک انقلاب کے بعد، جس نے ارساسی خاندان کے آخری بادشاہ، اردشیر سے تخت و تاج چھین لیا۔ (۲۳۲ء)، اس کو فارسی بادشاہوں نے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ساسانی سلطنت کی تباہی کے بعد ارمنیہ پر خلفاء کا قبضہ ہوگیا یہاں تک کہ ارمنیۂ عظمیٰ کے گورنر، اکاو نے اپنے ہموطنوں کو دوبارہ آزادی دلادی (۸۵۹ء) بقراطی (Bagratides) خاندان کے آخری بادشاہ، کاکغ ثانی کو قسطنطین نہم نے بازنطہ میں دھوکے سے گرفتار کر کے نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کر ڈالا۔ بغاوتوں نے اس اقلیم کو تباہ کر ڈالا اور یہ بہت جلد منگولی حملے کا شکار ہوگئی (سنہ ۱۰۶۴ء)۔

اس قوم کے بقیۃ السیف افراد بقراطی شہزادہ روبن کی قیادت میں سکیشیہ کے پہاڑوں کی طرف نکل گئے اور ایک چھوٹی سی ریاست قائم کر لی، جس پر موروثی سردار حکمرانی کرتے تھے۔ صلیبیوں کی جو خدمتیں انھوں نے انجام دیں ان کے صلے میں بیرن خطاب کے ساتھ فریڈرک بار بروصہ نے ان سرداروں کو شاہی مرتبہ عطا کر دیا۔ ۱۳۴۲ء میں روبن کا خاندان لیو پنجم کے ساتھ ختم ہوگیا اور تخت و تاج کا مالک قبرص اور بیت المقدس کا بادشاہ، جین ڈی لوزگنان ہوا۔ ارمنیہ کوچک کی بادشاہت کو

جنگ غیان میں ۱۳۷۵ء میں سلاطین قاہرہ نے تباہ کر دیا اور لیو ششم گرفتار ہو گیا۔

ارمنیوں کی کل تعداد چار ملین کے قریب ہے، جن کے منجملہ (۲ ملین ترکی میں ہیں؛ (۵،۰۰،۰۰۰) روس میں ہیں؛ (۰۰۰،۰۰،۷) ایران میں؛ (۲۳،۵۰۰) آسٹریا ہنگری میں اور (۱۳،۲۰۰) رومانیہ میں۔ بقیہ دنیا کے تمام دوسرے ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یورپین ترکی میں قسطنطنیہ کے باہر، جہاں ان لوگوں نے ایک ٹھوس جتھا بنا لیا ہے، ارمنی صرف بڑے بڑے شہروں میں نظر آتے ہیں۔ ارمنیہ میں عیسائیت کا رواج شاہ ایکار کے عہد میں تھیڈیوس اور بارتھولمیو نے کیا اور یہ ڈھائی صدی کے بعد شاہ ٹرڈیٹ کے سینٹ گریگوری دی الیومینیٹر کے ہاتھ پر عیسائیت قبول کر لینے پر ملکی مذہب بن گئی (۳۰۰ء)۔

ارمنی چار فرقوں میں منقسم ہیں:۔

ہے (Hai) یا گرجستانی ارمنی۔

بابگان (Babagan) یا کیتھولک ارمنی۔

ہے پوغوکگان (Hai-poghokagan) یا پروٹسٹنٹ ارمنی۔

ہے حورم (Hai Horom) یا یونانی ارمنی۔

موخر الذکر کو بازنطینی بادشاہوں نے جبراً بازنطینی کلیسا سے ملحق کر لیا تھا۔ یہ لوگ ایشیائے کوچک میں، اڈینہ میں اور زیلف میں (جو کو ہیڈیہ کا صوبہ ہے) آباد ہیں۔ یہ لوگ قسطنطنیہ کے ایکومینیکل پیٹریارک کے تابع ہیں۔ تقریباً تمام ارمنی ترکی زبان بولتے ہیں۔ خود ان کی زبان صرف مدارس میں بولی جاتی ہے یا وہ لوگ بولتے ہیں، جنھوں نے اس کو سیکھا ہے۔ ان ارمنیوں کے لئے جو اپنی مادری زبان نہیں جانتے، ان لوگوں نے ایسے اخبارات بھی شائع کئے ہیں جن کی زبان تو ترکی ہے مگر تحریر ہیکانی ہے۔

بہت زمانہ نہیں ہوا کہ تعلیم کی ترقی کے متعلق ایک تحریک کا آغاز ہوا تھا۔ ایسی انجمنیں قائم کی گئی تھیں جن کا مقصد یہ تھا کہ اپنے ہموطنوں کو جہالت کے آزار سے نجات دلائیں۔ انجمن سیلیشیہ نے زیتون، حجین، مرعش، حلب، سیس وغیرہ میں مدارس بھی قائم کئے تھے۔ صوبہ مدارس کی مشرقی انجمن کی طرف سے موش، بطلس، الاشغرد

وغیرہ میں مدرسے قائم کئے گئے تھے۔ انجمن ارارات کا ایک مدرسہ توقانیہ فان میں تھا، اور دوسرے مدارس الور، کرزات، غزنیسو، تہدیوان، اور رسیم وغیرہ میں تھے۔ انجمن حزان نے اس نام کے صوبہ کے لئے بہت کچھ مساعی سے کام لیا تھا۔ قسطنطنیہ میں لڑکیوں کے لئے دو انجمنیں قائم کی گئی تھیں۔ ایک " ارمنی حلف بردار قوم " اور دوسری " ارمنی محبان مدارس "۔ ان دونوں نے تمام دوسری انجمنوں کا ایک مرکز قائم کر دیا، جن کو ان کی شاخیں تصور کرنا چاہیئے لیکن ترکی حکومت کو یہ کارروائی ناگوار گزری اور جب ان انجمنوں پر خفیہ انجمن ہائے بغاوت کی حیثیت سے الزام لگایا گیا تو ہر ممکن طریقے سے یہ توڑ ڈالی گئیں؛

عام طور پر ارمنی گرجستانی کلیسا سے تعلق رکھتے ہیں جس پر یوٹی کزم کا شبہہ کیا جاتا ہے۔ وہ ایک ایسے اصول مذہب کے پابند ہیں، جو رومہ کے کلیسا اور یونان کے اسکریٹنگ کلیسا کے بین بین ہے۔ محمد ثانی نے ارمنی بطریق کو بھی وہی رعایتیں عطا کر دی تھیں، جو آرتھوڈاکس بطریق کو حاصل تھیں۔ سنہ ۱۸۶۰ء کے قانون نے جسے ۱۸ مارچ سنہ ۱۸۶۳ء کو عبد العزیز نے منظور کیا تھا، اس بطریق کو ایک عام مجلس قومی کا ماتحت بنا دیا۔ یہ مجلس دو مجالس قومی کو معمولی امور کے متعلق تصفیے کے اختیارات عطا کرتی تھی، جن کے منجملہ ایک مذہبی مجلس تھی، جس میں (۴۰) ممبر ہوتے تھے اور دوسری سول مجلس، جس میں (۲۰) ممبر ہوتے تھے؛

اگرچہ ارمنی بطریق کو وہی سول اختیارات حاصل تھے، جو آرتھوڈاکس بطریق کو دیئے گئے تھے، لیکن اس کا مذہبی اقتدار ویسا نہ تھا۔ اس کا حاکم روس میں اچمیازن (Etchmiadzin) کا کیتھولیکوز تھا، جو تمام دنیا کے ارمنیوں کا سردار اعلیٰ ہے۔ سیس کا کیتھولیکوز، جو مذہبی حیثیت سے سیلیشیہ اور ارمنیۂ عظمی کے ایک حصے کا ماتحت ہے اور بیت المقدس کا بطریق، جس کے ماتحت شام اور فلسطین کی ارمنی نوآبادی ہے، بطریق قسطنطنیہ کے برابر ہے؛

جو لوگ تلقین تعلیم کا کام انجام دیتے ہیں، وہ تجرد اور پاکبازی کی زندگی بسر کرنے کا حلف اٹھاتے ہیں۔ ان کے برخلاف پادریوں اور ڈیکنوں کو تقرر سے پہلے شادی کر لینی پڑتی ہے۔ عقد ثانی ممنوع ہے؛

عبدالحمید کے عہدِ سلطنت میں ارمنیوں کی ترکی میں افسوسناک حالت تھی، اس کا میں پہلے اظہار کر چکا ہوں اور ان تدابیر کا بھی میں نے تذکرہ کر دیا ہے، جو بعض ترکی مدبرین نے ہیکانی قوم کے استیصال کے لئے سوچی تھیں۔ وہ دہشتناک کشت و خون، جنھوں نے سیلیشیا اور کوال سیریا (Cœle-syria) کو اپریل ۱۹۰۹ء میں غیر آباد کر دیا، میرے دعوے کی دلیل ہیں، سیلیشیا میں (۳۰،۰۰۰) سے زیادہ اور کوال سیریا میں (۱۲،۰۰۰) آدمی مارے گئے۔ لیکن دستوری حکومت نے تحقیقاتی کمیشنوں کے بھیجنے اور کورٹ مارشل کے قائم کرنے کے باوجود ان کے انسداد کے لئے سختی سے کام لیا۔ حکومت نے بعض غیر معروف ایجنٹوں کو تو سزائیں اور پھانسیاں دیں۔ جن میں ترکوں کے مقابلے میں ارمنیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ مگر اصلی مجرم صاف بچ گئے۔ ان کو یا تو گرفتار ہی نہیں کیا گیا یا وہ بعد کو بری کر دیے گئے۔

۱۴ اپریل ۱۹۰۹ء کو بروز چہارشنبہ ایک نوجوان ارمنی کے ایک ترک کو قتل کرنے کی بنا پر عدنہ میں عیسائیوں کا قتلِ عام شروع ہو گیا۔ لیکن یہ واقعہ صرف ایک بہانہ تھا ورنہ تمام باتوں کی پہلے ہی سے تیاری ہو چکی تھی۔ چنانچہ ارمنیوں کا کیتھولک اسقف ام تریسیان ۱۳ تاریخ کو ولی جاوید بے کے پاس اس کو مسلمانوں کے تہدید آمیز طریق عمل کی موجودگی اور مقتدرین کی بے پروائی کی بناء پر پیدا ہونے والے مہلک کے خطروں سے آگاہ کرنے کی غرض سے گیا اور اس کے اس امر کا باقاعدہ طور پر اطمینان دلایا گیا کہ کچھ واقع نہ ہو گا۔ ولی نے شکایت کی کہ ارمنیوں نے اپنی دوکانیں بند کر کے شہر بھر میں خوف پھیلا دیا ہے۔ ام تریسیان نے اعتماد دلایا اور بازار میں جا کر جاوید بے کے وعدوں کو دہرا کر دوکانداروں سے دوکانیں کھولنے پر اصرار کیا لیکن عین اس وقت جبکہ ام تریسیان دوکانیں کھلوا رہا تھا، ولی ایک یونانی کیتھولک خاندان موسومہ تمبی کو، جس سے اس کی دوستی اور کاروباری تعلقات تھے اور جو عدنہ سے کچھ فاصلے پر اپنے کھیت میں تھا، یہ اطلاع دے رہا تھا کہ: "فوراً واپس آ جاؤ۔ بدامنی پھیلنے والی ہے"۔ کشت و خون کا سلسلہ ۱۴، ۱۵ اور ۱۶ کو برابر تین دن تک جاری رہا۔ اور کشت و خون اور آتشزدگی عدنہ کے میدان میں (۴۰) کلو میٹر تک پھیل گئی۔ چند ارمنیوں نے، جو ماؤسر اور مارٹن سے مسلح تھے، اپنے کو ایک جگہ قلعہ بند کر لیا اور ایک شدید حملے کی مقاومت کی۔ یہی ایک ایسی جگہ تھی، جو سلامت رہی۔ ۱۷ کو ولی نے اشتعال یافتہ لوگوں کو ٹھنڈا کرنے کے بہانے سے تمام لوگوں کو غیر اسلحہ بند ہو جانے کا

حکم دیا۔ لیکن اس نے صرف عیسائیوں ہی سے ہتھیار رکھوا لئے اور ترکوں، کردوں، ترکمانیوں، اور چرکسوں کے ہتھیار انہیں کے پاس چھوڑ دیئے۔ ۲۵ کی رات کو بھی سکنڈکور کی فرسٹ ٹریپ کے آجانے کے بعد، جو حکومت قسطنطنیہ نے امن قائم کرنے کی غرض سے بھیجی تھی، کشت وخون کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوگیا۔ اس مرتبہ ارمنیوں کے پاس اپنی مدافعت کے لئے نہ تو کوئی ذرائع تھے اور نہ اتنی قوت۔ ارمنیوں کے ساتھ یورپینس کو بھی باقی نہیں چھوڑا اور ارمنی، فرانسیسی اور ایطالوی سب کو قتل کر دیا گیا۔ یورپینس کے مملوکہ تقریباً تمام مکانات اور اسی طرح مقامی عیسائیوں کے تمام مسکن جلا دیئے گئے۔

کشت وخون تمام صوبے میں جنوبی شام تک پھیل گیا۔ حجنی، زیتون، مراش، الکزانڈریٹہ، اور حلب میں خونریزیوں کے مناظر پیدا ہوگئے۔ متقدرین نے یا تو جبل برکات کے متصرف، آصف بے کی طرح، جس نے عوام کو مسلح کر کے عیسائیوں پر چھوڑ دیا تھا، اس کشت وخون میں خود بھی شرکت کی یا نہایت بے پروائی اور اطمینان کے ساتھ بیٹھے ہوئے تماشا دیکھتے رہے۔

اس کشت وخون کی ذمہ داری کس کے سر تھوپی جائے، جن سے ۱۸۶۰ء کے لبنانی اور شامی کشت وخون کی گو وہ ان پر فوقیت نہ رکھتا ہو، یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ اس کشت وخون نے بہرحال ان واقعات میں ضم ہوکر، جو عبدالحمید کی معزولی کا باعث ہوئے یورپ میں بہت معمولی سی دلچسپی پیدا کی۔ ارمنیوں نے صاف طور پر عثمانی حکومت کو اس کا ذمہ دار قرار دیا اور ان میں سے بعض کمیٹی پر الزام رکھتے ہیں۔ اگرچہ سلطان کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے تمام سلطنت میں کشت وخون کا اسی غرض سے انتظام کیا تھا کہ کمیٹی مقدونیہ کی فوجوں کو ان کے فرو کرنیکے لئے بھیجنے پر مجبور اور اس طرح یلدیز کے لئے میدان خالی ہوجائے، تاہم سلیشیہ کا کشت وخون معزول سلطان کا کام نہیں تھا۔ ایسے قیاسی جرائم کو اس سے منسوب کئے بغیر بھی اس کے ضمیر پر کافی بوجھ ہے جیسے کہ یہ الزام کہ قسطنطنیہ کے تمام عیسائیوں کو قتل کر دینے کا اس نے پہلے ہی سے تہیہ کر لیا تھا لیکن روملیہ کی فوجوں کے ناگہاں طور پر آجانے کی وجہ سے ایسا نہیں ہوسکا۔

یہ محض ایک افسانہ تھا جس کی غرض یہ تھی کہ یورپ میں نوجوان ترکوں کا اعتبار قائم ہوجائے اور سب لوگ یہ جان لیں کہ عبدالحمید کو معزول کرنے کی قطعی ضرورت تھی۔

کول سیبریا اور سلیشیہ کا کشت وخون جماعت متعصب کا نتیجۂ عمل تھا اور اس لئے قدرتی طور پر ارتجاعی جماعت کا بھی لیکن یہ بعد میں میدان میں آئی اور یہ کوشش کی کہ واقعات کا اپنے مفید مطلب پہلو بدل دے۔ یہ کشت وخون ایشیا کی مسلمان آبادی کی ذہانت اور ترکی کے انتظامی طریقوں کا نتیجہ تھا۔ یہ ایک مسلمہ واقعہ ہے کہ ۱۷ اپریل کو جب سپاہیوں نے اس جلوسی دروازۂ حریت کو منہدم کیا، جو اس وقت تعمیر کیا گیا تھا جبکہ اساسی قانون کا قیام جدید عمل میں آرہا تھا تو یہ سپاہی "حمید کی عمر دراز۔ شریعت کا ہمیشہ بول بالا رہے" کے نعرے لگا رہے تھے، اور پولیس کا ایک اعلیٰ عہدہ دار چلا چلا کر کہہ رہا تھا کہ "اس شخص کی تباہی ہے، جو پھر کبھی اساسی قانون کا تذکرہ کرے گا۔" لیکن ۱۳ اپریل کی بغاوت نے تمام ایشیا والوں کو یقین دلا دیا تھا کہ قانون اساسی کا خاتمہ ہوگیا ہے اور وہ پرانا زمانہ پھر پلٹ آیا ہے جبکہ ارمنیوں کا استیصال ایک سیاسی عقیدہ تھا اور مقتدرین حکومت اپنے آقا کی خواہشوں کی قبل از قبل تعمیل سے قسطنطنیہ میں اپنا رسوخ بڑھا لیا کرتے تھے۔

حکومت کا سب سے بڑا قصور یہ تھا کہ اس نے فوراً و اچھی انصاف سے کام نہیں لیا۔ باوجودیکہ کشت وخون میں جواد بے کی شرکت صاف طور پر ثابت ہو چکی تھی، باوجودیکہ حکومت نے اس کے جرم کو خود تسلیم کر لیا تھا اور اسی بنا پر خدمت سے علیحدہ کر دیا گیا تھا اور باوجودیکہ کشت وخون کے اثنا میں اس نے پکار سے گلے قانون اساسی سے اپنی نفرت اور عبد الحمید سے اپنی وفاداری کا صاف طور پر اعلان کر دیا تھا تاہم اس سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ جبل برکات کے متصرف کو، جس کی تحقیقات ایک کورٹ مارشل کے روبرو ہوئی تھی، بری کر دیا گیا۔ مفسدین کو جو آزادی دی گئی تھی، وہ ایک نامراد تجویز کا نتیجہ تھی، جس کو حکومت نے اختیار کیا تھا۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ مسلمانوں نے تعصب سے کام نہیں لیا اور حکومت اور فوج کو ان بد امنیوں سے بے تعلق بتانے کی غرض سے انھوں نے کشت وخون کی تمام ذمہ داری ارمنیوں کے اشتعال پر رکھ دینے کی کوشش کی۔ انھوں نے یہ بہانہ کیا کہ ارمنی استف موشیغ کی برپا کی ہوئی ایک سازش کا پتا چلا یا گیا ہے۔ عدنہ کی سرکاری مراسلتوں میں، جو بیت المبعوثین میں پڑھی گئی تھیں اور جن میں مقتولین اور مجروحین کی تعداد بتائی گئی تھی، یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ ارمنیوں سے زیادہ مسلمان مارے گئے ہیں۔ گویا اس سے یہ نتیجہ نکلتا تھا کہ ارمنیوں کی طرف سے حملہ کیا گیا تھا۔ ارمنی،

جن کا تمام قصور یہ ہوا تھا کہ انھوں نے اپنی اور اپنے خاندانوں کی حفاظت کی تھی، پھانسی پر لٹکا دیے گئے۔ اسقفِ اعظم ''موتیبع'' کو، جو خوش قسمتی سے اس وقت مصر میں تھا، اصل سرغنے کی حیثیت سے (۱۰۱) سال کی سزا دی گئی۔ ان ناانصافیوں کی بنا پر ارمنی بطریق ''ایس، بی ٹوریان'' نے استعفیٰ دے دیا، جس نے ترکی حکومت سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ارمنیوں کی وفاداری کا سنجیدہ طور پر اعلان کر دیا جائے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اصل مجرموں کا پتا چلا کر بلا لحاظ ان کے مرتبے اور نام کے ان کو سزائیں دی جائیں۔

ارمنیوں کی متحدہ کارروائی کا آغاز جنوری سنہ ۱۸۳۱ء سے ہوتا ہے۔ بطریق کو جس کا قوم انتخاب کرتی ہے اور سلطان اس کو منظور کرتا ہے، ان تمام ارمنیوں پر سول اقتدار ہے، روما اور کلدانی اور شامی یونی ایٹس سے متحد ہیں۔ ابتداً مذہبی اقتدار دنیوی اقتدار سے کامل طور پر ممتاز تھا۔ اول الذکر سیس کے بطریق کو، جس کا انتخاب سنو د اور جس کی تصدیق پوپ کرتا تھا، اور قسطنطنیہ کے پرائی میٹ آرک بشپ کو حاصل تھا، جو راست پوپ کے پاس سے آتا تھا۔ پاپا کے احکام کی اشاعت اور سول اور مذہبی اقتدار کے ام ہاسون کی شخصیت میں جمع ہو جانے سے اس فرقے میں بحثیں شروع ہو گئیں۔

سنہ ۱۸۷۰ء میں ارمنی قدامت پسندوں نے روما سے اپنے الحاق کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے ام ہاسون کو مردود قرار دیا اور اپنے مفاد کے لئے کلیساؤں پر اور ان کی آمدنیوں پر اپنے فرقے کے حقوق کا مطالبہ کیا۔ دوسری طرف یہ سوال اتنا ہی روپیے سے متعلق تھا جتنا کہ اصول مذہب سے۔ پوپ نے اسکزم کے حامیوں کو ان سے اطاعت کرائے بغیر، برادری سے خارج کر دیا۔ ۱۱ مئی سنہ ۱۸۷۲ء کو باب عالی نے ام ہاسون سے اس کا فرمانِ تقرر واپس لے لیا اور ایک ہفتے کے بعد نیو اسکز میٹکس نے ام کپیلیان کو بطریق منتخب کر لیا اور شاہی حکومت نے اس کی تصدیق کر دی۔ ہاسونیوں سے نہ صرف ان کی مذہبی اور سول عمارتیں ہی چھین لی گئیں، جو ان کے فرقے کی مملوکہ تھیں بلکہ وہ عمارتیں بھی ضبط کر لی گئیں، جو انھوں نے خود اپنے صرفے اور یورپ کے کیتھولک لوگوں کے چندے سے تعمیر کرائی تھیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ حکومت نے پبلک کو اس امر پر بھی مجبور کرنے کی کوشش کی کہ وہ کپیلیانیوں کو جنھیں پوپ نے مردود قرار دیا تھا، سچے کیتھولک سمجھے۔ ترکی جرائد کو یہ حکم مل چکا تھا کہ وہ اسکز میٹکس کا ارمنی کیتھولکس کے

عنوان سے تذکرہ کریں۔ ام ہاسون کی جلاوطنی میں اس کے دشمنوں کی فتح میں اور بھی چار چاند لگ گئے لیکن ان کی یہ فتح عرصے تک قائم نہیں رہی۔ اپریل ۱۸۷۹ء میں ام کپولیان یکایک قسطنطنیہ سے اس لئے چل پڑا کہ پوپ کے قدموں پر اپنے گناہوں کا اعتراف کرے۔ کچھ روز کے بعد فرمان تقرر ام ہاسون کے حوالے کر دیا گیا۔ اسکزمیٹکس کی تعداد بتدریج گھٹنے لگی اور ۱۸۸۰ء میں انھوں نے ام ازاریان کی، جو ام ہاسون کا جانشین تھا۔ ماتحتی میں ایک معاہدہ منظور کرلیا اور ارمنی یونی ایٹس بطریق کے زیر اقتدار ایک متحد قوم بن گئے۔

کیتھولک یونی ایٹس اور شامی یونی ایٹس دنیوی معاملات میں ارمنی کیتھولک بطریق کے تابع ہیں۔

ارمنی پروٹسٹنٹس کا ایک تیسرا فرقہ بھی ہے۔ اس صدی کے ابتدائی نصف حصے میں انگریزی اور ارمنی پادریوں نے کئی ہزار ارمنیوں کو پروٹسٹنٹ بنا دیا۔ ۱۸۵۰ء میں سینٹ جیمس کی کابینہ اور عمارت سپید کے شدید مطالبوں نے باب عالی کو ان کے تسلیم کر لینے پر مجبور کر دیا۔ برطانوی حکومت نے معاہدۂ برلن کے بعد سے ارمنیوں میں پروٹسٹنٹزم کی اشاعت کے لئے بہت کچھ روپیہ صرف کیا ہے۔ انجیلی انجمنوں نے مدارس، گرجا، دواخانے، وغیرہ قائم کئے ہیں لیکن نتیجہ ان کوششوں سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ گرجستانی ارمنی پروٹسٹنٹزم کی ترغیبات کے مقابلے میں ہمیشہ باغی بنے رہے ہیں۔

کرد۔ کردوں کے متعلق بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ زینی فون کے کاردوک ہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ اس ملک کے اصلی باشندے نہیں ہیں جہاں کہ وہ آباد ہیں بلکہ رومی فتوحات کے بعد یہاں آئے تھے، اسی نسل اور قوم سے تعلق رکھتے ہیں جس سے کہ ارمنیوں کا تعلق ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ وہ اب تک خانہ بدوش ہیں اور ارمنی ایک جگہ بس گئے ہیں اور یہ کہ ارمنیوں نے عیسائیت کو قبول کر لیا ہے اور کرد یا مسلمان ہوگئے ہیں یا اپنی پرانی بت پرستی پر قائم ہیں۔ ان دونوں قوموں میں اسی اختلاف کی بنا پر شدید دشمنی ہے، جس میں ایک قوم دوسرے کا شکار ہو جاتی ہے۔

چونکہ کردی قبائل ہمیشہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے ہیں اور ایران و ترکی میں ان کی آمد و رفت کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے اس لئے ان کی صحیح تعداد کا معلوم کرنا بھی اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ ان کی قومیت کا پتہ چلانا۔ ریٹر (Ritter)

نے ان کی تعداد (۳) ملین بتائی ہے، جس کے منجملہ نصف عثمانی کرد ہیں، جو ولایت ہائے ماموریۃ العزیز، دیار بکر، بطلس، فان، ارض روم اور سواس میں پھیلے ہوئے ہیں، جہاں وہ ارمنیوں سے اس قدر مل جل گئے ہیں کہ ان میں یوروپین ڈپلومیسی کی جیسی خواہش ہے، اس کے مطابق کوئی تفریق نہیں کی جاسکتی۔

ان لوگوں کے تین طبقے ہیں:۔ توروم یعنی شرفاد؛ رعایا یعنی سپاہی اور کاشتکار؛ اور زرزہ یعنی ادنیٰ طبقے کے لوگ۔ ہر قبیلے پر ایک موروثی سردار حکمراں ہوتا ہے، جس کے اختیارات محدود ہیں۔ قدیم زمانہ کے اسکاٹش سرداروں کی طرح وہ میدانوں کے باشندوں سے محاصل وصول کرتے ہیں اور کوئی شخص ان کی ادائی سے انکار کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ عثمانی حکومت کے اخباروں کی زباں بندی کرنے سے پہلے ارمنی جرائد ان کے مظالم کی داستانوں سے بھرے ہوئے ہوتے تھے۔ لیکن اگرچہ دیوان نے واقعات کی پردہ پوشی کرنے کی کوشش کی، تاہم ارمنیوں کی مصیبتوں سے تمام لوگ واقف تھے۔ کرد ہمیشہ عیسائیوں کے پہلو کا کانٹا بنے رہے اس لیئے کہ ان کو کردوں کی آزادی کا کامل یقین تھا اور وہ جانتے تھے کہ یہ لوگ باب عالی کی خفیہ ندا بیر میں جو عیسائیوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھی، امداد دیتے ہیں۔ حکومت اساسی ان کی تعداد میں تخفیف کے لئے بہت کچھ کرسکتی تھی۔

۱۸۳۶ء تک کرد باب عالی کے اقتدار سے آزاد تھے۔ کردوں کے سردار باب عالی کے اعلیٰ حکام کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرتے تھے۔ ۱۸۳۶ء میں رشید پاشا نے مارس اور گردین کے کرد سرداروں کو زیر کیا۔ اور ۱۸۴۹ء میں عثمان پاشا کے کردوں کے خلاف حملے کے بعد جس کا نتیجہ بدرخاں اور خان محمود کی شکست پر ہوا کردوں کی بیشتر تعداد نے اطاعت قبول کرلی۔

دوسری مہموں کے ذریعے جن میں خصوصیت کے ساتھ ۱۸۵۱ء، ۱۸۵۹ء، ۱۸۶۵ء اور ۱۸۶۹ء کی مہمیں قابل تذکرہ ہیں، تمام کردی قبائل کو بظاہر مطیع کردیا گیا۔ لیکن ابھی ان کی مخالف فوجوں نے اچھی طرح پیٹھ بھی نہیں موڑی تھی کہ ان یہانہ جو خانہ بدوشوں نے پھر شورش پیدا کردی۔ ترکی اور روس کی جنگ کے بعد ان لوگوں نے ترکی افواج کے لئے والنٹیروں کی کثیر تعداد فراہم کی اور احمد مختار پاشا کی قابل جنگ فوجوں کو المضاعف کردیا۔ جنگ کے ختم ہو جانے کے بعد ان تمام والنٹیروں نے اپنے اپنے قبائل کو واپس جانے کے بجائے، ارمنیوں سے کے

قتل و غارت کا سلسلہ شروع کر دیا اور اپنی شورش آفرین فطرت کے تقاضے سے مجبور رہ کر، انھوں نے اپنی قدیم خود مختاری کو دوبارہ حاصل کر لینا چاہا۔ پہلی بغاوت کو، جو بدرخاں کے بیٹوں نے اضلاع جزیرہ اور بوہدان میں پھیلائی تھی، ۱۸۷۸ء میں فرو کر دیا گیا۔ ایک دوسری بغاوت کے ۱۸۸۱ء میں فرو کرتے ہیں، جو شیخ عبید اللہ کے زیر قیادت اباغہ اور حقیاری کے کردوں نے برپا کی تھی، بہت زیادہ دقت اٹھانی پڑی۔ وزیر عدلت جودت پاشا نے شیخ کو اپنی حفاظت میں لے لیا اور وہ بغاوت کا نتیجہ بھگتنے سے بچ گیا۔ ۱۸۸۰ء میں ایرانی صوبہ جات آذربائیجان اور اردویین کے کرد قبائل ایرانی گورنروں کے مظالم سے تنگ آکر شیخ عبید اللہ کی قیادت میں، جو ایران اور ترکی کو نقصان پہنچا کر اپنے حلقۂ حکومت کو بدل دینا چاہتا تھا، ایک ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک خونیں جنگ میں تباہ ہو کر، جس کے دوران میں ایک مرتبہ خود شاہ ایران کے تخت و تاج کے لالے پڑ گئے تھے، شیخ کو استنبول میں قید کر دیا گیا۔ دو سال کے بعد وہ قید سے نکل بھاگا اور حقیاری پہنچکر اس نے تمام کردی قبیلوں کو مسلح ہو جانے کی دعوت دے دی۔ مگر اس کو دھوکے سے گرفتار کر کے مدینے میں جلاوطن کر دیا گیا۔ جہاں وہ بہت جلد مر گیا۔ اس وقت پھر کچھ ایسے آثار موجود تھے جن سے پایا جاتا ہے کہ کرد بغاوت کرنا چاہتے ہیں۔

سامی گروہ

دروز۔ وان ہیمر کا خیال ہے کہ دروز قدیم زمانے کے مردی (Mardes) لوگوں کی اولاد ہیں، جو بحر خزر کے شمالی ملکوں میں آباد تھے اور جن کو بائزنطینی بادشاہوں نے چھٹی صدی میں شام میں منتقل کر دیا تھا۔ اس امر کا زیادہ امکان ہے کہ وہ کسی ایسے عربی قبیلے کی نسل ہیں، جس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور جس نے مسلمانوں کے حملوں سے عاجز آکر اپنی آزادی کی حفاظت اور اپنے حسب دلخواہ پرستش اختیار کرنے کے لئے لبنان میں پناہ لے لی تھی۔ ان کا اصلی مرکز شوف ہے، جو دمشق کے جنوب میں حزین کی طرف ہے۔ وہ شمال میں متن تک، جہاں وہ متولیوں اور مردینوں سے مل جل گئے ہیں، اور مشرق کی طرف انٹی لبنان میں رشیہ سے

بعلبک تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ۱۹۶۱ء کی بیاضِ اصغر میں ان کی تعداد (۶۰,۰۰۰) بتائی گئی ہے، جو اصل تعداد سے بہت کم ہے اور جس میں اشوریوں کو بھی شامل کرنا چاہیئے، جو جبل الاعلیٰ کے قریب قارمن قلاسی سے قلیس تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کی تعداد (۲۰۰,۰۰۰) شمار کی گئی ہے"

دروز اور اشوریوں کا مذہب ایک رازِ سربستہ ہے، اس لئے کہ یہ لوگ جس مذہب کے لوگوں سے ملتے جلتے ہیں اپنے کو اسی مذہب کا بتاتے ہیں۔ ترک ان لوگوں کو مسلمان سمجھتے ہیں مگر ان کے پاس ان کو مسلمان سمجھنے کے لئے اس سے زیادہ اور کوئی وجہ نہیں ہے جس کی بناء پر کہ وہ چینغانیوں کو اپنا ہم مذہب تصور کرتے ہیں"

بیرن دے توت کا بیان ہے کہ :۔ "ان لوگوں میں سے بیشتر تعداد کا جو مذہب ہے اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ یہ کوہستانی باشندے فاطمی خاندان کے خلیفۂ مصر حاکم بامر اللہ کے مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ دروز نے اس خلیفہ کو اپنا خدا بنا کر صرف اس کے رسول دوزری کا نام قائم رکھا ہے۔ یہ اشتقاق، جو ان لوگوں کی مقدس کتابوں سے کیا گیا ہے، موسیو بیوتز و دے سین پییر کے اس نظریے کو غلط کر دیتا ہے کہ یہ لوگ دروز کی اولاد ہیں۔ یہ ابتدا اس قدر مہمل ہے کہ اس پر بحث بھی نہیں کرنی چاہیئے۔ خلیفہ حاکم اور اس کا رسول کا مرتبہ بظاہر اس نفرت و حقارت کی وجہ سے بلند ہو گیا ہے، جس سے ان کے پیرو بنی نوع انسان کے مقابلے میں کام لیتے ہیں۔ ان لوگوں میں تین طبقے ہیں۔ مذہبی پیشوا، متبعین اور عام لوگ ...... اس فرقے میں جن مذہبی رسموں کی پابندی کی جاتی ہے ان کو ظاہر نہیں ہونے دیا جاتا۔ یہ لوگ اپنی کتابوں اور بالخصوص مذہبی پیشواؤں کی ان کتابوں کی نہایت احتیاط کے ساتھ حفاظت کرتے ہیں، جو اصولی کتابیں ہیں اور ان کو حاصل کرنا قطعی ناممکن ہے"

آج بھی باوجودیکہ اس مسئلے پر کتابیں شائع ہو چکی ہیں صرف اتنا ہی علم لوگوں کو حاصل ہو سکا ہے جتنا کہ اس وقت حاصل تھا جبکہ بیرن دے توت نے مذکورہ بالا الفاظ قلمبند کئے تھے"

اب رہے اشوریین یا نصیریین تو یہ لوگ اپنے لئے دروز کا نام اختیار کرنے کی خاطر ان دونوں ناموں سے انکار کرتے ہیں۔ "ان میں سے ایک کثیر تعداد سورج کو پوجتی

ہے۔ سورج کے طلوع ہوتے ہی یہ لوگ تین رکوع کرتے ہیں اور بظاہر یہ چاہتے ہیں کہ اپنے کو پاک کرنے کے لئے آفتاب کی پہلی شعاعوں کو ہاتھوں میں لے کر اپنے جسم پر مل لیں۔ ایک دوسرا فرقہ چاند کی پرستش کرتا ہے۔ یہ لوگ (حضرت) علی ابن ابی طالب کی بھی خاص طور پر پرستش کرتے ہیں۔ ربانیت علی کے وجود میں آخری مرتبہ اپنا جلوہ دکھا کر غائب ہو گئی اور آفتاب میں چھپی ہوئی ہے لیکن اب بھی (دنیا میں) اس کا وجود ایک قسم کی شراب میں پایا جاتا ہے، جس کی انجام عبادت کی تقریبوں میں تطہیر کرتا ہے۔ نیک لوگوں کی روحیں مرنے کے بعد ستاروں میں چلی جاتی ہیں اور گناہگاروں کی زندہ اجسام میں، جہاں وہ ارتقا کے مدارج اس وقت تک طے کرتی رہتی ہیں جب تک کہ پاک نہ ہو جائیں اور اس کے بعد یہ بھی ستاروں میں چلی جاتی ہیں[1]۔

یہ لوگ چار طبقوں پر منقسم ہیں، شمسی یعنی سورج کو پوجنے والے؛ قمری یعنی چاند کے پرستش کرنے والے؛ قلزری اور اشتاہ۔ آخر الذکر دو طبقوں کے متعلق کوئی معلومات بہم نہیں پہنچ سکتی ہے۔

ابتداءً یہ لوگ ڈاکو اور قزاق تھے اور ان سے ہر شخص کو خطرہ رہتا تھا لیکن سنہ ۱۸۴۰ء سے انھوں نے گلہ بانی اور محنت مزدوری کرنا شروع کر دیا ہے۔

عرب:۔ عرب ولایت ہائے بصرہ، بغداد، موصل، حلب اور شام میں پھیلے ہوئے ہیں اور عرب کی پوری آبادی انھیں پر مشتمل ہے۔ ان لوگوں کے دو طبقے ہیں ایک جالس عرب اور دوسرے خانہ بدوش عرب یا بدو۔ اصلی اور خالص عربوں کی تلاش بدوؤں ہی میں کرنی چاہیئے۔ بدو ترکوں کے ایسے دشمن ہیں جن سے ان کا کبھی میل نہیں ہو سکتا۔ اور ہمیشہ پاشاؤں سے برسر جنگ رہتے ہیں۔ ان لوگوں کو اکثر سزائیں دی جاتی ہیں مگر یہ لوگ کبھی اطاعت نہیں کرتے اور ہمیشہ مسلح رہتے ہیں قافلوں کو یا تو یہ لوگ لوٹ لیتے ہیں یا ان سے فدیہ طلب کرتے ہیں اور ترکی افواج مستحفظ کو ہمیشہ پریشان کرتے رہتے ہیں۔ عرب میں ترکوں کا سواحل اور چند قلعہ بند مقامات کے اور کسی جگہ تسلط نہیں ہے۔ مکہ اور مدینہ کے دروازوں پر بدرقوں کو لوٹ لیا جاتا ہے۔ ہر سال سلطان عربی سرداروں کو پہلے سے زیادہ رقم ادا کرنے پر مجبور رہے۔ یہ لوگ جدہ سے مکہ تک

---

[1] بیرون دے توت ۔ تذکرہ۔

راستہ کو مسدود کرتے ہیں تاکہ قافلۂ مبارک کے ہدایا، جو روضۂ اطہر میں پیش کئے جانے والے ہیں، راستہ میں نہ لوٹ لئے جائیں۔

عرب کے باہر خاص خاص قبیلے یہ ہیں :- اہل الجبل حوران میں، حماری شام میں، خالدی عراق میں، موتفجی (Mautipis) بغداد اور بصرہ وغیرہ میں۔ وہابی یمن کی تعداد (۱/۲) یمین ہے اور جو نجد میں آباد ہیں ترکوں کے اقتدار سے بالکل آزاد ہیں، گو باب عالی ان کے ملک کو سلطانی مقبوضات ہی میں تصور کرتی ہے۔ عربوں کی تعداد لامعلوم ہے۔ ۱۸۹۵ء کی ترکی مردم شماری میں ان کی تعداد طرابولی اور عرب کے اس حصے میں ہیں جو سلطان کا مطیع ہے (۳,۰۰۰,۰۰۰) بتائی گئی ہے۔ اس میں عورتوں کی تعداد شامل نہیں ہے۔

مرونی :- مرونی لبنان کے تمام جنوبی حصے پر طرابولی سے نہر القلب تک، جو بیروت کے شمال میں ہے، قابض ہیں۔ اس شہر کے باہر سعیدہ تک یہ لوگ دروز اور متوالیوں سے مل جل گئے ہیں۔ پھر طرابولی اور انطاکیہ کے مابین ان کا ایک علیحدہ گروہ بن گیا ہے، جو دمشق تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ لوگ لبنان کے سب سے قدیم باشندے ہیں۔ آٹھویں صدی کے بعد سے ان لوگوں کا شام کے خونین انقلابوں کے باوجود ایک علیحدہ گروہ قائم رہا ہے اور انھوں نے اپنی خود مختاری اور کیتھولک عقیدے کو برقرار رکھا ہے۔ عثمانی تسلط میں ان کو شاہ فرانس کے زیر حمایت سول اور مذہبی اختیارات خود انتظامی حاصل رہے ہیں صلیبی لڑائیوں میں، جبکہ ان کوہستانی باشندوں نے "باطن میں مذہب اور ظاہر میں آگ سے مسلح ہوکر" فرانسیسی فوجوں کے شریک ہوکر لڑائی لڑی، مرونیوں نے جو خدمتیں انجام دی تھیں ان کے صلے میں سینٹ لوئی نے انھیں ایک منشور عطا کیا تھا (۱۲۵۰ء) جس کی رو سے اس نے اپنے اوپر یہ ذمہ داری لی تھی کہ وہ ان کی ہر موقع پر اسی طرح امداد کرے گا کہ گویا وہ فرانسیسی باشندے ہیں۔ خاندان ولوا اور سب سے زیادہ خاندان بوربن کے زمانے میں فرانسیسی بادشاہوں اور مرونیوں کے دوستانہ تعلقات میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ جب کبھی مرونیوں کو باب عالی کے خلاف کسی قسم کی شکایت کرنے کی ضرورت پیش آئی تو فرانس نے ایسے تمام موقعوں پر ان کے واسطے اور وسیلے کا کام دیا۔ ۱۸۴۲ء میں انھوں نے خاندان شہاب کے استرداد کے متعلق مطالبہ کرنے کے لئے فرانس ہی کو مخاطب کیا تھا اور

اسی طرح ۱۸۶۰ء میں بھی کشت وخون کے خلاف انھوں نے فرانس ہی سے استمداد کی تھی۔ ۱۸۴۰ء کی خراب پالیسی کے باوجود جبکہ امپائر نے انگریزوں اور ترکوں کو خوش کرنے کے لئے جوزف کرام قربان کردیا تھا اور ۱۸۶۱ء کے بعد بھی، جبکہ فرانسیسی قونصل مرونی پادریوں کی زجر و توبیخ میں رستم پاشا کا شریک حال ہوگیا تھا، یہ مرونی ہی تھے، جنھوں نے لبنان اور شام سے فرانسیسی اثر کو مفقود ہوجانے سے باز رکھا۔

لیمارٹین کا بیان ہے کہ "مرونی لوگوں کی مشرق میں ایک علٰحدہ قوم ہے۔ ان کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک یوروپین نوآبادی ہے، جو کسی حادثے کی بنا پر ریگستان کے وسط میں واقع ہوگئی ہے۔ ایسی صورت میں کہ ان کے گرد وپیش کی تمام چیزیں انحطاط یا ضعف کی بنا پر تباہ ہورہی ہیں صرف یہی لوگ ایسے ہیں کہ جو روز بروز جوان سے جوان تر بنتے جارہے ہیں اور جن میں نئی توانائی اور قوت پیدا ہورہی ہے۔ جب شام ویران ہوجائیگا تو یہ لوگ پہاڑوں سے میدانوں میں اتر آئیں گے، تجارتی شہر سمندر کے قریب آباد کرینگے؛ ان زرخیز میدانوں میں کاشت کریں گے جہاں آج صرف گیدڑ اور ہرن رہتے ہیں اور اس ملک میں جہاں پرانی سلطنت تباہ ہوجائے گی ایک نئی حکومت قائم کرلیں گے...... اگر اس خیال کو عملی جامہ پہنا دیا گیا تو اس سے خود یورپ کو فائدہ پہنچے گا اور یہ ایک پہلے ہی تیار نوآبادی کی حیثیت رکھے گی جس پر یورپ کو اس خوبصورت ملک میں اقتدار حاصل ہوگا۔ اس کا مستقبل مصر سے بھی زیادہ عظیم الشان ہے۔ مصر میں صرف ایک شخص تھا، لبنان میں ایک قوم ہے۔"

مرونیوں کی تعداد سلطنت کی دوسری قوموں کی طرح مختلف بتائی گئی ہے۔ یہ لوگ پانچ لاکھ سے ۲۰ لاکھ تک بتائے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کا ایک علٰحدہ فرقہ ہے جس پر ایک بطریق، بطریق انطاکیہ کے نام سے حکمراں ہے اور آٹھ بشپ یا آرک بشپ اس کے ماتحت ہیں۔ بطریق کا انتخاب اسقف کرتے ہیں اور رومہ سے اس کے متعلق منظوری صادر ہوتی ہے۔ اب رہے اسقف تو ان کا انتخاب ہر گرجے کے تین امیدواروں کی فہرست سے بطریق کرتا ہے اور یہ لوگ پادریوں اور مشاہیر میں سے منتخب کئے جاتے ہیں۔ سیکولر پادری اور بچارے شادیاں کرتے ہیں۔ مرونی پادریوں نے ہمیشہ سے تمام قسم کی نیکیوں کی ایک مثال قائم کی ہے۔" اگر کوئی شخص اس عیسائیت کو دیکھنا

چاہیے، جس کا کہ ابتدائی زمانے میں تصور قائم کیا گیا تھا اور اگر کوئی شخص
اس امر کا خواہاں ہے کہ اس سچے مذہب کی سادگی اور گرم جوشی؛ رسموں کی پاکیزگی؛ منتظمین
خیرات کی بے لوثی؛ بغیر کسی بدعنوانی کے مرشدانہ اثرات کی ہمہ گیری۔ اقتدار بلا تسلط؛
گداگری سے آزاد مفلسی؛ غرور سے بے تعلق خودداری؛ زہد؛ پاکبازی؛ شب بیداری؛
اور عبادت و اعمال کا تماشا دیکھے تو اس کو مرونیوں کے پاس جانا چاہیئے۔ سخت سے سخت
فلاسفر کو بھی پادریوں کی خانگی اور پبلک زندگی میں اصلاح کرنے کا کوئی موقع نہیں مل سکتا۔
یہ پادری لوگوں کے لئے نمونہ؛ مشیر اور خادموں کا کام دیتے ہیں۔

متولی:۔ یہ قوم، جس کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ فاطمی فتوحات کے بعد
شام کو چلی گئی تھی، ابتداً آزادی بعلبک پر قابض تھی۔ یہاں سے یہ لوگ حمص اور جزین کے
اضلاع اور صور اور اربل کی وادیوں میں پھیل گئے اور کچھ لوگ بکعہ کے میدان کی طرف چلے گئے۔
ان کی تعداد تقریباً (۳۰۰۰۰) ہے۔

اسماعیلی:۔ ان لوگوں کے پانچسو یا چھ سو خاندان جبل القدموس (Kadmus) اور
جبل اراشوت (Irashout) میں آباد ہیں؛ جو نصیری دروز کے قریب لطاکیہ
(Latakieh) سے ایک دن کی مسافت پر واقع ہیں۔ یہ لوگ قدیم زمانے کے حشیشین
کے آخری نام لیوا ہیں، جو صلیبی لڑائیوں کی تاریخ میں قاتلوں کے نام سے مشہور رہے ہیں
اور جن کا تاتاریوں نے استیصال کیا تھا۔ جبل القدموس کے مشرق میں ایک چھوٹی سی قوم
آباد ہے، جس کو قدامیس کہتے ہیں۔ یہ لوگ مشرک ہیں اور عورتوں کی پرستش
کرتے ہیں۔

یزیدی:۔ فان ہیمر نے یزیدیوں کو کردی الاصل بتایا ہے مگر یہ لوگ یقیناً
عربی الاصل ہیں۔ یہ لوگ سنجار میں آباد ہیں، جو عراقی ریگستان کے وسط میں موصل اور
نصیبین (Nissebin) کے بیچ میں ایک پہاڑی علاقہ ہے۔ یہ لوگ زرتشتی مذہب کے
پیرو ہیں، ان میں کچھ مانویہ مذہب کے لوگ بھی ہیں۔ اور مسلمانوں کی مذہبی تعلیم سے بچنے
کے لئے پہاڑوں میں بھاگ آئے ہیں۔ ۱۸۳۲ء تک یہ لوگ خودمختار رہے اس کے بعد
انھوں نے باب عالی کی اطاعت قبول کر لی مگر اپنے خاص قوانین اور سرداروں کو برقرار رکھا۔
ان کی تعداد تقریباً (۲۰۰۰۰) ہے۔[1]

[1] Borce: Corrospondence & Memoirs of an Eastern traveller.

کلدانی یا شامی:- یہ دونوں قومیں زمانۂ قدیم کی اس جنگجو قوم سے تعلق رکھتی ہیں، جس نے بابل اور نینوا کو آباد کیا تھا اور کسریٰ کی فتوحات سے قبل تمام مغربی ایشیا پر حکمران تھی۔ پہاڑوں کی طرف ہٹ کر کلدانیوں نے اب تک اپنی جنگجو اور وحشی فطرت کو بدلا نہیں ہے اور شامیوں نے یونانیوں اور رومیوں کے تسلط میں ایک قابلِ تذکرہ مذاقِ تہذیب کا اظہار کیا ہے مگر یہ لوگ نازک مزاج واقع ہوئے ہیں۔ کلدانیوں کے پاس تمام قسم کے ہتھیار موجود ہیں۔ ان کی زندگی لڑائی پر بسر ہوتی ہے اور وہ موت کے خوف سے ناواقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان قبائل نے اپنے پہاڑوں کی پناہ میں اپنی خود مختاری کو اب تک برقرار رکھا ہے۔ میدانوں کے باشندے زراعت کرتے ہیں۔ یہ لوگ آرام کی زندگی بسر کرنے کے عادی ہیں اور اپنے محاصل وقت پر ادا کرتے ہیں۔ ان کو ترک رعایا کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور دوسروں کو وہ اسی نام سے پکارتے ہیں جس سے کہ کردوں کو یعنی ان کے علاوہ باقی لوگوں کو اخریت (acherete) (جو اخریت بمعنی خراج کا مشتق ہے) کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ نسطوری مذہب کے پابند ہیں، جس میں حضرت عیسیٰ سے دو شخصیتیں منسوب کی جاتی ہیں۔ ان کا بطریق کوہانی (Kouhanne) میں رہتا ہے۔ دیوانی معاملات میں وہ ارمنیہ کے گرجستانی بطریق کے تابع ہیں۔

سنہ ۱۸۹۲ء میں بیوفاس (Beauvais) کے مذہبی حلقے کے اخبار نے بریطا (Beryte) کے اسقفِ اعظم، امِ مان متی، ایرانی کلیسائی وفد کے ایک خط کی بنا پر یہ اعلان کیا کہ کلدانی بطریق نے کیتھولک مذہب اختیار کر لیا ہے۔ اس واقعے کے ایک ماہ قبل اس نے کلدانی یونیٹ آرک بشپ آف ارمیہ، ام اندن کے مواجہ سے شرک سے توبہ کی تھی۔ اس بطریقی خط میں یہ پیشین گوئی کی گئی تھی کہ یہ تمام قبیلہ عنقریب تبدیلِ مذہب کر لے گا۔ یہ توقع بہرحال پوری نہیں ہوئی۔ صرف بطریق ہی نے شرک سے توبہ کی ہے اور نسطوری اسی طرح اپنے عقیدے پر قائم ہیں۔

شامی بھی، جن کو جیکب لنگالی کے نام سے، جس نے ان لوگوں کو یوتی کیتر کے ملحدانہ مذہب میں تبدیل کیا تھا (۵۱۱ء – ۵۷۸ء) جیکوبی بھی کہا جاتا ہے، اسی طرح دنیوی حیثیت سے ارمنی بطریق کے ماتحت ہیں۔ سنہ ۱۸۸۳ء میں جیکوبی بطریق ام بدراتہ نے بابِ عالی سے ایک فرمانِ تقرر حاصل کر لیا، جس کی بنا پر جیکوبی کلیسا کو سول حیثیت

حاصل ہوگئی، لیکن اس کے پیرووں کی ایک کثیر تعداد نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔ یہ بطریق مروان کے قریب خانقاہ زیراں میں رہتا ہے۔

یہود:- ان لوگوں کی سلطنت عثمانیہ میں سکونت کا پتہ اس وقت سے چلتا ہے جب سے کہ یہ لوگ فلپ دوم اور فلپ سوم کے عہد میں ہسپانیہ اور پرتگال سے نکالے گئے تھے۔ عام طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ چارلس پانزدہم کا یہ فعل اس حیثیت سے ہسپانیہ کے زوال کا باعث تھا کہ ان لوگوں کے اخراج سے یہاں کی صنعت وحرفت تباہ ہوگئی۔ لیکن اسرائیلیوں نے ترکی میں پناہ لے کر صنعت وحرفت میں کوئی ترقی نہیں کی۔ یہ لوگ مزدور نہیں بلکہ مفت خورے بنے رہے ہیں۔ یہ لوگ چار گروہوں میں منقسم ہیں:- (۱) تالمودی (Talmudigts) جو تعداد بے انتہا ہے۔ (۲) مامین (Mamins) یہ لوگ سات یا آٹھ ہزار کے قریب ہیں اور خاص طور پر سالونیکا میں آباد ہیں۔ بظاہر یہ لوگ اسی طرح اسلام کے پابند ہیں، جس طرح کہ ان کے آباواجداد ہسپانیہ میں عیسائیت کا دعویٰ کرتے تھے۔ (۳) قریطی (Caraites) جن کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے۔ یہ لوگ تلمودی اور ربانی قوانین کو تسلیم نہیں کرتے اور صرف انجیل کو مانتے ہیں۔

فرقۂ یہود کے سردار، خاخم باشی کی امداد کے لئے دو کونسلیں ہیں۔ ان میں سے پہلی کونسل مذہبی قانون کی، جو ترکوں کی طرح دیوانی قانون سے خلط ملط ہے، حفاظت کرتی ہے اور دوسری کا تعلق مالیات سے ہے اور عدالت صلح کی بھی حیثیت رکھتی ہے۔ فرقۂ یہود میں ربیوں کو کامل اقتدار حاصل ہے اور وہ لوگوں پر نہایت ہی شدید ظلم کرتے ہیں۔ یونانی اسقفوں کی اپنے معتقدین سے زیادہ ستمرانیاں ان کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں بالخصوص اس لئے کہ ربی صرف ایسے غریب اور مفلس لوگوں ہی کو لوٹتے ہیں جو اپنی روزی بھی مشکل سے پیدا کر سکتے ہیں۔ لیوانٹ کے یہودیوں کے حالات میں ایک نہایت ہی عجیب و غریب کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ ان لوگوں کی زبان قدیم زمانے کی بگڑی ہوئی ہسپانیوی زبان ہے۔

بائیسواں باب

نظم و نسق

حکومت اور نظم و نسق۔ حدود نظم و نسق۔ رعایت یافتہ صوبجات۔ زیتون۔ کوزن۔ لبنان۔ ممالکِ خراج گزار مصر بیماس۔

مالیات۔ قرضۂ عامہ۔ عارضی قرضہ۔ جمع و خرچ۔ محاصل دربارۂ قرض عامہ عثمانی۔ شاہی تمباکو (Regie) اور تجارتِ ممنوعہ۔ جندرمہ۔

عدالت۔ تعلیمات۔ مختلف تعلیم۔ مدرسۂ توقانیہ غلطہ سرائے۔ فرانسیسی مدارس۔ آزادیٔ تعلیم۔

حکومت اور نظم و نسق

معزولیٔ عبدالحمید کے بعد ہی ترکی میں نیا بنی دور شروع ہوتا ہے چنانچہ جب دستور مدحت پاشا کے متعلق عام خیال یہ تھا کہ اس کی جڑیں مضبوط ہوگئیں اور جبکہ پارلیمنٹ کا پہلا نیا

اجلاس ہوا تھا اس وقت بھی سلطان کے اختیارات غیر محدود تھے ۔ آج یہ حالت نہیں ہے ۔ تمام ترکی میں پارلیمنٹ کا تسلط ہے ۔

۱۸۷۶ء کے دستور کی جو ۲۳ جولائی ۱۹۰۸ء کے انقلاب سے دوبارہ وجود میں آیا تھا پارلیمنٹ نے جون ۱۹۰۹ء میں ترمیم کی تھی لیکن پارلیمنٹ کی یہ تجاویز ابھی مجلسِ اعیان کے زیرِ غور تھیں کہ اس اثناء میں پارلیمنٹ برخواست کر دی گئی اور اس کی اکثر تجاویز قبول نہ ہوئیں چنانچہ ایک تجویز مجلس اعیان میں سوال کرنے کے حق سے محرومی کی تھی لیکن ۱۷ دسمبر ۱۹۰۹ء کے اجلاس میں نئے دستوری قانون میں ایک دفعہ کا اضافہ کیا گیا جس کی رو سے مجلسِ اعیان کو یہ اختیار حاصل ہو گیا ۔

سلطان مملکت عثمانیہ کا بادشاہ اور خلیفۃ المسلمین تھا ۔ وہی شخص سلطان بننے کا مستحق ہو سکتا تھا جو خاندان عثمان کا سب سے بڑا شہزادہ ہوتا تھا ۔ یہ پابندی زمانۂ قدیم کے احکام کے مطابق تھی (یہ دستور ۱۸۷۶ء کی تیسری دفعہ تھی جو ترمیم کے بعد بھی قائم رہی اور دفعہ (۴) بن گئی ۔

تخت نشینی پر سلطان کے لئے لازم تھا کہ وہ پارلیمنٹ جائے اور شریعت اور دستور کے احکام پر عمل پیرا اور قوم و ملک سے وفادار رہنے کی قسم کھائے ۔ اگر زمانۂ تخت نشینی میں پارلیمنٹ کھلی نہ رہے تو پارلیمنٹ کے اجلاس ہونے پر اسے یہ قسم کھانی ہو گی (اضافہ در ترمیم)

دستور کی دفعہ ۵ میں لکھا تھا ۔ " اعلیٰحضرت غیر ذمہ دار ہیں اور ان کی ذات محترم ہے " ترمیم کی دفعہ ۶ میں یہ دفعہ اس طور پر رکھی گئی ۔ " مسند خلافت اور اس کے شاہانہ اختیارات ناقابلِ تغیر اور مقدس رہیں گے ۔ امورِ مملکت کی ذمہ داری وزراء پر رہے گی ۔

دستور مرمہ کی آٹھویں دفعہ سے جو دستورِ قدیم کی ساتویں دفعہ کے معاوضے میں تھی سلطانی اختیارات کی اس طرح تشریح کی گئی تھی ۔ " اسے تمام قسم کے قوانین کی ہدایت کا حق رہے گا ۔ صدر اعظم کا وہی انتخاب کرے گا ۔ یہ انتخاب پارلیمنٹ کے اطمینان کے موافق ہو گا ۔ اور باستثنائے شیخ الاسلام جسے وہ خود مامور کرے گا دیگر وزراء کے اختیارات کی منظوری جنھیں صدر اعظم نامزد کرے گا اس سے لی جائے گی ۔ وہ فوجی خدمات عطا کرے گا ۔ امتیازی صوبوں کے سرداروں کی تولیت بحیثیت عطائے اختیارات اس کی ہی طرف سے عمل میں آئے گی ۔ وہی سکہ جاری کرے گا ۔ مساجد میں اسی کے نام

کا خطبہ پڑھا جائے گا۔ اسے ہی معاہدات صلح و تجارت، سپردگی و تبادلۂ ممالک سلطنت کا اختیار ہوگا۔ وہ معاہدات بھی اسی کی طرف سے ہوں گے جو عثمانیوں کے اساسی اور شخصی حقوق سے متعلق ہوں اور ان معاہدات میں بھی وہ حصہ لے گا جو اخراجات ملکی پر مشتمل ہوں بشرطیکہ پارلیمنٹ ایسے معاہدات کو منظور کرے۔ وہ جنگ کی منظوری دے گا۔ بحری اور بری فوجوں کی سرداری وہی کرے گا[1]۔ احکام و قانون شریعت کی تعمیل وہی کرائے گا۔ ملکی نظم و نسق کے قواعد اسی کی طرف سے مرتب ہوں گے۔ پارلیمنٹ کی منظوری پر عدالت ہائے فوجداری کی سزاؤں میں کمی بیشی اور معافی اسی کی جانب سے عمل میں آئے گی۔ سیاسی مجرموں کو بھی وہی معاف کرے گا۔ دستور کے مقرر کردہ اوقات میں وہی پارلیمنٹ کا افتتاح اور اسے برخواست کرے گا۔ اگر کوئی غیر معمولی ضرورت پیش آئے تو وہ پارلیمنٹ کا قبل از وقت اجلاس مقرر کرے گا۔ اور ایسی ہی ضرورت اگر واقع ہو تو وہ پارلیمنٹ کو قبل از وقت برخواست کر دے گا۔ بشرطیکہ جدید انتخابات تین ماہ کے اندر عمل میں آئیں۔"

بادشاہ کا سرکاری خطاب "پادشاہ ہے"۔ لفظ "خان" جو نام کے بعد آتا ہے اور تاتاری زبان کا لفظ ہے اعلیٰ اور مقتدر حاکم کا مفہوم ادا کرتا ہے سلطان کا خطاب جو پہلے تمام ارکان خاندان شاہی کے لئے عام تھا اب صرف پادشاہ اور اس کی اولاد کے لئے مخصوص رہے گا۔

دستور میں شخصی آزادی کی ضمانت کا بھی اعلان تھا۔ طبع اول میں لکھا تھا "بغیر جواز قانون نہ کسی شخص کو گرفتار کیا جائے گا اور نہ اسے کسی قسم کی سزا دی جائے گی.....،" ترمیم شدہ قانون میں "بغیر جواز شریعت" کے الفاظ بڑھائے گئے تھے۔ یہ اضافہ ۱۳ اپریل کی بغاوت کا نتیجہ تھا۔ مختلف مذہبی فرقوں کو جو امتیازی حقوق دئے گئے تھے وہ علیٰ حالہ باقی رہیں گے۔

اخبارات کو قانونی حدود تک آزادی ہے اور وہ کسی طرح سنسر کے تحت نہیں آسکتے۔

---

[1] پارلیمنٹ میں اس بارے میں بہت کچھ مخالفت ہوئی۔ بریں ہم یہ تجویز دو ثلث کے غلبے سے جو ترمیم دستور کے لئے ضروری تھا منظور کی گئی۔

ترک قانونی حدود تک جلسے منعقد کر سکتے ہیں اور اسی طرح انہیں درخواست دینے کی بھی اجازت تھی۔

تعلیمی آزادی ہے۔ دو تمام مدارس سلطنت کی نگرانی میں رہیں گے۔ تمام عثمانیوں کے لئے ایک ہی قسم کی تعلیم کے دیئے جانے کی تدبیروں پر غور کیا جائے گا لیکن اس سے مختلف فرقوں کی مذہبی تعلیم پر اثر نہ پڑے گا (دفعہ ۱۶ دستور ۱۸۷۶ء جو ترمیمہ اسکیم میں دفعہ ۱۷ ہوئی) اس دفعہ پر استنباط کر کے حکومت نے غیر مسلم فرقوں کے مذہبی مدارس کو بند اور ان کی جگہ سرکاری مدارس قائم کرنے کی کوشش کی۔ قانون کے آگے تمام عثمانی برابر ہیں۔ حقوق و فرائض میں کسی قسم کا امتیاز نہیں لیکن ملکی خدمات کے حصول کے لئے ترکی زبان سے واقفیت ضروری ہے۔

جائداد منقولہ و غیر منقولہ مکفول ہے۔ مکان کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ ضبطی اسباب، جبری محنت، جرمانے، سزا دے کر دریافت کرنا اور تکلیف دہ سزا ممنوع ہے۔

جیساکہ اوپر ذکر ہو چکا سلطان کے اختیارات میں صدر اعظم اور شیخ الاسلام کا تقرر ہے۔ دستور کی دفعہ ۲۷ میں لکھا تھا کہ "دیگر وزرا کا تقرر بذریعہ فرمانِ سلطانی (ارادہ) ہوگا"۔ دستور ترمیمہ کی دفعہ ۲۹ میں اس کی اصلاح اس طرح پر ہوئی ہے "صدر اعظم وزراء کا انتخاب کرے گا اور بذریعہ فرمان سلطانی (آئریڈ) وہ مامور کئے جائیں گے"۔

جب مدحت پاشا کے بنائے ہوئے دستور کا دوبارہ نفاذ ہوا تو اخبارات نے عہدۂ صدارتِ عظمیٰ کی موقوفی اور اس کی بجائے وزارت اول قائم کرنے کا مسئلہ چھیڑا۔ ان کی کوشش بار آور نہ ہوئی لیکن یہ جھگڑا محض تبدیلیٔ الفاظ کا نہ تھا بلکہ دستوری اصول کی تعمیل کے لئے تھا اور اس لحاظ سے اس تبدیلی کی معقول وجہ بھی تھی۔ ۱۸۷۸ء میں صدر اعظم کی خدمت موقوف اور اس کی جگہ احمد وافق پاشا وزیر اول بنایا گیا لیکن جب پارلیمنٹ کا سابق صدر نشین (احمد وافق بے) معزول ہوا تو صدر اعظم کی خدمت بدستور قائم ہو گئی۔

وزارت کے اس درہم برہم ہونے کے بعد جبکہ صدر اعظم خیر الدین پاشا کی معزولی واقع ہوئی صدر اعظم کی موقوفی کا نظریہ دوبارہ کامیاب ہوا۔ (جولائی ۱۸۷۹ء) آخر اس طرح قائم، موقوف اور پھر قائم ہو کر وزیر اول کا عہدہ ۲ دسمبر ۱۸۸۲ء کو احمد وافق پاشا کی آخری وزارت کے بعد جو صرف دو دن ہی رہی یک لخت اٹھا دیا گیا۔ سرسری نظر میں تو یہ ایک لچر سا سوال معلوم ہوتا ہے کیونکہ ترکی ایک مطلق العنان اور مذہبی سلطنت ہے اس لحاظ سے یہ بحث

فضول ہے کہ حکومت سلطانی کا صدر، صدر اعظم کہلائے یا وزیر اول لیکن بات یہ تھی کہ صدر اعظم صرف بادشاہ کو جواب دہ تھا اور بادشاہ جواب دہ تھا خدا کو جس کا اس زمین پر وہ نائب تھا۔ صدر اعظم کی بجائے وزیر اعظم کو مقرر کرنے کی صورت میں دستور کے وہ الفاظ جن سے سلطان کو صدر اعظم کے تقرر کا اختیار حاصل تھا باقی نہ رہتے تھے۔ چونکہ پارلیمنٹ باقی نہیں رہی تھی اس لئے وزرا براہ راست قوم کے سامنے ذمہ دار گردانے گئے تھے۔ قانون اساسی کی ترمیم کے بعد وزرا کی ذمہ داری کو صاف طور پر ظاہر کر دیا گیا۔ اس بارے میں سابق کی دفعہ ۳۰ مبہم تھی۔ "وزرا اپنے افعال و کردار کے ذمہ دار ہیں" ترمیم کے الفاظ یہ تھے۔

"حکومت کی عام پالیسی کے وزرا مجموعی طور پر پارلیمنٹ کے جواب دہ ہیں۔ ہر وزیر اپنے صیغے کی کارروائی کا پارلیمنٹ کو جواب دے گا۔ وہ اس ذمہ داری کو شاہی حکم کے محاذی دستخط کرتے وقت قبول کرتا ہے۔" (دفعہ ۳۲)

ایک اہم ترین ترمیم برخواست پارلیمنٹ کی تھی پینتیسویں (۳۵) دفعہ میں یہ شرط تھی کہ جب پارلیمنٹ کسی ایسے قانون کو جو مجلس اعیان کا مجوزہ ہو اور جس پر مجلس اعیان کو اصرار ہو نا منظور کرے تو سلطان تبدیلی مجلس وزارت کا حکم دے گا یا بصورت دیگر برخواست پارلیمنٹ کا۔ مرممہ دستور کی دفعہ ۳۷ میں لکھا تھا کہ

"اگر پارلیمنٹ ایک خاص ووٹ کے ذریعے اس مسودہ قانون کو نامنظور کرے جس کی منظوری کو مجلس وزارت ضروری سمجھتی ہے اور جس کے منظور کئے جانے پر وہ مصر ہے تو ایسی صورت میں مجلس وزرا کو چاہیے کہ پارلیمنٹ کی تجویز کو قبول کر لے یا نہیں تو مستعفی ہو جائے مستعفی ہونے کی صورت میں جو نئی مجلس وزرا قائم ہوگی اگر وہ بھی اپنے پیشرو کے مطابق اس مسودہ قانون کے منظور کئے جانے پر اصرار اور پارلیمنٹ بدستور انکار کرے تو اعلیحضرت سلطان المعظم اپنے اختیارات کو کام میں لا کر تبدیلی مجلس وزرا کا حکم دیں گے یا برخواست پارلیمنٹ کا۔ مگر پارلیمنٹ اسی صورت میں برخواست ہوگی جبکہ سینیٹ کے دو ثلث ارکان کو سلطان سے اتفاق ہو اور جبکہ نمایندوں کے جدید انتخابات قانون کی مقررہ مدت میں عمل میں آئیں۔ اگر جدید پارلیمنٹ اپنی پیش رو پارلیمنٹ سے اتفاق کرے تو اس فیصلے کو بے چون و چرا قبول کرنا ہوگا۔"

اس ابہام کو دور کرنے کے لئے جسے کامل پاشا نے ۱۳ فروری کو پیدا کرنا چاہا تھا

قانون مرمّہ کی دفعہ ۴۰ میں دستور کی دفعہ ۳۰ کو علیٰ حالہ رکھکر حسب ذیل فقرہ ایزاد کیا گیا تھا۔
"اگر استیضاح کے بعد ارکان غلبۂ آرا سے نفرین کا ووٹ دیں تو وزیر معزول ہوگا۔ اگر یہ ووٹ صدرِ اعظم کی نفرین پر ہو، تو پوری مجلس وزرا برخواست کردی جائے گی"۔

مجوزہ ترمیم کی دفعہ ۵۶ مثل دستور ۱۸۷۶ء کی دفعہ ۵۴ کے سلطان کے حق نامنظوری کو تسلیم کرتی ہے۔ سلطان کو اختیار رہے کہ مسودۂ قانون کو نامنظور کردے لیکن اس فیصلے پر دو ماہ کے اندر غور کر لینا ہوگا۔

قومی نیابت کی دو مجلسیں ہیں ایک مجلس امرا یا سنیٹ دوسری مجلس نمایندگان یا پارلیمنٹ۔ ان ہر دو مجلسوں نے اجلاس دعوت اجتماعی کے بعد ۱۔۴ نومبر کو شروع ہونے تھے اور ۱۔۴ مارچ کو ختم ہوتے تھے۔ دفعہ ۴۳ سے ترمیم یہ کی گئی تھی کہ ہر دو مجلسیں بغیر دعوت اجتماعی دیئے جانے کے ۱۔۴ اکتوبر کو شروع ہو جائیں اور ۱۔۴ جون کو ختم ہوں۔
ابتداءً ارکان مجلس وزرا کا انتخاب بذریعہ احکام سلطانی سے ہوتا تھا۔ اور ان کی تعداد ارکان پارلیمنٹ کے ایک ثلث حصے سے بڑھ نہ سکتی تھی۔ مجوزہ ترمیم سے ایک ثلث ارکان کا تقرر سلطان کی طرف سے عمل میں آئے گا باقی دو ثلث کمیشن کے تجویز کردہ طریقے پر منتخب کئے جائیں گے ارکان پارلیمنٹ اب ارکان مجلس اعیان کا انتخاب نہیں کرسکتے۔
رکنیت سینیٹ کے لئے چالیس سال کی عمر ضروری ہے نیز انتظامی، عدالتی یا فوجی خدمات کو امیدوار نے خاص امتیاز کے ساتھ انجام دیا ہو یا ایسی خوبیاں رکھتا ہو جو ایک رکن مجلس اعیان کے لئے ضروری ہیں اور عوام کو اس پر اعتماد بھی ہو۔ مدت نشست نو سال ہے۔ ہر تیسرے سال ایک ثلث ارکان کی تجدید ہوتی ہے۔ کابینہ کو قانون نافذ کرنے کا حق ہے لیکن قانون مرمّہ کی رو سے سوال کرنے کا اب اسے حق حاصل نہیں رہا۔

پارلیمنٹ کے لئے پچاس ہزار باشندگان ذکور سے ایک نمایندہ انتخاب کیا جاتا ہے۔ طریق انتخاب ایک خاص قانون کی رو سے متعین کیا جائے گا حسب ذیل اشخاص انتخاب سے باہر ہیں جو ممالک غیر میں برسر خدمت اور خاص قواعد کے زیر اثر امتیازی حقوق رکھتے ہیں۔ جنھیں ترکی لکھنا پڑھنا نہیں آتا۔ جن کی عمر تیس سال کے اندر ہے۔ وہ یونانی جو کسی کے ملازم ہیں۔ دیوالیہ شدہ۔ بدمعاش۔ جو غیر ملک کے شہری ہوں وغیرہ وغیرہ۔ مدت نشست چار سال ہے۔ سابق میں میر مجلس اور دو نائب میر مجلس کی خدمت کے لئے تین تین

امیدواراراکان پارلیمنٹ کی طرف سے انتخاب کرلئے جاتے تھے اور پھران امیدواروں میں سے سلطان مذکرہ عہدہ داروں کا انتخاب کرتا تھا۔ قانون مرمہ سے ارکان بھی غلبۂ آراسے ان کا انتخاب کرسکتے تھے چنانچہ نومبر ۱۹۰۹ء کی نشست پارلیمنٹ میں اسی طریقے پر عمل کیا گیا حالانکہ قانون مرمہ پر ابھی سلطان نے دستخط نہ ہوئے تھے اور سینٹ نے بھی منظور نہ کیا تھا۔ حسب ذیل شرائط سے دستور کی ترمیم کی جاسکتی تھی۔ تجویز ترمیم کے لئے ضروری تھا کہ وہ پہلے پارلیمنٹ میں پیش کی جائے۔ اگر پارلیمنٹ کے دوثلث ارکان غلبۂ آراسے اس تجویز کو منظور کرلیں تو وہ مجلس اعیان میں پیش کی جائیگی۔ اگر مجلس اعیان بھی اس کو منظور کرلے تو منظوری کے لئے پیشگاہ سلطانی میں گزرانی جائے گی۔

سابق میں صدراعظم، شیخ الاسلام، وزرا، مشیر یا مددگار وزیر سلطنت میر مجلس ونائب میر مجلس کونسل آف اسٹیٹ (مجلس حل وعقد) صدر ناظم محصول بلاواسطہ، ناظم سجلا، پریفیکٹ قسطنطنیہ، اور چار ارکان مجالس اعلیٰ "مجلس خاص" کے رکن ہوتے تھے۔ اراکین وکلائے سلطنت، نمایندگان اعلیٰ اور ارکان پروائیوٹ کونسل کے نام سے موسوم تھے۔ اس مجلس خاص کو دیوان کہتے تھے۔ خاص حالات میں غیر معمولی دیوان کا اجلاس منعقد کیا جاتا تھا جس میں تمام وزرا اور وزرائے سابق، اعلیٰ افسران فوجی، اور افسران سول جو مشیر کی حیثیت کے ہوتے تھے۔ عہدہ داران انتظام مملکت اور خاص خاص علماد موجود رہتے تھے۔ دستوری حکومت کے بعد دیوان کا وجود باقی نہ رہا۔ ۱۸۸۲ء میں مجلس اصلاحات کو جو عبدالعزیز کے زمانے سے قائم تھی۔ اصلاحی کمیشن سے بدل دیا گیا۔ اس کمیشن کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ پہلے کو کمیشن اصلاحات علی کہتے تھے۔ اس کے تفویض چندرمہ کی ترتیب اور عہدہ داران سلطنت کی تنخواہ وقت پر تقسیم کرنے کا انتظام تھا۔ دوسرے کو "کمیشن تعمیرات" کہتے تھے۔ شاہراہیں، نہریں اور ریلوے قائم کرنے کا کام اس کمیشن کے سپرد تھا۔ لیکن ان دونوں کمیشنوں کا وجود بیکار تھا اور انھوں نے خصوصاً کمیشن اول نے کوئی کام پبلک کی توجہ کے قابل نہ کیا۔ ۲۰ جولائی ۱۹۰۸ء کے انقلاب سے پیشتر ہی وہ معطل تھے۔

آئین دور قدیم میں صرف کونسل آف اسٹیٹ (مجلس مملکت) ہی باقی رہی ۱۸۶۸ء میں یہ فرانسیسی طرز پر قائم اور اس کی پانچ شاخیں کی گئی تھیں۔

مختلف تبدیلیوں کے بعد ۱۸۷۶ء میں دوبارہ مرتب ہوئی اور اس کی صرف تین شاخیں رکھی گئیں۔ عہد عبدالحمید میں ان کو بڑھا کر سات کر دیا گیا جو حسب ذیل تھیں۔ واضع قانون، دیوانی، مالیاتی، عدالت مرافعہ، صدر عدالت العالیہ، مجلس جواز، عدالت مواخذہ۔ اول الذکر تین صیغوں کے ارکان کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ عدالت مرافعہ میں چھ ارکان تھے جو ممبران کونسل سے انتخاب کئے جاتے تھے۔ صدر عدالت العالیہ میں برائے نام ۲۱ ارکین اور دو مددگار تھے جو مواخذہ میں ہی حصہ لیتے تھے اور نہ مرافعہ میں۔ اس کا صدر نشین خود مجلس مملکت کا صدر نشین ہوتا تھا۔ مجلس جواز کا کام عدالت ہائے دیوانی اور صوبجات کی انتظامی کونسلوں کے جھگڑوں کا تصفیہ تھا۔ مجلس مملکت کا صدر نشین اس کا بھی صدر نشین ہوتا تھا۔ اور تین ارکین مجلس مملکت کے اور تین ارکین صدر عدالت العالیہ کے اس کے ممبر ہوتے تھے۔ عدالت مواخذہ میں تین رکن اور ایک مددگار تھا۔ انقلاب جولائی ۱۹۰۸ء کے وقت مجلس مملکت میں ایک پریزیڈنٹ، پانچ نائب پریزیڈنٹ، ایک صدر معتمد، چونتیس ممبران کونسل، مختلف طبقوں کے انیس مددگار، تین سرکاری وکیل، اور تین قائم مقام اور ایک مفتش مجسٹریٹ تھا۔

نئے دور میں افسروں کی تخفیف جب ہوئی تو مجلس مملکت میں بھی تخفیف کی گئی چنانچہ حسب ذیل افسر بحال رکھے گئے۔ ایک پریزیڈنٹ اور ایک معتمد، ۱۰ ممبر وضع قوانین، دیوانی اور مالیاتی صیغوں کے لئے، تین پریزیڈنٹ صدر عدالت العالیہ، عدالت مرافعہ اور تحتی عدالتوں کے لئے۔

جنگ، توپخانہ، انجینئرنگ، تعلیمات، محاسبی، تجارت، زراعت، تعمیرات، پولیس، محصول بلا واسطہ، ڈاک تلغراف، حفظان صحت کے لئے جو خاص مجلس وزارت و انتظام مملکت تھی اور جو گورنمنٹ کا اہم جزو معلوم ہوتی تھی وہ صرف اہل یوروپ کو خوش کرنے کے لئے ایک نمائشی چیز تھی۔

سلطنت کے اوائل ایام میں یورپ اور ایشیا کی علیحدہ علیحدہ حکومتیں قائم تھیں اور بیلر بیر ہر ایک حکومت کا صدر حاکم ہوتا تھا۔ ان دونوں سلطنتوں کو سنجکوں میں تقسیم کیا گیا تھا جن پر ایک طرہ کا اعزاز رکھنے والے پاشا حکمراں ہوتے تھے۔ ۱۵۸۰ء میں مراد ثالث نے سلطنت کو کئی ایلاتوں میں تقسیم کیا اور پھر ان ایلاتوں کے کئی سنجک بنائے گئے۔

حاکمان ایالات تین طرے کا اعزاز رکھنے والے پاشا اور مرتبے میں وزیر کے برابر ہوتے تھے۔ سنجک پر دو طرہ کا اعزاز رکھنے والے امرا مامور کئے جاتے تھے۔ سنہ ۱۸۳۴ء میں محمود نے سلطنت کو ۲۸ صوبوں ۱۳۱ سنجکوں، اور ۴۵ حکومت خود اختیاری رکھنے والے تعلقوں میں تقسیم کیا۔ تنظیمات کی عملداری کے بعد ایالات کی تقسیم پھر بحال ہوگئی۔ ایالات کو سنجک یا لیوا ایل لیوا کو قضا ز ہ میں قضا زہ کو ناحیہ میں تقسیم کیا گیا تھا۔

سنہ ۱۸۶۴ء میں شاہی بے اور جودت افندی کو یورپین صوبجات کی تنقیح کا اور احمد واثق افندی اور رضا افندی کو ترکی صوبجات کی تنقیح کا کام سپرد ہوا۔ ان لوگوں نے اپنی مرتبہ رپورٹ میں موجودہ طریقۂ حکومت کی سخت شکایت کی تھی۔

انھوں نے لکھا تھا کہ "عمال محاصل کو بیدریغ جیٹ کر رہے ہیں۔ رعایا مصیبت میں ہے اور مثل ایک حبشی کے جو قمچی کی مار کھا کھا کر کام کرتا ہے وہ محنت کرتے ہیں۔ ان کی آنکھیں استامبول پر لگی ہوئی ہیں۔ سرکار کو اصل واقعات معلوم ہونے چاہئیں۔ جھوٹ کی حکمرانی ہے۔ محاصل کی جتنی کچھ رقم ہوتی ہے وہ سرکاری خزانے میں جمع ہونے کے بجائے عمال میں بانٹ لی جاتی ہے۔"

اسی رپورٹ کی بناء پر ولایات کا طریقہ قائم ہوا جو ابھی تک قائم ہے۔ مقامی حکومتیں حتی الوسع اپنی احتیاج آپ پوری کر لیتی ہیں۔ ہر ولایت میں گورنر جنرل یا والی صدر حاکم ہوتا ہے جسے خود سلطان انتخاب کرتا ہے وہ صوبے کے بڑے شہر میں رہتا ہے اور سوائے عدالت اور فوج کے جملہ امور کا حاکم مجاز ہوتا ہے۔

سنہ ۱۸۸۰ء میں حکومت نے اس قانون کو بدلنے کا ارادہ ظاہر کیا جس کی رو سے والی تین سے پانچ سال تک کے لئے مامور کئے جاتے اور باستثنائے خاص حالات کے جن کی اطلاع قبل از قبل انھیں دی جاتی وہ اپنی خدمت سے نہ ہٹائے جاتے۔ اس منصوبے کی تحریک انگریزی سفارت کی طرف سے ہوئی تھی لیکن اس کا نتیجہ یہی ہوا کہ سلطنت میں کئی وائسرائلٹیاں قائم ہوگئیں۔ سفارت برطانیہ کا مطلب تو یہ تھا کہ اس سے اصلاحات کی عمل پیرائی ہوگی لیکن نتیجہ خلاف نکلا۔ حکامان سیاسی کے ایک جگہ ٹھیرے رہنے سے عدم مرکزیت میں اضافہ ہوگیا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ترکی میں اگر اصلاحات کوئی کر سکتی ہے تو وہ مرکزی حکومت ہی ہے۔

اس انتظام کا شام میں تجربہ کیا گیا جہاں مدحت پاشا کو نارضامندی کے ساتھ اس طریقے کو کام میں لانے کی اجازت دی گئی لیکن جلد ہی اس کو حرم سرائے سلطانی کے ساتھ شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا جس کی وجہ سے شام سے وہ سمرنا روانہ ہوا۔ یہاں اس کے لئے وہ دام بچھایا جا رہا تھا جس میں وہ ایک دن پھنسنے والا تھا۔ اس کے بعد وہی سابقہ حالت قائم رہی۔

ولایت کا بڑا شہر صرف والی ہی کا مستقر نہ تھا بلکہ معاون یا نائب گورنر، دفتردار، ناظم مالیات، مکتوب جی، صدر معتمد جس کے ذمے سرکاری مراسلت تھی، حاکم پولیس اور صوبے کی جندرمہ کا سردار غرض یہ کہ تمام انتظامی افسر یہیں رہتے تھے۔ لیوا پر متصرف کی حکومت ہوتی ہے جو کہ والی کے فرمان سلطانی (آرڈیننس) کے ذریعے مقرر کیا جاتا ہے قضاء پر قائم مقام مامور کیا جاتا ہے جس کا تقرر وزیر کے حکم سے ہوتا ہے۔

وہ تمام مواضعات جن میں اقل درجہ دو سو مکان ہوں قریہ کہلاتے ہیں۔ بستی پر مدیر، معاوم جو باشندوں کی طرف سے انتخاب کیا جاتا ہے اور مختار یا میر بلد کی جو گورنمنٹ کی طرف سے مامور ہوتا ہے حکومت ہوتی ہے۔ مشترکہ مواضع میں جو گروہ تعداد میں سب سے زیادہ ہوتا ہے وہ مدیر کا انتخاب کرتا ہے اور معاوم کو گھٹی ہوئی جماعت انتخاب کرتی ہے۔ مدیر کے ذمے عام انتظامی امور، پولیس اور گاؤں کا مالیہ ہے۔ خاص انتظامی امور کا تعلق مختار سے ہے۔

قسطنطنیہ اور اس کے مضافات ایک علیحدہ ولایت ہیں جس کا تعلق راست وزیر داخلی سے ہے۔ بلدیہ کے نقطۂ نظر سے دار الخلافت پریفیکٹ کے تحت ہے جس کے دس میونسپل حلقے ہیں۔

انتظامی تقسیم

جنگ روس و ترکی کے آغاز میں جو ۱۸۷۷ء میں ہوئی تھی سلطنت ۲۹ ولایتوں میں تقسیم کی گئی تھی جن میں سے دس ولایتیں یورپ میں تھیں سولہ ایشیا میں دو عربستان میں اور ایک افریقہ میں۔ معاہدۂ برلن سے سلطنت کے انتظامی اضلاع میں جو ۲۲ ولایتوں

اور پانچ خود مختار متصرفوں پر مشتمل تھے کئی تبدیلیاں ہوئی تھیں۔ دراصل ولایت اور متصرف میں صرف نام ہی کا فرق تھا۔ یورپ کے ولایات حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ استانبول مع ہر دو سواحل باسفورس، جزائر الامیر (Prince's Islands) خلیج نکومیڈیا، اضلاع کرتال، گوبنرا و رچاٹل واقع نکومیڈیا ایشیا میں اور کوچک چکمہ جو مارمورا کے یورپین ساحل پر۔

۲۔ ادرنہ۔ صدر مقام ایڈریانوپل ہے۔

۳۔ سلانیک۔ صدر مقام سالونیکا ہے۔

۴۔ یانینہ۔ صدر مقام یانینہ جھیل یانینہ پر واقع ہے

۵۔ مونستر۔ صدر مقام بطولیا یا مونستر قرہ سو کے قریب ہے۔ جسے یونانی ایگین اور بلغاری زرنا کہتے ہیں۔

۶۔ کوسوو۔ صدر مقام پرشتینا۔

۷۔ سقودرہ۔ صدر مقام سقوطری البانیا ہے جو جھیل سقوطری پر واقع ہے۔

۸۔ غریت (اکریت) صدر مقام کانیا ہے جو قدیم زمانے میں سائڈونیا تھا استانبول اور ایڈریانوپل کو چھوڑ دیا جائے تو یورپین ترکی میں صرف یہی ایک باقی رہ گیا ہے۔

ایشیا کے ولایات حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ خوداوندگیر۔ شہر خاص بصرہ ہے جو پہاڑ الیمس کے دامن میں واقع ہے۔ بڑے شہر۔ علاک اور مودینیہ جو خلیج مودینیہ پر واقع ہیں۔ بیدک اور پندرمہ خلیج مارمورا پر۔ اسنک قدیم ناسیا جھیل اسنگ پر۔ ایوالیک اس تہر پر واقع ہے جو براعظم کو جزیرہ میٹلن سے علیحدہ کرتی ہے۔

۲۔ انگورہ۔ خاص شہر انگورہ۔ بڑے شہر یوزغط اور قیساریہ۔

۳۔ عیدن۔ صدر مقام سمرنا خلیج سمرنا پر پہاڑ پاگس کے دامن میں واقع ہے۔ بڑے شہر۔ فوسی وہانہ ہرموس پر۔

فی فوسی نوسی سے ڈھائی گھنٹے کی بحری مسافت پر واقع ہے۔ تیرھویں صدی میں بائزنتیوں نے اسے بنایا تھا۔ مینمن سمرنا سے ۳۲ کلومیٹر پر علا شہر سو کلومیٹر پر اور کسابہ

۹۲ کلومیٹر پر واقع ہیں ۔ عیدن، پرغاس، مغنیشیا جبل سائیپل کے دامن میں، ونزلی
افیسوس، وورلہ اور بین ویر ۔ یہ سب بڑے شہر ہیں ۔

۴۔ کونیا ۔ صدر مقام کونیا بڑے شہر مدلیہ خلیج عدلیہ پر اور بخدی دامن
منیدیز واغ میں ۔

۵۔ کستاموفی ۔ صدر مقام کستامبول قدیم شہر کستامونیا کے کھنڈر پر
بنایا گیا تھا ۔ دریا سے ۱۰ کلومیٹر پر واقع ہے ۔ بڑے شہر ۔ آئینی بولی بندرگاہ کستامبول ۔
اور سائنوپ واقع دریائے اسود ۔

۶۔ ترپزون ۔ صدر مقام تیر بیزند دریائے اسود پر واقع اور آرمینیا اور ایران میں
واسطۂ تجارت ہے ۔ بڑے شہر ۔ اردو، ساموں جو بغداد کی ڈاک کا مرکز ہے ۔ قراسند،
تائیرہ بولی جو بحر اسود پر واقع ہے ۔ بغرہ قزل ارماق پر ساموں سے سات کلومیٹر پر ۔

۷۔ سیواس ۔ صدر مقام سیواس قدیم زمانے میں سباستوس کہتے تھے قزل ارماق
پر واقع ہے ۔ اناطولیہ کو راستہ یہیں سے جاتا ہے ۔ بڑے شہر ۔ امیسیا اور توقط ۔

۸۔ ارض روم ۔ صدر مقام ارض روم آرمینی غامین میں واقع ہے ۔ بڑے شہر
ارض بخین قریب دریائے فرات دیا زید ۔

۹۔ وان ۔ ان اضلاع میں سے ہے جو ارض روم سے لیے گئے ۔ صدر مقام
وان جھیل وان پر واقع ہے جو اسی میل لمبی اور چالیس میل چوڑی ہے ۔ یہ شہر ایک بڑی
چٹان کے دامن میں آباد ہے ۔
بڑے شہر ۔ ناریگ، ارجیہ اور تادور ۔

۱۰۔ بطلیس ۔ یہ ولایت ارض روم اور دیار بکر کے اضلاع سے بنی ہے ۔ صدر مقام ۔
بطلیس، دریائے دجلہ کی مغربی شاخ بطلیس شاہی اور بوہدن سو کی مشرقی شاخ کے درمیان
واقع ہے ۔ بڑا شہر موش قرہ سو کے دو سرچشموں کے درمیان واقع ہے ۔

۱۱۔ دیار بکر ۔ صدر مقام دیار بکر ۔ قدیم زمانہ میں امیدہ کہتے تھے دریائے فرات
کے داہنے جانب واقع ہے ۔ بڑے شہر ۔ مردین اور ارغانی مدینی میں ارغانی مدینی میں تانبے
کی کانیں ہیں ۔

۱۲۔ ساموراۃ العزیز ۔ یہ ولایت قدیم ولایات ارض روم اور دیار بکر کے اضلاع سے

بنائی گئی ہے۔ صدر مقام معمورۃ العزیز۔ بڑے شہر۔ خارپط، عرب جور، ایگین واقع بر دریائے فرات، ایلیشیا، توزت۔

۱۳۔ موصل۔ قدیم ولایات حلب و بغداد کے کچھ اضلاع پر مشتمل ہے۔ بڑے شہر کرخوک یا تبریز و اور سلیمانیہ ہیں۔

۱۴۔ حلب۔ صدر مقام حلب، بڑے شہر۔ اسکندریتہ بحر متوسط پر واقع ہے۔ عین تاب، انطاکیہ دریائے اورونتیس پر واقع ہے۔

۱۵۔ سور۔ صدر مقام دمشق (شام)

۱۶۔ بیروت۔ پہلے یہ ولایت شام میں شامل تھا۔ بڑے شہر سعیدہ جو قدیم زمانے میں سیڈن سے موسوم تھا۔ طرابلس الشام سینٹ جان آف ایکر (عکہ) حیفہ، جبل قرمل کے دامن میں، لطاکیہ بحر متوسط پر۔

۱۷۔ عدنہ۔ صدر مقام عدنہ دامن طارس میں واقع ہے۔ بڑے شہر طارس، مرسیہ۔ ساحل پر عدنہ سے ۷۶ کلومیٹر پر واقع ہے۔

۱۸۔ بغداد۔ صدر مقام بغداد دریائے فرات کے بائیں جانب واقع ہے۔ بڑے شہر حل اور کربلا ہیں۔

۱۹۔ بصرہ۔ صدر مقام بصرہ شط العرب کے دہنے جانب واقع ہے۔ بڑا شہر فاؤ بندرگاہ بصرہ ہے اور خلیج فارس پر آباد ہے۔

۲۰۔ جزائر۔ صدر مقام روڈز ہے۔ اس میں جزائر خیو زارہ، ناشاریا، لیراس، کلیناس، کوس، روڈز، کارپتھاس، سائمی، ٹیکسس، ہیٹیلن، نیڈیاس، پلومری، ناسکومنا، ملناس، امبراس، اور ٹینیڈاس شامل ہیں۔ باستثنائے امبراس و ٹینیڈاس اور جزائر ڈوڈ سکانیس (جزائر اثنا عشر) جو ابھی سرکاری طور پر ترکی کے علاقے میں ہیں، بحر ایجین کے تمام جزیرے ترکی کے تسلط سے خارج ہیں۔ ولایات عربستان۔

۱۔ حجاز۔ صدر مقام مکہ۔ بڑے شہر۔ جدہ بحر قلزم پر واقع اور مکہ کی بندرگاہ ہے۔ مدینہ اور طیف۔

۲۔ یمن۔ صدر مقام ثنا۔ بڑے شہر۔ کنفدہ۔ حدیدہ تیض۔ برط۔ اور فاتح۔

ولایات افریقہ۔

۱۔ طرابلس الغرب۔ صدر مقام۔ طرابلس

۲۔ بن غازی۔ صدر مقام بن غازی۔ اس کا قدیم نام ہِپیس تھا۔ بحر متوسط پر واقع ہے۔ اطالیہ نے اسے ترکی سے اپنے قبضے میں کر لیا ہے۔ خود مختار متصرف۔ ان کا تعلق وزارت داخلی سے ہے۔

متصرف یورپ۔

۱۔ چٹلجہ۔ صدر مقام چٹلجہ۔ بڑے شہر بیوک چکمہ جی اور سلویری ہیں۔

متصرف ایشیا۔

۱۔ اسمت۔ صدر مقام اسمد۔ نکومیڈ یا خلیج پر واقع ہے۔ بڑے شہر۔ قرہ موصل۔ ادا بازار۔ کندیرہ۔ غیوہ۔

۲۔ بیغہ۔ صدر مقام۔ درہ دانیال جوز کی کالیڈ سلطانیہ میں واقع ہے۔ بڑے شہر پلیساکس۔ یہ ہلسپانٹ پر واقع ہے۔ بیغہ۔ غرانیکا پر واقع ہے۔

۳۔ زور۔ صدر مقام دیرالزور۔ فرات پر واقع ہے۔ بڑے شہر تاڈمور۔ پالمیرا کے کھنڈروں کے قریب آباد ہے۔

۴۔ یروشلم۔ ۱۸۸۸ء میں ولایت سمرنا سے اس کا تعلق منقطع کیا گیا۔ صدر مقام یروشلم۔ بڑے شہر۔ جافہ۔ یہ بحر متوسط پر واقع ہے۔ غازہ۔ جبران۔

خاص صوبجات

دول غیر کے ساتھ جو سیاسی معاہدات کئے گئے تھے اور خود ملک میں بھی جو باہمی شرائط طے ہوئے تھے ان کی رو سے بعض اضلاع بلکہ بعض صوبجات میں خاص تنظیم کی گئی تھی جس سے کم و بیش کمل آزادی ان علاقوں کو دی گئی تھی حکومت عبدالحمید نے خاص طور پر اس بارے میں ان صوبجات کے امتیازی حقوق کو منسوخ و کالعدم کرنے اور انہیں ایک عام ضابطہ کے تحت لانے کی کوشش کی تھی۔ جنگ بلقان کے بعد ان صوبجات میں سے مرویت، اکریت، سیماس، اور ماونٹ ایتھاس ترکی کے قبضے سے نکل چکے ہیں۔ باقی جو ہیں وہ مثل زیتون

اور کوزن کے اپنے حقوق و مراعات سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔

زیتون۔

جب خلفائے مصر کے حملے سے آرمینیائے کوچک تباہ ہوا تو جو باشندے بچ گئے انھوں نے طارس کی گھاٹیوں کو اپنی پناہ گاہ قرار دیا۔ یہ چھوٹی سی نوآبادی بہت جلد ایک چھوٹی سی علداری بن گئی اور روز بروز بڑھنے لگی۔ اس نوآبادی کی وجہ تسمیہ زیتون کے وہ جنگل ہیں جو اس خطے میں جہاں آرمینیوں نے پناہ لی تھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔ لینگلو لی کے مطابق زیتون کی آبادی ۱۸۵۱ء میں ایک لاکھ پچاس ہزار تھی۔ اس کے تین ضلع غیااور، واغ، اور ہاجین تھے اور ہر ایک میں پچیس ہزار سے تیس ہزار تک باشندے تھے۔

عبدالعزیز کے زمانے تک زیتون چار اشخاص (موروثی) کے تحت خود مختار رہا۔ ۱۸۶۲ء میں والیٔ مراش عزیز پاشا باشی بزوک کے لشکر کے ساتھ آرمینی قبائل پر حملہ آور ہوا۔ قصبہ الابش بالکل تباہ کر دیا گیا۔ راہب قتل اور کتوں کے ساتھ دفن کئے گئے۔ گرجائیں لوٹ لی اور عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔ اس معرکے کے بعد عزیز پاشا زیتون کو روانہ ہوا۔ ڈیڑھ سو شیوخ یا ملا مفتی کے تحت اس دستے سے پیشتر روانہ ہوئے۔ زیتونی ان کے مقابلے کے لئے آگے بڑھے۔ ان کے آگے قسیس صلیب اور انجیل ہاتھ میں لئے ہوئے مزامیر استغفار پڑھ رہے تھے۔ عزیز کی بیقاعدہ فوج کو شکست ہوئی (۱۴ اگست) ایم ہاسون آرمینی کاتولی بطریرک نے سفارت خانۂ فرانس سے مداخلت کی درخواست کی۔ باب عالی نے ایک کمیشن مقرر کرنے پر رضامندی ظاہر کی جس میں ایک مسلمان افسر ایک آرمینی بشپ، ایک گریگوری بشپ اور ایک پراٹسٹنٹ آرمینی شریک تھے۔

اس اثنا میں زیتونیوں نے قحط اور اجتماع افواج سے گھبرا کے اطاعت اختیار کی اور مدیر کی حکومت کو قبول کیا جس کی تنخواہ نو ہزار قرش ان کے ذمے رکھی گئی۔ اس کے سوا بارہ ہزار قرش سالانہ خزانے میں جمع کرنے کے لئے بھی انھیں راضی ہونا پڑا۔ اثیر پاشا نے جو عزیز پاشا کی جگہ مقرر ہوا تھا زیتونیوں کی رخصتی مدارت میں چار اشخاص کو دھوکے میں لاکے گرفتار کیا اور انھیں بغاوت کے جرم میں پھانسی کی سزا سنائی۔ باب عالی نے

اس حکم کو فوراً منسوخ کر دیا اور ان کی رہائی کا حکم دیا لیکن انسپکٹر نے ان مصیبت زدوں کو رہا نہ کیا۔ ایک سال کے بعد بھی وہ ہتکڑی اور بیڑی میں مبتلا تھے اور ان میں سے دو تو مذہبی تسلی کے بغیر تہ خانوں میں ہلاک ہو گئے۔

زیتون کے نظم و نسق کے لئے جو مدیر مامور ہوتے تھے وہ عموماً بد ذات ہوتے تھے اور ان کی رشوت و زیادہ ستانی سے مخلوق تنگ رہتی تھی۔ مدیر داؤد افندی کے ظلم و تعدی اور ٹکس کو بارہ ہزار قرش کی بجائے پچاس ہزار کر دینے سے سنہ ۱۸۶۲ء میں رعایا نے بغاوت کر دی۔

کونک میں چوری ہوئی تو مدیر نے آرمینی خدمتگار پر شبہ کر کے اس سے اقبال کرانے کے لئے سخت تکلیف دی۔ جب اس نے اقبال نہ کیا اور اپنی بے گناہی پر مصر رہا تو خود اس نے اس بے گناہ کا گلا دبا ڈالا۔ پبلک نے جب اس پر سخت غصے کا اظہار کیا تو مجبوراً زیتون و مراش کی عدالت میں اس کا مقدمہ پیش کیا گیا جس نے اسے پھانسی کی سزا دی۔ حلب کی عدالت مرافعہ نے اس فیصلہ کو منسوخ کر کے اسے بری کر دیا۔ اس کے کچھ زمانے کے بعد وہ بصرہ کا سرکاری وکیل بنایا گیا۔ آرمینیوں نے اس ناانصافی سے مشتعل ہو کر بغاوت کی۔ کامل پاشا اور رضی پاشا نے اس بغاوت کو فرو کیا لیکن ایک سردار بابک نامی نے گوریلی جنگ (بے قاعدہ جنگ) سے لڑائی کو جاری رکھا۔ مجبور ہو کر باب عالی نے ان کی دادرسی کی اور ایک آرمینی کو مدیر کا مددگار بنایا۔

جب یہ وعدے پورے نہ کئے گئے تو تین سال کے بعد ایک جدید بغاوت ہوئی۔ سفارت فرانس و انگلستان کی دخل دہی پر باب عالی نے زیتونیوں کا انصاف کیا۔ سنہ ۱۸۹۱ء میں والی مراش کے خودسرانہ حرکات سے دوبارہ بغاوت ہوئی لیکن جلد رعایا کا اطمینان کر دیا گیا۔ اکتوبر سنہ ۱۸۹۵ء میں آرمینیوں کا قتل ہوا اور اناطولیہ میں خون کی ندی بہی سے خان کیلیسا کے فرستادوں کی اشتعالک پر پہاڑی باشندوں نے قرم سے خان کی خودمختاری کے لئے بغاوت کی۔ اس کے فرو کرنے کے لئے ایک بڑی فوج بھیجی گئی جنوری ۱۸۹۶ء میں مدافعت کا خاتمہ ہوا۔

زیتونیوں کی خودمختاری بدستور برقرار رہی۔ اور دول یورپ نے اس خودمختاری کو قائم رکھنے کا ذمہ لیا۔ اس زمانے سے حالات میں تبدیلی ہوئی ہے

گورنمنٹ نے بغیر تشدد کے آہستہ آہستہ ہوشیاری کے ساتھ دست درازی کر کے اس پہاڑی علاقے کی خود مختاری کو غصب کر لیا ہے۔ سیالیشیا میں قتل عام کے بعد اپریل ۱۹۰۹ء میں حاجین یکلخت تباہ کر دیا گیا اور اسکی تمام آبادی قتل کر دی گئی ستمبر ۱۹۰۹ء میں زیتونیوں کو دوسری جگہ منتقل کر کے ان کی جگہ کردوں، ترکمانوں، سرکاشیوں، اور ترکوں وغیرہ کو آباد کرنے کا مسئلہ پیش ہوا۔

کوزن ۔ یہ خلیج اسکندریتہ کے شمال مغرب میں اینٹی طارس میں واقع ہے اور پہلے ولایت عدنہ میں شامل تھا۔ کردی قبیلۂ فرسنح کے سردار کے نام پر یہ موسوم تھا۔ اس سردار نے شاہ اسمٰعیل کے مقابلے میں سلیم اول کو اپنی جنگی خدمات سے خوش کیا تھا جس کے معاوضہ میں سلیم نے ایک معمولی خراج مقرر کر کے اس کو اس علاقے کا حاکم بنا دیا تھا۔ بہت جلد یہاں کے پہاڑی باشندوں نے ترکی حکومت کا جوا اپنے کندھے سے اتار پھینک دیا۔ عزیز پاشا کی کوشش سے برائے نام ان باشندوں نے اطاعت قبول کی۔ ۱۸۷۸ء میں یہ لوگ بغاوت میں اپنے ہمسایہ زیتونیوں کے شریک ہوئے اور ان کا بھی وہی حشر ہوا جو زیتونیوں کا ہوا۔ تقریباً پچاس ہزار کردی اور کچھ ترک اور آرمینی یہاں آباد ہیں۔ آج مرکزی حکومت کے مسلسل اغتصاب سے ان کے امتیازی حقوق تقریباً ناپید ہو گئے ہیں۔

لبنان ۔ ۱۸۶۰ء کی خونریزی اور شام کی فرانسیسی مہم کے بعد ۱۸۶۱ء میں یوروپین کمیشن نے ایک قاعدہ مقرر کیا اور تین سال کے بعد ترمیم کی شرط رکھی۔ ۱۸۶۴ء میں قسطنطنیہ کانفرنس نے اٹھارہ دفعات میں ایک باضابطہ قانون مدون کیا جو فرمان کی صورت میں تشہیر کیا گیا۔

اس قانون کی رو سے لبنان ایک عیسائی گورنر کے تحت رکھا گیا۔ جسے پانچ سال کے لئے سلطان مامور کرتا۔ اس کی حیثیت منشیر کی سی تھی۔ اور اس کے تقرر کے لئے دول سے منظوری حاصل کرنے کی شرط تھی فرانس نے گورنر ملکی رکھے جانے کا مطالبہ کیا تھا لیکن انگلستان نے فرانس سے حسد کے باعث اس تجویز کی مخالفت کی اور باب عالی کو اس تحریک کو قبول نہ کرنے کے لئے زور دیا۔ حکومتِ فرانس کو مجبوراً اس تصفیہ کو ماننا اور لبنان کے اصول خود مختاری سے ہاتھ دھونا پڑا جو پہاڑی باشندوں کے

دنیاوی قانون پر مبنی تھا۔

گورنر دیرالقمر قیسران میں رہتا ہے۔ مسلح فوج اُس کے تحت رہتی ہے۔ انتظامی وعدالتی تقررات اُسی کی طرف سے ہوتے ہیں۔ محاصل وغیرہ بھی وہی مقرر کرتا ہے۔ ایک ہزار سپاہیوں کی ایک مشترکہ ملکی ملیشیا لبنانی کرنل کے تحت ملک میں امن وامان قائم رکھتی ہے۔ گورنر کے بعد مرکزی مجلس ہے جس کا کام محاصل کا تصفیہ اور خرچ کی نگرانی ہے۔ اس کے اختیارات برائے نام ہیں۔ اس کی حیثیت مشیرانہ ہے اور گورنر کے استفسارات کرنے تک اُسے منتظر رہنا پڑتا ہے۔ اس میں بارہ اراکین ہیں اور ہر دو سال میں ایک ثلث اراکین کی تجدید ہوتی ہے۔

لبنان سات انتظامی حلقوں میں منقسم ہے۔ ہر حلقہ ایک سب گورنر کے تحت ہے جسے گورنر مقرر کرتا ہے اور جو جماعت غالب میں سے انتخاب کیا جاتا ہے۔ یہ حلقے حسب ذیل ہیں:-

۱۔ کورا۔
۲۔ قیسران کا کچھ حصہ جو جبل، بصرہ، زاویہ، بلاد بطرون پر مشتمل ہے۔
۳۔ قیسران خاص جو نزا کلب کی حد تک ہے۔
۴۔ زحل اور اُس کا علاقہ۔
۵۔ متن، خطہ اور ہولیما۔
۶۔ شوف جو جزین کو جانے والے دمشقی راستے میں جنوب کو واقع ہے۔
۷۔ جزین اور طفہ۔

انتظامی کونسل میں کورا کی طرف سے مشرقی گرجا کا ایک یونانی ممبر مقرر ہوتا تھا۔ قیسران کے ہر دو اضلاع کی طرف سے ایک ایک مارونیتی شریک ہوتا تھا۔ زحل سے ایک کاتھولی یونانی بھیجا جاتا تھا۔ متن سے ایک مارونیتی، ایک دروزی، ایک متاولی اور ایک مشرقی گرجا کا یونانی منتخب کیا جاتا تھا۔ شوف سے ایک دروزی اور جزین سے ایک مارونیتی، ایک دروزی اور ایک مسلمان ممبر منتخب ہوتے تھے۔

قانون ۱۸۶۴ کی دفعہ ۱۶ سے دوبارہ مردم شماری باعتبار کمیون ومذاہب کی جانی چاہیے تھی۔

اس حکم کی تعمیل نہیں ہوئی۔ یہ پہاڑی باشندے تقریباً ایک لاکھ یا اس سے زیادہ ہیں۔

۱۸۸۳ء میں رستم پاشا (کونٹ ارمینی) کی بجائے البانی کاتولی وصی پاشا فرمان سے پانچ سال کے لئے دوبارہ مامور ہوا۔ یہ اطالوی تھا لیکن اس نے عثمانی حقوق حاصل کر لیے تھے۔ اس کی حکومت لبنان کے لئے ایک آفت تھی۔ لبنانی اساقفہ اور مارونیتی پادریوں کو اس نے بے حد تکلیف پہنچائی۔ اور فرانس کے خلاف پیہم سازشیں کرتا رہا۔ ۱۸۹۲ء میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کی جگہ نعوم پاشا مامور ہوا جو لبنان کے سابق گورنر جنرل فرانکو پاشا کا بیٹا تھا۔ نعوم پاشا نے جس کا انتقال بحیثیت ترکی سفیر پیرس میں ہوا دس سال تک لبنان پر حکومت کی۔ اس کے زمانے میں لبنان نے بہت ترقی کی ۱۹۰۲ء میں نعوم پاشا کی جگہ مظفر پاشا (کونٹ زبکودسکی) گورنر ہوا۔ یہ پولینڈ کا باشندہ تھا لیکن سلطنت عثمانیہ کے شہری حقوق اسے دئیے گئے تھے۔ اس کی حکومت ننگ و عار کا باعث رہی ۱۹۱۲ء سے کاتولی آرمینی کوجہیس لبنان کا گورنر جنرل ہے۔

باجگزار ممالک

مصر ۔ مصر کو سلطنت ترکی سے محمد علی نے علیحدہ کیا اور اب یہ اس کے خاندان میں براہ راست اولاد ذکور کے قبضے میں چلا آتا ہے۔ عبدالعزیز کے زمانے میں خدیو وقت نے ایک حد تک مصر کو ترکی کے قبضے سے نکال لیا تھا۔ سالانہ خراج اور بزمانۂ جنگ میں پندرہ ہزار کی فوج فراہم کرنے کی حد تک ترکی سے تعلقات باقی رہ گئے تھے۔

اسماعیل پاشا اور دول یورپ کے باہمی جھگڑوں سے فائدہ اٹھا کے دیوان نے ایک فوری چال سے ۱۸۴۱ء کے فرمان کو کالعدم اور مصر کو عثمانی ولایت قرار دیا۔ فرانس اور انگلستان نے باب عالی کو اپنے نمایندے بھیجے اور حکومت ترکی کے اپنے ارادوں پر اڑے رہنے کی صورت میں مصر کی کامل خود مختاری کو تسلیم کرنے کی دھمکی دی۔ باب عالی نے اپنے منصوبے سے دست برداری اختیار کی۔ لیکن اس فرمان سے جو توفیق پاشا کے خدیو بنائے جانے کے متعلق تھا اس کے بعض مخصوص اختیارات اسے

واپس مل گئے۔
ملکی قانون کی اشاعت سلطان کے نام سے ضروری تھی۔ اب خدیو کو حق باقی نہ تھا کہ سکہ جاری کرے یا عام عہدہ داروں کے تقررات کرے یا موجودہ مالی حالت کو درست کرنے کے سوا اور کسی قسم کا قرضہ لے۔ زمانۂ امن میں مصری فوج اٹھارہ ہزار آدمیوں سے زائد نہیں رہ سکتی تھی۔ ترکی اگر کسی سلطنت سے جنگ کرے تو مصری فوجوں کے لئے سلطنت کی حمایت لازمی تھی چنانچہ بصورت ضرورت فوجوں میں اضافہ ہو سکتا تھا۔ مصر کو بحریہ رکھنے کا حق باقی نہ تھا۔ ایک لاکھ اسی ہزار کا خراج اس کے ذمے حسب دستور رہا۔ سیاسی نقطۂ نظر سے یہ ضروری تھا کہ خدیو کی طرف سے جتنے معاہدے اور شرائط کئے جائیں ان کی اطلاع استامبول کو دی جائے۔ ۱۸۸۲ء میں جب عربی پاشا نے خدیو سے بغاوت کی تو برطانیۂ عظمیٰ نے مداخلت کی اور مصر پر انگریزوں کا قبضہ ہوا۔ اس زمانے سے نہ صرف باب عالی کی سیادت ہی بلکہ خود خدیو کی حکومت بھی محض دھوکے کی ٹٹی ہے۔ اور باوجود انھی بے غرضی کے دعوؤں کے سلطنت برطانیہ نے وادیٔ نیل میں اسکندریہ، قاہرہ اور اسوان پر قبضہ کیا اور فراعین مصر کے قدیم ملک کو اپنے تصرف میں رکھنا چاہتی ہے۔
محمد علی کے جانشینوں خصوصاً اسمٰعیل پاشا کے عہد میں مصریوں نے نیل ابیض کا تمام خطہ بڑی رسنوائی جھیلوں تک اپنے قبضے میں کیا۔ اکثر صورتوں میں تو یہ قبضہ نام ہی نام کا تھا لیکن بایں ہمہ دول نے اسے تسلیم کیا تھا۔ یہ تمام فتوحات اس مذہبی انقلاب کے بعد ہاتھ سے نکل گئیں جس سے تمام سوڈان مصریوں اور ترکوں سے باغی ہو گیا تھا۔ جزیرۂ ابا کے ایک شیخ محمد احمد نامی نے اپنے مہدیٔ موعود (مسیح) ہونے کا دعویٰ کیا۔ پانچ سال کی لڑائی کے بعد (جولائی ۱۸۸۱ء - اپریل ۱۸۸۵ء) اس نے مصری اور انگریزی فوج کو پسپا کر دیا جو جنرل گارڈن کی رہائی کیلئے جو خرطوم میں محصور تھا بھیجی گئی تھی مصری حدود وادیٔ حلفہ تک رہ گئیں جو پہلے خط استوا تک تھیں۔ اور اس طرح ایک درجے عرض بلد شمال پر ہٹ آئیں۔ اس خط کے نیچے صرف سواکن ہی مصری قبضے میں رہا۔ اس کا بھی عثمان دغمہ نے محاصرہ کیا جو مہدی کا ایک خاص لفٹنٹ تھا۔ مسودہ کی اطالویوں نے حفاظت کی۔ آثار سے پایا جاتا ہے کہ وہ اسے کبھی اپنے قبضے سے نہ دیں گے۔

انھیوپیا (بلاد الحبشہ) کی اطالوی مہم کے ناکام نتیجے کے بعد انگریزوں کو خوف ہوا کہ کہیں فاتح منیلک وادیٔ نیل ہیف پر نہ اتر آئے اس لئے انھوں نے مصری سوڈان کو واپس لینے کی تیاری کی۔ نہایت ہوشیاری کے ساتھ مہم کا سامان کیا گیا۔ ایک ریلوے لائن فوجوں کو سامان رسد پہنچانے کی غرض سے تیار ہوئی اور تجارتی سامان انگریزی و مصری دستوں کے قبل روانہ کیا گیا۔ یہ دستے دشواری و محنت کے بعد اول ڈنگولا اور اس کے بعد کسالا پہنچے۔ جون ۱۸۹۸ء میں انھوں نے اپنے سفر کی آخری منزل شروع کی۔ جولائی میں لارڈ کچنر درویشوں کو امّ درمان میں شکست دے کے خرطوم میں فاتحانہ داخل ہوا۔ اس طرح مصری یا دوسرے معنی میں انگریزی حکومت مشرقی سوڈان میں دوبارہ قائم ہو گئی بلکہ بحر الغزل اور بڑی جھیلوں تک جن پر مصر کی برائے نام سیادت تھی حدود کی توسیع ہو گئی۔

جزیرہ نمائے سینا کے سرحدی مسئلے میں ترکی و انگلستان میں معاملہ جنگ کی حد تک پہنچ گیا تھا جس میں مصر پر بھی آفت آگئی تھی کیونکہ مصری حدود کی حفاظت کے لئے انگلستان نے مداخلت کی تھی۔

جب معاہدۂ لندن سے سائیلیشیا، اکریت، شام، اور حجاز محمد علی کے قبضے سے سلطان کے قبضے میں دئے گئے۔ تو سینا مصر کے علاقے میں ہی رہا خلیج عقابہ کی جو بحر احمر پر واقع ہے آخری سرحد پر رفاہ بحر متوسط پر واقع ہے چنانچہ عقابہ سے رفاہ تک جو علاقہ ہے وہ حجاز کو فلسطین و شام سے جدا کرتا ہے۔ صحرائے سینا کے قبضے کو ترکوں نے کوئی اہمیت نہیں دی اور اس لئے اس کی طرف سے بے پروا رہے۔ اس طور پر حکومت عثمانیہ نے حکومت مصر کو خلیج عقابہ کے مشرقی علاقے پر جو حجاز سے متصل ہے فوجی قبضے کی اجازت دی۔ اسی طرح بحر احمر کے چند ساحلی مقامات مثل معیلہ وغیرہ کے مصر کو دیئے گئے تاکہ مکہ سے مدینہ کو جو مصری حجاج جائیں ان کے راستے کی حفاظت ہو۔ یہ حالات اسی نہج پر ۱۸۹۲ء تک رہے۔ ۱۸۹۲ء میں موجودہ خدیو کی تخت نشینی پر عقابہ اور ان مقامات حجاز کے استرداد کا مطالبہ کیا گیا جہاں مصری فوج رکھنے کی اجازت دی گئی تھی۔

جواد پادشاہ کے تار میں سینا کی سابقہ حالت برقرار رکھی گئی تھی۔ باب عالی کی

اس بحث کا ۱۹۰۶ء تک کوئی تصفیہ نہیں ہوا۔ ۱۹۰۶ء میں جب حجاز ریلوے جاری ہو رہی تھی تو اس کی ایک شاخ معن سے عقابہ تک قائم کرنے کی تجویز ہوئی لیکن عقابہ مصری سرحد کے قریب تھا۔ اگر مورچہ بندی کی جاتی تو تعبہ کی مصری چوکی سے جو خلیج کی مغربی جانب تھی عقابہ پر آسانی سے حملہ کیا جاسکتا تھا۔ اس سے بچنے کے لئے ترکوں نے تعبہ پر قبضہ کر لیا اور یہ دلیل پیش کی کہ سینا عارضی طور پر مصر کو دیا گیا تھا۔ نیز چونکہ مصر سلطنت عثمانیہ کا ایک صوبہ تھا اس لئے اس میں اور دوسرے عثمانی صوبجات میں حد و بندی نہیں کی جاسکتی۔

اگر انگلستان اس فیصلہ کو قبول کرتا تو مشرق میں بیس سال کی سیاست کے جو نتائج حاصل ہوئے تھے وہ ملیامیٹ ہو جاتے۔ مسئلۂ مصر جس کا ۸ راپریل ۱۹۰۴ء کے انگریزی فرانسیسی معاہدے سے خاتمہ کر دیا گیا تھا پھر تازہ ہو جاتا۔ اور وہ تمام سرزمین جو عربستان میں حاصل کی گئی تھی ہاتھ سے نکل جاتی۔ مصر کے بعض مسلمانوں میں شورش کے آثار پائے جا رہے تھے۔ اخبار "اللوا" نے جو مصطفیٰ پاشا کامل صدر مصری قومی جماعت کے زیر نگرانی تھا اور جسے سلطان اور جرمن سے امداد ملتی تھی انگلستان کے خلاف تحریک پھیلانی شروع کی۔ اس اتحاد بین المسلمین کے عقیدے نے مسلمانوں کے مذہبی جوش کو اکسا دیا۔ یہ ضروری تھا کہ برطانیہ عظمیٰ کی طرف سے ترکی کی ریشہ دوانیوں کا خاتمہ کیا جاتا جن سے اس کے مصری تسلط کے متزلزل ہونے کا اندیشہ تھا۔ خدیو کی فہمائشوں کا جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تو انگلستان نے خود اپنے کو خدیو کا قائم مقام بنا لیا چنانچہ حکومت مصر اور ایمپیریل ہائی کمشنر میں گفت و شنید شروع ہوئی۔ لندن میں محکمۂ خارجہ اور ترکی سفیر کے اور قسطنطنیہ میں سر نکولس اوکنر اور باب عالی کے درمیان اس بارے میں مراسلت ہوئی۔ آخر جب اس گفت و شنید کا خاتمہ ہی نظر نہ آیا تو برٹش گورنمنٹ نے ۳ مئی ۱۹۰۶ء کو مقاماتِ سینا کے تخلیے کے لئے الٹیمیٹم دے دیا اور صرف دس دن کی مہلت دی۔ اس کے بعد بھی اگر ترکی فوجوں کا مقامات مذکور سے تخلیہ نہ ہو تو بعض انگریزی فوجیں وہاں سے ہٹا دیں گی۔

ترکی نے انگلستان سے جنگ کرنے کا خیال جرمنی کے بل بوتے پر کیا تھا جو انگلستان کو سینا کا مسئلہ چھیڑ کے پریشان کرنا چاہتا تھا۔ بلاشبہ جرمن اچھی طرح سے جانتے تھے کہ سلطان انگلستان سے جنگ نہیں کر سکتا۔ ان سے بڑھ کر اس بارے میں کوئی واقف

نہ تھا کیونکہ جرمن اعلیٰ عہدہ داروں سے جو امپیریل سروس میں تھے سلطنت عثمانیہ کے چپے چپے کی اہمیس معلومات تھی۔ جرمن کا ارادہ ترکوں کو عملی حیثیت سے مدد دینے کا نہ تھا لیکن اسے خیال تھا کہ یہ مسئلہ فیصلے کے لئے عدالت ہیگ میں لایا جائے گا۔ یہاں پیش ہونے کے بعد ۱۸۴۱ء کے معاہدے سے اس مسئلے پر روشنی ڈالنا ممکن تھا جو سر ڈرمنڈ وولف کی طرف سے طے کیا گیا تھا۔ اور محکمۂ خارجہ کے ان اعلانات کو بھی پیش کیا جا سکتا تھا جو مصر سے انگریزی فوجیں ہٹا لیئے جانے کے متعلق تھے۔ اس طرح سینا کی حدبندی کا سوال انگریزوں کے تخلیۂ مصر کا باعث ہو جاتا لیکن یہ تمام شاطری انگلستان کی فوجی قوت کے مقابلے میں جس سے وہ کام لینا چاہتا تھا بے سود ہوئی۔

۱۱ مئی کو توفیق پاشا ترکی وزیر خارجہ نے سر نکولس اوکنر کو اپنی گورنمنٹ کا جواب دیا۔ اس جواب میں یہ بتایا گیا تھا کہ تخلیہ تبعہ پر غور کرنے کے پہلے باب عالی مشترکہ ترکی اور مصری کمیشن کی وساطت سے ترکی اور مصری حدود کے تصفیے پر رجوع ہوگا۔ ترکی کی سرحد بجائے الرفاہ اور عقابہ کے خط مستقیم کے العریش سے جو الرفاہ سے کسی قدر جنوب میں واقع ہے شروع اور مغرب کی طرف مڑ کر سویز پر ختم ہوگی۔ اس لحاظ سے قریب قریب تمام سینا ترکوں کے علاقے میں آجاتا۔ اور نہر سویز پر بھی وہ آسانی سے حملہ کر سکتے تھے۔ ساتھ ہی ترکی جواب میں مصر کے متعلق بھی یہ وضاحت کی گئی تھی کہ وہ سلطنت عثمانیہ کا حصہ سمجھا جائے گا چنانچہ سلطان کے حقوق سیادت محفوظ قرار دئے گئے تھے۔ نیز چالاکی کے ساتھ انگریزوں کے قبضۂ مصر کے بارے میں بھی استفسار کیا گیا تھا۔ انگریزی سفیر نے ان تجاویز کو ناقابل قبول بنایا۔ دوسرے دن نائب قونصل انگریزی پائیریس روانہ ہوا تا کہ لارڈ چارلس برسفورڈ بحر متوسط کے بیڑے کے افسر کو ہدایات پہنچائے۔ سفیر نے الٹی میٹم کی مہلت گزرنے کے ساتھ ہی روانہ ہونے کے لئے تیاری کی۔ ۱۴ کو مہلت ختم ہونے کے کچھ ذرا پہلے توفیق پاشا سفارتخانہ انگریزی میں آیا اور اطلاع دی کہ سلطان نے سابقہ حالت کو برقرار رکھنے کی شرط منظور کی ہے۔ تبعہ کا تخلیہ کر دیا جائے گا۔ اور خط الرفاہ و عقابہ ترکی اور مصر کی سرحد قائم رہے گا۔ ساتھ ہی یہ بھی صراحت کر دی کہ اس مقررہ خط کی ٹھیک طور پر حدبندی ایک مشترکہ مؤتمر سے کی جائے گی جس میں برطانیہ، ترکی اور مصر کے نمایندے شریک رہیں گے۔

عبد الحمید کے تمام دور میں سلطان، خدیو اور انگریزوں میں تثلیثِ مضحک کا کھیل ہو رہا تھا جو رفتہ رفتہ برطانیۂ عظمیٰ کی حالت میں عیاری، فریب اور مکاری کی جنگ میں متبدل ہو گیا سلطان نے خدیو کو انگلستان سے لڑانے کی ہمہ تن کوشش کی۔ مصری قومیت پسندوں کے سوا اتحادِ مسلمانان کا کوئی حامی نہ تھا۔ ان کے پروگرام کی بڑی تجویز مصر سے برطانیۂ عظمیٰ کا تخلیہ تھی۔ عباس حلمی نے ایک طرف اپنے انگریز سر پرستوں کو خوشنود رکھنے کی کوشش کی تو دوسری طرف اپنے فرمانروا سلطان کو رضامند رکھنے کی لیکن روز بروز صورت حال میں پیچیدگی بڑھتی جا رہی تھی اور خدیو کو بجائے دونوں کو راضی رکھنے کے کسی ایک کی طرف فیصلہ کرنا پڑا۔ مصطفیٰ پاشا کامل کی طلاقت لسانی سے متاثر ہو کر اس نے ایک بڑی قومیت پسند جماعت ترتیب دینے کے نظام العمل کو بحال رکھا تاکہ مصر کو غیر ملکیوں کی حکومت سے نجات مل سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دسمبر ۱۹۰۶ء میں لارڈ کرومر نے حسب ذیل شرائط کا الٹی میٹم روانہ کیا۔ مصطفیٰ پاشا کامل اور بعض خدیوی عائدین کا اخراج۔ مصری افواج کی تخفیف اور برطانوی افواج کی بیشی۔ ساتھ ہی مصری افسروں کا تناسب بحساب دس افسر سات قرار دیا گیا۔ خدیو اور حکومتِ عثمانیہ میں بالراست خط و کتابت کی موقوفی جو آئندہ سے مصری وزیر خارجہ کے توسط سے کی جائے گی۔ (جو انگریزوں کے ہاتھ میں تھا) عثمانی ہائی کمشنر غازی مختار پاشا کی واپسی جس نے اخبار اللواء کی تحریک اشاعت تعصب میں جو اتحادِ مسلمانان کے پردے میں کی گئی تھی زبردست حصہ لیا تھا۔ خدیو نے مقدم الذکر تین شرائط قبول کیے۔ چوتھی شرط کا تعلق اس سے نہ تھا۔ سلطان نے صاف جواب دے دیا کہ وہ کبھی احمد مختار پاشا کو خدمت ہائی کمشنری سے علیحدہ نہ کرے گا۔ انگریزوں نے اصرار نہیں کیا اور خدیو کے متذکرہ شرائط منظور کرنے کو ہی کافی سمجھا۔

سیماس۔ گو ساموس نے یونانی جنگ خود مختاری میں ترکوں کے خلاف جنگ کی تھی لیکن اس پر بھی ۱۸۳۰ء میں سیاست یورپ نے انھیں عثمانی تسلط میں ہی رکھا چنانچہ جزیرہ سیماس کے ساتھ الجزائر کے اور یونانی جزیرے بھی باستثنائے سائکلیڈیس ترکی کے قبضے میں رہے۔ لیکن جب ساموس نے ہتھیار رکھنے سے انکار کیا تو بابعالی نے فرانس اور روس کی وکالت پر اس جزیرے کو خود مختاری دی

(۱۰ دسمبر ۱۸۳۲ء) سیماس کی حیثیت انگلستان، فرانس اور روس کی ذمہ داری میں ایک ریاست کی سی ہو گئی جو ترکی

کو خراج ادا کرتی۔ ترکوں کا اس جزیرے میں دخل باقی نہ رہا۔ ترکی کو صرف گورنر کے تقرر کا اختیار تھا جس کے لئے شرط یہ تھی کہ وہ یونانی اور مشرقی گرجا کا پیرو ہو۔ نیز چار ہزار ترکی پاؤنڈ وہ اس جزیرے سے بطور خراج وصول کر سکتی تھی۔

۱۸۳۵ء میں سیماس کو یہ امتیازی حقوق عطا ہوئے اور اسٹیفانکی بے وگوریڈیس اس جزیرے کا گورنر بنایا گیا۔ اس بلغاری نژاد یونانی اور اس کے مددگار کیرمل افندی کرسٹوویچ کے خراب نظم و نسق سے ۱۸۴۹ء میں پھر ایک عام بغاوت ہوئی۔ باب عالی نے ایک شخص مصطفیٰ پاشا کو جو کسی قدر فاتح اہرام مصری کے مشابہ ہونے کی وجہ سے بوناپارٹ کے نام سے مشہور تھا دس ہزار کی فوج کے ساتھ سیماس پر بھیجا لیکن ترک شدید نقصانات کے ساتھ پسپا ہوئے۔ دول ضامن کی مداخلت سے جنگ موقوف ہوئی۔ اسٹیفانکی بے خدمت سے علیحدہ کر دیا گیا لیکن باب عالی نے قانون کی خلاف ورزی کر کے مستحفظ فوج کو جزیرے کے صدر مقام واتھی میں رکھ چھوڑا۔

یہاں کا گورنر جنرل پرنس کہلایا جاتا تھا۔ اور عاملانہ اختیارات اسکو حاصل تھے۔ اس کی اعانت کے لئے ایک سنیٹ تھی جس میں چار رکن ہوتے تھے جنھیں وہ اضلاع کے آٹھ پیش کردہ امیدواروں سے انتخاب کرتا تھا۔ اس کی سالانہ تنخواہ ڈیڑھ ہزار ترکی پاؤنڈ تھی۔ پاسپورٹ کی آمدنی بھی وہی لیتا تھا جو ڈیڑھ سو سے دو سو ترکی پاؤنڈ کے قریب تھی۔

قانونی اختیارات کا تعلق مجلس نمایندگان سے تھا۔ سینتیس گاؤں کے سینتیس نمایندے منتخب کئے جاتے تھے۔ اور دو ثلث کے غلبۂ آرا سے ان کا انتخاب عمل میں آتا تھا۔ ہر کمیون سے باعتبار اس کی اہمیت کے تین سال کے لئے چند نمایندوں کا انتخاب ہوتا تھا جو ہر سال میونسپل کونسل، میر بلد، اور نمایندے کا تقرر کرتے تھے۔ ان فرائض کی قابلیت کے لئے انھیں کچھ لگان مقرری ادا کرنا پڑتا تھا۔

عبدالمجید نے جس کا اصول ان امتیازی حقوق کو مٹانا تھا مداخلت کی کوشش کی لیکن سامیوں کا رام ہونا مشکل تھا۔ از روئے دستور پرنس کے تقرر کے لئے یہ لازمی تھا کہ وہ یونانی اور مشرقی گرجا کا پیرو ہو لیکن باب عالی کی بدظنی یونانیوں سے بڑھتی جا رہی تھی جس کی وجہ سے یونانی سرکاری خدمت کو قبول نہ کرتے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ

انتخاب کے لئے میدان تنگ تھا۔ حکومت عثمانیہ واقعی کو ان یونانیوں کو بھیجتی تھی جو تن آسان اور اُس کے کٹ کھنوں پر چلنے والے ہوتے تھے تاکہ ان کے ذریعے سے اس جزیرے کے امتیازی حقوق کو تہس نہس کیا جائے لیکن سامی بھی غافل نہ رہتے تھے۔ جلد مجلس میں جو دستور کی پابندی چاہتی تھی اور تابع فرمان پرنس میں جھگڑا ہو جاتا جس میں پرنس کو اپنی ہار ماننی پڑتی۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ حکومت اس کو واپس طلب کر لیتی۔ اگر کسی صورت میں پرنس اور مجلس ایک ہو جاتے تو باب عالی کی طرف سے وہ پہلے ہی موقع پر برطرف کر دیا جاتا۔

اس جزیرے کے ایک آخری گورنر کتا کی یے کراتھیاڈوری نے جس کا تقرر جولائی ۱۹۰۶ء میں ہوا تھا اپنے فرائض کی بجا آوری میں نہایت مستعدی اور تن دہی کا اظہار کیا اور سیاسس کی خود مختاری کو مستحکم کرنے کے لئے اس جزیرے کی سیاسی و اقتصادی ترقی کی کوشش کی۔ من جملہ اور تجاویز کے جو اس نے مجلس سے منظور کرائے ایک تجویز اسٹیٹ بنک قائم کرنے کی تھی جس کا تعلق ایتھنس کے بنک سے ہوتا۔ باب عالی نے اس تجویز کو نامنظور کر دیا۔ اور جب کراتھیاڈوری کے دستور جزیرے کی حجت پیش کی تو ستمبر ۱۹۰۷ء میں وہ برطرف کر دیا گیا۔ اس کا جانشین عدالت العالیہ کا ایک گمنام جج جارجیاڈیس افندی ہوا جس کے متعلق حکومت کے فرماں بردار ہونے کا خیال تھا۔ وہ سامیوں کی مخالفت کی وجہ سے صرف تین ماہ ہی برسر حکومت رہا۔ اس کے بعد انڈری کوپاسس افندی ممبر کونسل آف اسٹیٹ سیاسس کا گورنر ہوا۔ یہ گرانڈ جج کا بہت بڑا مقرر تھا اور کراسٹا فرنجس کی تاریخ لکھ کر یونانی ادبیات میں بہت شہرت حاصل کی تھی۔ سینیٹ اور مجلس نے اس کا بہت جوش کے ساتھ خیر مقدم کیا لیکن باشندے اس کے استبداد سے بہت جلد اس کے مخالف ہو گئے۔ اس نے آتے ہی سینیٹ کی مدد کو غیر ضروری سمجھ کر اس کو برخواست کر دیا اور تنہا ہی انتظام مملکت کی طرف متوجہ ہوا۔ حکومت کو ایک مدت کے بعد اپنے ڈھب کا آدمی ملا جس کے ذریعے سے وہ سامیوں کی آزادی پر حملہ کر سکتی تھی۔

جب تمام باشندوں نے اس کے متعلق اپنی ناخوشی کا اظہار کیا تو کوپاسس نے ڈر کر مئی ۱۹۰۸ء میں اپنی حفاظت کے لئے سمرنا سے فوج طلب کی۔ دو سو آدمی اس کی حفاظت کے لئے بھیجے گئے لیکن ان کے ساحل پر اترتے ہی جند دمہ اور سامیوں نے انپر بندوقوں سے فائر کیا جس کی وجہ سے انہیں ایک ہمسایہ کونک میں پناہ لینی پڑی یہاں ان کا محاصرہ

کر دیا گیا۔ ایک جنگی جہاز اور ایک تارپیڈو کشتی قسطنطنیہ سے دو توپخانہ اور پانچ دستے پیدل کے سمرنا سے بھیجے گئے۔ کوپاسس افندی کے قول کے مطابق "امپیریل گورنمنٹ کی جنگی قوت و عظمت سے ساموسیوں کی مدافعت کا آسانی سے خاتمہ ہوگیا۔ ان کی توپیں بحری توپوں کے مقابلے میں ہیچ تھیں۔ واقعی بمباری کی گئی اور قریب قریب وہ جلا دیا گیا۔ اکثر عائدین فوجی عدالت میں پیش کئے گئے۔ ان کی خوش قسمتی تھی کہ وہ پھانسی کی سزا سے پیشتر ہی فرار ہوگئے۔ صدر نشین سینیٹ یونان بھاگ گیا اور دوسرے لوگ ملک کے اندرونی حصے میں فرار ہوگئے۔ کوپاسس افندی ترکی فوج کی حفاظت میں من مانی حکومت کرتا رہا۔ ستمبر ۱۹۱۲ء میں کانیا میں کسی نے اسے مار ڈالا۔ اس کا جانشین گلرس بے ساموسیوں کے اعلان خودمختاری پر بھاگ گیا۱؎

مالیات ۔ قرضۂ عامہ ۔ قرضۂ جاریہ ۔ جمع و خرچ ۔ قرضۂ عثمانیہ کو عطا کئے ہوئے مداخل ۔ ٹوبے کو ترجی ۔ تجارتِ ممنوعہ ۔ جندارمہ۔

وزارت مالیہ کا قیام ۱۸۳۸ء میں عمل میں آیا تھا اور پہلا باقاعدہ موازنہ، جس کے متعلق ۱۸۵۵ء کے قانون ترکیبی میں حکم دیا گیا تھا، ۱۸۶۱ء میں ترتیب دیا گیا تھا۔ سلطنت عثمانیہ کی عظمت اور شان و شوکت کے شباب کے زمانے میں بھی اس کے مالیات مشکل سے اس قابل تھے کہ ان کو ترتیب و باقاعدگی کا نمونہ کہا جاسکے۔ رعایا ہمیشہ حکام کی غارتگریوں اور سلاطین کی لوٹ مار کا شکار بنی رہی۔ سترھویں اور اٹھارویں صدی میں ایک سے زیادہ مرتبہ تبدیل زر کی تباہی خیز فوری ضرورت سلاطین کو پیش آئی اور اس طرح انھوں نے خطرناک بغاوتوں کو پھوٹ پڑنے کا موقع دیا۔ لیکن یہ مالی بدنظمیاں محدود تھیں۔ سلاطین صرف موجودہ ذرائع آمدنی کے ہضم کر جانے ہی پر اکتفا کرتے تھے اور مستقبل کے ذرائع میں وسعت انداز نہیں ہوتے تھے۲؎

۱؎ دول نے اس جزیرے کو یونان کے علاقے میں دے دیا ہے۔

انیسویں صدی میں یہ محسوس کرکے کہ روز افزوں کمی کے تکملے کے لئے کافی روپیہ نہیں ہے، ترکوں کے لئے صرف یہی ایک چارۂ کار تھا کہ وہ روپیہ قرض لیں۔ ۱۸۵۸ء سے ۱۸۷۵ء تک ترکی نے (۱۱) مختلف قرضے حاصل کئے اور ۱۸۷۶ء میں اس کا دیوالہ نکل گیا۔ کروڑہا روپیہ جو اس نے یورپ سے حاصل کئے تھے، بغیر کسی منافع کے ایک عمیق غار میں غائب ہوگئے تھے۔ اور ان کا کوئی پتہ نہ تھا۔

قرضۂ عامہ: ۱۸۸۱ء میں حاصل کیا گیا اور سلطنت کے بعض مداخل خانگی اشخاص کے فائدے کے لئے حکومت کی حاصل کی ہوئی رقم کے معاوضے میں منتقل کردئے گئے۔ قرضۂ عامہ میں حسب ذیل قرضہ جات شامل ہیں:۔

۱۔ **قرضۂ عام** ۔ جس سے ۱۸۵۸ء تا ۱۸۷۴ء کے قرضہ جات مراد ہیں۔ ان قرضوں میں، جن کی میزان (۲۱٬۸۴۳٬۳۶۷٬۵۱۰) پاؤنڈ اسٹرلنگ تھی ترکی کے لاٹری بونس، سلطنت میں تعمیر کی جانے والی ریلوے لائنوں پر، جن کی ترکی حکومت نے گارنٹی دی تھی، فی کلومیٹر (۱۴٬۰۰۰) فرانک کی شرح پر، ان کے لائسنس شامل تھا۔ ۱۸۷۶ء میں ترکی کے دیوالیہ ہوجانے کے بعد اس وقت تک جو ادائیاں عمل آئی تھیں، ان کی رو سے قرضے کی تعداد پوری (۱۹۱٬۴۴۴٬۵۵۵) پاؤنڈ اسٹرلنگ تھی۔

۱۱ جولائی ۱۸۷۸ء کے برلن کانگریس کے اجلاس میں ترکی کے نمائندوں نے جو اعلانات کئے تھے، باب عالی نے جب ان کی تعمیل میں اپنے قرضخواہوں کے ساتھ ۲۰ دسمبر ۱۸۸۱ء کے مالی انتظامات کئے تو اس وقت عثمانی قرضے کی میزان، ستمبر ۱۸۷۶ء کے بعد سے بقایائے سود کے بابتہ (۶۱٬۸۰۳٬۹۱۵) پاؤنڈ اسٹرلنگ کو شامل کرکے (۲۵۲٬۲۴۹٬۲۰۰) پاؤنڈ اسٹرلنگ تھی۔ ۲۰ دسمبر ۱۸۸۱ء کے معاہدے کی رو سے اس قرضے کو گھٹا کر (۱۰۶٬۴۳۷٬۲۳۴) پاؤنڈ اسٹرلنگ قرار دے دیا گیا۔ اس کا سود (۱) فیصدی تھا، جس میں بہ لحاظ حالات (۴) فیصدی تک اضافہ ہوسکتا تھا۔ ان مداخل کا (۴/۵) حصہ جو قرضے میں استعمال کئے جاتے تھے، سود کے لئے منسوب کردیا گیا اور (۱/۵) انفکاک کے لئے لیکن تاوقتیکہ سود ادا نہ ہوجائے، اصل کی ادائیگی کے لئے کوئی سوال نہیں اٹھایا جاسکتا تھا۔

اس منتقلہ اور تخفیف یافتہ قرضے کو ترکی کے تمسک رکھنے والوں کو ذیل کے محاصل عطا کرکے محفوظ کرلیا گیا تھا اور یہ تصفیہ ہوا تھا کہ یہ لوگ ان محاصل کا خود ہی انتظام کریں گے:۔

(ا) چھ بالواسطہ محاصل، تمباکو؛ نمک؛ ریشم؛ اسٹامپس؛ اسپرٹس اور فشریز کی ڈیوٹیاں۔
(ب) سلطنت کے داخل سائرات کی بیشی، جو تجارتی معاہدات کی نظر ثانی کی صورت میں محاصل کی اصلاح سے نتیج ہو۔
(ج) مداخل کی بیشی، جو اس مد کی سابقہ آمدنی کے مقابلے میں (جبکہ قانون نہایت ہی ناقص طریقے پر نافذ تھا) قانون پیٹنٹ کے نفاذ تعمیمی سے حاصل ہو۔
(د) ریاست بلغاریہ کے خراج کا، جس کے لئے اس وقت تک جب تک کہ معاہدۂ برلن کی دستخط کنندہ طاقتیں اس کو معین و مشخص نہ کریں (۱,۰۰,۰۰۰) لیرا قرار دیدیا گیا ہے، تمباکو کے (۱۰) فیصدی محصول کی بیشی پر سب سے پہلا خرچ عائد کیا جائے۔
(ھ) جزیرۂ قبرس کی مالگزاری کی بیشی کو ان صورتوں میں جہاں ترکی حکومت کو اس پر کوئی اختیار تمیزی حاصل نہ ہو، (۱,۳۰,۰۰۰) ترکی پونڈ سے بدل دیا گیا اور یہ طے ہوا کہ تمباکو کے (۱۰) فیصدی محصول کی بیشی پر سب سے پہلے اس کا بار عائد کیا جائے گا یا صدر نظامت سائرات پر ڈرافٹ جاری کر کے اس کی تکمیل کی جائے گی۔
(و) مشرقی رومائلی کا مقررہ لگان (Quit-rent) جس کی تعداد (۲,۴۰,۰۰۰) ترکی پونڈ مقرر کی گئی تھی اور اس میں صوبے کے تمام سائر کے ناکوں کے خالص سالانہ مداخل کا اضافہ کیا گیا تھا جس کا تخمینہ (۵,۰۰۰) ترکی پاونڈ تھا۔
(ز) تمباکو کی آمدنی (۵,۰۰,۰۰۰) ترکی پاؤنڈ کی حد تک جس کو صدر نظامت سائرات پر عائد کر کے منتقل کر لیا گیا تھا۔
(ح) وہ تمام رقومات، جو سربیہ؛ قرہ طاغ؛ بلغاریہ اور یونان سے قرضۂ عثمانیہ کے امدادی حصص کی حیثیت سے، معاہدۂ برلن اور ۲۴ مئی ۱۸۸۱ء کے معاہدۂ قسطنطنیہ کے فقرہ (X) کے تخمینوں کے مطابق، امپیریل گورنمنٹ کو واپس کی جائیں۔
عنوان "الف" کے تحت مندرجۂ چھ بالواسطہ وسائل آمدنی کو ۲۲ نومبر ۱۸۷۹ء کے بعد غلطہ کے مہاجنوں کے پاس رہن کر دیا گیا تھا جن کی ریاست (۸,۵۹۰,۰۰۰) ترکی پاؤنڈ کی قرضدار تھی۔ ۲۰ دسمبر ۱۸۸۱ء کے معاہدے کی رو سے، جو ویلیوں اور حکومت عثمانیہ کے مابین منعقد ہوا تھا، (۴,۲۷,۲۰۰) پاؤنڈ پر بذریعۂ اقرار نامہ جات

(۵) فیصدی سود و (۲) فیصدی بے باقی کی شرح سے ان کا فک الرہن کرا لیا گیا اور ان کو قرضۂ عامہ کے دوسرے تمام بانڈس پر فوقیت دیدی گئی۔ ترکی کے قرضخواہوں کے لیے جو محاصل مختص کر دئے گئے تھے ان میں سے (۵,۹۰,۰۰۰) ترکی پاؤنڈ کی ایک رقم تعویق یافتہ قرضوں کی، جن کو "اولیہ" کہا جاتا تھا، بے باقی اور سود کے لئے سالانہ علحدہ کر دی جاتی تھی۔

۳۰ اپریل سنہ ۱۹۰۶ء کو مجلس انتظام قرضۂ عامہ کے انگریزی نمائندے، ام کیلارڈ؛ فرانسیسی نمائندے، ام آبر سے اور آٹومان بنک کے ڈائرکٹر جنرل، سر ایڈگر وینسنٹ نے "اولیات" کو منتقل کر دیا، جن سے اس وقت اس قدر سنسنی پھیل گئی تھی۔ اس عمل سے قدیم اولیات کی جگہ (۳,۹۱,۳۶۳) جدید بانڈس نے لیلی، جو ما لکان بانڈس کو بحساب (۵۰۰) فرانکس فی بانڈ ادا کئے جانے والے تھے اور جن کی قیمت اجرا (۴۱۱) فرانک (۵۰) بشرح سود (۴) فیصدی تھی اور جو (۴۴) سال یعنی سنہ ۱۹۳۴ء میں مساوی قیمت پر ادا کئے جانے والے تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ شش ماہی وصولیابیوں کے ذریعے سے اولیات کو منسوخ کر دیا گیا۔ جدید بانڈس کی بے باقی کے لئے صرف (۴,۳۰,۵۰۰) ترکی پاؤنڈ کی ضرورت تھی اور اس لئے (۱,۶۰,۵۰۰) ترکی پاؤنڈ یا (۱,۴۶,۹۶۰) پاؤنڈ اسٹرلنگ کا فرق آتا تھا۔ چنانچہ یہی رقم قابل بے باقی بن گئی تھی۔ مجلس قرضہ نے (۱,۴۵,۰۰۰) پاؤنڈ اسٹرلنگ کو قرضے کے چاروں سلسلوں میں لگا دیا اور (۱,۹۶۰) پاؤنڈ اسٹرلنگ جو باقی بچے، ان سے جدید بانڈس کے مختلف قرضہ جات میں کام لیا جانے والا تھا کیونکہ مجلس کا بیان تھا کہ "یہ سلسلہ وار ہی ہیں، جو مذکورۂ بالا منتقلی سے سب سے پہلے منتفع ہوں گے"۔

اس کے برخلاف فینانشیل سنڈیکیٹ نے، جس نے اس کی سربراہی کی ذمہ داری لی تھی، (۴۹,۹۹,۵۰۰) ترکی پاؤنڈ کا ایک فرضی قرضہ جاری کیا، جسے اس وقت "قرضۂ مجمعہ" اور آجکل "قرضۂ عثمانیہ" کہا جاتا ہے اور جس کا نصف قرضۂ جاریہ کی یکجائی کے لئے مخصوص تھا۔ دوسرے نصف میں سے جو خزانۂ عثمانی کو ادا کیا جاتا تھا، آٹومان بنک (۶۲) کی معینہ شرح سے (۱۳,۲۲,۵۰۰) ترکی پاؤنڈ لے لیتا تھا اور بقیہ کو ۱۳ دسمبر تک خزانہ جس طرح چاہتا تھا استعمال کرتا تھا۔

ان دونوں معاملتوں کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق تھا۔ "اولیات" کی منتقلی لون کی لازمی شرط تھی۔ سوائے بانڈ ہولڈرس کے، جن کو اس کے تمام اخراجات برداشت کرنے پڑتے تھے، تمام دنیا کو اس سے فائدہ تھا۔ ۱۹۰۶ء میں قرضۂ عامہ دوبارہ (۵،۹۰،۰۰۰) ترکی پاؤنڈ کے سالیانہ میں داخل ہوگیا کیونکہ "اولیات" کی منتقلی سے اس پر (۴،۳۰،۵۰۰) ترکی پاؤنڈ کا بار عائد ہوگیا تھا۔ ۱۲ جولائی ۱۹۰۶ء کو ایک اور منتقلی عمل میں آئی، جس نے متحدہ قرضۂ منتقلہ کی میزان میں "اولیات" کی تعداد (۸،۹۰،۰۰۰) پاؤنڈ اسٹرلنگ قرار دے دی تھی۔

اصل میں ستمبر ۱۹۰۳ء میں ہی "قرضۂ متحدہ" کے سلسلوں کا اتحاد عمل میں آچکا تھا، جس سے تینوں سلسلوں کی وہی (۴) فیصدی کی نوعیت ہوگئی تھی اور جس کی بنا پر (۹۹،۱۶،۳۴۰) کے اس تاریخ تک کے اصل میں (۲،۹۷،۶۲،۵۲۰) پاؤنڈ اسٹرلنگ کی حد تک تخفیف ہوچکی تھی۔

۱۴ مارچ ۱۹۰۹ء کو قرضۂ متحدہ کی میزان بشمول "اولیات منتقلہ" تین کروڑ تین لاکھ چھ ہزار سات سو پاؤنڈ اسٹرلنگ تھی۔ اسی تاریخ کو ترکی بانڈس کا اصل تقریباً (۳۳۳،۵۰،۰۰۰) فرانک تھا اور مجریہ بانڈس کی تعداد (۱۸،۴۲،۴۵۰) تھی۔

عثمانی قرضۂ عامہ کی مجلس انتظامی کے بیان کے مطابق ۱۹۰۷ء اور ۱۹۰۸ء کی دو معاملتوں کی خالص میزان، جو قرضے کے لیے استعمال کی جاسکتی تھی، علی الترتیب (۳۳۰۸۴۶۵۵۱) اور (۳۳۵۸۴۶۱۱۵) ترکی پاؤنڈ تھی۔ اس میزان کی تقسیم ذیل کے طریقے پر کی گئی تھی:-

۱۹۰۸ء – ۱۹۰۹ء

متحدہ قرضۂ منتقلہ کا سود بحساب (۴) فیصدی = ... (۱۶،۹۱،۰۳۰) لیرا اور (۸۸) پیاسٹر

قرضۂ متحدہ کے معمولی انفکاک کا حصہ = ... (۱،۹۶،۳۴۴) لیرا اور (۷۴) پیاسٹر

ترکی بانڈس کو واجب الایصال معینہ سالیانہ = ... (۲،۶۰،۰۰۹) لیرا

بچت = ... (۱۱،۱۵،۰۸۹) لیرا اور (۶۲) پیاسٹر۔

بچت کی تقسیم اس صورت سے کی گئی تھی کہ (۷۵) فیصدی یعنی (۸،۶۳،۳۱۷) لیرا اور (۲۹) پیاسٹر حکومت کا حصہ تھا اور (۲۵) فیصدی قرضۂ عامہ کا، جس کے منجملہ ۲/۵

یعنی (۱٬۱۵٬۰۸٬۱۰۸) لیرا اور (۹۷) پیاسٹر ترکی بانڈس کے لئے تھے اور ۲/۵ یعنی (۱٬۶۲٬۶۶۳) لیرا اور (۴۶) پیاسٹر متحدہ قرضۂ منتقلہ کے غیر معمولی انفکاک کے لئے ۔

۱۹۰۸ء تا ۱۹۰۹ء

متحدہ قرضۂ منتقلہ کا سود بحساب (۴) فیصدی = ... (۱۶٬۹۱٬۰۳۰) لیرا + (۸۸) پیاسٹر ۔

قرضۂ مذکورہ کے معمولی انفکاک کا حصہ = ... (۲٬۴۰٬۶۶۶) لیرا + (۰۴) پیاسٹر ۔

ترکی بانڈس کو واجب الایصال سالیانہ معینہ = ... (۲٬۷۰٬۰۰۰) لیرا ۔

بچت = ... (۱۴٬۰۱٬۵۸۰) لیرا + (۸۰) پیاسٹر ۔

بچت کی بٹوتی :- امپیریل گورنمنٹ، (۱۴٬۸۰٬۵۰۱۰) لیرا + (۳۵) پیاسٹر، ترکی بانڈس، (۱٬۴۰٬۱۰۸) لیرا + (۵۸) پیاسٹر، متحدہ قرضۂ منتقلہ کا غیر معمولی انفکاک، (۲٬۱۰٬۱۹۲) لیرا + (۸۷) پیاسٹر ۔

۲۔ **مختلف قرضہ جات** :- (۴) فیصدی کا عثمانیہ قرضہ، جو ۲۴ اپریل ۱۸۹۰ء کو آٹومان بنک کے ساتھ طے ہوا تھا۔ اس کا اصل بائیس بائیس لیرا کے (۲٬۲۷٬۲۵۰) حصص میں (۴۹٬۹۹٬۵۰۰) لیرا تھا۔ (۲٬۴۹٬۹۷۵) لیرا کا سالیانہ بشرح سود (۴) فیصدی اور (۱) فیصدی برائے انفکاک ۔ (۳٬۱۱٬۰۰۰) لیرا کی گارنٹی، جس کے منجملہ (۲٬۳۱٬۰۰۰) کا بار بروصہ؛ قرہ حصار؛ قراہسی؛ قرشہریہ؛ قساریہ اور یوزغات کی سنجقوں کے غلے کے محاصل پر تھا۔ اسی طرح سائرات کے مداخل پر (۸۰٬۰۰۰) اور بھی تھا جس کے ساتھ یہ شرط بھی لگائی گئی تھی کہ مداخل عشر کی کمی سے اگر کوئی فرق واقع ہوگا، تو اس سے اس موخر الذکر میں اضافہ کر دیا جائے گا ۔ (۵) فیصدی عثمانی قرضے کے حصص، جو ۲۹ اپریل تا ۱۲ مارچ ۱۸۹۶ء کو (۲۲) (۲۲) لیرا کے (۱٬۴۸٬۷۰۰) حصص میں (۳۲٬۷۲٬۷۲۰) لیرا کے اصل کے ساتھ آٹومان بنک کے ساتھ طے ہوا تھا بسود بحساب (۵ فیصدی) انفکاک (۱/۲) فیصدی بذریعہ

[illegible] لاٹس جس کے لیے (۸٬۸۰٬۰۰۰) لیرا کے سالیانہ کی ضرورت تھی ۔ (۲٬۸۰٬۰۰۰) لیرا کی گارنٹی جس کے منجملہ (۱٬۲۰٬۰۰۰)

ولایت ہائے ایدین؛ خداوندگار؛ اور سالونیکا کے مداخل اغنام پر تھا؛ اور (۸۰٬۰۰۰) مختلف سنجقوں کے مداخل ویلیرسی (Vallersee)، افیون، اور روغن زیتون

پر۔ مداخل کے ناکافی ہونے کی صورت میں عثمانی حکومت تقسیم منافع کی تاریخ سے (۱۵) دن پہلے ادائیات کے کامل طور پر عمل میں لائے جانے کی غرض سے جس قدر رقم کی ضرورت ہوگی، اس کا انتظام کرے گی"۔

سنہ ۱۹۰۳ء کا (۴) فیصدی کا قرضہ خاص خاص ضمانتوں کے ساتھ (یہ ۱۸۸۸ء کا سابقہ فشری لون ہے، جس کا اصل (۳۰) ملین مارک بشرح سود (۵) فیصدی اور (۲) فیصدی انفکاک بذریعہ لاٹری تھا) ۲۱ اپریل تا ۲۱ مارچ سنہ ۱۹۰۳ء کی منتقلیوں کے بعد (۶۰) ملین فرانک یا (۰۰۰،۶۰،۹۸،۴) مارک کا جدید اصل (۰۰۰،۲۰،۱) حصص میں تقسیم ہوگیا تھا، جن میں کا ہر حصہ (۵۰۰) فرانک یا (۴۰۸) مارک کے برابر تھا۔ سود (۴) فیصدی، انفکاک (½) فیصدی بذریعہ ادائیات و لاٹری۔ (۲۷) لاکھ فرانک یا (۰۰۰،۱۸،۱) لیرا کا سالیانہ، جس کی گارنٹی (۰۰۰،۳۸،۱) لیرا سے کی گئی تھی، جن کے منجملہ (۰۰۰،۸۰،۱) کا بار قرضۂ عامہ کے لیے جن مقامات کو نامزد کیا جاچکا تھا ان کے علاوہ دوسرے تمام مقامات پر حسب تفصیل ذیل تھا: حقوق ماہی گیری، اجازت ہائے شکار؛ اجازت ہائے فروخت تمباکو؛ اجازت ہائے ماہی گیری؛ محاصل ریشم؛ جدید قوانین اسٹامپ کے مداخل میں حکومت کا حصہ؛ اور سمرنا کی سنجاک کے غلے کے محصول پر سب سے پہلے (۰۰۰،۳۰) کا خرچ اس شرط کے ساتھ کہ اگر مذکورۂ بالا چھ مداخل سے (۰۰۰،۸۰،۱) کا تکملہ نہ ہوتا ہو تو جس قدر کمی ہوگی اسی تناسب سے اس (۰۰۰،۳۰) ترکی پاؤنڈ میں اضافہ کردیا جائے گا"۔

سنہ ۱۹۰۱ء تا ۱۹۰۵ء کا (۴) فیصدی کا قرضہ۔ ۲۱/۴ دسمبر ۱۹۰۱ء کو آٹومان بنک کے ساتھ طے ہوا۔ اس کا اصل (۰۰۰،۴۵،۱۲) بشرح (۵) فیصدی سود و (۱) فیصدی انفکاک تھا۔ ایک جدید معاہدۂ منعقدہ ۶/۱۹ نومبر ۱۹۰۳ء کی رو سے اس قرضے کے اصل کو بڑھا کر (۶۲۴،۶۶،۲۶،۱) ترکی پاؤنڈ بشرح (۴) فیصدی و (۱) فیصدی انفکاک کردیا گیا تھا۔
۲۵۔ مئی ۱۹۰۵ء کے ایک دوسرے معاہدے نے اصل کو بشرح (۴) فیصدی سود و (½) فیصدی انفکاک (۶۲۴،۹،۳۵،۲) ترکی پاؤنڈ قرار دے دیا، جو بائیس بائیس لیرا کے (۲۱۲،۱۲،۲) حصص میں منقسم تھا۔ بذریعۂ انفکاک بقیمت مساوی یا لاٹری مع ادائی بقیمت مساوی ۔ (۰۰۰،۳۸،۲) لیرا کا سالیانہ، جس کی گارنٹی (۰۰۰،۷۴،۲) لیرا سے کی گئی ہے۔
گارنٹی کی اس رقم کے منجملہ (۰۰۰،۲،۸) کا بار منتش کی سنجاک اور مختلف قضاۃ کے مداخل عشر

پر ہے؛ (۷,۰۰۰) کا محصول زائد اور (½) فیصدی پر، جس کو تمام مداخل عشر میں سے (جس کا انتظام حکومت کے ذمہ ہے) قرضۂ عامہ کے لئے حکومت کے نام سے قبل از قبل وضع کر لیا جاتا ہے؛ اور (۱,۲۲,۰۰۰) کا، قرضۂ سائرات کے متعلقہ سالیانہ کو وضع کر لینے کے بعد سالونیکا، سمرنا، اور تہ، بروصہ اور بیروت کی سائرات پر۔

قرضۂ تجہیزات عسکریہ: ۴۔ ۱۷ اپریل ۱۹۰۵ء کو ڈوئشی بنک کے ساتھ طے ہوا۔ اصل مفروضہ (۲,۶۴۰,۰۰۰) لیرا منقسم بہ (۱,۲۰,۰۰۰) حصص بحساب (۲۲) لیرا فی حصہ؛ شرح (۴) فیصدی سود اور (½) فیصدی انفکاک؛ بذریعۂ انفکاک بہ قیمت مساوی وصولی لاٹس مع ادائیات بہ قیمت مساوی۔ سالیانہ: (۱,۱۸,۰۰۰) لیرا؛ گارنٹی بذریعہ (۱,۲۰,۰۰۰) لیرا جن کے متعلقہ تجہیزات عسکریہ کا محصول زائد ان مداخل میں استعمال کیا جا سکتا ہے، جو کلو بیلٹرک گارنٹیوں اور مذکورۂ بالا قرضہ جات کے لئے عثمانی قرضۂ عامہ کے زیر انتظام ہیں؛ اور (۳۰,۰۰۰) دو آنے کے حقوق پر، جو تجہیزات عسکریہ کے سرمائے کے لئے وقف ہو چکے ہیں۔

ان تمام قرضوں کے متعلقہ کاروبار کو عثمانی قرضۂ عامہ انجام دیتا ہے، اور ان تمام مداخل کا بھی انتظام کرتا ہے، جو بطور گارنٹی علیحدہ کر دئے گئے ہیں۔ اس میں ۱۹۰۸ء اور ۱۹۰۹ء کا وہ قرضہ بھی شامل کیا جانا چاہئے جس کو "قرضۂ سائرات" کہتے ہیں۔ اس کی سروس کو خود حکومت نے عثمانی قرضۂ عامہ کی وساطت کے بغیر منقفن کیا ہے۔

قرضۂ سائرات ۱۸۸۶ء میں طے ہوا تھا؛ اسی میں (۱) لاکھ (۴۷) ہزار (۷) سو (۲۷) تک کا مفروضہ سرمایہ فراہم ہو سکتا تھا؛ شرح (۵) فیصدی سود اور (۱) فیصدی انفکاک، گارنٹی بذریعۂ عام مداخل سائرات سلطنت؛ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو (۴) فیصدی سود اور (½) انفکاک کے قرضے میں منتقل ہوا۔

اصل مفروضہ (۵۶) لاکھ لیرا؛ (۸۰) پر اجرا ہوا۔ ۱۹۱۰ء کا قرضہ؛ اصل مفروضہ (۴,۷۱۱,۱۲۴) لیرا؛ منقسم بہ (۲,۱۴۱,۴۴۲) حصص بحساب (۲۲) لیرا یا (۵۰۰) فرانک فی حصہ؛ سود (۴) فیصدی؛ گارنٹی بذریعۂ عام محاصل سائرات۔ (۲۲۰) لیرا کا سالیانہ؛ گارنٹی بذریعۂ (۴۰,۰۰۰) لیرا، جس کا صرفہ ان مداخل عشر اور دوسرے محاصل پر تھا۔ جن کا انتظام گارنٹیڈ کلو بیلٹرک سروس اور مداخل عشر اور مذکورۂ بالا محاصل کے لئے عثمانی قرضۂ عامہ کے ذمے تھا۔ (۱,۸۰,۰۰۰) لیرا سائرات پر، جس میں سے (۵۰,۰۰۰) محاصل بالواسطہ کا

باقی کا جنرل آتومان بنک کو ادا کر دیتا ہے ادر بقیہ کو بنک سسرتالہ سالونیکا، بیروت، آدرنہ اور بروصہ کی سائرات سے وصول کرتا ہے؛

۱۹۰۹ء کا قرضہ؛ ۳۱ اکتوبر کو طے ہوا؛ اصل مفروضہ (۷) ملین؛ شرح (۴) فیصدی سود اور (۱) فیصدی انفکاک؛ گارنٹی بذریعہ سالیانہ (۳٫۵۰۰٫۰۰۰) لیرا جو معاہدۂ برلن کی رو سے روس کے واجب الادا تاوانِ جنگ سے متعلق تھا اور جس کو ترکی، روس اور بلغاریہ کی مفاہمتِ باہمی نے اس تاوان کے تصفیے کے لئے قابلِ استعمال بنا دیا تھا، جو مغربی رومائلی میں ریلوں پر قبضہ اور بلغاری اعلانِ خودمختاری کے متعلقہ دوسرے مسائل کے متعلق اس آخرالذکر طاقت پر واجب الادا تھا۔ جن مداخل عشر کا تعلق ان (۳٫۵۰۰٫۰۰۰) پاونڈ سے ہے، ان کا بغیر کسی بیرونی نگرانی کے حکومتِ عثمانیہ انتظام کرتی ہے۔ کمی واقع ہونے کی صورت میں حکومت اس کا تکملہ سائرات کے ان مداخل کے اضافے سے کرے گی، جو محاصل سائرات سے (۱۱) سے (۱۵) فیصدی کے اضافے سے واقع ہوگی۔ ۱۹۱۱ء کا قرضہ؛ اصل مفروضہ (۷٫۰۴۰٫۰۰۰) لیرا؛ شرح (۴) فیصدی سود؛ (۱) فیصدی انفکاک؛ گارنٹی بذریعۂ اخراجات مختص بر سائرات قسطنطنیہ ؛

۲- **قرضۂ جاریہ**:- غلطہ کے مہاجنوں سے روزانہ حاصل کئے جانے والے قرضہ جات، ٹریژری نوٹس؛ وزارتوں کی مجریہ رسائد؛ مختلف حسابات میں حکومت کی ادا کردہ رقومات وغیرہ پر مشتمل ہے ؛

قرضۂ جاریہ کا قریبی تخمینہ لگانا بھی ناممکن ہے۔ ۱۸۷۹ء میں امپیریل گورنمنٹ صرف غلطہ کے مہاجنوں کی (۸٫۵۹۰٫۰۰۰) ترکی پاونڈ کی قرضدار تھی۔ اس قرضے کا تصفیہ ۲۰ دسمبر ۱۸۸۰ء کے معاہدے کے ذریعے سے ہوا تھا۔ چار سال کے بعد اکتوبر ۱۸۸۸ء میں حکومت قرضۂ جاریہ میں (۷) ملین ترکی پاونڈ کی مقروض تھی، اس رقم سے آتومان بنک کا قرضہ، جو ریاست پر تھا، خارج ہے۔ بنک اور حکومت کے مابین یہ انتظام حسابات ترکی کے لئے ایک قطعی فریب تھا۔ بنک (۷ ½) ملین کا دعویدار تھا در انحالیکہ اگاپ پاشا (Agop-Pasha) وزیر علاقہ تصرفِ خاص (Civil List) کا بیان تھا، اور اس کے وجوہ بھی تھے، کہ ریاست پر زیادہ سے زیادہ صرف (۲ ½) ملین ترکی پاونڈ کا قرضہ ہے۔ وزیر اعظم کامل پاشا کی تائید کی بنا پر بنک کو کامیابی ہوئی۔ (۴ ½) ملین کا قرضہ تسلیم کر لیا گیا اور بنک کو اس امر کی اجازت دے دی گئی کہ وہ حصص کے (۶۵٫۰۰۰) ترکی پاونڈ کو

کو جاری کر دے، جس کے منجملہ (۲) ملین پر خزانے کو اختیار تمیزی حاصل ہوگا اور جس کی محاصل سائرات پر صرفہ عائد کر کے گارنٹی کی جائیگی۔ ۲۷ اپریل سنہ ۱۸۹۰ء کے ایک ارادۂ سلطانی (فرمان شاہی) میں (۱۹,۵۶,۸۱,۵۰۰) فرانک کے ایک (۴) فیصدی کے قرضۂ متقدم کے جاری کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ اس کی گارنٹی ان مداخل سے کی گئی تھی جو قرضۂ عامہ کو عطا کئے گئے تھے اور حصہ داروں کے منشاء کے مطابق پریمی یا رئی بانڈس کی منتقلی یا ادائی کے لئے مخصوص تھے۔ یہ قرضہ (۳,۹۱,۳۶۳) حصص پر منقسم تھا، جو بحساب (۵۰۰) فرانک (۸۸) ششماہی قرعہ اندازیوں کے ذریعے سے قابل ادا تھا، اور جو (۱۱۴) فرانک (۵۰) پر اجرا کئے گئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کو بلا کسرات (۴۵) ملین کا فائدہ ہوا، جس میں کا کچھ حصہ خزانے میں داخل ہو گیا اور کچھ حصہ قرضۂ جاریہ کے ایک قلیل حصے کی منتقلی میں کام آیا۔ یہ قرضہ ۲۱ مئی کو جاری کیا گیا تھا اور ۳ جون کو ترکی جرائد میں ایک سرکاری مراسلت نے ایک جدید طریقۂ اجرائی شرائط لیے قرضۂ جاریہ کے مطالبات (قبالوں) کی جزوی منتقلی کا اعلان کر دیا۔ شمس[1] (Shims) عام اس سے کہ وہ مبدلہ ہوں یا ددیدیہ (dedidies) موقتہ ہوں یا استقراض دہل طاہرلاتی[2] (Istikrazi Dahle Tahirlati) جو حال کو قابل ادا عثمانی بانڈس سے (۴) فیصدی سود اور (۱) فیصدی انفکاک کے ساتھ تبدیل کئے جانے والے تھے۔ جملہ منتقل شدنی رقم میں ہو سکتی تھی۔ منتقلیہ اور جدید شمس[3] (Shims) کے لئے جو رقم معین کی گئی تھی وہ دس سال کے سود کے برابر تھا، جس کا شمار ان مالیتوں کی مسلمہ شرح پر لگایا گیا تھا۔ معمولی شمس (Shims) اور موقتہ کے لئے جو رقم معین ہوئی تھی وہ آٹھ سال کے سود کے مساوی تھی۔ قرضۂ داخلی کے لئے اصل موجودہ کے لحاظ سے تعین کیا گیا تھا۔

---

[1] ترکی میں شمس (Shims) کی وہی حیثیت ہے جو سنہ ۱۸۵۴ء سے قبل مختلف سررشتہ جات حکومت کے مداخل کے بانڈس کی تھی۔

[2] ایک جبریہ قرضہ جو جنگ روس و ترکی کے دوران میں اور اختتام کے بعد اندرون ملک میں طے کیا گیا تھا۔

[3] یہ شمس (Shims) سنہ ۱۸۷۶ء ہی میں منتقل ہو چکے تھے جس کی بنا پر ان کو اصل ابتدائی میں (۵۰) فیصدی کا نقصان ہوا تھا۔ اس امر کو بھی ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ ان شمس میں سے کسی پر بھی کوئی سود ادا نہیں کیا گیا ہے۔ پبلک بنک ادائی محاصل کے طور پر ان بانڈس کو قبول کر لیتے ہیں اور (۴۵) فیصدی نقصان پر فروخت کر دیتے ہیں۔

جولائی ۱۹۰۸ء کے انقلاب کے بعد جب عثمانی حکومت نے فرانس کے دفتر تنقیح کے صدر' ام لاربن سے یہ اپیل کیا کہ وہ عثمانی مالیات کی گتھیوں کو آکر سلجھا دے تو اس نے سب سے پہلے وزیر مالیہ سے یہ کہا کہ ایک ایسے موازنے کے قیام کے لئے' جس کا جمع اور خرچ برابر ہو' سب سے پہلے خزانے کے قرضہ جات کے معلوم کئے جانے کی قطعی ضرورت ہے۔ قرضہ جاریہ کی تو یہی تعداد کے متعلق بھی کوئی علم نہ تھا۔ اس کا اندازہ (۱۵) ملین ترکی پاؤنڈ لگایا گیا تھا مگر صحیح حسابات کے موجود نہ ہونے کی صورت میں یہ محض ایک قیاس تھا۔

بہر حال ام لاربن کی اسکیم کے مطابق ایک قسم کی ترتیب عمل میں آگئی' جو حسب ذیل ہے:۔

قرضہ جات متعلقہ رعایائے غیر ملکی:۔ قرضہ جات محفوظ۔ قرضہ جات غیر محفوظ۔

قرضہ جات متعلقہ رعایائے عثمانیہ:۔ قرضہ جات منتقلہ و غیر منتقلہ۔

پہلی مد کے قرضہ جات کو' جو ایک حیثیت سے سفارتوں کی حفاظت میں تھے' قرضہ جاریہ میں شامل نہیں کرنا چاہیئے اور ان کو آئندہ لئے جانے والے قرضوں سے بالکلیہ ادا کر دیا جانا چاہئے۔ اب رہے دوسرے قرضہ جات تو حکومت ہائے متعلقہ کو اس امر سے باز رکھنے کے لئے کہ اگر ان کی پالیسی اجازت دے تو وہ ان کو اپنی حفاظت میں لے لیں' حکومت کو تکمیل عہد کے لئے اپنے پر جبر کرنا چاہیئے۔ اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہوسکتی۔ مگر ام لاربن کو یہ بتانا یاد نہیں رہا کہ کونسے طریقے پر عمل کرنے سے ایسا ہو سکتا ہے۔ عبدالحمید کی سول لسٹ کا تصفیہ اس کے لئے اچھا شگون نہیں تھا۔ کثیر التعداد پردیسیوں کو' جو معاہدے کے ذریعے سے مختلف خدمات پر لئے گئے تھے مثلاً پولیس' بلدیہ کی پروسیلین فیکٹری' پروفیسر' باغات قصر شاہی وغیرہ وغیرہ' ان کو تنخواہیں نہیں دی گئی تھیں۔ ان کے معاہدات کو تسلیم کرنے میں پس و پیش تھا اور ان کے قرضوں کا مشکل سے (۴۰) فیصدی حصہ ان کو پیش کیا گیا تھا۔ سول لسٹ کے جرمانی قرضخواہوں نے اپنے مطالبات کو ان رقومات پر محفوظ کر لیا تھا' جو عبدالحمید نے رشین بنک میں امانت رکھی تھیں۔

اب رہی عثمانی رعایا' جن کی ریاست مقروض تھی' تو ان کو اپنے اصل زر کی ایک کثیر تخفیف کو تسلیم کرنا پڑا۔ اس اصول پر کہ جن لوگوں نے ریاست کو قرضہ دیا ہے

ان کے روپیہ کی قیمت بہت ہی کم ہے، بلکہ اکثر ان کی قدر مفروضہ کی (۷۵) فیصدی قرار پائی ہے اور یہ وہ قیمت ہے جس پر کہ روپیہ بدلنے والوں نے ان کو منتقل کیا تھا۔ اس اسکیم میں یہ تجویز کی گئی تھی کہ اصل کا (۳/۴) حصہ تخفیف کر دیا جائے۔ بلا واسطہ قرضہ جات کے لئے "دیرینہ" قرضہ جات کے اصل پر حملہ کیا گیا، کیونکہ ایک جدید مالی نظریے کے مطابق ایسے قرضہ جات کی قیمت ان کی "دیرینگی" کی مناسبت سے گھٹتی جاتی ہے۔

ریاست کے تمام قرضخواہوں کو دو مہینے کی مہلت دی گئی تھی (جس میں توسیع بھی ہوئی تھی) کہ وہ اس عرصے میں اپنے مطالبات کو پیش کر دیں ورنہ بصورت دیگر کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔ اس کارروائی کا نتیجہ اب تک معلوم نہیں ہوا ہے۔ حکومت اگرچہ ام لایحا کی اسکیم پر عمل کر رہی تھی، لیکن قرضۂ جاریہ کی اس تعریف سے وہ کچھ بہت زیادہ خوش نہیں معلوم ہوتی تھی، جس میں ایسی تنخواہوں کو بھی شامل کر لیا گیا تھا، جن کی ادائی کی تاریخ بیت چکی تھی اور جن کو وہ چپ چپاتے خزانے میں داخل کر لینے کی متوقع تھی۔

۳۔ معاہدۂ برلن کی رو سے روس کو واجب الادا تاوانِ جنگ:۔

اس کے متعلق ۲-۱۴ مئی ۱۸۸۱ء کے معاہدے میں حسب ذیل تصفیہ ہوا تھا۔ باب عالی (۳۵۰,۰۰۰) لیرا کے ایک سالیانے کے ذریعے سے؛ جو ایک سو سال کے اندر قابل ادا ہوگا، اپنے قرضے کی ادائی کرے گی، جس کی مقدار (۸۰,۲۵۰,۰۰۰) فرانک یا (۳۵) ملین لیرا ہے۔ ولایت ہائے حلب؛ قونیہ؛ کستمونی؛ ادرنہ؛ اور سواس کے اغنام اور مداخل عشر اس غرض کے لئے وقف کر دئے گئے تھے۔ ان مداخل کی میزان کا اندازہ (۲۳۵,۰۰۰) لیرا لگایا گیا تھا۔ لیکن بدنظمیوں اور قحط سالیوں کی وجہ سے، جو ایشیائے کوچک کو تباہ کر رہی تھیں، ۱۸۸۸ء میں باب عالی پر روس کے (۹,۰۰۰,۰۰۰) لیرا باقی تھے۔ ۳۱ مئی کو ام نیلی ڈاف، روسی سفیر متعینۂ قسطنطنیہ نے کامل پاشا کے نام ایک سخت یادداشت روانہ کی، جس میں بقایا کی ادائی کا تقاضا کیا گیا تھا۔ ۱۲ جولائی کو کر دسعید پاشا وزیر خارجہ نے اس امر کی ذمہ داری لی کہ آئندہ سے سالیانہ باقاعدہ ادا کیا جائے گا۔ اور (۱۰۰,۰۰۰) پاؤنڈ کی سالانہ ادائیوں کے ذریعے سے بقایا کا تصفیہ ہو جائے گا۔ لیکن ۱۸۸۹ء سالیانے میں ادائی کے بجائے (۱,۲۱۱,۷۰۵) ترکی پاؤنڈ کی کمی تھی۔ جنوری ۱۸۹۰ء میں روسی سفیر نے دوبارہ یاددہانی کی اور باب عالی سے تاوان جنگ کی کامل ادائی

کا سخت تقاضا کیا۔ دو فریادیادداشتوں کا بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور روس نے یہ دھمکی دی کہ وہ اس روپیہ سے اپنا تاوانِ جنگ وصول کرے گا جو حالیہ مالی مصروفیتوں کی بنا پر ترکی حکومت نے باہر پھیلا دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ترک پابندی کے ساتھ اپنی سالانہ قسطوں کو ادا کرتے رہتے تو روس کی تمام پیش بندیاں درہم برہم ہو جاتیں۔ ادائیات میں جتنی زیادہ دیر ہوتی اتنی ہی زیادہ رعائتیں روس اس نفسی نفسی کے موقعے پر حاصل کر لیتا۔ یہی وہ طریقہ ہے جس پر کاربند ہو کر ۱۹۰۰ء میں ایم زینوویف نے سلطان سے "بحر اسود کی کھاڑی میں آمد و رفت کی تمام لائنوں کی تعمیر و تنفیذ کا حق شفع، انھیں شرائط پر جن پر کہ بغداد ریلوے کو دیا گیا تھا اور ان رعایتوں کی محفوظیت کے ساتھ، جو ان مقامات میں عطا کی جا چکی تھیں" حاصل کر لیا۔

یہی وہ تاوانِ جنگ ہے جس نے روس کو بلغاری خود مختاری کے متعلق ترکوں کی مسالمت کا یقین دلا کر اور باقی چالیس سالیانوں کو انھیں عطا کر کے جزیرہ نمائے بلقان میں اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو دوبارہ قائم کر لینے کا موقع دے دیا۔

۴۔ ۱۸۷۷ء کی لڑائی سے جن روسی تاجروں کو صدمہ پہنچا تھا ان کا تاوان۔

ابتداءً اس تاوان کی رقم (۲٫۶۷٫۵۰٫۰۰۰) فرانک مقرر کی گئی تھی بعد میں اس کو کم کر کے (۶۱٫۸۶٫۵۴۳) فرانک قرار دیدیا تھا۔ گر دونوں صورتوں میں یہ رقم فوراً قابل ایصال نہ تھی۔ بابِ عالی کے مطالبے پر روس نے اسی امر پر اتفاق کر لیا تھا کہ (۵٫۰۰۰) لیرا کی سالانہ قسطوں کے ذریعے اس کا تصفیہ کیا جائے۔ پہلی قسط جو ۱۸۸۱ء میں ادا کی جانی چاہیے تھی ۱۸۸۴ء میں ادا کی گئی۔ دوسری قسط ۱۸۸۹ء میں اور تیسری ۱۸۹۲ء میں۔ ۱۴ اپریل ۱۸۹۳ء کو (۵۰٫۰۰۰) لیرا کی ایک اور رقم ادا کی گئی اور اکتوبر میں (۵٫۰۰۰) لیرا کی ایک چوتھی رقم ایصال ہوئی۔ ۲۴ فروری اور ۲۶ مئی ۱۹۰۲ء کو آٹومان بنک نے روسی سفارت کو اطلاع دی کہ (۴۲٫۴۳۸) لیرا کی ایک رقم اس کی اختیاری اس کے پاس ہے۔ اب صرف (۱٫۵۲۹) لیرا اور باقی تھے۔ روسی سفارت نے اس کے جواب میں (۲۰) ملین فرانک کے سود مرکب کا مطالبہ کیا۔ بابِ عالی نے ثالثی فیصلے کی تجویز کی، جس کو روس نے منظور نہیں کیا۔ بالآخر یہ مسئلہ عدالت ہیگ میں

جنگی ادارات اسلحہ و سامان جنگ اور دوسرے مفید رفاہی کاموں کے لئے شاہی علاقہ اور سول لسٹ منسٹری سے (۱۲۹،۸۰،۲۷۰) پیاسٹر عطا کئے ہیں۔

"علاوہ بریں اگرچہ تمام مہذب ممالک میں بیرونی بادشاہوں کی جہانداری اور ایسے موقعوں پر جو تحفے تحائف دئے جاتے ہیں، ان سب کے اخراجات خزانے سے ادا کئے جاتے ہیں لیکن ہزامپیریل میجسٹی ری سلطان بادشاہوں، ان کے خاندان کے ارکین اور ان کے ہمراہیوں کو جو تحفے تحائف دئے جاتے ہیں، ان کے اخراجات اپنی جیب خاص سے ادا کرتے ہیں۔

"بیرونی بادشاہوں کی جہانداری کے اخراجات کا بار ریاست کے مداخل عام پر کبھی نہیں ڈالا جاتا۔ درانحالیکہ دوسرے ممالک میں یہ خزانے کا فرض ہے کہ وہ عہدہ داروں کے خاندان کو وظائف ادا کرے۔ سلطان المعظم ان وظائف کو اور دوسرے تمام ایسے وظائف کو اپنے ذاتی خزانے سے ادا کرتے ہیں، جو ان لوگوں کو دئے جاتے ہیں، جو اپنی جانوں یا صحت کو امن اور انتظام کے قیام کے لئے قربان کر دیتے ہیں۔

"یہ تمام عطیات علاوہ صرف خاص مبارک کے اعلے نظم و نسق کا مشکور ہونا چاہیے کہ حاصل ہو چکے ہیں، جو کہ بعد دیگرے ان تمام قرضوں کو بھی ادا کر رہا ہے جو اس سلسلے میں کئے جاتے ہیں"۔

۱۹۰۸ء کے مالیات کے قانون ترکی نے سول لسٹ (صرف خاص) کے لئے (۳۰) ملین فرانک مقرر کر دیئے تھے۔ لیکن اس پر کوئی لحاظ نہیں کیا گیا۔ ترکی میں سلطان کا تلوّن اس وقت تک اعلیٰ قانون کی حیثیت رکھتا ہے، جب تک کہ مذہبی قانون، شریعت سے سلطان کے تلوّن کا تصادم نہ ہو۔ صورت مابعد میں نافرمانی تمام سچے مسلمانوں کا فرض ہے۔ جو سلطانی احکام ایک دن صادر ہوتے تھے، دوسرے دن ان کو رد کر دیا جاتا تھا۔ ایک دن جب کہ سلطان کا مزاج کچھ بحال ہوتا تھا وہ اس امر پر آمادگی ظاہر کرتا تھا کہ ریاست کے خزانے سے جو چاہے لے لینے کے حق سے دست بردار ہو جائے گا۔ چنانچہ ایک خاص رقم اس کے لئے معین ہو جاتی اور یہ قرار پاتا کہ اسی رقم میں سے خاندان شاہی کے شہزادوں اور شہزادیوں کے وظائف، قصر سلطانی کے اخراجات اور منتظین خانہ داری کی تنخواہیں بھی ادا کی جائے گی۔ لیکن پہلے ہی موقع پر جب کہ سلطان کو

روپیہ کی ضرورت ہوئی تمام بینک اور اُسے دعواں بنکراڑ جاتے تھے۔ چنانچہ عبدالمجید نے اپنی بیٹی کی شادی میں (۴۰) ملین فرانک سے زیادہ صرف کئے۔ سنہ ۱۸۶۱ء سے ۱۸۷۶ء تک عبدالعزیز نے محلوں اور کوشکوں کی بیکار تعمیر میں تقریباً (۲) ملین صرف کر دیئے۔ غلاموں، جواہرات، زیوروں، گھوڑوں وغیرہ کی خریداری میں جو روپیہ صرف ہوتا تھا اس کا تو کوئی شمار ہی نہیں کیا جا سکتا۔ عبدالحمید کے زمانے میں صرف حرمِ سلطانی کے اخراجات تقریباً (۲۰۰) ملین تھے۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ صرف پیسی ہوئی شکر حرمِ سلطانی کے لئے ہر تیسرے مہینے (۴۰۰،۰۰۰) فرانک کی خریدی جاتی تھی، ان اعداد پر کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ سول لسٹ کا تعلق صرف سلطان کے جیبِ خاص کے اخراجات سے تھا قصرِ سلطانی کے معمولی اور غیر معمولی اخراجات کی ترتیب مختلف وزرا کے ذمے تھی، جو کبھی تو خاموشی کے ساتھ ان کو منظور کر لیتے تھے اور کبھی موازنوں سے خارج کر دیتے تھے سلطان کی زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ اس امر کے لئے کافی تھا کہ انتظامِ مملکت کی متعلقہ تمام دولت کو سلطان کے قدموں پر نثار کر دیا جائے۔

ترکی کا سب سے پہلا باقاعدہ موازنہ سنہ ۱۹۰۹ء کے بابتہ شائع ہوا تھا اس موازنہ کی ترتیب میں جو مشکلات پیش آئیں ان کا اندازہ جاوید بے نے سنہ ۱۹۱۰ء کے موازنے کے جو اسباب و علل تحریر کئے ہیں، ان سے ہو سکتا ہے:۔

”اگر آپ ان جستجوؤں پر، جو ایسے اعداد کی دریافت کے لئے ”معلومہ“ رجسٹروں میں کی جانی لازمی تھیں۔ جن کو ہم اپنے کام کی بنا قرار دینے والے تھے؛ اس وقت پر، جو ان انکشافات کے لئے درکار تھا؛ اس احتیاط پر، جو ان عناصر کے انتخاب کے لئے ضروری تھی، جن سے ہم اپنے آئندہ مداخل کے تخمینوں کی بنیاد کا کام لینے والے تھے اور پھر سب کے آخر میں باقاعدہ حسابات و اعداد و شمار کی ناموجودگی پر غور کریں، جو بجائے خود انتظامِ مملکت کے روح و رواں ہیں، تو آپ ہماری ان مشکلات کی وسعت کو تسلیم کرنے میں پس و پیش نہیں کریں گے، جن کا ہمیں مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ ہم کو قطعی اعتراف کر لینا چاہیئے کہ ہم ایک مشتبہ اور تاریک زمین پر گامزن تھے۔ ہم ماضی کی ابتریوں سے دوبدو تھے۔ ہمیں کبھی ایسی ایسی تعجب خیز باتیں معلوم ہو جاتی تھیں کہ ہم اس امر پر تعجب کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ایک ایسی زبردست طاقت، جیسی کہ ہماری ہے،

ایسی حالتوں میں قائم رہ سکی" ؎

ذیل میں وہ موازنہ درج کیا جاتا ہے، جو ۱۴ نومبر ۱۹۱۱ء کو پارلیمنٹ کے افتتاح کے وقت اور قانون دستوریت کے فقرہ ۹۹ کے مطابق جاوید بے نے ترتیب دیا تھا اور جس کے جمع و خرچ کا موازنہ ماسبق سے مقابلہ کیا گیا ہے۔

۱۰-۱۹۰۹ء میں:- مداخل زیر انتظام حکومت:- جمع (۲,۳۰,۶۱,۷۰۹,۱۰۰) پاؤنڈ خرچ (۵,۰۸,۱۴,۶۲,۷۹۲) گنجایش ۱۰-۱۹۰۹ء:- جمع (۲,۵۸,۴۸,۹۶,۶۶۰) پاؤنڈ۔ خرچ (۳,۰۲,۷۷,۰۰,۰۰۰) پاؤنڈ ؎

اگست ۱۹۱۲ء میں جب چیمبر برخاست ہوا تو اس وقت ۱۲-۱۹۱۱ء کے موازنہ پر بحث بھی نہیں ہوئی تھی اور صرف سال ماسبق کے موازنہ پر عمل کیا گیا تھا، جس پر انگلش کی تصویت عمل میں آئی تھی۔ مارشل لا کے لئے سب درست ہے۔ جو مالیہ کے بیان میں جمع میں کمی کا اظہار کیا گیا تھا اور مالی سال ۱۳-۱۹۱۲ء میں خرچ میں ایک قابل لحاظ اضافہ ظاہر ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس کا سبب جنگ ہو۔ موازنہ میں مجموعی جمع کا اندازہ (۲,۹۷,۴۰,۸۹۵) لیرا کیا گیا تھا درانحالیکہ حقیقی جمع صرف (۲,۸۶,۰۵,۱۷) لیرا تھی۔ اس میں (۱,۵۹۳,۵,۰۴) لیرا کا محصول جنگ بھی شامل تھا۔ گویا باوجود غیر معمولی آمدنی کے، جس کی سربراہی اس محصول سے ہوئی تھی، حقیقی جمع میں تخمینہ کردہ جمع کے مقابلے (۱۰,۷,۵,۴۰) لیرا کی کمی تھی اور اگر محصول جنگ کو وضع کر دیا جائے تو (۲۸,۶۹,۲۹۲) لیرا کا فرق واقع ہوتا ہے ؎

بہرحال اس امر پر قطعی لحاظ کیا جانا چاہیے کہ ۱۳-۱۹۱۲ء میں کئی سنجقوں کی اس زمانہ کی مالگزاری ترکی کو وصول نہیں ہوئی تھی، جس کی وجہ یہ تھی کہ ان پر اطالوی، بلغاری، یونانی یا سربی افواج کا قبضہ تھا۔ ۱۲-۱۹۱۱ء میں اس مالگزاری کی مقدار (۲۵,۹۹,۱۴۲) لیرا تھی۔ اگر اس رقم کو ۱۳-۱۹۱۲ء کی جمع میں شامل کر دیا جاتا تو مجموعی تعداد میں اندازہ کردہ رقم سے بہت ہی کم کمی واقع ہوتی ؎

اس امر کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ۱۳-۱۹۱۲ء میں جمع نے محصول جنگ سے فائدہ اٹھایا، جو حسب ذیل محاصل پر مشتمل تھا۔ جائیداد اراضی اور محاصل تمتع میں (۲۵) فیصدی کا اضافہ؛ ریاست کے تمام عہدہ داروں کی تنخواہوں پر (۳) فیصدی کا ٹیکس؛ فوجی خدمت سے استثنا پر (۱۰) لیرا کا اضافہ؛ نمک کی سرکاری قیمت پر فی کلوگرام (۱۰) پیرا کا اضافہ اور

اسپرٹس کے محصول میں سوفیصدی کی بیشی ۱۹۱۱-۱۲ء کے سال ماسبق کے مقابلے میں مجموعی جمع میں (۶ ۹۹، ۲۹، ۱۲،۱) لیرا کی کمی ظاہر ہوتی ہے لیکن اگر (۱۴۲، ۹۹، ۲۵) لیرا کی رقم ۱۹۱۱-۱۲ء کی کی مالگزاری کو ظاہر کرتی ہے تو پھر ایسی صورت میں ۱۹۱۳ء کی جمع میں (۰۰۷، ۹۳، ۱۱) لیرا کی بیشی واقع ہوتی ہے، جو تقریباً ان محاصل کے بالکل برابر ہے جو محصولِ جنگ کی حیثیت سے عائد کیے گئے تھے۔

یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اناطولی (ٹرکی ان ایشیا) کی مالگزاری جنگ وگونہ کے نامناسب حالات کے باوجود تقریباً وہی ہے، جو سال ماسبق میں تھی۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو جمع میں برابر اضافہ ہوتا رہتا جیسا کہ ۱۹۰۹ء سے ہوتا رہا ہے۔

۱۹۱۲-۱۳ء کے قرضہ جات کی تعداد (۸۲۷، ۱۵، ۶۷، ۵) لیرا تک پہنچ گئی، جس کے منجملہ (۸۶، ۹، ۴۰، ۲۲، ۳) لیرا معمولی اخراجات کے لیے تھے، (۸۰۸، ۴۰، ۹۱) غیر معمولی اخراجات کے لیے اور (۶۳، ۷، ۹۰، ۳۲، ۱) ضمنی اخراجات کے لیے۔ اس کے مقابلے میں ۱۹۱۰-۱۱ء کے مجموعی قرضہ جات (۶۱۱، ۲۴، ۹۳، ۳) لیرا تھے، جن کے منجملہ (۴۸۳، ۱۵، ۲۳، ۳) غیر معمولی اخراجات کے لیے تھے اور صرف (۴۰۱، ۲۹، ۳۲، ۱) ضمنی اخراجات کے لیے۔

۱۹۱۲-۱۳ء کے حقیقی خرچ کی میزان (۴۱۰، ۵۶، ۷۰، ۳) لیرا تھی، جس کے منجملہ (۹۶۴، ۱۷، ۸۵، ۱) وزارت حربیہ نے صرف کیے تھے۔ سال ماسبق میں یہ میزان (۴۷۲، ۵۰، ۹۱، ۲) لیرا تک پہنچ گئی تھی، جس کے منجملہ (۹۱۷، ۲۲، ۹۱) سررشتۂ جنگ کے صرفے میں آئے تھے۔ (۴۱۰، ۵۶، ۷۰، ۳) لیرا کے خرچ کا (۰۱۷، ۶۵، ۳۷، ۲) لیرا کی جمع سے مقابلہ کرنے سے ۱۹۱۲-۱۳ء میں (۳۹۳، ۹۱، ۸۳) کی کمی واقع ہوتی ہے۔ لیکن گمان غالب یہ ہے کہ جب حساباتِ جنگ کو بند کیا جائے گا تو یہ کمی المضاعف ہو جائے گی۔ آخر میں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مالی سال کے اختتام پر تقریباً (۱۷) ملین لیرا کی کمی واقع ہوگی۔

اگرچہ ۱۹۱۲-۱۳ء میں ظاہر الطور پر کوئی جدید لون جاری نہیں کیا گیا تھا تاہم خزانہ نے ضروریاتِ حاضرہ کی سربراہی کے لیے قلیل المدت قرضہ جات سے کام لیا تھا۔ دوران سال میں اس صورت سے (۰۰۰، ۳۱، ۵۹) لیرا حاصل کیے گئے تھے، جن کے منجملہ (۰۰۰، ۷۵، ۴۸) لیرا ادا ہو چکے ہیں۔ (۵۸) لاکھ لیرا کی قیمت کے تمسکاتِ خزانہ کے اجرا کی اجازت دے دی گئی تھی مگر یہ سب کے سب جاری نہیں کیے گئے اور تقریباً ایک ملین لیرا ادائیات میں استعمال

ہو چکے ہیں۔ موجودہ سال میں تقریباً (۲۰٫۰۰٫۰۰۰) لیرا کے قلیل المدت قرضہ جات اجرا کئے گئے ہیں۔ بہرحال یہ قرضہ جات فوراً قابل وصول نہیں ہیں اور ان کو متوقعہ تحصیل مالگزاری سمجھنا چاہیئے ؎

عثمانی قرضہ عامہ کو عطا کئے ہوئے وسائل آمدنی :۔

جیسا کہ اوپر ظاہر کیا جا چکا ہے کہ چھ بالواسطہ وسائل آمدنی یعنی تمباکو، نمک، اسپرٹس، ریشم اسٹامپس، اور فشریز، ۲۰ دسمبر ۱۸۸۱ء کے معاہدہ کی رو سے ترکی کے قرضخواہوں کو اس وقت عطا کئے گئے تھے جب کہ باب عالی اپنے دیوالیہ پن کو صاف کرنا چاہتی تھی۔ ذیل میں ان مداخل کی میزان درج کی جاتی ہے، جو مالگزاری کی مختلف شاخوں سے حاصل ہوئی ہے :۔

تمباکو

۱۸۷۷ء کی جنگ سے پہلے .... (۹٫۶۰٫۰۰٫۰۰۰) پیاسٹر۔

غلطہ کے بنکروں (مہاجنوں) کا نظم و نسق :۔

سنہ ۱۸۸۰ء .... (۸٫۶۰٫۰۰٫۰۰۰) " -

سنہ ۱۸۸۱ء .... (۸٫۷۷٫۶۷٫۱۹۳) " -

بانڈ ہولڈرس کا نظم و نسق :۔

سنہ ۱۸۸۲ء .... (۹٫۰۰٫۸۷٫۱۸۲) " -

سنہ ۱۸۸۳ء .... (۸٫۸۵٫۲۳٫۴۵۳) " -

۲ ستمبر ۱۸۸۳ء کے معاہدہ کی رو سے عثمانی قرضہ عامہ کی مجلس انتظامی نے محاصل تمباکو ایک مالی انجمن کو جو آٹومان بنک اور اس کی شاخوں پر مشتمل تھی، عطا کر دئے ان کے مابین تنقید کی غرض سے۔ اس کے معاوضے میں ریجی سوسائٹی نے بانڈ ہولڈرس کو ہر سال (۷٫۵۰٫۰۰۰) لیرا کی ایک رقم پیشگی ادا کرنے کی ذمہ داری لی۔ اور یہ طے ہوا کہ اگر ریجی ایسا کرنے سے قاصر رہے تو بانڈ ہولڈرس کو تمباکو کے حقوق مل جائیں گے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمباکو کے جو حقوق عثمانی حکومت نے اپنی قرضخواہوں کو کفالت میں عطا کئے ہیں، ان پر (۵۰) ملین کے جو ابتداءً اضعافاً مضاعفہ تھا، اس قرضے سے اثر پڑتا ہے، جس کے فراہم کرنے کا عثمانی ریجی کو اختیار حاصل ہے۔ اگر ریجی ان ادائیات سے

قاصر رہتی، اور ایسا ہونا ایک وقت میں ناممکن بھی نہیں تھا، تو کوئی چارہ کار باقی نہیں رہتا کیونکہ جو کفالت ان لوگوں کو دی گئی تھی، وہ پہلے ہی بالکلیہ رہن تھی۔

سر رابرٹ ہیملٹن لینگ، قرضہ عامہ کے ڈائرکٹر جنرل نے ریجی کے قیام کے وقت اس ادارہ کی تخلیق کے متعلق بہت کچھ رد و کد کی تھی اور چونکہ وہ رومانیہ ٹوبیکو ریجی کو قائم کر چکا تھا اس لئے اس کو معلوم تھا کہ یہ کیا چیز ہے۔ نامبردہ نے اپنے اعتراض کو ان ناقابل شکست مشکلات پر مبنی کیا تھا، جو ممنوعات کے دفعیہ اور ترکی کی پیداشدہ تمام تمباکو کی خریداری میں، جس کو چارٹر میں مشروط کیا جا چکا تھا، ریجی پر عائد ہونے والے کثیر مصارف میں پیش آنے والی تھیں۔

اس خیال کے بانی یہ باور کرتے تھے کہ انھوں نے اس امر کو مختص کر لینے میں کہ نصف ڈنیوم (deunum) سے کم تمام پیداوار کو ممنوع قرار دے دیا جائے، ایک کاری ضرب لگائی ہے۔ ان کو توقع تھی کہ وہ اس طرح تمباکو کی تمام قلیل کاشتوں کو تباہ کر دیں گے اور یہ کہ پیداوار (۳۰) ملین اوقیہ (ocques) سے گھٹ کر (۱۷) یا (۱۸) رہ جائے گی، جو ریجی کی ضروریات کے لئے کافی ہوگی۔

کاشتکاروں اور ریجی میں ایک جنگ چھڑ گئی، جس میں اول الذکر کو قدرۃً عہدہ داروں کی اگر حمایت نہیں تو ہمدردی ضرور حاصل تھی خصوصاً اس لئے کہ چھوٹے چھوٹے کاشتکاروں کی تباہی تمام آبادی کی مصیبت کے مرادف تھی اور پھر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ تمباکو کی کاشت تمام تر مسلمان ہی کرتے تھے۔ اس عام ہنگامہ آفرینی کے جواب میں نومبر ۱۸۸۷ء میں ایک ارادۂ سلطانی نافذ ہوا، جس کا مضمون حسب ذیل تھا:۔

"ہرگاہ کہ ریجی کے خلاف سلطنت کے تمام حصوں سے مسلسل شکایتیں پیشگاہ سلطانی میں پیش کی جا رہی ہیں؛ "ہرگاہ کہ ٹوبیکو ریجی نے، باوجودیکہ امپیریل گورنمنٹ سے اس رقم سے جو آج ادا کی گئی ہے، کہیں زیادہ مداخل کا وعدہ کیا تھا، صرف پہلے سال میں ترقی ظاہر کی ہے اور اس کے بعد فوراً ہی ٹوبیکو کارپوریشن اور سگریٹ ایکسپورٹیشن کے ناموں سے ذیلی انجمنیں قائم کر لی ہیں، جو ریجی کے مداخل کے ایک حصے میں شریک ہو گئی ہیں اور جنھوں نے حکومت کو ادا کئے جانے والے

حصے کی بیشی میں رکاوٹیں پیدا کر دی ہیں؛

"ہر گاہ کہ ریجی کا، جو اپنے چارٹر کی رو سے وہ تمام تمباکو خریدنے پر مجبور رہے جو مقامی صرف کے لئے سلطنت عثمانیہ میں پیدا ہو، اس میں فائدہ ہے کہ اپنی ضروریات سے زیادہ تمباکو کی پیداوار نہ ہونے دے اور ان بے شمار مشکلات کے نتیجہ میں، جو ریجی تمباکو کی کاشت کو محدود کر دینے کی غرض سے کاشتکاروں کے لئے پیدا کر رہی ہے، ہزارہا غریب کاشتکار اس قسم کی کاشت نہیں کر سکتے ہیں، جو ان کی بسر اوقات کا تنہا ذریعہ تھی اور اس لئے اب ان کے پاس بسر بود کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا ہے؛

"ہر گاہ کہ سرقہ کے انسداد کی وجہ سے قلجیوں (coljis) اور تمباکو کے سارقوں میں لڑائیاں اور خون ریز معاملے واقع ہوتے ہیں اور بیشمار آدمی مارے جاتے ہیں اور اس کی بناء پر ملک کے امن میں خلل واقع ہوتا ہے؛

"ہر گاہ کہ منجملہ دوسرے نقصانات کے ریجی سے ملک کو ایک نقصان یہ بھی پہنچا ہے کہ تمباکو کی وہ خوبی باقی نہیں رہی ہے جس کے لئے کہ ترکی تمباکو کسی زمانے میں مشہور تھی اور اس طرح قومی دولت کو نقصان پہنچا ہے؛

"ہر گاہ کہ ان تمام بدامنیوں کی وجہ یہ ہے کہ ریجی اپنے چارٹر کی شرائط پر سختی کے ساتھ پابند نہیں ہے اور عہدہ دار اپنی جانب سے مذکورۂ بالا شرائط کی تکمیل کی طرف کافی توجہ نہیں کرتے ہیں لہٰذا اس ارادۂ شاہی کے ذریعے سے ایک خاص کمیشن کے قیام کا حکم دیا جاتا ہے، جو ایسی مناسب تدابیر پر غور کرے گا، جن کا اس قابل افسوس صورت حال کے دفعیہ کے لئے اختیار کیا جانا ضروری ہو۔ یہ کمیشن اس مسئلے کا نہایت ہوشیاری کے ساتھ مطالعہ کرے گا کہ ریجی کو چارٹر اور قوانین سلطنت کا کس طرح پابند بنایا جائے، کس طریقے سے اس کو مجبور کیا جائے کہ وہ برآمد کی جانے والی تمباکو کے علاوہ ملک کی پیداشدہ تمام تمباکو کو خرید لے، کس طرح چھوٹے چھوٹے کاشتکاروں کے حقوق کی صیانت کی جائے اور تمباکو میں جو خوبی پہلے تھی کس طریقے سے اس کو دوبارہ پیدا کر دیا جائے۔ مختصر یہ ہے کہ کمیشن ان تمام تدابیر کو اختیار کرے گا، جن سے ریجی کے وجود سے حکومت اور ملک کے لئے حقیقی فائدہ متیقن ہو سکے"۔

لیکن اس ارادہ کا بھی وہی حشر ہوا، جو دوسرے تمام فرمانوں کا ہوا تھا۔

ان کی جلدیں کی جلدیں موجود تھیں، جنھیں سلطان اصلاحات کے لئے نافذ کرنا تھا۔ حکومت عثمانیہ میں اس بیماری کی صلاحیت ہمیشہ رہتی تھی، جس کو رسے بے لینر "وفقدان رز" کہتے تھے لہذا رجی کے پاس تصفیۂ امور کا ذریعہ موجود تھا۔ رجی کو معلوم تھا کہ چارٹر کے تکلیف دہ فقروں سے کس طرح پہلوتہی کی جائے، جن کی سختی کے ساتھ پابندی دیوالہ نکال دینے والی تھی۔

اگر رجی تمباکو کی قلیل کاشت کو ہر ممکن ذریعے سے روک دینے کے ارادے میں اس قدر مصمم تھی، جس میں اس کو کبھی کامیابی نہیں ہوگی اس لئے کہ ایسی صورت میں کاشتکار بغاوت کر دیں گے، تو اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ تمباکو کے چھوٹے چھوٹے کاشتکار کاروبار سرقہ کے رسیا تھے۔ یہ سرقہ محاصل حکومت کو للکار للکار کر کھلے بندوں سرسبز ہو رہا تھا کیونکہ سوسائٹی کے تمام طبقے علی الاعلان یا پوشیدہ طور پر اس کی تائید میں تھے۔ روایات، رسم ورواج، طریقے، اور ملکی ضروریات غرض تمام چیزیں سارقان محاصل کی حمایت پر تھیں اور اس طرح ان کے پیشہ کو ناجائز مگر معمولی اور بعض مطامح نظر سے ناگزیر بنائے ہوئے تھیں۔ تمام اناطولی (ٹرکی ان ایشیا) میں ممنوعہ تمباکو صرف ہوتی تھی۔ غریب لوگ رجی کی تمباکو کی قیمت ادا نہیں کر سکتے تھے اور اس لئے ممنوعہ تجارت ان کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ تھی۔ رجی نے اس توڑ کرنے کے لئے یہ صورت اختیار کی کہ بالخصوص اندرون ایشیا کے لئے ایک ارزاں قسم کی تمباکو بہم پہنچائی۔ لیکن یہ تمباکو گمنام اجزا کا ایک ایسا مرکب تھا کہ کوئی شخص اس کو استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ لوگ عمدہ ممنوعہ تمباکو اس سے بھی کم قیمت میں خرید تے تھے اور ان کو زیادہ نفع ہوتا تھا۔

ہر مرتبہ جب فرصۂ عامہ یا رجی کے کارکنوں نے کسی ممنوعہ شئے کی گرفتاری کے لئے تلاشیاں لیں تو ان کو سخت ندامت اٹھانی پڑی، حالانکہ جس چیز کو تلاش کیا جا رہا تھا وہ ان کی آنکھوں کے سامنے موجود تھی۔ ان لوگوں کی آمد کی علامت کا اظہار ہوتے ہی مال کو حرم میں منتقل کر دیا جاتا ہے، جہاں کوئی شخص داخل ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ کسی مسلمان کے حدود حرم سے تجاوز کرنا تمام آبادی کو برانگیختہ کر دیتا ہے، جو کارکنان نظم ونسق کو بہ عجلت تمام قتل کر ڈالے گی۔ کسی ترکی مکان میں داخل ہونا بھی افسران سائرات کے لئے نہایت مشکل چیز ہے۔ مختار اور امام کی موجودگی لازمی ہے اور جب تک یہ لوگ

آئین آئین سارق اور ان کا مال کوسوں نکل جاتا ہے۔ ولایت ایدین میں ترکی کو بڑا سے جرائم پیشہ لوگوں کو اپنے کارکنوں کے زمرہ میں نوکر رکھنا پڑا تھا۔ اور حکومت کے کارکنوں کے بعض ہیں یہ لوگ جو کچھ اولوالعزمیاں کر سکتے ہیں۔ وہ ظاہر ہے۔ والی کو مجبوراً مداخلت اور ترکی کو اس امر پر مجبور کرنا پڑا کہ وہ ان عجیب و غریب چوکیداران سائر کے لئے لائسنس حاصل کرے۔

۱۹۰۱ء کے ایک سرکلر سے، جو وزیر داخلہ نے تمام والیوں کے نام جاری کیا تھا، ممنوعات کی نمایاں صورتِ حال کا نہایت سادگی کے ساتھ ایک عجیب و غریب اظہار ہوتا ہے:۔

"والیوں اور خود مختار متصرفوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ ٹوبے کو ترکی کے امپیریل کمشنر نے وزیر مالیہ سے اس امر کی شکایت کی ہے کہ ملازمین سرکار کا بیشتر حصہ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اعلیٰ عہدہ دار صرف ممنوعہ تمباکو استعمال کرتے ہیں۔ اس شکایت کو منتقل کرتے ہوئے مالیہ نے بیان کیا ہے کہ اگر ممنوعہ تمباکو استعمال کرنے والوں کے متعلق قوانین و ضوابط خاموش ہیں تو ترکی چارٹر کے فقرہ ۱۲ میں یہ درج ہے کہ تمام قسم کی تمباکو جائز ہے کہ مسلمہ دوکانداروں کی دوکانوں پر فروخت کے لئے رکھی جائے۔ لہٰذا وہ تمام تمباکو، جو کسی دوسری جگہ سے خریدی جائے، ممنوعہ ہے۔ چونکہ ملازمین سرکار کے اس قسم کی تمباکو کے استعمال کرنے کو جائز نہیں رکھا جا سکتا اس لئے والیوں سے استدعا ہے کہ وہ اس امر کا انتظام کریں کہ یہ لوگ ترکی کی تمباکو کے علاوہ کوئی دوسری تمباکو استعمال نہ کرنے پائیں"۔

لیکن وزارت کے اس سرکلر میں یہ نہیں بتلایا گیا تھا کہ والی اور خود مختار متصرف، جن کے ذمے دوسرے بے شمار فرائض بھی تھے۔ اپنے ماتحتوں کی تمباکو پر کس طرح نگرانی قائم کریں۔ عبدالحمید کے عہد میں ترکی نے اکثر پولیس اور جنڈارمہ کی امداد کی درخواست کی مگر حکومت نے ہمیشہ اس کو مسترد کر دیا۔ عہدہ داران فوج اس امر پر رضامند نہیں ہوتے تھے کہ فوجی سپاہیوں کو آبکاری کا چوکیدار بنا دیا جائے۔ متعدد صورتوں میں فوج کی مداخلت قطعی ناممکن تھی کیونکہ ایسی صورت میں ایک باقاعدہ فوجی اجتماع اور تمام آبادی پر حملہ کرنے کے لئے پوری فوج سے کام لینے کی ضرورت ہوتی۔

ترکی کے پورے ساحلی علاقہ پر نمک کی ممنوعہ تجارت، جس کے دوش بدوش اسلحہ کی تجارت

بھی تھی، ایک سر بسر صنعت تھی۔

بحر اسود کے سارقان نمک مشہور تھے۔ لز پیدائشی قزاق اور سمندر کے مالک واقع ہوئے ہیں، جہاں ان کی چھوٹی چھوٹی کشتیاں محافظ کروزروں کا مضحکہ اڑاتی رہتی ہیں۔ جہاں کہیں یہ لوگ لنگر انداز ہوتے تھے، ان کو وہاں کی آبادی کی پرجوش امداد کا اعتماد ہوتا تھا۔ ان کی زیر ہدایت قافلے تیار ہوتے تھے، ان قافلوں کے ساتھ لفنگے نوجوانوں کے بدرقے ہوتے تھے، جن کے پاس جلدی جلدی فیر کرنے والی بندوقیں ہوتی تھیں اور یہ لوگ نمک کو شہر شہر لئے پھرتے تھے یہاں تک کہ قسطنطنیہ میں بھی جا گھستے تھے۔ عثمانی قرضہ عامہ کی صدر نظامت کی ایک رپورٹ میں تحریر کیا گیا تھا کہ:۔ "لز اور خانہ بدوش کردوں اور بدوؤں کا کوئی حملہ یا غارتگری ایسی باقی نہیں رہی ہے کہ جسے آبکاری نے برداشت نہ کیا ہو۔ ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اگرچہ واقعات کی اس صورت حال سے امپیرل گورنمنٹ کے لئے شدید خطرہ ہے تاہم آسانی کے ساتھ اور بغیر تعویق کے ہم عہدہ داروں کو اس امر پر مجبور نہیں کر سکتے محرم کے ارادۂ سلطانی میں جس امداد کا تذکرہ کیا گیا ہے، وہ ہمیں عطا کی جائے"۔

مخلوق کے نزدیک اشیائے ممنوعہ کے تاجروں اور نمک کے چوروں کی بڑی وقعت تھی چنانچہ ان لوگوں کو سب کی طرفداری اور اغماض کا پورا یقین تھا۔ اگر مقتدرین ان لوگوں کے افعال سے چشم پوشی کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سرقہ محاصل کو بدیسیوں کے خلاف ایک قسم کا احتجاج تصور کرتے ہیں، جو اپنے مفاد کے لئے ملک کی آمدنی کے خاص خاص ذرائع پر قابض ہیں۔ نظم ونسق کے خلاف تمام دنیا سازش کئے ہوئے ہے اور عدالتوں میں ایسے سارقان محاصل کے ساتھ غیر معمولی نرمی کا برتاؤ کیا جاتا ہے، جو بدقسمتی سے گرفتار ہو جاتے ہیں۔ مجلس ولایت نظم ونسق کی اس قدر کم پروا کرتی ہے کہ اگر ان پر ذرا سا بھی دباؤ ڈالا گیا تو ان کو اس امر کے اعلان کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا کہ ان کے نزدیک اس کے وجود کی کوئی وجہ یا ضرورت نہیں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مجلس بروصہ نے ان احکام کی تعمیل سے انکار کر دیا، جو سارقین محاصل کے خلاف نافذ کئے گئے تھے اور اگر انصاف نظم ونسق کی طرف تھا تو ایکوئٹی (معدلت) مجلس کی طرف تھی۔ کونسل نے یہ فیصلہ کیا کہ مجرم وہ جرمانہ ادا نہیں کر سکتے، جو ان پر عائد کیا گیا ہے۔ قانون ان کو اپنا مال فروخت کرنے کی اجازت دیتا ہے، لیکن اس قسم کی کوششوں کی ناکامی، جو محاصل آبکاری کی

وصولی کے لئے کی گئی تھیں اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ اس طریقے کو اختیار نہیں کرنا چاہیئے"۔

نتیجہ یہ ہوا کہ مجلس نے خارجی مفادات کے لئے جبری کارروائی اختیار کرنے سے ایسی صورت میں قطعی انکار کر دیا کہ حکومت ان مفادات کو اپنے لئے کام میں لانے سے انکاری ہے۔ بالخصوص اس لئے کہ ان تدابیر کا سوائے اس کے اور کوئی اثر نہیں ہوگا کہ لوگوں کی ایک کثیر تعداد جس کے پاس فاقہ کے خوف سے غارت گری کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہوگا، بیدست و پا ہو جائے گی۔

تمباکو سے (ترکی سے واجب الوصول، حصہ منافعہ، وغیرہ کی مدوں میں) حسب ذیل آمدنی ہوئی ہے:-

۱۹۰۹ء تا ۱۹۱۰ء .... (۸،۹۵،۸۸۳) پیاسٹر (۳۲)۔

۱۹۱۰ء تا ۱۹۱۱ء .... (۹،۴۰،۹۹۴) " (۲۳)۔

۱۹۱۱ء تا ۱۹۱۲ء .... (۸،۷۴،۷۵۳) " (۴۳)۔

۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۳ء .... (۸،۹۳،۹۸۰) " (۰۴)۔

ترکی کی رعایت میں، جو ۱۳ اپریل ۱۹۱۴ء کو ختم ہوئی تھی، (۱،۵۰،۰۰۰) لیرا کے قرضے کے معاوضے میں، جو کہ وہ پہلے حکومت کو دیا ہے، (۱۵) سال کی توسیع ہو گئی ہے۔

ذیل میں محاصل بالواسطہ کے مداخل درج کئے جاتے ہیں، جن کا نظم و نسق قرضہ عامہ کے ذمے ہے:-

نمک:-

۱۸۷۷ء کی جنگ سے پہلے .... (۸۰،۰۰،۰۰۰) پیاسٹر۔

غلطہ کے مہاجنوں کا نظم و نسق:-

۱۸۸۰ء-۱۸۸۱ء (اوسط) .... (۶،۰۲،۰۰،۰۰۰) " ۔

۱۸۸۲ء-۱۸۸۱ء .... (۶،۵۱،۰۸،۷۹۶) لیرا۔

بانڈ ہولڈرس کا نظم و نسق:-

۱۹۰۹ء-۱۹۱۰ء .... (۱۱۴،۲۳۶،۷۶۲) پیاسٹر۔

۱۹۱۰ء-۱۹۱۱ء .... (۱۱،۵۶،۹۵۴،۶۱۰) لیرا

۱۹۱۱ء-۱۹۱۲ء .... (۱۲،۳۱،۰۳۷،۵۸) " ۔

سنہ ۱۹۱۲-۱۹۱۳ء (۹,۷۸,۴۲۴,۸۸۴۵) لیرا -

اسپرٹس :-

سنہ ۱۸۷۷-۷۸ء کی لڑائی سے قبل (۳,۰۰,۰۰,۰۰۰) پیاسٹر۔

غلطہ کے مہاجنوں کا نظم و نسق :-

سنہ ۱۸۸۱-۸۲ء (اوسط) (۱,۲۳,۱۰,۰۰۰) لیرا -

سنہ ۱۸۸۲-۱۸۸۴ء (۱,۹۸,۳۵,۸۸۲) " -

بانڈ ہولڈرس کا نظم و نسق :-

سنہ ۱۹۰۹-۱۹۱۰ء (۲,۸۸,۲۷,۰۷۰) " -

سنہ ۱۹۱۰-۱۹۱۱ء (۳,۱۹,۴۹,۲۰۵) " -

سنہ ۱۹۱۱-۱۹۱۲ء (۳,۵۷,۱۴,۶۴۳) " -

سنہ ۱۹۱۲-۱۹۱۳ء (۲,۵۸,۳۰,۰۷۶) " [1]

اسٹامپس :-

سنہ ۱۸۷۷-۷۸ء کی جنگ سے قبل (۱,۴۵,۰۰,۰۰۰) پیاسٹر۔

غلطہ کے بنکروں کا نظم و نسق :-

سنہ ۱۸۸۰-۱۸۸۲ء (اوسط) (۱,۲۸,۷۷,۸۴۳) لیرا -

بانڈ ہولڈرس کا نظم و نسق :-

سنہ ۱۸۸۱-۱۸۸۲ء (اوسط) (۱,۴۶,۸۲,۲۲۴) " -

سنہ ۱۹۰۹-۱۹۱۰ء (۴,۲۰,۳۶,۴۶۶) " -

سنہ ۱۹۱۰-۱۹۱۱ء (۴,۶۵,۶۶,۹۶۴) " -

سنہ ۱۹۱۱-۱۹۱۲ء (۵,۰۶,۱۹,۴۱۷) " -

سنہ ۱۹۱۲-۱۹۱۳ء (۴,۱۷,۸۳,۱۹۷) " -

[1] نمک اور اسپرٹس پر ایک مشروط محصول زائد سے (۲۸۵,۸۸,۰۰,۲) لیرا اور (۳,۱۳,۱۷,۷۷) لیرا کی آمدنی ہوئی -

ریشم:-

سنہ ۱۸۷۷-۱۸۷۸ء کی لڑائی سے پہلے	(۵۵,۰۰,۰۰۰) پیاسٹر۔

غلطہ کے مہاجنوں کا نظم ونسق:-

سنہ ۱۸۸۲-۱۸۸۸ء	(اوسط)	(۲۱,۳۶,۰۰۰) ” ۔
سنہ ۱۸۸۲-۱۸۸۷ء	(”)	(۲۴,۱۴,۵۶۱) لیرا۔
سنہ ۱۹۰۸-۱۹۰۹ء		(۱۰,۹۹,۵۴۸) ” ۔
سنہ ۱۹۰۹-۱۹۱۰ء		(۱,۷۸,۹۴,۵۰۲) ” ۔
سنہ ۱۹۱۰-۱۹۱۱ء		(۸۸,۷۴,۹۹۹) ” ۔
سنہ ۱۹۱۱-۱۹۱۲ء		(۹۰,۴۶,۱۵۰) ” ۔
سنہ ۱۹۱۲-۱۹۱۳ء		(۵۷,۲۳,۰۳۷) ” ۔

فشریز:-

غلطہ کے مہاجنوں کا نظم ونسق:-

سنہ ۱۸۸۲-۱۸۸۸ء	(اوسط)	(۲۸,۴۵,۸۴۴) ” ۔

بانڈ ہولڈرس کا نظم ونسق:-

سنہ ۱۸۸۲-۱۸۸۸ء	(اوسط)	(۳۴,۳۵,۶۷۸) ” ۔
سنہ ۱۹۰۸-۱۹۰۹ء		(۷۱,۲۸,۷۴۵) ” ۔
سنہ ۱۹۰۹-۱۹۱۰ء		(۸۷,۸۰,۳۴۷) ” ۔
سنہ ۱۹۱۰-۱۹۱۱ء		(۵۷,۷۴,۹۹۹) ” ۔
سنہ ۱۹۱۱-۱۹۱۲ء		(۶۷,۹۵,۳۱۷) ” ۔
سنہ ۱۹۱۲-۱۹۱۳ء		(۶۳,۰۳,۲۷۵) ” ۔

خدمات عامہ کی بدنظمیوں نے اب تک ہمیشہ سلطنت کو اس کے ذرائع آمدنی کے بہترین حصہ سے محروم رکھا ہے۔ عبدالحمید کے زمانہ میں یلدیز کے بٹالینوں کے علاوہ تمام فوجوں کو نہایت بے قاعدگی کے ساتھ تنخواہیں ادا کی جاتی تھیں اور بقایا تنخواہ کی وصولی کے لئے سپاہی ہر روز بغاوتیں کیا کرتے تھے۔ اکثر فوجی اور بحری گتہ وار نقد قیمت کے علاوہ اور کسی طریقے پر رسد بہم پہنچانے سے انکار کردیتے تھے اور باب عالی کو اپنے سپاہیوں

کی خور و نوش کے انتظام کے لئے قلیل رقمیں قرض لینی پڑتی تھیں۔ دفترِ نظم و نسق ملکی میں محض نا اہل ملازموں کا ایک کثیر انبوہ جمع ہو گیا تھا۔ یہ مفت خورے کسی نہ کسی حرم سے قرابت رکھتے تھے۔ ترکی صنعت و حرفت کی حالت نہایت ابتر تھی؛ آزاد پیشے مشکل سے موجود تھے؛ رعایائے سلطانی کا صرف ایک مطمحِ نظر ہوتا تھا اور وہ یہ کہ سرکاری ملازمت میں داخل ہو جائیں۔ اعلیٰ عہدہ داروں کو بڑی بڑی تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ ملازمین درجۂ ادنیٰ کی تنخواہیں مشکل سے اس قابل تھیں کہ وہ زندگی بسر کر سکیں۔ ان لوگوں کی معمولی تنخواہیں بھی نہایت بے قاعدگی کے ساتھ ادا کی جاتی تھیں اور اس لئے وہ ناجائز ذرایع اختیار کرنے پر مجبور رہتے تھے۔ ریاست کی مالگزاری کو خطرناک نارتگریوں سے صدمے پر صدمے پہنچتے تھے اور جب ملازمین ریاست پر ہاتھ صاف نہیں کر سکتے تھے تو رعایا کی کھال کھینچ لیتے تھے۔ بعض صورتوں میں وہ دونوں پر دست درازیاں کرتے تھے۔ بجائے اس کے کہ خرابیوں کا سدِ باب کیا جاتا اور اس قسم کے منشیوں کے لشکر کو یک قلم برطرف کر دیا جاتا اور صرف ضروری ملازمین کو معقول اور ملکیتہ تنخواہوں پر رکھ لیا جاتا، باب عالی نے ان تمام بیکار محض کارگزاروں کو برقرار رکھا۔ باب عالی نے صرف اسی پر اکتفا کیا کہ چھوٹے چھوٹے ملازمین کی تنخواہیں گھٹا دیں اور اس طرح فریب اور بخشش میں اضافہ کر دیا، جو دن دھاڑے سر سبز ہو رہی تھی۔"

جدید حکومت نے اس نقص کو رفع کرنے کا ارادہ کیا اور بینت المابئین نے عہدہ داران ریاست کی تعداد میں تخفیف کے ذریعے سے خدمات عامہ کی تنظیم جدید کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ بدقسمتی سے ان اعلیٰ ارادوں کو نہایت ہی بیہودہ قانون کا جامہ پہنایا گیا۔ قانون اصلاحات نے، جیسا کہ کہا جاتا ہے، گھوڑے سے پہلے گاڑی کو جوت دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ترکی حکومت کے ملازمین کی تعداد ضرورت سے بہت زیادہ ہے اور ان کا وجود خزانہ اور ملک کے لئے ایک بے درمان مصیبت تھی لیکن ایک اہم اصلاح کے نفاذ کے لئے اس امر کی ضرورت تھی انتظامی کارروائیوں کے طریقوں کی اصلاح سے ابتدا کی جاتی، جن کی بنا پر طویل اور تعب خیز رسموں کی پابندی کی بنا پر معاملات میں پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی تھیں اور پھر ان رسموں کی پابندی کی سوائے اس کے اور کوئی توجہ نہیں تھی کہ ضرورت سے زیادہ جائیدادوں کی موجودگی کو جائز ٹھہرایا جائے۔

بے شمار رسموں میں آسانی پیدا کئے بغیر ملازمین کی برطرفی سے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے؟ یہی تاکہ دفتری اعمال کی فوری ضروریات کی تکمیل کے لئے برطرف شدہ ملازمین کو دوبارہ ملازم رکھنا پڑے گا۔

۱۸۵۶ء کے خط ہمایونی فرمان شاہی نے وصولی محاصل کے پرانے طریقے کو منسوخ کردیا تھا، جو جمع بندی کے طریقے پر مشتمل تھا، اور اس کے بجائے انتظام مملکت کے طریقے کو رائج کردیا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد مداخل عشر کے لئے، جو سلطنت کے نہایت ہی اہم محاصل تھے، قدیم طریقے کو اختیار کیا جانے لگا۔ یہ ان مداخل کو مجلس قضاۃ معین کرتی ہے۔ پھر ہر کمیون میں مختار اکابر دیہہ کی تائید سے ان کو مشخص کرتا ہے۔ مختار کلکٹر کے فرائض بھی انجام دیتا ہے اور یہی وہ شخص ہے کہ جو وصول شدہ رقومات کو خزانے قضاۃ میں داخل کرتا ہے۔

لوا (Liva) اور ولایتوں کے خزانوں میں سے گزر کر رقومات بہت کچھ گھٹ گھٹا کر جیسا کہ جودت افندی، رضا آفندی، صحیح بے (Sahi-Bay) اور احمد واقف آفندی کے بیانات سے واضح ہوتا ہے، سلطنت کے خزانے میں داخل ہوتی ہیں۔ رعایا عام طور پر تمام جائز محاصل کا المضاعف ادا کرتی ہے اور حکومت کو یا تو اس کے متعلق کوئی علم نہیں ہے یا وہ اپنی لاعلمی کا بہانہ کرتی ہے۔

عدالت

عدالتی تنظیم نے دو قسم کی عدالتوں کے قیام کو جائز رکھا ہے:۔

۱۔ **عدالت ہائے شریعت**:۔ یہ عدالتیں مذہبی قانون کے مطابق فیصلہ صادر کرتی ہیں اور ان کو قرآن، حدیث اور سنن کے علاوہ کسی دوسرے قانون کا کوئی علم نہیں ہے۔ ان عدالتوں میں دستاویزی ثبوت کو مسترد کر دیا جاتا ہے اور صرف زبانی شہادت کو قابلِ ادخال سمجھا جاتا ہے۔ یہ عدالتیں شیخ الاسلام کی ماتحت ہیں اور ان میں حسب ذیل محکمہ جات شامل ہیں:۔

(الف) عدالت اپیل، عرض اداسی (Arz-odaci) دو چیمبروں پر منقسم ہے۔ ایک رومالی کے لئے اور ایک اناطولی کے لئے۔ ہر چیمبر میں ایک قاضی عسکر، صدر اور چودہ جج ہوتے ہیں۔

(ب) متعدد سررشتہ جات عدالت، جو ولایتوں کے سررشتوں کے مساوی ہوتے ہیں۔ ان کے افسر اعلیٰ نائب ہوتے ہیں، جن کو سلطان نامزد کرتا ہے اور جب جی چاہتے برطرف کر دیتا ہے۔

مدحت پاشا نے اپنی عدالتی وزارت کے زمانے میں اس امر کی کوشش کی تھی کہ نائبوں کو شیخ الاسلام کی ماتحتی سے نکال لیا جائے۔ اور ان کی غیر منقولیت مسلمہ قرار دے دی جائے۔ مدحت کو اپنے ارادہ میں مفتی اعظم کی شدید مخالفت کی بنا پر کامیابی نہیں ہوئی، جس کے مالی مفادات کو اس اصلاح سے صدمہ پہنچتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ نائبین کے طبقے کی تمام نامزدگیاں یا منتقلیاں اس کی آمدنی کا ایک ذریعہ تھیں۔

(ج) قاضی لکی (kadiliki) جو لوا اور قضاۃ کے صدر مقام پر کام کرتا ہے۔ قاضیوں کو شیخ الاسلام کی تحریک پر نامزد کیا جاتا ہے۔ اس عدالت کے اجلاس پر ہر فریق مفتی کے فتوے سے مسلح ہو کر اصالتہً مقدمہ کی پیروی اور شہادت پیش کرتا ہے۔ ایاق نایب (Ayak-Naib) جو عدالت کا ایک قسم کا کلرک ہوتا ہے، فریقین کی بحث کا خلاصہ کرتا ہے اور قاضی فیصلہ دیتا ہے۔

۲۔ عدالتہائے نظامیہ یا دیوانی عدالتیں:۔ جو مجلہ (عثمانی ضابطہ دیوانی) کے مطابق متعدمات کا تصفیہ کرتی ہیں۔ ججوں کی نامزدگی کے طریقے کے علاوہ، جو قطعی حکومت کی صوابدید پر منحصر ہے، ان عدالتوں کی تنظیم یورپ کی بالخصوص فرانس کی عدالتوں کی تنظیم پر مبنی ہے۔ ان میں حسب ذیل محکمہ جات شامل ہیں:۔

(الف) ایک عدالت عالیہ واقع قسطنطنیہ، جو دو شاخوں پر منقسم ہے۔ پہلی (کے شیشن کورٹ) دو چیمبروں پر منقسم ہے، دیوانی و فوجداری۔ یہ عدالت کے مستغیث کے مرافعہ جات کا تصفیہ کرتی ہے۔ دوسری ہائیکورٹ آف اپیل، تین چیمبروں پر منقسم ہے، دیوانی، تجارتی، اور فوجداری۔ امور تصفیہ شدہ یا باقاعدہ فیصلے کے ذریعے سے قطعی احکام نافذ کرتی ہے۔

(ب) کورٹس آف جسٹس۔ ولایتوں کے خاص خاص شہروں میں دیوانی اور فوجداری کی دو شاخوں کے ساتھ قائم کئے گئے ہیں۔ ان عدالتوں میں ماتحت عدالتوں کے مرافعوں کی سماعت اور ایسے جرائم کا فیصلہ کیا جاتا ہے جن میں تعزیری سزائیں دی جاتی ہیں۔ ان کے صدر نائب ہوتے ہیں۔ یہ ایک نہایت ہی خراب طریقہ ہے کیونکہ نائب، اس حیثیت سے کہ وہ علما ہوتے ہیں، شریعت کے علاوہ کسی دوسرے قانون کو تسلیم نہیں کرتے اور اس لئے قانونی دیوانی کے مخالف ہوتے ہیں۔ یہ ہے وہ شاندار طریقہ جس سے حکومت اصلاحی عدالتوں کو محض ایک نمایش بنا دیتی ہے۔

(ج) مجالس تمیز حقوق۔ لواز (Livas) کے خاص خاص شہروں میں ماتحت عدالتوں کے لئے عدالتہائے مرافعہ کا کام دیتی ہیں اور (۵،۰۰۰) پیاسٹر تک کے مقدمات دیوانی کا تصفیہ کرتی ہیں۔

(د) عدالتہائے ماتحت قضاۃ کے خاص خاص قصبوں میں ایسے تمام مقدمات دیوانی کا، جن کی مالیت (۱،۰۰۰) پیاسٹر سے زیادہ نہ ہو اور تمام اصلاحی مقدمات کا تصفیہ کرتی ہیں جن کی سزا ایک ہفتہ سے زیادہ کی قید اور (۱۰۰) پیاسٹر سے زیادہ کا جرمانہ نہ ہو۔ یہ عدالتیں مرافعے پیش ہونے پر (۱،۰۰۰) سے زیادہ کی مالیت کے دیوانی اور ایسے اصلاحی مقدمات کا تصفیہ کرتی ہیں، جن تین مہینے کی سزا اور (۵،۰۰۰) پیاسٹر کا جرمانہ ہو۔ ۱۹۱۳ء میں ایک قانون مشروط یعنی ایسے قانون نے، جو پارلیمنٹ کی غیاب میں منظور ہوا تھا لیکن جس کو پارلیمنٹ کے دوبارہ افتتاح پر پاس کر دیا جائے گا۔ تمام سلطنت میں جسٹیز آف دی پیس کو قائم کر دیا۔

تعلیمات۔ مختلف طریقہ ہائے تعلیم۔ غلطہ سرا کالج۔ فرانسیسی مدارس۔ تعلیمی آزادی۔

۱۸۴۶ء تک تعلیم علماء کا فرض اور حق تھا۔ جب تک تعلیم کا تعلق علما سے رہا اس میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ انیسویں صدی عیسوی میں تعلیم کی وہی حالت تھی، جو قیام سلطنت کے پہلے دن تھی۔ ترکی میں دو قسم کے مدارس تھے:۔ مکتبی یعنی ابتدائی مدارس، جن کو

محلوں کے امام چلاتے تھے۔ مدرسے، جو بڑی بڑی مسجدوں سے ملحق تھے اور اوقاف سے ان کے اخراجات ادا کئے جاتے تھے۔ پہلے قسم کے مدرسوں میں صرف لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا تھا۔ دوسرے قسم کے مدارس میں دینیات اور فقہ کی تعلیم ہوتی تھی۔ ان میں حسب ذیل مضامین شامل تھے:- صرف و نحو، منطق؛ اخلاق؛ علوم تمثیلی؛ دینیات؛ اصول قانون؛ قرآن اور اس کی تفسیر؛ اور حدیث۔ زبانوں میں صرف عربی اور فارسی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ۱۳۶۶ھ کے قانون نے مذہبی اور سول تعلیم میں تفریق کر دی۔ مدرسہ مسجد سے علحدہ ہو گیا۔ مدرسے پر شیخ الاسلام کی نگرانی رہی لیکن مکتبی کو ریاست نے اپنی نگرانی میں لے لیا۔

تعلیم کے اصل میں تین مراتب ہیں:- ابتدائی؛ ثانوی اور اعلیٰ تعلیم:-

ابتدائی تعلیم، مسلمانوں کے لئے یہ لازمی ہے۔ ہر خاندان کے بزرگ کا فرض ہے کہ وہ لڑکوں اور لڑکیوں کے نام چھ سال کی عمر ہوتے ہی مدارس اطفال کے رجسٹروں میں داخل کرانے کے لئے مختار کے پاس حاضر ہو الا اس صورت میں کہ وہ گھر پر تعلیم کا انتظام کر سکتا ہو۔

ابتدائی مدارس تین قسم کے ہیں:- ۱۔ مکاتیب صبیان، جو ہمارے انفنٹ اسکولس کے مماثل ہیں۔ ۲۔ عبادیہ، جہاں معمولی ابتدائی تعلیم دی جاتی ہے۔ ۳۔ رشدیہ (Ruehdiyeh) یا ہیپر پرائمری اسکولس۔

عبادیہ کے نظام العمل میں (۴) سال کی تعلیم داخل ہے، جس کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے:- ۱۔ کتاب ہجا، آیات قرآنی، ترکی زبان کی پڑھائی، زبانی حساب۔ ۲۔ قرآن، مذہبی احکام، حساب تحریری و زبانی، خوشنویسی۔ ۳۔ قرآن، صرف و نحو ترکی قواعد، خوشنویسی، حساب۔ ۴۔ قرآن، جغرافیہ اور تاریخ کی ابتدا، قواعد علم ہجا، حساب اور خوشنویسی۔

رشدیہ (Ruehdiyeh) میں، جہاں (۱۰) سے (۱۱) سال تک کے بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے؛ چار سال کا نصاب ہے۔ یہاں عربی صرف و نحو نیز ترکی و فارسی قواعد، علم ہجا، انشا و علم کلام، عثمانی و تاریخ عالم، جغرافیہ، مبادیات اقلیدس، خط کشی اور کسی ایک غیر مسلم فرقے کی زبان کی تعلیم دی جاتی ہے۔ لڑکیوں کے لئے

مذہبی تعلیم، ترکی قواعد، عربی و فارسی قواعد کے مبادیات، ادب، تاریخ، جغرافیہ حساب، معاشیات خانہ داری اور سلائی کی تعلیم دی جاتی ہے اور ڈرائنگ اور موسیقی اختیاری ہے۔

ہر ایسے گاؤں میں جو کسی حیثیت سے اہمیت رکھتا ہو ایک صبیان اور ایک عبادیہ کا قیام لازمی ہے، جس کے اخراجات کے کفیل گاؤں کے مسلمان باشندے ہوتے ہیں۔ (۵۰۰) مکانوں کی ہر بستی میں ایک رشدیہ (Ruehdiyeh) کا ہونا ضروری ہے مگر ترکی میں اس قسم کے مدارس صرف (۴۰۰) کے قریب ہیں، جن کے منجملہ (۲۹) قسطنطنیہ میں ہیں اور باقی تمام صوبوں میں ہیں۔ ان میں سے مدارس نسوان کی تعداد (۱۳) ہے، جن کے منجملہ (۱۰) دارالسلطنت میں ہیں۔ رشدیہ کے اخراجات، پروفیسروں کی تنخواہیں، کتابوں کی قیمت وغیرہ کے مصارف خزانے سے ادا کئے جاتے ہیں کیونکہ ابتدائی تعلیم آزاد ہے۔ لیکن پرائمری سپیریر کی یہ صورت نہیں ہے۔

ثانوی تعلیم - میں دو قسم کے مدارس شامل ہیں:- اداہیہ یا تمہیدی اور سلطانیہ۔ اوّل الذکر مدارس مشترک ہیں اور ان میں ایسے مسلمان اور عیسائی بچوں کو داخل کیا جاتا ہے جنھوں نے رشدیہ کے نصاب کی تکمیل کی ہے اور مدرسہ چھوڑتے وقت ممتحنین کو مطمئن کر دیا ہے۔ (۱۰۰۰) مکانوں والے ہر قصبہ میں ایک اداہیہ کا ہونا لازمی ہے۔ مطالعات کے نظام العمل میں حسب ذیل مضامین شامل ہیں:-

عثمانی ادب؛ کلام انشائیہ؛ صنائع و بدائع، فرانسیسی زبان، مبادیات معاشیات؛ تاریخ و جغرافیہ عالم؛ حساب؛ جبر و مقابلہ؛ جایمٹری؛ پیمائش؛ فزکس اور کیمسٹری، تاریخ طبیعیات اور ڈرائنگ۔

ولایت کے ہر خاص شہر میں ایک کالج کا ہونا ضروری ہے، جس کی دو شاخیں ہوں گی:- ایک شاخ قواعد، جس کی تعلیم وہی ہے، جو عبادیہ کی ہے اور ایک اعلیٰ جو فنون اور سائنس کی دو شاخوں پر منقسم ہوگا۔

سچ تو یہ ہے کہ فوقانی تعلیم کا وجود صرف کاغذ پر پایا جاتا ہے۔ اس تعلیم کے متعلق صرف ایک دفتری تعلیم کا مدرسہ ہے اور ایک قسطنطنیہ کا غلطہ سرائے کالج ہے۔ اس موخرالذکر کالج کو سلطان عبدالعزیز نے ۱۸۶۸ء میں قائم کیا تھا۔ یہ کالج

ترکی میں فرانسیسی اثرات کی ایک کامیابی تھی، جو فرانسیسی سفیر، ام بورے
کو حاصل ہوئی کیونکہ یہ کالج، جو بالکلیہ فرانسیسی تھا، سلطنت بھر میں فوقانی تعلیم
کا واحد مرکز تھا۔ حقیقی معنی میں اس کا پہلا ڈائرکٹر موسیو سالوے تھا،
جو مارشلز کی اکاڈمی کا انسپکٹر تھا۔ اس کا سب ڈائرکٹر اسی زمانے میں
ڈاک خانہ جات اور تار آفسوں کے سابق وزیر کا باپ، ام گرانے تھا۔
ام بودوان، یونیورسٹی کے انسپکٹر جنرل اور ام ورٹل نے، جن کو پہلے
ان جائیدادوں کے لئے نامزد کیا گیا تھا، نظام العمل تیار کیا تھا،
اسٹاف میں (۳۲) فرانسیسی تھے، جن کا تقرر وزیر معارف کا
اختیاری تھا۔

۱۸۷۲ء میں غلطہ سرائے کی عطا کی ہوئی سندوں کو فرانسیسی کے
کے برابر تسلیم کر لیا گیا۔ اس وحشتناک سال کے مصائب نے فرانسیسی
اثر پر کاری ضرب لگائی اور اس مقصد کے ساتھ سازشوں کی ہنگامہ آرائی
شروع ہو گئی کہ فرانسیسی عنصر سے نجات حاصل کر لی جائے اور اس مدرسہ
کو ایک خالص عثمانی ادارے میں تبدیل کر دیا جائے۔ ام دے سالوے نے
ان بیشمار متواتر جھگڑوں سے عاجز آکر ۱۸۷۲ء میں استعفے پیش کر دیا
اور فوراً ہی بغیر اس کے کہ فرانسیسی حکومت کو اس کی اطلاع کی جائے،
ایک عثمانی عہدہ دار کا اس کی جگہ تقرر کر دیا گیا۔ یہ شخص ارمنی الاصل
وہان آفندی تھا۔ فرانسیسی پروفیسر یکے بعد دیگرے موقوف ہوتے گئے۔
غلطہ سرائے کالج وہ تربیت گاہ تھا۔ جہاں سلطنت کے اکثر
عہدہ داروں کی پرورش و تربیت ہوئی تھی۔ کچھ عرصے کے بعد
ام شومی، پیرس کے وزیر تعلیمات نے (۱۹۰۲ء) ایک ایسا کام
کیا، جس نے ترکوں کو بہت کچھ برانگیختہ کر دیا اور غلطہ سرائے کالج کی وہ
فرانسیسی خصوصیت کھو دی، جو تمام قسم کی مخالفتوں کے بعد اس نے
اب تک برقرار رکھی تھی۔ ام شومی نے فرانسیسی سندوں سے غلطہ سرائے
کی سندوں کی مساوات کو منسوخ کر دیا اور یہ حکم دے دیا کہ آئندہ سے ڈگریوں

کے لئے تمام امتحانات فرانسیسی سفارت میں لئے جائیں؛

ترکان نوجوان کی حکومت حمیدی حکومت سے بھی زیادہ فرانس کی مخالف ہے۔ ان کے لئے جرمنی سے باہر کسی چیز کا وجود نہیں ہے؛
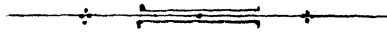
نظم و نسق

(۱)

جنگ :- فوجی تنظیم قانون متعلقہ تنظیم جدید اشاف۔ قانون ترقی ویر گولٹنر (Von der Gloltz's) کی اسکیم اور تین اکائیوں والی تقسیم لمان فان ساندرس (Liman von Sanders) کا وفد۔ غیر مسلموں کی فوجی خدمت۔

بحریہ :- ترکی بحریہ کا زوال۔ جنگی بیڑہ۔

زراعت :- زراعت کی تباہی زرعی بنک۔ ملک ذاتی کا عدم استقلال۔ وقوف۔ قزاقی جندارمہ۔

تجارت وصنعت :- معادن۔ ہرقلیس کے تیل کے چشمے۔ ریلوے لائنس۔ اور بحساب کلو میٹر ضمانتیں۔ بغداد ریلوے اور ایشیائے کوچک ترکی کی معاشی تقسیم۔ ترکی میں صنعتی جائیداد حقوق اجارہ وسائرات۔ حوالگیاں۔

جنگ :- فوجی تنظیم۔ قانون متعلقہ تنظیم جدید اشاف۔ قانون ترقی۔ فان ویر گولٹنر کی اسکیم۔ لمان فان ساندرس کا وفد۔

اگرچہ جرمنی کے فوجی وفد نے ۱۸۸۲ء سے ۱۹۱۲ء تک ترکی افواج کو پروشیا کے طریقے پر تعلیم دی لیکن ۱۸۶۹ء میں حسین آوانی پاشا نے جو طریقہ نافذ کئے تھے ان کے خاص خاص خد و خال اب بھی اسی طرح باقی رہے۔ فوج کی حسب ذیل تقسیم کی گئی تھی :-

(۱) افواج مصروف، جو دو مدوں پر مشتمل تھی۔ نظام یعنی عسکر مصروف اور اشتیت (Ichtidt) یعنی وہ لشکر مصروف، جس کو غیر محدود رخصت دیدی گئی تھی (۲) ردیف یا افواج محفوظ بھی اسی طرح دو مساوی مدوں پر مشتمل تھیں (۳) مستحفظ یا عساکر مقبوضات۔ مدت ملازمت بیس سال مقرر تھی :- افواج مصروف چھ سال، جن کے منجملہ نصف کی مدت ہر مد کی ملازمت میں۔ محفوظ آٹھ سال، جن کے منجملہ نصف ہر مد کی ملازمت میں۔ مستحفظ چھ سال۔ فوج میں بھرتی کرنے کی عمر اکیس سال ۱۸۸۷ء میں مقرر کی گئی تھی۔ سالانہ فوج کی بھرتی کی تعداد (۵۰،۰۰۰) تھی۔ ابتداءً غیر مسلموں کو فوج میں بھرتی نہیں کیا جاتا تھا اور وہ بدل عسکریہ ادا کرتے تھے۔ ۱۹۰۹ء کے بعد یہ طے ہوگیا کہ یا تو غیر مسلم بھی فوجی خدمات انجام دیں یا سو ترکی پاؤنڈ ادا کریں۔

دار السلطنت اور صوبوں کی جنڈارمی (ضبط)، بے قاعدہ فوج، چرکس، باشی بزوک، کرد، اور زیبق، جن کی تعداد مقام جنگ، تعداد افواج مقابل اور اسی قسم کی دوسری باتوں پر منحصر ہوتی تھی، افواج مصروف میں شامل نہیں ہیں۔ خدیو کا یہ فرض تھا کہ جنگ کی صورت میں وہ ایک امدادی فوج مہیا کرے مگر اس کی کوئی وقعت نہیں ہے اس لئے کہ انگریز اسی طرح جیسا کہ انھوں نے ۱۸۷۷ء میں اس وقت کیا تھا جبکہ ایک مصری دستہ نے شہزادہ حسن پاشا پسر اسمٰعیل پاشا کے زیر قیادت محمد علی پاشا کی فوجوں پر حملہ کر دیا تھا خدیو کو کبھی یہ اجازت نہیں دیں گے کہ مصر سے ترکی کو فوج بھیجی جائے۔

سر عسکر افواج کا سالار اعظم ہے۔ جن کے متعلق تمام قسم کی ہدایتوں اور انتظاموں کا اسی سے تعلق ہے ۱۹۰۹ء میں فرانسیسی نمونہ پر ایک اعلیٰ مجلس حربیہ قائم کی گئی تھی۔ اسکو انور پاشا نے اپنے وزیر حرب مقرر ہونے کے دوسرے دن ہی جنوری کو برخاست کر دیا۔ توپ خانہ، انجینیر اور ذخائر آلات جنگ توپ خانہ کے سردار اعلیٰ کی نگرانی میں ہیں، جس کو ابتداءً سلطان نامزد کرتا تھا اور جو ایک حیثیت سے ویسا ہی اہم وزیر جنگ ہوتا تھا جیسا کہ سر عسکر۔ قانون اساسی کے نفاذ کے بعد سے اس کا مرتبۂ وزارت باقی نہیں رہا ہے اور

وہ وزیر حرب کا ماتحت کا قرار دیدیا گیا ہے۔ تمام جنگی فوجیں رجمنٹوں میں منقسم ہیں۔ ہر رجمنٹ یا تو ایک مارشل کی کمان میں ہے یا ڈویژنل جنرل کی۔ رجمنٹ کے اسٹاف کے ماتحت فنون جنگ ہیں اور کونسل یا اردو سینوم مجلس (Ordoucinum Mejliss) سے انتظامی امور کا تعلق ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جنرل اسٹاف ہی خود تمام قسم کے انتظام کرتا ہے اس لئے کہ ہر رجمنٹ میں اسٹاف کی تعداد ناکافی اور جرمنی کے فوجی وفد نے جو افسر تیار کئے ہیں ان کی تعداد محدود ہے۔ ردیف کا ایک علیحدہ اسٹاف ہے جو پورا ماہر فن ہے۔ جنگ قریم کے بعد ۱۸۰۰ء تک عثمانی فوج کے افسروں کی ٹریننگ کے لئے قسطنطنیہ میں ایک فرانسیسی فوجی وفد رہتا تھا۔ اس خطرناک سال کے مصائب کے بعد اس وفد کو علیحدہ کر دیا گیا۔ عبدالحمید ابتداءً جرمنی کا ویسا ہی طرفدار نہیں تھا جیسا کہ وہ بعد میں جرمنی کو یورپ کی سب سے زبردست طاقت تصور کر کے ہو گیا تھا۔ بلکہ اس نے فرانسیسی حکومت سے یہ درخواست بھی کی تھی کہ ایک فوجی وفد اسی طرح پھر قائم کر دیا جائے جیسا کہ اس کے باپ عبدالمجید اور اس کے چچا عبدالعزیز کے زمانے میں تھا۔ لیکن پیرس میں یونان کی حمایت کے مبالغہ آمیز جوش میں سلطان کی تجویز کو مسترد کر دینے کی شدید غلطی کا ارتکاب کیا گیا۔ اور فرانس نے یونانی فوج کی تنظیم کے لئے امیرالبحر لقرن اور جنرل دوسیر کو یونان بھیجا۔ عبدالحمید کو فرانس کا یہ طرز عمل بہت کچھ ناگوار گذرا۔ پرنس رزی ول (Radziwill) جانتا تھا کہ اس ناگواری سے کس طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۸۲ء میں فوج کی تنظیم جدید کی تکمیل میں مدد دینے کے لئے جرمنی سے حکومت عثمانیہ نے درخواست کی۔

مارشل وان مولٹکے (Moltke) ایک وفد بھیجا جس میں کرنل کوہلر (Kohler) رسالہ کی تنظیم کے لئے، میجر دتی اب بھی رسالہ کی تنظیم کے لئے، میجر ڈی ریستو توپ خانہ کی تنظیم کے لئے، اور میجر کمفو ونر پلٹن کی تنظیم کے لئے قسطنطنیہ آئے۔ ایک سال کے بعد کرنل گولٹز (Goltz) کو بھی اس وفد میں شریک کر دیا گیا اور کرنل کوہلر کے انتقال کے بعد یہ شخص اس وفد کا سردار بنا دیا گیا۔ کوہلر پاشا اس لئے کہ تمام جرمن افسروں کو بلا لحاظ (۰۰۰,۴۰) فرانکس سالانہ کے جوان کو ادا کئے جاتے تھے، سلطان نے پہلے بریگیڈیر جنرل اور پھر ڈویژنل جنرل کا رتبہ عطا کر دیا تھا) کی ۱۸۸۳ء کی رپورٹ میں (۲۳۵) بٹالینیں، (۱۹۹) اسکواڈرن، (۱۳۰) بیٹریاں اور (۶) بٹالینس آف پیاتیرس ظاہر کی گئی تھیں جرمن وفد

کی تنظیم جدید کی اسکیم نے لائٹ انفنٹری کی (۸) بٹالینوں، سواروں کے (۱۴۱) اسکواڈرنوں، ایک سپلائی کور کے قیام، افسروں کی ایک محفوظ فوج اور معروف اشتیت (Ichtidt) کی ایک محفوظ فوج کا اور مطالبہ کیا۔ اس اسکیم کے مطابق آرمی کورس کی تعداد (۱۴) تک بڑھا دی جانے والی تھی، لیکن یہ جرمن اسکیم کبھی نافذ نہ ہوسکی۔

جنگ بلقان سے قبل کاغذات میں قابل جنگ فوج کی تعداد (۱ ۱/۲) ملین ظاہر کی جاتی تھی[1]۔ مگر فی الحقیقت مشکل سے (۸,۰۰,۰۰۰) فوج ان لوگوں کو منہا کرنے کے بعد باقی رہ جاتی تھی، جن کی کبھی کوئی ٹریننگ نہیں ہوئی تھی اور جن کا وجود صرف کاغذات میں (۶۶۶) علاوی بٹالینوں (زائد بٹالینوں) کے ایک بڑے حصے کی جس کے منجملہ (۱۲۰) جو یورو پین ترکی کے لئے تھیں، قائم ہی نہیں ہوئی تھیں اور ردیف کی (۳۲) کیویلری رجمنٹس کی حیثیت سے ظاہر کیا گیا تھا، جن میں سے صرف (۱۵) قائم ہوئی تھیں۔

ترکی (۷) اُردوؤں یا فوجی حدود پر منقسم تھی۔ دو خود مختار ڈویژنیں اس کے علاوہ تھیں۔ ساتویں اردو (یمن) اور حجاز اور طرابلس کی دو خود مختار ڈویژنوں کا اس میں شمار نہیں کرنا چاہیئے صرف اس لئے کہ فوج کی بھرتی میں ان سے کوئی امداد نہیں ملتی تھی بلکہ اس لئے بھی کہ ان کے لئے دوسری حدود سے فوجوں کو علیحدہ کرلنے کی ضرورت

میزان (۱۶,۹۴,۰۰۰)

[1] فوج معروف یا نظام .... (۴,۰۴,۰۰۰) آدمی۔
" محفوظ یا ردیف .... (۶,۰۰,۰۰۰) " ۔
علاوی (Ilavi) .... (۳,۵۰,۰۰۰) " ۔
مقبوضاتی یا مستحفظ .... (۱,۰۰,۰۰۰) " ۔
کل (۱۴,۵۴,۰۰۰) " ۔

اس میں حسب ذیل سرکاری اعداد کا اضافہ ہوا۔
مستحفظ فوج محفوظ .... (۱,۰۰,۰۰۰) "
رسالہ حمیدیہ .... (۶۰,۰۰۰) "
طرابلی افواج بے قاعدہ ...... (۴۰,۰۰۰) "
البانی والنٹیرز .... (۴,۰۰۰) "

ہوتی تھی۔ اصول یہ تھا کہ جنگ کے زمانے میں بقیہ (۶) اردو علیحدہ علیحدہ طور پر چار چار آرمی کور مہیا کریں۔ (۱) نظام کی؛ (۲) ردیف کی؛ اور (۱) مستحفظ کی۔ آخر الذکر کا چونکہ قیام عمل میں نہیں آیا تھا اس لئے اس کا صرف ضابطہ کی پابندی کے لئے تذکرہ کیا گیا تھا۔ ردیف کا جہاں تک تعلق تھا بعض حدود میں دوسری مدر ردیف کی فوجوں کا اب تک قیام بھی اچھی طرح عمل میں نہیں آیا تھا۔ نظام آرمی کور طبیعی طور پر حسب ذیل اجزا پر مشتمل تھی۔

انفنٹری کی (۲) ڈویژنیں؛ دو رجمنٹوں کے (۲) بریگیڈ؛ چار بٹالینوں کا (۱) برائگیڈ اور لائٹ کیولری کی ایک بٹالین؛ تقریباً (۱۷) بٹالینین؛ کیولری کی (۱) ڈویژن اور پانچ اسکواڈرنوں کی (۲) رجمنٹوں کے منجملہ ہر رجمنٹ کے (۳) بریگیڈ؛ تقریباً (۳) اسکواڈرن؛ (۶) بیٹریوں کی (۲) سیکشن والی (۲) رجمنٹوں میں سے ہر رجمنٹ کے (۲) آرٹلری بریگیڈ اور (ماؤنٹیڈ) آرٹیلری کا (۱) سیکشن اور (۳ بیٹریاں) جملہ (۵۱) بیٹریاں۔

مقدونیہ کے واقعات نے اس تنظیم کو کالّا درہم برہم کر دیا۔ چنانچہ ۱۹۰۸ء میں اکتوبر میں جب ترکی اور بلغاریہ کے مابین لڑائی کا خدشہ پیدا ہوا تو اس وقت سیکنڈ آرمی کور (اورنہ) میں صرف (۴) انفنٹری ڈویژنین؛ (۳) بریگیڈ (۱/۲ ۱) کیولری کے (۵۲) بیٹریاں (حملے کی)؛ (۳) ماؤنٹیڈ بیٹریاں اور (۶) توپوں کی بیٹریاں تھیں؛ تھرڈ آرمی کور سالونیکا ایک حقیقی فوج بنگئی تھی، جس میں (۷) ڈویژنیں (۱/۲) انفنٹری کی؛ (۲) بریگیڈ؛ (۱/۲) کیولری؛ (۷۰) حملہ کن یا پہاڑی بیٹریاں؛ (۶) توپ بیٹریاں اور (۳) ماؤنٹیڈ بیٹریاں تھیں۔

ایک بٹالین کی جملہ تعداد (۱۰۰۰) آرمی ہے؛ جن میں افسر؛ نان کمیشنڈ افسر اور سپاہی تھے اور ایک کیولری اسکواڈرن کا (۱۲۰) آدمی؛ لیکن یہ تعداد کبھی پوری نہیں ہوتی ہے۔ ترکی اور یونانی جنگ کے زمانے میں سب سے زیادہ زبردست بٹالینین مشکل سے (۸۰۰) ہونگی۔ کیولری میں بہت کم (۸۰) آدمی تھے، جس کی وجہ گھوڑوں کی کمی تھی۔ یہ بظاہر ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ترکی میں گھوڑوں کی اعلیٰ نسل کے باوجود، رسالے اور توپ خانے کے لئے ہنگری اور روس سے گھوڑے منگائے جاتے ہیں۔ یہاں یہ لوگ متوسط قسم کے جانور گران قیمت پر خریدتے ہیں۔ کچھ سال ہوئے ترکوں نے یہ خیال کیا کہ مطلوبہ گھوڑے اپنے ہی ملک سے حاصل کر لئے

جایا کریں۔

خریداری کا طریقہ حسب ذیل ہے :۔

فوجی اور سول افسروں اور عہدہ داروں کے مشترکہ کمیشن اضلاع کا سفر کرتے ہیں اور ایسے گھوڑوں کا مطالبہ کرتے ہیں، جو فوجی کاموں کے لئے مناسب ہوں۔ معاوضے میں مالکوں کو معمولی قیمت (basfieh) دیدی جاتی ہے جو گھوڑے کی ثلث یا ربع قیمت کے برابر ہوتی ہے۔ یہ تمسک، جیسا کہ ہر شخص جانتا ہے، کبھی ادا نہیں کیا جاتا، لیکن عاصل کی ادائی میں یہ حکومت کو واپس کیا جاسکتا ہے۔ جو گھوڑے اس طرح حاصل کئے جاتے ہیں ان کو ضرورت کے وقت فوجی اغراض کے لئے منگا لیا جاتا ہے، مگر ان کے مالک ان کے دانے وغیرہ کے اخراجات ادا کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اس قسم کے گھوڑے کو فروخت کر دیتا ہے تو اس کو اس کی دگنی قیمت اور (۱۵) ترکی پاونڈ کا جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔

اب تک جتنی لڑائیاں ہوئی ہیں ان سب میں حکومت نے بے قاعدہ فوجوں سے کام لیا ہے اور یہی عثمانیہ فوج کا رسالہ ہے۔ یہ باشی بزوک لوگ دو فرقوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ایک چرکس اور دوسرے کرد، جن میں سب کے سب نہایت عمدہ سوار ہوتے ہیں۔ معاہدہ برلن میں ترکی کو اس امر کی ممانعت کر دی گئی تھی کہ وہ کسی صورت میں بھی یورپ میں چرکسوں سے کام نہ لے، لیکن جب کبھی ضرورت ہوتی ہے باب عالی کو اس معاہدہ سے انحراف کرنے میں ذرا بھی پس وپیش نہیں ہوتا۔ چنانچہ ۱۹۱۲-۱۳ء کی لڑائی میں بھی ایسا ہی کیا گیا تھا۔ اب رہے کرد تو ان کو ولایت ہائے موصل اور بغداد کے بعض جاہلی عربی قبیلوں کے ساتھ فوج میں بھرتی کیا جاتا ہے حمیدیہ رجمنٹوں میں، جنکی تعداد (۸۰) سکواڈرن ہے، بالعموم یہی لوگ ہیں، جو روس کے خلاف جنگ کے واقع ہونے کی صورت میں نہایت ہی قابل قدر کن ٹن جنٹ کا کام دیں گے۔

اس ہنگامہ آفریں فوج کو یورپ میں لانا مشکل ہے جس کی سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ اس سے بے انتہا اخراجات عاید ہوتے ہیں اور پھر دوسری وجہ یہ ہے کہ کردی سردار اپنے آدمیوں کو روانگی جانے کی اجازت دینے میں بہت کچھ پس وپیش کرتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ان کی طاقت کمزور ہوگئی تو پھر حکومت عثمانیہ، جو ان کی خوشامد درآمد اور انہوں

کو ان کے لئے ایک صید زبوں تباد ینے کے باوجود اس کوشش میں ہے کہ خود مختاری کے آخری دن ان سے چھین لے اور ان کے اختیارات خود انتظامی کو غصب کر لے، ان کے ساتھ جیسا چاہے گی سلوک کرے گی۔ لہٰذا ایسی صورت میں عثمانی رسالہ کی امداد کے لئے باشی بزوک سے کوئی توقع رکھنا عقلمندی کا کام نہیں ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ یہ چرکس اور کرد اس میں شک نہیں کہ انفرادی حیثیت سے نہایت دلیر اور نہایت عمدہ سوار ہیں مگر جنگ کے متعلق معمولی سی معمولی باتوں سے بھی ناواقفیت رکھنے کی وجہ سے اور اپنی اور شوق غارت گری کی بنا پر دنیا کے بدترین سپاہی ہیں وہ صرف اس لئے لڑتے ہیں کہ مال غنیمت ان کو حاصل ہو لیکن اگر اس میں بہت زیادہ خطرات کا احتمال ہو تو وہ بالکل نہیں لڑتے۔ اپنے ملک سے دور ہو جانے کے بعد وہ کسی کام کے نہیں رہتے؛ انتہا یہ ہے کہ اسکاؤٹنگ بھی نہیں کر سکتے۔

گزشتہ جنگ میں اس بیان کی صداقت کے متعلق ثبوت مزید بہم پہنچ چکا ہے۔ اس موقع پر کردستان سے صرف (۴) سے (۵) ہزار تک والنٹیر حاصل ہو سکے تھے۔

توپیں جرمن کارخانہ کروپ سے حاصل کی جاتی ہیں۔ جرمنی بھی پلٹن کے لئے رائفل اور رسالے کے لئے قرابینیں مہیا کرتا ہے۔ عثمانی فوج میں ۷ م م (7mm) تیر (calibre) (۶۵) اور (۵ ۶ ۹) کا ماؤسر (Mauser) (راؤنڈ ٹیوب میگزین ۵) کارتوس اور (۹) کارتوس) استعمال کیا جاتا ہے۔

ترکی سپاہی میں وہ تمام ضروری خوبیاں ہوتی ہیں، جو ایک اعلیٰ درجے کے سپاہی میں ہونی چاہئیں۔ یہ لوگ بہادر، سلیم الطبع، صابر ہوتے ہیں۔ تھکن اور تکلیفوں کے برداشت کرنے کی ان میں خاص صلاحیت ہوتی ہے اور یہ احکام کی اندھا دھند تعمیل کرتے ہیں۔ عثمانی فوج میں جنرل افسروں کی کمی نہیں ہے بلکہ سب آلٹرنس اور نان کمشنڈ افسروں کی کمی ہے۔ امیر البحر ژوریاں دے لاگراوئیر کا بیان ہے کہ ترکی سپاہی میں بہت سی فوجی خوبیاں ہیں۔ جس دن اس سپاہی کو تعلیم یافتہ اور خود دار افسر مل گئے وہ دنیا کو حیرت میں ڈال دیگا۔ ترکی کی فوجی تنظیم میں متوسط طبقہ مفقود ہے اس لئے کہ عثمانی سوسائٹی میں متوسط طبقے کا وجود ہی نہیں ہے صرف معاشرتی اصلاح کے بعد سلطانی افواج کے لئے ایسے افسر مہیا ہو سکتے ہیں، جن پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔"

اب تک ترکی میں افسروں کی ترقی کے لئے کوئی قانون وضع نہیں کیا گیا ہے اور حکومت کو قانون اسٹاف کا نام سنکر تعجب ہوتا ہے۔ رینک جائیداد کی حیثیت نہیں رکھتی اسلئے کہ بغیر کسی وجہ یا قانونی فیصلے کے اس کو افسروں سے چھین لیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اس کا ثبوت وہ کثیر التعداد جنرل ہیں، جن کو عبدالحمید کے زمانے میں اس کے احکام پر جلاوطن کیا گیا تھا۔ یا جن کا تنزل کر دیا گیا تھا۔ حکومت دستوری نے بھی جس نے مطلقیت کی بے جا حرکتوں کے خلاف اس قدر احتجاج کئے تھے اس معاملے میں وہی طریقہ اختیار کیا ہے، جو عبدالحمید نے اختیار کیا تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ انھوں نے اپنے "مدارج اعلیٰ کی بریت" کے متعلق تفنیس قانون سے، جو پارلیمنٹ کا منظور کردہ ہے اکو ایک جوازکی صورت عطا کردی ہے۔

ان رسوائے عالم بیجا افعال کا عذر رکھ کر، جن کا عبدالحمید کے زمانے میں دور دورہ تھا جبکہ یلدیزی محبوبوں کے بیٹے ابھی مدارس ہی میں ہوتے تھے کہ سپہ سالار بنجاتے تھے، پارلیمنٹ نے تمام رینکوں کی نظر ثانی اور تمام افسروں کی رجعت کا تصفیہ کیا، جن میں عام اس سے کہ انھوں نے کیسی خدمات کیوں نہ انجام دی ہوں، وہ قدامت موجود نہیں تھی جو چیمبر کے مقررہ کمیشن نے ہر گریڈ کے لئے معین کی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پے در پے تاانصافیاں ہونے لگیں۔ مارشل شکری پاشا کا دویژنل جنرل کے عہدہ پر تنزل ہوگیا۔ سرعسکر محمود شوکت پاشا کو فرسٹ فیلڈ مارشل (برنجی فریق) کے درجے سے ہٹاکر ڈویژنل جنرل بنا دیا گیا۔ علی رضا پاشا کا بریگیڈیر جنرل کے عہدہ پر تنزل ہوگیا۔ برنجی فریق (birindji ferik) محمود مختار پاشا فرسٹ آرمی کور کا کمانڈر ان چیف، پرتو (Pertew) پاشا، جنرل چیف آف اسٹاف، اور ڈویژنل جنرل، صالح پاشا، وزیر حربیہ سب کا کرنل کی رینک پر تنزل ہوگیا۔ نیازی بے اور انور بے میجر کی بجائے کپتان بن گئے۔ اگر ان افسروں کے ساتھ، جنھوں نے حکومت دستوری کو از سر نو قائم کیا تھا اور جن کی تلواروں نے مدبرین کی غلطیوں کی تلافی کردی تھی، پارلیمنٹ نے ایسا سلوک کیا تو پھر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ دوسرے افسروں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا گیا ہوگا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ فوج سے ایسے مفت خوروں کو نکال دینے کی قطعی ضرورت تھی، جو حشرات الارض کی طرح جمع ہوگئے تھے لیکن تمام افسروں کے گریڈس میں دست درازی کئے بغیر بھی ایسا ہو سکتا تھا۔ ترکی میں انقلاب زوروں پر ہے (اسلئے کہ یہ انقلاب ابھی ابھی شروع ہوا ہے) اور انقلاب کے زمانے میں

انقلابی طریقے پر ہی عمل پیرا ہونا چاہئے تاکہ ایسا نہو کہ خود انقلاب ہی سب کو ہضم کر جائے عبدالحمید کے سابقہ چہیتوں ہی کا تنزل کر دینا کافی تھا۔ اگرچہ ایسا کرنا ناجائز ہوتا لیکن اس سے پہلے بہت سی ناجائز باتیں کی جاچکی تھیں اور ان میں سے کسی نے بھی ان پر اعتراض نہیں کیا تھا، جو قانون کے نہایت محتاط پاسداروں میں شمار کئے جاتے تھے۔ مثلاً وہ عہدہ دار جن کو کورٹ مارشل میں تحقیقات کے بعد بری کر دیا گیا تھا جیسے کہ حجاز کا سابق والی راطب پاشا یا وہ لوگ، جن کے مقدمات کا فیصلہ نہ کرنے کی ضرورت تھی مثلاً مارشل رضا پاشا، سابق وزیر حربیہ اور مارشل ذکی پاشا، توپ خانہ کا سابق سردار اعلیٰ جن کو ایک معمولی سی انتظامی تدبیر سے کام لیکر جلا وطن کر دیا گیا تھا اور ان کال واسباب ضبط ہو گیا تھا۔ مقصد تو نرمی کے ساتھ بھی پورا ہو سکتا ہے۔ اگر ان سے لوگوں کو یہ معلوم ہو جاتا کہ حکومت کو ان کا اخراج مطلوب ہے تو یہ سب کے سب اپنی خدمات سے مستعفی ہو جاتے اور پھر ان کو اس امر کی خوشی بھی ہوتی کہ اتنی آسانی کے ساتھ چھٹکارا مل گیا۔ مگر کیا گیا تو یہ کہ پوری کی پوری فوج کو ملزم قرار دیدیا گیا۔

اسٹاف اور سب سے بڑھکر ہائی کمانڈ پر نوجوانوں کا تقرر ایک ایسا فوجی مسئلہ ہے، جو ہر جگہ پیش آتا ہے۔ پارلیمنٹ نے بہرحال وزیر حربیہ اور جنرلوں سے مشورہ کئے بغیر ایک مسودہ قانون کو منظور کر لیا، جس کی رو سے ترقی قدامت پر منحصر ہو گئی۔ مدرسہ حربیہ سے آنے والا افسر (۶۵) برس کی عمر سے پہلے ڈویژنل جنرل کا گریڈ نہیں پا سکتا۔ یورپ میں (۶۵) برس کی عمر ہو جانے پر وظیفہ ملجاتا ہے۔ گویا نان کمیشنڈ افسر کو افسر بننے کی کوئی توقع نہیں ہے۔ اب رہے وہ افسر جو رینکس سے آتے ہیں (پیدل اور سوارہ فوج میں کم سے کم (۸۰) فیصدی ہیں) تو ترقی کے متعلق ان کی امیدیں بھی منقطع ہو گئی ہیں۔ ہائی کمانڈ ایک معراج ہے کہ جس کو وہ دیکھ سکتے ہیں مگر جوان کو کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ڈویژنل افسر بننے کے لئے افسروں کے گریڈ میں (۶۵) سے (۱۷) سال تک رہنے کی ضرورت ہے اور اس مدت کے ختم ہونے تک وہ ستّر کے لگ بھگ ہو جائینگے۔

اس خلاف مصلحت قانون سے فوج میں ایک عام صدائے احتجاج بلند کی گئی۔ کیونکہ اس سے سب کے حقوق مجروح ہوتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان افسروں نے بھی اس قانون کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تھا جو اس رجعت قہقری کے نہایت ہی ناجائز طور پر شکار ہو گئے تھے۔ بلکہ ان لوگوں نے ظاہر داری کے لئے یہ اعلان بھی کر دیا تھا کہ وہ نہایت خوشی سے پارلیمنٹ

کے فیصلوں کو قبول کرلیں گے۔ وطن کی محبت میں اپنے اثیار کا انھوں نے یہ ایک عظیم الشان ثبوت دیا تھا۔ ان کو یہ خدشہ تھا کہ اگر اس کے خلاف احتجاج کیا گیا تو اس سے حکومت دستوری کے قیام میں رخنہ پیدا ہو جائیگا، جس کی کامیابی کو وہ متیقن کردینا چاہتے تھے۔ تاہم وہ اس کو نہایت ناگواری کی نظر سے بھی دیکھتے تھے۔ ذیل میں ایک خط کا اقتباس درج کیا جاتا ہے، جو عساکر عثمانیہ کے ایک نہایت ہی سربرآوردہ سردار نے مجھے لکھا تھا۔ یہ ایک ایسا خط ہے، جس سے افسروں کے جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔

"فوجوں میں" جو زمانہ اور تجربہ کا اتصال کرتی ہیں، ایک خاص نقطہ تک قدامت کا قانون نافذ ہونا چاہیئے ہمیں یقین ہے کہ آیندہ ہم اسی حالت میں رہینگے لیکن اسوقت تک فوج کو سب سے زیادہ عمر رکھنے والوں کی ضرورت باقی نہیں رہے گی بلکہ اس کو نہایت ہی قابل سرداروں کی ضرورت ہوگی۔ ان افسروں سے پیچھا چھڑانے کے ایک معقول خیال سے منتج ہوکر، جن کے ناموں اور کاموں میں کوئی مناسبت نہیں تھی یا جو اس رینک کے شایاں نہیں تھے، جو انھوں نے اپنے رسوخ سے حاصل کرلی تھی، یہ قانون حسد اور نفرت کے جذبات کا صرف ایک آلۂ تکمیل بنکر رہ گیا ہے۔ اس نے ایک نہایت ہی گندہ پہلو اختیار کرلیا ہے، جس سے ہر شخص شدت کے ساتھ متنفر ہے۔ بہرحال اسی قانون کے خلاف ہر تحریک کو، جو نیچے سے پیدا ہو، تمام فوجی انتظام کو درہم برہم کردینے کے لئے لازمی طور پر اپنا رخ پھیر دینا چاہیئے۔

آفیسرز کو ہمیں اب صرف کومبرہانی اور پنکالدی (Coumbarhane & Pancaldi) کے فوجی مدرسوں کے طلباء کو بھرتی کیا جاتا ہے۔ ان مدرسوں میں پہلے مدرسہ میں انجنیر اور توپ خانہ کے افسر تیار کئے جاتے ہیں اور دوسرے میں پیدل اور سوارہ فوج کے اور اب اب اسٹاف افسر بھی تیار ہونے لگے ہیں۔

آرٹیلری اسکول، جس کی مصطفےٰ ثالث کے عہد میں بیرون دے توت نے بنیاد قائم کی تھی، ابتدائً کاغذ خانہ دیورتپ کا آب شیریں بر کے مقام پر تعمیر کیا گیا تھا۔ سلیم ثالث اور محمود نے اس کی جدید تنظیم کی تھی اور پھر اس کو گولڈن ہارن میں کمبرہانی کے مقام پر مسجد آیوبی کے سامنے منتقل کردیا گیا تھا۔ جنگ روس و ترکی کے آغاز کے وقت اس کو توڑ دیا گیا تھا اور مدرسہ پنکالدی میں ضم ہو جانے کے بعد ۱۸۳۰ء میں اس کو دوبارہ

قائم کرکے کبرہاتی میں مستقل طور پر منتقل کر دیا گیا۔ طلباء (۱۵) سال کی عمر میں داخل ہوتے ہیں، چار سال کا زمانہ ابتدائی جماعت میں گزارتے ہیں، (۲) سال جماعت اعلیٰ میں اس کے بعد ان کو سب لفٹنٹ بنا دیا جاتا ہے اور ایک سال کی مزید تکمیل تعلیم کے بعد یہ لوگ لفٹنٹ کی رینک حاصل کرکے مدرسہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جماعت ادنیٰ کو معمولی سپاہیوں کی تنخواہ بحساب (۳۰) پیاسٹر ماہانہ ملتی ہے۔ جماعت اعلیٰ کے سال اول میں کارپورل کی تنخواہ بحساب (۵۰) پیاسٹر ماہانہ اور سال دوم میں نان کمیشنڈ افسر کی تنخواہ بحساب (۷۰) پیاسٹر ماہانہ دی جاتی ہے۔ یہ مدرسہ ایک ڈویژنل جنرل کا ماتحت ہوتا ہے اور اس کا تعلق توپ خانہ کے سردار اعلیٰ سے ہے۔ سنہ ۱۸۷۰ء تک یہ فرانسیسی افسروں کی نگرانی میں تھا۔ یہ ترکی کی بہترین فوجی تعلیم گاہ ہے اور اس نے جماعت اصلاحی کے لئے اس کے نہایت ہی نامور قائد اور نہایت ہی فدائی سپاہی مہیا کئے ہیں۔ پنکالدی کے مدرسہ میں بھی طلباء (۱۵) سال کی عمر میں داخل ہوتے ہیں، (۴) سال جماعت ادنیٰ میں اور (۲) سال جماعت اعلیٰ میں گزار کر سب لفٹنٹ کی رینک حاصل کرکے مدرسہ سے چلے جاتے ہیں۔ جن لوگوں کو اسٹاف کے لئے نامزد کر دیا جاتا ہے وہ ایک سال اور تعلیم حاصل کرتے ہیں اور کپتان کی رینک لیکر مدرسہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اس مدرسہ سے ہر سال جنرل اسٹاف کے لئے (۱۵) کپتان، پیدل فوج کے لئے (۶۰) سے (۹۰) تک اور سوارہ فوج کے لئے (۴۰) سے (۸۰) تک سب لفٹنٹ نکلتے ہیں:

ان دو بڑے مدرسوں کے علاوہ سلطنت میں (۱۵) مدرسے اور بھی موجود ہیں جن میں سے کچھ قدیم ہیں اور کچھ جدید۔ یہ مدرسہ حسب ذیل ہیں:-

(۱) پیدل فوج کے نان کمیشنڈ افسروں کا مدرسہ یلدیز میں اور باشکطاش میں تین بٹالین۔

(۲) بیروت کا نان کمیشنڈ افسروں کا مدرسہ، جو دو کمپنیوں کی ایک بٹالین پر مشتمل ہے۔

(۳) ایک دوسرا مدرسہ اسی حیثیت کا ارزنجان میں بھی ہے۔

(۴) ایک اور مدرسہ جو حال ہی میں بغداد میں قائم کیا گیا ہے اور جو دو کمپنیوں کی ایک بٹالین پر مشتمل ہے۔

(۵) نان کمیشنڈ افسروں کی، جن کو ان سپاہیوں میں سے لیا جاتا ہے، جو لکھ پڑھ سکتے ہیں، ایک ماڈل بٹالین۔

(۶) نان کمیشنڈ افسروں کی ارزنجان کے مقام پر ماڈل بٹالین، جو حال ہی میں قائم کی گئی ہے۔

(۷) بغداد میں نان کمیشنڈ افسروں کی ماڈل بٹالین۔

(۸) ہیدر پاشا میں محفوظ فوج کے افسروں کا مدرسہ۔

(۹) ملتاپہ میں مدرسۂ شوٹنگ۔

(۱۰) داؤد پاشا میں سوارہ فوج کے افسروں کا کیمپ۔

(۱۱) ایاز آغا کوشک میں سوارہ فوج کے نان کمیشنڈ افسروں کا مدرسہ۔

(۱۲) قسطنطنیہ کے مقام پر رامیس بارکوں میں توپوں سے حملہ کرنے کی تعلیم کا مدرسہ۔

(۱۳) سطرتیس چفلق میں سوارہ توپ خانہ (ماؤنٹیڈ ارٹیلری) کا مدرسہ۔

(۱۴) کاغذ خانہ میں توپ خانہ کے نان کمیشنڈ افسروں کا مدرسہ۔

(۱۵) رامیس میں پیدل توپ خانہ کے نان کمیشنڈ افسروں کا مدرسہ۔

(۱۲) سے (۱۵) نمبر تک جن مدرسوں کا تذکرہ کیا گیا ہے ان میں متعدد بیٹریوں کا اضافہ ہو گیا ہے۔

سنہ ۱۹۱۰ء سے عثمانی فوج کی تنظیم جدید فیلڈ مارشل فان ڈیر گولٹز (Goltz) کی مرتبہ ایک اسکیم کے مطابق عمل میں لائی جا رہی ہے۔ اردوؤں (فوجی حلقوں) میں فوجوں کی تقسیم کا طریقہ اسی طرح بحال رکھا گیا ہے اور صرف صف آرا افراد کو کامل طور پر تبدیل کر دیا گیا ہے۔ سات اردوؤں کی بجائے پہلے حسب ذیل تیرہ اردو تھے:۔ یورپ میں:۔ پہلا مستقر افواج، قسطنطنیہ؛ دوسرا ادرنہ؛ تیسرا قرق قلاسی؛ چوتھا ادرنہ؛ پانچواں سالونیکا؛ چھٹا منستیر؛ ساتواں کسادہ۔ ان کے علاوہ سقوطرہ، کرزانہ اور جنینہ میں تین خود مختار ڈویژنیں بھی ہیں۔ ایشیا میں:۔ آٹھواں دمشق؛ نواں ارزنجان؛ دسواں ارض روم؛ گیارھواں خان بھوجل؛ تیرھواں بغداد، یمن کو اور حجاز کی خود مختار ڈویژن اس کے علاوہ ہیں۔ ہر آرمی کور میں دو یا تین ڈویژنیں ہوتی تھیں اور ہر ڈویژن تین بٹالینوں کی تین رجمنٹوں اور لائٹ کیولری کی ایک رجمنٹ پر مشتمل ہوتی تھی۔ گویا (۱) جنگی اور (۳) رنگرد ٹوں یا محفوظ فوج کی بٹالینیں ہوتی تھیں جو یقینی طور پر

اتنی عمدہ نہیں تھیں۔ بریگیڈ ایک بھی نہیں تھا اور تیرہ بٹالینیں راست جنرل آف ڈویژن کی کمان میں تھیں۔ یہ دراصل ایک ثلاثی نظام تھا مگر اس میں کوئی بہت اچھی ترمیم نہیں ہوئی تھی۔

جس زمانے میں فن جنگ اور فتح کو علم ریاضی کے ذریعہ سے ظاہر کرنیکا فیشن تھا، تنظیم دوگونہ وسہ گونہ نے بہت سے کاغذ سیاہ کردیے تھے ۱۹۱۰ء میں لوگ اس طریقہ کو بالکل بھول چکے تھے جبکہ سین (Seine) کے مندوب موسیو میسیمی نے اس کو ازسرنو زندہ کیا اس لئے نہیں کہ یہ ایک بہترین طریقہ ہے بلکہ اس لئے کہ اس کی وجہ سے اسٹاف میں تخفیف اور موازنہ میں بچت ہوسکتی ہے۔ یہی وہ وجوہات ہیں جنھوں نے بظاہر جنرل وان ڈر گولٹز کو بھی اسی طریقے کے اختیار کرنے پر آمادہ کیا تھا۔

تنظیم سہ گونہ کے طریقے کی یقیناً حمایت کی جاسکتی ہے لیکن اس کی مدافعت میں جو اصطلاحی بحث کی جاتی ہے، وہ دلیل قاطع کی حیثیت نہیں رکھتی۔ تنظیم سہ گونہ کے حامیوں کا یہ کہنا ہے کہ موجودہ تنظیم دوگونہ میں آرمی کورس کے کمانڈر صرف طریقوں پر عمل پیرا ہوسکتے ہیں:۔ یا تو وہ اپنی دونوں ڈویژنوں سے محاذ پر کام لینگے، لیکن اس صورت میں ان کے پاس کوئی محفوظ فوج نہیں ہوگی یا پھر وہ ایک ڈویژن سے کام لینگے اور اس صورت میں ایک پوری کی پوری ڈویژن محفوظ رہے گی۔ برخلاف اس کے تنظیم سہ گونہ سے بہت زیادہ مشترک صورتیں قائم کی جاسکتی ہیں اور اسی لئے وہ مختلف حالات کے لئے زیادہ مناسب ہے۔ ہر طریقہ کو اسی قسم کے استدلال سے مناسب ثابت کیا جاسکتا ہے۔ اس معاملہ میں کوئی کامل نظام موجود نہیں ہے اور ہر نظام میں فائدے بھی ہیں اور نقصان بھی۔ دقت اس میں پیش نہیں آتی کہ کس طریقے کو اختیار کیا جائے بلکہ دقت اس میں پیش آتی ہے کہ کسی طریقے کو بہترین صورت میں کس طرح استعمال کیا جائے؟۔ نیپولین کو اس طریقہ پر اتنا بھروسا تھا کہ وہ اپنے افسروں کی قابلیت کو پیش نظر رکھکر اپنی فوجوں میں واقعات اور حالات کے لحاظ سے نہایت ہی مختلف و متبائن عناصر سے کام لیا کرتا تھا۔

موجودہ زمانے کی فوجوں کے اسلوب جنگ کے لحاظ سے اس طریقے سے بہترین نتائج مرتب نہیں ہونگے۔ آرمی کورس کے فرائض متعلقہ میں تبدیلی واقع ہوچکی ہے

کیونکہ اب اس کی ایک صف آرا فرد (strategic unit) کی حیثیت باقی نہیں رہی ہے اور یورپ میں اس کو ایک فوج سے بدل دیا گیا ہے۔ اس موخرالذکر کی تنظیم میں تغیر و تبدل ہوسکتا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ فرد ادنیٰ (inferior unit) کی تنظیم کو مستقل طور پر مشخص کر دیا جائے اور ایسا ہو جانے پر (گو اس کی اتنی اہمیت نہیں ہے جتنی کہ اس سے منسوب کی جاتی ہے) یہ ایک طبیعی امر ہوگا کہ انتہائی تدابیر اختیار کئے بغیر بہترین تنظیم حاصل کر لی جائے۔ تنظیم سہ گونہ کے طریقے میں خود کوئی خاص بات نہیں ہے لیکن فان دیر گولٹز کی اسکیم میں اس طریقے کی سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ یہ اپاہج تھا۔ ان تمام نتائج کو حاصل کرنے کے لئے جن کی اس سے توقع کی جاتی ہے اس امر کی لازمی طور پر ضرورت ہے کہ اس کے ساتھ تین معینہ ڈویژنوں میں جن میں سے ہر ڈویژن میں تین رجمنٹیں ہوں، آرمی کورس کا سہ گونہ قیام بھی عمل میں لایا جائے۔ لیکن ترکی آرمی کورس کے قیام کی صورت ہی دنیا سے نرالی تھی۔ یہاں (۲) ڈویژنیں تھیں تو وہاں (۳) اور تیسری جگہ (۸) اگر ڈویژنوں کا قیام سہ گونہ ہوتو فوجی رقبے کے لحاظ سے سہ گونہ اور دو گونہ قیام کے مابین آرمی کورس میں تغیر و تبدل واقع ہوگا۔ یہ واقعہ ہے کہ ترکی فوج کا یہ نظام فن صف آرائی کی غلط تعبیرات پر مبنی تھا جیسا کہ سنہ ۱۹۱۲ء کی لڑائی سے ثابت ہوجاتا ہے۔

لیکن فان دیر گولٹز کی اسکیم نے ایک اور مسئلہ پیدا کر دیا، جو ترکی کی فوجی حالت کے لئے بہت زیادہ اہم تھا۔ اس اسکیم کی بنا پر ردیف یعنی محفوظ فوج بالکل توڑ دی گئی، جس کے متعلق میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ اس کا اسٹاف علیحدہ تھا اور اس کی تنظیم جداگانہ تھی۔ فوری نتائج کے منجملہ اسٹاف کی تخفیف بھی ایک نتیجہ تھی، جس کا اثر مستقل مصروف فوج کی بہ نسبت ردیف میں بہت زیادہ محسوس کیا گیا تھا۔ فوج کی آراستگی کے وقت محفوظ فوج کے لئے اسٹاف کا فراہم کرنا ناممکن تھا۔ ترکی فوج میں اتنے تجربہ کار افسر نہیں تھے کہ ان کو تخفیف کر دیا جاتا بلکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ ان کی تعداد میں اور بھی اضافہ کیا جاتا[1]۔

سنہ ۱۳-۱۹۱۲ء کی تباہ کن جنگ کے بعد ترکوں نے اپنی فوج کی از سر نو ترتیب کی ضرورت

---

[1] سنہ ۱۹۱۰ء میں وزیر حربیہ نے پارلیمنٹ میں بیان کیا تھا کہ مصروف بٹالینوں میں صرف پانچ افسر ہیں۔

کو محسوس کیا۔

فیلڈ مارشل فان ڈیر گولٹز کی مداح سرائی اور اس امر کا اقبال کرتے ہوئے کہ انھیں یہ نہیں معلوم تھا کہ اس کی ہدایتوں سے کس طرح فائدہ اٹھایا جائے۔ انھوں نے نئے جرمن افسروں کا مطالبہ کیا۔ لیکن اس مرتبہ یہ تمام کارروائی ایک عظیم الشان پیمانہ پر کی گئی۔ ایک جرمن فوجی وفد کو جس کے ساتھ دسویں کور کی بائیسویں ڈویژن کے کمانڈر لفٹننٹ جنرل لیمان فان سانڈرز کی زیر سرکردگی ترکی فوج کی تنظیم جدید کا حکم دیا گیا۔ اس وفد میں (۶۰) سے (۸۰) تک تمام گریڈس اور آرمس سے افسر منتخب کرکے شریک کئے گئے تھے۔ اور اس کا مستقر کاسل تھا۔ لیکن یہ افسر صرف تعلیم ہی کے لئے نہیں آئے تھے بلکہ وہ رینک رکھنے والے افسر تھے اور فوجوں کی لڑائی میں کمان کرتے تھے۔ جنرل لیمان فان سانڈرز فرسٹ آرمی کور (قسطنطینیہ) کی کمان کرنے والا تھا۔ اس آرمی کور کے جنرل اسٹاف، ہر ڈویژن اور بریگیڈ اور اسی طرح ہر ڈویژن میں ہر رجمنٹ پر ایک جرمن افسر مقرر کیا جانے والا تھا۔ مختلف اسلحہ، قلعوں اور تفنگ بازی اور فوجی تعلیم سے متعلقہ مدارس کا مستقل معائنہ جرمن افسروں کو عطا کیا جانے والا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی طے پایا تھا کہ وزیر حربیہ جو جنرل اسٹاف کی سرداری کے علاوہ، جنرل اسٹاف کے فرسٹ سب چیف کے فرائض بھی انجام دیگا، جرمن افسر ہوگا۔ یہ دراصل قسطنطینیہ پر جرمنی کی فوجی گرفت ہے اور ترکی کے دارالسلطنت میں اس لحاظ سے ایک جرمن حلقۂ اثر قائم ہو چکا ہے۔

جیسا کہ ۱۹۰۹ء کے بعد روسی اور فرانسیسی جرائد میں اکثر بیان کیا جا چکا ہے: قسطنطینیہ کا گیریزن ترکی کے داخلی سیاسیات میں ایک عنصر غالب بنا رہا ہے۔ یہی حکومتوں کی فنا اور بقا کا ذمہ دار رہا ہے۔ جرمن چیف آف اسٹاف اور ایک جرمن جنرل کے ماتحت اس کی سیاسی غیر جنبہ داری کا یہ اثر ہوگا کہ انجمن ترقی و اتحاد اپنی طاقت کو مجتمع کرلے گی اور جرمنی کو اس امر کا موقع مل جائیگا کہ وہ جب چاہے گی اس اجتماع کا صلہ حاصل کرلیگی۔

روسی جرائد جرمن فوجی وفد پر نہایت شدید حملے کر رہے ہیں۔ چنانچہ ”نووفوجی نریمجہ“ (Novoja Vremja) لکھتا ہے کہ:- ”اقتدار اعلیٰ بظاہر سلطان کو حاصل ہے مگر دراصل ملک کی قسمتوں کی مالک فوج ہے بلکہ صاف بات یہ ہے کہ یہ عساکر قسطنطینیہ کا کمانڈر ہے“

جو ملک کی قسمت کا مالک ہے۔
سردار اعلیٰ جرمن ہوگا۔ اس کے ماتحت افسر یا تو جرمن ہونگے یا وہ ترک، جنھوں نے جرمنی میں تعلیم پائی ہے۔ قسطنطنیہ کا پورا گیریزن ایک جرمن آرمی کور بن جائیگا۔ کیونکہ اگر سپاہی فوج کا جسم ہے تو افسر اس کی روح ہے۔ اس لحاظ سے اصلی بادشاہ ایک جرمن لفٹنٹ جنرل ہوگا۔"

اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ ۱۸۷۸ء میں جب روسی فوج قسطنطنیہ کے دروازوں پر پہنچ گئی تو انگلستان نے روس کو یہ دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے شہر پر قبضہ کر لیا تو اس کو انگلستان سے جنگ کرنی پڑے گی، یہی مضمون نگار رقمطراز ہے کہ:۔
"آج قسطنطنیہ پر روسیوں کا قبضہ نہیں ہو رہا ہے بلکہ اس پر امپرر ولیم کی رعایا قبضہ کر رہی ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ انگلستان، جو اب ہمارا دوست ہو گیا ہے، بظاہر اس امر پر کوئی توجہ نہیں کرتا کہ یہ برلن کے برانڈن برگ گیٹ (Brandenburg Gate) کا ایک ڈٹاچمنٹ ہے، جو قسطنطنیہ میں باب عالی کی حفاظت کر رہا ہے"۔

ایک دوسرے مضمون میں اسی اخبار نے تحریر کیا ہے کہ:۔ "یورپین ڈپلومیسی حکمت عملی کے اس شدید انقلاب کو بے پروائی سے دیکھ رہی ہے، جو خاموشی کے ساتھ ترتیب دیا گیا ہے اور جس کی تعمیر کسی شور و شغب کے تکمیل کی جا رہی ہے۔ کفالا اور البانی سرحدوں کے متعلق مناقشے مباحثے اور پیچیدگیوں کے خطرے پیش آچکے ہیں۔
نوی بازار کی سنجک کے ایسے ہی اہم مسئلہ پر تقریباً جنگ واقع ہو چکی ہے تاہم ہم اب جبکہ یورپ کا ایک ایسے واقعے سے مقابلہ ہے، جس کے نتائج لامحدود ہیں وہ اس پر کوئی توجہ نہیں کرتی۔ یورپین ڈپلومیسی اس راز سے ناواقفیت کا بہانہ کر رہی ہے کہ ایک خودمختار اور آزاد ملک کا دارالسلطنت، قسطنطنیہ ایک حیثیت سے پوٹسڈم (Potsdam) کا سیاسی نواح بن رہا ہے۔ ترکی رجمنٹوں پر جرمن افسروں کی کمان سے وہی صورت حال پیدا ہو جائے گی، جو ہندوستان کی ہے۔ جہاں مقامی رجمنٹیں انگریزی افسروں کی کمان میں ہیں۔ ترکی ایک باقاعدہ جرمن نوآبادی کی حیثیت اختیار کرلے گی اور ترکی فوج جرمن فوج کی ایک آکزیلری کور (امدادی فوج) بنجائیگی۔
۱۳ دسمبر ۱۹۱۳ء کو شام کے ساڑھے پانچ بجے روس، انگلستان اور فرانس

کے تینوں سفیروں نے علیحدہ علیحدہ طور پر حسب ذیل الفاظ میں، جو ہو بہو ایک دوسرے سے مطابق تھے، وزیر اعظم سے ایک ہی قسم کے سوال کئے، جو مندرجۂ ذیل تین امور سے متعلق تھے۔

(۱) کیا در دانیال کے قلعوں اور افواج کا کمانڈر فرسٹ آرمی کور کی کمان، جو جنرل لیمان فان سانڈرز کو دی گئی ہے، اپنے ہاتھ میں لے گا؟

(۲) چونکہ قسطنطنیہ میں مارشل لا نافذ ہے اور استثنائی قوانین اور فوجی اقتدار کا نفاذ دار السلطنت میں فرسٹ آرمی کور کے کمانڈر سے متعلق ہے تو کیا ایسی صورت میں کہ مذکورہ بالا کمان جرمن جنرل کو دیدی جائے۔ یہی صورت حال باقی رہیگی؟۔

(۳) کیا ان اقتدارات سے، جو جرمنی کے فوجی وفد کو عطا کئے گئے ہیں، عثمانی خودمختاری پر کوئی اثر پڑیگا؟

اگر ان تینوں سفیروں کا اس نوٹ سے یہ مقصد تھا کہ تمام باتوں کا انسداد ہوجائے تو یہ ذرا بعد از وقت تھا اس لئے کہ جنرل لیمان فان سانڈرز اس وقت تک دس افسروں کے ساتھ قسطنطنیہ کو روانہ بھی ہوچکا تھا۔ وہ ۱۴ر دسمبر کو صبح کے دس بجے قسطنطنیہ پہنچ گیا۔

سعید پاشا حلیم نے اپنے ہر مستفسرین میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ طور پر یہ جواب دیدیا کہ چونکہ اس کے اس عمل سے سلطنت کی خودمختاری پر اثر پڑنے کا اندیشہ ہے اس لئے وہ ان کو سرکاری طور پر جواب نہیں دے سکتا۔ سعید پاشا حلیم ان لوگوں کو دو دن تک یعنی باب عالی میں جرمن افسروں کا سرکاری طور پر استقبال ہونے تک برابر ٹالتا رہا تیسرے سوال سے کیونکہ سلطنت کی خودمختاری پر اثر پڑتا تھا اس لئے اس پر لحاظ بھی نہیں کیا گیا۔ ۱۵ر کو ڈپلومیٹک کور کے استقبال کے وقت وزیر اعظم نے تینوں متحدین کے سفیروں کو علیحدہ علیحدہ طور پر زبانی جواب دیدیا، جس کا ترکی جرائد کے بیانات کے مطابق منشا حسب ذیل تھا۔

(۱) در دانیال اور آبنائے باسفورس کے قلعوں اور فوجوں کی کمانڈ کا فرسٹ آرمی کور کی کمان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۲) مارشل لا کا اطلاق اور فوجی اقتدارات کا نفاذ، جس کو فرسٹ آرمی کور

کی کمان سے علیحدہ کر دیا گیا ہے، وزارت حربیہ سے متعلق ہے۔

ترکی جرائد جیسی کہ توقع کی جا سکتی تھی اتحاد ثلاثہ کے خلاف آگ اُگل رہے تھے۔ "دو تصویر افکار" خاص طور پر روس کے خلاف نشر و اشاعت کر رہا تھا، جو اس کے بیان کے مطابق " اپنے کو وقتاً فوقتاً عیسائیت کا علمبردار بنا تا رہتا تھا اور ایک گندہ ذہن متعصب کا جھنڈا ہاتھ میں لیکر اس نے ترکی کو نقصان پہنچانے کا کبھی کوئی موقع نہیں کھویا تھا۔ اور ان تمام باتوں سے سوائے اس کے اُس کا اور کوئی مقصد نہیں تھا کہ ترکوں اور مسلمانوں کو پامال کر دیا جائے۔ ترکوں نے جس دن سے یورپ میں قدم رکھا ہے، عیسائی تعصب ان کا حریف مقابل ہے اور یہی وہ جذبہ ہے جس نے اتحاد ثلاثہ کی رگوں میں اب، جبکہ وہ جرمنی کے فوجی وفد کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں، خون دوڑا دیا ہے۔"

تمہارے لئے یہ بالکل سادہ سوال ہے۔ روس، جس نے سب سے پہلے اصلاحات کا مطالبہ کیا ہے، عیسائی طاقتوں کا صدر رہے، جو سلطنت عثمانیہ کی نشاۃ ثانیہ اور خوش حالی کو دیکھ نہیں سکتیں۔ ادھر تو روس اصلاحات کا مطالبہ کرتا ہے اور ادھر خود ہی ان کے نفاذ کو باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور پھر اپنے لگاتار اعتراضات سے ہمیں لرزہ براندام کر دیتا ہے۔ ہم جرمنی کے ایک فوجی وفد کے ذریعے سے اپنی فوج کی تنظیم جدید کرنا چاہتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ اس کے متعلق ہمیں روس کے سامنے جوابدہی کرنی چاہیے؟ کیا ہم آزاد نہیں ہیں؟ صاف ظاہر ہے کہ روس ہماری تباہی کا خواہاں ہے۔ اب رہا یورپ تو کیا اپنی عیسائیت کے لحاظ سے وہ اس روسی پالیسی کی تائید میں، جو ترکی اور اسلام کی مخالف ہے، ایک نہایت ہی احمقانہ اور کمینہ فعل کا ارتکاب نہیں کر رہا ہے؟ ان اصلاحات اور ترقیوں کے متعلق، جو دولت علیہ اپنے ملک میں بحیثیت ایک اسلامی سلطنت کے اپنے عروج خود مختاری میں نافذ کرنا چاہتی ہے، ترکی کسی کی جوابدار نہیں ہے..... دولت علیہ اس موقع پر فوراً یہ اعلان کرتی ہے کہ وہ یورپ کی طرف سے کسی قسم کی مداخلت یا مزاحمت کے ان تدابیر میں حائل ہونے کو جائز نہیں رکھے گی جو وہ نہ صرف فوج میں بلکہ اپنے نظم و نسق کی ہر شاخ میں نفاذ اصلاحات کے متعلق اختیار کرنا چاہتی ہے۔

اگر یورپ اپنی عیسوی تعصب کی بنا پر سلطنت عثمانیہ کی آزادی اور خود مختاری

کو دیکھ نہیں سکتی تو پھر ہمیں آزادی کے لئے اسوقت تک لڑنا پڑیگا جب تک ہم میں جان باقی ہے۔ اگر یورپ کا یہ مقصد نہیں ہے تو پھر وہ ہمیں مجروح کرنا چھوڑ دے اور اپنی ان کمینہ اور ذلیل افعال سے باز رہے"۔

طنین نے فرانسیسی جرائد کا مضحکہ اڑایا، جو جنرل لیمان فان سانڈرز کے ورود کو اس بات کی علامت سمجھتے تھے کہ روسی بیڑہ کے لئے آبنائیں بند ہوگئیں ہیں۔ اس امر پر زور دیتے ہوگئے کہ جنرل سانڈرز کا ترکی میں آجانے کی وجہ سے جرمنی کی فوج سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے اور سرعسکرات سے اس کے راست تعلقات پیدا ہوگئے ہیں" اس اتحادی اخبار نے یہ سوال پیش کیا کہ اگر ترکی اتحاد ثلاثہ میں شریک ہوگئی تو ایسی صورت میں اتحاد ثلاثہ کیا کرے گا۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی تحریر کیا کہ :- دول، جو اس وجہ سے خوف زدہ ہیں کہ ایک جرمن جنرل فرسٹ آرمی کور کا کمانڈر ہے، اس امر کو محسوس نہیں کرتے کہ اگر ترکی چاہے تو جرمنی کے ساتھ ایک جنگی معاہدہ کر سکتی ہے اور اس طرح نہ صرف ایک فوج بلکہ کئی فوجوں اور کئی قلعوں کو اپنی مرضی کا تابع بنا سکتی ہے۔ اگر ہم باسفورس کے قلعے کا جرمنی کو مختار بنے تو اس صورت میں البتہ روس کو مخالفت کا حق حاصل ہوسکتا تھا۔ لیکن اس قسم کا کوئی واقعہ صورت پذیر نہیں ہوا ہے۔ ترکی روس کے مفادات کے لئے اب تک آبناؤں کے محافظ کی حیثیت سے عمل پیرا رہی ہے اور وہ سابق کی طرح اب بھی اپنے فرائض کو انجام دیتی رہے گی"۔

اگر مذکورۂ بالا اخبار "تصویر افکار" پر اعتماد کیا جائے تو کابینہ کے ایک رکن نے اس اخبار سے یہ بیان کیا تھا کہ :-

"جرمنی کے فوجی وفد کے مسئلے کے متعلق جو ایک المیہ بھی ہے اور فرحیہ بھی حکومت کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ طے شدہ ہے۔ تمھارا یہ خیال ہے روس بظاہر اس معاملے میں اصرار کرنا چاہتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس کا ایسا کرنا کچھ اہمیت رکھتا ہے اور نہ میرا یہ خیال ہے کہ انگلستان اور فرانس روس کی تائید کرینگے۔ اس واقعے کو فراموش نہیں کردینا چاہیے کہ اس قسم کے دباؤ سے جرمنی کی شان اور خودداری کو صدمہ پہنچتا ہے"۔

لیکن جنوری ۱۹۱۴ء میں انفنٹری جنرل، لیمان وان سانڈرز کو قیصر نے

کیویلری جنرل بنا دیا، جس کی بنا پر جرمنی میں اس کا ایک درجہ بڑھ گیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ ترکی میں اس اصول کے لحاظ سے جو خارجی افسر ترکی کی ملازمت میں ہوگا، اسکو ایسا مرتبہ (rank) عطا کیا جائیگا، جو اس مرتبے سے ایک درجہ بڑھا ہوگا، جو اسکو اپنے ملک میں حاصل ہے، جنرل سانڈرز کو مارشل کے مرتبے پر ترقی دیدی گئی۔ چونکہ اسوقت تک فرسٹ آرمی کور کی کمان فوجی وفد کے جرمن سردار کے رتبے سے گھٹی ہوئی تھی اسلئے اعلیٰ اقتدارات اس کو عطا کرنے کی ضرورت ہوئی۔ گویا صرف یہ کسر باقی رہ گئی کہ اس کو عساکر عثمانیہ کے انسپکٹر جنرل کے نام سے موسوم نہیں کیا گیا۔ مارشل فان سانڈرز اب صرف فرسٹ آرمی کور ہی کی کمان نہیں کریگا بلکہ وہ سلطنت عثمانیہ کے تیرہ کی تیرہ کورس کا کمانڈر ہوگا۔ انسپکٹر جنرل کا عہدہ بالکل جدید ہے لیکن اب تک صرف ایک آرمی کور کے جیساکہ عبدالحمید کے زمانے میں ہوا تھا یا متعدد آرمی کورس کے جیساکہ موجودہ حکومت میں ہوتا ہے انسپکٹر جنرل مقرر کئے جاتے تھے اور ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ تمام فوج کا ایک ہی انسپکٹر مقرر کردیا گیا ہو۔ خود محمود شوکت پاشا صرف رومائلی کے آرمی کورس کا انسپکٹر جنرل تھا۔

سنہ ۱۹۱۱ء میں ترکی کی مصروف فوج چودہ آرمی کورس پر مشتمل تھی۔ اس طرح گویا (۴۳) ڈویژنیں (۵) خودمختار ڈویژنوں کے علاوہ قائم ہوئی تھیں۔ اب ایک اور تقسیم جدید عمل میں لائی گئی ہے جس کی بنا پر آرمی کورس کی تعداد (۱۳) مع (۴۳) ڈویژنوں اور (۲) خودمختار ڈویژنوں کے ہوگئی ہے۔ تین آرمی کورس۔ یورپ میں ہیں، پہلی (جس کا مستقر قسطنطینیہ ہے)؛ دوسری (ادرنہ)؛ تیسری (رڈاسٹو)۔ دو آرمی کورس مغربی اناطولی میں ہیں، جن میں اب تک سمرنا کی مستحفظ فوج کے علاوہ اور کوئی مصروف فوج شامل نہیں ہوئی ہے۔ چوتھی (سمرنا)؛ پانچویں (انقرہ)۔ دو آرمی کورس یعنی نویں (ارض روم) اور گیارھویں (فان) صرف دو ڈویژنوں کی حیثیت سے قائم کی گئی تھیں اور پھر ان میں ایک اور ڈویژن کا اضافہ کردیا گیا تھا۔ شام کی دو آرمی کورس (یعنی آٹھویں دمشق میں اور چھٹی حلب میں) قدیم آٹھویں آرمی کور کو توڑ کر قائم کی گئی تھیں۔ یمن میں چودھویں کور ساتویں کور بن گئی اور قدیم چودھویں کور سے اسیر کی ڈویژن کو علٰحدہ کرکے خودمختار بنا دیا گیا۔ اسی نئے انتظام سے مصروف فوج میں اسقدر

کم تخفیف ہوئی ہے جتنی کم کہ ہو سکتی تھی اور اناطولی کی مدافعت زیادہ محفوظ ہوگئی ہے۔

فوجی انسپکٹروں کی تعداد (۴) ہے۔ رکروٹنگ سروس کے افسر ہر آرمی کور (بریگیڈیر جنرل یا کرنل) اور ہر ڈویژن کے لئے (کرنل یا لفٹنٹ کرنل) نامزد کئے جاتے ہیں۔ ان موخر الذکر کو ردیف کے قدیم ڈویژنل کمانڈروں کی جگہ دی جاتی ہے۔

غیر مسلموں کی فوجی خدمت

ابتداءً سلاطین کی حکمت عملی، جو مغلوب عیسائی آبادیوں یا کم سے کم ان لوگوں کی اطاعت کے اصول پر مبنی تھی، جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، یہ تھی کہ وہ "غیور" ہتھیار نہیں باندھ سکیں گے۔ عیسائیوں کو فوج ہی سے خارج نہیں کر دیا گیا تھا بلکہ اگر وہ ہتھیار حاصل کر لیتے تھے تو ان کو سخت سزائیں بھی دی جاتی تھیں۔ یہ عمل مغلوب جماعتوں کی بغاوتوں کے مقابلے میں ایک حفظ ماتقدم کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسی طرح ایک دوسری صورت بھی حفظ ماتقدم کے طور پر اختیار کی جاتی تھی اور وہ یہ تھی کہ ہر سال عیسائی بچوں کی ایک تعداد کو اسلامی تعلیم دیکر ینی چری کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ یہ طریقہ، جس کی صداقت کو میں اس کتاب کے ابتدائی ابواب میں ثابت کر چکا ہوں، کچھ عرصے تک ہی جاری رہا اور جب تک یہ جاری رہا اس سے عام عیسائیوں پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ فوجی خدمت کے لئے جو امتناعی شرطیں عاید کی گئی تھیں خود انھیں نے بعض موقعوں پر حالات سے مجبور ہو کر استثنائی صورتیں پیدا کر دیں۔

چنانچہ جنگی بیڑے کے تمام ملاح وغیرہ زیادہ تر یونانی تھے، جس کی وجہ یہ تھی کہ بحر اسود پر لزستان اور باربری ریاستوں کے علاوہ سلطنت کے تمام جزائر اور سواحل کی آبادیاں یونانی الاصل تھیں۔ خود مختاری کے لئے یونان کی لڑائی کے بعد یہ صورت پیش آئی تھی کہ عیسائیوں کو بحری خدمات سے ممنوع قرار دیدیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ کپودان پاشا نے حفظ ماتقدم کے طور پر ان یونانی ملاحوں کو ہلاک کر دیا تھا، جو اس کے جہاز پر ملازم تھے۔

فوج میں بھی بعض عیسائی کن ٹن جنٹ تھے۔ ابتداً البانیہ کی کیتھولک قوموں کو جنھوں نے اپنی خود مختاری کو کسی حد تک برقرار رکھا تھا، کچھ فوجیں دینی پڑتی تھیں، جو اپنے قومی سرداروں کے ماتحت صلیبی جھنڈوں کے نیچے لڑتی تھیں۔ اس کے بعد عیسائی اکثر قائم شدہ کورسس میں شریک ہوکر فوجی خدمتیں انجام دینے لگے۔

سترھویں اور اٹھارویں صدی میں، جبکہ استنبول کی مرکزی طاقت کے خلاف صوبہ دار ہر طرف بغاوتیں کر رہے تھے جب ترکی کا طریق جاگیرداری اپنے عروج پر تھا، اور جب لوٹ مار کرنے والے گروہ قرون وسطیٰ کے لشکروں کی طرح تیراسس، بلغاریہ، اور مقدونیہ کو تباہ کر رہے تھے اس وقت تمام باغی پاشاؤں اور سرداروں نے خاص طور پر ایسی فوجیں قائم کی تھیں، جو ان پر فدا ہو جانے کو تیار رہتیں۔ ان فوجوں میں عیسائی عنصر کو خاص طور پر اس لئے شامل کیا گیا تھا کہ ان کی نسبت یہ خیال تھا کہ وہ زیادہ وفادار ثابت ہونگی کیونکہ ان کو یہ خدشہ لگا ہوگا کہ اگر حکومت کو فتح ہوگئی تو بہ حیثیت باغی اور عیسائی ان سے انتقام لیا جائے گا قزاقوں کی جماعتوں میں، جو ملک کو غارت کرتی پھرتی تھیں، اگر زیادہ نہیں تو اتنے ہی عیسائی ضرور تھے جتنے کہ خود مسلمان تھے۔ بعض جرگوں میں صرف عیسائی تھے، بعض میں صرف مسلمان اور بعض میں کچھ عیسائی اور کچھ مسلمان اور ان سب جرگوں نے لوٹ مار کے لئے ایک اتحاد ثلاثہ قائم کر لیا تھا۔ آج کل قزاقوں کے سرداران گروہ میں مسلمانوں اور عیسائیوں میں برادری قائم ہوچکی ہے۔

جب قیصر ولی نے رومانیہ کو ان قزاقوں سے نجات دلائی جو قرسدالی (krysdis) کے نام سے موسوم کئے جاتے تھے تو اس نے ان ہزیمت خوردہ جماعتوں کے ایک حصے کو، جس میں عیسائیوں کو خاص طور پر ترجیح دی گئی تھی، اپنی ملازمت میں لے لیا۔ یہی وجہ بھی جو مسم جو سرداروں میں کا ایک البانی عیسائی، جبکہ اپنی خدمات کے صلے میں ولیاکیہ کا ہوسپودار (Hospodar) بن گیا اور اس نام کے شاہی خاندان کا بانی ہوا۔ اناطولی اور فلفطی کے جرگے عموماً کسی نہ کسی بادشاہ کے ملازم ہوا کرتے تھے علی طبلین کے پاس ینینہ میں اتنی ہی عیسائی سرداران فوج تھے جتنے کہ مسلمان۔

خود مختاری کے لئے یونان کی جنگ کے بعد ہی یہ صورت پیش آئی کہ فوجی خدمت

عیسائیوں کے لئے قطعی طور پر ممنوع قرار دی گئی اور اس کو سلطنت عثمانیہ کے اساسی اصول میں شریک کر دیا گیا۔ حکومت دستوری نے تمام عثمانی رعایا کے مساوی حقوق اور فرائض کے لحاظ سے غیر مسلموں کے لئے لازمی خدمات کا اندراج اپنے ضوابط میں کرلیا ہے۔ اس اصلاح کا بظاہر نہایت ہی کشادہ پیشانی کے ساتھ مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں نے خیر مقدم کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس قسم کی صورت حال پیش آئے۔ پہلی نظر میں رپورٹ پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ واجبی اور منطقی کوئی دوسری چیز نہیں ہوسکتی لیکن جب ترکی کی معاشرتی، سیاسی، اور مذہبی تنظیم پر غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اس اصول سے، جس نے گو سلطنت کی فوجی طاقت میں معتدبہ اضافہ کردیا ہے مگر جس میں اس کو تباہ کردینے کی بھی صلاحیت ہے، کس قدر پیچیدہ مسئلے پیدا ہوگئے ہیں۔

اب تک جس نے ترکوں کو اپنی تسلط کے قائم رکھنے کا موقع دیا ہے وہ ان کی جنگی فوقیت ہے، جس کے سامنے عیسائیوں کی تمام بغاوتیں اس وقت تک ہیچ ہیں جبتک کہ باغیوں کو خارجی امداد نہ ملے لیکن جب عیسائی فوج میں داخل ہوگئے اور ان کو فوجی تعلیم دی گئی تو ایسی صورت میں کہ ان کا اسٹاف، ڈپو، ذخائر اسلحہ وگولہ بارود سب علیحدہ ہوں اور ان کا ایک مستقل یونٹ بنا دیا جائے (کیونکہ محفوظ فوج کا اپنا ایک جداگانہ خودمختارانہ انتظام سب سے الگ تھلگ ہے) کیا ان سے سلطنت کے لئے خطرہ پیدا نہیں ہوجائیگا؟ بغاوت کی صورت میں کیا یہ تمام عیسائی سپاہی اپنی ایک علیحدہ باغی فوج قائم نہیں کریں گے؟ یہی ہیں وہ خیالات جو اکثر ترکوں کے دلوں میں تھے اور جنرل ہیڈ کوارٹرز میں اس سرکاری حکم کے باوجود پھیلے ہوئے تھے کہ غیر مسلموں کی فوجی خدمات کا ترکی کی حکومت جدید کی آزادی کی ایک عظیم الشان فتح کی حیثیت سے جشن منایا جائے۔

عیسائیوں کی طرف سے بطارقہ نے فوجی خدمات میں شریک ہوجانے کے بعد اپنے پیرووں کی مذہبی آزادی کے متعلق سوال اٹھایا۔ یعنی چونکہ گویا دکر کرکے یہ لوگ خوفزدہ ہو رہے تھے بطارقہ نے ضمانتوں کا مطالبہ کیا، جو حکومت اس لئے نہیں دیسکتی

تھی کہ اس سے اس کے اقتدار میں کمی آجاتی۔ لطارقہ نے، جو فنار کی پیروی کر رہے تھے، یہ دریافت کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کی کہ آیا عیسائیوں کو مسلمانوں کے مساوی مراتب حاصل ہونگے یا وہ فوجی زندگی میں بھی ویسے ہی رعایا بنے رہینگے جیسے کہ سول زندگی میں ہیں۔ یہ لوگ صرف اس امر کے متعلق اپنا اطمینان کر لینا چاہتے تھے کہ ان کے پیرووں میں کوئی ایسا مذہبی پروپاغنڈا شروع نہیں کیا جائیگا جو نہ صرف اسلام سے بلکہ ایک عقیدے سے دوسرے عقیدے میں منتقل ہو جانے سے بھی متعلق ہو۔ ایکومینیکل پیٹریارک نے فوجی چیپلینس، بارکوں میں گرجاؤں کی تعمیر، سپاہیوں کا آرتھوڈاکس اصول کی پابندی کرنا، اور اسی قسم کی دوسری باتوں کے لئے، جو مطالبات کئے تھے، ان کا اعادہ بیکار ہے۔ فنار کی طرف سے ایک مطالبہ ایسا کیا گیا تھا، جس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ یعنی یہ کہ علٰحدہ علٰحدہ کمپنیوں کی صورت میں عیسائیوں کی ایک رجمنٹ قائم کر دی جائے۔ حکومت نے اس معاملے پر غور کرنے سے انکار کر دیا اور اس کا ایسا کرنا بالکل جائز تھا۔ عثمانی فوج میں ایک غیر مسلم کور کے وجود کو، جس میں قومیت کے لحاظ سے بھرتی کی جاتی ہو، جائز رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ بلغاری، یونانی اور ارمنی فوجوں کا ایک قلب تیار کر دیا جائے، جو ترکی کی خود مختاری اور آزادی کو سلب کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہے گی۔ پھر بھی صورت تھی کہ اگر عیسائی کور قائم کر دی جاتی تو عربوں اور کردوں کی طرف سے اسی قسم کے برتاؤ کا مطالبہ کیا جاتا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ فوجی بغاوت برپا ہو جاتی اور ترکی کے خاتمے میں کچھ زیادہ عرصہ نہیں لگتا۔

فنار کو، جو فوجی باتوں سے ناواقف محض تھا، اس سوال کے جواب میں شدید مصیبت اٹھانی پڑتی کہ آیا عیسائی سپاہیوں کی کمپنیاں بنانی چاہئیں یا علٰحدہ بٹالینیں۔ نان کمیشنڈ اور کمیشنڈ افسر کہاں سے بلائے جاتے کیونکہ غیر مسلموں کو کبھی فوجی تعلیم نہیں دی گئی تھی؟ عیسائی کمپنیوں کے اسٹاف میں یقیناً مسلمان ہوتے اور سینئر مسلمان سپاہیوں کو کمپنیوں میں کاموں کے لیڈر کی حیثیت سے ضرور داخل کرنا پڑتا۔

سوال یہ ہے کہ علٰحدہ کمپنیوں کے بہ نسبت کیا مسلمانوں اور عیسائیوں کی مشترکہ کمپنیاں لڑائی میں زیادہ اچھا کام کر سکتی تھیں؟ نہیں، کیونکہ قانون شریعت اور

مسلمانوں کی ذہانت کے مطابق غیر مسلم لوگ صرف سپاہی یا زیادہ سے زیادہ کم درجے کے افسر بنے رہنے کیلئے وقف ہیں۔ کوئی مسلمان کسی اغیار (Ghiauor) کی ماتحتی کو قبول نہیں کرسکتا۔ ترکی فوجوں کی ہائی کمانڈ پر مختلف قومیتوں کے خارجی افراد مقرر ہوتے رہے تھے لیکن انھوں نے کسی لڑائی میں کمان نہیں کی تھی[1]۔ اگر ترک یورپ کی بڑی بڑی فوجوں کے عیسائی افسروں کے احکام کی تعمیل کرنے سے انکار کرسکتے تھے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ ان لوگوں کی اطاعت کریں، جن کو وہ کل تک اپنا غلام سمجھتے تھے؟ کوئی کرد کسی آرمنی کارپورل یا افسر کا حکم کبھی نہیں مانیگا اور کوئی مسلمان کبھی کسی یہودی کے احکام کی تعمیل نہیں کریگا۔ یہی حالت بلغاریوں اور یونانیوں کی ایک دوسرے کے مقابلے میں ہے۔

اس کے علاوہ مالی مسئلہ بھی ہے جس کا غیر مسلموں کی فوجی خدمت کے نظریے سے بہت کچھ تعلق ہے۔ فوج میں یہ مشتبہ اضافہ کیا اس قابل ہوگا کہ اس کی وجہ سے ترکی۔ سولہ لاکھ ترکی پاؤنڈ سالانہ کا نقصان برداشت کرنے، جو عیسائیوں اور یہودیوں کے اس ٹیکس کے مسدود کردینے کی بنا پر عائد ہوگا، جو فوجی خدمت کے معاوضے میں ان سے وصول کیا جاتا تھا۔ وزیر مالیہ نے اس تجویز کے پیش ہونے پر بہت کچھ شور غل مچایا اور اس کمی کا اظہار کیا جو اس ٹیکس کے مسدود ہوجانے پر موازنہ کو برداشت کرنی پڑے گی۔ بعض لوگوں نے یہ تجویز پیش کی کہ عیسائی ٹیکس بھی ادا کرتے رہیں اور فوجی خدمت بھی انجام دیں۔ اس کی یہ صورت تھی کہ جن لوگوں سے فوجی خدمت لیجائے ان کو تو ٹیکس سے مستثنیٰ کردیا جائے اور باقی تمام لوگوں سے ٹیکس وصول کیا جاتا رہے۔ اس تجویز کو پارلیمنٹ نے منظور نہیں کیا۔

آرمینوں کے علاوہ، جو یہ سمجھتے تھے کہ اس طریقے سے ان کو ہتھیار بھی ملجائیں گے اور ان کی انجمنوں کی آئندہ مصروفیتوں کے لئے ان کے افراد کی ٹریننگ

---

[1] میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ۱۵ دسمبر ۱۹۱۳ء سے جنرل لیمان فان سانڈرز عساکر عثمانیہ کا انسپکٹر جنرل مقرر کیا گیا تھا اور یہ کہ اس کے ساتھ جو جرمن افسر تھے انکو فوجی جائیدادیں دی گئی تھیں۔ مستقبل ظاہر کردیگا کہ ان دونوں میں کون زیادہ طاقتور تھا آیا ترکی سکون یا جرمن استقلال؟

بھی ہو جائے گی، کوئی شخص غیر مسلموں کی فوجی خدمت کا طالب نہیں تھا۔ جو لوگ، چاہے وہ مسلمان ہوں یا عیسائی، چلا چلا کر اس کی تائید کر رہے تھے وہی باطن میں اس کے سب سے زیادہ مخالف تھے۔

ترکوں نے، جو فوج میں قومیتوں اور فرقوں کی مواخات کے متعلق اپنے مسلسل جوشیلے اعلانات اور وعدوں سے اپنے کو پابند کر چکے تھے، اس معاملے میں نہایت عمدہ طرز عمل اختیار کیا لیکن انھوں نے چپکے چپکے اس امر کی کوشش کرنی شروع کر دی کہ فوجی خدمت کو لازمی قرار دید ینے سے جو عیسائی کن ٹن جنٹ قائم ہوں اس کی تعداد نفری جہاں تک ممکن ہو کم رہے۔ سب سے پہلا جو اصول انھوں نے قائم کیا وہ یہ تھا کہ عیسائیوں کی تعداد ویسے چاہے کتنی ہی ہو مگر فوج میں ان کی تعداد کل فوج کے ایک خمس سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ یہ اصول عثمانی ہائی کمانڈ کا مقرر کیا ہوا تھا ساتھ ہی اس امر کے متعلق بھی خاص طور پر توجہ کی گئی تھی کہ عیسائیوں کے سامنے ایسی خدمتیں پیش کی جائیں، جو ان کو لڑنے والی رجمنٹس سے علٰحدہ رکھیں۔ پھر یہ اصول بھی قائم کیا گیا تھا کہ عیسائی انفرادی طور پر پچاس ترکی پاؤنڈ ادا کر کے اپنے کو فوجی خدمات سے مستثنےٰ کرا سکتے تھے۔

تمام طبقوں میں، اگرچہ عام طور پر مالی حالت اچھی نہیں تھی، چند مستثنیات کے علاوہ عیسائیوں نے ان لوگوں کو آزادی دلانے کے لئے، جو فوجی خدمت کے لئے طلب کئے گئے تھے، اس اصول سے دل کھول کھول کے فائدہ اٹھایا۔ دوسری مشکل یہ پیش آئی کہ عیسائیوں نے اپنی فوجی خدمت کی شرط یہ قرار دی کہ ان کو اپنے ملک یا کم سے کم ایک خاص حد سے باہر اپنی خدمات انجام دینے کے لئے نہ بھیجا جائے۔ اگر اس کا اطمینان نہیں دلایا گیا اور باقاعدہ اس کے متعلق معاہدہ نہیں ہوا تو وہ منحرف ہو جائیں گے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ انھوں نے یمن بھیجے جانے سے قطعی انکار کر دیا۔

ایک ملاقات کے دوران میں، جو ۱۴ اکتوبر ۱۹۰۹ء کو ایکونیمیکل ہیڈ پارک نے قسطنطنیہ کے ایک اخباری نمائندے سے کی تھی، جوخیم ثالث نے یہ بیان کیا کہ غیر مسلموں کی فوجی خدمت کے مسئلے کا تصفیہ ابھی بہت دور ہے۔ اس مسئلے پر آئندہ ایک عرصے تک عثمانی مدبروں کو اپنی فراست و کیاست کی مشق کرنے کا موقع ملتا رہے گا۔ علاوہ بریں

عیسائی حفظ ماتقدم سے کام لینے میں بالکل حق بجانب ہیں۔ وہ اکثر مسلم سپاہیوں اور نان کمیشنڈ افسروں کا نشانہ بنتے رہتے ہیں اور پھر ان کو مسلمان کر لینے کی کوششوں کا تو کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔

لڑائی میں ان لوگوں کو اگلی صف میں رکھا جاتا تھا اس لئے کہ ان پر اعتماد نہیں تھا۔ جنگ بلقان میں یہ لوگ بڑی بڑی تعدادوں میں فوج کو چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ بیشمار عیسائی سپاہیوں کو گولی ماردی گئی۔ ترکوں نے علی الاعلان یہ بیان کیا کہ تولی برگاز کی قابل افسوس ہزیمت کی وجہ عیسائی سپاہی تھے، جنھوں نے عمداً فوجوں میں خوف پھیلا دیا تھا۔ ترکی اسٹاف کو عیسائی عنصر پر اس قدر کم اعتماد تھا کہ تمام غیر مسلم سپاہیوں کو محاذ شتلجہ پر بھیجدیا گیا[1]۔ استنبول سے امام اس غرض سے روانہ کئے گئے کہ وہ فوج میں جہاد کی تلقین کریں۔ عیسائی سپاہی فوج سے نکالدئے جانے والے تھے[2]۔

بحریہ۔ ترکی بحریے کا انحطاط

موجودہ بیڑہ

(*)

ترکی میں فرانس کی طرح بحریے میں بھرتی کا طریقہ نہیں ہے۔ وزیر حربیہ، جس سے تنہا فوجی بھرتی کا تعلق ہے ہر سال وزیر بحریہ کے لئے بحریے کی ضرورت کے لحاظ سے آدمی فراہم کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لز کے علاوہ، جو عمدہ ملاح ہوتے ہیں مگر جنکی تعداد

---

[1] جنگ بلقان میں مصنف کے ہم مذہب سپاہیوں نے جو حرکت کی کیا اس کے بعد بھی کوئی حکومت یا فوجی اسٹاف ان پر اعتماد کرسکتا تھا؟ جب انکی حرکتوں سے خود ہی اعتراف ہے تو دل دکھا دکھا کر ان تمام باتوں کا کیوں تذکرہ کیا جاتا ہے اور ٹھنڈی سانسیں بھر بھر کے ترکوں کو کیوں جھوٹا بنانیکی کوشش کیجاتی ہے؟ (رعنا)

[2] عزت پاشا نے غیر مسلموں کی فوجی خدمت کو مسدود کردینے اور انکو فوج سے علحدہ ہوجانے کے قابل بنانے کے لئے ایک اسکیم تیار کی تھی مگر نئے وزیر، انور پاشا نے اسکو پسند نہیں کیا۔

بہت کم ہے، دوسرے تمام ترکی بحری رنگروٹ سمندر سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں سنہ ۱۹۰۹ء تک عیسائی بحری ملازمت سے بھی ویسے ہی محروم تھے جیسے کہ بری فوج کی ملازمت سے۔ علاوہ بریں خود مسلمانوں کا کوئی تجارتی سلسلہ اس لئے موجود نہیں تھا کہ تمام ساحلی تجارت یونانی رعایا کے ہاتھوں میں تھی۔ لہذا ظاہر ہے کہ ترکی کے پاس اصلی معنوں میں کوئی بحریہ نہیں ہو سکتا تھا۔ سکوم کالے کی مہم کے بعد سے، جو ہوبرٹ پاشا اور سینتھوریپ بے کی سرکردگی میں بھیجی گئی تھی، بہ الفاظ دیگر سنہ ۱۸۷۷ء سے عثمانی جہاز کبھی ایک اسکواڈرن کی صورت میں متحد نہیں ہوئے تھے۔ ترکی مسلح جہاز سال کے ایک بڑے حصے میں گولڈن ہارن اور باسفورس میں لنگر انداز رہتے تھے۔ صرف سنہ ۱۹۰۹ء میں ایسا ہوا تھا کہ بیڑے نے بحیرۂ روم میں باقاعدہ طور پر مناورات سے کام لیا تھا۔

سترھویں صدی تک ترکی یورپ کی سب سے زبردست طاقت تھی لیکن اس کا زوال اس کے عروج سے بھی زیادہ سریع تھا۔ پندرھویں اور سولھویں صدی میں ترکوں کو وینس (بندقیہ)، جینوا، ہسپانیہ، رودس اور مالٹا کے بیڑوں کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ فن جہازرانی اور بحری مہارت کی اس وقت محض ابتدائی حالت تھی۔ ترک مراکش کے علاوہ بحیرۂ روم کے تمام افریقی سواحل، سواحل بحر اسود، جزیرہ نمائے الیریہ اور اور ایشیائے کوچک کے مالک تھے اور اس لئے انکو ایسی زبردست اکثریت حاصل تھی کہ ہر لڑائی میں فتح حاصل ہونے کا ان کو پورا بھروسا تھا۔ بہترین ملاحوں اور عمدہ کپتانوں کی دو تربیت گاہیں ان کے قبضے میں تھیں۔ پیلوپانیز، سائی کلیڈس، اور اسپوریڈیز کے یونانی ملاح، جو وہبی اور کسبی دونوں حیثیتوں سے بحری قزاق تھے، کپوڈان پاشا کے پاس بڑی تعداد میں ملازم تھے اور جب وقت تک وہ ایسے اچھے ملاح بنے رہے کپوڈان پاشا نے کبھی اس امر کی طرف توجہ نہیں کی کہ آیا وہ عیسائی ہیں یا نہیں۔ اوران، الجیریہ، تونس اور طرابلس کے بحری قزاقوں کی ایسی اسکواڈرنیں موجود ہوتی تھیں، جو ہمیشہ لڑائی کے لئے آمادہ رہتی تھیں اور جن پر ایسے لوگ کمان کرتے تھے، جو یورپ کے شدید ترین قزاقوں میں سے منتخب کئے جاتے تھے اور جو ہر سخت سے سخت مہم کے لئے اس وجہ سے تیار رہتے تھے کہ وہ ترکی جھنڈوں کے نیچے قزاقی کے ذریعے سے اپنے لئے دولت پیدا کرنا چاہتے تھے۔ ترکی کے سب سے بڑے بحری افسر یا تو

خیر الدین بار بروصہ کی طرح یونانی تھے؛ یا الوج علی اور پیالے کی طرح بربری یا پھر میزو مورٹو کی طرح نو مسلم۔

عثمانی بحری طاقت پر سب سے پہلی ضرب لیپانٹو کی لڑائی میں پڑی لیکن سولھویں صدی کے اختتام اور سترھویں صدی کے آغاز میں جس بغاوت نے سلطنت کو تباہ کر دیا تھا، اس نے اور سلیمان اعظم کے نا اہل جانشینوں کی غفلتوں نے عثمانی بحریے کو اسقدر شدید نقصان پہنچایا کہ لیپانٹو جیسی کئی لڑائیاں بھی ایسا نقصان نہیں پہنچا سکتی تھیں۔ وینس کے عارضی طور پر موریہ کو فتح کر لینے کے بعد یونانی ملاح رفتہ رفتہ ترکی جنگی جہازوں سے علٰحدہ ہونے لگے۔ اسی کے ساتھ ساتھ بربری قزاقوں نے، جن کا تمام یوروپین طاقتوں اور بالخصوص فرانس کے جہاز تعاقب کر رہے تھے، سب سے پہلے اپنے قدح کی خیر منانی شروع کر دی۔ اس کے علاوہ ایک یہ بات بھی تھی کہ چونکہ اب یہ لوگ عملی حیثیت سے خود مختار ہو گئے تھے اس لئے انھیں عثمانی مفادات کی کچھ پروا باقی نہیں رہی تھی۔ اس طریقے سے بہترین ملاح اور افسر یکایک ترکی کے ہاتھ سے نکل گئے۔ ادھر تو یوروپین بحریوں میں روزانہ ترقی ہو رہی تھی اور ادھر ترکی بحریے میں عدم واقفیت کی بنا پر تنزل واقع ہو رہا تھا۔ ترکی کو جہازوں کی تعمیر اور آراستگی کے جدید طریقے، فن جہاز رانی کی ترقی، لڑائی کے جدید اسالیب، اور نئے آلات حرب کی ایجادات کے متعلق ایک حرف معلوم نہیں تھا۔ اٹھارویں صدی میں ترکی بحریہ عدیم المثال ناواقفیت کا صحیح حال معلوم کرنے کے لئے مصطفٰے ثالث کے چہیتے اور فرانس کے خفیہ ایجنٹ متعینۂ ترکی، بیرن ڈی ٹاٹ کے سوانح پڑھنے کی ضرورت ہے، جس نے درہ دانیال اور باسفورس کی مدافعتوں کے لئے اسکیمیں تیار کی تھیں اور جس کے خاص خاص خیالات کی آج بھی پابندی کی جاتی ہے۔

سنہ ۱۸۲۱ء کے انقلاب کے بعد، جو یونانی سلطنت اساسی دستور اور فرانسیسیوں کی جنھوں نے بربری قزاقوں کی طاقت کو ہمیشہ کے لئے پامال کر دیا تھا، فتح پر ختم ہوا تھا، ترکی کے وہ دو ماخذ، جہاں سے وہ ملاح حاصل کرتی تھی، خشک ہو گئے ہیں۔ سنہ ۱۸۷۸ء کی جنگ نے ان کو بحر اسود اور بحیرۂ روم کے ساحلی علاقے اور تھریس اور البانیہ کے سواحل تک محدود کر دیا ہے۔ پھر سواحل بحر کی تمام آبادی لزستان اور چند دوسرے

چھوٹے چھوٹے اضلاع کے علاوہ عیسائی تھی اور اس لئے عثمانی بحریے میں بھرتی کے لئے کسی مصرف کی نہیں تھی۔ اگر جنگی بیڑے کے لئے لوہے اور لکڑی کے جہاز کافی ہو سکتے ہیں تو پھر ترکی کے پاس بھی جنگی بیڑہ تھا لیکن جنگی بیڑے کے قیام کے لئے افسروں اور ملاحوں کی ضرورت ہے تو پھر ترکی کے پاس کوئی بیڑہ نہیں تھا۔ علاوہ بریں مسلح کروزروں کے تمام معمار یا تو انگریز تھے یا کسی دوسرے ملک کے باشندے۔

کیا یہ ضروری ہے کہ ارطغرل یعنی اس چوبی جہاز کی مصیبت کا اعادہ کیا جائے جو ۱۸۸۹ء میں جاپانیوں کو مسلمان کرنے کے لئے استنبول سے جاپان روانہ ہوا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ترکی ملاحوں نے ایسا دور و دراز سفر کیا۔ اس جہاز پر ترکی بحریے کے چیدہ چیدہ افسر اور ملاح اور مدرسہ بحری کی ایک پوری جماعت تھی، جسے اس سفر میں تجربہ حاصل کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ریر ایڈمیرل، عثمان پاشا، وزیر بحریہ کا داماد اس کا کمانڈر تھا۔ تمام ماہرین فن کی یہ رائے تھی کہ یہ جہاز اپنی منزل مقصود تک ہرگز نہیں پہنچ سکے گا۔ اس کے بوائلرس اور کل پرزوں کو زنگ کھا چکا تھا اور جہاز کی نہایت ہی بری حالت تھی۔ ایک انگریز انجنیر کو جو میگزین میں کرنل کی رینک کے ساتھ متعین تھا اور جس کا نام ایٹ کن سن بے تھا، اس مہم میں حصہ لینے کے لئے ریر ایڈمیرل کی رینک پیش کی گئی تھی مگر اس نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا جہاز کا غرق ہو جانا ناگزیر ہے بلکہ اس نے اس امر کے متعلق بڑے بڑے عہدہ داروں کے پاس ایک مفصل رپورٹ بھی بھیجی، جس پر کوئی لحاظ نہیں کیا گیا۔ لیکن وزیر بحریہ نے اس پر رنگ کروا دیا۔ "ارطغرل" کو جاپان پہنچنے میں گیارہ مہینے لگے اور راستے میں دو مرتبہ وہ ریت میں پھنسا اور سنگاپور اور سراندیپ میں تاجران زغال کی درخواست پر، جن کے بلس کو وہ ادا نہیں کر سکا تھا، اس کی گھاٹ بندی کر دی گئی تھی۔ اکتوبر ۱۸۹۰ء میں جاپان سے روانہ ہو جانے کے بعد، بوائلرس کے پھٹ جانے کی وجہ سے "ارطغرل" غرق ہو گیا اور (۶۰۰) آدمیوں میں سے صرف (۶۰) زندہ بچے۔ استنبول کے ترکی جرائد نے حکومت پر غفلت کا الزام لگانے کے بجائے پادشاہ اور وزارت بحریہ کی یہ کہہ کر خوب مدح سرائی کی کہ "ارطغرل" اس لئے غرق ہوا کہ "بعض اشرار نے اس پر سحر کر دیا تھا"۔

جنگ یونان نے بہرحال یلدیز پر خواہ مخواہ یہ امر واضح کر دیا کہ بحریے کی نہایت ہی

افسوسناک حالت ہے اور یہ کہ آخری جنگی مصروفیت کا عمل میں لانا قطعی ناممکن ہے۔ مسلح جہاز اور تارپیڈو کشتیوں کو دانشمندی سے کام لیکر روک لیا گیا تھا۔ اول الذکر کو سمرنا میں اور آخرالذکر کو دردانیال کے دہانے پر۔ جہاز ایسے معلوم ہوتے تھے کہ جنگی جہاز نہیں ہیں بلکہ پرانی آہن پوش کشتیاں ہیں۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ پرانے کے ازکار رفتہ بوائلرس کو بدل دیا گیا تھا اور انجنوں کی کم وبیش مرمت کردی گئی تھی۔ اسی طرح وزنی توپیں بھی نصب کردی گئی تھیں لیکن مرمت اور اسلحہ بندی میں اسقدر بے عقلی سے کام لیا گیا تھا کہ جہازوں میں استحکام نام کو بھی باقی نہیں رہا تھا۔ ان جہازوں میں سمندر کی صعوبتیں اور لڑائی کے خطرے اٹھانے کی سکت نہیں تھی چنانچہ جب صلح ہوگئی تو سلطان نے بحریے کی تعمیر جدید کا ارادہ کیا۔

نہایت عظیم الشان پیمانے پر تنظیم بحریہ کے متعلق ایک اسکیم تیار کی گئی، جس کے نفاذ میں نہ صرف یونان کا تمام تاوان جنگ ہی صرف ہو جائیگا بلکہ کئی ملین ترکی پاونڈ بھی خرچ کرنے پڑیں گے۔ سب سے پہلے جرمنی کی تعمیر گاہ میں چار اول درجے کے مسلح جہاز، دو نہایت تیز رفتار مسلح کروزر، اور ایک درجن تارپیڈو کشتیاں تیار کی گئیں لیکن اس نظام العمل کی تکمیل کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی۔ لہذا ۱۸۹۹ء میں یہ تصفیہ کیا گیا کہ اس اسکیم کو ایسے مسلح اسکواڈرنوں کے یونٹس کی مرمتوں تک محدود کردیا جائے، جو کام دینے کے قابل بنائے جاسکیں۔ "مسعودیہ" کی مرمت، جس میں جہاز کے پیٹے، جھلملیوں، کل پرزوں، آلات اور توپ خانے کی ازسرنو تعمیر داخل تھی، جنیوا کی آن سالڈو نامی کمپنی کے سپرد کی گئی۔ "آثار توفیق" کی مرمت کیل کی جرمانی تعمیر گاہ کے تفویض ہوئی۔ آن سالڈو کمپنی کو چار مسلح کارویٹوں[1] کی مرمت کا کام بھی دیا گیا تھا۔ یہ چاروں جہاز "فتح بلند"، "عون اللہ"، "معین ظفر" اور "مقدمۂ خیر" تھے۔

یہ چھ جہاز ۱۹۰۴ء میں مکمل ہوئے۔ اسی سال دو محروس کروزر، حمیدیہ اور مجیدیہ، ایک تارپیڈو کروزر، ارطغرل، اور تارپیڈو و تباہ کن کشتیاں عکاسر (akkissar)

---

[1] ایک چھوٹا جنگی جہاز۔ (مترجم)

اور البزات (alpazot) بھی، جو باہر تیار کئے گئے تھے، بیڑے میں داخل کر لئے گئے۔ نئے بیڑے میں خبر رساں تارپیڈو کشتیاں، پلنگ ونا (سنہ ۱۹۰۸ء) اور شاہین دانا (سنہ ۱۸۹۲ء)، تین تارپیڈو تباہ کن کشتیاں، باک افشان (سنہ ۱۸۹۶ء)، حمیدیہ اور مجیدیہ (سنہ ۱۹۰۵ء)، ایک گہرے سمندر کی تارپیڈو کشتی (سنہ ۱۸۹۰ء)، پندرہ اول درجے کی تارپیڈو کشتیاں (سنہ ۱۸۸۶ء تا سنہ ۱۸۹۲ء)، چھ دوسرے درجے کی تارپیڈو کشتیاں (سنہ ۱۸۸۵ء تا سنہ ۱۸۹۰ء) اور دو غوطہ خور کشتیاں بھی شامل تھیں۔

یہ سب ملا کر (۳۶,۶۸۱) ٹن کے (۴۰) جہاز تھے، جن کی طاقت (۱۰۲,۲۲۰) گھوڑوں کے برابر تھی اور جن میں (۲۷۴) توپیں اور (۳۷) تارپیڈو نلکیاں تھیں۔ انکے علاوہ کا غذ پر حسب ذیل جہاز اور بھی زیر تعمیر تھے۔ (۲) مسلح کروزر اول درجے کے اور (۲) دوسرے درجے کے، (۲) تارپیڈو کروزر، (۴) گہرے سمندر کی تارپیڈو کشتیاں اور (۷) اول درجے کی تارپیڈو کشتیاں۔ سنہ ۱۹۰۴ء انسالڈو کمپنی کو حمیدیہ کے نمونے پر ایک اور کروزر تیار کرنے کا آرڈر دیا گیا تھا۔

حکومت اساسی کے پاس بحریے کے لئے بڑی بڑی اسکیمیں تھیں۔ اس کام میں (۱۶) ملین ترکی پاونڈ (۳۶۵ ملین فرانکس) کا صرفہ ہوتا تھا۔ لیکن چونکہ ایک ایسا بجٹ جس میں پہلے ہی سے کمی تھی، اس صرفے کو برداشت نہیں کر سکتا تھا اس لئے (۱۶) ملین کی مطلوبہ رقم فراہم کرنے کے لئے قرضہ لینے کی ضرورت تھی۔ ترکوں نے بہر حال جرمنی سے ایک ملین پاونڈ میں دو ایسے پرانے مسلح جہاز خرید لینے پر ہی اکتفا کیا، جو بیکار ہو چکے تھے۔ ان میں ایک کا سلیمان اعظم کے عظیم الشان امیر البحر کی یادگار میں "خیر الدین باربروصہ" اور دوسرے کا اس کے حریف کی یادگار میں "طرغود رئیس" نام رکھا گیا۔ جنگ طرابلس اور سنہ ۱۹۱۲ء - ۱۳ء کی لڑائی کے بعد ترکی بیڑے میں صرف مذکورۂ بالا تین مسلح کروزر، مسعودیہ، مجیدیہ اور حمیدیہ ایسے یونٹس باقی رہ گئے تھے، جو قابل جنگ تھے۔ ایک ڈریڈ ناٹ، رشادیہ انگلستان میں زیر تعمیر ہے۔ دسمبر سنہ ۱۹۱۳ء کے آخر میں باب عالی نے برازیل سے ایک ڈریڈ ناٹ، ریوڈی جینیرو خریدا تھا، جو اس جمہوری ریاست کے لئے ویکرس آرم اسٹرانگ کمپنی نے بنایا تھا۔

بحریے میں ملازمت کی مدت (۱۲) سال ہے، (۵) ایکٹیو سروس (نظام) میں، (۳) ایکٹیو کے محفوظ (رشنیات) میں، اور (۴) محفوظ (ردیف) میں۔ سلطنت کی عام تنظیم جدید کے کام میں، جو حکومت نے اپنے ذمے لیا ہے، بحریے کو قدرتاً فوقیت حاصل ہے۔ انگلستان

سے امیر البحر لمپس کی ماتحتی میں، جو افسروں اور عملہ کو بحری اور فوجی تعلیم نہایت تن دہی کے ساتھ دے رہا ہے، تعلیم دینے والے لوگ بلائے گئے تھے۔ بحری کورس میں ایک کامل تغیر کی شدید ضرورت تھی۔ چنانچہ ترکی جرائد کے بیانات کے مطابق (۶۰۰۰) افسر اور (۶۰۰۰) ملاح درج بجٹ کئے گئے تھے۔ کوئی چاہے تو اس بیان کو صحیح تسلیم کرنے سے انکار کرسکتا ہے۔ عبد الحمید کے زمانہ میں چاہے کیسی ہی خرابیاں کیوں نہ رہی ہوں مگر ایسی کوئی صورت حال کبھی پیش نہیں آئی تھی۔ زیادہ وضاحت کے ساتھ یوں کہا جاسکتا ہے کہ فوجی افسروں کے مقابلے میں بحری افسر احراری خیالات کی زیادہ صلاحیت رکھتے تھے لیکن عملہ تمام سلطان کا طرفدار تھا اور اگر سلطان کو ۱۳ اپریل کے بعد ان سے کام لینا آتا تو وہ اپنے تخت کو کبھی ہاتھ سے نہیں کھوتا۔

"حلقہ" کے بحری مدرسہ میں، جو بیرن ڈی ٹاٹ کا قائم کیا ہوا ہے اور جس کی ہوبرٹ پاشا نے ۱۸۶۸ء میں جدید تنظیم کی تھی، بحری افسروں کو تعلیم دی جاتی ہے امارت بحری سے ایک بحری پلٹن بھی متعلق ہے، جس کی تعداد کاغذ پر (۵) سے (۶) تک ہے اور جو قسطنطنیہ کے گیریژن کا ایک حصہ ہے۔ رومائلی افواج کے قسطنطنیہ پر قابض ہو جانے کے بعد اس رجمنٹ کو، جس میں نہایت برے خیالات پھیلے ہوئے تھے، گو اس کی طرف سے کوئی مدافعت نہیں کی گئی تھی، ۲۴ اپریل کو منتشر کردیا گیا اور دوسری باغی فوجوں کی طرح اس کے سپاہیوں کو سڑکوں کی تعمیر کے لئے مقدونیہ میں جلاوطن کردیا گیا۔ اب تک یہ رجمنٹ دوبارہ قائم نہیں ہوئی ہے۔

زراعت۔ زراعت کی تباہی۔ زرعی بنک۔
جائیداد کی غیر مستقل حالت۔ اوقاف قزاقی جندارمہ

باوجودیکہ ترکی کو قدرت کی طرف سے ایسی زمین عطا کی گئی ہے، جو اپنی زرخیزی کے لحاظ سے نادر ہے اور جس میں آدھے سے زیادہ ملک پر دو فصلیں پیدا ہوسکتی ہیں، باوجودیکہ اس کی معدنی دولت، تیل کے چشمے اور جنگلات لامحدود ہیں اور وہ تمام چیزیں کثرت

موجود ہیں جو صرف بقائے حیات ہی کے لئے اہمیت نہیں رکھتیں بلکہ جو ایک عظیم الشان قوم کی اقبالمندی کے لئے بھی اہم ہیں اور باوجودیکہ اپنی جغرافیائی محل وقوع کے لحاظ سے اس کو تجارت اور تبادلۂ اشیا کے لئے بہترین سہولتیں حاصل ہیں تاہم ترکی کی حالت نہایت ہی خراب ہے۔ اس کا ہمیشہ دوالہ نکلتا رہتا ہے۔ ایک رپورٹ میں، جو سلطان عبدالعزیز کی موسومہ تھی مصطفیٰ فضل پاشا نے ۱۸۶۷ء میں تحریر کیا تھا کہ:

"آپ کی حکومت کی مالی مشکلات بجائے خود کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ جو چیز دراصل خطرناک ہے وہ وہ پوشیدہ صورت حال ہے جس کا ان مشکلات سے اظہار ہوتا ہے۔ حضرت اقدس واعلیٰ کی حکومت ایک ایسی حکومت ہے، جو آبادی کی تعداد کے لحاظ سے نہایت ہی متوسط موازنہ پر اکتفا کرتی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ یہ متوسط موازنہ سلطنت کو تباہ کر رہا ہے؟ اس کی یہ وجہ ہے کہ اول تو محاصل نہایت ہی برے طور پر وصول کئے جاتے ہیں اور دوسرے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ چونکہ آبادی بہت کم محنت کرتی ہے اور کسی چیز سے واقف نہیں ہے اس لئے وہ مفلسی کے آخری درجے پر پہنچ چکی ہے۔ سلطنت میں تمام قسم کی زراعت، تجارت اور صنعت وحرفت میں زوال ہو رہا ہے۔ لوگوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیداآوری کی خواہش اور فن کو کھو دیا ہے۔ وہ اپنی مصیبتوں کو دیکھتے ہیں اور یہ مصیبتیں ان کو انکی بے ہوشی سے نہیں چونکاتیں اور نہ ان کو محنت کی طرف راغب کرتی ہیں۔"

اگرچہ ترکی نہایت آسانی کے ساتھ یورپ کے لئے غلہ مہیا کرنے میں ہنگری اور روس کا مقابلہ کرسکتی ہے لیکن وہ صرف چند ملین فرانکس کی قیمت کا موٹا اناج برآمد کرتی ہے اور تمام ضروری اناج باہر سے خریدتی ہے۔ سلی (Sully) کا مقولہ ہے کہ "کاشتکاری اور گلہ بانی فرانس کے دل وجگر ہیں۔" ترکوں کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ اس عظیم الشان مدبر کے الفاظ پر غور کریں اور ان کو اپنے گھر پر سطابق کریں۔ تین چوتھائی زرعی زمین بنجر پڑی ہوئی ہے۔ ہر جگہ شہروں اور دارالسلطنت کے دروازوں پر بھی زمین کے بڑے بڑے رقبوں میں نگاہ حیرت بین کو پتھروں کے ڈھیروں اور درختوں پر پیدا ہونے والی بیلوں کے سوا جو انھیں بعد میں کھا جاتی ہیں اور کچھ نظر نہیں آتا، جن کے بیج ہوا ادھر اُدھر منتشر کردیتی ہے۔ ایشیا میں ایسے اضلاع ہیں،

جہاں گیہوں کو اسی جگہ سڑنے دیا جاتا ہے، جہاں وہ پیدا ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ یا تو عشر گیر کاشتکاروں کو زیادہ ستانیاں ہیں، ذرائع نقل و حمل کی غیر موجودگی ہے، ملک کی غیر مستقل حالت ہے۔ کردستان اور عراق میں سڑکیں نہیں ہیں۔ بقیہ ملک کے بیشتر حصے میں جو سڑکیں ہیں، وہ سرما میں کیچڑ کی وجہ سے اور گرما میں دھول کی وجہ سے۔ جو پہیوں کے ساتھ ساتھ اٹھتی ہے، بالکل بیکار ہو جاتی ہیں۔ لیکن ان مختلف اسباب کے منجملہ جنھوں نے زراعت کو تباہ کر دیا ہے، تین خاص سبب یہ ہیں :۔ جائیداد کی غیر مستقلی، اوقاف اور قزاقی۔

ترکی میں جائیداد سے زیادہ غیر مستقل حالت اور کسی چیز کی نہیں ہے۔ کیونکہ ایک شخص کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ چند پیاسٹر لیکر دو مسلمان گواہوں کے ساتھ عدالت میں آکر یہ تصدیق کرادے کہ وہ فلاں قطعۂ اراضی کا مالک ہے۔ اس کے بعد اس کا نام درج رجسٹر کر لیا جاتا ہے۔ اور اسے ایک تاپو صداقت نامہ ملجاتا ہے۔ دو مسلمان گواہوں کی شہادت کے خلاف کسی دستاویز یا ضابطہ کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اسی طرح ولایت آیدین کا ایک وسیع رقبہ، جو ریاستہائے متحدہ کی سفارت کے ترجمان مسٹر ام موروودی، اور ایک ہنگری اور ایک انگریزی باشندے کی ملک تھا، جنھوں نے اس کو باقاعدہ طور پر سول لسٹ سے خریدا تھا، ایک بڑے آدمی کو دیدیا گیا، جس کے اس پروانت تھے۔ ریاست ہائے متحدہ کی سفارت اور انگلستان اور آسٹریا ہنگری کے سفیروں کا ان لوگوں کو اُن کی زمین نہیں بلکہ اس کے معاوضے میں دوسری زمین دلانے میں ایک سال سے زیادہ صرف ہوا۔

خط شریف گلہانہ، جس نے ۱۸۳۹ء میں تنظیمات کے نئے سال کا آغاز کیا تھا اور ۱۸۵۶ء کی خط ہمایونی کے نہایت راسخ مواعید کے باوجود، جس نے سابقہ ضابطہ کی توثیق مزید کی تھی، ارضی جائیداد کے حقوق ۱۸۶۸ء تک غیر ملکیوں کو حاصل نہیں ہوئے اور ۱۸۷۹ء تک صنعتی حقوق موثر طریقہ پر انھیں میسر نہیں ہو سکے۔ ارضی جائیداد کے حقوق کی مساعت بعض قابل افسوس پابندیوں اور قیود پر حاصل کی گئی تھی جو اس اصول پر مبنی تھی کہ ترکی میں پردیسیوں کی مستقل سکونت ناقابل زوال ہے اور یہ کہ ان تمام معاملات میں، جو جائیداد ارضی کے متعلق مقدمات قانونی سے تعلق رکھتے ہیں، قونصلوں کو کچھ اختیار نہیں ہے اور ایسے تمام مقدمات عثمانی عدالتوں میں منتقل ہونگے۔

۱۹۰۶ء میں حکومت عثمانیہ نے، جو خود بھی ۱۸۶۷ء کے معاہدے میں شریک تھی، غیر ملکیوں کو جائیداد ارضی کے متعلقات میں عثمانی قوانین کا پابند بنا کر، شریعت کا قانون نافذ کرنے کا مطالبہ کیا اور اس قانون کی رو سے یہ خواہش کی کہ ان پردیسیوں کے حقوق وراثت میں ترمیم کر دی جائے جو ترکی میں جائیداد کے مالک ہیں۔ حکومت نے املاکی جائیداد یعنی اوقاف کے مقابلے میں میراثی جائیدادوں کے مالکوں کے اس حقوق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ وہ اپنی جائیداد اپنی اُن بیٹیوں پر منتقل کر سکتے ہیں، جو دوسری قومیت رکھنے والے پردیسیوں کو بیاہی جائیں۔ حکومت کا یہ فعل غیر ملکیوں کے ان حقوق کی راست خلاف ورزی تھی، جو ان کو حوالگیوں کے لحاظ سے حاصل تھے۔ نیز اس سے خود ۱۸۶۷ء کے معاہدے کی بھی خلاف ورزی ہوتی تھی، جس کا یہ منشاء ہے کہ معاہدات کی رو سے غیر ملکیوں کو جو رعایتیں حاصل ہیں، وہ سوائے اس صورت کے جوں کی توں برقرار رہیں گی کہ سکونت مستقل کی ناقابلیت زوال کی شرط کے متعلق اور قونصلی حمایت کے ان حدود میں تخفیف کی ضرورت ہو، جو قریب ترین قونصل خانہ سے (۹) گھنٹے کی مسافت پر حاوی ہیں۔ اگر یہ نظریہ رائج ہو جاتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ ترکی میں جن پردیسیوں کے پاس جائیداد ہے۔ ان کو اپنی موروثی جائیداد کو وصیت نامہ کے ذریعے سے منتقل کرنے کا حق حاصل نہیں ہوتا اور پھر بہت جلد بیع و شری کا تمام کاروبار بھی مفقود ہو جاتا۔ حکومت عثمانیہ کی اس تجویز کو تمام سفارتوں نے مسترد کر دیا۔ اگر غیر ملکیوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جاتا تھا تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ دیسیوں کے ساتھ کیا کچھ نہ کیا جاتا ہوگا۔ مسئلۂ زراعت جو مقتدرین وقت کے کاشتکاروں کی زمینوں کو ہضم کر لینے کی بنا پر پیدا ہوا تھا، ترکی کی داخلی تنظیم کے متعلقہ مسئلے کے کمترین اجزا میں شامل نہیں ہے۔ کاشتکار کو کیا ضرورت ہے کہ وہ ایسی زمین کی کاشت کرے، جو کل اس سے بہت ممکن ہے کہ چھین لی جائے یا یہ کہ جس میں (۸۰) فی صدی اس امر کا یقین ہے کہ اس کی پیداوار کو لوٹ لیا جائیگا۔ اول تو اگر اس کی زمین گاؤں سے کچھ فاصلے پر ہے تو اس کے لئے یہ خطرہ ہے کہ آتے جاتے راستے میں اس کو قزاق گرفتار نہ کر لیں، جن کے گروہ تقریباً تمام ولایتوں میں پھرتے رہتے ہیں۔ دوسرے فصل کے وقت "دو دیہ سے بے" "آکر اپنے حق آغالیک کا مطالبہ کرتا ہے اور ہمیشہ اس کو (۱۵) فیصدی عشر کو (جو آجکل کی مقررہ شرح ہے) دوگنا اور سہ گنا

کر دینے کا کوئی نہ کوئی بہانہ ملجاتا ہے۔ اس طریقے پر کاشتکاروں کی محنت تقریباً سب کی سب دوسرے لوگوں کے لئے ہوتی ہے۔ اگر کاشتکار قزاقوں، افسروں، اور اسی قسم کے دوسرے پریشان کرنے والوں کا مقابلہ کرنا چاہے تو اس کا کوئی نتیجہ نہیں ہوگا اور بہت ممکن ہے کہ اس کی جان بھی خطرہ میں پڑ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک میں اسقدر وسیع رقبے بنجر پڑے ہوئے ہیں۔ چونکہ زراعت کرنے سے کاشتکار کو نفع کے بجائے نقصان اٹھانے کا خطرہ ہوتا ہے اس لئے وہ ان کو یوں ہی پڑا رہنے دیتا ہے۔

"مسلمانوں میں موسیو دے اوسون کا بیان ہے کہ، تمام ایسی جائیداد کو جو مساجد یا دوسرے امکنۂ مقدسہ کے لئے مخصوص کر دی جاتی ہے وقف یا عام لوگ وقوف کہتے ہیں۔ اس لفظ سے، جو تحویل، عطیہ، اور دست برداری کا مرادف ہے، ایک مقدس شئے کا تعلق بھی ظاہر ہوتا ہے، ایسی چیز کا جو بنی نوع انسان کی ضروریات اور خدمت کے لئے خدا کی محبت اور تقدس کے جذبے میں مخصوص کر دی گئی ہے۔ یہ اوقاف تین قسموں پر منقسم ہیں:۔ (۱) مساجد سے متعلق اوقاف جو گویا قوم کی مذہبی جائیداد ہے (۲) اوقاف عام یعنی وہ مبانی جو غریبوں کی امداد اور عوام الناس کے فائدہ کے لئے قائم کئے گئے ہیں۔ (۳) رسمی اوقاف، جن کا انحصار مساجد پر ہوتا ہے۔

اول کے دو قسموں کو قانونی اوقاف کہتے ہیں اس لئے کہ وہ مذہبی قوانین پر مبنی ہیں۔ اس قسم کے اوقاف بالعموم ناقابل انتقال ہوتے ہیں کیونکہ قانون کے مطابق یہ جائیداد خدا کی ملک ہے اور انسان کو اس پر صرف حق استعمال حاصل ہے۔ رسمی اوقاف وہ مال واسباب ہے، جو لوگ ان کی اصلی قیمت کا زیادہ سے زیادہ دس یا بارہ فیصد حصہ لیکر مساجد کو دیدیتے ہیں۔ اس قسم کی جائیداد اس کے مالکوں ہی کے پاس واصلات گیرندہ کی حیثیت سے رہتی ہے اور یہ لوگ ایک قسم کا سالانہ کرایہ ادا کرتے رہتے ہیں جس کے سود سے زیادہ جو مسجد کی ادا کی ہوئی رقم پر ادا کیا جاتا ہے، اور کوئی حیثیت نہیں ہے اوقاف محاصل سے مستثنیٰ ہیں اور قرضے کے لئے فروخت نہیں ہوسکتے مسجد اس تمام مال واسباب کی وارث ہوتی ہے، جو اس کا مالک اپنی موت پر پہلی نسل کے مرد بچوں کے نام منتقل نہیں کرتا۔ قدرتی وارث اور خود پوتے بھی اس سے خارج ہیں۔ مساجد کے لئے مال واسباب کے وقف کر دینے کی یہ وجہ ہے کہ انکی جائیدادیں

ضبط نہ ہونے پائیں اور ان کے وارث ان کو تلف نہ کرسکیں۔ جائیداد ارضی کا تین چوتھائی حصہ ترکی میں ایک قسم کے وقف کے تحت یا دوسرے قسم کے وقف کے لحاظ سے مساجد کی ملکیت ہے۔

اکثر مرتبہ قپر ولی، رجب، اور (Baraiktar) جیسے وزراء اعظم نے اوقاف کو اگر اس لفظ کو استعمال کیا جاسکتا ہے تو دنیوی امور میں تبدیل کردینے کی کوشش کی تھی۔ عالی پاشا نے انھیں لوگوں کی رائے کو اختیار کرلیا۔ ۸ رجون ۱۸۶۷ء کے قانون میں اس امر کا تصفیہ کردیا گیا کہ وارث اول کے موجود نہ ہونے کی صورت میں وقف کو بجائے اوقاف میں شریک کئے جانے کے ساتویں درجے تک کے جائز وارثوں میں تقسیم کردیا جائے۔ ۱۸۶۲ء کے ایک فرمان نے، جس کی ۲۳ راپریل ۱۸۷۵ء کے قانون سے تکمیل ہوگئی تھی، اوقاف کو حق انتقال ترکہ سے متعلق ایک مقررہ قانون اور ایک سالانہ محصول کا ماتحت کردیا، جو اصل پر عاید کیا جائیگا۔ لیکن یہ تمام باتیں صرف ایک خفیف سی تسکین دوا کا اثر رکھتی ہیں اور وقف اب تک سلطنت کا ایک نہایت ہی ملک آئین بنا ہوا ہے۔

اوقاف کو اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ اس کام کے لئے ایک جداگانہ وزارت قائم کی گئی ہے۔ انھوں نے خزانہ کو مالگذاری کے ایک قابل لحاظ حصے سے محروم کردیا ہے اور جائیداد ارضی اور مکانات کی آمدنی کو مسدود کرکے ان کو بے منفعت بنا دیا ہے اور اس طرح ان سے سلطنت کو ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔

۱۸۸۹ء میں سلطان عبدالحمید نے، جس کی ترکی باوجود اس کے مظالم کے ایک حد تک مادی ترقی کے لئے مرہون منت ہے، زرعی بنک قائم کیا تھا، جس کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو زرعی قرضوں کا عادی کیا جائے اور کاشتکاروں کو مہاجنوں کی گرفت سے چھڑایا جائے۔ یہ مہاجن سلطنت کے صوبوں کے لئے ایک بلائے مبرم تھے خصوصاً ایشیا میں، جہاں روپیہ کی اسقدر قلت ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس چند ترکی پاونڈ ہوں تو وہ آسانی کے ساتھ روپیہ کا لین دین کرسکتا ہے۔ سود کی معمولی شرح دو پیاسٹر یہ ماہانہ (۵) پیاسٹر ہے اور اگر مہینے کے اختتام پر اصل اور سود ادا نہیں ہوتا ہے تو سود مرکب وصول کیا جاتا ہے۔ زرعی بنک کے لئے سرمایۂ عشر پر مزید ($\frac{1}{10}$) کا اضافہ کرکے فراہم کیا گیا تھا۔ اس بنک نے ملک کو حقیقی معنوں میں فائدہ پہنچایا ہے لیکن یہ تحریک جتنی کہ اس سے

توقع کی جاتی تھی اتنی کامیاب نہیں ہوئی اور سود خوری کی رسم کو مٹا نہیں سکی۔ اس معاملے میں اس کی ناکامیابی کے بہت سے اسباب ہیں۔

۱۹۳۸ء میں وزارت امور عامہ کے سرکاری اخبار "امور نافع وزراعت مجمع الناس" زرعی بنک کے کاروبار پر بعض جرائد کے اعتراضات کے جواب میں تحریر کیا کہ "اصل سبب کاشتکاروں کی ذہنی حالت ہے، جو، لکھنا اور پڑھنا نہ جاننے کی وجہ سے، اپنے مختاروں اور اماموں کی ہدایتوں پر عمل کرتے ہیں اور خود یہ امام اور مختار بھی ان امور میں، جو زرعی بنک سے روپیہ قرض لینے کی ضروری کارروائیوں سے متعلق ہیں کاشتکاروں سے کچھ زیادہ سمجھدار واقع نہیں ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سرکاری دستاویزات مثلاً صداقت نامہ وغیرہ، جو بنک کی مختلف شاخوں میں پیش کئے جاتے ہیں اکثر انھیں مقامات پر واپس آجاتے ہیں جہاں سے ان کو جاری کیا جاتا ہے، کیونکہ انکی ضروری اور مقررہ طریقے پر خانہ پری نہیں کی جاتی ہے۔

اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ محاصل ارضی کی بقایا جائیدادوں کو اس قدر اپاہج کردیتی ہے کہ ان کو قرضوں کی کفالت میں، چاہے وہ کتنی ہی قلیل المقدار کیوں نہ ہوں قبول کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ بعض صورتوں میں جائیداد قرض گیرندہ کی ذاتی ملک نہیں ہوتی بلکہ اس کے باپ یا دادا کی ملک ہوتی ہے۔ ان صورتوں میں قرضہ دینے سے انکار کردیا جاتا ہے اور کاشتکار متنفر ہو جاتے ہیں لیکن اس قسم کی صورتوں کو تا حد امکان قلیل الوقوع بنانے کے لئے بنک کے ارباب حل وعقد نے باب عالی کو اس امر پر آمادہ کرلیا ہے کہ صوبہ داری مقتدرین کو باقاعدہ طور پر محاصل اراضی کی نظرثانی اور کثیر المحاصل جائیدادوں کی جمعبندی میں تخفیف کا حکم دیا جائے اور ساتھ ہی اس امر کی بھی ہدایت کی جائے کہ جائیدادوں کی تمام واجب الوصول بقایا حاصل نہ کی جائے بلکہ ہر سال محاصل جاریہ کی وصولی اور بقایا کی ایک سالانہ قسط کی تحصیل پر ہی اکتفا کیا جائے۔ اگر ان احکام کی سختی کے ساتھ پابندی کی جاتی تو بنک اور قرض گیرندوں دونوں کے لئے سہولتیں پیدا ہو جاتیں لیکن بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوا۔ بنک کے ارباب حل وعقد موجودہ صورت حال کی تلافی کی اس طرح کوشش کر رہے ہیں عہدہ داران مقتدر کی توجہ اس کی طرف مبذول کرائی جارہی ہے۔"

یہ کہنا تحصیل حاصل ہے کہ ان میں سے کوئی صورت بھی اختیار نہیں کی گئی لیکن سب سے زیادہ جس چیز نے زرعی بنک کے کاروبار میں رکاوٹیں پیدا کیں وہ یہ تھی کہ اس کا سرمایہ ترقی زراعت کے علاوہ دوسرے کاموں میں بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ سنہ ۱۹۰۷ء کے کاروباری سال کے اختتام پر بنک کا اصل (۳۰۸، ۳۵، ۸، ۵۸، ۹۴ پ) یا بہ الفاظ دیگر (۲۰۸) ملین فرانکس تک پہنچ گیا لیکن اس اصل کے منجملہ صرف (۵۷۷، ۴۹۵، ۱۴، ۵ پ) زر نامہ (specie) میں ظاہر کئے گئے تھے۔ بقیہ رقم خزانہ، حجاز ریلوے، اور دوسرے انتظامات سلطنت پر بنک کی واجب الادا تھی، جن کو اس نے شاہی فرمان کی بنا پر روپیہ قرض دیا تھا۔ بنک نے اپنی ملک کی بازدہی کا مطالبہ کیا ہے۔ اس کا قرضہ قرضہ جات جاریہ میں شامل کر لیا گیا ہے۔

حلقے کے زرعی مدرسے کے ایجاد کئے ہوئے نئے طریقوں کے نفاذ، مختلف ولایتوں میں نمونے کے کھیتوں کی تیاری، ولایتوں، سنجکوں اور قضاؤں میں مجالس زراعت کے قیام، غلے کی پیداوار کی ترقی کے ذرائع کے انکشافات، خانگی جانوروں کی نسلوں کی اصلاح، امراض مویشی کے انسداد، اور ایک معمل تحقیقات جراثیم کے قیام[1] کے ذریعے سے، جس نے چوپایوں وغیرہ کے لئے طاعون کش سیرم مہیا کیا ہے، سلطان عبدالحمید کے زمانے میں زراعت کی ترقی کے لئے قابل تعریف کوششیں کی گئی تھیں لیکن یہ صرف تسکین بخش دواؤں کا اثر رکھتی تھیں، جو اصل مرض کو رفع نہیں کر سکتیں۔

سنہ ۱۹۰۸ء میں ایک کمیشن۔ ترکی کے کمیشنوں کی تعداد پر کوئی لحاظ نہیں کرنا چاہئے ترقی زراعت کے ذرائع دریافت کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ اس کمیشن میں سوائے اس کے اور کوئی تصفیہ نہیں ہوا کہ دارالسلطنت اور اس کے تمام حدود ارضی میں جس قدر

[1] تحقیقات جراثیم کا آغاز سنہ ۱۸۹۳ء میں پیس ٹیور انس ٹی ٹیوٹ کے ڈاکٹر نکولی نے کیا تھا، جو سنہ ۱۹۰۳ء تک اسکا صدر رہا۔ ڈاکٹر ریم بن جرا اسکا جانشین ہوا، یہ شخص بھی فرانسیسی تھا اور حکومت اسامی کے قیام جدید تک اسکا صدر رہا۔ نئی حکومت اس جگہ کسی ترک کو مقرر کرنا چاہتی تھی، لیکن دانشمندی سے کام نیکر اس نے پھر اسی شخص کو اس جگہ مقرر کر دیا یہ انس ٹی ٹیوشن ڈِس انفیکشن کی متعلقہ خدمات میں سنہ ۱۸۹۳ء سے ڈاکٹر نکولی کے زیر ہدایت ام مان ڈے گن کا ممنون منت ہے، جس نے دارالسلطنت کی نہایت ہی انمول خدمات انجام دی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نئی حکومت نے

روٹی صرف ہوتی ہے، وہ سب ملکی آٹے سے تیار کیجائے اور غیر ملکی آٹے کو گھسنے نہ دیا جائے۔ موخر الذکر قسم کے آٹا کی درآمد کو ممنوع تو نہیں قرار دیا گیا البتہ روٹی والوں کو یہ ہدایت کر دی گئی کہ اگر انھوں نے بدیسی آٹا استعمال کیا تو تمام روٹی ضبط کر لی جائیگی اور کثیر جرمانہ وصول کیا جائیگا۔ سرکاری مراسلت میں جو ترکی جرائد میں شائع ہوئی تھی، بیان کیا کیا گیا تھا کہ:-

"مجلس وزراء کی رائے ہے کہ روٹی کی تیاری کو مقامی آٹے تک محدود کر دینا اصول آزادی کے خلاف ہے اور یہ کہ حال کی طرح مستقبل میں یہ طریقہ اختیار کیا جانا قرین فطرت ہوگا کہ درآمد شدہ آٹے سے روٹی تیار کرنے کی مشرحۂ ذیل شرائط پر اجازت دیدی جائے۔ محکمۂ صفائی (میونسپلٹی) کے خاص طور پر یہ کام سپرد کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کے ارزاں قیمت پر روٹی خریدنے میں جس کے بغیر چارہ نہیں سہولت بہم پہنچانے کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرے۔ اور تجربے سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ مقصد صرف مقامی آٹے کو استعمال کرنے سے پورا ہو سکتا ہے کیونکہ اگر مقامی پیداوار کو زیادہ تعداد میں صرف کیا گیا تو اس سے ملک کے تقریباً گیارہ لاکھ ترکی پاونڈ ملک ہی میں رہیں گے اور دوسری طرف روٹی کی قیمت میں تخفیف ہو جانے سے لوگوں کو سالانہ دو لاکھ ترکی پاونڈ کی بچت ہوگی۔ لہذا مجلس وزراء نے حسب ذیل فیصلہ کیا ہے، جس کو ایک ارادۂ شاہی کے ذریعے سے شرف منظوری بھی حاصل ہو چکا ہے۔"

اس تحریر کے بعد مقامی آٹے سے تیار کی ہوئی روٹی کی قیمت سے متعلق احکام درج کئے گئے تھے۔ بدیسی آٹے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس طرح روٹی بنانے والوں کو "آزادئ تجارت کے اصول کو قائم رکھنے کے لئے" اعلیٰ قسم کی روٹی تیار کرنے کی اجازت حاصل ہوئی تھی اور اس اصول کو روٹی کے اجزائے ترکیبی پر منطبق نہیں کیا گیا تھا بلکہ ان قیمتوں پر منطبق کیا گیا تھا، جن پر آزادی کے ساتھ روٹیاں فروخت ہوتی تھیں۔

کرگناس کے زرعی مدرسہ کے ایک سابق طالب علم، اماسیان آفندی کی ایک

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ام ان ڈرے گن کی تنخواہ روک دی ہے جس نے (۱۹) سال تک ملازمت کی ہے۔

رپورٹ میں، جو وزیر تجارت و زراعت کی موسومہ تھی زراعت کی حالت اس طرح ظاہر کی گئی ہے کہ: "وہ زمین کی زرخیزی کی وجہ سے ہمارے کھیت زمانۂ گزشتہ میں بہت زرخیز تھے۔ اب ان کی قوت پیداآوری میں انحطاط واقع ہو رہا ہے۔ ہمارے بوڑھے کاشتکار پریشان ہو ہو کر اس کی تصدیق کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اب زمین سے ان کو وہ پیداوار حاصل نہیں ہوتی جو انھی جوانی میں حاصل ہوتی تھی جبکہ پیداوار کا تناسب (۱) کے مقابلے میں (۱۵) اور بیس تک تھا اور آجکل یہ اب (۱) کے مقابلے میں (۶) ہے...... قابل زراعت زمین کی کثرت یقیناً ایک دولت ہے لیکن زمین سے اس کی حیثیت کے مطابق کام لینے کے لئے ہمارے کمزور ذرائع کو پیش نظر رکھتے ہوئے زمین کی اس کثرت سے بجائے فائدے کے نقصان زیادہ ہے کیونکہ اس سے کام نہ لئے جانے کی وجہ سے یہ طغیانیوں اور سیلابوں کے لئے وقف ہو چکی ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ نہایت ہی زرخیز میدان مضرت رساں بخارات اور باری سے آنے والی تپوں کے گہوارے بن گئے ہیں، جو توسیع آبادی میں مانع ہوتے ہیں۔ جو جانور ان مقامات پر چرتے ہیں خصوصاً جاڑوں کے موسم میں، وہ رطوبت کے زہریلے اثر سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ چنانچہ اس کا ثبوت طاعون مویشی کے پے درپے حملوں سے ملتا ہے، جو متعدی ہونے کی وجہ سے صحتمند اضلاع میں بھی پھیل جاتا ہے......"

ایک دوسری رپورٹ موسومہ وزیر اعظم میں اسی شخص نے بیان کیا تھا کہ: "یہ لوگ اور خصوصاً پردیسی ہمیشہ یہ کہتے ہیں کہ "ریلیں بناؤ۔ زرعی پیداوار خود بخود بڑھ جائیگی"۔ بلاشبہ حمل ونقل کے بہتر ذرائع ملک کے لئے سودمند ثابت ہونگے۔ یورپ میں یہ ذرائع حمل ونقل پیداوار کی زیادتی میں مدد دیتے ہیں لیکن یورپ کی مثال کامل طور پر سلطنت عثمانیہ پر منطبق نہیں ہو سکتی کیونکہ ریلیں پیداوار کا ذریعہ نہیں ہیں بلکہ کفایت شعارانہ حمل ونقل کا ذریعہ ہیں۔ ریلوں کی موجودگی سے پیداوار اور توسیع پیداوار کے ذرائع کی کثرت کا پتہ چلتا ہے کیونکہ حمل ونقل کے لئے اگر پیداوار ہی نہ ہو تو ریلوں سے فائدہ پہنچنے کی بجائے حکومت پر ان کا الٹا بار پڑ جاتا ہے ترکی میں برآمد کے قابل صرف زرعی پیداوار ہے اور یہ پیداوار اس قدر کافی نہیں ہے کہ اس سے ریلیں سرسبز ہو سکیں۔ ہمارے ملک میں زرعی پیداوار میں اسوقت تک ہرگز اضافہ نہیں ہوگا جب تک کہ قدیم ذریعہ ہائے پیداوار میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہو۔ بہ الفاظ دیگر اس وقت تک پیداوار میں اضافہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ کاشتکار اپنے روزمرہ کے معمولی

کاموں پر قائم ہے اور اس کے پاس اپنے دو ہاتھوں، اپنی محدود ذہانت اور اپنی فرسودہ ہل کلی کے علاوہ دوسرے آلات موجود نہیں ہیں۔ اس کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ اس کے پاس لازمی طور پر ایسے ذرائع موجود ہوں، جن سے کام لیکر وہ اسی وقت میں اور اسی محنت کے ساتھ اب تک جتنی پیداوار اس کو حاصل ہوتی ہے، اس سے پانچ گنی یا چھ گنی پیداوار حاصل کرلے......"

ان ذرائع میں، جو صرف حکومت مہیا کرسکتی ہے، سب سے پہلے اس رپورٹ میں حفاظت کو جگہ دی گئی ہے اور حفاظت ہی ایک ایسی چیز ہے، جس کا ترکی میں، جو قزاقی اور لوٹ مار کے لئے ارض منتخب کی حیثیت رکھتی ہے، سب سے زیادہ فقدان ہے۔ کرد، بدو، زیبک، چرکس، ترکمان، ان تمام ملکوں کے پناہ گیر ندے، جو ترکی کے قبضے سے نکل گئے ہیں، آغا یا ویرے بے، جو جاگیری حقوق کے مدعی ہیں اور جو فدیہ حاصل کرنے کے لئے مرفہ الحال زمینداروں کو پکڑ کر لیجاتے ہیں اور لوگوں کو لوٹ لیتے ہیں، جرائم پیشہ اور مضرور، وہ کاشتکار جو مقتدرین کے مظالم کا شکار ہو جاتے ہیں اور جو افلاس کی وجہ سے جرائم کے ارتکاب پر مجبور ہوتے ہیں، غرض یہ سب کے سب ڈاکو اور لٹیرے ہیں۔ قزاقی کی مختلف صورتوں میں گرم بازاری ہے اور ملک پر اس کو قبضۂ مالکانہ حاصل ہے۔ بیسویں صدی میں یہ گروہ قرون وسطیٰ کے قزاقوں کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ ان کی باقاعدہ افواج سے حقیقی معنی میں جنگ ہوتی رہتی ہے، جس میں اکثر انھیں کو فائدہ ہوتا ہے۔ یہ فدیہ حاصل کرنے کی غرض سے دولتمند زمینداروں کو پکڑ لیجاتے ہیں۔ تاجروں کے قافلوں کو لوٹ لیتے ہیں اور ڈاک پر ڈاکے ڈالتے ہیں۔ یہ لوگ ریل گاڑیوں کو روک لیتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے قصبوں سے محصول وصول کرتے ہیں۔ یہ لوگ جب مہمات اور خواہشات کی اس زندگی سے تھک جاتے ہیں تو نیک دل شہریوں کی طرح اطمینان سے اپنی محنت کے پھل کھانے کے لئے یہ لوگ ایک غیر مشروط معافی کے معاوضے میں اپنی اطاعت پذیری کو بیع کر دیتے ہیں۔ اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انھیں فوج یا جنڈآرمہ میں کوئی جگہ دیدی جاتی ہے۔ ترکی میں قزاقی ایک فائدہ بخش بلکہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ایک شریف پیشہ ہے۔ یہ ایک ملک پر قابض ہو جاتا ہے اور خود سلطان کے مقابلے میں اپنی قدرت مطلق کی تصدیق کر دیتا ہے کاشتکاروں سے سال میں کئی کئی مرتبہ محاصل کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ جبریہ محنت اور ادائیات

بالجنس سے عاجز آجاتے ہیں۔ ان کے مویشی ذرا سے بہانہ پر گرفتار کر لئے جاتے ہیں۔ ان کی جھونپڑیاں خزانہ کی منفعت کے لئے ضبط کر لی جاتی ہیں اور ان کو اپنی محنت کا کوئی صلہ نہیں ملتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کے لئے، جو ان پر مظالم کرتے ہیں، اپنے خون کو پانی کی طرح بہانا چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ قزاقی کا پیشہ اختیار کر لینے میں اپنے لئے زیادہ نفع پاتے ہیں یا اگر ان میں بندوق اٹھانے کے لئے کافی دلیری اور جرأت ہو تو وہ مال مسروقہ کے خریدار اور کوہستانی بادشاہوں کے رسد رساں بنجاتے ہیں۔ یہی ایک ایسا طریقہ ہے، جس سے وہ ان عہدہ داروں، ججوں، اور لیڈروں سے انتقام لے سکتے ہیں، جنھوں نے مسلسل ان لوگوں پر ڈاکے ڈالے تھے۔ تمام ملکوں میں جہاں بدیسی فاتحوں نے اپنی سلطنت قائم کر لی ہے، مغلوب لوگوں نے اپنے فاتحوں کے خلاف احتجاج کے طور پر قزاقی کا طریقہ اختیار کیا ہے اور اکثر صورتوں میں قزاق قومی ہیرو بن گئے ہیں جیسا کہ زمانۂ قدیم کے کلفٹیز کا حال، جس کی شعراء نے خوب مدح سرائیاں کی ہیں لیکن ترکی میں قزاقی کا اصلی سبب ابتک حکومت کے نظم ونسق کی خرابی ہے۔ قزاقوں کے اکثر سرداروں کی تاریخ کے آغاز میں ناانصافی اور انتقام کی ایک زبردست خواہش کا وجود پایا جائیگا۔

ملک کی معاشی اور اخلاقی حالت قزاقی کی سرسبزی اور ترقی کے لئے نہایت ہی مناسب ہے۔ ولایتوں کے خاص خاص شہروں کے علاوہ، جن کو بڑی بڑی سڑکوں کے ذریعے سے ایک دوسرے سے ملا دیا گیا ہے، بعض اہم شہر ایسے بھی ہیں جو یا تو نہایت ہی خراب حالت میں ہیں یا سرے سے جن میں کوئی سڑکیں ہی نہیں ہیں۔ چٹیل میدانوں، گھنے جنگلوں اور پہاڑوں میں، جن سے قزاق بخوبی واقف ہیں، ان لوگوں کا تعاقب کرنا قریب قریب ناممکن ہے۔ چند آدمی یا سپاہی، جو ان کے تعاقب میں بھیجے جاتے ہیں، ملک سے واقف نہیں ہوتے اور پھر کوئی نقشے بھی نہیں ہیں۔

قزاقی میں ترقی کے دوسرے اسباب بھی ہیں۔ اول یہ کہ ترکی میں مفروریں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ یورپ میں اس پر یقین بھی نہیں کیا جاسکتا۔ عام طور پر یہ باور کیا جاتا ہے کہ ترک لڑائی کے علاوہ کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرتے بیسرت کی صرف ایک سنجک میں عثمانی قرضۂ عامہ کی رپورٹ کے مطابق (جس کو اس مسئلے میں اس خطہ کے موجودہ نمک کی بنا پر

دلچسپی ہے) تین ہزار سے زیادہ ایسے مضروین نے، جو سب کے سب یا تو قزاق ہیں یا ممنوعہ اشیاء کی تجارت کرتے ہیں۔ یہ لوگ ایک وقت میں قزاقی کا پیشہ اختیار کر لیتے ہیں، دوسرے وقت میں ممنوعہ اشیاء کی تجارت شروع کر دیتے ہیں اور جیسے حالات ہوتے ہیں یا جیسی فصل ہوتی ہے اسکے مطابق اپنے لئے مصروفیتیں تلاش کر لیتے ہیں۔ قزاقی میں ترقی کا دوسرا یہ سبب ہے مسلمان تارکان وطن کا ورود ہے، جو یا تو حکومت عثمانیہ کے وعدوں پر بھروسہ کرکے قاف، بلغاریہ اور روبروجہ سے آگئے ہیں، یا جنکے پاس روزی حاصل کرنیکے کوئی ذرائع موجود نہیں ہیں، یا جو اس قدر مجہول الحال واقع ہوئے ہیں کہ کوئی کام نہیں کر سکتے اور چوریاں کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

جب روسیوں نے، عثمانی افواج کے بقیۃ السیف حصے کا تعاقب کرتے ہوئے، قسطنطنیہ کی طرف پیشقدمی کی تھی تو اسوقت حکومت عثمانیہ نے مسلمانوں کو ترک وطن اور دارالسلطنت میں پناہ لینے پر اکسا کر ایک نہایت ہی شدید غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔ سلطان کا اس سے یہ مقصد تھا کہ ایک طرف تو ان خوفزدہ اور غضبناک گروہوں کے ورود سے عیسائی آبادی کو لرزہ براندام کر دیا جائے اور دوسری طرف ان لوگوں کے مصائب کے نظارہ سے سفارتوں پر اثر ڈالا جائے۔ قسطنطنیہ اور اسکے نواح میں (۔۔۔۔،) بچے، جوان، اور بوڑھے مرد اور عورتیں کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں اور ان میں سے ایک کثیر تعداد کے پاس کھانے پینے کے کوئی ذرائع موجود نہیں تھے۔ اکثر فاقہ اور معیادی بخار میں مبتلا ہو کر مر گئے۔ جو لوگ باقی بچے انکی حالتیں تباہ تھیں، انکے چہرے زرد تھے، بھوک سے ان کا برا حال تھا اور وہ اپنی حالت پر لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے چیختے پھرتے تھے۔ ان لوگوں کو مسجدوں کے احاطوں، خالی عمارتوں اور ایسے مکانوں میں مقیم کر دیا گیا تھا، جو خاص اسی غرض سے حاصل کئے گئے تھے۔ مہینوں تک حکومت اسی فاقہ کش جماعت کو نہایت بے پرواہی کے ساتھ دیکھتی رہی اور پھر کہیں جا کر اس نے ایک "کمیشن پناہ گیراں" کے قیام کا ارادہ کیا، جس کا فرض یہ تھا کہ مختلف صوبجات میں مہاجرین کے لئے زمینیں مشخص کر دی جائیں۔ لیکن ایسی حالتیں کہ نہ رہنے کو مکان تھا، نہ زراعت کے لئے بیج تھا اور نہ کاشت کیلئے مویشی اس مصیبت زدہ جماعت کی زمینیں کس کام آ سکتی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ قزاقی میں بھرتی ہونے کیلئے ایک لازوال ذخیرہ بن گئے۔ سلطان اپنی اسی مہلک پالیسی پر قائم رہا، جو معاہدۂ برلن کے بعد اس نے اختیار کر لی تھی اور بوسنہ، بلغاریہ، دبروجہ، تھسلی، اور قاف کے مسلمانوں کو ترکی میں ہجرت کرنے پر ہمیشہ اکساتا رہا۔ اس نے یہ محسوس نہیں کیا کہ وہ اسطرح اپنے دشمنوں کا کھیل کھیل رہا ہے۔ چرکسی ہجرت سے، جو سبق حاصل کیا جانا چاہتے تھے، وہ ترکی مدبرین نے بالکل بھلا دیا۔

تمام قزاقوں کے پاس جدید قسم کے جلد جلد فیر کرنیوالے ہتھیار تھے۔ یورپ میں قزاق سرداروں میں زیادہ تعداد البانیوں کے علاوہ عیسائیوں کی تھی، جو ایک حیثیت سے کلفٹیز کی روایت میں دوامیت پیدا کر رہے تھے۔ ترکی میں کوئی شخص یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ بغاوت کہاں ختم ہوئی اور قزاقی کہاں شروع ہوئی۔ ایشیا میں تناسب اسکے برعکس تھا۔ یہاں عیسائی مصروف رکن نہیں تھے بلکہ جاسوس اور مسروقہ اشیاء کے فراہم کنندہ تھے۔ صرف ولایت عیدین میں جو سلطنت کا نہایت ہی دولت مند اور اہم صوبہ ہے، قزاقی میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے مابین برادرانہ تعلقات تھے اور اس اتحاد نے اس کاروبار میں کملیت پیدا کر دی جو دوسری جگہ مفقود تھی۔ یہ ولایت اپنی قزاقوں کے لئے ہمیشہ مشہور رہی ہے۔ بعض قزاق کچھ ایسی عجیب وغریب شخصیتیں بن گئے ہیں کہ ان کے ناموں کو شگون کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ان ناموں کو بزرگی اور شرافت کے خطاب کے طور پر کوہستانی تاجدار آپس میں ایک دوسرے کو عطا کرتے ہیں اور سب سے زیادہ قابل اور اہل شخص کو عطا کئے جاتے ہیں کسی دوسرے باب میں میں نے یہ بیان کیا ہے کہ کامل پاشا کے بیٹے، ریر ایڈمیرل سعید پاشا نے ولایت عیدین میں کس طرح قزاقوں کی سرداری کی تھی۔ کامل پاشا اور اس کے لائق بیٹے کے بعد قزاقی کو فرو کرنے کی خدمت قرہ سعید پاشا کے سپرد کی گئی۔ یہ ایک جوشیلا جنرل تھا اور اس نے اپنی خدمت مفوضہ کو انجام دینے کے لئے نہایت ہی ہوشیاری اور جوش سے کام لیا۔ ۲۳ جولائی کے انقلاب کے رونما ہونے سے قبل وہ اس سلسلے میں بہت کچھ کر بھی چکا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑوں میں جو قزاق ستم رانیاں کرتے پھرتے تھے وہ یکایک سحر کے ذریعے سے ناپید کر دیے گئے ہیں۔ ولایت میں اب کوئی قزاق باقی نہیں رہے تھے لیکن اس کے بجائے ممنوعہ تجارت میں اضافہ ہو گیا۔ اور پھر محمود شوکت کے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لینے کے بعد یکایک صوبہ کے تمام حصوں میں ایسی شدت کے ساتھ قزاقی ایک ساتھ پھوٹ پڑی کہ اس سے پہلے کبھی سننے میں نہیں آئی تھی قزاقوں کے گروہوں کی تعداد میں اتنا اضافہ ہو گیا کہ وسواسی (Sceptics) بھی یہ پوچھنے لگے کہ ان لوگوں کی حمایت پر کون شخص ہے؟ دو سرداروں کو خاص طور پر پبلک پسند کرتی تھی۔ کپتان اندری، اس نام کا نصف صدی سے ایک عیسائی سردار ہوتا چلا آیا تھا، جو قزاقوں میں مشہور تھا اور شاکر جی محمد جو مسلمان تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اپنے تمام پیشروؤں کی عظمت کو گھٹا دے گا۔ وہ نہایت دلیر اور بالکل نڈر تھا۔ جب وہ انتقام لیتا تھا تو انتہا سے زیادہ ظلم کرتا تھا۔ جب وہ خوش ہوتا تھا تو بے انتہا سخاوت کرتا تھا۔ اسکے

تعاقب میں جو سپاہی اور جندارمی بھیجے جاتے تھے، انکا للکار للکار کر مقابلہ کرتا تھا۔ اس سے عورتیں اس لئے محبت کرتی تھیں کہ وہ بے انتہا حسین تھا اور کاشتکار اس پر اس لئے فدا تھے کہ وہ انکو محاصل وصول کنندگاں سے پناہ اور بعض صورتوں میں محصول ادا کرنے کے لئے انکو روپیہ دیتا تھا۔ وہ نہ صرف پہاڑوں ہی کا بادشاہ تھا بلکہ میدانوں کا بھی بادشاہ تھا۔ حکومت نے اس کے سر کی قیمت الـــ سہ ترکی پونڈ مقرر کی۔ اس نے اس کے جواب میں والی کے سر کی قیمت اعـــ سہ ترکی پاونڈ مقرر کردی۔ اسکے خلاف (۱۵) بٹالینیں بھیجنے کا ارادہ کیا گیا۔ مگر وہ برابر حکومت کو للکارتا رہا۔ وہ سنہ ۱۹۱۲ء میں مارا گیا اور کہا جاتا ہے کہ اپنے ایک لفٹنٹ کے انتقام کا شکار بنا۔

سمندر پر بحری قزاقوں سے بھی اتنا ہی خطرہ تھا جتنا کہ خشکی پر ان ڈاکوؤں سے یہ قزاق بحر اسود مارمورا، اور دردانال میں پائے جاتے تھے "ہر سال عثمانی مجموعۃ الجزائر اور پروپانٹوس کے ساحلی مواضعات سے متعدد جہاز ملکی پیداوار پھل، ترکاری، اسفنج، تیل، شراب وغیرہ لیکر قسطنطنیہ آتے تھے۔ اور جب اپنے مال کو فروخت کرکے یہ لوگ خوش خوش اپنے اپنے گھروں کو واپس جاتے ہوتے تھے کہ یکایک انکے سامنے ایک جہاز آتا تھا، جسمیں مسلح ڈاکو بھرے ہوتے تھے۔ مدافعت بالکل بیکار تھی تمام مال و دولت چھین لیا جاتا تھا۔ جہاز کے مسافر قتل کردئے جاتے تھے اور جرم کے نشانات کو ناپید کردینے کی غرض سے جہاز غرق کردئے جاتے تھے۔" ہر جگہ سے مرکزی حکومت کے پاس ان واقعات کے متعلق شکایتیں آنے لگیں مگر انکا کوئی اثر نہیں ہوا اور حکومت اسی طرح ساکت وصامت رہی۔ عہدہ داروں کے جمود وسکوت میں ذرا بھی کسی طرح خلل واقع نہیں ہوا۔ زیادہ سے زیادہ انھوں نے یہ کیا کہ جرائد میں اس مضمون کا ایک اعلان شائع کرادیا کہ بحری اور بری قزاقوں کے تمام افسانے سلطنت کے دشمنوں کے ایجاد کئے ہوئے ہیں۔

قسطنطنیہ کی کانفرنس میں، جو سنہ ۱۸۷۷ء کے جنگ ترکی و روس کے قبل واقع ہوئی تھی، حکومت عثمانیہ نے نمونتہً ایک جندارمہ کے قیام کے متعلق اپنے ارادہ کا زور وشور کے ساتھ اعلان کیا تھا۔ اس کی تنظیم کے لئے انگریزی افسروں کے ایک اسٹاف کے ساتھ کرنل باقر کو منتخب کیا گیا تھا اور وہی اسکا افسر اعلیٰ بنایا جانے والا تھا۔ یہ جندارمہ کبھی وجود میں نہیں آیا اور باقر پاشا اور اس کے افسر اپنی اسکیم کے نفاذ کا بیفائدہ انتظار کرتے رہے۔ سنہ ۱۸۸۱ء میں اکثر افسروں کو برطرف کردیا گیا اور باقر پاشا نے ترکی سے بددل ہوکر خدیو کی ملازمت اختیار کرلی۔ عبدالحمید کے زمانے میں وزارت حربیہ میں جندارمہ کی تنظیم جدید کیلئے ایک کمیشن کا قیام عمل میں آیا تھا لیکن اس کے

چاہے کتنے ہی اجلاس کیوں نہ منعقد ہوئے ہوں، صورت حال میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔

اصلاحات مقدونیہ کے متعلقہ مرز طاغی نظام العمل کے نفاذ کے سلسلے میں ایک جنڈارمہ کی جسکو کہا تو مشترک جاتا تھا مگر جس میں در اصل صرف مسلمان ہی سلمان تھے، سالونیکا منستیر اور کسافو کی تین ولایتوں کیلئے ابتداً اطالوی جنرل ڈی جیار جس اور پھر جنرل کاؤنٹ ڈی روبی لینٹ کے ماتحت یورپین افسروں نے تنظیم کی تھی۔ انقلاب جولائی کے موقع پر جدید تنظیم یافتہ جنڈرامہ (۷) بٹالینوں پر مشتمل تھا، جن کے منجملہ (۴) سالونیکا میں تھیں، (۲) منستیر میں اور (۱) اسکوب میں۔ ان بٹالینوں (۴،۷۰۰) آدمی قابل جنگ تھے جنکے منجملہ ایک ربع کیلئے (۱۸۵) افسروں کے ماتحت، جنمیں سے (۱۱۸) معروف فوج میں سے لئے گئے تھے اور (۲۷) نان کمیشنڈ افسر تھے، جنھوں نے سالونیکا کے مدرسہ میں افسروں کے نصاب کی تکمیل کی تھی، گھوڑے بھی مہیا کئے گئے تھے۔

۱۵ اپریل ۱۹۰۹ء کو ایک جوابی انقلاب کی کوشش کے بعد جدید تنظیم یافتہ جنڈارمہ کا ایک زبردست دستہ قسطنطنیہ کی طرف پیشقدمی کے موقع پر اساسی لشکر کے ساتھ بھیجا گیا تھا، دار السلطنت پر قبضہ ہو جانے کے بعد انھیں لوگوں نے اس وسیع شہر میں دوبارہ امن قیام کرنے کی نازک ذمہ داری اپنے سر لی تھی۔ جس طریقے پر انھوں نے اپنے اس فرض کو انجام دیا ملکی اور غیر ملکی دونوں قسم کے باشندوں نے اسکی مدح سرائی کی اور اس وقت سے سالونیکا کے "دو کبودیوں" کی جیسا کہ ان لوگوں کو عام طور پر کہا جاتا تھا، یونیفارم کو ایک اعلیٰ مرتبت ہر دلعزیزی حاصل ہوگئی ہے[1]۔

مجوزہ اسکیم کے مطابق سلطنت کو جنڈارمہ کے پانچ علاقوں میں تقسیم کیا جانے والا تھا، قسطنطنیہ، سالونیکا، سمرنا، بیروت، اور طرابزون طے یہ ہوا تھا کہ ان تمام مقامات کی کل فوج (۲۵) رجمنٹس پر مشتمل ہوگی، جن میں (۱۰۲۶) افسر اور (۵۲،۰۰۰) نان کمیشنڈ افسر اور جنڈارمی ہوں گے، جو (۲۴۵۰) چوکیوں پر متعین کئے جائینگے۔ ۱۹۱۱ء میں جدید تنظیم یافتہ جنڈارمہ میں (۶۵۰) افسر اور (۱۰،۰۰۰) جنڈارمی تھے ۱۹۱۱-۱۲ء کے موازنہ میں جو گنجائشیں مہیا کی گئی تھیں ان کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ۱۹۱۳ء میں جدید تنظیم یافتہ جنڈرامیوں کی تعداد کم سے کم (۲۰) سے (۲۲) ہزار تک پہنچ جائیگی۔ لیکن ۱۹۱۲-۱۳ء کی جنگ نے لازمی طور پر اس میں ترمیم کر دی۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ ارمنیہ کی طرف توجہ معطوف کی گئی تھی اور یہ تصفیہ ہوا تھا کہ اس جگہ (۱۵،۰۰۰) جنڈارمی متعین کئے جائیں چنانچہ اس حصہ کی کمان فرانسیسی جنرل باماں کے سپرد کی گئی ہے۔

[1] Colonel Lamouchc: " The Reorganisation of the Qttoman Gendarmenic 1904—1910"

تجارت وحرفت۔ معادن۔ ہرقلیس کی تیل کے چشمے ریلوے لائنس اور بحساب کلومیٹر ضمانتیں

تجارت وحرفت کے لیے زراعت سے کچھ کم خطرہ نہیں تھا۔ خیرالدین پاشا، عامل تونس کے وزیر اور سلطنت عثمانیہ کے وزیر اعظم نے اس سلسلے میں جو کچھ اپنی کتاب "مسلمانی حکومتوں کے لیے ضروری اصلاحات" میں تحریر کیا ہے، اس کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے :۔

"ہماری موجودہ حالت میں صرف ابتدائی پیداواریں ہمارے پاس ہیں۔ روئی اور ریشم کی کاشت کرنے والے اور مویشی کی پرورش کرنے والے تمام سال نہایت تکلیف کے ساتھ محنتیں کرتے ہیں اور سال کے آخر پر اپنی پیداواریں نہایت کم قیمت پر یوروپین لوگوں کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں، جو نہایت عجلت کے ساتھ اپنی ذہانت اور محنت سے تیار کئے ہوئے سامان کو پھر انھیں لوگوں کو دس گنی قیمت پر بیچ دیتے ہیں۔ سب سے زیادہ ضروری چیزوں کے لیے اجانب کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے علوم وفنون اور مصنوعات میں ملک کی حالت پسماندگی کا اظہار ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں کہ ترکی نہ صرف اپنی ضرورتوں ہی کو پورا کر سکتی ہے بلکہ دوسرے ملکوں کے لیے بھی بہت سی چیزیں مہیا کرنا اس کے امکان میں ہے، وہ ہر چیز باہر سے خریدتی ہے۔ کروزروں اور توپوں سے لیکر جو جرمنی، انگلستان، امریکہ اور فرانس سے آتے ہیں۔ ٹوپیوں تک جو آسٹریا سے آتی ہیں اور عورتوں کے شال تک، جو سوئیٹزرلینڈ سے آتے ہیں، ترکی یوروپین صنعت کی مرہون منت ہے۔ ملک میں دیسی صنعتوں کو رواج دینے کی تمام

کوششیں ایسی حالت میں قطعی ناکامیاب ثابت ہو چکی ہیں کہ یا تو خود ترکوں نے اس قسم کی کوششوں کا آغاز کیا تھا یا ان کی زیر ہدایت ان کوششوں کا آغاز کیا گیا تھا۔ خود وہ خالص صنعتی کاروبار بھی، جن کا یورپین لوگوں نے آغاز کیا تھا، ایک بڑی حد تک اس لئے سرسبز نہیں ہوسکے کہ ان کی ترقی میں بہت سی رکاوٹیں حائل تھیں۔ ذیل میں ایک مثال اس طریقے کی درج کی جاتی ہے جس کو ترکی میں صنعت وحرفت کی ترقی اور ہمت افزائی کا ذریعہ تصور کیا جاتا تھا:۔

عبدالحمید نے یلدیز کی ایک عمارت میں ایک پروسیلین فیکٹری قائم کی تھی جس کے لیے سول لسٹ کی وزارت نے لیموجیں (Limoges) کے بعض صناعوں اور ایک پینٹر، ام نارکسی کو ملازم رکھا تھا۔ اگرچہ ترکی افسروں نے جو اس کے متعلق کچھ واقفیت نہیں رکھتے تھے، اس کا نہایت ہی بڑا انتظام کیا تھا تاہم فرانسیسی اسٹاف کی کوششوں سے اس کارخانے میں بعض نہایت اعلیٰ اور بہترین چیزیں تیار کی گئی تھیں۔ یہ درست ہے کہ اس کارخانہ میں جو چیزیں تیار کی جاتی تھیں وہ تجارتی اغراض کے لیے نہ تھیں بلکہ صرف شاہی محلات کے لیے تیار ہوتی تھیں۔ عبدالحمید کی معزولی کے بعد حکومت نے بجائے اس کے کہ اس کارخانے کی ہوشیاری کے ساتھ حفاظت کی جاتی اور اس طرح ملک میں ایک ایسی صنعت کا آغاز کر دیا جاتا، جس کی ضرورت تھی، کاریگروں کو موقوف کر دیا اور ان کی جو تنخواہیں چڑھی ہوئی تھیں وہ بھی ادا نہیں کیں۔ کارخانہ بند ہو گیا اور اس پر گولیاں بھی برسائی گئیں حمدی بے ناظم عجائب خانہ شاہی نے اس کارخانہ کو دوبارہ جاری کرنے کے متعلق تحریک کی مگر ایسا کرنے کے لیے سرمایہ موجود نہیں تھا۔

یہی حشر موڈل فارم کا بھی ہوا، جو یلدیز میں قائم کیا گیا تھا اور چیدہ چیدہ جانور جن میں سے بعض نہایت ہی بیش قیمت تھے یا تو آپس میں تقسیم کر لئے گئے یا مذبح کو بھیج دیے گئے۔[1]

---

[1] بظاہر اس لیے کہ چونکہ ایک چیز عبدالحمید کی بنائی ہوئی تھی اس لئے وہ بالکل ناکارہ تھی۔ یہ لوگ بہت کچھ منافعے کے ساتھ یلدیز کو بھی کسی ٹھیکہ دار کے نہایت آسانی کے ساتھ حوالے کر سکتے تھے، کیونکہ ایسی الٹرا سند عائیں

جنگلات اور معادن کے معاملے میں ترکی نہایت ہی خوش قسمت ملک ہے لیکن ۱۹۱۸ء کے سرکاری اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ جنگلات (۱۹۲۱،۵۵،۵۹۰) (deunum) رقبۂ ملک پر حاوی ہیں۔ (ایک (deunum) (۹۱۹) میٹر (۳۰) سنتی میٹر کے برابر ہوتا ہے) گویا سلطنت کا (۲۴) فی صدی رقبہ جنگلات ہے۔ جنگلات میں لکڑی کی (۱۵) قسمیں پائی جاتی ہیں جن کے منجملہ خاص خاص یہ ہیں:۔ شاہ بلوط۔ نارون۔ سارمہ۔ چنار۔ صنوبر۔ کلج، شیشم۔ غوشہ، بلوط، کورنل، اہر گردگان، شمشاد وغیرہ۔ اس میں شک نہیں کہ آٹھ کروڑ پچاس لاکھ دونم کا جو رقبہ ظاہر کیا گیا ہے، اس میں کسی قدر تخفیف ہوسکتی ہے کیونکہ بعض مقامات پر جنگلات کے بجائے اب چھوٹے درخت اور جھاڑیاں لگادی گئی ہیں تاہم ترکی میں اب بھی اس قدر کافی جنگلات موجود ہیں کہ وہ تمام یورپ کے لیے عمارتی لکڑی فراہم کرسکتی ہے۔ بدقسمتی سے ترکی میں اس کاروبار کے کھولنے کی کسی بدنیتی کی وجہ سے نہیں بلکہ نادانی کی وجہ سے بالکل قابلیت نہیں ہے ہر سال آگ ہزارہا ایکڑ جنگل کو تباہ کردیتی ہے۔ بالعموم گڈریئے آتش زدگی کے بانی ہوتے ہیں جس سے ان کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ آئندہ سال ان کی بھیڑوں کے لیے گھاس پیدا ہوجائے اس کے متعلق جو قوانین ہیں، وہ حرف غلط کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس قسم کی خرابیوں کے انسداد کے لیے جو کمیٹیاں مقرر کی گئی تھیں، انھوں نے بہت ہی کم کام کیا ہے۔ جو مدرسۂ جنگلات قائم کیا گیا تھا، اس نے اب تک کوئی اہم نتائج مرتب نہیں کئے ہیں اور وہ اس وقت تک کچھ نہیں کرسکے گا جب تک کہ حکومت کو اپنے موجودہ طریقوں پر اصرار ہے۔ اس اثنا میں آگ اپنی عمل تباہی میں مصروف ہے اور جنگل مٹے جارہے ہیں بالخصوص اس لیے کہ چاندی، سیسہ، لوہا، تانبہ، پارہ وغیرہ کثرت سے موجود ہے لیکن ان چیزوں کو بالعموم زمین کے نیچے کے طبقوں ہی میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ایشیا کے

بقیہ حاشیہ گزشتہ:۔ کی گئی تھیں مگر انھوں نے اس کے عظیم الشان گرمی خانوں اور باغوں کو تباہ کردینے کے بعد، جو سلطان کے خاص باغبان، ام ہنری کے جو فرانسیسی تھا، بنائے ہوئے تھے، اس کو خالی پڑا رہنے دیا۔

معادن سے کم و بیش (۶۹٫۴۰۰) کلوز (kilos) چاندی ۱۰۰ ر ۷۶ را) کلوز سیسہ (۱۲۰۶۰۰) کلوز تانبہ برآمد ہوتا ہے۔ "ابھی ترکی بھٹیوں کی تعمیر نہایت ناقص ہے اور دھاتوں کو ڈھالنے کے طریقے اب تک ابتدائی حالت میں ہیں۔" اوسطاً کہا جا سکتا ہے کہ چاندی، تانبے، اور سیسے کی گلانے اور صاف کرنے میں ترکی ماہران فلزیات چاندی میں (۳۲) فی صد تانبے میں (۱۲) فی صد سیسے میں (۴۰) فی صد مال ضائع کر دیتے ہیں۔ چونکہ ایشیائے کوچک سے ہر سال مختلف دھاتوں کے (۲۰٫۷۷٫۸۰۱) کلوز برآمد ہوتے ہیں اس لیے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سالانہ مختلف دھاتوں کے (۴٫۰۰۰) کلوز ضائع جاتے ہیں[۱]۔ کوئلے کی کانیں سب کی سب اتنی ہی زرخیز ہیں اور ان سے اتنی ہی غفلت کی جاتی ہے۔ اناطولی میں ترکی کے قبضے میں ایک وسیع معدن زغال ہے، جو بحر اسود کے سواحل پر، اریغلی (Eregle) کے کناروں میں؛ جس کو قدیم زمانے میں پان ٹک ہریکلیوم کہتے تھے اور زنگولداک میں خدا جانے کہاں کہاں تک پھیلی ہوئی ہے۔ ایک عرصہ تک ہریکلیوم کا کوئلہ بدنام رہا ہے۔ یہ کوئلہ دھواں بہت دیتا تھا۔ اس سے کافی گرمی پیدا نہیں ہوتی تھی اور جلدی خراب ہو جاتا تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ کوئلہ نہایت اعلیٰ قسم کا ہے اور کارڈف کے کوئلے سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ چنانچہ معادن زغال میں ایک فرانسیسی انجینیر کے تجربوں سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ اس انجینیر کا اپنے تجربات کی تکمیل کے چند سال بعد جبکہ وہ ڈویژنل جنرل (لیکاق پاشا) بنا دیا گیا تھا، اس کا انتقال ہو گیا۔

یہ تحقیق ایک زبردست فرانسیسی سرمایہ دار، ام مینیل کے مقاصد کے لیے عمل میں لائی گئی تھی، جس نے ہریکلیوم کی تمام کانوں کا ٹھیکہ لینے کی درخواست کی تھی اس وقت تک سلطنت عثمانیہ پر جرمنی کے اثرات حاوی نہیں ہوئے تھے اور یہ معاملہ تقریباً طے ہو چکا تھا کہ ایک بھونڈے اخباری قضیے نے جو فرانس میں شروع ہوا تھا، اس کو ناکامیاب بنا دیا۔

لفٹننٹ کرنل پال مینیل، ام مینیل کے بیٹے کے قسطنطنیہ میں۔ ملٹری اٹاچی مقرر

---

[۱] Admiral Tchithatcheff.

کیے جانے پر پاریس کے انتہائی یسار کے جرائد جماعت مخالف نے اس رسوائی پر
ایک ہنگامہ مچا دیا اور اس بات پر اپنے غم و غصہ کا طوفان برپا کر دیا کہ اس نامردگی
کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ جلد از جلد وہ فرمان حاصل کرنے کے لیے جس کی بنا پر
ہرقلیوم کی معادن زغال کا ٹھیکہ عطا کیے جانے والا تھا، سلطان پر دباؤ ڈالا جائے
اس بات کا اتنا بڑا بتنگڑ بنایا گیا کہ آخر کو لفٹننٹ کرنل مینیل کا تقرر ہی منسوخ
کر دیا گیا۔ فرانسیسی حکومت کے اس فیصلے کی یلدیز میں یہ تعبیر کی گئی کہ ام مینیل کو
اس کی حکومت نے عاق کر دیا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ فرانسیسی حکومت کے
مخالفین کی سازشیں بھی شروع ہو گئیں اور نتیجہ یہ ہوا کہ جو رعایت عطا
کی جانے والی تھی اس سے انکار کر دیا گیا ام مینیل نے کچھ عرصے کے بعد اس مسئلے کو
دوبارہ تازہ کرنے کی بے انتہا کوشش کی مگر اب اس کو جرمنی کی پوشیدہ مخالفت
کا سامنا کرنا پڑا جس نے ترکی میں اپنا اثر قائم کر لیا تھا۔ بالآخر اس کی موت نے
اس مہم کا، جو ترکی میں فرانسیسی مفادات کے لیے اس قدر نفع بخش ہوتی، ہمیشہ
کے لیے خاتمہ کر دیا۔

اب فرانسیسی سرمایہ داروں، آٹومان بنک اور مقامی بنکروں کی ایک کمپنی
قائم ہو چکی ہے، جس نے زنگولداک میں ایک قلعہ تعمیر کیا ہے اور مختلف معادن
میں کام شروع کر دیا ہے، جن میں سے کچھ سول عہدہ داروں کے مملوکہ ہیں؛ کچھ
امارت بحری کی اور کچھ شخصی ملک ہیں، جن کے مالکوں نے ان میں کام کرنے کے
حقوق عطا کر دیے ہیں۔ اکتوبر ۱۹۰۷ء میں ہرقلیہ کے تمام معدنی زغال کو ایک فرانسیسی
سنڈیکیٹ کے تفویض کر دینے کے متعلق دوبارہ سوال اٹھایا گیا تھا اس کا صدر
ڈائرکٹر آف دی ایجی جنرل آف ڈی ریلویز اینڈ ڈی آٹومان بنک، کاونٹ وٹالی
تھا۔ اس کام کی ابتدا نہایت خراب ہوئی تھی اور یہ کوشش ایک ایطالوی سازش
کی بنا پر ناکام رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہرقلیہ کا کوئلہ جرمنی کے حصے میں آنے
کے لیے مقدر ہو چکا ہے، جو نہایت تحمل و صبر کے ساتھ میدان میں آنے کے لیے
صحیح وقت کے آنے کی منتظر تھی۔ اناطولی کی ریلوے سوسائٹی کو اسمد وانقرہ کی
لائن پر عدہ بازار سے یولو تک کا ٹھیکہ حاصل تھا اور سمندر تک اس لائن

میں توسیع کر لینے کی بھی اس کو اجازت دیدی گئی تھی، جسے وہ اپنی سہولت کے لحاظ سے جب چاہتی بنا لیتی۔ اس رعایت میں اس کو یہ حق بھی عطا کر دیا گیا تھا کہ وہ ریلوے لائن کے دونوں جانب (۲۰) کلومیٹر کے منطقے میں تمام معادن میں، جو اس منطقے میں پائی جائیں علاوہ ایک ثلث کے حق کے، جو محفوظ رکھا گیا تھا، کام شروع کر دے۔ اس کے ساتھ جب وہ مناسب خیال کرے تو تیل کے چشموں کا انتظام بھی اپنے ہاتھ میں لے لے۔

اب رہے، قابل جہاز رانی دریا اور نہریں تو ابھی ترکی میں ان چیزوں کی ابتدا کرنے کی ضرورت ہے۔ کشتی رانی سے کوئی شخص واقف نہیں ہے۔ دریاؤں کے بہاؤ کو مرتب کرنے کے لیے، جنھوں نے غفلت کی وجہ سے تباہی خیز سیلابوں کی صورت اختیار کر لی ہے اور نہروں کی تعمیر اور دلدلوں کے پاٹنے کے لیے اس سے زیادہ روپیہ کی ضرورت ہے، جو ترکی نظم و نسق کی ترکیبی خرابیوں کے بعد بچتا ہے۔ اسی طرح اسکیموں اور مفکورات کے نفاذ میں باب عالی کی منظوریات کے مسلسل آتار چڑھاؤ سے زیادہ استقلال سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

جس حد تک ریلوں کا تعلق ہے سلطنت کی حالت بہتر ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سب معزول سلطان کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ زیر تعمیر ریلیں حسب ذیل ہیں:-

(ا) یورپ میں:- (۱) مشرقی ریلوے سسٹم:-

قسطنطنیہ تا مصطفیٰ پاشا: (۳۵۶) کلومیٹر[1] جو دارالسلطنت کو بلغاری اور سربی ریلوں کے ذریعے سے یوروپین سسٹم سے ملاتی ہے۔

(۲) سالونیکا تا مناستیر: (۲۲۰) کلومیٹر۔ ۱۸۹۰ء میں ڈوئشی بنک کو اس اختیار کے ساتھ عطا کی گئی کہ خواہ درازونک خواہ عقلونہ تک اس میں توسیع کر لی جائے۔

---

[1] مشرقی ریلوے کے وہ (۲۰۶) کلومیٹر میں جو بلغاری علاقے میں واقع ہوئے تھے، ۱۹۰۸ء کے بعد سے اب تک کمپنی نے لائن تعمیر نہیں کی ہے۔ سالونیکا تا متروفیزکہ اور اسکوب تا نیبا فنٹی کی ریلیں اب سربیوں اور یونانیوں کے قبضے میں ہیں۔

یہ لائن اب سربیوں اور یونانیوں کی ملک ہے۔

(۳) سالونیکا جنکشن تا قسطنطنیہ: (۵۱۰) کلومیٹر (۵۸۹)؛ اس کے نقاط دواعی مشرق میں فیرجیک اور مغرب میں قراسلو ہیں؛ سنہ ۱۸۹۲ء میں ایک فرانسیسی انجمن کے نام منظور ہوئی۔ یہ لائن کوہ رودپ کے ساتھ ایک متوازی خط قائم کرتی ہے اور دشمن کے اچانک حملے سے محفوظ رکھنے کی غرض سے اس کو تاحد امکان ساحل سے دور تعمیر کیا گیا ہے۔ لیکن ایک موقع ایسا ہے جہاں سے اسکواڈرن کی توپوں سے اس کو آسانی کے ساتھ مسمار کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک خالص جنگی لائن ہے اور اس کی تعمیر سے مقصد یہ تھا کہ سمندر کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہوئے بغیر ترک قسطنطنیہ سے مقدونیہ اور البانیہ کو فوجیں بھیج سکیں۔ اجازت میں تین ذیلی لائنوں کا حق انتخاب عطا کیا گیا تھا: لیگوز تا گملجینہ؛ سریس تا اقریدہ؛ وادیٔ نیستہ دریا کے برابر برابر جمعہ کی طرف۔ اب یہ یونانیوں اور بلغاریوں کی ملک ہے[1]۔

(ب) ایشیائے کوچک میں:- (۱) سمرنا تا عیدین و عیدین تا دینار؛ سنہ ۱۸۵۶ء میں ایک انگریزی انجمن کو دی گئی؛ (۲۷۶) کلومیٹر (۵۰۹) اصل لائن اور (۱۳۹) کلومیٹر (۱۹۱) کی سات ذیلی لائنیں۔ ابتدائی رعایت، جو (۵۰) سال کے لیے دی گئی تھی، اس میں کمپنی کو اصل مشغول کے (۶) فی صد کی مع (۲۷٬۰۰) ترکی پاؤنڈ کی حد غایت کی ضمانت دی گئی تھی۔ لیکن تکمیل کار کے لیے جو چار سال کی میعاد مقرر کی گئی تھی اس کی پابندی نہیں ہوئی۔ سنہ ۱۸۶۱ء اور سنہ ۱۸۶۳ء کی رعایتوں کے ذریعے سے ضمانت شدہ سرمایہ کو بڑھا کر (۱۶٬۸۴٬۰۰) ترکی پاؤنڈ کر دیا گیا اور مشکل مقامات سے بچنے کے لیے راستے میں ترمیم و تنسیخ کر دی گئی۔ سنہ ۱۸۶۶ء میں سمرنا تا عیدین کی لائن صورت پذیر ہو گئی لیکن کام شروع کرنے کے بعد کمپنی ضمانت کے متعلق سلطنت کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں کر سکی۔ بہرحال سنہ ۱۸۸۰ء میں اس کا آخری تصفیہ ہو گیا اور ایک معاہدے کی رو سے کمپنی کو وادیٔ میانڈر میں توسیع کی اجازت مل گئی۔ سنہ ۱۸۸۸ء میں دینار

---

[1] اگرچہ یہ ریلیں ترکی کے قبضے میں نہیں ہیں تاہم ان کا عثمانی ریلوں کے ضمن میں تذکرہ کیا جانا ضروری ہے کیونکہ ان کی بنا پر ان مکالمتوں کا آغاز ہوا تھا جن میں بابِ عالی بھی شریک تھی۔

تک اس میں توسیع ہوگئی۔ معاہدہ مذکورہ نے رعایت کی معیاد میں (۲۵) سال کی اور توسیع کردی مگر سلطنت نے اس مدت کے لیے سود کے متعلق کسی قسم کی کوئی ذمہ داری نہیں لی۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں ایک نئے معاہدے کی رو سے اس لائن کو دینار سے اغردیر تک بڑھا دینے اور بوردور تک ایک شاخ کھولنے کی اجازت مل گئی۔

(۲) سمرنا تا قصبہ اور اس کی متعلقہ توسیعات؛ (۴۲۰) کلومیٹر اصل لائن کے؛ (۹۱) کلومیٹر (۳۰۷) میگنیشیا تا سما کی لائن کے اور (۴) کلومیٹر (۸۲۸) ذیلی جنکشن، برنبات کے۔

ابتدائی رعایت، جو ۱۸۶۳ء میں ایک انگریزی کمپنی کو عطا کی گئی تھی، صرف سمرنا تا قصبہ کی لائن (۹۳) کلومیٹر پر مشتمل تھی، جس کو ۱۸۶۶ء میں منسوخ کردیا گیا۔ ۱۸۷۰ء سے ۱۸۷۲ء تک باب عالی نے اپنے اخراجات سے قصبہ تا علاشہر تک کی لائن تیار کرلی۔ باب عالی نے اس لائن کے متعلق کمپنی کو اس شرط پر رعایت عطا کردی کہ وہ اپنی کلومیٹرک گارنٹی سے، جس کا اس کو حق حاصل تھا، دست بردار ہوجائے اور یہ کہ اس کی رعایت کی مدت (۹۹) سال کے اندر مقرر کی جانی چاہیئے جس پر ۱۳ر مارچ ۱۸۹۱ء کو مزید غور کیا جائے گا۔

۱۸۸۸ء کے ایک دوسرے معاہدے کے ذریعے سے کمپنی کو سما سے میگنیشیا تک کی لائن مل گئی۔ ۱۸۹۳ء میں قصبہ کی متعلقہ تمام ریلوے لائنیں اس اجازت کے ساتھ ایک فرانسیسی کمپنی کو بدیں شرط کہ وہ پرانی کمپنی کو (۳۶) ملین فرانکس ادا کردے دیدی گئیں کہ وہ عافیوں سے قرہ حصار؛ (۲۵۲) کلومیٹر تک اس میں توسیع کرلے۔

۱۹۱۰ء میں سمرنا تا قصبہ کی انجمن کو کلومیٹری ضمانت کے بغیر پرو پانطوس پر سما سے پندرمہ تک لائن تعمیر کرنے کی اجازت مل گئی۔ (۱۹۰) کلومیٹر کی لائن ۱۲ر دسمبر ۱۹۲۲ء کو حوالے کردی گئی۔

(۳) اناطولی کی ریلوے لائنیں: حسب ذیل شاخوں پر مشتمل ہیں:۔
حیدر پاشا تا اسمد (۹۳) کلومیٹر (۱۵۰)؛ اسمد تا انقرہ (۴۸۵) کلومیٹر (۵۶۱)؛ اسکی شہر تا قونیہ (۴۴۴) کلومیٹر۔

۱۸۷۵ء سے ۱۸۷۶ء تک حکومت نے اپنے صرفے سے حیدر پاشا تا اسمد کی لائن تعمیر کر کے اس کو اجارہ پر دیدیا تھا۔ ۱۸۸۸ء میں یہ لائن انقرہ کی شاخ کے ساتھ ڈوئشی بنک کو عطا کر دی گئی۔ پوری لائن دسمبر ۱۸۹۲ء میں دیدی گئی۔

فروری ۱۸۹۳ء میں ڈوئشی بنک کو اس لائن میں انقرہ سے قساریہ (۴۱۰) کلومیٹر تک توسیع اور اسک شہر سے قونیہ تک ایک ذیلی لائن تعمیر کر لینے کی اجازت مل گئی۔ یہ ذیلی لائن قدیم زمانے کے دوریلی سے شروع ہو کر، جو اسمد تا انقرہ کی لائن پر ہے، قتاہیہ، عافیوں اور قرہ حصار ہوتی ہوئی زمانۂ قدیم کے آئی کونیم پر ختم ہوئی ہے۔ اس شاخ کی تعمیر ۱۸۹۵ء میں پوری ہوئی۔ اب رہی انقرہ تا قساریہ کی لائن تو ہئی ۱۸۹۳ء میں ڈوئشی بنک نے اس بنا پر اس سے دست برداری دیدی کہ یہ ایک نہایت ہی مشکل کام تھا۔ کمپنی نے خلیج سبانجہ پر ادا بازار سے بحر اسود پر ہر قلیہ تک، جو اناطولی کے معادن زغال کا مرکز ہے ایک ذیلی لائن کی تعمیر کے متعلق اپنے حقوق کو محفوظ رکھا، جس کی مسافت تقریباً (۱۳۰) کلومیٹر ہے۔

(۴) مدانیہ تا بروصہ؛ (۴۱) کلومیٹر (۲۸۰)، چھوٹی پٹری؛ ۱۸۹۱ء میں ایک فرانسیسی کمپنی کو عطا کی گئی اور جون ۱۸۹۲ء میں آمد و رفت کے لیے کھلی۔ اسی رعایت دار کو پرو پانطوس پر قونیہ میں پندارمہ سے تقریباً (۲۰۰) کلومیٹر کی ایک اور لائن کی بھی اجازت ملی تھی لیکن ایک ایسے اہم اور ایسے پیچیدہ کام کے لیے جس سرمایے کی ضرورت تھی وہ اس سے فراہم نہ ہو سکا۔

(۵) مرسینا تا طرسوس تا ادانہ؛ (۶۷) کلومیٹر؛ ۱۸۸۵ء میں ایک انگریزی و فرانسیسی کمپنی کے تفویض کی گئی؛ ۱۸۸۶ء میں تعمیر کے لیے سپرد کی گئی۔ ۱۸۹۲ء میں کمپنی نے ایک چھوٹی سی ذیلی لائن کی عدن سے عرقی تک؛ (۹۲) کلومیٹر، تعمیر کی اجازت چاہی لیکن یہ اجازت اس کو نہیں دی گئی۔ اس کمپنی کے تمام حصص آج بغداد ریلوے کمپنی کی ملک ہیں۔ یہ لائن بحر اسود کی طرف جانے والی ایک اور عظیم الشان ریلوے لائن کا پیش خیمہ بننے والی تھی لیکن جب کبھی بیرون ایوین دے وان دیر، صدر مجلس انتظامی نے اس میں توسیع کرنے کے متعلق گفت و شنید کا سلسلہ شروع کیا، جرمنوں نے جو پہلے ہی سے بغداد ریلوے کا خیال قائم کر چکے تھے،

اس کی مخالفت کی۔ اس کی تمام کوششیں رائگاں گئیں خصوصاً اس لیے کہ یہ ایک شخص واحد کی کوششیں تھیں درآنحالیکہ اس کے مخالفین کی حمایت پر ہمیشہ جرمن حکومت اور قیصر موجود تھا۔ وہ تمام لوگ، جو کچھ دنوں کے لیے ترکی میں رہ چکے ہیں اور جنھوں نے تمام باتوں کا غور سے مطالعہ کیا ہے، جانتے ہیں کہ صورت حال یہی تھی۔ ایک مرتبہ بہرحال کمپنی کو یہ خیال ضرور ہو گیا تھا کہ وہ کامیابی سے ہم قریں ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ سرعسکرات بے انتہا اہمیت رکھنے والے فوجی اسباب کی بنا پر اس لائن میں دیار بکر تک توسیع کر دینے کی حامی و مؤید تھی۔ دیار بکر ایشائی ترکی کا مرکزی فوجی بنگاہ ہے، جہاں سے ہر سمت میں فوجیں بھیجی جا سکتی ہیں۔ ارض روم سے صرف ایشیائے قریب ہی پر نگرانی رکھی جا سکتی ہے اس لیے کہ یہ ذرا باہر کی طرف واقع ہے۔ جرمنی کے امتناعی حکم نے بہرحال اس تجویز کو روبعمل نہیں آنے دیا۔

قونیہ تا بغداد کی لائن کے جرمنون کو مل جانے پر مرسینا تا ادانہ کی لائن کیلئے کوئی مستقبل باقی نہیں رہا کیونکہ نئی لائن ادانہ کے تمام عقبی ملک پر حاوی ہو جانیوالی تھی مرسینا تا ادانہ کی لائن کے لیے بیکاری میں مبتلا ہو کر شکست کھانا مقدر ہو چکا تھا۔ برخلاف اس کے اگر یہی لائن جرمنون کے قبضے میں ہوتی تو اس سے بڑے بڑے کام نکل سکتے تھے کیونکہ اس کے توسط سے وہ سمندر کے ساتھ رسل و رسائل کا راست سلسلہ کھول سکتے تھے اور مرسینا اسکندرون کی رسد رسانی کر سکتا تھا۔ اسردنی؛ قرمانیہ؛ اور سلیشیا کی پیداوار قسطنطنیہ اور دمشق شہر کا چکر لگانے کے بجائے ادانہ اور مرسینا سے سیدھی بھیجی جا سکتی تھی۔ لہٰذا ڈشتی بنک (Deutschi Bank) نے سنہ ۱۹۰۶ء میں مرسینا تا ادانہ کمپنی کے تمام حصص خرید لیے۔ اس صورت حال کے خلاف بعض فرانسیسی جرائد نے، جنھوں نے مشرقی امور کا مطالعہ کیا ہے، زبان کھولی ہے مگر یہ کس کا قصور تھا۔ اس فرانسیسی مہم کی ناکامی اکثر دوسری فرانسیسی مہمات کی طرح جن کی پبلک یا درکی طرف سے کوئی حمایت نہیں کی گئی تھی، ناکامی لازمی تھی حصہ داروں نے بہت اچھا کیا کہ تمام حصص فروخت کر دیے اور اپنا روپیہ تباہ ہونے سے بچا لیا۔ پھر برا ماننے کی اس لیے بھی کوئی وجہ نہیں ہے کہ بغداد ریلوے خاص کر فرانسیسی روپیہ سے تعمیر کی گئی۔ فرانسیسی بنکوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اپنے

جرمانی رفیق، ڈوشی بنک کے لیے پیرس کے بازاروں میں جھاڑو دے دی تھی۔

(۶) سمرنا تا درۂ دانیال۔ اسمد پر ہوتی ہوئی اس کی ایک شاخ قرہ بغہ تک جاتی ہے۔ اس کا طول ساڑھے چار سو سے پانچسو کلومیٹر تک ہے۔ پٹری چھوٹی ہے۔ جنوری ۱۹۱۴ء میں اس ریل کی تعمیر کا ٹھیکہ (۹۹) برس کے لیے پیرس کی آمنیوم سوسائٹی کو دیا گیا تھا۔

(ج) عراق و ایشیائے کوچک:۔ بغداد ریلوے۔ ۵ مارچ ۱۹۰۳ء کو اناطولین ریلوے کمپنی یا بہ الفاظ دیگر ڈوشی بنک کو عطا کی گئی۔

یہ لائن صرف دو مقامات سے شروع کی جا سکتی تھی۔ شمال میں انگورہ سے اور جنوب میں قونیہ سے شمالی نقطے سے اس لائن کو تعمیر کرانے میں بڑی بڑی دشواریاں پیش آتیں اور بہت دور تک لائن کو تعمیر کرنا پڑتا۔ لیکن اسکے ساتھ ساتھ ترکی کو بہت سے جنگی فائدے بھی حاصل ہو جاتے اور وہ نہایت ہی عجلت کے ساتھ اپنی افواج قاہرہ کو ضرورت کے وقت ارمنیہ میں مجتمع کر سکتی۔ روس نے علی الاعلان اس راستے کی مخالفت کی اور جرمنی نے اس وجہ سے اس کا کچھ لحاظ نہیں کیا کہ اس میں بہت زیادہ صرفہ پڑتا تھا۔ لہذا جنوبی راستے کو، جو قونیہ سے شروع ہوتا ہے، ترجیح دی گئی۔ ابتدائً یہ تصفیہ ہوا تھا کہ یہ لائن ادانہ ہوتی ہوئی انطاکیہ اور بریجک تک لے جائی جائے جہاں سے فرات، عرفہ جس کو قدیم زمانے میں ایڈیسی کہتے تھے، اور دیار بکر کی جہاز رانی شروع ہوگی اور پھر یہ لائن دجلہ کو عبور کر کے موصل تک پہنچ جائے۔

موصل سے یہ لائن دریا کے بائیں جانب کنارے کنارے فرات اور دجلہ کے سنگم تک جائے گی اور اس طرح بصرہ جا پہنچیگی۔ ۵ مارچ ۱۹۰۳ء کے معاہدے میں یہ قرار پایا تھا کہ یہ لائن قونیہ سے شروع ہو کر قرامان اور اریغلی کو عبور کرے اور پھر طور کے کوہستانی سلسلے کو عبور کرتی ہوئی ادانہ آپہنچے۔ یہاں سے پھر وادی جیحون، جس کو قدیم زمانہ میں پائی رے موز کہتے تھے، کی طرف بڑھ جائے اور مشرق کی طرف چکر کھا کر ہامانیہ، قزلی، تلیس اور ملجنش پر سے گزرتی ہوئی بریجک کے جنوب میں (۲۰) کلومیٹر کے فاصلہ پر فرات سے آملے۔ فرات کے عبور کرنے کے بعد

پھر شمال اور مشرق کی طرف بڑھا دی جائے اور حاران، نیشہر، اور عفنیات پر سے گزرتی ہوئی موصل آپہنچے اور یہاں سے جنوب کی طرف دجلہ کے سیدھے کنارے پر ہوتی ہوئی بغداد کو چلی جائے۔ بغداد سے ایک خمیدہ خط قائم کرتی ہوئی فرات تک جائے، جسے یہ شیب، ریگستان نجف، جو شیعوں کی زیارت گاہ ہے، زبیر اور بصرہ پر عبور کرتی ہے (۹)۔ زبیر سے ایک شاخ ایک ایسے نقطے تک جس کے متعلق بعد میں تصفیہ کیا جانے والا تھا، سیدھی خلیج فارس کو جانے والی تھی۔

اس اصل لائن کی تین شاخیں ہیں:۔

طل حبش سے حلب تک۔ ایک ایسے نقطے سے، جس کا اب تک تعین نہیں کیا گیا ہے عرنہ تک۔ سدیجی سے، جو دجلہ پر ہے، فارسی سرحد کے قریب عراقین تک۔

اناطولین ریلوے کمپنی کو اس کے علاوہ انھیں شرائط تعمیر و تکمیل پر (exploitation) جو اصل لائن کے متعلق اس کو حاصل ہیں، انطاب، مراش، بریجک، مردین، اربیل، اور ہیٹ تک شاخوں کا حق شفعہ بھی حاصل ہے۔ یہ آخر الذکر غالباً طغریت سے روانہ ہوگی اور عراق (میسوپوٹیمیا) کے زرخیز ترین مقامات میں سے ایک مقام کو عبور کرتی ہوئی فرات پر اصل لائن سے دوبارہ جا ملے گی۔

معاہدہ اور کتاب قواعد کی رو سے ریلوے لائن دو دو سو کلومیٹر کی شاخوں پر منقسم ہے اور یہ طے کیا گیا ہے کہ آٹھ سال میں پوری لائن مع اپنی شاخوں کے مکمل کردی جائے۔ لیکن مستثنیات کی اس قدر کثرت کے ساتھ پیش بندی کی گئی ہے کہ جرمنی جتنی مدت میں چاہے اس کی تعمیر کرسکتا ہے۔ جو شاخیں اب تک تعمیر کی گئی ہیں وہ جداگانہ تین لائنیں قائم کرتی ہیں اور اور یہ لائنیں اس وقت تک ایک دوسرے سے نہیں ملائی جائیں گی جب تک کہ سلی تاطور (cicialin Taurus) اور اماموز کی لائنیں مکمل نہ ہو جائیں۔

جو شاخیں مکمل ہو چکی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

پہلی لائن:۔ سلیشیائی طور کے مغرب میں۔ قونیہ تا بلغورلو، (۲۰۰)

کلومیٹر۔ بلغور لوتا الوکچلہ، (۳۷) کلومیٹر۔ الوکچلہ تا قرہ بنور، (۶۳) کلومیٹر (۱۱۲)۔

دوسری لائن:۔ ادانہ کا میدان طور اور اماموز کے مابین۔ ڈورک تا ادانہ تا عثمانیہ، (۱۴۱) کلومیٹر (۷) ادانہ تا مرسینا، (۶۷) کلومیٹر۔ تپرا کالی تا اسکندرانہ، (۶۰) کلومیٹر۔

تیسری لائن:۔ اماموز اور فرات کے مابین۔ رجوس تا حلب تا پرابلیں (۲۰۲) کلومیٹر (۷) توقع ہے کہ بغداد تا سامرہ اور شمالی عراق (میسوپوٹیمیا کی طرف پیرابلوس کے آگے (۱۱۰) کلومیٹر۔ کی لائن عنقریب تیار ہو جائے گی۔

شام میں:۔ (۱) یافہ تا بیت المقدس؛ (۸۶) کلومیٹر (۶۵۹) چھوٹی پٹری۔ سنہ ۱۸۹۰ء میں ایک فرانسیسی کمپنی کو عطا کی گئی اور ستمبر سنہ ۱۸۹۲ء میں افتتاح ہوا۔

(۲) دمشق تا حمہ اور اس کی توسیعی لائن جو مشتمل ہے۔ بیروت تا دمشق کی لائن پر؛ (۱۴۷) کلومیٹر۔ (۲۲۰۴) میٹر طویل۔ دمشقی وحورانی لائن (۱۰۰) کلومیٹر۔ دونوں (۱) میٹر (۰۵) عریض۔ رایق تا حلب لائن؛ (۳۳۱) کلومیٹر عرض معمولی۔ پہلی دونوں لائنیں ڈسمبر سنہ ۱۸۹۱ء میں ایک فرانسیسی انجمن کو عطا کی گئی تھیں۔ اسی انجمن نے جون سنہ ۱۸۹۲ء میں دمشق سے ریجاک تک (۵۵۰) کلومیٹر کی ایک اور لائن کی تعمیر کا اجازت نامہ بھی حاصل کر لیا، جس میں طلق تک بشرط ضرورت توسیع ہو سکتی تھی۔ ایک غیر معمولی قانون مورخہ ۱۲ر اکتوبر سنہ ۱۸۹۶ء کی رو سے دمشق تا ریجاک لائن کی تعمیر یکم جنوری سنہ ۱۸۹۰ء سے پانچ سال کے لیے ملتوی ہو گئی۔ ۲۸ر مئی سنہ ۱۹۰۰ء کے ایک اور غیر معمولی نئے قانون میں یہ تصفیہ ہو گیا کہ ریاق سے حمہ تک کی لائن تین سال کے اندر تعمیر کر دی جائے۔ ۱۸ر مئی سنہ ۱۹۰۵ء کو حکومت نے اسی انجمن کے نام حمہ تا حلب کی لائن کی منظوری دے دی اور یہ لائن اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء سے کھل چکی ہے۔

(۵) **شام وعرب میں:۔** حجاز ریلوے۔ دمشق کو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے ملاتی ہے۔ (۱۳۲۰) کلومیٹر طویل ہے۔ ایک شاخ حیفہ تک جاتی ہے، جو (۱۶۳) کلومیٹر لمبی ہے۔ یہ لائن اتحاد اسلام کا نتیجۂ عمل ہے۔ اس

لائن کی تعمیر میں چندے کے ذریعے سے حصہ لینے کے لیے تمام عالم اسلامی کو مدعو کیا گیا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ مقامات مقدسہ اور گنبد خضراء کے زائرین کے لیے سہولت پیدا ہو جائے۔ یہ ریلوے لائن عبدالحمید کی حکومت کے لیے اس امر کا ایک ذریعہ تھی کہ دنیا کے خاص خاص مسلمانوں سے، جو دول خارجہ میں آباد ہیں، تعلق پیدا ہو جائے تاکہ حکومت مصر، تونس، الجیریہ اور ہندوستان میں اپنی پالیسی کو شکایت کا موقع دیئے بغیر جاری رکھ سکے۔

سچ تو یہ ہے کہ حجاز ریلوے سب سے پہلے ایک جنگی لائن ہے، جو صرف بطور نمائش زائرین کے لیے تعمیر کی گئی ہے۔ ممالک خارجہ کے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو ایسی صورت میں بھی کہ سفر مفت کیا جائے۔ ریل کے ذریعے سے درعات اور پھر وہاں سے مقامات مقدسہ کو جانے کے لیے حیفہ پر جہاز سے اترنے میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ جاوا اور رانڈیزتے آنے والے زائرین قافلوں کے ذریعے سے مکہ معظمہ کو جانے کی غرض سے بدستور حیفہ پہ جہاز سے اترتے رہینگے۔ یہی حالت مصری زائرین کی بھی ہوگی، جو جدہ جانے کے لیے سویز اور قصیر سے جہاز میں بیٹھیں گے۔ قاف سے آنے والوں کو علاوہ دوسرے لوگ، جو حجاز ریلوے کو استعمال کرنے کا خیال کر سکتے ہیں وہ صرف مراکش اور الجیریا کے زائرین ہوں گے۔ حج و زیارت کے نقطۂ نظر سے حجاز ریلوے کا جو بڑا فائدہ ہے، وہ یہ ہے کہ حج کا رواں سلطانی تحائف مکہ معظمہ کو لیجاتا ہے اور جو دمشق سے روانہ ہوتا ہے، وہ ریگستان کو عبور کرنے اور بدوؤں کے حملے کا خطرہ اٹھانے کے بجائے ریل کے راستے سے آمد و رفت کرے گا۔ مسافت کو کئی ہفتوں میں طے کرنے اور خطرے اٹھانے کے بجائے یہ کارواں اب صرف چند دنوں میں بے غل و غش اپنی منزل مقصود کو پہنچ جایا کرے گا۔

سیاسی اور فوجی نقطۂ نظر سے اس لائن کو بہت کچھ اہمیت حاصل ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سلطان عبدالحمید کا یہ قول بالکل بجا تھا کہ اس کے عہد کا یہ ایک عظیم الشان خیال تھا۔ اتحاد اسلام کا نظریہ چونکہ اصول خلافت پر مبنی ہے اس لیے یہ ناگزیر ہے کہ یہ آل عثمان ہی کے قبضے میں رہے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے اس امر کی ضرورت ہے کہ عرب پر آل عثمان کا تسلط قائم رہے۔ لیکن کئی سال سے عرب کی صورت حال ترکوں کے لیے نازک ہوگئی ہے۔ بغاوت ہر وقت برپا رہتی ہے اور انگلستان اپنی ان تدابیر کو روبہ عمل لانے کے لیے صرف موقع کا منتظر ہے کہ ایک پروٹیکٹوریٹ قائم کردی جائے۔ جس کی بنا پر عرب مصر کی ایک باج گزار ریاست بن جائے گی۔ انگلستان نے عدن کے ذریعے سے، جہاں بیٹھ کر وہ یمن اور اسیر (assry) میں بدامنیاں پھیلاتا رہتا ہے، اور محمد یحییٰ حمید الدین اور سید ادریس (Seyid Idriss) کی پوشیدہ طور پر امداد و اعانت کرتا رہتا ہے، اس جزیرہ نما کو بالکل بند کردیا ہے۔ ایک دوسرا اور بندر اس نے عمان پر قائم کیا ہے، جس کے تقریباً تمام امیروں اور سرداروں کو انگلستان سے تنخواہ ملتی ہے۔ تیسرا مورچہ قویط (Koweit) ہے، جو انگلستان کی حقیقی ولایت کا ماتحت قرار دیدیا گیا ہے اور جہاں سے وہ وہابی امیر عبدالعزیز ابن سعود کے لیے اسلحہ اور سامان جنگ کی رسد رسانی کرتا رہتا ہے اور پانچواں میدان عمل نجد ہے، جہاں وہابی انگلستان کے موکل بن چکے ہیں۔ خود حجاز میں بدامنی پھیلی ہوئی ہے اور بلاد مقدس کی بقا وہابیوں کے حملے پر منحصر ہے۔ عرب میں دریا کے راستے سے فوجوں کا بھیجنا طوالت سے خالی نہیں ہے اور اس میں مصارف بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ پھر یہ وقت بھی ہے کہ ایک وقت میں بہت ہی کم لوگ مصروف عمل ہوسکتے ہیں۔ ایک ایسی ریلوے لائن کی تعمیر سے، جو دمشق کو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے ملادے'' باب عالی کے لیے یہ سہولت پیدا ہوجاتی ہے کہ بہ لحاظ واقعات جس قدر فوج کی ضرورت ہو وہ حجاز کو اپنی فوج بھیج دے اور بلاد مقدس کو ایسی مصروفیتوں کا مرکز قرار دے دے جو موثر طریقے پر عثمانی اقتدار کو قائم کرنے کی غرض سے اسیر (assyr) اور نجد کے خلاف کامیابی کے ساتھ مصروف عمل ہونے کا موقع دے سکیں۔ دنیائے عرب میں ترکوں کے مخالف جو تحریک پیدا ہوگئی ہے وہ اس صورت سے روکی جاسکتی ہے۔ ان واقعات کے لحاظ سے فرانسیسی اور انگریزی پروپاگنڈا کے خلاف اتحاد اسلام کو ایک نئی طاقت اس لئے حاصل ہوجائے گی کہ انھیں دونوں طاقتوں

کے خلاف اس کو خاص طور پر معرض وجود میں لایا گیا ہے۔ ترکوں کو اس امر کی ہر وقت امید ہے کہ وہ فرانسیسیوں کو الجیریہ اور تونس سے اور انگریزوں کو مصر سے نکال دینگے اور اس معاملے میں ان کو جرمنی کی امداد پر اعتماد ہے۔

حکومت عثمانیہ نے ان ریلوے لائنوں کو تعمیر کرنے کی غرض سے بڑی بڑی قربانیاں کی ہیں۔ کلو میٹرک گارنٹیوں میں اس کی بہترین مالگزاریوں، اعشار (tithes) کا ایک بڑا حصہ صرف ہوجاتا ہے۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ ہر ملک میں ریلوں کی کثرت سے صرف اس کی معاشی دولت کی توفیر میں مدد ملتی ہے لیکن یہ ریلیں اس طرح قائم کی جانی چاہئیں کہ وہ ملک کی ضروریات کی متکفل ہوں اور پیداوار کے اصلی مرکزوں تک ان کے ذریعے سے راستے کھل جائیں۔ لیکن ترکی میں ایک سے زیادہ صورتوں میں یہ سوال کرنا درست ہے کہ آیا حکومت کے پاس ان قربانیوں کی منظوری صادر کرنے کے کافی وجوہ موجود تھے؟

ریاست کی عطا کردہ کلو میٹرک گارنٹیوں کی تین مختلف صورتیں ہیں:

(۱) کلو میٹرک گارنٹی غیر محفوظ:۔ ریاست مداخل کی ایک اقل حصے کی ضامن ہوتی ہے اور اگر یہ اقل مقدار وصول نہ ہو تو جو کچھ کسر باقی رہتی ہے، عام اس سے کہ وہ کتنی ہی کیوں نہ ہو ریاست ادا کرتی ہے۔

(۲) کلو میٹری ضمانت مع ضمانت جوابی:۔ ریاست مداخل کے ایک اقل مقدار کی بھی ضامن ہوتی ہے لیکن رعایت اس کے جواب میں ریاست کو اس امر کی ضمانت دیتا ہے کہ اس کی ضمانتی امداد ایک مقررہ تعداد سے زیادہ نہیں بڑھیگی۔

(۳) ریاست لائن کی تعمیر کنندہ کمپنی کو مداخل کا ایک حصہ مثلاً مداخل کا نصف دے دیتی ہے لیکن وہ اس نصف رقم کی ضامن نہیں ہوتی بلکہ دوسرے نصف کی ضامن ہوتی ہے، جو مالی اخراجات کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔

ان تینوں طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے بھی جو لائنیں ضمانت شدہ ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:۔

اناطولین ریلوے:۔ حیدر پاشا تا اسمد کے لیے (۱۰،۳۰۰) اور اسمد تا

انگورہ کے لیے (۱۵ر۰۰۰) فرانک کی ضمانت۔ اسمد؛ ارطغرل؛ قتاہیہ اور انگورہ کی جن سنجکوں میں سے یہ لائن گزرتی ہے، ان کے مداخل عشر (titoes) اس ضمانت کے لیے وقف ہیں۔ جتنی کمی واقع ہو، اس کا تکملہ ریاست کے ذمہ ہے۔ ۱۹۰۷ء و ۱۹۰۸ء کے اخراجات کے لیے (۱۸ر۱۱ر۷۰۶) فرانکس (۴۹) اور ۱۹۰۸ء و ۱۹۰۹ء کے مصارف کے لیے (۲۹ر۵۶ر۱۷۵) فرانکس۔

عشق شہر تا قونیہ کے لیے (۱۳ر۸۲۳) فرانکس (۴۰) کی ضمانت۔ لیکن ریاست فی کلومیٹر (۶ر۷۳۴) فرانکس (۳۰) سے زیادہ ادا نہیں کرے گی عام اس سے کہ مداخل چاہئے کچھ بھی ہوں۔ ضمانت۔ طرابزون اور گموشخانی کی سنجکوں کے تمام قسم کے عشر۔ کمی کا بار ریاست پر ہوگا۔ ۱۹۰۷ء و ۱۹۰۸ء کے اخراجات کے لیے (۲۹ر۹۹ر۷۴۸) فرانکس (۴۷) ۱۹۰۸ء-۱۹۰۹ء کے مصارف کے لیے (۲۵ر۹۰ر۹۲۰) فرانکس (۵۶)۔

سمرنا تا قصبہ اور اس کی توسیعات:- سمرنا؛ قصبہ؛ علی شہر کی مقدم لائن اور اس کی شاخوں کی گارنٹی سالانہ (۲۳ر۱۰ر۰۰۰) فرانکس۔ جملہ مداخل اس کی بحیثیت یک نصف تکمیل کریں گے اور ناکافی ہونے کی صورت میں ایدین کی سنجک پر محصول بڑھا کر اس کا تکملہ کیا جائے گا۔ کمی کا بار ریاست پر ہوگا۔ ۱۹۰۷ء-۱۹۰۸ء کے لیے (۳ر۳۹ر۵۱۴) فرانکس (۳۷) اور ۱۹۰۸ء-۱۹۰۹ء کے لیے (۵۸ر۵۰۳) فرانکس۔

علی شہر تا افیوم قرہ حصار کی توسیع کے لیے گارنٹی (۱۸ر۸۰۰) فرانکس۔ جن سنجکوں میں سے یہ شاخ گزرتی ہے، ان کے مداخل عشر اس کے کفیل ہیں۔ کمی بابتہ ۱۹۰۷ء-۱۹۰۸ء۔ (۳۴ر۷۰ر۷۰۷) فرانکس (۰۸) بابتہ ۱۹۰۸ء-۱۹۰۹ء (۳۴ر۵۴ر۱۹۸) فرانکس۔

دمشق، حمہ ریلوے اور اس کی توسیعات:- گارنٹی (۱۳ر۶۰۰) فرانکس القیر اور دمشق کے مداخل عشر کی کفالت۔ کمی بذمۂ ریاست بابتہ ۱۹۰۷ء-۱۹۰۸ء (۲۰ر۹۳ر۳۹۸) فرانکس (۰۴)، بابتہ ۱۹۰۸ء-۱۹۰۹ء (۲۳ر۹۴ر۶۶۹) فرانکس (۵۳)۔

بغداد ریلوے:- شاخ اول قونیہ سے بلغورلو تک۔ ۵ر مئی ۱۹۰۳ء کے معاہدے کے فقرہ ۳۵ میں رعایت دار کو ہر مکمل و تعمیر شدہ کلومیٹر پر (۱۱ر۰۰۰) فرانکس سالیانہ اور اخراجات تعمیر کے متعلق (۴ر۵۰۰) کلومیٹر کی ایک سالانہ

رقم عطا کی گئی ہے۔ یہ ادائیاں حسب ذیل طریقے پر عمل میں لائی جاتی ہیں:۔

(۴) فی صد کا ایک سرکاری قرضہ اور (۰ر۸۷۵۳۸) فیصد کا ایک سنکنگ فنڈ (Sinking Fund) (۱۱ر۰۰۰) فرانک سالانہ کا ضامن ہے۔

ہر تکمیل شدہ اور زیر تعمیر کلومیٹر پر رعایت دار کو (۲ر۶۹ر۱۱۰) فرانک (۶۵) کا بانڈ ملتا ہے۔

شاخ اول کے لیے ریاست نے کمپنی کو بصورت لون بانڈس (ضمانت ناجات قرضہ) بشرح (۴) فی صد (۵۴) ملین فرانک دیدیئے ہیں، جس کا ۵ر مارچ ۱۹۰۳ء کو اناطولین ریلوے کمپنی کے ساتھ تصفیہ ہوا تھا۔ اس قرضے کے سالیانہ کے تکملہ کے لیے، جس کی مجموعی تعداد (۹۷ر۱۱ر۹۹۰) ترکی پاؤنڈ ہے حکومت نے حلب اور عرفہ کی سنجقوں کے مداخل عشر سے (۱ر۰۶ر۰۰۰) ترکی پاؤنڈ اور ولایت ہائے بغداد، موصل، دیار بکر اور ایڈین کی بعض قزق (Kazaks) کے مداخل عشر سے (۳۶ر۰۰۰) حاصل کیے ہیں۔

اخراجات تعمیر کے متعلق (۴ر۵۰۰) فرانک کے سالیانہ کی کفالت بھی کے متعلق یہ تصفیہ ہوا تھا کہ مداخل کے ایک معینہ تعداد تک بڑھ جانے پر اس میں تخفیف ہو جائے گی، ان مداخل کی بیشی سے کی گئی ہے، جو اناطولین ریلوے کمپنی کی کفالت کے لیے مخصوص ہیں۔ ریاست نے جس حد تک کمی کا بار اٹھایا وہ یہ ہے:۔ سنہ ۱۹۰۶ء-۱۹۰۷ء میں (۲۷ر۴۹ر۱۱۲) فرانک اور سنہ ۱۹۰۷ء-۱۹۰۸ء میں (۲ر۷۲ر۲۰۳) فرانک۔

کلومیٹرک گارنٹی کے لیے اس لحاظ سے حسب ذیل رقوم کی ضرورت پڑی ہے:۔

(۱۰) (۱ر۹۳ر۸۲ر۱۸۷) سنہ ۱۹۰۶ء-۱۹۰۷ء کے اخراجات کے لیے اور (۱ر۹۶ر۴۲ر۰۰۰) سنہ ۱۹۰۷ء-۱۹۰۸ء کے لیے اگر کبھی ایسا ہو کہ ان لائنوں کی ایک بڑی تعداد اپنے مداخل حمل و نقل کے ذریعے سے اسٹیٹ گارنٹی کا تکملہ کردے تو ابھی ایسا ہونے کے لیے کئی برسوں کی ضرورت ہے۔

موجودہ حکومت کے نظام اعلیٰ میں ریلوں کی تعمیر کے لیے کلومیٹرک

گارنٹیاں شامل نہیں ہیں۔ مانا کہ یہ طریقہ بالکل درست ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کمپنیاں کون سے سرمائے سے ریلوں کی تعمیر کریں گی؟ تمام ضمانتوں انتہا یہ ہے کہ خود سود کے مسدود ہو جانے پر یہ کمپنیاں تباہ ہو جائیں گی اور پھر ترکی حکومت کو خارجی مداخلت کا سامنا ہوگا۔ ان کی تباہی سے ترکی کی ساکھ پر جو پہلے ہی سے معمولی حیثیت رکھتی ہے کاری ضرب پڑے گی۔ اگر بہت ہی زیادہ کوشش سے کام لیا گیا تب بھی ایسی ریلیں تعمیر ہوں گی، جن کی تعمیر اور ربنا نہایت خراب ہوگی اور نتیجہ یہ ہوگا کہ حکومت کے لیے تمام قسم کی مشکلیں پیش ہو جائیں گی۔

اس میں شک نہیں کہ نوجوان ترکوں کو اپنے خیالات میں ان پیشکشوں کی بنا پر بہت کچھ ہمت افزائی ہو رہی ہے، جو مختلف سنڈیکٹیس نے ان کے سامنے پیش کیے ہیں لیکن ان سنڈیکٹیس کو اس معاوضے کے متعلق بہت زیادہ غلط فہمی ہو رہی ہے، جو ان کے خیال میں اس سرمائے پر ان کو ملنے والا ہے، جو وہ ان معاملات میں لگانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ حکومت امریکن سنڈیکیٹوں کے پیشکشوں کی طرف توجہ کر رہی ہے، جو ایشیائے کوچک میں ایشیا اور میسوپوٹیمیا (عراق) کے قریب تر بغیر کسی گارنٹی کے (۲۰۰۰) کلومیٹر تعمیر کرنا چاہتے ہیں اور ان کی صرف یہ شرط ہے کہ (۹۹) سال کے لیے ان تمام معادن کا ٹھیکہ ان کو دیدیا جائے، جو اس وقت حکومت کے زیر نگرانی کام کر رہی ہیں یا جو لائن کے دونوں طرف بیس بیس کلومیٹر کے منطقے میں دریافت کی جائیں۔ یہ شرط کچھ بہت زیادہ اہم نہیں ہے۔

۱۹ر اگست ۱۹۰۹ء کے پارلیمنٹ کے منظور کردہ ایک قانون میں یہ تصفیہ ہوا ہے کہ یمن میں حدیدہ سے صنعا تک چھوٹی پٹری کی ایک لائن تعمیر کی جائے، جس کی حسب ذیل دو شاخیں ہونگی:-

(۱) حدیدہ سے خلیج جبانہ تک جہاں کچھ بھی نہیں ہے اور جہاں رعایت دار کو جہازوں کے قیام، فوجوں اور اسباب جنگ کے خشکی پر اتارنے اور اسی قسم کی دوسری باتوں کے لیے ضروری اقساط مہیا کرنی ہونگی۔

(۲) دوسری صنعا سے عمران تک۔ جس فرانسیسی جماعت نے

اس معاملے کا تصفیہ کیا ہے اس کے پاس معلوم ہوتا ہے ضرورت سے زیادہ دولت موجود ہے اور وہ اس دولت کو ضائع کرنے پر تلی ہوئی ہے۔

بغداد ریلوے اور اناطولی (ایشیائی ترکی) کی معاشی تقسیم

اگرچہ ترکی نے معاہدۂ لندن کے متعلق یہ اعلان کردیا ہے کہ وہ اس کو باطل تصور کرتی ہے اور ساتھ ہی اپنے افعال سے اس امر کا ثبوت بھی دیدیا ہے کہ اس کے نزدیک یہ معاہدہ کالعدم ہے تاہم باب عالی اناطولی (ایشیائی ترکی) کے مکمل طور پر برقرار رکھنے کے متعلقہ فقرے کو قابل پابندی سمجھتی ہے اور اس کا یہ ارادہ ہے کہ دول کے ساتھ اپنے آئندہ تعلقات کے قیام میں وہ اس فقرے سے منشور اعظم کا کام لے۔ یہ پہلا موقع نہیں ہے کہ معاہدۂ لندن سے بھی زیادہ اہم اور سنجیدہ معاہدوں میں ترکی کی تملیت کے اصول کو ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔ نتیجہ جو کچھ ہوا ہے وہ سب کو معلوم ہے! پھر وہی لوگ جو اپنے کو ترکی کا سب سے زیادہ ہی خواہ محافظ ظاہر کرتے ہیں، سب سے زیادہ اس امر کے خواہشمند ہیں کہ اناطولی اور میسوپوٹیمیا (عراق) کو ہضم کرجائیں۔ فریڈرک اعظم اکثر کہا کرتا تھا کہ: "خدا مجھے میرے دوستوں سے بچائے۔ میں اپنے دشمنوں سے اپنی حفاظت کرسکتا ہوں"! ترکوں کو بھی یہی مقولہ بغداد ریلوے کا ٹھیکہ اپنے جرمن دوستوں کو عطا کرنے میں جو خطرہ لاحق ہوتا ہے اس پر غور کرتے وقت پیش نظر رکھنا چاہیے۔

ابتدا ہی سے اس ٹھیکے نے یہ سوال اٹھادیا تھا کہ آیا اناطولی اور عراق

(میسوپوٹیمیا) ، ایسی حالت میں کہ ان پر سلطان کا برائے نام اقتدار رہے، معاشی اور سیاسی نقطۂ نظر سے بالکلیہ جرمنی کی جاگیر بن جائیں گے؟ لیکن یہ نوالہ اتنا بڑا تھا کہ نگلا نہیں جا سکتا تھا۔ جرمنی کو انگلستان، فرانس، اور روس سے معاملہ طے کرنا تھا۔ جن میں سے ہر ایک اپنے حصے کا دعویدار تھا اور قدرتی طور پر ترکی ہی کی ذات پر اس حساب فہمی کے اخراجات کا بار پڑنے والا ہے۔ چاروں طاقتوں سے علٰحدہ علٰحدہ طور پر اس معاملے میں جو گفت وشنید ترکی نے کی ہے اور ہر طاقت سے جو کچھ اس سلسلے میں مشورہ کیا جا رہا ہے وہ سب اناطولی (ایشیائی ترکی) کی اقتصادی تقسیم کی ایسی حالت میں محض ایک تمہید ہے کہ سیاسی اعتبار سے حصے ٹکڑے کرنے کی بہرحال جو کچھ صورت حال واقع ہوگی اس کے متعلق ترکی خود اپنی ہی مشکور ہوگی۔ ترکی کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ عبد الحمید کی غلطیوں کو برقرار رکھے ہوئے ہے بلکہ ان میں مبالغے سے بھی کام لے رہی ہے۔ معزول سلطان کا یہ عقیدہ تھا کہ اپنے کو جرمنی کے ہاتھوں میں دیدینے سے اس کی مطلق العنانی کا قیام متیقن ہو جائے گا۔ نوجوان ترکوں پر بھی کچھ عرصے کے پس وپیش کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی کی دلفریبی کا جادو چل گیا ہے۔ ان کو یقین ہے کہ جرمنی کی امداد کے بعد یورپ اور ایشیا میں ترکی تسلط کے لیے کوئی خطرہ باقی نہیں رہے گا۔ وہ جرمنی سے بالکل متفق ہیں اور اس سے بھی زیادہ جرمنی کو دے رہے ہیں، جو خود سلطان عبد الحمید عطا کرنے پر آمادہ تھے۔ اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ دوسری طاقتوں کو بھی ترکی سے اسی طرح کوئی دلچسپی نہیں ہے جس طرح کہ فرانس کو، جس نے ترکی کے خلاف کبھی کوئی مقبوضاتی خیالات قائم نہیں کئے ہیں تو بھی یہ طاقتیں اس امر کو جائز نہیں رکھ سکتیں کہ جرمنی اناطولی کا اجارہ دار بن بیٹھے۔ انگلستان، فرانس اور روس کے مفادات مادی و اخلاقی یہاں سے متعلق ہیں اور یہ مفادات اس قدر کثیر اور مختلف النوع ہیں کہ وہ اپنی رعایا کو دھوکا اور اپنے تاریخی اعتبارات کو جھٹلائے بغیر ان سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ ان کو مجبوراً ترکی اور اسی طرح طبیعی طور پر جرمنی سے مفاہمت باہمی کے لیے مطالبہ کرنا پڑا۔ اسی وقت سے جب سے کہ ترکی نے اپنے ایشیائی

صوبے جرمنی کے حوالے کر دئے تھے یہ طاقتیں اپنے کو اس امر پر مجبور باور کرنے لگی تھیں کہ اسی قسم کی مراعات کا مطالبہ کریں، جو جرمنی کو عطا کی گئی ہیں۔ اور چونکہ آج کل سیاسی مسائل اور اقتصادی مسائل میں تفریق نہیں کیجا سکتی کیونکہ ایک دوسرے کا بیّن خیمہ ہوتا ہے اس لیے یورپ کی اقتصادی سرپرستی لازمی طور پر سیاسی سرپرستی کو قائم کرکے رہے گی۔
۱۸۶۳ء میں حکومت اور عثمانی بنک کی حساب فہمی کے بعد اس وقت جبکہ قرضۂ جاریہ کا مسئلہ پیش ہوچکا تھا بعض غیر متعلقہ (sleeping) حصہ داران بنک لندن اور پیرس میں انفکاک کے حامی تھے اور ان کا یہ خیال تھا کہ ترکی میں اب قلیل منافعوں کے ساتھ کاروبار کرنے کے لیے بہت ہی کم صورتیں باقی رہگئی ہیں۔ اس خیال کے مخالفین کی رائے کو اس موقع پر بہرحال فوقیت حاصل ہوگئی اور یہ تصفیہ کیا گیا کہ بنک کے حلقۂ عمل میں توسیع کردی جائے تاکہ ترکی میں تمام قسم کی مہمات کا اجارہ اس کے لیے متیقن ہوجائے۔ سرایڈگرون سنٹ کو، جو پہلے عثمانی قرضۂ عامہ کی مجلس انتظامی میں انگریزی اور ولندیزی تمسک داروں کا نمائندہ اور اس وقت مصری سائرات کا صدر ناظم تھا، ام نارس ٹر کی جگہ، جو بالکل ضعیف ہوگیا تھا، اٹومان بنک کا ڈائرکٹر جنرل مقرر کیا گیا اور یہ فریضہ اس کے ذمہ عائد کیا گیا کہ وہ اس جدید نظام العمل کو عملی جامہ پہنائے۔ لیکن اس شخص کا نظم ونسق تباہی خیز ثابت ہوا۔ اس کے زمانے میں بنک ایک اچھا خاصا قمارخانہ بن گیا اور ایسی منفعت خوری جماعتوں کا ایک طوفان بے تمیزی مچ گیا جن کے حصوں میں واہی تباہی سٹہ بازی کو پورا پورا دخل تھا۔ جب ان کمپنیوں کو خسارہ ہوا تو ان کے تمام ناکارہ کاغذات (تمسکات) کا بار بنک پر پڑا، جس نے آخری لمحہ تک اس امر کی خواہش کی تھی کہ اس واہی تباہی سٹہ بازی کو ناکارہ حصوں میں قائم رکھا جائے۔ بنک کا تمام محفوظ سرمایہ ہضم ہوگیا۔ (پورٹ فولیو) مقوے ہیں تمام جھوٹے اور مصنوعی حصص کی بھرمار تھی، جن میں دوسرے حصوں کے ساتھ ساتھ ٹرانسوال کی معادن کے حصے بھی شریک تھے۔ ان حصص کی قیمت (۲) ترکی پاؤنڈ سے شروع ہوکر بہت جلد (۱۵) ترکی پاؤنڈ تک پہنچ گئی۔ بنک نے اپنے خریداروں میں اس امر کے متعلق بہت کچھ پروپاگنڈا پھیلایا کہ وہ اپنے نقد زر امانت کو معادنی حصص

سے تبدیل کرلیں۔ جب یورپ میں یہ پہلا کم ہوا تو قسطنطنیہ پر خوف و ہراس کی حالت طاری ہوگئی۔ بنک اس معاملے میں اس قدر الجھا ہوا تھا کہ اس نے چاہے کچھ بھی ہو ان تمام حصص کو قائم رکھنے کی کوشش کی۔ اس نے سرایڈگر کے حصص کو جس فرضی قیمت تک وہ پہنچ چکے تھے، قرضہ جات کی ضمانت کے طور پر قبول کرلیا۔ یہ صورت حال اس وقت تک باقی رہی جب تک کہ دھماکے کے ساتھ ساتھ تمام چیزیں فنا نہ ہوگئیں۔

صرف دو چارۂ کار باقی تھے اور دونوں میں برابر کا خطرہ تھا، یا تو سرمائے کا تقاضہ کیا جائے اس لیے کہ بنک کے حصص صرف نصف آزاد تھے اور یا انفکاک سے کام لیا جائے۔ سرمائے کے تقاضے میں کامیابی کی کوئی امید نہیں تھی۔ اب رہا انفکاک تو سب سے بڑی مصیبت اسی سے پیدا ہوتی۔ اگر ادائیات کا سلسلہ شروع کیا جاتا تو سرمایۂ ادا کردہ سے ڈیڑھ ملین پاؤنڈ کی کمی پڑتی۔ یہی وہ وقت ہے جبکہ ڈوشی (Deutsche) بنک نے آٹومان بنک کے سامنے امداد کی تجویز پیش کی۔ ڈسمبر ۱۸۹۷ء میں ام تھیوڈور برجر، منتظم آٹومان بنک متعینۂ پیرس پانچ دوسرے فرانسیسی اقتصادیین کے ساتھ برلن گیا اور بلجیم کی شراکت کے ساتھ ایک فرانسیسی سنڈیکیٹ کے نام سے ترکی میں فرانسیسی اور جرمنی ریلوں کے اتحاد اور بغداد ریلوے کی تعمیر کے متعلق ڈوشی بنک کے ساتھ شرائط طے کرلیے۔

ریلوں کے اس اتحاد میں تعمیر شدہ اور تکمیل یافتہ لائنوں میں جرمنی کا حصہ فرانس کے حصے پر بہت زیادہ فوقیت رکھتا تھا اور فرانس بصورت زر کمی کو پورا کرنے پر مجبور تھا۔ چونکہ ان لوگوں کو ضروری سرمائے کا مزید (۴۰) فی صد حصہ بغداد ریلوے کی تعمیر کے لیے مہیا کرنا تھا اس لیے اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جرمنی کے مصارف میں بہت زیادہ کمی ہوگئی اور فرانس کو مصارف کا بہت زیادہ بار برداشت کرنا پڑا۔ ڈوشی بنک اور فرانکو بلجین سنڈیکیٹ میں سے ہر ایک نے، جن کا صدر آٹومان بنک تھا، (۴۰) فی صد لے لیا اور بقیہ کے لیے یہ تصفیہ ہوا کہ انگلستان، روس وغیرہ کے مابین تقسیم کردیا جائے۔ چونکہ جرمنی

کے پاس صرف ۲/۵ حصص تھے اس لیے ان طاقتوں نے اس امر پر زور دیا کہ جرمن اثر کو تفوق حاصل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ بغداد ریلوے ایک بین الاقوامی معاملہ قرار پاگیا۔ یہ در اصل ایک چکمہ تھا۔ فرانسیسی گروپ میں بلجین حصہ دار سرے ہی سے جرمنی کے ہاتھوں میں کٹ پتلی بنے ہوئے تھے۔ ترکی کی تمام ایسی مہمات میں جن میں جرمنی کھلم کھلا حصہ نہیں لینا چاہتا تھا، بلجیم کو آگے بڑھا دیا جاتا تھا۔ یہی وہ صورت تھی جس پر کاربند ہو کر ان لوگوں نے تمباکو کی تجارت، ٹرام وے کمپنیوں اور عثمانی قرضہ عامہ کے مسائل میں اس وقت جرمنی کے مقصد اصلی کو پورا کر دیا تھا۔ جبکہ ایک جرمن نمائندے نے اس امر کا مطالبہ کیا تھا کہ صدارت صرف انگلستان یا فرانس ہی کا تنہا حق نہیں ہونا چاہئے بلکہ یکے بعد دیگرے کونسل کے تمام ممبروں کو ملنی چاہئے۔ بغداد ریلوے کے معاملے میں بلجیم والوں نے جرمن والوں کے دلالوں کا کام دیا اور انگلستان و روس کے وہ کام انجام دینے پر بھی، جو ان کے لیے مقدر ہو چکا تھا، ریلوے کے مسئلے میں جرمنی کا تفوق یقینی تھا۔

عثمانی بنک اور ڈوئچی بنک کے اشتراک کے ناکامیاب ثابت ہونے پر جرمنی نے تنہا بغداد لائن کی تعمیر کی ذمہ داری لیلی۔ پہلے حصے کا جس حد تک تعلق ہے یعنی قونیہ سے بورغورلو تک، جہاں لائن مسطح حصۂ ملک میں سے گزرتی ہے اور جہاں ریل کی تعمیر کے لیے انجنیری میں بڑی مہارت کی ضرورت ہے، یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ کام بحسن و خوبی انجام دیا گیا خصوصاً اس لیے کہ ان لوگوں کو پیرس میں (۵۴) ملین کا، جو اس سیکشن کے لیے دئے گئے تھے، ثلث مل گیا۔ تمام باتیں اتنی خوبی کے ساتھ انجام دیگئیں کہ بغداد سوسائٹی نے (۵۴) میں سے، جو اسے قابل انتقال حصص کی صورت میں ملا تھا، (۱۸) ملین بچا لیے۔ لیکن بورغورلو سے ادانہ تک دوسرے حصے کے لیے، جس میں کوہ طور کی بلندیوں کو عبور کرنا تھا، بہت زیادہ مصارف کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت تھی اور فی کلومیٹر یہاں پہلے سے تگنا صرفہ ہوتا تھا۔ (۵۴) ملین کی امداد جو حکومت عثمانیہ کی طرف سے دی گئی تھی اور (۱۸) ملین کی رقم ملا کر، جو پہلے سیکشن کے مصارف

کی بچت تھی، کل (۲،۷) ملین ہوتے تھے اور یہ رقم بالکل ناکافی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بغداد ریلوے کی تعمیر روک دی گئی۔

انصاف کی بات یہ ہے کہ جرمنی والوں نے ترکی میں اپنے تمام معاملات میں ایک باقاعدگی اور خوش اسلوبی اور انہماک کا اظہار کیا ہے، جو موقع شناسی اور عجیب وغریب ذکاوت کیساتھ متحد ہے۔ انھوں نے حلیف کے آخری اسٹیشن سے، جو مردین کا اسٹیشن ہوگا اور تقریباً (۸۴۰) کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، چار شاخوں کی فوری تعمیر کی اجازت طلب کی ہے۔ اس صورت سے انھیں تیسری، چوتھی، اور پانچویں شاخوں کی تعمیر کفایت ہوگی، جو میدان میں سے گزرتی ہیں اور جن کی تعمیر آسان ہے۔ ان شاخوں کی تعمیر سے جو بچت انھیں حاصل ہوگی وہ اتنی کافی ہوگی کہ دوسری شاخ کی تعمیر میں جو کثیر مصارف عائد ہوئے ہیں، ان کا معاوضہ ہو جائے۔ یہ معاملہ ۲ رجون ۱۹۰۸ء کو طے ہوا تھا۔ ضروری قرضہ جات کی فراہمی کے کفیل وہ اقتصادی مداخل تھے، جو ایسی مالی آمدنیوں سے قابل اخذ تھے جنھیں حکومت کے اناطولین ریلوے کی کلومیٹری ضمانت کے متعلقہ مداخل عشر کی زیادتی پر ڈوئشی بنک سے حاصل کئے ہوئے ایک قرضے کی ادائی کے لیے مخصوص کردیا گیا تھا۔ ۱۹۱۳ء میں ابھی اس کا انتظار ہی تھا کہ حکومت عثمانیہ نے ان مداخل کی بیشی جو قرضۂ عامہ کے لیے مختص ہوچکے تھے اور جن پر اس کو کامل اختیار حاصل تھے، اس مہم کی تکمیل کے لیے منتقل کردیئے۔ تاہم ایک مسئلہ اب بھی حل طلب باقی رہ گیا اور وہ یہ تھا کہ بغداد ریلوے مردین تک توسیع کے لیے (۲۲۶) ملین (۰۵۴۴۴۱) فرانکس (۲۰) کی جس رقم کی (حسب اعداد مندرجۂ معاہدہ ۵ رمارچ ۱۹۰۳ء) کی ضرورت تھی، اس کو کس طرح حاصل کرے۔ برلن کے بازار میں اس قدر اہمیت رکھنے والا قرضہ بیک وقت واحد ٹھکانے نہیں لگ سکتا تھا۔ یہی وہ موقع تھا جبکہ ان لوگوں نے ۱۸۹۷ء کے اشتراک کی طرف کسی قدر ترمیم کے ساتھ اس غرض سے مراجعت کی کہ لندن اور پیرس کے بازاروں کی مدد ان کو حاصل ہو جائے۔

دسمبر ۱۹۰۹ء میں پیرس اور سوئٹزرلینڈ میں (۱۰) ملین فرانک کے

سرمائے کے ساتھ، جو ایک معتدل مقدار تھی اور کسی کے لیے باعث شکایت نہیں ہو سکتی تھی، ترکی میں ریلوں کی تعمیر کے لیے ایک انجمن قائم کی گئی جس کے بانی ڈوشی اور آٹومان بنکس تھے۔ ان کا کام یہ تھا کہ حصص کو پیرس میں جگہ دیں۔ سر ارنسٹ کیسل کو لندن کا دیانت دار ندیم بنایا جانے والا تھا اس آخری انتخاب کو مشکل سے مستحسن کہا جا سکتا ہے۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں (۷) ملین ترکی پاؤنڈ کے ترکی قرضے کے موقع پر سر آرنسٹ کیسل نے (۲) ملین لندن کے بازار میں رکھے تھے۔ اس میں سے صرف (۵,۰۰,۰۰۰) پاؤنڈ انگلستان میں فروخت ہوئے تھے مابقی اٹومان بنک کے مقبوضے میں اب تک باقی تھے اس واقعے سے ثابت ہو چکا تھا کہ سر ارنسٹ کیسل کی اقتصادی طاقت اس اعلےٰ اعانت کے باوجود اور ان تمام کثیر التعداد معاملتوں کی موجودگی میں بھی، جو اس نے مصر میں طے کی تھیں، محدود تھی اور یہ کہ انگریزوں کو ترکی کے متعلقہ معاملات میں بہت کم اعتماد تھا۔ اس کے علاوہ جون سنہ ۱۹۰۸ء میں ٹائمز نے برطانوی سرمائے کے بغداد ریلوے میں کسی مفید کام میں لگائے جانے کے خلاف جو لب و لہجہ اختیار کیا تھا، اس سے بخوبی قیاس کیا جا سکتا تھا کہ سر ارنسٹ کیسل کو کامل طور پر ناکامی ہوئی ہے۔

بغداد ریلوے کے معاملے میں انگلستان ابتداء سے جرمنی کا مخالف رہا تھا۔ برطانوی حکومت نے سمرنا تا ایدین ریلوے لائن کے حصوں کو جرمنی والوں کے ہاتھ فروخت کرنے کو ممنوع قرار دیدیا تھا کیونکہ ان حصص سے جرمنوں کو ایشیائے کوچک میں غلبہ حاصل ہو جاتا اس صورت نے بغداد ریلوے کو خلیج فارس پر اپنا آخری اسٹیشن قائم کرنے سے روک دیا اور کویط برطانوی حفاظت میں چلا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کمپنی کو مجبوراً اپنا آخری اسٹیشن غارعبداللہ (Khor-Abdallah) پر قائم کرنا پڑا۔ سائرات کے (۴) فی صد زائد محصول کے نفاذ کے خلاف، جس سے دول اس خیال سے متفق ہو چکی تھیں کہ مقدونیہ میں اصلاحات کو نافذ کرنے میں اس سے مدد ملے گی، انگلستان کی طرف جو مشکلات پیش کی گئی تھیں، وہ تمام صرف اس بیشی کے خدشے سے پیدا ہوئی تھیں، جو بغداد ریلوے کی گارنٹی کو

جزوی طور پر اس لحاظ سے عطا کی گئی تھی کہ جرمنس زیادہ چستی کے ساتھ تعمیر کا کام چلا سکیں۔

انگریزوں اور جرمنون کے مابین عراق (میسوپوٹیمیا) میں ایک عظیم الشان کھیل کھیلا گیا عبدالحمید کو اس امر کا بڑا خیال تھا کہ عراق سے آمدنی حاصل کی جائے کیونکہ زرخیز اراضی یا ایسی اراضی کا ایک بڑا حصہ، جو زرخیز بنائی جا سکتی تھی، صرف خاص (Civil List) کے قبضے میں تھا یعنی اس پر سلطان کا قبضہ تھا نہ کہ مملکت کا۔ دجلہ اور فرات کے کناروں کو جہاز رانی کے قابل بنانے کی غرض سے مرمت کے لیے یلدیز میں بہت سی تدبیریں سوچی گئی تھیں۔ مسلمانوں کی فتوحات تک یہ ملک نہایت ہی زرخیز تھے کئی مرتبہ علاقہ صرف خاص نے ان دونوں دریاؤں کے حالات جہاز رانی کے مطالعے کے لیے بیشمار رقوات محفوظ کی تھیں۔ لیکن آخر میں کوئی مفید اور اہم کام انجام نہیں دیا گیا۔ عبدالحمید کے زمانے کی بہت سی اور باتوں کی طرح اس معاملے کے متعلق بھی سلطان کے بہترین ارادے عاملین کے مکروہ انتخاب کی وجہ سے تنزلزل ہو گئے۔ عبدالحمید یہ نہیں جانتا تھا کہ اپنے ارادوں کے نفاذ کی غرض سے لوگوں کا کس طرح انتخاب کرے۔

۱۹۰۷ء میں جرمنوں نے ایک بنک آف بغداد کے قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ جرمن اخبارات آج چاہے کچھ بھی کہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ اس کی اجازت انھیں عبدالحمید نے دیدی تھی۔ اس کے متعلق جو تردید کی گئی ہے وہ غرض سے خالی نہیں تھی کیونکہ وہ لوگ یہ نہیں چاہتے تھے کہ بغداد ریلوے کے متعلق جو تدبیریں سوچی گئی ہیں اس سے انگریز واقف ہو جائیں۔ چنانچہ قسطنطنیہ میں جرمنی اور انگلستان کے مابین جو تصفیہ واقع ہوا تھا طہران میں بھی اس کا اعادہ کیا گیا۔ جدید بغداد بنک کے سپرد یہ کام کیا جانے والا تھا کہ وہ بعض شاخیں تعمیر کرے، جس کا حق قیام ۵ مارچ ۱۹۰۳ء کے معاہدے کی رو سے جرمنوں کو حاصل تھا۔ ان شاخوں میں بغداد سے کہ شیعیین، کربلا تک اور بغداد سے سرحد فارس تک کی شاخیں بھی شامل تھیں اور یہ اسی زمانے میں تعمیر کی جائیں جبکہ موصل

تک جانے والی۔ اصل لائن کا کام شروع کیا جائے۔ سرحد فارس تک جانے والی شاخ کو متعدد یہ اہمیت حاصل تھی جس کی صرف یہ وجہ نہیں تھی کہ اس کی وجہ سے کرمان شاہ کی تجارتی منڈی تک راستہ کھل جاتا تھا بلکہ یہ وجہ بھی تھی کہ یہ بغداد کو طہران سے ملانے والی ایک لائن کے پیش خیمے کا بھی کام دینے والی تھی، جو شوستر پر سے گزرتی اور جس کی ایک شاخ شوستر سے محمرہ تک جاتی، جو شط العرب کے دہانے پر اس جگہ جہاں یہ قارون سے ملتی ہے، ایک فارسی بندرگاہ ہے۔

اس صورت سے جرمنوں کو یہ موقع مل جائے گا کہ وہ قویط سے جو نقصان ہوا ہے، اس کی تلافی کرلیں۔ اور بغداد ریلوے کے لیے فارسی ساحل پر ایک مفر تلاش کرلیں اور اس طرح خلیج فارس میں برطانیہ عظمیٰ کے تفوق کے لیے خطرہ پیدا کردیں، جس کو کہ انگریز بحر ہند میں اپنے مقبوضات کے ایک تسلسل سے تعبیر کرنے کے عادی ہو گئے تھے۔ ایران میں پٹرول کا ایک عظیم الشان چشمہ ہے، جو عراق کے چشموں سے کسی طرح کم اہمیت نہیں رکھتا۔ اس چشمہ کی پیداوار کافی کفایت کے ساتھ محمرہ پر خالی کی جایا کرے گی۔ صریح شرائط کے ماتحت بغداد ریلوے کو خلیج فارس پر فاؤ (Fao) کے علاوہ، جو شط العرب کے ڈیلٹا میں جزر و مد کی حد کے باہر واقع ہے، کوئی دوسرا مفر میسر نہیں آسکتا تھا۔

اس مقام پر ایک ایسے بندرگاہ کی تعمیر میں، جہاں بڑے بڑے جہاز ٹھہر سکیں، اس قدر کثیر مصارف کی ضرورت ہوگی کہ اس کا خیال ہی نہیں کیا سکتا اور پھر جو نتائج حاصل ہوں گے ان کا انحصار بھی دوسری چیزوں پر ہوگا۔ محمرہ کا مقام وقوع فاؤ کی بہ نسبت بہت اچھا ہے اگرچہ اس سے بھی جو مطمح نظر ہے، وہ پورا نہیں ہوتا۔ تاہم یہ خیال کرنے میں کوئی ہرج نہیں تھا کہ محمرہ کے جنوب و مشرق میں فارس کے ساحل پر، جس کے بحری پیمائش کے نقشے بھی موجود نہیں تھے، ممکن ہے کوئی خلیج مل جائے، جہاں بغداد ریلوے پہنچکر سمندر سے تعلق قائم کرے گو اس میں ریلوے کو ایک بڑا چکر کاٹنا پڑیگا

فارس اور ترکی کے انقلابات نے ان تدابیر کا خاتمہ کر دیا۔ عبد الحمید نے دجلہ اور فرات کی جہاز رانی کا کن سے شن علاقہ صرف خاص کو دیدیا تھا اور اس کن سے شن کے کام کا سرانجام جرمن بنک آف بغداد کے ذمہ تھا جو ان دلدلوں کو بھی خشک کرتا جو دونوں دریاؤں کی طغیانی کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھیں اور فرات، دجلہ اور شط العرب کو ہموار بھی کرتا۔ یہ درست ہے کہ یہاں پہلے ہی سے دو کمپنیاں موجود تھیں۔ ایک فرات، دجلہ اور شط العرب پر، جو ایک انگریزی کمپنی موسومہ "دی یوفریٹیز اینڈ ٹائی گرس اسٹیم نیوی گیشن کمپنی" کی مملوکہ تھی اور جس کو لنچ برادرس (Linch Brothers) کے خاندان نے قائم کیا تھا۔ دوسری شط العرب اور دجلہ پر ایک عثمانی انجمن یا یہ کہنا چاہیئے کہ سلطنت کی مملوکہ تھی جو اس کے بجائے قائم کی گئی تھی۔

۱۸۳۴ء میں کپتان لنچ نے سلطان محمود سے ایک فرمان حاصل کر لیا، جس میں اس کو دجلہ اور شط العرب میں دو کشتیاں چلانے کی اجازت دی گئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ فرمان برطانوی حکومت کو عطا کیا گیا تھا کیونکہ اس میں کسی نام کی صراحت نہیں کی گئی تھی اور بیان یہ کیا گیا تھا کہ اس فرمان کو انگریزی سفارت میں اس غرض سے ارسال کر دیا گیا تھا کہ جس کا حق ہو اس کو دیدیا جائے۔ کپتان لنچ نے صرف یہ کیا تھا کہ اپنا نام برطانوی حکومت کو عارضی طور پر استعمال کرنے کی اجازت دیدی تھی۔ سلطان عبد المجید کے زمانے میں لنچ کے خاندان کو فرات میں بھی ایک جہاز چلانے کی اجازت مل گئی اور یہ کہنا چاہیئے کہ ۱۸۶۱ء میں اس کی صورت حال میں باقاعدگی پیدا ہو گئی۔

۱۸۵۹ء میں گزلو قورشید پاشا، والی بغداد نے بغداد کے مقامی سوداگروں کے فراہم کئے ہوئے سرمائے کی امداد سے ایک جہاز ران انجمن "انتظام عمان" کے نام سے قائم کی ۱۸۶۱ء سے ۱۸۶۳ء تک بغداد کی کونسلری (Proconsulate) کے زمانہ میں مدحت پاشا نے نے وی گیشن سروس کو بہت کچھ تقویت پہنچائی لیکن اس کی مراجعت کے بعد بد نظمیوں کی وجہ سے کمپنی کو خسارہ ہوا۔ کمپنی کے بیڑے کے (۸) جہازوں کے منجملہ صرف (۳) جہاز باقی رہ گئے اور یہ بھی روز بروز ابتر ہو رہے تھے۔ دوسرے پانچ جہازوں کا یہ حشر ہوا کہ ان میں سے ایک غرق ہو گیا، ایک جل گیا اور تین بالکل ناکارہ ہو گئے۔

۱۸۸۹ء میں مصطفیٰ ناشیم پاشا، والی بغداد نے ایک (عثمانی لمیٹیڈ لایابی لٹی کمپنی کے قیام کے ذریعے سے اس کمپنی کو دوبارہ قائم کرنے کا تہیہ کیا۔ اس کو توقع تھی کہ مقامی اصل داروں ہی میں نئے جہازوں کی خریداری کے لیے ضروری سرمایہ فراہم ہو جائیگا لیکن یہ کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔ ۱۸۹۲ء میں وزارت صرف خاص نے اپنی باری پر اپنی شرکت کے ساتھ ایک عثمانی لیٹیڈ لایابی لٹی کمپنی کو قائم کرنے کے لیے سبقت کی۔ لیکن یہ بھی کامیاب نہیں ہوئی۔ بالآخر ۱۸۹۹ء میں ایک فرمان شاہی نے علاقۂ صرف خاص کو دجلہ اور فرات میں ایک نئے وی گیشن سروس کے آغاز کی اجازت دیدی۔ انگلستان سے نئے جہاز خریدے گئے لیکن عثمانی کمپنی انگریزی کمپنی کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکی۔ انگریزی جہاز جن کو نہایت اچھی حالت میں رکھا جاتا تھا (۴) یا (۵) دن میں بغداد پہنچ جاتے تھے اور جزر و مد کی حالت کے لحاظ سے (۳) یا (۴) دن میں بصرہ پہنچتے تھے۔ عثمانی جہاز مد کی حالت میں (۷) یا (۸) دن میں اور جزر کی حالت میں (۱۴) یا (۱۵) دن میں بغداد پہنچتے ہیں۔ چونکہ ان میں زیادہ سامان بارکرنیکی گنجائش نہیں ہے اس لیئے اس کی کمی کو پورا کرنے کے لیے وہ دوسرے جہازوں کو کھینچتے ہیں اور اس طرح ان کی رفتار میں بہت زیادہ سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ انگریزی جہازوں میں ہندوستانی ڈاک جاتی ہے اور مسافروں کی حمل و نقل کے لیے وہ عثمانی کشتیوں سے مقابلہ کرتے ہیں کیونکہ کرایہ کی بیشی کے باوجود انھیں کو ترجیح دی جاتی ہے۔

۱۹۰۷ء میں علاقۂ صرف خاص اور جرمنی کے مابین دجلہ اور فرات کی جہازرانی کا کن سے شن جرمنوں کو دئے جانے اور دونوں دریاؤں کے راستوں کو ہموار کرنے نیز عراق کی آبپاشی کے متعلق جو گفت و شنید ہوئی تھی اس میں ۱۹۰۸ء کے انقلاب کی وجہ سے رخنہ پڑ گیا۔ حکومت اساسی نے یہ تصفیہ کیا کہ آبپاشی کا کام خود ریاست کو انجام دینا چاہئے۔ چنانچہ انگریزی کمپنی سے عثمانی کمپنی کے ساتھ اسکی شرکت کے لیے گفت و شنید کی گئی۔ یہ نئی انجمن عثمانی انجمن ہوتی اور اس کے نصف حصص عثمانی رعایا کے لیے مخصوص ہوتے۔ اس کو دونوں دریاؤں کی جہازرانی کا اجارہ حاصل ہوتا اور اس کی کشتیاں ایک طرف تو موصل تک اور دوسری طرف دیار بکر تک

جا سکتیں۔ بغداد ریلوے کے مستقبل کے لیے یہ ایک کاری ضرب ہوتی لہٰذا اس اسکیم کو ناکامیاب بنانے کے لیے جرمن اثرات سے کام لیا گیا۔ ابتدائی معاہدے پر جس کو حلمی پاشا کی کابینہ نے لنچ کے خاندان کے لیے منظور کر لیا تھا، کمیٹی کے قائم کردہ اس اصول کے تحت کہ "ترکی ترکوں کے لیے ہے" ترکی جماعت مخالف کے جرائد نے نہایت شدید حملہ کیا۔ اس اصول کے تحت ایسی رعایت صرف عثمانی رعایا کے ساتھ جائز رکھی جا سکتی تھی۔

اساسی حق کے متعلق ایک سوال کے پیدا ہو جانے پر اس میں ناکامیابی ہوئی کیونکہ حکومت پارلیمنٹ کی قبل از قبل اجازت کے بغیر رعایت عطا نہیں کر سکتی تھی۔ سینٹ نے اس اصول کی حمایت میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔

پارلیمنٹ میں ایک اور سوال اٹھایا گیا، جس میں ۱۱ اور ۱۳ دسمبر ۱۹۰۹ء کے پورے دو اجلاس صرف ہوئے۔ شدید اور واہی تباہی بحث و تمحیص کے بعد حلمی پاشا کی کابینہ کو (۸) کے مقابلے میں اور (۴۵) غیر حاضریوں کے ساتھ (۱۶۸) کی تصویت سے تصویت اعتماد حاصل ہو گئی، جس نے معاہدۂ لنچ کی تدفین کا پلہ برابر کر دیا۔ حالات حاضرہ اس امر کے متقاضی تھے کہ حکومت کی طرف سے معاہدے میں کوئی اقتصادی عہد و پیمان نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس سے تمام کفایت غتر بود ہو جائے گی۔ لنچ کا خاندان مجوزہ ترمیمات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس نے یہ اعلان کر کے گفت و شنید کو منقطع کر دیا کہ اس معاملے کو برطانوی حکومت کے اس غرض سے اس نے تفویض کر دیا ہے کہ ۱۸۳۴ء و ۱۸۴۱ء کے فرامین کی رو سے جو حقوق اس کو حاصل ہیں، ان کی توثیق کی جائے۔ کچھ دن کے بعد حلمی پاشا کی کابینہ کو شکست ہو گئی، جس کی خاص وجہ یہی مسئلہ تھا جس کی بوجوہ احسن تکمیل کے متعلق اس کو اصرار تھا۔ اس کی دانست میں ترکی کے لیے یہ مناسب تھا کہ جرمنی کی بجائے انگلستان کو خوش رکھا جائے۔

بہرحال قسطنطنیہ میں جرمنی اثر کو، جو مطلقیت کے زوال کے بعد بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فنا ہو جائے گا، مارشل وان بی برس ٹین (Bieberstein) سفیر جرمنی کی ہوشیاری اور جنگی جماعت اتحادیئین کی امداد سے بہت جلد تفوق حاصل ہو گیا۔

جرمن ڈپلومیسی نے نہ صرف بلغور لیو و حلیفی قرض (۱۱۹ ملین فرانک) کی دوسری قسط کے لیے ضروری سرمایہ جمع کرنے میں بلکہ ان چون چون ملین کی تین قسطوں کے فراہم کرنے میں بھی ہر ممکن تدبیر سے کام لیا، جو حلیف و بغدادی قرضے کا کام دینے والی تھیں۔ اس غرض کے لیے جرمن حکمت عملی کی طرف سے اس خواہش کا اظہار کیا گیا کہ ترکی، جس کو اپنے تمام تر موازنے کے لیے اس رقم کی ضرورت تھی، درآمد شدہ بیرونی اسباب تجارت پر محاصل کرورگری میں ۴ فی صدی اضافے کا اس کو مجاز کردے۔ روس، انگلستان اور فرانس کو صرف اس شرط کے ساتھ اس اضافے سے اتفاق تھا کہ کسی صورت میں بھی اس سے بغداد ریلوے کے لیے کسی قرضے کی گارنٹی کا کام اسوقت تک نہ لیا جائے جب تک کہ اس مہم میں ان کی شراکت کا اس سے زیادہ پسندیدہ طریقے پر اطمینان نہ دلادیا جائے، جواب تک اختیار کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے جرمنی نے اس سلسلے میں روس سے تخاطب کیا اس لیے کہ اس کو نہایت آسانی کے ساتھ ہموار کیا جا سکتا تھا۔ مکالمتوں میں حصہ لینے سے روس کو باز رکھنے کی غرض سے جرمنی نے یکایک اپریل ۱۹۱۰ء میں ایران کے منطقۂ محفوظ میں ریلوں کی تعمیر کے لیے جرمنوں کو رعایت ملنے کے متعلق بعض قرائن کا اظہار کیا۔

ایرانی معاملات میں جرمنی کی مداخلت کی دھمکی نے روس کو اس حد تک بیدار کردیا کہ اس نے وزیر خارجہ، ام سیزونوف کو چانسلر، کاؤنٹ ڈی بیتھمین ہال ویگ کے ساتھ راست معاملہ طے کرنے کے لیے پوٹسڈم کو روانہ کردیا۔ ۴ر نومبر ۱۹۱۰ء کو انتظامات کے متعلق ایک اسکیم کا اعلان کیا گیا، جس کی ایوننگ نیوز نے کچھ ایسی تعبیر کی کہ فرانس میں نہایت تلخ نکتہ چینیاں پیدا ہوگئیں کیونکہ رائے عامہ کے ایک کثیر حصے نے یہ محسوس کر لیا کہ اب روس فرانکو رشین اتحاد کو منسوخ کرنے والا ہے۔

۱۲ر جنوری ۱۹۱۱ء کو مبیت النائبین میں اس مسئلے کے متعلق سوال کیے جانے پر وزیر خارجہ، ام پیکان نے بیان کیا کہ فرانسیسی اور انگریزی حکومتوں کو معلوم ہے کہ ام سیزونوف کس غرض سے پوٹسڈم گیا ہے۔ باب عالی کو، جس نے ان تمام باتوں میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا، بہت کچھ غصہ تھا۔ ۹ر فروری کو وزیر خارجہ، رفعت پاشا نے انگریزی سفیر کو یہ اطلاع دی کہ عثمانی حکومت عراق اور خلیج فارس کے متعلقہ مسائل

میں برطانوی حکومت سے گفت و شنید کرنا چاہتی ہے۔ اسی قسم کی ایک تدبیر بغداد ریلوے اور دوسری ریلوے پلانس کے پیدا کردہ مسائل کے متعلق فرانسیسی سفارت کے ساتھ بھی اختیار کی گئی۔ اور آخر میں باب عالی نے الحلیف سے آگے لائن کو توسیع دینے کے متعلق بغداد کمپنی کے ساتھ گفت و شنید کا آغاز کر دیا۔ یہ تمام مکالمتیں بہت جلد ختم ہوگئیں۔ اور ۲۱ مارچ کو شاخ حلیف تا بغداد، شاخ اسکندرون اور اس شہر کے لیے ایک بندرگاہ کی تعمیر کے متعلق تین معاہدے منعقد ہوگئے۔

کمپنی شروع ہی سے ان جدید مداخل کی فراہمی سے دست بردار ہوگئی، جو معاہدہ سنہ ۱۹۰۳ء کے فقرہ ۵۳ کی مندرجہ سالانہ امداد کی ادائی کے لیے وقف تھے اور جو شاخ حلیف تا بغداد کی تعمیر و تکمیل کے لیے عطا کیے گئے تھے۔ کمپنی کو ادا کی جانے والی رقم حکومت کے مملوکہ قرضہ عامہ کے خالص مداخل کی بیشی کی بچت سے لی جانے والی تھی۔ محرم کے مجریہ حکم کے فقرہ ۷ کی رو سے کمپنی نے (۳) فی صدی کا زائد محصول دیوانی وضع کرنے کے بعد اپنے ان تمام حقوق سے دست کشی اختیار کر لی، جو (۴) فی صدی کے زائد محصول کے متعلق، جس کو حکومت نافذ کرنے کی کوشش کر رہی تھی، تمام سابقہ معاہدات منعقدہ سے پیدا ہوتے تھے۔ مذکورہ بالا رقم ان مداخل عشر کی بیشی سے ادا کی جائے گی، جو بغداد ریلوے کے ابتدائی (۲۰۰) کلومیٹر اور اناطولی کی عثمانی لائنوں کے لیے کلومیٹرک گارنٹی کے طور پر مخصوص کر دئے گئے ہیں (ف ۳)۔ کمپنی کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ حکومت سے یکجائی طور پر یا علٰحدہ علٰحدہ طریقہ پر موجودہ معاہدہ کی تاریخ نفاذ سے قرضہ کی اقساط ۱ و ۲ و ۳ کے بحساب (۵۴) ملین فرانک فی قسط، اجرا کرنے کا مطالبہ کرے (ف ۴)۔

معاہدہ ثانی کی رو سے بغداد ریلوے سوسائٹی کو اسکندرون اور مصطفیٰ بے یا عثمانیہ کے بیچ میں ایک چوڑی پٹری کی لائن کی تعمیر و تکمیل کی اجازت مل گئی (ف ۱) یہ رعایت اسی وقت ختم ہو گی جب کہ حلیف اور بغداد لائن کے دوسرے صدم کلومیٹر کی درمیانی لائن کی متعلقہ رعایت منقضی ہوتی ہے (ف ۳)۔ کارہائے تعمیری زمانہ منظوری سے دو سال کے اندر ختم ہو جائینگے (ف ۵)۔ کمپنی اپنی ذمہ داری اور خطرہ پر خزانہ سے کسی گارنٹی یا امداد کا مطالبہ کئے بغیر اپنی مرضی کے موافق لائن کی تعمیر کریگی

(ف ۶)۔ حکومت اس شاخ کو اس وقت تک پھر نہیں خرید سکتی جب تک کہ بورغولو تا حلیف کی شاخ کو بھی نہ خرید لے۔ باز خریداری کی صورت میں اختتام رعایت تک ریاست سے واجب الوصول سالیانہ خریداری کے پانچ سالہائے ماقبل کی ریاست کی بازگشت رقوم کو وضع کر لینے کے بعد اوسط آمدنی کے برابر تھا۔ اس کے متعلق یہ تصفیہ ہوا تھا کہ یہ پہلی تعمیر اور ضمنی کاموں کے مصارف کے بشرح (۶) فی صدی انفکاک سے کم نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ مجموعی مداخل کی کمی ریاست ادا کرے گی (ف ۱)

تیسرا معاہدہ انجمن بندر حیدر پاشا عرف ڈوشی بنک کو اسکندرون پر ایک بندرگاہ کی تعمیر کی رعایت کے عطا کرانے سے متعلق تھا، جس سے جہاز سیدھے اسکلہ (quays) تک آسکیں گے۔ ابتداءً اسکندرون کا بندرگاہ اور اسکندرون تا حلب فرانس کے تفویض کیے گئے تھے لیکن فرانسیسی حکومت کی بدنظمی سے، جو اپنے سفیر متعینہ قسطنطنیہ کے مشورہ پر کبھی کاربند نہیں ہوئی، تمام اختیارات تیزی بلا کسی معاوضہ کے منسوخ ہوگئے۔ ۱۹۰۳ء میں جب بغداد ریلوے کے معاہدے پر دستخط ثبت ہوئے تو فرانسیسی حکومت کو اپنی غلطی محسوس ہوئی لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ جرمن کمپنی کو یہ حق بھی حاصل تھا کہ وہ فوجوں اور مسافروں کو جہاز پر چڑھانے اور اتارنے کے لیے پایاز پر، جو اسکندرون سے کسی قدر شمال کی طرف ہٹا ہوا ہے، سیڑھیاں بھی بنالے (ف)۔

ان تین رعایتوں کے بدلہ میں بغداد ریلوے سوسائٹی ایک تاوان کی ادائی کے سلسلہ میں، جس کا تعین بعد میں کیا جانے والا تھا، بغداد تا خلیج فارس اور بندر بصرہ کی متعلقہ رعایت، نیز خلیج فارس پر ایک بندرگاہ کی تعمیر سے دست بردار ہوگئی۔

خلیج فارس کی سیکشن کو ترک کر دینے کے متعلق جرمنوں سے گفت و شنید کرنے میں باب عالی اس کوشش میں تھی کہ اس کو انگلستان سے جو بغداد ریلوے کا اپنے مفادات

ع ۱ یہ لائن جو تپرک قلعہ تا اسکندرون کے نام سے موسوم ہے؛ ۲۰ ر اکتوبر ۱۹۱۲ء کو تعمیر و تکمیل کے لیے سپرد کی گئی تھی۔

خلیج کی بنا پر مخالف تھا، مزاحمت کرنے کا کوئی بہانہ ہاتھ آجائے۔ ۲۲ مئی کو ہندوستان کے سابق وائسرائے لارڈ کرزن نے پارلیمنٹ میں اعلان کیا کہ برطانوی حکومت اپنے تجارتی اور سیاسی مفاد کی ضمانت کے بغیر اس امر کی ہرگز اجازت نہیں دے گی کہ انگریزی سرمایہ سے بغداد ریلوے کی تعمیر میں کام لیا جائے۔ ان ضمانتوں میں پہلی یہ تھی کہ بغداد سے خلیج فارس تک جو شاخ تعمیر کی جانے والی ہے وہ اگر انگریزی نہ ہو تو کم سے کم اس کو بین الاقوامی ہونا چاہئے اور جرمنی کو کوئی غالب پوزیشن حاصل نہیں ہونی چاہئے۔ ثانیاً انگلستان کی خواہش تھی کہ کویت اور محمرہ کے شیوخ کے ساتھ جو معاہدے ہوئے ہیں، ان کو ترکی تسلیم کرے ساتھ ہی اس نے شط العرب کی نگرانی حکومت عثمانیہ کے تفویض کرنے سے انکار کر دیا۔ باب عالی نے یہ تجویز پیش کی کہ بغداد تا خلیج کی شاخ کے لیے جو سرمایہ فراہم ہو اس میں (۴۰) فی صد عثمانی سرمایہ ہونا چاہئے اور انگلستان، فرانس اور جرمنی کا (۲۰) (۲۰) فی صد۔ انگلستان نے اس تجویز کو منظور کرنے سے اس لیے انکار کر دیا کہ عثمانی سرمایہ کے (۴۰) فی صدی کا صرف یہ اثر ہوگا کہ جرمنی کے (۲۰) فی صدی کو تقویت پہنچ جائے گی، چنانچہ اس نے یہ تجویز کی کہ روس بھی اس میں شریک ہو اور پھر ہر مملکت (۲۰) فی صدی سرمایہ مہیا کرے۔

اسی اثنا میں ۱۹ اگست ۱۹۱۱ء کو روس اور جرمنی کے معاہدہ پر پیٹربورغ کے مقام پر دستخط ثبت ہوئے اور پوٹسڈم کی ملاقات کے بعد اس کو مشتہر کر دیا گیا۔ اس کا مضمون تقریباً وہی تھا، جو ایوننگ ٹائمز نے شائع کیا تھا۔ خاص اختلاف صرف مضامین کی نمبر اندازی کے متعلق تھا۔ جرمنی کے اس وعدہ کے بدلے میں کہ وہ اپنے ہم قوموں کے لیے شمالی ایران اور ایک ایسے منطقہ میں جو تقریباً ۳۱ اگست ۱۹۰۷ء کے انگریزی و روسی معاہدہ کے مشخصہ منطقہ کے جس کو روسی حلقۂ مفاد تسلیم کر لیا گیا تھا، مماثل تھا، ریلوں یا اسی قسم کی دوسری جہات کے لیے رعائتیں حاصل نہیں کرے گی، سن پیٹربورغ کی حکومت نے یہ ذمہ داری لی تھی کہ وہ ایسی تدابیر اختیار نہیں کرے گا جن سے بغداد ریلوے کی تعمیر میں رکاوٹ پیدا ہو یا جن کی بنا پر اس تعمیر میں بیرونی سرمایہ استعمال ہونے سے رکتا ہو۔ اسکی

شرط لازم یہ تھی کہ روس کسی قسم کا کوئی مالی یا معاشی ایثار نہیں کریگا (ف ۱)"۔ اس کے علاوہ روس نے اس امر کا بھی وعدہ کیا کہ وہ جرمنوں کو ایران میں ایک لائن تعمیر کرنے کی اجازت دے گا، جو طہران سے شروع ہو کر بغداد ریلوے کی شاخ سدیجی تا ہنیکن (Hankekin) سے اس وقت جاملے گی جب کہ یہ لائن تیار ہو جائے (ف ۲)

گو باب عالی اور انگلستان کے مابین گفت و شنید جاری نہیں رہی لیکن انگریزی اور جرمنی مشاورتیں ایک نتیجہ اول تک پہنچ گئیں۔ ۵ر جولائی ۱۹۱۲ء کو بغداد ریلوے کے رعایت دار، ڈوئشی بنک اور فرات اور دجلہ کی اسکیم نے وی گیشن کمپنی کے مابین، جو ایک انگریزی کمپنی تھی اور جس کا صدر رام لنچ تھا، ایک سوسائٹی موسومہ "واٹر ٹرانسپورٹ آف دی ایسٹ" کے قیام کے لیے ایک معاہدہ پر دستخط ثبت ہو گئے، جس کا مقصد لنچ کمپنی اور شط العرب کی جہاز رانی کے انتظام کا انضمام تھا۔ یہ معاہدہ، جو بظاہر خاص مفادات سے متعلق معلوم ہوتا تھا، دراصل بہت زیادہ اہم معاہدات کی تمہید تھا۔

۱۶ر مئی ۱۹۱۳ء کو ترکی جرائد نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ اعلان کیا کہ سابق وزیر اعظم، حقی پاشا اور سر ایڈورڈ گرے کے مابین لندن میں جو گفت و شنید جاری تھی، اس کا انجام نہایت ہی مبارک ہوا ہے۔ تصویر افکار کے بیان کے مطابق ترکی نے قویط پر انگریزی حلقہ اثر کو تسلیم کر لیا، جس کے متعلق اب تک اس نے داوریت کا دعویٰ کیا تھا اور جس کے متعلق اتحاد و ترقی کے جرائد نے احتجاج کیا تھا کہ ترکی کبھی اس سے دست بردار نہیں ہوگی۔ انگریزوں کو شط العرب میں جہاز رانی کا اجارہ اور بصرہ پر ایک بندرگاہ اور قویط تا بصرہ کی لائن کی تعمیر کی اجازت نیز انگریزی تجارتی مال کے براہ شط العرب محمرہ تک آزاد عبور و مرور کی رعایت عطا کر دی گئی۔ اس کے جواب میں انگلستان نے ترکی کو (۵) ملین ترکی پاؤنڈ شام اور ارمینیہ میں اصلاحات کے نفاذ میں آسانی پیدا کرنے کے لیے قرض دیدیئے۔ مزید براں انگلستان ایک کثیر قرضہ دینے پر بھی رضا مند ہو گیا تاکہ

علہ (Fashoda)

سلطنت عثمانیہ اپنی مالی ضروریات کو پورا کرنے کے قابل بن سکے۔ سب کے آخر میں انگلستان نے محاصل سائرات کے اضافہ، پٹینٹ ٹیکس، اجارہ جات وغیرہ کے متعلق ترکی کی درخواست کو بھی منظور کرلیا۔

ایک دوسرا ترکی جریدہ طنین، جس کو جماعت اتحاد و ترقی کا مشیر تصور کیا جا سکتا ہے، اس معاہدہ سے مطمئن نہیں تھا، جو اس کے بیان کے مطابق یورپ کی بالعموم اور اتفاق ثلاثہ کی بالخصوص صورت بدل دینے کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ یہ بات نہیں تھی کہ یہ کوئی نئی چیز ہو بلکہ یہ ۴ رجون ۱۸۷۸ء کے معاہدۂ قبرص کی طرح کے سابقہ معاہدات کی طرف محض ایک مراجعت تھی۔ مگر ترکی جریدہ اپنے کو اس امر پر مبارک باد دے رہا تھا کہ انگریزی و فرانسیسی اتحاد منقطع ہو گیا ہے۔ اس کا بیان تھا:۔ "دی ٹیمپس" ایک تار میں یہاں اعلان کیا گیا ہے کہ اس اخبار میں انگریزی و ترکی معاہدہ کے خلاف ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ یہ اخبار غصہ سے لال پیلا ہو رہا ہے کیونکہ انگریزی و ترکی معاہدہ ایک انگریزی و جرمنی مفاہمت کے سنگ بنیاد کا کام دے گا۔ ہماری طرف سے یہ فیصلہ کرنے میں غلطی ہوئی ہے کہ انگریزی و جرمنی مخالفت کو مشتعل نہ کیا جائے، جو ہمارے مفادات کے اسقدر خلاف ہے؟ .... اگر فرانس اپنے معاشی امور میں اپنی ناکامیابی کو ضبط تحریر میں لا چکا ہے تو یہ ایک ایسے ماہر سیاست کی غلطی ہے، جو اپنے زمانہ وزارت خارجہ (Iuaid' Ossay) میں برنس کو خوش رکھنے کے لیے بہت بے چین رہا ہے۔ دی ٹیمپس اب تک شام کے متعلق فرانس کے جمود و سکوت اور انگلستان کے حق میں فرانسیسی اثرات کے زوال کا رونا رو رہا ہے۔ یہ تمام شامی وطن دوستوں کے لیے ایک ہدایت خیز بیان ہے۔ ہم ٹیمپس کا شکریہ ادا کرتے ہیں کیونکہ اس کے مضمون سے رائے عامہ میں بیداری پیدا ہو جائے گی۔

لیکن اس موقعہ پر ہمیں انگریزی و فرانسیسی مودت کی معمی وشی پر اپنی رائے کا اظہار کرنا چاہئے۔ کیا فرانس فاشودا (Fashoda) کی طرح برطانیہ عظمیٰ میں بھی حریف تلاش کرے گا؟"

اپنی خواہشات کو غلطی سے واقعات تصور کر کے ترکی جرائد حد سے بہت

بڑھ گئے تھے۔ ۲۹ مئی کو دار العوام میں سر ایڈورڈ گرے نے اس معاملہ کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا اس نے کہا کہ بغداد ریلوے کے متعلقہ فقروں کی اب تک تصدیق یا تکمیل نہیں ہوئی ہے اور اس لیے تفصیلی بیان ناممکن ہے "ہمارے پاس ترکی کے ساتھ چند معاہدات کا مسودہ ہے، جس پر ہمیں امید ہے کہ بالآخر دستخط ثبت ہو جائیں گے۔ پورے مسودہ کو سامنے رکھنے کے بجائے تفصیل بیان کرنا دوسرے ممالک کی نظروں میں ان تفصیلات کی اہمیت میں مبالغہ سے کام لینے اور اس کے خلاف عوام کے جذبات کو مشتعل کرنے کا مرادف ہوگا۔

بغداد ریلوے کے متعلق ترکی کے ساتھ خاص طور پر جس امر کے متعلق معاہدہ کیا گیا وہ یہ تھا کہ لائن انگریزی حکومت کی رضامندی کے بغیر بصرہ سے آگے نہ لیجائی جائے۔ اگر برطانیہ نے لائن کو آگے بڑھانے کی اجازت نہیں دی تو ایسی صورت میں اس کا آخری اسٹیشن بصرہ ہوگا۔

یہی وہ نظریہ ہے جس کی انگریزی جرائد نے ہمیشہ پیچ کی ہے۔ چنانچہ جون ۱۹۱۲ء میں ٹائمز نے تحریر کیا کہ صحیح طور پر یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ بغداد تا خلیج کی شاخ کے لیے جرمنی سے کس معاوضہ کا وعدہ کیا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس سے دست کشی اختیار کرنے میں جرمنوں نے اس کی متعلقہ کلومیٹرک گارنٹی سے بھی دست کشی اختیار کر لی تھی؛ اور "بظاہر ترکی حکومت نے ان کو معاوضہ ادا کرنے کی ذمہ داری لے لی تھی" اس امر پر بین الاقوامی مبنی کافی تعمق کے ساتھ غور نہیں کر سکتی تھی۔ اس سلسلہ میں ٹائمز نے تحریر کیا کہ:

"اس سے بھی زیادہ اہم سوال ٹرمی نس سے متعلق ہے۔ چند ہفتے گزرے کہ ایک جرمانی جریدہ نے یہ افواہ پھیلائی تھی کہ قویط کو ٹرمی نس (Terminus) قائم کرنے کیلئے مشخص کر دیا گیا ہے؛ اور یہ کہ لائن غار عبداللہ پر ختم ہوگی۔ اس مسئلہ کا سب سے آسان حل یہ ہے کہ لائن کو بصرہ پر ختم کر دیا جائے؛ جو ولایت کا خاص مرکز اور مزید براں عراق (میسوپوٹیمیا) کا قدیم ترین بندرگاہ ہے۔ اس غرض کے لیے بصرہ کے انتخاب سے انگلستان کا وہ شدید اعتراض رفع ہو جاتا ہے، جو اس کو بغداد ریلوے کی تعمیر کے خلاف ہے۔ علاوہ بریں بصرہ سے ترکی کو یہ جواز حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ شیخ قویطہ کو سلطان کے نام نہاد حقوق کو مجروح کئے بغیر ہمارا دست نگر خود مختار سردار تسلیم کرلے"۔

انگریزی و ترکی معاہدہ کی اسکیم ان مفادات کو یقین کردیتی ہے، جن کا برطانیہ ولایت قویط میں دعویدار ہے۔ سرایڈورڈ گرے نے اس امر کے متعلق بہت زیادہ صاف بیانی سے کام لیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ :۔ ان انتظامات سے ہمارے وہ خدشات رفع ہوجاتے ہیں، جو خلیج فارس سے متعلق ہیں۔ ان سے ہمارے مفادات کی صیانت ہوتی ہے اور جرمنی کو معلوم ہے کہ اس کے مفادات ان سے مجروح نہیں ہونے۔ ہماری رضامندی کے بغیر بصرہ سے آگے لائن میں کوئی توسیع نہیں کی جاسکتی۔ ترکی اس امر کی ذمہ داری لیتی ہے کہ قویط میں حالات موجودہ کو قائم رکھا جائے گا۔ یہ الفاظ دیگر شیوخ قویط اور برطانیہ کے ساتھ جو معاہدات مرتب ہوئے ہیں، وہ بغیر کسی ترمیم کے علی حالہ قائم رہیں گے۔ بغداد تک جہاز رانی کا تعلق برطانیہ سے ہے۔ موجودہ انتظامات میں اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ جہاز رانی میں کوئی رکاوٹ واقع نہ ہو بلکہ اس میں اور ترقی ہو۔"

جس حد تک بغداد تا بصرہ کی شاخ کا تعلق ہے، انگریزی مفاد کی دو انگریزی نظماء نمائندگی کریں گے۔ سرایڈورڈ گرے نے کہا تھا کہ "برطانیہ کو اس امر پر اصرار ہے کہ محاصل حمل ونقل کے معاملہ میں کسی کے ساتھ رعایت وطرف داری سے کام نہ لیا جائے اور وہ اس امر کا یقین کر لینے کا خواہشمند ہے کہ اس نظریہ کو عملی جامہ پہنایا جائے گا۔ یہ خواہش صرف انتظامات میں حصہ لینے ہی سے پوری ہوسکتی ہے۔ انگلستان کو ایک ایسی رعایت میں تفوق حاصل نہیں ہوسکتا، جو ایک عرصہ تک جرمنی کی ملک رہی ہے۔ دو منتظمین کا وجود ہدایت یا انسداد کارکے لیے کافی نہیں ہے لیکن وہ اس غرض کے لیے کافی ہیں کہ محاصل اور دوسرے مسائل کے متعلق ہم کو مطلع کرتے رہیں، جن پر ہم بشرط ضرورت سیاسی سوالات اٹھائیں گے۔

دفتر خارجہ کے افسر اعلیٰ نے اپنے بیانات کو حسب ذیل الفاظ پر ختم کیا تھا۔

"بغداد کے متعلق جرمنی نے ترکی کے ساتھ نجی طور پر کچھ مفاہمتیں کر لی ہیں۔ ہمارا ان میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ ہمارے معاہدات ترکی کے ساتھ مرتب ہو چکے ہیں اور جرمنی ان میں شریک نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ جرمنی کو معلوم ہو جائے کہ ہم نے ترکی کے ساتھ جو معاہدات طے کئے ہیں،

ان میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جو ان حقوق کے مطابق نہ ہو، جو ترکی نے اس کو عطا کئے ہیں۔"

یہ دراصل جرمنی حکومت کی بعض تجاویز کا ایک درپردہ جواب تھا، جس نے انگریزی اور ترکی گفت وشنید سے واقف ہو کر لندن میں یہ ظاہر کر دیا تھا کہ وہ بغداد تا خلیج فارس کی شاخ کے متعلق بندر اسکندرون کے مراعات کی بنا پر اپنے حقوق کو مسلمہ تصور نہیں کرتی۔ نیز اس کا یہ ارادہ ہے کہ وہ تعمیر میں شرکت کرے یا کم وبیش فوائد حاصل کر لے۔ یہ فوائد پہلے ہی سے روشن ہو چکے تھے: یہ وعدہ تھا اس امر کا کہ پیرس کی اقتصادی کانفرنس میں برطانیہ جرمنی کے اس مطالبہ میں اس کی تائید کرے گی کہ بغداد ریلوے کی ضمانت سے کرورگری کا زائد محصول قائم رکھا جائے۔ نیز انگلستان محمرہ تک ایک لائن کی تعمیر کے متعلق اپنے ارادہ کو فسخ کر دے گا۔ برطانوی حکومت نے جرمنی کو یہ معلوم کرا دینے پر ہی اکتفا کیا کہ وہ جلد از جلد فرانسیسی حکومت کے ساتھ تصفیہ کر لے گی۔ بغداد ریلوے کی معاملہ میں برطانوی حکومت نے ہمیشہ فرانسیسی حکومت سے متفق ہو کر کام کیا ہے یا نہایت وفاداری کے ساتھ تمام قسم کی گفت وشنید سے اس کو مطلع کرتی رہی ہے ۱۹۰۹ء میں جو سیو پال کمبوں، فرانسیسی سفیر متعینہ لندن اور سر ایڈورڈ گرے کے مابین ایک معاہدہ پر دستخط ثبت ہو گئے، جس کا مقصد یہ تھا کہ طرابلس تا حمص تا بغداد او ربصرہ تک ایک لائن کے مراعات حاصل کئے جائیں جس سے دونوں طاقتوں کو استحکام حاصل ہو جائے گا جہاں سے وہ فائدے کے ساتھ جرمنی سے گفت وشنید کر سکیں گی۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں فرانس نے اپنے اس خیال کو ترک کر دیا۔ پوٹسڈم کی ملاقات کے بعد جب ترکی نے بغداد ریلوے نیز کرورگیری کے محصول زائد اور ٹھیکوں کے متعلق فرانسیسی سفارت کے ساتھ گفت وشنید کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو فرانسیسی حکومت نے ارضی کردستان میں فرانسیسی کمپنیوں کے ذریعے سے ایک ریلوے سسٹم کی تعمیر یا بصورت دیگر اس امر کی تجویز پیش کی کہ ماورائے طربزون تا ایڈریاٹک اور البانیہ ومقدونیہ کی دوسری ذیلی لائنوں کی تعمیر وتکمیل کے متعلق فرانسیسی کمپنیوں کو مراعات دی جائیں شام میں فرانسیسی ریلوں کی صورت حال میں باقاعدگی پیدا کی جائے جن کو ایسے مقابلہ سے دوچار ہونا پڑا تھا جو حکومت عثمانیہ کے معاہدوں کے خلاف تھا، جس نے حجاز لائن اور اس کی شاخوں کو تعمیر کر لیا تھا۔

جس حد تک البانیہ اور مقدونیہ کی ریلوں کا تعلق ہے، جنگ بلقان نے اس مسئلہ کو ملتوی کر دیا تھا۔ اب رہیں دوسری ریلیں تو فرانس کو شام کی ریلوں سے خاص طور پر دلچسپی تھی اس لیے کہ یہ صوبہ ہمیشہ سے ایک ایسا صوبہ رہا ہے، جہاں فرانسیسی مفادات کی تعداد معتدبہ تھی اور جہاں ان کے لیے سب سے زیادہ خطرہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ شامی ریلوں کی فرانسیسی سسٹم کو شمال میں جرمانی بغداد ریلوے کی شاخوں اور مشرق اور جنوب میں حجاز ریلوے کی شاخوں کی موجودگی سے تباہ ہو جانے کا خطرہ تھا۔ لیکن خانگی اقتصادی مفادات قسطنطنیہ کی فرانسیسی سفارت کی پالیسی میں آرمینو کردستانی لائینوں کو جن کے منجملہ (۲۰۰۰) کلو میٹر تعمیر طلب تھے، پیش پیش رکھنے کے لیے ساعی تھے۔ (۲۰۰۰) کلو میٹر کی یہ تعمیر طلب لائن سمسون سے سواس؛ ذفریق؛ ہرپوت؛ آرزنجان اور ارض روم کو جانے والی تھی۔

شامی ریلوں کے مسئلہ کی صورت حال حسب ذیل تھی:۔ دمشق تا حمہ اور حجاز ریلوے کی فرانسیسی سوسائٹی کے مابین جو تصفیہ ہوا تھا، اس کی ترکوں نے پابندی نہیں کی تھی۔ ہر دو انتظاموں کے مابین محاصل کے متعلق جو معاہدہ اس غرض سے طے ہوا تھا کہ حمیدیہ ریلوں کے متمردانہ تقابل کا انسداد کیا جائے، جس کی معاہدہ میں صراحت ہو چکی تھی۔ اس پر کبھی عمل نہیں کیا گیا۔ ابتداءً حجاز ریلوے نے، جو ایک مذہبی اور جنگی خیال کا نتیجۂ عمل تھی، تجارتی رجحانات کا اظہار کیا تھا۔ قدم کو، جو ایک اسلامی مقام مقدس ہے، لائن کا صدر مقام قائم رکھنے کے بجائے حجاز ریلوے نے بر الگ جو دمشق کے تجارتی مرکز میں واقع ہے، اپنا نقطہ نفاذ منتخب کر لیا تھا۔ علاوہ بریں حجاز ریلوے نے بیت المقدس تک درعہ تا حیفہ کی لائن کا راستہ اختیار کیا تھا اور اس کی ایک شاخ جبل دروز کی طرف بھی تھی، جس کی وجہ سے حورانی کاشت کا حمل و نقل اس کے لیے کامل طور پر متیقین ہو گیا تھا۔ نظم دمشق نے اس تمام تجارتی مال کو محصول سے مستثنیٰ کر دیا تھا جو اس کی مملوکہ ریلوے لائن کے ذریعے سے منتقل کیا جائے چونکہ یہ لائن چندہ اور مذہبی نذرانہ کے ذریعہ سے تعمیر کی گئی تھی اس لیے ایصال معاوضہ کے لیے کوئی واجب الادا رقم اس کے ذمہ نہیں تھی۔

۲۹ر جولائی ۱۹۱۱ئہ کو دمشق تا حمہ کی کمپنی کے حصہ داروں کے سنڈیکیٹ نے

اپنی سسٹم کی محصوری کے خلاف فرانسیسی سفارت میں ایک درخواست پیش کی جس میں حکومت جمہوری کی اعانت کی بھی استدعا کی گئی تھی۔ عثمانی وزارت تعمیرات کے موسومہ ۷ ستمبر کے ایک مراسلہ میں سوسائٹی کی مشکلات کا تذکرہ کرتے ہوئے معاوضہ کے متعلق اس کے مطالبات کی وضاحت کی گئی تھی، جو حسب ذیل تھے:۔ ۱۹۰۵ء کے معاہدہ میں حاصل کے متعلق جس گرانٹ کی پیش بندی کی گئی تھی، اس کا نفاذ اور ایک لائن کا کن سے شن، جس کی رو سے حلب تا ریاق کی لائن میں یافہ تا بیت المقدس کی شاخ پر لدہ تک اس شرط کے ساتھ توسیع کی جا سکے کہ اگر ضرورت ہوئی تو اس کو مصری سرحد تک بڑھا دیا جائے گا۔ ان مطالبات پر عثمانی حکومت نے کوئی لحاظ نہیں کیا۔

ارمنی کردستانی شاخ کے متعلق ایک مشکل مسئلہ حل طلب تھا یعنی روسی منظوری کے حاصل کرنے کی ضرورت تھی، جس کے بغیر کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۰۰ء کے معاہدہ کی بنا پر، جو زینوویف نے ارمنیوں کے حق میں مسلح مداخلت کی دھمکی دے کر سلطان عبدالحمید سے منظور کرا لیا تھا، بحر اسود کی کھاڑی میں تمام قسم کے ذرائع حمل و نقل کی تعمیر میں روس کو حق شفعہ حاصل ہو گیا تھا، الا اس صورت میں کہ خود ترکی حکومت اس کام کو انجام دے۔ حکومت عثمانیہ نے بغداد ریلوے کی طرح کوئی مراعات منظور نہیں کئے بلکہ حق معاوضہ کے متعلق دو فرانسیسی کمپنیوں کے ساتھ چند معاہدات طے کر لیے جن کی رو سے ایک کمپنی کے سپرد تعمیر اور دوسری کے تعمیر شدہ لائنوں کے استعمال کا کام سپرد ہو گیا۔ روس نے ۱۹۱۰ء کے مراسلت معاہدہ کی بنا پر اس کو تسلیم نہیں کیا۔ حقیقت یہ تھی کہ روس اپنی قاف کی سرحد کے قریب کسی ریلوے سسٹم کو اس لیے جائز نہیں رکھنا چاہتا تھا کہ اس کی وجہ سے اس کی ایشیائی سرحد پر ترکی فوجوں کی نقل و حرکت میں آسانی پیدا ہو جاتی۔ ۱۹۱۲ء میں اپنی سیاحت روس کے زمانہ میں موسیو پائنکارے فرنچ کونسل کے صدر نے فرانسیسی کمپنیوں کے دعاوی کی پیروی کی تھی۔ روسی ہائی کمانڈ نے اس امر پر اصرار کیا تھا کہ ان ریلوں سے ایک جنگی سوال چھڑ جاتا ہے، جس کی بناء پر اس امر کی ضرورت داعی ہوتی ہے کہ قاف کی فوج میں لازمی طور پر معتد بہ اضافہ کیا جائے؛ اور یہ اس وقت تک موثر طریقہ پر نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ پولینڈ کی مجتمعہ افواج میں کمی نہ کی جائے۔ بہر حال روسی حکومت نے اس شرط پر اپنا اعتراض

اٹھا لینے کا وعدہ کرلیا کہ یہ ریلیں ارزنجان پر ختم کردی جائیں۔

۲۴ ر فروری ۱۹۱۳ء کو موسیو یون پارہ فرانسیسی سفیر متعینہ قسطنطنیہ نے حسب ذیل فہرست مطالبات باب عالی کے حوالہ کردی، جس کی بنا پر فرانسیسی حکومت نے سائرات اور ریٹینٹ رائٹس کے اضافہ کی شرط پر گفت و شنید کا سلسلہ شروع کرنے پر اظہار آمادگی کیا تھا:۔

(۱) ایسے فرامین کا نفاذ، جن میں بعض مدارس اور بعض دوسرے فرانسیسی ادارات کے قیام کی انھیں اصول پر منظوری دی گئی ہو جو سنہ ۱۹۰۱ء کے فرانسیسی و ترکی معاہدات میں مرتب کیے گئے تھے۔

(۲) اس معاہدہ کا مستقبل میں باقاعدہ نفاذ۔

(۳) سندات کی قدر و قیمت کے متعلق فرانسیسی اور ترکی مدارس کی یکسانیت۔ محاصل سے استثنیٰ وغیرہ۔

(۴) فرانسیسی رعایا کو اگر ترکی میں قانونی سزا دی جائے تو ان کو صرف فرانسیسی قونصل خانہ کے محابس میں انسدادی طور پر حراست میں رکھا جائے گا۔ (آسٹرین حوالگیات کی ہملیت سنے، جن کا اس معاملہ کی ترتیب سے تعلق تھا متواتر پریشان کن واقعات پیش آئے مثلاً فرانسیسی رعایا کی ناجائز اور طویل حراست، بعض فرانسیسی رعایا کے لیے ترکی کی مراجعت کا عدم امکان وغیرہ۔

(۵) اہل تونس اور مراکش کو فرانسیسی رعایا تسلیم کرلیا جائے (الجیریہ والوں کو ترکی میں ہمیشہ فرانسیسی رعایا تصور کیا جاتا ہے۔ اگر یہ لوگ عثمانی قومیت اختیار کرنا چاہتے ہیں تو ان کو ایک اعلان کرنا پڑتا ہے، جس کے بعد فرانسیسی قونصلی اقتدار کو (۷۵) دن کی اس لیے مہلت حاصل ہوتی ہے کہ اگر ضرورت ہو تو مداخلت کی جائے۔

(۶) بعض مطالبات کے متعلق، جو زیر غور ہیں، ثالثی فیصلہ کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

(۷) ریلوے لائنیں:۔

(الف) ارمینیہ میں سمسون۔ سواس۔ خرپوت۔ دیار بکر لائن کا صریح

کن سے شن (in regie) اس لائن کی تکمیل دیا بکر۔ ارض روم طرابزون
کی لائن کے ذریعہ سے عمل میں لائی جائے۔
(ب) شام میں :- (۱) ریاق سے بیت المقدس کی طرف دمشق
تاحمہ کی لائن میں توسیع۔
(۲) دمشق تاحمہ کی لائن کی دونوں شاخوں
اور حجاز ریلوے کے مابین، جو شامی ساحل
تک جاتی ہے، ٹریفک کی تقسیم کا انتظام
ایک بیروت پر اور دوسری حیفہ پر۔
یہ دونوں صورتیں اس لیے قطعی ناگزیر ہیں کہ دمشق تاحمہ کی لائن کی
تعمیر میں جو فرانسیسی سرمایہ صرف ہوا ہے، اس کا جائز میدان عمل غصب نہ ہوسکے۔
(۸) بندرگاہیں :- فرانسیسی جہات کو حسب ذیل بندرگاہوں کا
کن سے شن :- انابولی اور ہرقلیہ، بحر اسود پر، طرابولی؛ حیفہ اور یافہ شام میں۔
فرانسیسی مطالبات پر ترکی جرائد اپنے غصہ کو پوشیدہ نہیں رکھ سکے۔
ان کے نزدیک یہ امر بالکل طبیعی تھا کہ ترکی کو سرداروں؛ امیروں؛ اور عرب
کے جنوبی ساحل کے سلطانوں پر، خلیج فارس میں اور بحر عمان اور جزائر بحرین پر،
جو حق داوریت حاصل ہے، اس سے وہ انگلستان کے حق میں دست بردار
ہوجائے۔ یہ کہ خلیج فارس کے عثمانی حصہ آب پر نگرانی قائم کرنے کے متعلق
ترکی برطانیہ کے حق کو تسلیم کرتی ہے۔ اور یہ کہ کویط پر انگریزی پروٹیک توریٹ
کا قیام ترکی کو تسلیم ہے۔ جرائد نے فرانس پر یہ الزام رکھا کہ وہ ناجائز فائدہ
حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ذیل میں طنین کے ایک ایسے طویل مضمون کے بعض
اقتباسات کا جو حکومت کا القا کردہ تھا، ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔
اپنی مالگزاری میں اضافہ کرنے کی غرض سے ترکی سالہا سال سے محاصل
سائرات میں بیشی اور غیر ملکیوں سے پیٹنٹ ڈیوٹی کے تسلیم کرانے میں مصروف
رہی ہے۔ یورپ کی دول عظمی اور حکومت امریکا نے غیر ملکیوں کے لیے نفاذ تمتع
(حق استفادۂ جائیداد) کے اصول کو تسلیم کرلیا ہے لیکن باب عالی کے ملاحظہ میں

پیش کردہ ایک مشترکہ یادداشت کے ذریعہ سے انھوں نے مذکورہ بالا قانون کے طریق نفاذ کے متعلق چند استدعائیں مرتب کی ہیں۔ ان استدعاؤں کا تعلق بعض ایقانات اور بعض رسمی امور سے ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ عثمانی حکومت اپنے مطمح نظر سے سفراء کو عنقریب آگاہ کردے گی۔ ہمیں توقع ہے کہ مسئلہ کے اس پہلو کے متعلق کسی قسم کی دقتیں پیش نہیں آئیں گی۔ لیکن پیٹنٹ ٹیکس کے مسئلہ نے ایک مختلف صورت حال پیدا کردی ہے۔

مشترکہ یادداشت کے علاوہ ہر طاقت نے اعلان کیا ہے کہ وہ اپنی سلامت کو بعض دیرینہ مسائل کے تصفیہ پر منحصر کرتی ہے۔ چنانچہ ہر طاقت نے فرانس کے ایماء پر اپنے مطالبات کی ایک طویل یا مختصر فہرست باب عالی کے ملاحظہ میں پیش کی ہے۔ طویل ترین فہرستیں روس اور فرانس کی ہیں۔ دول کے ان مطالبات پر ہماری طرف سے صرف اظہار تعجب کیا جا سکتا ہے۔ ان سب میں فرانسیسی فہرست سب سے زیادہ اہم ہے کیونکہ اس میں بعض سیاسی اور اقتصادی مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ فرانسیسی حکومت اصرار سے کام نہیں لے گی۔

فرانسیسی مطالبات میں بعض ریلوں اور بندرگاہوں کی رعایتوں سے متعلق ہیں۔ اب تک ترکی نے کوئی رعایت کسی سفارت کے توسط سے عطا نہیں کی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ فرانسیسی سفارت مطالبات پیش کرنے کا اپنے کو مجاز تصور کرتی ہے؟۔ ہمارے ملک میں فرانسیسی اور جرمانی سرمایہ سادی سے جو عملہ قائم کیا گیا ہے، وہ خاص خاص شخصیتوں کی درخواست پر اور "عثمانی کمپنی" کے نام سے قائم کیا گیا ہے۔ خود بغداد ریلوے کی بھی، جس کے متعلق فرانس اس قدر آزادی کے ساتھ رطب اللسان ہے، یہی عدالتی صورتِ حال ہے۔ اس ریلوے کے سلسلہ میں جو قرضہ جات عائد ہوئے ہیں، ان کا سلطنت کے قرضہ میں اندراج کیا گیا ہے۔ یہ امر جائز رکھنے کے قابل نہیں ہے کہ فرانسیسی حکومت ایک سرکاری دستاویز کے ذریعہ سے مساوی مراعات کا مطالبہ کرے۔ پیٹنٹ ٹیکس کے نفاذ کے بعد دوستانہ طور پر گفت و شنید کا آغاز کیا جا سکتا تھا لیکن اس کے بجائے

ایک ذلیل قسم کی معالمت کی ہمارے سامنے تجویز پیش کی گئی ہے۔"

ایک ایسے وقت میں جبکہ جاوید بے، سابق وزیر مالیات پیرس میں (۷۰۰) ملین فرانک کا قرضہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا، ترکی جرائد کا اس قسم کا لب و لہجہ اختیار کرنا ان کی سخت ناعاقبت اندیشی تھی۔ یہ درست ہے کہ ان جرائد نے اپنا طرز بیان بہت جلد بدل دیا اور جاوید بے کو یہ احکام مل گئے کہ وہ کوشش کئے جائے اور فرانسیسی حکومت کے ساتھ معاہدہ کرلے۔ ستمبر میں یہ اعلان کیا گیا کہ اس قرضہ کا معاملہ طے ہوگیا ہے اور اس کے ضمن میں ایک طرف تو سیاسی اور معاشی نقطہ نظر سے مساوی طور پر فرانسیسی نظام العمل کو تسلیم کرلیا گیا، جس میں ریلوں اور بندرگاہوں کے مسئلہ کو فرانسیسی گروپ کے ساتھ ان خاص خاص معاہدوں کے مقصد اصلی کی حیثیت حاصل تھی، جو جاوید بے کے مرتب کردہ تھے۔ دوسری طرف فرانس نے حسب ذیل امور کو منظور کرلیا:۔ محاصل سائرات میں (۱۵) فی صدی تک اضافہ۔ فرانسیسی رعایا کے مقابلہ میں بالواسطہ محصول بندی کا نفاذ، پٹرول، دیاسلائی، تمام قسم کے الکحل، سگریٹ کے کاغذ، تاش کے پتوں وغیرہ پر اجارہ یا محاصل کا قیام بیان کیا جاتا ہے کہ فرانسیسی حکومت نے وعدہ کیا تھا کہ پیرس میں ترکی قرضہ کی فراہمی میں سہولتیں پیدا کردی جائیں گی اس میں کوئی شک نہیں کہ مساواتوں میں قرضہ کا سوال بھی اٹھایا گیا تھا لیکن کوئی معاہدہ اس کے متعلق طے نہیں ہوا تھا اور نہ فرانسیسی سفارت نے کوئی وعدہ ہی کیا تھا۔ فرانسیسی حکومت کی رضامندی کا مذکورہ بالا ترکی مطالبات کی منظوری پر مشروط طور پر اظہار کیا گیا تھا۔ اور اس میں ترکی کے غیر مشروط طریقہ پر تمام فرانسیسی استدعاؤں کے تسلیم کرلینے کی شرط مضمر تھی۔ اب عثمانی حکومت نے اس معاہدہ پر نظر ثانی کا مطالبہ کیا، جو اس کے نمایندے جاوید بے نے منظور کرلیا تھا۔ نظر ثانی کے متعلق عذرات یہ پیش کئے گئے تھے کہ جاوید بے کو مختارانہ اختیارات حاصل نہیں تھے ساتھ ہی اس نے ریلوں اور بندرگاہوں کے معاہدوں کے متعلق اس حیثیت سے گفت و شنید کا آغاز کیا کہ گویا وہ معاہدہ کے پروجکٹ کا ایک خالص سیاسی حصہ تھا۔

فرانسیسی گروپس اور باب عالی کے مابین تازہ گفت و شنید کے بعد اس خاص امر کے متعلق ایک معاہدہ مرتب ہو گیا، جو بلیک سی سسٹم کی تعمیر و مہم جوئی سے تعلق رکھتا تھا۔ فرانس کو حسب ذیل لائنوں کے متعلق مراعات مل گئے، جو عثمانی بنک کو دی جانے والی تھیں اور جن کی تعمیر ریلوں کے مشترکہ نظم و نسق کی جانب سے ہونے والی تھی۔

(۱) سمسون تا سواس؛ ہرپوت تا ارغنہ۔

(۲) ارغنہ تا بطلس و فان۔

(۳) طرابزون تا ارض روم۔

(۴) ارض روم تا ارزنجان تا سواس۔

قسطمونی کے مقام پر سمسون تا سواس کی لائن میں ایک نقطہ کا — انابولی اور ہرقلیہ کی بندرگاہیں فرانسیسی گروپس کو دیدی گئیں، جن کی نمائندگی اسکنیدا اینڈ کمپنی (Schnieder & Co.) کی فرم کر رہی تھی۔ کروسو (Creusot) کا کارخانہ عثمانی بندرگاہوں کی متحدہ کمپنی کے نام سے مصروف عمل تھا۔

شامی سسٹم کے لیے دمشق تا حمہ کی لائن کے مداخل کے اجتماع اور اس کی توسیع کا اصول تسلیم کر لیا گیا۔ اس میں صرف اتنی کسر رہ گئی کہ پیرس کے مسلمہ اصول اجتماع اور جنوبی توسیع کے راستہ کے تشخیص میں کچھ اختلاف رائے تھا۔ یافہ، حیفہ اور طرابولی (واقع شام) اسکنیدا (Schnieder) کی کمپنی کو عطا کر دیے گئے۔

اب رہے سیاسی مسائل تو یہ پیرس کے مقام پر ترتیب دئے جانے والے تھے، جہاں جاوید بے جرمانی حکومت کے ساتھ گفت و شنید کو ختم کر کے واپس آگیا تھا۔ جرمنی سے گفت و شنید کی ضرورت فرانسیسی اور جرمانی حلقہ ہائے اثر کی تقسیم جدید کی بنا پر لاحق ہوئی تھی۔ معاہدہ سنہ ۱۹۰۰ئہ کی ترمیم اور عثمانی حکومت کے مدعوہ جدید محاصل کے مسائل میں بھی جاوید بے کو روس کے ساتھ کامل اتفاق ہو گیا تھا۔

ابھی فرانسیسی مطالبات پوری طرح مرتب بھی نہیں ہوئے تھے کہ

جرمانیوں نے جوابی تجویزیں مرتب کرلیں۔ بحر اسود کی کھاڑی میں انھوں نے انقرہ تا سیزیریہ اور سواس تا ہرپوت تا دیار بکر کی لائنوں کا مطالبہ کیا۔ یہ موخر الذکر فرانسیسی سیمسون تا سواس کی لائن کی ایک قدرتی اور ناگزیر توسیع تھی۔ اس استحقاق اور رعایت سے کام لے کر، جن کو جنوبی شام میں ابتداءً اقتصادی جماعتوں نے منظور کرلیا تھا، جو فرانسیسی مفادات کی نگرانکار تھیں، جرمنی نے یہ خواہش کی کہ ان تمام لائنوں پر، جو شام میں مرسینہ اور طرابولی کے مابین سمندر تک آتی ہیں، اس کے حق شفعہ کو باقاعدہ طور پر تسلیم کرلیا جائے۔ یہ سچ ہے کہ اس سے لوگوں کو یہ خیال ہوتا تھا کہ اگر فرانس نے بلقانی مطالبات کے متعلق پیرس کی اقتصادی کانفرنس کے روبرو چارہ جوئی کی اور اگر اس نے خزانہ عثمانیہ کے منظورہ مداخل کا ایک حصہ بغداد ریلوے میں صرف کرنے پر اتفاق کرلیا تو ایسی صورت میں جرمنی اور فرانس کے مابین ایک شریفانہ معاہدہ طے ہوجائے گا۔

میں پہلے بیان کرچکا ہوں کہ ۱۹۰۰ء تا ۱۹۰۳ء کی واقع شدہ معاملتوں کے بعد، جن کی بنا پر انگریزی اور فرانسیسی سرمایہ نے بغداد ریلوے کی تعمیر میں حصہ لیا، فرانس نے اپنی رضامندی کو جرمنی کے ساتھ کامل مساوات پر مشروط کردیا تھا لیکن اس صورت نے فرانسیسی مالیہ کو نقل وحرکت سے باز نہیں رکھا تھا۔ بلکہ اس نے فرسٹ اور سیکنڈ بغداد لون کے مصارف کا (۳۰) فیصدی حصہ بھی حاصل کرلیا تھا۔ حصص کے بازار میں فروخت نہ کئے جانے کی وجہ سے حکومت کے ہاتھ پاؤں پھنسے ہوئے تھے۔ لیکن فرانسیسی مہاجن اپنے حصص کا اندراج کرنے پر مجبور تھے اور اگر یہ لوگ بغداد ریلوے کی تعمیر کے لیے رقومات کے جاری کرنے کا سلسلہ قائم رکھتے تو ان کی پوزیشن نہایت ہی خراب ہوجاتی۔ اس مسئلہ نے اب جو صورت اختیار کرلی تھی، وہ یہ تھی کہ یا تو فرانسیسی مالیہ کو ایسی پوزیشن میں رکھنا چاہئے کہ بغداد ریلوے سے اس کا کوئی تعلق باقی نہ رہے یا اس کے لیے ایسے ذرائع مہیا کردینے چاہئیں کہ وہ اپنے حصص کو جاری کرسکے کیونکہ وہ تذبذب میں نہیں رہ سکتا تھا۔ بہ الفاظ دیگر یوں کہنا چاہئے کہ اب یہ

سوال پیدا ہو رہا تھا کہ کیا بغداد ریلوے میں شرکت کرنے سے کوئی فائدہ ہوا تھا؟ جواب بالکل سادہ ہے اور نفی میں ہے۔ اپنے اتحاد عمل کا معاوضہ بغداد ریلوے کی مجلس انتظامی کے (۲۷) اراکین کے منجملہ اپنے (۸) ممبروں کی صورت میں فرانسیسی گروپ نے حاصل کیا تھا یعنی فرانسیسی عنصر مجبور محض ہے۔ یہ ایک بالکلیہ جرمانی معاملہ ہے اور کبھی بین القومی حیثیت حاصل نہیں کرے گا۔ ایک ایسے کھلاڑی کا پارٹ انجام دیتے ہیں، جو اپنی دولت کے پیچھے بھاگا چلا رہا ہے اور مزید بغدادی ہمت آزمائیوں میں حصہ لینے میں فرانسیسی بنک اچھی طرح بیوقوف بنے ہیں۔ ۱۹۰۳ء اور ۱۹۱۱ء کے حکومت کے ساتھ مرتب شدہ معاہدات میں جرمانیوں نے فرانسیسی سرمائے کے بغیر ہی کام کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن اس سے پہلے کہ ان مفادات اور منفعتوں کی کوئی قیمت قرار پائی، جو بغداد اسکیم نے اس صورت سے حاصل کیے تھے، اس امر کی قطعی ضرورت تھی کہ عثمانی قرضۂ عامہ میں کسی بچت کا اظہار کیا جائے ورنہ آئندہ قرضہ جات کی کفالت نہیں ہو سکتی اور جو قرضہ جات اجرا کیے جا چکے ہیں، وہ مشکلات میں پھنس جائیں گے۔ اور پھر صورت یہ ہے کہ یوروپین صوبہ جات کے نکل جانے کی وجہ سے قرضے کی بچت میں تخفیف لازمی ہے، جس کی بنا پر ممکن ہے کہ بغداد لونس کی ادائیات میں رخنہ پیدا ہو جائے۔ ۱۹۱۱ء و ۱۹۱۲ء میں قرضہ کی خالص آمدنی (۰۰۰ر۲۶ر۴۱) ترکی پاؤنڈ تھی۔

قرضے کی مجموعی رقم کے لیے جس میں سود اور قرضہ متحدہ کا انفکاک اور ترکی لاٹس (Turkish Lots) کے لیے مختص شدہ مقررہ سالیانہ بھی شامل ہے (۰۰۰ر۵۷ر۲۱) ترکی پاؤنڈ کی ضرورت ہے۔ اور اسی بنا پر (۰۰۰ر۶۹ر۱۹) ترکی پاؤنڈ کی بیشی ہوتی ہے۔ اس میزان میں یوروپین صوبہ جات کی امداد (۰۰۰ر۱۰ر۹) اور سابقہ (۸) فی صدی پر سائرات کے (۴) فی صدی محصول مزید کے اعداد جو بالکلیہ روماٹلی کے لیے مختص تھا، (۰۰۰ر۵۰ر۹) ترکی پاؤنڈ تھے۔ گویا مجموعی تعداد (۰۰۰ر۲۰ر۱۹) ترکی پاؤنڈ تھی۔ اگر ایسی صورت میں روماٹلی کی مالگزاری ترکی کے ہاتھ سے نکل جائے تو قرضۂ متحدہ اور ٹرکش لاٹس کے بانڈ ہولڈرس کے لیے کوئی خدشہ نہیں ہوگا۔

لیکن اس صورت میں جرمنی کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا اور یہی وجہ ہے کہ جرمانی حکمت عملی بلقان کو قرضۂ عثمانیہ میں اپنے متناسب حصے کو قبول کر لینے پر مجبور کر رہی ہے۔ لیکن اس اشتراک عمل کے علاوہ دوسرے ذرائع ایسے اور بھی موجود ہیں کہ جن سے کام لے کر قرضۂ عثمانیہ کے نقصان کی تلافی کی جا سکتی ہے۔ مثلاً متحدہ اور ٹرکش لاٹس کے انفکاک کی شرائط میں ترمیم۔ تیسویں ادائی کے لیے انفکاک کی رقم میں اضافہ کر کے (۴۴ء۹۶ء۸۰) ترکی پاؤنڈ قرار دیدیا گیا ہے جس کے منجملہ (۶۳۳ء۳۱ء۶) ترکی پاؤنڈ متحدہ کے لیے اور (۲۴۰ء۴۴ء۵ء۲) ٹرکش لاٹس کے لیے ہیں۔ یہ یقینی ہے کہ اس قسم کے انفکاک میں مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔ ترکی کی مالی صورت حال کا مقتضا یہ ہے کہ وہ پہلے سے زیادہ گراں شرائط پر جدید قرضہ جات کی سلسلہ جنبانی کرے۔ جرمانیوں کو ان تعمیرات کے لیے فرانس کی منظوری کی ضرورت ہے، جو وہ ۱۹۰۸ء اور ۱۹۱۱ء کے معاہدات سے متعلق کرتے ہیں۔ یہ لوگ اس قرضے کی مجموعی رقم کے دعویدار رہیں، جو ۱۹۰۸ء کے مداخل کی بنا پر حکومت عثمانیہ کو واجب الادا ہے۔ ساتھ ہی یہ لوگ اس امر میں فرانس کی تائید کے بھی طالب ہیں کہ قرضۂ عامہ کے لیے جو رقومات مختص کی گئی ہیں ان کو از سرنو شدت کے ساتھ ترتیب دیا جائے۔ تاکہ بغداد لائن اور اس کی شاخوں کی تعمیر کے لیے جس رقم کی ضرورت ہوئی تھی، وہ حاصل ہو سکے۔ اس کے بدلے میں جرمانیوں کو لازم ہے کہ وہ بحر اسود کی کھاڑی کی ریلوے سسٹم کے متعلق اپنے مطالبات سے دست بردار ہو جائیں اور بغداد اور دمشق تا ریاق تا حلب کی (فرانسیسی) کمپنی کے مابین شام کے شمال میں ٹریفک کے معاملے میں مساوی شرکت کو منظور کر لیں۔

برلن اور پیرس میں دونوں متعلقہ کمپنیوں کے اقتصادی گروپس کے مابین اگست کے مہینے میں گفت وشنید شروع ہوئی۔ ڈوئشی بنک و جرمنی کی طرف سے اور آٹومان بنک اور صدر نظامت ریلویز و تعمیرات نے فرانس کی طرف سے پیروی کی جو جاوید بے کے تسلیم کردہ فرانسیسی و ترکی معاہدے پر مبنی تھی۔ اس سلسلے کو ام کیمبان، فرانسیسی سفیر متعینہ برلن اور ام ڈی زمرمان، انڈر سکریٹری فار اسٹیٹ فار فارن ریفیرس نے جاری رکھا۔ اقتصادیین میں کامل اتفاق تھا۔ ابتدا میں صرف فرانس کی طرف سے ان زائد مراعات کی

تصدیق و توثیق میں پس و پیش کیا گیا تھا، جو ڈوئشی بنک نے فرانسیسی گروپ سے حاصل کر لیے تھے مگر اس کے لیے فرانس کے پاس کافی وجوہ تھے۔

آٹومان بنک نے بغدادی حصص کو، جو اس کے پاس تھے اور جو اس کے لیے بیکار تھے، ڈوئشی بنک کو واپس کر دیے۔ اس کے بدلے میں اس نے ۱۹۱۱ء کے ترکی بون کے حصص واپس لے لیے، جو سائرات قسطنطنیہ پر محفوظ تھے۔ ان حصص کو جرمانی بنکوں نے خرید لیا تھا اور فرانسیسی حکومت کے پیرس میں ان کے داخلے کی اجازت سے انکار کی بنا پر، ان کو رعایا میں تقسیم نہیں کیا گیا تھا۔ آٹومان بنک آف بغداد کا مالی حصہ (۵۰) ملین فرانک تھا اور ۱۹۱۱ء کے قرضے کی تعداد معتادی طور پر (۳۹,۹۰,۰۰۰) ترکی پاؤنڈ تھی، جو جرمانی گروپس کے مقابلے میں تنسیخ سے کام لیا جانے والا تھا۔ فرانس میں ایک قرضے کو پیش کر کے، جس کا ایک بڑا حصہ جرمانی گروپس کے لیے نافع ہوگا، یہ مقصد حاصل کیا گیا تھا اور جرمانی گروپس اس دوسری معاملت پر ترکوں کو پیشگی رقم ادا کرنے پر راضی ہو گئے تھے اس صورت سے یہ لوگ اپنی پیشگی ادائیات کا معاوضہ حاصل کریں گے۔

شام میں شمال کی جانب یعنی عیسر میں فرانسیسی لائن روک دینا پڑا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان ترتیبات کا قبل از قبل سدباب کر دیا گیا ہے، جن کی توقع کرنے کا اس کو حق حاصل ہے۔ اگر گزشتہ متروکات کا ازالہ نہیں کیا جا سکتا تو کم از کم اتنا ضرور ہو سکتا ہے کہ فرانسیسی سسٹم کے لیے ایک ایسا منطقۂ عمل حاصل کر لیا جائے، جو معمولی طور پر اس کے مساوی ہو سکے۔ فرانسیسی سسٹم کو ان تمام شاخوں پر حق شفعہ حاصل ہونا چاہیے، جو ایک ایسے خط کے جنوب میں تعمیر کی جانے والی ہوں جو سکینہ سے شروع ہو کر، فرات پر ہوتا ہوا حلب کے قریب سے سمندر تک جاتا ہو اور یہی صورت حلب تا سکینہ کی ریلوے لائن کی بھی ہونی چاہیے۔ اس مسئلے پر ام رابرٹ ڈی کے نے یہ کہا تھا کہ "یہ بغداد ریلوے کو نقصان پہنچانے کا یا کسی ایسی چیز کے لیے لڑنے کا سوال نہیں ہے جس پر جرمانیوں کو اپنے استقلال کے لیے جائز طور پر حق حاصل ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ابتدا میں مسئلہ بغداد میں ان کی مخالفت کرنے میں نااہلیت اور ناعاقبت اندیشی پر ہم کافی طور پر متعدد

---

[1] فرانسیسی ایشیا اکتوبر ۱۹۱۳ء

مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ ہر بات کو اس کی موجودہ حالت میں تسلیم کر لینا چاہیے اور اس لیے اس پر اصرار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ جرمانیوں کے علاقہ پر حملہ کرنے کا سوال نہیں ہے بلکہ ان کے ساتھ ایک معاہدہ کرنے کا سوال ہے، جس سے ان کو ہمارے علاقے پر حملہ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہو سکے گا۔ کوئی شخص نقشے پر نظر کرے اور یہ دیکھے کہ اگر وہ حلب کے عرض البلد میں ریلیں تعمیر کرنے کے حق پر اصرار کرتے رہے تو کیا ایسی صورت میں ان پر یہ شبہ کرنے کی کوئی وجہ ہے کہ وہ ہمارے منطقے پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

ارمنی کردستانی ریلوے کے متعلق جرمانی، ہر پوست تک پیش قدمی سے احتراز کرنے پر آمادہ ہیں لیکن وہ مروین تا دیار بکر تا ارغنہ کے اور اس امر کے مدعی ہیں کہ ان کو دیار بکر سے روسی سرحد تک لائن کے تعمیر کرنے کا حق حاصل ہے۔ آٹومان بنک اور یہی جنرل اس امر پر متفق ہیں کہ سیوا تا ہر پوت کی لائن کو دیار بکر پر، جو اس کا قدرتی ٹرمی نس ہے، ختم نہیں ہونا چاہیئے بلکہ بغداد لائن پر ارغنہ تک جانا چاہیئے۔ فرانسیسی سفارت نے اس انتظام کے خطرات کی طرف ایما کیا ہے۔ دیار بکر کو فرانسیسی منطقے میں لازماً واقع ہونا چاہیئے۔ خود روس بھی، جس کی رضامندی ۱۹۰۰ء کے ترکی و روسی معاہدے کی رو سے ضروری ہے، دیار بکر پر جرمانی ریلوے کو پسند نہیں کرتا۔ اس کے اعتراضات ۱۱ر فروری کے "اوترو روسی" (Outro Rossiy) میں وضاحت کے ساتھ بیان کیے گئے تھے:

"معاشی دشواریوں کے قطع نظر" اس اخبار کا بیان ہے کہ "انقرہ تا سواس تا ارض روم کی لائن کی تعمیر کا ردعمل ہماری مدافعت قاف کے لیے مضر ہوگا۔ بحالت موجودہ ہماری سرحد قاف محفوظ ہے نہ صرف قارص کے سامنے قلعہ بند چوکیوں کی وجہ سے بلکہ اس لیے بھی کہ ارمنیہ میں جنگی مصروفیتوں کا جس مقام کے لیے مرکز بن جانا ممکن ہے وہاں سڑکیں نہیں ہیں۔ راستوں کے اس فقدان سے ایسے مقام پر، جہاں کوہستانی راستے موسم سرما میں برف سے ڈھکے ہوتے ہیں اور موسم گرما میں تیز بہنے والے چشمے ان کو مسمار کر دیتے ہیں، محفوظ سپاہ کی نقل و حرکت اور افواج کا اجتماع ناممکن ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ روس کو قاف کی مدافعت کے لیے صرف تین آرمی کور پر بھروسہ ہے

اور پھر اس کا بھی کوئی خطرہ نہیں کہ ہماری امدادی فوجوں کے ورود سے پہلے ترکوں کی جرار تر فوج کامیابی حاصل کر سکے گی۔ لیکن اس عظیم الشان ترکی قلعہ کے ارض روم کی ریلوے لائن کے ذریعے سے انقرہ؛ قرہ حصار، قونیہ؛ ہرپوت؛ دیار بکر؛ موصل؛ اور بغداد سے مل جانے کی وجہ سے تمام صورت حال متغیر ہو جائے گی۔ ترکی فوجوں کا اجتماع اسی سرعت وعجلت کے ساتھ عمل میں آسکے گا جیسا کہ قاف میں ہماری فوجوں کے ساتھ ہوتا ہے۔"

فرانسیسی؛ ترکی اور جرمانی گفت وشنید اس مسئلے میں ترکی اور روسی مشاورتوں میں ایک نوعیت رکھتی ہے۔ لہذا ایک کے بغیر دوسرے کو کامیابی نہیں ہو سکتی۔

روس اور ترکی کی بحث وتمحیص کا تعلق جن امور سے ہے، وہ یہ ہیں:-

(۱) ۱۹۰۰ئہ کے معاہدے پر اس طرح نظر ثانی کی جائے کہ ایسے امور میں روس کے حق شفعہ کے متعلق کوئی غلط فہمی باقی نہ رہے، جن کا ریلوں کی تعمیر یا روس کی مشروط منظوری حاصل کرنے سے قبل، جس کو ریلوں پر نگرانی رکھنے کا حق اور ان کی تعمیر میں حصہ حاصل ہوگا۔ ارمینو کردستان کے علاقے میں ان کے کن سے شن سے تعلق ہے (۲) چند اقتصادی مسائل مثلاً قرضہ عثمانیہ کی مجلس انتظامی میں ایک روسی نمائندے کا داخلہ؛ ترکی میں روس کے تجارتی مفادات کا تحفظ؛ پٹرول کی تجارت وغیرہ (۳) اصلاحات ارمینیہ کے متعلق یہ مسئلہ اگرچہ سیاسی تھا اور ان اقتصادی مسائل سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا، جو مسئلے بغداد ریلوے کے اٹھائے ہوئے تھے، تاہم ترک اس پر بحث ومباحثہ کرنے پر مجبور تھے۔ ان اصلاحات کی بنائے اصلی ارمنی کردستان میں یوروپین نگرانی کا قیام ہے یعنی یہ کہ اناطولی (ترکی ان ایشیا) کو نگرانی میں رکھا جائے۔

لیکن اناطولی میں یوروپین مفادات کی صحیح تعریف سے تعلق مباحثات میں باب عالی کو نہ صرف جرمنی؛ انگلستان؛ فرانس اور روس ہی کا سامنا ہے بلکہ ایطالیہ اور آسٹریا نے بھی یکایک اہم مفادات دریافت کر لیے ہیں اور وہ بھی اپنے حصے کے دعویدار ہیں۔ ستمبر میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ بنک اف روم نے بحرۂ روم پر روڈس کے مقابلے میں، جو جنگ طرابلس کے بعد سے ایطالیہ کے قبضے میں ہے۔ عدالیہ سے بردور تک جو اندرون میں واقع ہے، ایک ریلوے لائن کا کن سے شن حاصل کر لیا ہے۔ یہ

اعلان صحیح نہ تھا بلکہ یہ صرف ایک قسم کا جواز تھا، جو حکومت عثمانیہ نے میلان کے ایطالوی تجارتی بنک کو اس غرض سے عطا کر دیا تھا کہ وہ ایک ایسی ریلوے لائن کے ممکن الوقوع قیام کے مسئلے کا مطالعہ کرے۔ ایطالوی جرائد کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ اس معاملے میں ایطالیہ کو جرمنی کے ساتھ متحد کر دیا جائے گا۔ چنانچہ میسے گیرو نے ایک عجیب وغریب مراسلت میں برلن کو مخاطب کیا، جس میں اس نے اس امر کا مطالبہ کیا تھا کہ ان اثرات پر غور کیا جائے، جو جرمنی کے سیاسی حلقوں میں ایطالوی کن سے شن کی خبروں سے پھیل گئے ہیں۔ ان حلقوں میں عظیم ترین اہمیت عدالیہ کی ریلوے لائن سے منسوب کی گئی تھی، جو بحیرۂ روم پر بغداد ریلوے کے لیے ایک نیا مخرج پیدا کر دیگی۔ لیکن یہ عدالیہ تا بردور کا راستہ نہیں تھا بلکہ عدالیہ تا قونیہ کا راستہ تھا جس کی پیش بندی کی گئی تھی۔

"عدالیہ تا دینار کی ریلوے لائن سے" جرمانی نمائندوں کی تصدیق کے مطابق، جن کے اعلانات کو میسے گیرو نے شائع کیا تھا، "بہت کم اقتصادی منفعتیں حاصل ہوتی ہیں اور اس کو ایک دشوار گزار کوہستانی سلسلے میں سے گزرنا پڑے گا۔ دینار عدالیہ تا بردور کی لائن کے تسلسل میں واقع ہے اور یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ ایک جرمانی پروجکٹ، جس کو اب ترک کر دیا گیا ہے، خلیج بردور و دینار کے ذریعے سے عدالیہ کو افیوں قرہ حصار سے ملا دینے پر مشتمل تھا۔ یہی وہ لائن ہے جو آج زیر غور ہے یا یوں کہنا چاہئے کہ یہ دراصل عدالیہ تا قونیہ کی لائن ہے۔ ثانی الذکر بہت زیادہ اہم ہے اور اول الذکر بہت کم"۔

جرمانی نمائندوں کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے کے متعلق کافی معلومات حاصل نہیں ہے۔ ان کو یہ لازمی طور پر معلوم ہونا چاہئے تھا کہ ایدین سوسائٹی کی ریلوے لائن عرصہ ہوا کہ دینار اور بردور تک پہنچ چکی ہے اور یہ کہ دینار سے اغردیر تک توسیع کے متعلق ۱۹۰۶ء کے معاہدے کے ذریعے سے شاہی حکومت اس امر کی ذمہ داری لے چکی ہے کہ وہ کسی ایسی لائن کی (ایدین سسٹم کے دونوں جانب (۴۰) کلومیٹر تک تعمیر کے لیے کن سے شن عطا نہیں کرے گی، جس کے لیے اس کے ساتھ تقابل قائم کرنے کا امکان ہو۔ ایسی صورت میں عدالیہ کی ایطالوی لائن دینار تک کس طرح جا سکتی تھی۔ علاوہ بریں

عدالیہ تا بردور کی لائن میں بیشمار فنی مشکلات تھیں اور صرف ایک مشتبہ اقتصادی مفاد حاصل ہوتا تھا۔

رودس کے محاذی ساحل پر جنزلی سے ایک اور ریلوے لائن کے نکالے جانے کا بھی تذکرہ کیا گیا تھا۔ لیکن جنزلی ایدین نظام کا ایک جزو تھی۔ اور یہ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ مرمریس کی طرف لے جانے کے لیے ایک ایطالوی لائن کو اس مقام سے کس طرح شروع کیا جا سکتا تھا۔ اب رہا اخیون قرہ حصار تا عدالیہ کا سوال تو یہ ایک پرانا جرمانی پروجکٹ ہے اور اس کے متعلق سنجیدگی کے ساتھ کبھی کوئی کارروائی اختیار نہیں کی گئی۔ علاوہ بریں حکومت اور ایدین کے مابین ۱۹۰۶ء کے معاہدے نے اس کی تعمیل کو ناممکن بنا دیا ہے۔ لیکن رومانی جریدے کے نمائندے نے جس چیز میں سب سے زیادہ دلچسپی لی وہ ایطالیہ کے حاصل کردہ کن سے شن کی سیاسی اہمیت تھی کیونکہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ جزائر کے مسئلے پر جرمنی اور ایطالیہ کو اتفاق تھا۔

"بندر عدالیہ اور جزائر رودس واستامبالیہ کے گہرے تعلقات کو معلوم کرنے کیلئے یہ کافی ہے کہ بحر ایجین کے نقشے پر نظر ڈالی جائے۔ مٹی لینی، کیو اور دوسرے چھوٹے چھوٹے جزیرے غالباً ترکی کے پاس رہیں گے اور اس امر کا غالب قرینہ ہے کہ رہوڈس اور استامبالیہ ایطالیہ کے پاس چلے جائیں گے۔ جرمنی کو نہ صرف ریلوے لائن کے کن سے شن ہی کا علم ہے بلکہ وہ ان مشاورتوں سے بھی واقف ہے، جو باب عالی اور ایطالوی دفتر خارجہ کے مابین جزائر ایجین کے متعلق جاری ہیں اور شاید اس نے اپنی رضامندی کا بھی اظہار کر دیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یونان اس بنا پر ہم سے برگشتہ ہو جائے مگر مجھے یقین ہے کہ شاہ قسطنطین کے دورے کے بعد سے یہ امر اس کے ملاحظے میں لایا جا چکا ہے کہ جرمنی ایطالیہ کا حلیف ہے اور یہ کہ بحر ایجین میں ایطالوی طاقت کا اضافہ اتحاد ثلاثہ کی اختیار کردہ پالیسی کی عام تدابیر سے متفق ہے۔"

سیکولو کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ایطالوی لائن عدالیہ سے قونیہ جائیگی دوسرے جرائد کا بیان ہے کہ یہ سلسلہ عدالیہ سے مرسینہ تک براہ ارمنک وسلفقہ ایک ریلوے لائن کی تعمیر سے متعلق تھا۔ پہلی ممکن ہے دوسری ناممکن ۱۹۰۶ء کے معاہدے میں یہ امر ممنوع قرار دیا گیا ہے کہ کوئی ایطالوی لائن قونیہ یا مرسینہ تک جائے۔ یہ اعتراض

کیا جا سکتا ہے کہ مرسینہ بغداد ریلوے میں شامل نہیں ہے اور یہ کہ ادانہ سے جہاں سے لائن گزرتی ہے یہ (۴۰) کلو میٹر سے زیادہ فاصلے پر واقع ہے۔ لیکن مرسینہ تا ادانہ کی ریلوے بغداد کمپنی کی ملک ہے۔ اس کی ملوکہ لائنوں کے منجملہ ایک یہ لائن بھی ہے اور سنہ ۱۹۱۴ء کے معاہدے میں جو ممانعت کی گئی ہے، وہ اس پر حاوی ہوتی ہے

بہر حال جو کچھ بھی ہو ایطالیوں نے عدالیہ پر بہت کچھ مصروفیتوں کا اظہار کیا۔ ان لوگوں نے یہاں ایک نائب قونصل مقرر کیا؛ مدارس اور شفاخانے کھولے اور ایک اسکواڈرن قائم کی۔

ویانی جرائد کے بیان کے مطابق، جن میں ریش اسپاسٹ (Reichspost) اور نیوی فری پریسی (Neve Freie Presse) پیش پیش تھے، آسٹریا ہنگری نے ایشیائے کوچک میں مصروف عمل ہونے کا ارادہ کیا اور اس ارادے کی تکمیل کے لیے سلیشیہ بہترین مقام تھا سلیشیہ "آخری غیر مقبوضہ مقام ہے"، جہاں گنے اور روئی کی کاشت ہو سکتی ہے اور "جو غیر کاشت شدہ اور غیر آباد معلوم ہوتا ہے"۔ ٹریسٹی میں آسٹروی بنکروں کے ایک سنڈیکیٹ کے قیام کا مسئلہ اس غرض سے پیش ہوا کہ سلیشیہ میں ریلیں تعمیر کی جائیں اور معدنی کاروبار کا آغاز کیا جائے۔ جس کاروبار کا جرمانی پہلے ہی سے آغاز کر چکے ہیں، اس کے متعلق یہ سمجھنا چاہیئے کہ انھیں کو اس پر ملکیت حاصل ہے بغداد ریلوے شمال میں سلیشیہ پر سے گزرتی ہے اور مرسینہ تا ادانہ کی لائن، جو قراسار یہ تک لے جائی جائے گی اور جو پہلے فرانسیسی تھی، آج ڈوئشی بنک کے قبضے میں ہے۔ علاوہ بریں قونیہ کے میدان کی آب پاشی کرنے والی زبردست جرمانی کمپنی کا ارادہ ہے کہ روئی کی کاشت کے لیے ادانہ کے علاقہ کو زرخیز بنائے۔ سالہا سال سے جرمانیوں نے سلیشیہ میں روئی کی کاشت کے مسئلے پر غور کیا ہے۔ ڈاکٹر فنٹنز،

("The Deutsche-Levantinisch Baumwoll Gesellschaft")

کا بانی؛ اور روسٹاک یونیورسٹی (Rostock University) کا پروفیسر ایک ایسا شخص ہے، جس کو سلیشیائی میدان کی ہر چیز کا علم ہے اور اس نے اس مسئلے پر عجیب و غریب کتابیں شائع کی ہیں۔ بہر حال مرسینہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جرمانی جنگی جہازوں کا مرکز بن گیا ہے، جن کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ ان کی اس جگہ کی

موجودگی کی غرض یہ ہے کہ ۱۹۰۹ء جیسے کشت وخون کو دوبارہ واقع ہونے سے باز رکھا جائے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ موجودہ جرمانی مفادات کو آسٹروی بلند پروازیوں سے سازگار بنادیا جائے۔

ترکی میں صنعتی جائداد۔ اجارہ جات اور محاصل گروڑ گیری

سیاسی مراعات

غفلت، جہالت: لکیر کا فقیر بنے رہنا اور غیر ملکیوں سے نفرت کے علاوہ دو سبب اور بھی ایسے ہیں جو تجارت کی ترقی کو مانع آتے ہیں اور صنعت وحرفت کو تباہ کر دیتے ہیں۔ یہ اجارہ جات اور داخلی محاصل ہیں۔ صنعت وحرفت کے ہر شعبے کے لیے ایک خاص پیشہ ور جماعت موجود ہے، جو اپنی تنظیم کے لحاظ سے وہی حیثیت رکھتی ہے جو ۱۵۱۲ء میں سلیمان الکنونی کی قائم کردہ جماعت کی تھی۔ یہ جماعت اباً عن جدٍ کے اصول پر مبنی ہے اور ہر جماعت میں تین مدارج ہیں:۔ استاد یا معلمین، کلفہ (Kalfas) یا مزدور، اور چیرک (tchirak) یا کار آموز۔ کونسل آف کارپوریشن یا گلڈ کو لنجہ (londja) کہتے ہیں اور اس میں استاذ اور کلفہ شریک ہوتے ہیں۔ یہ مجلس ملیہ یا اسباب کی خریداری، مال کی برآمد اور قیمت فروخت اور کاروبار کے حالات سے بحث کرتی ہے اور اس میں گلڈ (juild) اور مقامی حکومت کے تعلقات کے اعتبار سے تصفیے کئے جاتے ہیں۔ جماعت کی تاسیس ایک چست رفاقت پر عمل میں لائی گئی ہے، جو تمام مبادیات کو معدوم کر دیتی ہے؛ تمام اختراعات وایجادات کی مخالف ہے اور تمام قسم کی ترقیات کو مانع آتی ہے۔ تقابل کا وجود ہی ناممکن ہے اور یہی وجہ ہے کہ پیداوار میں کسی قسم کی کوئی ترقی ممکن نہیں ہے۔ انتہا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی کارخانہ

قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس سے کوئی بحث نہیں کہ اس کارخانے میں کونسی چیز تیار کی جائیگی۔ تو وہ حکومت سے فوراً مراعات کی استدعا کرتا ہے تاکہ دوسرے لوگ اسی قسم کی صنعت کو جاری نہ کر سکیں۔

ایسی صورت میں کہ اجارے کی گرم بازاری ہے صنعتی جائداد خانگی جائداد سے شائد کم محفوظ ہے۔ صنعتی جائداد کے متعلق ملک میں ایک قانون بھی نافذ ہے مگر یہ اس قدر بری طرح وضع کیا گیا ہے اور اس قدر ناکافی ہے اور پردیسی سوداگروں کے خلاف اس کو کچھ ایسی قبل از قبل قائم کردہ مخالفت کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے کہ یہ ظلم و تشدد کا ایک ذریعہ بن گیا ہے۔ اس مسئلے کے متعلق غیر ملکی تجارتی نمائندوں کی انجمن کی موسومہ ایک معقول رپورٹ میں موسیو سیزار ربونے نے حسب ذیل الفاظ میں واقعات کا اظہار کیا ہے:۔

"عثمانی مجسٹریٹوں کو، خصوصاً صوبہ جات میں، بین القومی قانون کے پیچیدہ مسائل کے سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے۔ ایک پیٹنٹ کے عطا کیے جانے کو جس سے کسی نئی صنعت کی حفاظت مقصود ہوتی ہے، عطائے اجارہ کے ساتھ خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ کسی کارخانے کی علامت کی رجسٹری کو، گو اس سے کسی ایسی خصوصیت کا اظہار نہیں ہوتا جس سے مال کی شناخت ہو سکے، ایک ایسا خاص حق تسلیم کر لیا جاتا ہے، جس کی بنا پر اس شخص کو بلا شرکت غیرے یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے مال کی سلطنت میں تنہا ساخت اور درآمد کرے۔ یہ تمام باتیں ناقابل جواز اور غیر مناسب ہیں اور ان سے بدیسی صنعت کے لیے شدید خطرہ پیدا ہوتا ہے۔ کاریگروں کے ساتھ جھگڑنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے کیونکہ عدالت اپنے تعجب خیز فیصلہ جات کے ذریعے سے غیر دیانتدارانہ تقابل کی درپردہ حمایت کرتی ہے۔"

اس کے ماسوا صنعتی جائداد کو ارضی جائداد کے ساتھ غلط طریقے پر مشابہ کر کے حکومت عثمانیہ نے حکم نافذ کر دیا ہے کہ جعل سازیوں کے متعلق تمام قسم کی قانونی کارروائیاں ایسی صورت میں بھی معمولی ترکی عدالتوں میں دائر کی جائیں جبکہ دونوں فریق خارجی قومیتوں سے تعلق رکھتے ہوں۔ یہ وجوب، جو نفاذ قانون کا دعویدار ہے

کسی قسم کی مکافات کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ پردیسیوں کو اس امر پہ مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایک تجارتی معاملے میں عثمانی عدالت میں چارہ جوئی کے لیے حاضر ہوں۔ تمام معاملے کے درہم برہم ہو جانے کے لیے یہ کافی ہے کہ جس پردیسی کو ترکی عدالت میں طلب کیا جاتا ہے، وہ حاضر نہیں ہوتا ـــــ اور حکومت عثمانیہ کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ ان مقتدرین قونصل خانہ سے، جس کی رعایا میں وہ شخص داخل ہے، یہ مطالبہ کرے کہ شخص مذکور کو حاضری پر مجبور کیا جائے۔ ترکی مقننین یہ چاہتے تھے کہ ایک طرف تو "ایجاد کردہ پیٹنٹ" کے متعلق ۱۸۷۱ء کے قانون اور "علامت مصنوعات" کے متعلق ۱۸۸۶ء کے ضابطے میں اور دوسری طرف ترکی میں غیر ملکیوں کی جائداد اراضی کے حقوق کے متعلق ۱۸۶۷ء کے معاہدے میں مماثلت پیدا کر دی جائے۔ اس موخر الذکر معاہدے میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ اگر آئندہ سے غیر ملکی عثمانی اختیارات قانونی کے ماتحت قرار دیے جائیں تو ایسا صرف اس صورت میں ہو سکے گا کہ "ان کی ذات اور جائداد منقولہ کی نسبت، جیسا کہ معاہدات میں قرار پا چکا ہے، حقوق کو نہایت صراحت و وضاحت کے ساتھ محفوظ کر دیا جائے"۔ صنعتی جائداد، کسی سوداگر کو اپنی علامت مصنوعات پر لازمی طور پر جائداد منقولہ کا حق حاصل ہے۔ اب رہے ایسے مقدمات جن کا تعلق غیر ملکیوں اور ملکیوں کے مابین اشیا کی مصنوعی اور نقلی ساخت سے ہے تو قانوناً اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کو مشترکہ عدالتوں میں پیش کیا جانا چاہیے۔ ان اختیارات قانونی سے جو گارنٹیاں حاصل ہوتی ہیں، ان کی نوعیت ایسی ہے کہ ایک نہایت ہی وسیع پیمانے پر خارجی علامتوں کے مالکوں کے مفادات کی حفاظت ہو؛ جاہل جج قانون کی غلط تعبیر نہ کر سکیں یا پردیسیوں کے خلاف قبل از قبل بری رائے قائم کر لینے والے مجسٹریٹ مخالفت سے کام نہ لے سکیں۔ یہ اختیارات تین عثمانی ججوں پر جو مشترک معاملات میں تجربہ رکھتے ہیں اور دو خارجی افسروں پر مشتمل ہیں، جن کو ایسے سربرآوردہ سوداگروں سے منتخب کیا جاتا ہے، جو تجارتی اور صنعتی مسائل میں اپنی اعلیٰ معلومات کی بنا پر حصہ لے سکتے ہیں۔ کارروائی کو یہ امتیازی خصوصیت حاصل ہے کہ جلد ختم ہو جاتی ہے جس کی وجہ

یہ ہے کہ جو رسٹرکشن کی صرف ایک ہی ڈگری مقرر کی گئی ہے۔
اس وقت "علامت مصنوعات" کی نقل کا سلسلہ ترکی روز بروز ترقی پکڑ رہا ہے۔ بہترین یورپین علامتوں کی نہایت خیرہ چشمی کے ساتھ نقلیں اتاری جاتی ہیں، جس سے ان کے مالکوں کو شدید نقصان پہنچتا ہے۔ ان کی علامتوں کے ساتھ کم درجے کے مال کی فروخت سے ان کی ساکھ میں بہت زیادہ بٹہ لگتا ہے۔

اب تک تجارت کی ترقی کے لیے ترکی اقتصادیین کے صرف ایک ذریعہ ہاتھ لگا ہے اور وہ محاصل سائرات کی بیشی ہے۔ ترکی میں اب تک داخلی محاصل موجود ہیں، جو بیسویں صدی میں ایک قسم کی سخت بری ربت ہے خانہ ساز کپڑے پر، جو ایک بندرگاہ سے سلطنت کی دوسری بندرگاہ کو بھیجا جاتا ہے (۱) فی صدی تناسب قیمت کے اعتبار سے ادا کرنا پڑتا ہے۔ درانحالیکہ خام مال پر، اس کی ساخت کے لیے (۱۱) فی صدی پہلے ہی ادا کیا جاچکا ہے داخلی محصول (۳) فی صدی تھا اور یہ عبدالحمید ہی کا دم تھا کہ سرکاری خزانہ کی طرف اعتراضات اٹھائے جانے کے باوجود اس نے اس محصول میں تخفیف کردی۔

خارجی اسباب تجارت پر تجارتی معاہدات کی رو سے ترکی میں درآمد کیوقت (۸) فی صدی ایڈویلورم ادا کیا جاتا ہے۔ مسئلۂ مقدونیہ نے خارجی تجارت پر محاصل سائرات میں مزید (۳) فی صدی کا بار عائد کردیا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ باب عالی کی طرف سے اس امر کا اظہار کیا گیا تھا کہ روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ مقدونیہ اصلاحات کو نافذ نہیں کر سکتی۔ ۱۲ر جولائی ۱۹۰۷ء سے محاصل سائرات (۱۱) فی صدی قیمت کے تناسب سے ہیں۔ حکومت اساسی کا سب سے پہلا فعل یہ تھا کہ اس نے یورپ سے اس میں (۴) فی صدی کے اضافے کا مطالبہ کیا، جس سے یہ (۱۵) فی صدی ہوگیا۔ دول اس قلیل قربانی کے لیے آزادی کے مرحون ہیں۔ اس کے ماسوا ۱۸۹۰ء کے تجارتی معاہدے میں جو ایک دستاویز مردہ اس لیے بنا رہا ہے کہ ترکی کے عطا کیے ہوئے تمام مراعات کو برگزیدہ قوم

کے متعلقہ فقرہ نے منسوخ کر دیا ہے، جرمنی نے محاصل میں (۱۵) فی صدی تک
کے اضافہ پر رضامندی کا اظہار کر دیا تھا۔ آسٹریا ہنگری کو بھی بوسنہ اور ہرسک
کے متعلقہ معاہدے میں اس اضافے سے اصولاً اتفاق تھا اور اسی طرح معاہدۂ روشی
کے ذریعے سے اطالیہ بھی رضامند ہو گیا تھا۔ اب صرف ممالک متحدہ، فرانس،
برطانیہ اور روس کی منظوری حاصل کرنی باقی تھی۔ اگر ترکی جرائد پر اعتماد کیا جائے تو
تمام طاقتوں کی طرف سے اس امر کے متعلق ترکی کو اطمینان دلا دیا گیا تھا۔

بہرحال کچھ سیاسیین کو ترکی میں اس اضافے پر اعتراض تھا۔ سینیٹ نے
اس امر کی تجویز پیش کی کہ تخت کی تقریر کے جواب میں اس کے خلاف احتجاج
کیا جائے۔ یکم تا ۱۴ ر نومبر ۱۹۰۹ء۔ ان لوگوں کی دانست میں یہ محصول تجارت
اور صنعت و حرفت کے لیے مضر تھا۔ سینیٹ اپنے اس ارادے میں مستقل نہیں
رہا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بیت النائبین کا مقابلہ کرے، جس کے لیے (۴)
فی صدی کا اضافہ ایک شرط عظمت کی حیثیت رکھتا تھا، کیونکہ اس کی دانست
میں اس اضافے میں ایک سیاسی فتح اور اقتصادی آزادی کی طرف ایک
پیش قدمی مضمر تھی۔ لیکن اقتصادی آزادی حاصل کرنے کے لیے اس امر کی ضرورت
ہے کہ محاصل پر پورا قابو حاصل ہو تا کہ ملک کی ضرورت کے لحاظ سے ان میں
فوراً ردو بدل کیا جا سکے۔ لیکن ترکی میں یہ صورت نہیں ہے کیونکہ تمام قسم کے
مال پر بلا امتیاز، ایک ہی محصول برابر عائد کیا جا رہا ہے۔ مختلف محاصل ہی
تنہا صنعت و حرفت کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ جن چیزوں کا تعلق زراعت
سے ہے، ان کے مصارف اس قدر زیادہ ہیں کہ محاصل کے مجوزہ اضافے
سے اس بے اعتمادی کی کبھی تلافی نہیں ہو سکتی، جو خارجی پیداوار کے حق میں
مفید ہے۔

اپنے مالی مسائل کے متعلق ترکوں کی طرف سے ابھی تک کسی قطعی رائے
کا اظہار نہیں کیا گیا ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ شرابوں اور پیٹرول کا ایک
اجارہ قائم کریں تا کہ اس سالانہ رقم کی ضمانت پر، جو خزانے کو ادا کی جانے والی
ہے، ان کو قرضہ حاصل ہو جائے۔ لیکن یورپینس کے لیے ایک زیادہ اہم مسئلہ

حوالگیوں کا مسئلہ تھا، جس کی تنسیخ کا مطالبہ معاہدۂ پیرس کے بعد عالی پاشا نے کیا تھا اور جس کو عبد الحمید نے اپنے پورے عہد حکومت میں عجیب و غریب استقلال کے ساتھ جاری رکھا تھا۔ یہ مسئلہ تنسیخ نوجوان ترکوں کے نظام العمل کا ایک ضروری جزو ہے۔ ایک جدید تجارتی معاہدے کی تکمیل کے لیے فرانس کے ساتھ مشاورتوں کے دوران میں ترکوں نے اس جدید ڈپلومیٹک ایکٹ سے ۱۸۳۸ء اور ۱۸۶۱ء کے معاہدات کے فقرہ ۱۰ کو خارج کر دینے پر زور دیا تھا جس میں ان تمام آزادیوں اور رعایتوں کے قیام اور تسلسل سے بحث تھی، جو قدیم معاہدات کی رو سے فرانس کو حاصل تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حوالگیاں متروک ہو گئیں اور در پردہ طور پر ان کی تنسیخ کر دی گئی۔

عبد الحمید کی حکومت نے اپنے مطالبے کو اس تجارتی معاہدے پر مبنی کیا تھا، جو دس سال پہلے جرمنی کے ساتھ مرتب کیا گیا تھا مگر جس کو نہ تو کبھی نافذ کیا گیا تھا اور نہ کبھی اس کو ریشتاغ ہی میں پیش کیا گیا تھا۔ جرمانیوں نے ترکی عہدہ داران سائرات کو اپنے جہازوں کے معائنے کا مجاز اور نہ صرف دوکانوں بلکہ تاجروں اور تجارت پیشہ لوگوں کے مکانوں کی خانہ تلاشی پر اظہار رضامندی کر کے ایک حیثیت سے حوالگیوں سے دست برداری دیدی تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ ان رعایتوں کو عطا کرتے وقت جرمانیوں کو معلوم تھا کہ ان پر کبھی عمل نہیں کیا جائیگا کیونکہ ان کے معاہدے میں ”برگزیدہ قوم“ کا متعلقہ فقرہ موجود تھا۔ یہ واقعہ کہ کوئی دوسری طاقت انھیں شرائط کو منظور کرنے پر آمادہ نہ تھی جرمنی کے واسطے اس غرض کے لیے کافی تھا کہ وہ ان پابندیوں سے آزاد ہو جائے، جن کو اس نے تسلیم کر لیا تھا۔ اور ہر مرتبہ جبکہ اس کے ہم قوموں میں سے کسی شخص سے، عام اس سے کہ وہ کتنا ہی غیر اہم کیوں نہ ہو، باز پرس کی گئی ہے تو جرمنی نے اپنے غلط تجارتی معاہدے کی موجودگی کے باوجود عثمانی حکومت سے سیاسی مراعات کے احترام کا مطالبہ کیا ہے۔

اس ذلت کو دیکھو، جو فہیم پاشاہ کو حاصل ہوئی۔ فہیم سلطان کا سوتیلا بھائی، قصر سلطانی کی خفیہ پولیس کا سردار اور سلطان کا سب سے زیادہ چہیتا تھا۔

جس پر سلطان عبد الحمید نے اپنے نہایت ہی وفادار ملازموں کو قربان کر دیا تھا اور جو نائب سلطان تھا مگر اس نے ایک جرمانی رعایا پر حملہ کرنے کی جراءت کی تھی۔ ڈپلومیٹک کور نے بیرن کیلیس، آسٹریا ہنگری کے سفیر کے توسط سے یلدیز میں اس کی برطرفی اور قسطنطنیہ سے، جس کے لیے وہ ایک بلائے مبرم بنا ہوا تھا، اس کے اخراج کا مطالبہ کیا تھا مگر ان لوگوں کو کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ جنوری ۱۹۰۷ء میں فہیم پاشا نے ایک جہاز کو جو جرمانی ریلوے کے لیے لکڑی لے جا رہا تھا اس وجہ سے گرفتار کر لیا تھا کہ کپتان نے اس کو "بخشش" دینے سے انکار کر دیا تھا۔
بیرن مارشل فان بی برسٹن، جرمانی سفیر نے مجرم کی جلاوطنی کا مطالبہ کیا۔ سلطان نے اپنے سفیر متعینۂ برلن کو اس معاملے میں سعی کرنے کا حکم دیا مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ خود اس نے امپرر ولیم سے اس معاملے میں التجا کی مگر اس کو کامیابی نہیں ہوئی جرمانی حکومت نے اپنے نمائندے کی یہ یاور کرتے ہوئے تائید کی کہ اس کی کامیابی پر ترکی میں جرمانی خودداری کا بہت کچھ دارومدار ہے۔ چنانچہ سلطان کو اس امر پر مجبور کیا گیا کہ وہ فہیم کو اندرون میں جلاوطن کر دے۔ ۱۱ فروری کو فہیم بروصہ کو روانہ ہوا، جہاں اس کو نظر بند کر دیا گیا اور کانسٹی ٹیوشن کے قیام جدید کے بعد اسی مقام پر لوگوں نے بہ اختیار خود اس کو ہلاک کر دیا۔

اگر سیاسی مراعات منسوخ ہو گئیں تو ترکی میں بود و باش رکھنے والے غیر ملکیوں پر تمام ٹیکس اور محاصل عائد کر دیئے جائیں گے اور وہ ملک کے قوانین کو چاہے وہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے۔ اول یا قانونی شہزادگان اور شریعت یا قانون ربانی۔ اس وقت تک جب تک کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کی سول مساوات صرف ایک ایسا اصول نہیں ہے، جو کسی ایسے دستور میں مندرج ہوں، جس کی کم و بیش پابندی کی جائے بلکہ ایک روزمرہ کی حقیقت ہوں، اس وقت تک جب تک کہ نیچے سے لے کر اوپر تک عمل میں لائی ہوئی عدالتی اصلاحات عثمانی عدالتوں کو یورپین عدالتوں کا مماثل نہ بنا دیں، اس وقت تک جب تک کہ مذہبی قانون سول قانون کا مقابلہ اور اس پر تفوق حاصل کر سکتا ہے، دول کے لیے یہ امر اگر محال نہیں تو مشکل ضرور ہو گا کہ بعض طاقتوں کے وعدوں کے باوجود مراعات

کی تنسیخ پر رضامند ہو جائیں۔ میں نے جرمنی کے متعلق اظہار کر دیا ہے؛ آسٹریا ہنگری بھی
۲۶ر فروری سنہ ۱۹۰۳ء کے معاہدے کی رو سے حوالگیوں کی تنسیخ میں مشغول ہو چکا ہے۔
یہی حال معاہدۂ روشی کے ذریعے سے ایطالیہ کا بھی ہے۔ روس کے متعلق ام چارلیکا ڈ
روسی سفیر متعینۂ قسطنطنیہ کی ایک گشتی کی بنا پر رائے قائم کی جائے گی جو سلطنت عثمانیہ
کے تمام روسی قونصلوں کی موسومہ ہے (سنہ ۱۹۱۰ء) لیکن اس میں بہت طوالت ہے۔
وہ انکار کر چکا ہے۔

چوبیسواں باب

ترکی کا مستقبل

نازک صورت حال۔ عرب اور ترکی ترکوں کے لئے۔ دوسری قوموں کے لئے خدشہ۔ مذہبی اور نسلی منافرت۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کا مرتبہ۔ مسئلہ حقوق۔ دستوریت اور شریعت۔

صورت حال کی اہمیت

جب مدحت پاشا کا مرتبہ دستور حکومت از سر نو نافذ کیا گیا اور پارلیمنٹ کے آئندہ اجلاس کا اعلان کر دیا گیا تو یورپ میں لوگوں نے ترکی کی دستوری حکومت کے قیام کی اس دوسری کوشش کو شک و شبہہ کی نظروں سے دیکھا اور پارلیمنٹ سے ترکوں کی کامل ناواقفیت اور بیگانگی کے چرچے ہونے لگے اور یہ دکھانے کے لئے کہ نیابتی حکومت محض ایک ڈھونگ اور فریب ہے سابقہ پارلیمنٹ کی نسبت عجیب وغریب کہانیاں، جن کی اصلیت مشتبہ ہے، بیان کی جانے لگیں۔ اتحاد عمل کے بجائے چیمبر اور حکومت نے اپنی اپنی جداگانہ روشیں اختیار کر لیں۔

حکومت نے ایک مسودہ پیش کیا تو پارلیمنٹ کے کمیشن نے اُس کو بالکل ہی بدل دیا۔ اور جب یہ مسودہ اپنی صورت منقلبہ میں غور و تحمیص کے لئے پیش کیا گیا تو وزرا نے اس سے کوئی دلچسپی نہیں لی جب تک کہ چیمبر نے مباحث میں خاص طور پر ان کی موجودگی کی درخواست نہیں کی۔ حلمی پاشا کی کابینہ کا وزیر داخلہ، فرید پاشا سابق وزیر اعظم جب مقاطعات اور موالات کے متعلقہ قانون پر جس کو حکومت کی تجویز کے خلاف پارلیمنٹ نے تیار کیا تھا، خود بحث کرنے کے لئے آیا تو اس وقت تقریباً ایک نہایت ہی رسوا کن صورت حال پیدا ہو گئی۔ پارلیمنٹ کے عثمانی ممبروں کی یہ رائے ہے کہ مجلس عاملہ کو لازمی طور پر چیمبر کا محض ایک ثانوی ملازم اور تابعدار ہونا چاہیئے۔

اس موضوع پر جو کچھ کہا جا سکتا ہے، وہ دستوری ترکی کے لئے ایک ضمنی حیثیت رکھتا ہے۔ جس وقت ترکوں کو امور پارلیمنٹ کے متعلق مزید تجربہ حاصل ہو جائے گا؛ جب ان کا زمانۂ کار آموزی ختم ہو جائے گا اور جب وہ اپنے اُن ارباب حل و عقد سے ارتقائی مدارج طے کرالیں گے، جو ۲۳ جولائی ۱۹۰۸ء کے انقلاب کے پیدا کردہ اُصول سے مانوس ہیں۔ تو پھر اُس وقت سلطنت عثمانیہ میں بھی ہر کام اُسی حسن و خوبی کے ساتھ ہونے لگے گا، جیسا کسی دوسرے مُلک میں ہو سکتا ہے۔ لیکن ترکی کا اس وقت اس سے بھی زیادہ خطرناک مسائل سے مقابلہ ہے اور یہ حسب ذیل ہیں:۔

اس کی خارجی پالیسی میں کسی نئے اُصول پر عمل کرنے سے اُسی طرح خطرے پیدا ہو سکتے ہیں جس طرح غیر جانبدار رہنے سے۔ بعض طاقتوں کی حرص و ہوس سے سلطنت کے لئے سخت خطرات کا سامنا ہے۔ ترکوں کی ذہنیت کا مسئلہ، جو ترکوں کو یہ باور کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ پردیسی اُن کے پیدائشی دشمن ہیں۔ وہ عداوت و نفرت، جو مختلف قومیتوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہیں، ترکی کو متضاد نسلی عناصر کا ایک عجائب گھر بنا دیا ہے۔ یہ ایک ناقابل تغیر عداوت و نفرت ہے۔ کیونکہ یہ ایسے تاریخی عوامل کا لازمی نتیجہ ہے جو ایک دوسرے سے بالکل علٰحدہ علٰحدہ رہے ہیں۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کے ایک ہی حالت میں رہنا ناممکن ہے پھر

سوال اور مذہبی قانون کا مسئلہ ہے جو ایک دوسرے سے دست و گریبان ہیں اور جو اسلامی اصول کے مطابق ترکی کو مذہبی حکومت بنائے ہوئے ہیں اور جو خود دستوری حکومت کو ختم کر دیں گے۔"

عرب اور ترکی

۲۳ جولائی ۱۹۰۸ء کو ترکی مصلحین کے کامیاب ہو جانے کے بعد یہ سوال پیش ہوا کہ عرب کی موجودہ بدامنی اور شورش کی حالت میں انگلستان کا طرز عمل کیا ہوگا؟ کویت کے شیوخ، وہابیوں کے امرا اور سرداران یمن کی اب تک جو پس پردہ امداد و اعانت کی جاتی تھی، کیا انگلستان اب بھی اسی طرز عمل کو جاری رکھے گا؟ ترکی کی جدید حکومت کی مشکلات سے کیا انگلستان اپنی تجاویز کی تکمیل میں فائدہ اٹھائے گا۔ یا ترکی میں جدید حالات کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے انگلستان کسی طرح اپنے سابقہ ارادوں سے فی الحال دستکش ہو جائے گا؟ سلطان نے اتحاد اسلام کا جو طریقہ اختیار کیا تھا، وہی انگلستان کے اضطراب و بےچینی کا باعث تھا۔ عربوں میں ترکوں کے خلاف "انقطاع" (بائیکاٹ) کی تحریک جاری تھی اور اس تحریک سے انگلستان کو ہمدردی ہونے کی وجہ بھی یہی اتحاد اسلام تھا۔ ایسی صورت میں کہ انگلستان کی تمامتر کوشش جزیرہ نمائے عرب میں اپنا اثر قائم کر لینے کی طرف مبذول تھی سلطان کو اپنے اس خیال سے جو اُن کی اس خواہش پر مبنی تھا کہ اپنی مذہبی برتری کو سیاسی فوقیت میں مدغم کر لیا جائے خالی الذہن ہو جانا پڑا کیونکہ ترکی میں دستوریت کے دوبارہ قیام کی وجہ سے سلطان کی مطلق العنانی فنا ہو چکی تھی۔ دستوری حکومت نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ مصر پر برطانوی تسلط اور قبضے کے مسئلے کو نہ چھیڑے گی اور قصر یلدیز کے کارکنوں کی اس تحریک کی امداد و حمایت نہ کرے گی، جو برطانیہ کے خلاف کی جا رہی تھی۔

قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قسطنطنیہ میں جرمانی اثر کے بجائے اب انگریزی اثر پیدا ہو چلا تھا۔ وزیر اعظم کامل پاشا قطعاً انگریزوں کا گرگا تھا اور ایڈورڈ ہفتم نے اظہار خوشنودی میں ایک تار بھی اُس کے نام روانہ کیا تھا' جس کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ انگلستان نے اپنے کو ترکی جدید کا محافظ ظاہر کیا اور یہ عہد و پیمان ہوا کہ آئندہ وہ ترکی کا در پئے آزار نہ ہوگا۔ عرب کی تحریک کو تقویت پہنچانے اور یہ انگریزی حفاظت و اثر کے تحت حجازی حکومت کے قیام کے معنی یہ ہیں کہ حکومت ترکی کو نقصان پہنچایا جائے اور یہ بالکل اُسی قسم کا سرقہ ہے جیسا کہ آسٹریا ہنگری نے بوسنہ وہرسک پر قبضہ کرتے وقت کیا تھا۔ آسٹریا ہنگری نے بوسنہ وہرسک کے معاملے میں اپنے قبضے کو ایک غیر محدود مدت کے لئے ملکیت میں تبدیل کرالیا۔ اسی طرح انگلستان بھی حجاز پر اثر قائم کر کے شکست اعتماد کا مجرم ہوگا۔"

بدبختی سے سلطان عبد الحمید نے ترکی کے لئے جو اہم ترکہ چھوڑا وہ اتحاد اسلام تھا۔ حکومت عثمانیہ نے یہ محسوس کیا کہ ترکی قومیت پسندوں نے اس پر سبقت حاصل کرلی ہے اور مصریوں کو خدیو کے خلاف بغاوت پر اس لئے آمادہ کردیا ہے کہ خدیو بھی مصر کو دستوری حکومت عطا کردے تاکہ انگریزوں کے خلاف ہتھیار اُٹھانے کی تعلیم کا یہ دیباچہ مکمل ہو جائے۔ تخلیۂ مصر کے مسئلے کو سرکاری طور پر عثمانی حکومت کی جانب سے اُٹھائے جانے کے لئے قسطنطنیہ میں ایک طاقتور جماعت کوشش کرتی رہی اور بعض ترکی جرائد نے انگریزوں کو یہ دھمکی بھی دی کہ وہ اس سے پہلے مصر سے روانہ ہو جائیں کہ اُن کو بزور یا بدست دگرے دست بدست دگرے مصر سے نکالا جائے۔ ان اثرات کے تحت اتحاد اسلام کا جذبہ تیزی کے ساتھ مصر میں پھیل گیا۔ خدیو مصر کو اس تحریک سے اتفاق نہیں تھا کیونکہ جب کبھی خدیو کی طرف سے اس مسئلے کو چھیڑا گیا تو انگلستان نے جھلا کر سخت بھپکیاں دیں اور یہ کہا کہ اپنے جام سفالی کو انگلستان کے ساغر آہنی سے ٹکرانے کی حماقت کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ مصری قوم پرستوں نے یہ بے التفاتی اور ناموافقت دیکھ کر عباس حلمی پر حملہ کردیا۔ اس واقعے سے عباس حلمی انگلستان کی طرف اور زیادہ مائل ہو گیا اور اس طرح انگلستان اُس کے حقوق و مناصب کا پشت و پناہ بن گیا۔"

یہ ایک کھلی ہوئی بات تھی۔ عباس حلمی کے پاس خود کوئی طاقت نہیں تھی، تاہم وہ شاہانہ وجاہت کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔ انگریزوں نے اس کے ساتھ شاہانہ سلوک کیا۔ ترکوں کی نظر میں عباس حلمی اس نظریئے کے تحت کہ مصر ترکی کی ولایت ہے ایک معمولی پاشا تھا۔ یہ امر بہت زیادہ مشکوک ہے کہ مصری قوم پرست جماعت، جو ایک وسیع آبادی کی نمائندہ تھی، جس کے اراکین میں صاحب علم وفضل حکمراں طبقے کے افراد، ترک "البانی" اور چرکس شامل تھے اور جو مرادف تھی مصر کی حکومت کے، اپنے ملک کے کثیر دیسی باشندوں یعنی فلاحیئین سے بے تعلق اور الگ تھلگ رہی۔ ممکن تھا کہ اس سے ایک وقتی تعصب پیدا ہو جاتا لیکن شاید فلاحیئین نے ترکوں اور مصریوں کی سرگرمیوں میں، جو اُن سے نہ نسلی اشتراک رکھتے تھے اور نہ قومی تعلق، اپنا کوئی فائدہ نہیں دیکھا۔

ان قومی سرگرمیوں اور محرکوں نے برطانیہ کے خوف واندیشہ کو قدرۃً پھر تازہ کر دیا اور برطانیہ کی ان تجاویز کو کہ وہ عربوں سے ترکوں کے خلاف کام لینا چاہتا تھا، بروئے کار لانے کی ایک نئی تحریک پیدا کر دی۔ اس حقیقت سے انکار کرنا بے سود ہے کہ عرب کا پورا ملک جو اس وقت قومی خیالات سے سرشار تھا، اس قابل تھا کہ بہت جلد مجتمع ہو کر اٹھ کھڑا ہو۔ اگرچہ انقلاب عرب یمن اور نجد تک محدود تھا جس کا کچھ اثر مقامات مقدس کے قبضے پر بھی پڑا تھا، تاہم سلطنت کے بعض اہم اور موقتی ممالک پر کوئی فوری اثر نہیں ہوا تھا۔ ممکن تھا کہ یہ انقلاب مقامی ہی ہوتا مگر ایسا نہیں ہوا اور اس انقلاب کے اثرات بصرہ اور بغداد کی ولایتوں تک جا پہنچے اور پھر وہاں سے شام تک پھیل گئے۔

ترکی میں دو اصول اور دو فرقے ایسے تھے، جو ایک دوسرے کے رقیب تھے۔ عرب آئندہ عثمانیوں کی کسی طرح اطاعت نہیں کر سکتے تھے۔ ترکی قوم پرستوں کا پروگرام یہ تھا کہ "ترکی ترکوں کے لئے ہے" جس کا بالفاظ دیگر یہ مطلب ہے کہ ترکی سلطنت میں نہ صرف عیسائیوں ہی پر حکومت وفرمانروائی

کریں گے بلکہ دوسرے تمام مسلم قبیلوں پر بھی۔ اس نظام العمل سے عربی قبائل کسی طرح متفق نہیں ہو سکتے تھے۔ ترکوں کی خوش قسمتی تھی کہ یہ عربی قبائل آپس کی خونریز لڑائیوں میں کچھ اس طرح مبتلا تھے کہ تاوقتیکہ کوئی غیر معمولی عزم و قوت کا انسان نہ پیدا ہو وہ اتحاد عمل کے لئے کبھی متفق نہیں ہو سکتے تھے۔ یمن کے سعیدی نجد کے وہابیوں کی کبھی پروا نہیں کرتے تھے اور عسیر کے لوگ ان دونوں سے الگ تھلگ ایک جداگانہ الحاد میں مبتلا تھے؛ اور پھر لطف یہ تھا کہ ان دونوں ملکوں میں کچھ نہ کچھ وہابی ضرور آباد تھے۔ عراق کے تمام قبائل علٰحدہ علٰحدہ طور پر مصروف عمل تھے۔ لیکن اگر عربوں کو انگلستان جیسی زبردست طاقت کی حمایت حاصل ہو گئی جس کے پُرامن قبضۂ مصر کے لئے خطرہ پیدا کیا جا رہا ہے تو پھر دُنیائے عرب اور دنیائے ترکی میں لڑائی ٹھن جائے گی جس کا نتیجہ آلِ عثمان کے لئے تباہی خیز ہوگا۔"

"ترکی ترکوں کے لئے"

غیر ملکیوں سے نفرت

فوجی انقلاب اور بغاوت نے ترکی میں دستوریت کو از سرِ نو قائم کر دیا تھا۔ عبدالحمید کا تشدد اس درجے تک پہنچ چکا تھا کہ ترکی کا ایک مشہور محاورہ "مغز نے ہڈیوں تک کو چھید ڈالا" اس پر بالکل صادق آتا تھا۔ یہ انقلاب اس تشدد کے خلاف صرف ایک مایوسانہ قومی احتجاج ہی نہیں تھا بلکہ ترکی کے داخلی امور میں یورپین مداخلت کے خلاف ترکی حب الوطنی اور مسلم تعصب کا ایک شدید ردعمل بھی تھا۔ اس وقت جبکہ سلطان مقدونیہ میں نفاذ اصلاحات کے وعدوں سے یورپ کی

تالیف قلوب کر رہا تھا۔ شاہی فرامین، ہائی چیفیس اور ترکی اصول کے متعلق کوئی بحث پیدا نہیں ہوئی تھی۔ لیکن مرز طاغی پروگرام کی خونریز ناکامی کے بعد، انگلستان اور روس کے مابین مقدونیہ میں ترکی حکومت کا خاتمہ کر دینے کے لئے سمجھوتہ ہو چکا تھا۔ ترکی مصلحین نے جب یہ دیکھا کہ سلطنت کے اعضا کی قطع و برید کی گھڑی سر پر کھڑی ہے تو ان کو یلدیز کے خلاف مسلمان عنصر کو برافروختہ کر دینے کا ایک آلہ ہاتھ آگیا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حمیدی حکومت حد سے متجاوز ہو چکی تھی۔ مشرق مطلق العنانی اور تشدد و استبداد ہی کا عادی ہے اور اس کے علاوہ کسی دوسری طرز حکومت سے ناآشنائے محض ہے۔ اس کا نتیجہ نہی ہوا جو عبد العزیز کے خلاف ہوا تھا مگر اس میں شدت کا پہلو زیادہ نمایاں تھا۔ عبد العزیز کی معزولی سلطنت کی حفاظت و صیانت کے لئے عمل میں آئی تھی جسے وہ روس کے ہاتھ بیچ ڈالنے پر بالکل آمادہ تھا۔ عبد الحمید کے خلاف دستوریت کے ہیجان کا مقصد یہ تھا کہ یورپ میں جو کچھ بچے کھچے ترکی مقبوضات ہیں، ان کی حفاظت کی جائے۔

ابھی دستوریت پوری طرح قائم بھی نہیں ہوئی تھی کہ "ترکی عثمانیوں کے لئے ہے" کے الفاظ کو قبول عام حاصل ہو گیا۔ ان الفاظ میں فوراً ہی تبدیلی واقع ہوئی اور "ترکی ترکوں کے لئے ہے" کے الفاظ زبان زد عوام ہو گئے۔ اس تعریف میں صرف اجانب و غیر اقوام ہی نہیں بلکہ نسلی اصول کے لحاظ سے مسلمان اور عیسائی بھی برابری کے ساتھ شامل نہیں ہیں۔ اس مضمون کا ایک اعلان شائع کیا گیا کہ غیر ترکی عہدہ داروں اور افسروں کی علیحدگی اور بیطرفی، عثمانی قرضۂ عامہ کو منسوخ کرنا اور مشروط مراعات کی تنسیخ ہی وہ امور ہیں کہ جن کو بروئے کار لا کر یورپ اگر چاہے تو ترکی کو اپنی نیک نیتی اور اخلاص کا ثبوت دے سکتا ہے۔ انجمن کے جرائد نے بھی یاس و حسرت کے ساتھ اس نظریئے کی تائید کی کہ قدیم حکومت کے ساتھ جو معاہدات ہوئے ہیں، ان کو کالعدم قرار دیدیا جائے اور سلطان نے جو مراعات عطا کی تھیں، وہ سب حکومت کو واپس کر دی جائیں۔ اسلامی قانون نے جس کا اصولی انداز ہی یہ ہے کہ صرف قوانین شریعت ہی

قابل عمل ہیں، اس قسم کے خیالات پھیلائے کہ سول قوانین کو، اگر وہ اسلام کے حق میں مفید نہ ہوں تو ٹھکرا دیا جائے۔ ترکوں کو یورپینس سے جو سخت شکایتیں تھیں، اُن کے منجملہ ایک یہ بھی تھی کہ یورپینس نے نہایت ہی کثیر سود پر ترکوں کو قرضہ دیا ہے اور ایسی مراعات حاصل کرلی ہیں جو ترکی کی اقتصادی ترقی میں مزاحم ہوتی ہیں۔ لیکن عبدالعزیز نے اگران لاکھوں روپیوں کو جو بطور قرض حاصل کئے گئے تھے، برباد کردیا اور سنہ ۱۸۷۵ء میں محمد ندیم پاشا نے ترکی کے دیوالیہ ہوجانے کا اعلان کردیا تو اس میں یورپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔

ترکی کے قرضخواہوں نے ۲۰ ر دسمبر سنہ ۱۸۸۱ء کا معاہدہ نہایت فیاضی اور فراخدلی سے ترکی کے ساتھ کیا؛ مالی نظم ونسق کے سقم کی وجہ سے عثمانی خزانے کی حالت کبھی درست نہ ہوسکی۔ قرضہ حاصل کرنے کے علاوہ اور کوئی صورت ترکوں کی سمجھ میں نہیں آتی لیکن ساتھ ہی وہ قرضے کی ادائی کے متعلقہ معاہدات سے پہلوتہی بھی کرتے ہیں۔ ان سے قرضے کی ادائی کا تقاضا کرنے یا امور عامہ میں مراعات کی استدعا کے یہ معنیٰ ہیں کہ اُن کو ناراض کردیا جائے۔ اب دستور اساسی کی بدولت قوم خود اپنے اوپر حکمرانی کررہی ہے۔

تمام بڑے بڑے صنعتی کاروبار غیروں کے قبضے میں ہیں۔ حجاز کی ریلوں کے علاوہ تمام ریلیں جرمانی، انگریزی، آسٹروی یا فرانسیسی ہیں۔ تمباکو (۷۵) فیصدی فرانسیسی؛ (۱۲ ½) فی صدی جرمانی؛ اور (۱۲ ½) فی صدی آسٹروی ہے۔ بندر حیدر پاشا جرمانیوں کا ہے۔ بیروت کے بندرگاہ اور قسطنطنیہ کے گھاٹ فرانسیسیوں کے ہیں۔ تقریباً تمام معادن غیروں ہی کے قبضے میں ہیں۔ قسطنطنیہ کی ٹراموے جرمانیوں کی ہے۔ محکمہ آبرسانی فرانسیسی ہے۔ استانبولی گیاس جرمانیوں اور اہل بلجیم کی ہے۔ سقوتری کا خدیوی گیاس کچھ بلجیم والوں کی اور کچھ فرانسیسیوں اور جرمانیوں کی ہے۔ قیام دستوریت کے بعد صنعتی سوسائٹی کے ادنیٰ اراکین اور مزدوروں نے یکے بعد دیگرے ہڑتالیں کیں۔ ترکی مدبرین نے ہڑتالیوں کو خاموش کرنے کے بجائے انھیں اس امید پر اور اُبھارا کہ ان اتفاقی رکاوٹوں کی بنا پر مراعات حاصل کنندگاں کو بے تعلق کیا جاسکتا ہے

اناطولیہ کی ریلوے لائن کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا، وہ اس نقطۂ نظر سے خاص اہمیت وحیثیت رکھتا ہے۔ یہ ایک عام ہڑتال تھی اور لوگوں کے اس شور وشغف کو حکام نے نہ صرف روا ہی رکھا بلکہ اراکین کمیٹی اور اعلیٰ حکام نے، جن پر تحقیقات سے الزام ثابت ہوا، ہڑتالیوں کو یہ یقین دلا کر اور بھی ترغیب دی کہ ریلوے بجائے ڈوشی بنک (Deutsehe Bank) کے ان ہاتھوں میں آجائے گی اور ترکی حکومت کے تحت اس کا عہد زرین شروع ہوگا۔ عوام کا ایک وفد وزیر اعظم کامل پاشا کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ مطالبہ پیش کیا کہ ریلوے ہڑتالیوں کے حوالے کردی جائے۔ وزیر اعظم نے، جس کی کبر سنی وجہ معافی نہیں ہوسکتی، کمپنی کی معزولی کے احکام نافذ کردئیے۔ اگرچہ کامل پاشا کے اس فرمان کی تعمیل سے جرمنی اور دوسرے دول کے ساتھ ایک اچھے خاصے تصادم کا واقع ہوجانا ضروری تھا لیکن ترکی کی خوش قسمتی تھی کہ اناطولی ریلوے کے ڈائرکٹر جنرل، ام ہوجنیین کو جب اس واقعے کی خبر ہوئی تو اس نے نہایت ہی دانائی اور پیش بینی سے کام لیا؛ اور بعجلت تمام وزیر اعظم کی خدمت میں حاضر ہوکر نہایت استقلال کے ساتھ تقریر کی، جس میں اس نے احکام معزولی کے نتائج کو اس خوبی کے ساتھ بیان کیا کہ کامل پاشا کو بالآخر اپنے فیصلے کو منسوخ کردینا پڑا۔

ترکی انتہا پسند غیر ترکی مدارس نے خلاف بہت شور وغل مچایا۔ ان مدارس اور خصوصاً فرانسیسی اسکولوں پر یہ الزام عائد کیا گیا کہ وہ قومی انتشار کے مرکز ہیں۔ یورپین بنک حملے سے محفوظ نہیں رہے۔ اخبارات میں عثمانی قرضۂ عامہ اور عثمانی بنک کے خلاف ایک زبردست معرکہ آرائی شروع ہوگئی۔ بارہ کروڑ پچاس لاکھ کی رقم قرضے کے سودے پر بحث و تمحیص کے دوران، جو قبل از قبل صرف کی جاچکی تھی، بعض ناقدین نے اس امر کا اعلان کردیا کہ ترکی سے (۱۷) فی صد سود لے کر اس کو گویا لوٹ لیا گیا ہے۔ بیان یہ کیا گیا تھا کہ قرضہ (۴) فی صدی سود پر جاری ہوا ہے مگر حکومت کو صرف (۸۷) فی صدی رقم ملی۔ اس طرح (۱۳) اور (۴) ملاکر (۱۷) فی صدی

سود کی رقم ہوئی ہے۔

ترکی میں معدنیات اور دوسرے تجارتی و مالیاتی اہم صنعتی امور کے غیروں کے قبضے میں ہونے کا اصلی سبب یہ تھا کہ ترکی میں تجارت وصنعت اپنی انتہائی ابتدائی حالت میں تھی۔ ترکوں کے پاس ان کا ذاتی کوئی سرمایہ نہ تھا بلکہ اُن کا سارا دارو مدار یورپین سرمائے پر تھا۔ اس کے ماسوا ترکوں کی ناقابلیت کا اب تک یہ حال تھا کہ وہ اپنی جگہ کچھ نہیں کر سکتے تھے بلکہ ان کے لئے غیر جو کچھ کیا کرتے تھے، اُس کو بھی باقاعدگی اور انتظام کے ساتھ قائم رکھنے کی ان میں اہلیت نہیں تھی۔ حجاز ریلوے، جس کا سلطان عبدالحمید کو بہت زیادہ خیال تھا، اگر جرمنی کا میسنر اور فرانسیسی کے گاڈن جیسی دو بلند پایہ ہستیاں اور دوسرے یورپین انجینیر اور کارکن نہ ہوتے تو کبھی تکمیل کو نہیں پہنچتی۔ مسلم اور عیسائی دیہاتیوں کے علاوہ، جو اکثریت حالت میں ہیں، ترک دوسروں کی نظروں میں سردار اور سپاہی ہیں۔ عثمانی خزانہ اس وقت بھی جبکہ اس کی حالت بہتر بیان کی جاتی تھی۔ ریلوں کے اخراجات کبھی آسانی کے ساتھ برداشت نہیں کر سکا اور ہمیشہ اُس کو مشکلیں پیش آتی رہیں۔ خارجی سرمائے کے بغیر سلطنت عثمانیہ میں ریلوں کا وہ نظام قائم نہیں ہو سکتا تھا، جو اب موجود ہے۔ عثمانی قرضے کے بغیر، جس کے ذریعے سے ترکی کو روپیہ حاصل ہوا، ترکی حکومت اپنے ندیم پاشا کے مشتہر کردہ دیوالیہ پن کی حالت سے کبھی نکل نہیں سکتی تھی۔ عثمانی بینک اور دوسرے بنکروں کے بغیر ترکی اپنی فوج کی ترتیب و تنظیم جدید نہیں کر سکتی تھی اور نہ ضروریات حکومت کی تکمیل اس کے امکان میں تھی۔

سرمایہ داروں کا، جن کی رقم ترکی کے بڑے بڑے کاروبار میں لگی ہوئی تھی، اپنے ذاتی افسروں اور منتظموں کے تقرر کی خواہش کرنا، ایک بالکل قدرتی بات تھی۔ مگر ترک، جو یورپ سے لاکھوں روپیہ حاصل کرتے ہیں، یہ چاہتے ہیں کہ روپے پر خود ہی قابض رہیں اور اپنے حسب منشاء اُس کو صرف کریں۔

بعض مدبرین کی رائے یہ تھی کہ ترکی کے معاملات میں یورپین عنصر کی

شرکت کو حذف کر دینے کی خواہش ترکی کا خود اپنے پیر پر کلھاڑی مارنا ہے،
۱۹۱۱ء کی ایک قرار داد کے بموجب، جو وزیر مالیہ جاوید بے اور رام پال سوایا
عثمانیہ بنک کے سابق ڈائرکٹر جنرل کے مابین طے ہوئی تھی، یہ تصفیہ ہوا کہ
محاصل کی فراہمی عثمانی قرضے سے کی جائے، جس سے نہ صرف یہی فائدہ
ہوگا کہ محاصل وصول کنندگاں کی زیادتیوں کا سدباب ہوجائے گا، بلکہ دستبرد
کے وہ سلسلے بھی منقطع ہوجائیں گے، جو خزانے کے لئے سخت مضرت رساں
ہیں۔ عثمانی بنک سلطنت کا صدر خزانہ بنا دیا جائے، جو سلطنت کی رقمی
ضرورتوں کی کفالت کرے گا۔ لیکن یہ قرار داد متروک ہوچکی ہے۔ ترک
اپنے علاوہ کسی دوسرے کی نگرانی کو پسند نہیں کرتے تھے۔

نسلی اور مذہبی منافرت

دستوریت کے دوبارہ قائم ہوجانے کے بعد لوگوں میں طرح طرح کی
چہ میگوئیاں ہوتی رہیں۔ آبادی کے کثیر حصے کے لئے دستوریت ایک جادو کا بول
"کھل جا سم سم!" تھی جو اُن کے لئے دنیا کی تمام بہترین چیزوں کو فراہم
کر دینے والا تھا۔ دوسروں کے نزدیک دستوریت تمام سیاسی اور اقتصادی
مسائل کا حل تھی اور ان تمام باتوں سے ترکی کی عظمت و رفعت مقصود تھی۔
دستوریت سے قبرص، بوسنہ، ہرسک، قندیہ، مصر حتیٰ کہ الجیریا بھی دوبارہ
ریاست میں شامل ہوجانے والے تھے۔ لوگوں کا خیال تھا اس کی وجہ سے
سرکاری خزانے بھر جائیں گے اور مذہبی مناقشات اور خونریزیاں ہمیشہ کے لئے
مسدود ہوجائیں گی۔ حمیدی حکومت کے جبر و استبداد سے ناگہانی طور پر نجات
پالینے کی ترنگ میں ہر شخص کی زبان سے مختلف قوتوں کے اتحاد و اخوت کے
راگ نکل رہے تھے۔ لیکن جو واقعات پیش آئے ہیں اُن سے ثابت

ہوگیا ہے کہ یہ سب ایک افسانہ تھا۔ ترکی اب پہلے سے کہیں زیادہ ایسے مختلف مذاہب اور قوموں میں تقسیم ہوگئی ہے، جن میں آپس میں اتحاد اور مصالحت نہیں ہوسکتی۔ دستوریت بعض چیزوں سے کام لے کر اس نفاق و شقاق کو احساس ہیئت اجتماعی سے بدل سکتی ہے۔ اُس کو یا تو یہ کرنا چاہیئے کہ وہ قومی حقوق و آزادیوں کی صحیح اور معتدل طور پر نشو و نما کرے اور یا ان سب کو ترکی قومیت کے ذریعے سے فنا کردے۔ دونوں صورتوں میں ظاہر ہے کہ سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ ہے"۔

وہ توقعات و خیالات، جنھوں نے اس تحریک کے بانیوں کے دلوں میں جان ڈال رکھی تھی، یقیناً نہایت وسیع اور صلح جویانہ تھے عیسائی فوج میں داخل کئے جانے والے تھے اور تمام قوموں کو عثمانی تسلیم کرلیا جانے والا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے اس نظام العمل کی ترتیب کے وقت قدیم روایتوں، مختلف نسلوں کی تاریخی روایات، ذہنیتوں اور جذبات کو نظر انداز کردیا گیا تھا چنانچہ فوجی خدمات کا اتحاد، جو مختلف قوموں کی ہم آہنگی کا زبردست عنصر خیال کیا جاتا تھا کبھی عمل میں نہیں آیا۔ ہر چیز اس خیال کے مخالف تھی۔ مذہبی منافرت و عناد؛ اور عیسائیوں کے انتشاری رجحانات اور انتہا یہ ہے کہ خود سلطنت کا تحفظ اور مفاد اس کے مخالف تھے۔

مسلمان اور عیسائیوں کی حیثیت

مشرق قدیم زمانے سے مذہبی حکومت کا وطن رہا ہے۔ یہاں مذہبی اور سول قانون میں کبھی کوئی امتیاز قائم نہیں ہوسکا ہے۔ مشرق کے رجحانات شرارت کے ساتھ اسی تصور تک محدود رہے ہیں اور اُس کا مطمح نظر ہمیشہ مذہبی حکومت رہی ہے۔ مذہب کو ہمیشہ سے سیاست کے ساتھ دست و گریبان کیا جاتا رہے

اور آخر الذکر اول الذکر کا صرف ایک نتیجہ صریح ہے۔ مذہب قومیت کے متعلق تصفیہ کرتا ہے۔ چاہے وہ حضرت عیسیٰ کی محبوب رومن امپائر ہو یا اُن کے حوارئین پیٹر اور پال بازنطہ میں حکمراں ہوں اور چاہے وہ سلطان ظل اللہ فی الارض، خلیفۂ رسول کی سلطنت استنبول ہو، ہر جگہ اور ہر حالت میں مذہبی خیالات ہی سیاسیات کی تلقین کرتے رہے ہیں۔ نوجوان ترکوں کے قائدین نے، جنھوں نے اپنی زندگی کا کافی حصہ جلاوطنی کی حالت میں یورپ میں بسر کیا اس ذہنیت کی اصلاح کی اور اپنے ملک کو مذہبی خیالات سے باہر لے آنے کی کوشش کی تھی۔ یہ ایک مردانہ اقدام تھا، جس کی جتنی بھی تعریف اور ہمت افزائی کی جائے کم ہے لیکن ساتھ ہی یہ ایک خواب بھی ہے جس کی تعبیر کا پورا ہونا بہت مشکل ہے۔

یہ صرف مسلمان ہی نہیں ہیں جو تمام چیزوں مذہب کا پابند بنا دیتے ہیں۔ بلکہ عیسائی فرقوں کا بھی اسی پر عمل ہے۔ عوام کی نسل، خون اور زبان چاہے ایک ہی کیوں نہ ہو لیکن اگر وہ ایک ہی قسم کی رسوم مذہب کے پابند نہ ہوں تو ان کو اجانب واعدا تصور کیا جاتا ہے۔ بازنطہ کی حالت نزع میں اہل بائزنطہ چلا اُٹھے تھے کہ "کارڈنل کی ٹوپی کے بجائے ترکوں کا عمامہ ہی زیادہ بہتر ہے۔" یہ کوئی پہلا موقع نہیں تھا کہ اپنے آزار الحاد سے عاجز آکر رومیوں نے مذہبی آئین کو تسلیم کرنے یا مذہبی علامات کے سامنے، جن کو تسلیم کرنے سے ان لوگوں نے انکار کر دیا تھا، سر جھکا دینے کے بجائے کفر و بے دینی کو ترجیح دی ہو۔ اسلام نے عام طور پر جو ترقی کی ہے اور ترکوں نے خاص طور پر مشرقی سلطنت میں اس کی جو اشاعت کی ہے، اس کا تنہا سبب یہی ملحد اور بے دین عیسائی ہیں۔ آج بھی یہی حالت ہے۔ ہر شخص اس سے پہلے کہ یونانی کہلایا جائے اسکز بیٹک آرتھوڈاکس کے نام سے پکارا جاتا ہے اور ارمنی بننے سے پہلے گریگورین یا کیتھولک بن جاتا ہے۔

اس صورت حال پر تعجب نہیں ہونا چاہیئے۔ ترکی سیاست کے مخصوص اسباب کے باعث پادریوں کا طبقہ مشرق میں آج بھی انھیں مشاغل میں

معروف ہے، جن میں رومن امپائر کے زوال اور بربریوں کے حملے کے بعد مغرب میں چوتھی اور پانچویں صدی میں معروف تھا۔ البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ مغرب میں پادری اپنے پیرووں کے پشتبان ہوا کرتے تھے لیکن ترکی فتوحات کے بعد سے آرتھوڈاکس پادریوں کا طبقہ فاتحین کے ہاتھوں میں استبداد کا ایک آلہ بن گیا ہے۔ مفتوحین کی سیاسی تباہی کے لئے ترکوں نے اُن کے مذہبی نظام کو جوں کا توں برقرار رکھا۔ اگر اور جگہ نہیں تو کم سے کم ان ممالک میں ضرور ایسا کیا گیا، جہاں اطاعت و دینداری کو کفر و الحاد پر ترجیح حاصل ہے۔ عیسائیت کا تحفظ اور بقائے اسلام کے لئے کوئی خاص طرۂ افتخار نہیں ہے کیونکہ مسلمان اپنے مفتوحین کو انحراف مذہب پر مجبور کرنے کے لئے اسی رواداری سے کام لیتے تھے۔ جو لوگ مذہب پر قائم رہے اُن کو غلامی کے درجے تک پہنچا دیا گیا اور ان کی تاریخ ایک طویل داستان شہادت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ترک اپنے مفتوحین کا کامل استیصال کر سکتے تھے۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو اُس کے اصلی اسباب سیاسی وجوہ تھے۔ عیسائیوں کی تعداد کم از کم مسلمانوں کے برابر تھی اور یہ لوگ بلاشبہہ گائیوں کی طرح ذبح ہو جانے پر میدان میں لڑ کر مارے جانے کو ترجیح دیتے۔ الحاد کا چارۂ کار اگر قتل عام کو قرار دیا جاتا تو نہایت آسانی سے بغاوت پھیل جاتی لیکن عیسائیوں کا استیصال عثمانیوں کی تباہی ثابت ہوتا اس لئے کہ یہ عیسائی ہی تھے جو جان پر کھیل کر اور غلامی کی کڑیاں جھیل کر سلطان کے لئے وہ جرار فوج و اسلحہ، جن کی مدد سے ترکی یورپ کے مقابلے میں صف آرا ہوا کرتا تھا اور وہ عشرت آگینیاں بہم پہنچاتے تھے، جن کی حرم سلطانی کے لئے ضرورت تھی۔

عیسائی آبادی پر اچھی طرح قابو حاصل کرنے اور بغاوت کی تمام کوششوں کے انسداد کی غرض سے سلاطین نے وہ مراعات عطا کر کے، جو بازنطینی بادشاہوں نے اپنی دینداری کی وجہ سے عطا کی تھیں یا جن پر اُنھوں نے یونانی بادشاہوں کی کمزوری کی وجہ سے قبضہ کر لیا تھا، پادریوں کے اعلیٰ طبقے کو اپنے مظالم کا ہم آہنگ بنا لیا۔ سلاطین نے پادریوں کو نئے نئے اختیارات

عطا کئے اور بطریقوں اور اسقفوں کو اپنے پیروؤں پر اُن تمام معاملات میں، جن کا اُن کے ذاتی مرتبے سے تعلق تھا، سول اختیارات سے کام لینے اور اس امر کی اجازت دیدی تھی کہ عیسائی رعایا کو پریشان کرنے کے لئے تمام قسم کی زیادہ ستانیاں کی جائیں بطریقوں کے چوتھے انتخاب سے جُبّہ، تاج، اور صلیب جو اعلیٰ مرتبے کی علامات میں داخل تھے، روپے کے معاوضے میں حاصل کئے جانے لگے۔

اور بطریقی تخت کی سمونی[1] (Simony) نے ہر جگہ دینی بزرگوں کے مذہبی انتظامات پر حملہ کر دیا۔ اسقف اپنی ترقیاں خریداری کے ذریعے حاصل کرنے لگے بطریقوں کو چونکہ ہر سال ایک کثیر رقم حکومت کو ادا کرنی پڑتی تھی اس لئے ان لوگوں نے حقوق کلیسا کے بہانے سے اپنے متعلقین سے کثیر رقمیں وصول کرنی شروع کر دیں تاکہ وہ ترکوں کے مطالبات کو بھی پورا کر سکیں اور اسی کے ساتھ ساتھ خود بھی بےشمار دولت جمع کر لیں، جو اس صورت میں کہ ان کے دشمنوں کو اُن کے اخراج یا معزولی میں کامیابی حاصل ہو جائے، ان کے کام آئے۔[2]

ان کی خاص آمدنی اسقفیتوں کی بیع تھی۔ آرک بشپرکس اور بشپرکس کے خریدار کم مرتبے والے ارباب مذہب کو اُن کے حصے فروخت کر دیتے تھے۔ ان کے انتظامی طریقے کے مختلف اخراجات اور رسموں کو بھی نیلام کیا جاتا تھا۔ ہر حلقہ اپنے نئے اسقف کو ایک خراج خیر مقدم ادا کرتا تھا، جس کا سالانہ گرانٹ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔

ہر سال اسقف اعظم اور اسقف خود یا بذریعۂ وکیل اپنے اپنے حلقوں کا خراج، نذرانوں، اور مختلف قسم کے اُن حقوق کی تحصیل کے لئے دورہ کیا کرتے تھے، جو اُن کے مداخل کے اجزائے ترکیبی کی حیثیت رکھتے تھے۔ روپے کے معاوضے میں وہ طلاق اور دوسری قسم کی آزادیاں عطا کرتے تھے۔

---

[1] کلیساؤں کے لئے جو چیزیں وقف کر دی جاتی ہیں، اُن کی بیع و خریدی کے جرم کو اصطلاحاً سمونی کہتے ہیں۔ اس خیال کے بانی کا نام "سمن میگس" تھا۔ (رعنا)

[2] ترک ویل "یونان میں سیاحت" جلد ۲۔

جو فریق سب سے زیادہ رقم ادا کرتا تھا وہ اُس کے حق میں فیصلے کیا کرتے تھے۔ اس سفر میں ترکی سپاہی اُن کی معیت میں ہوتے تھے، جو اُن کے فیصلوں کا جبراً لوگوں سے احترام کراتے تھے۔

ایک ایسا شخص، جس پر یونانیوں کے خلاف طرفداری کا اس لئے الزام نہیں لگایا جاسکتا کہ وہ آخری صدی کا ایک نہایت ہی پرجوش فِل ہے لی نیز (Philhellenes) تھا یعنی آرمانڈ کیرل (Armand Carrel) کا بیان ہے کہ:۔

ترکوں نے سنود کے نام سے ایک مجلس قائم کی تھی، جو دس ایسے میٹرو پولی ٹن اسقفوں پر مشتمل تھی، جو اُن کے غلام تھے اور جو بطریق کے انتخاب کے لئے تمام قسم کی رسموں کو انجام دیتے تھے۔ اس مجلس نے سازشوں کے ذریعے سے بہت جلد ایک ایسی حیثیت اختیار کر لی، جو اُس کے ابتدائی مرتبے سے کہیں بلند تھی۔ چنانچہ اپنے مفاد کے مدنظر یہ مجلس جس بطریق کی چاہتی تھی حمایت کرتی تھی اور جسے چاہتی تھی معزول کر دیتی تھی بطریق بجائے خود ایک مرتبہ منتخب ہو جانے کے بعد اس امر کی کوشش کرتے تھے کہ پادریوں کے اختیاری سنود پر فوقیت حاصل کرلیں اور ان معاملات سے اسے واقف نہ ہونے دیں۔ جن کے متعلق کہ اس کو ان کی شرکت میں توضیح قوانین کے لیے مدعو کیا گیا تھا اس غرض کی تکمیل کے لئے ان لوگوں نے ایک غیر مسلمہ سنود کو، جو اُن کے ایسے آدر دوں پر مشتمل تھا، جن کو کم درجے کے پادریوں میں سے منتخب کیا جاتا تھا، سنود اعظم کے اختیارات کا ایک حصہ عطا کر دیا۔ یونانی ان لوگوں کو "نہایت مقدس ظالموں" کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ لوگ امپیریل پے لیوم پہنتے تھے، جن سے ان کی اُس شوکت و عظمت کی یاد تازہ ہوتی تھی، جو بائزنطینی بادشاہوں کے زمانے میں اُن کو حاصل تھی۔ ترکوں نے عیسائیوں کے قاضیان اعظم کے خطاب سے اُن کو سرفراز کیا تھا۔ ینی چری کا ایک دستہ اُن کے احکام کا منتظر ہمیشہ اُن کے پاس رہتا تھا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود بطریقوں کو بہت ہی کم سیاسی اہمیت حاصل تھی۔ کلیسائے روم کے لئے ان کا وجود، جس کا انھیں سرپرست و نگہبان کہا جاتا تھا، ایک نہایت ہی مشتبہ افادہ رکھتا تھا۔"

محمد الفاتح نے جس دن سے بطریقیت قسطنطنیہ کی بنا قائم کی آرتھوڈاکس عیسائیوں کے سردار، بطریق فنار نے خود مختار کلیساؤں کی تباہی اور اُن کو فنار کا ماتحت بنانے میں ایک لمحے کے لئے بھی اپنی کوششوں سے دریغ نہیں کیا اور جعل و فریب اور جھوٹ او سچ غرض جو ذریعہ ہاتھ لگا اُس سے کام لے کر وہ اس غرض کا در پے ہوگیا۔ اس کام میں اُس کو حکومت عثمانیہ کی تائید تعلیمی حاصل تھی۔ صرف یہی صورت نہیں تھی کہ فناری عہدہ دار کثرت کے ساتھ عثمانی نظم ونسق میں دخیل تھے اور باب عالی میں اُن کا خوب اثر تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ صورت بھی تھی کہ دیوان کے نزدیک تمام آرتھوڈاکس عیسائیوں کو فناری قانون کا ماتحت بنا دیتے ہیں، جو خاموشی کے ساتھ حکومت کے احکام کی تعمیل کیا کرتا تھا ریاست کا فائدہ تھا۔ سربی، بلغاری، عربی اور شامی مذہبی اختیارات خود انتظامی کو اس طرح منسوخ کرنا کہ اس سے ایکومینیکل بطریق کو تقویت پہنچے، ترکی مدبرین کے نزدیک خود مختاری کی ان تمام خواہشات کا قلع قمع، جو ممکن تھا کہ ان لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوسکتیں اور ترکی تسلط کو متیقن کرلینا تھا۔ خود پادریوں نے اس امر کو محسوس کیا کہ اس تسلط کو برقرار رکھنے میں انھیں کا فائدہ ہے۔ چنانچہ اپنے معتقدین کے تمام قومی رجحانات کا مقابلہ اور اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کی غرض سے ان لوگوں نے قومی خیال کو اپنے فرقے کے تنگ حلقے میں محدود کر دینے کی کوشش کی۔

لیکن رسوم و روایات کے متعلق اُن کے اختلافات نے مظلوم قوموں کی آزادی حاصل کرنے کے مظاہر کی حیثیت اختیار کرلی اور جب آخری صدی میں ترکی کی مختلف عیسائی آبادیوں کو اپنے متعلق احساس پیدا ہوا تو وطنی تحریک نے بہتر حالات کے انتظار میں قدیم مذہبی آزادی کے مطالبات کی صورت اختیار کرلی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فاتح کو جس آلہ تسلط کے متعلق خیال تھا کہ اُس نے بنالیا ہے، اُس کا رخ خود اسی کی طرف پھر گیا۔ خود ایکومینیکل بطریق ایسی حالت میں کہ وہ امپیرل گورنمنٹ سے یونان کے علاوہ دوسری قوموں کے آرتھوڈاکس عیسائیوں کے خلاف اپیل کر رہا تھا، بظاہر ترکی تسلط کا مخالف معلوم ہوتا تھا۔ یہ بطریق اپنی تمام

کوششوں کے باوجود ہیلینیک بادشاہت کے کانسٹی ٹیوشن کے بعد سے میگالی (Megali) خیال کی تکمیل کا، جو ایتھنا کا نظام العمل تھا، ایک عنصر بن گیا۔ یہ حالت دیکھ کر عیسائی فرقوں کے متعلق باب عالی کی پالیسی بدل گئی اور حکومت نے فنار پر حملہ کر کے بطریقیت کے حقوق کے خلاف جنگ شروع کر دی کیونکہ انھیں اختیارات سے دوسری بطریقیتوں کو بھی سوائے فائدوں کے کوئی نقصان نہیں ہوتا تھا۔

قانون کی نظروں میں سب کی آزادی اور مساوات کا اعلان کر کے ۱۸۷۶ء کے دستور نے، باوجودیکہ نفقرہ ۱۱ میں ان حقوق کو بحال رکھا گیا، جو عیسائی فرقوں کو عطا کئے گئے تھے، کم و بیش قلیل عرصے میں اُن کی تنسیخ کے اصول کو مہلک طریقے پر قائم کر دیا۔ ترکی کے دستوری حیثیت اختیار کر لینے اور ایک پارلمنٹیری حکومت کے قیام کے بعد یہ واقعہ اُصول منطق کے خلاف تھا کہ بطریقوں کو خاص اختیارات و حقوق حاصل رہیں کیونکہ اس صورت میں ریاست کے اندر ایک اور ریاست قائم ہو جاتی تھی۔ اب رہا یہ سوال کہ ایک ہی قانون کو مسلمانوں اور عیسائیوں پر کس طرح حاوی کیا جا سکتا تھا تو یہ ایک ایسا مسئلہ تھا، جس سے مدحت پاشا نے احتراز کیا۔ اس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ اپنے دستور کے ساتھ سلطان اور پردیسیوں کے خلاف اپنے ملک کی مدد کرے اور ایک ایسے طبیعی اتحاد کا سنگ بنیاد رکھے جو ترکی عنصر کے حق میں مفید ہو۔

ایکونیمیکل بطریق کو اچھی طرح معلوم تھا کہ فنار کے اختیارات و حقوق حکومت دستوری کے ساتھ متفق نہیں ہو سکتے اور یہ کہ قدیم حالت اس وقت تک باقی نہیں رہ سکتی جب تک کہ مطلق العنانی کا دور دورہ نہ ہو۔ چنانچہ ۱۹۰۸ء میں دستوریت کے قیام جدید کے کچھ دنوں بعد وہ وزیر اعظم، سعید پاشا سے اُس کو مبارکباد دینے کے بہانے سے ملنے گیا اور اس موقع پر اُس نے اس قدر جرأت کے ساتھ کہ جس سے حاضرین کو سخت تعجب ہوا اور نہایت غصہ آیا، اس امر پر طعن کی کہ حکومت نے مدحت پاشا کے کام کو دوبارہ زندہ کر دیا ہے۔ عام طور پر جو کیم ثالث پر اس نمائش کا الزام رکھا جاتا تھا اور خود یونانی بھی اُس پر

چنگل تیز کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہے تھے۔ لیکن ان کا جوش و خروش بہت جلد رفع ہوگیا۔ آج جو کیم ثالث کو ایک بڑا ماہر سیاسیات تسلیم کیا جاتا ہے کیونکہ صرف وہی ایک ایسا شخص تھا جس نے ان خطرات کو قبل از قبل محسوس کر لیا تھا، جو ترکی میں فنار کے حقوق کے لئے خطرہ پیدا کرکے' یونانیوں' آرتھوڈاکسی' اور ہے لے نیزم کے لئے دستور میں پنہاں تھے۔

اکیو نے مکمل بطریق کے اصول کے مطابق جن حقوق و اختیارات کا وعدہ وعیدا رہے، وہ از روئے قانون اس کو حاصل ہیں اور یہ اس کے اور حکومت عثمانیہ کے مابین، جس کا نمائندہ فاتح تھا، ایک معاہدے کا نتیجہ ہیں۔ فاتح نے اپنے کو اور اپنے جانشینوں کو اس معاہدے کا پابند کر دیا تھا۔ یہ ایک ایسا معاہدہ تھا، جس میں اس کو بازنطینی بادشاہوں کا جانشین تسلیم کر لیا گیا تھا اور جس کی رو سے؛ یہ کہنے کی تو جرأت نہیں تھی کہ اختیارات شاہی اسے عطا کئے گئے تھے، تاہم آرتھوڈاکس کلیسا نے روم کے عیسائیوں پر ایسے اختیارات اسے عطا کئے گئے تھے، جو اختیارات شاہی سے بہت کچھ ملتے جلتے تھے۔

چنانچہ ایک مضمون میں، جو فنار کے سرکاری اخبار اِک لے زیاس ٹی کی اے لی تھیا' میں شائع ہوا تھا اس امر کی سخت شکایت کی گئی تھی کہ سلطان نے اس کی جانشینی کی اطلاع کے لئے ایک غیر معمولی وفد ویٹی کان کو روانہ کیا ہے درآنحالیکہ جنرلیسمو محمود شفقت پاشا بطریق کے ساتھ سردارانہ برتاؤ کر رہا ہے۔ ان بیانات کی تائید میں بطریق نے محمد الفاتح کے ایک منشور شاہی کا حوالہ دیا تھا، جو اُن اختیارات کے عطا کئے جانے کے متعلق بہت واضح تھا لیکن بدقسمتی سے یہ دستاویز ایک آتش زدگی میں ضائع ہو چکی تھی۔ یہی حالت دوسرے فرامین مابعد کی بھی تھی، جو باوجود تلاش دستیاب نہیں ہو سکے[1]۔

---

[1] اس واقعے کے متعلق ایک تاریخی مطالعہ دیکھو جو نہایت ہی خوبی کے ساتھ لکھا گیا ہے اور جو قسطنطنیہ کے ایک جریدہ "عثمانی شہر لائڈ" (Osmanicner Lloyd) میں شائع ہوا تھا۔ ۲۶ اکتوبر ۱۹۰۹ء۔

میں اوپر پالیسی کے ان اسباب وعلل ظاہر کر چکا ہوں، جن کی بنا پر فاتح اور اس کے جانشینوں نے بطریقوں کو اپنے اور اپنی مفتوحہ قوموں کے مابین واسطہ قرار دیا تھا۔ ان درمیانی لوگوں کو عیسائیوں کے متعلق چند اختیارات اور حقوق حاصل تھے، جن کی غرض یہ تھی کہ اسلامی تسلط کو مستحکم تر بنانے کے لئے ان عیسائیوں کو اچھی طرح قابو میں رکھا جائے۔ لیکن جہاں تک حکومت کا تعلق تھا یہ لوگ عوام کی طرح حکومت کی رعایا تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ رعایا کا یہ خاص حصہ زیادہ قابل، زیادہ شائستہ اور زیادہ مزین تھا لیکن بادشاہ عالم، سلطان کے تلون کے سامنے عوام سے زیادہ ان کی اور کوئی وقعت نہیں تھی۔ اس واقعے کو معلوم کرنے کے لئے یونانی تاریخوں کا پڑھ لینا کافی ہے۔ ہیپ سیلانٹی کے بیان کے مطابق ۱۵۶۷ء میں بطریق کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا تھا، وہ یہ ہے:۔

"سلطان نے بطریق جوزف کی داڑھی اور اک لے زیاسٹک (ماسٹر آف دی چیپل) کی ناک اس لئے کٹوا ڈالی کہ ان لوگوں نے طربیزون کے پروٹو ویس ٹیر (protovestaire) کے لئے سلطان کے حکم کے مطابق کلیسا کی منظوری نہیں دی تھی کیونکہ یہ شخص، اگرچہ اس کی بیوی زندہ تھی، اثینا کے آرکانٹی کی بیوی سے یا دوسرے لوگوں کے بیان کے مطابق اپنی بیٹی سے شادی کرنی چاہتا تھا جو اس زمانے کی حسین ترین عورت تھی۔ اس کے بعد سلطان نے بطریق جوزف کو معزول کر دیا" ۔

چار سال کے بعد ۱۵۷۱ء میں مارک ذیلو قراباش اور سمیان، طرابزون کے باشندے، سلطان سے جوزف کو بطریقیت سے معزول کر دینے کے بعد اس کی جانشینی کے لئے کوشش کر رہے تھے۔ ہیپ سیلانٹی کے بیان کے مطابق "ملکہ سلطان کی خوشدامن اور سلطان مراد کی بیوی نے اس واقعے سے آگاہ ہو کر اس امر کی کوشش کی کہ فلیپو پولی کے میٹرو پولیٹین، بطریق ڈینیز کو، جسے وہ ایک عرصے سے جانتی تھی، منتخب کرا دے۔ چنانچہ اس نے ایک نقرئی رکابی میں (۲۰۰۰) طلائی سکے رکھ کر سلطان کے سامنے پیش کئے اور یہ درخواست کی کہ اس کے دوست، ڈینیز کو نامزد کر دیا جائے۔ سلطان نے اس

نذر کو قبول کرکے اس کا شکریہ ادا کیا اور مطلوبہ حکم نافذ کر دیا" پھر ایسی صورت میں بطریق کے مشہور اختیارات و حقوق کدھر تھے ؟"

اصولاً بطریق کے حقوق و اختیارات کو مکمل اسلامی قوانین کا جزو قرار دیئے جانے کے نظریئے کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ یہ قوانین کی ایک حد تک خلاف ورزی بھی ہے کیونکہ فنار اپنے مطالبات کو سلطان کے ایک حکم پر مبنی کرتا ہے۔ ترکی میں دوسرے تمام اسلامی ممالک کی طرح قانون کے چار ماخذ ہیں:۔ قرآن، جو کلام ربانی ہے؛ سنت، جو ارشاد نبی سے عبارت ہے؛ چاروں اماموں بالخصوص امام ابو حنیفہؒ کے احکام؛ مشیت سلطانی، پہلی تینوں چیزیں ناقابل تغیر قانون الٰہی میں داخل ہیں اور اسی کا نام شریعت ہے۔ چوتھی جس میں بادشاہ کی مرضی کے یا توضیع قوانین سے ردّ و بدل ہوتا ہے جسے عرفی کہتے ہیں۔ یہ لازمی طور پر شریعت کی توضیح یا تفصیل ہونی چاہیئے۔ اور کسی صورت میں اس کو قانون مقدس کا مخالف نہیں ہونا چاہیئے۔ صرف یہی نہیں ہے کہ قوانین عرفی بادشاہ کے جانشینوں ہی کو پابند نہ کرتے ہوں بلکہ وہ خود بادشاہ کو بھی پابند نہیں کرتے۔ جب کوئی سلطان ان حقوق و مراعات کو کالعدم قرار دیتا ہے، جو اس نے فرمان تقرر کے ساتھ بطریق کو عطا کیئے ہیں تو اس کا یہ فعل اسلامی قانون کے قطعاً مطابق ہوتا ہے۔"

بطریقیت کا نظریہ واقعات کی رو سے درست ہے۔ اس کے مطالبات مبنی ہیں قانونی روایات پر جو ان وعدوں سے ماخوذ ہیں، جن کا سالہاسال سے بطریقوں اور میٹرو پولیٹینوں کے فرامین تقرر میں اعادہ ہوتا رہتا ہے۔ ان فرامین میں ان حقوق کو ظاہر کیا گیا ہے، جن کی بنا پر ان لوگوں کو اپنے وابستگان مذہب پر اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے خلاف اگر کوئی صورت اختیار کی گئی تو اس میں دشواری پیدا ہو جائیگی اس لئے کہ ایک ہی قانون عامہ ذاتی اور شخصی مراتب کے متعلق متعدد الازواج مسلمانوں اور منفرد الازواج عیسائیوں کے لئے ایک ہی نہیں ہو سکتا۔ تمام ایسے مسائل جن کا تعلق عیسائیوں کی شادی، طلاق، وظائف نان و نفقہ اور جانشینی سے ہو، ایک مختلف قانون کے تحت

رہنے چاہئیں اور اس غرض کے لئے جو عدالتیں موزوں تھیں، وہ صرف مذہبی عدالتیں تھیں۔ عثمانی ضابطۂ دیوانی کی ہدایات جو ان معاملات کی ترتیب دیتی ہیں، قانون شریعت پر مبنی ہیں اور یہ آسانی سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ وہ عیسائیوں پر حاوی نہیں ہوسکتیں۔

دستوریت اور شریعت

"ترکی" بطریق جوکیم ثالث نے قسطنطنیہ کے ایک اخبار (مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۰۹ء) کے مدیر سے یہ دوران ملاقات بیان کیا کہ وہ کلیسائی حقوق کی حفاظت کے لئے "اپنی اور اپنی جماعت کی جان تک قربان کر دے گا"۔ بطریق نے یہ بھی کہا کہ جب حکومت کا مذہب اسلام ہو اور شیخ الاسلام مجلس وزرا کا رکن ہو تو ایسی صورت میں تنسیخ حقوق کی بحث پیش کرنا ناممکن ہے۔ بطریق نے یہ بھی کہا کہ اگر ایسا ہو جائے تو اپنے کو خلیفہ کہنے سے سلطان کو باز آجانا چاہیئے۔ یہ دوسری تجویز، جو قدرے مبالغہ آمیز ہے کیونکہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ترک اسلام کو ترک کردیں اور سلطان اسلام کی نظروں میں اپنی بے وقعتی کرلیں، اس غرض سے کی گئی تھی کہ اس اختلاف کا اظہار ہو جائے جو دستوری ترکی کے حقیقی ادارات اور مسلمان سوسائٹی اور سلطنت عثمانیہ کے اصولی قوانین کے مابین واقع ہے، جہاں ہمیشہ مذہبی قانون نافذ رہا ہے۔

گو بعض مفسرین نے قوانین شریعت کو عہد جدید کے اصول سے تطبیق دینے کی کوشش کی ہے تاہم یہ واقعہ ہے کہ شریعت کی موجودگی میں عثمانیوں میں وہ اتحاد قائم نہیں ہوسکتا، جو ینگ ترک کمیٹی اور حکومت کا سرکاری نظام العمل ہے۔ ہر ہر قدم پر وحشیانہ واقعات نہایت ہی اولوالعزمانہ تجاویز

اور اراد وں کو لغو بنا دیتے ہیں۔ عوام شریعت کے علاوہ اور تمام آوازوں کے سننے سے احتراز کرتے ہیں اور ملک میں متعصب جماعت کے ایسے بہت سے افراد موجود ہیں، جن کی تعلیم و تلقین یہ ہے کہ چاہے زمانہ اور اس کے ساتھ اس کی رسمیں، رواج اور طریقے بدل جائیں اور نئی نئی ضرورتیں پیدا ہوں مگر شریعت میں کوئی تبدیلی، ترمیم یا اصلاح نہیں ہونی چاہیئے۔ ایسے قانون کی پیروی سے انکار، جو شریعت کے خلاف ہو، ایک مقدس فرض ہے چاہے یہ قانون علما کی تائید اور شیخ الاسلام کی منظوری کا فتویٰ ہی کیوں نہ حاصل کر چکا ہو۔ ۲۱ ر اکتوبر ۱۹۱۸ء کو بشیکتاش میں جو نظارہ پیش آیا اس سے واضح ہوتا ہے کہ نوجوان ترکوں کو اپنی نشاۃ ثانیہ کی مہم سر کرنے کے لئے کن کن چیزوں سے مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے؟

طیو دوری نامی ایک یونانی مالی اور ایک سترہ سالہ مسلمان بیوہ بدریہ خانم کے درمیان بہت گہرے تعلقات تھے۔ بدریہ خانم جو مالی کی محبت میں دیوانی ہو رہی تھی، عیسائی مذہب اختیار کر کے اس سے شادی کر لینا چاہتی تھی۔ مگر لیکن شریعت کا قانون ان تمام لوگوں کو، جو اپنا مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کر لیتے ہیں، موت کی سزا دیتا ہے[۱]۔ بعض متعصب لوگوں کی ترغیب پر لڑکی کے باپ نے پولیس میں رپورٹ کر دی۔ پولیس نے ان دونوں عاشقوں کو گرفتار کر کے بشیکتاش کی چوکی میں نظر بند کر دیا۔ ابھی اس واقعے کی خبر اس محلے میں

---

[۱] ۱۸۷۹ء میں احمد توفیق نامی ایک خوجہ پروٹسٹنٹ مذہب اختیار کر کے خاموشی سے لندن چلا گیا چند ماہ کے بعد ناعاقبت اندیشی سے کام لیکر وہ قسطنطنیہ کو واپس آیا باوجودیکہ اس کے پاس انگریزی پاسپورٹ تھا لیکن اُسے گرفتار کر کے شیخ الاسلام کے روبرو پیش کر دیا گیا۔ یہاں اس کے لئے موت کی سزا تجویز کی گئی۔ اس شخص کے متعلق انگریزی سفیر نے نہایت شد و مد کے ساتھ مداخلت کی اور انقطاع تعلقات کی دھمکی دے کر ترکی حکومت پر دباؤ ڈالا۔ یہ عیسائی خوجہ اس شرط پر رہا کر دیا گیا کہ وہ پھر کبھی ترکی کا رخ نہیں کرے گا۔

اچھی طرح پھیلنے بھی نہیں پائی تھی کہ طبقۂ ادنیٰ کا ایک جوشیلا مجمع اکٹھا ہو گیا جس نے ان دونوں کی رہائی کا اور شریعت کے مطابق اُن کا فیصلہ کئے جانے کا مطالبہ کیا۔ ایک عالم نے ان دونوں بدبختوں کو یہ کہہ کر بچانے کی کوشش بھی کی کہ لڑکی کے دماغ میں خلل ہے اور یہ کہ اُس کو شیخ الاسلام کے پاس لے جایا جائے تاکہ وہاں اس کی حالت کا مطالعہ کیا جا سکے۔ لیکن ان تمام باتوں کی مجمع نے کوئی پروا نہیں کی خصوصاً اس لئے کہ افسر پولیس اور سپاہیوں کے طرزِ عمل سے ایسا ہویدا ہوتا تھا کہ مجمع جو چاہے کر سکتا ہے۔ پولیس اسٹیشن پر فوراً حملہ کر دیا گیا اور طیبو دوری اور بدریہ خانم کو مار مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے بعد وحشیانہ مناظر پیش آئے۔ طیبو دوری کی لاش کو سڑکوں پر گھسیٹا گیا اور جہاں اور عقوبتیں کی گئی تھیں وہاں اس کے اعضا کی قطع و برید بھی کچھ اس طرح کی گئی کہ اُس کے ذکر سے بھی کراہیت آتی ہے۔ یہ بربریت اور سفاکی اُس وقت تک جاری رہی جب تک کہ سوارہ فوج کے ایک دستے نے مجمع پر حملہ کر کے اُسے منتشر نہ کر دیا۔ ترکی جرائد نے بالاتفاق اس واقعے کو جرم قرار دیا اور مجرموں کی سزا کا مطالبہ کیا لیکن حکام کو استنبول کے متعصبین کی شورش کے خوف سے ان مجرموں کو سزا دینے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔

مذہبی تعصب کی یہ کوئی تنہا مثال نہیں تھی۔ ان تمام امور میں اس کا وجود پایا جاتا ہے، جن کا تعلق اجتماعیات سے ہے۔ مسئلۂ آزادیٔ نسواں کے متعلق بھی ایک اہم اور قابلِ ذکر مثال ملتی ہے۔ کمیٹی نے اپنے نظام العمل میں سب سے پہلے جماعتوں کی تعلیم کو جگہ دی تھی۔ یہ تعلیم اس طریقے پر دی جائے گی کہ وہ دستوری کل پرزوں سے واقف ہو جائیں اور ان قوانین کے متعلق ان کو معلومات حاصل ہو جائے، جو ان سے متعلق ہیں نیز ان فرائض سے بھی ان کو آگاہی ہو جائے، جو ان کے لئے قابلِ پابندی ہیں۔ ملک میں مدارس کھولے جانے والے تھے اور شہروں میں شبینہ تعلیم کا انتظام کیا جانے والا تھا۔ غرض یہ ہے کہ جدید حکومت کا سب سے بڑا مطمحِ نظر عوام کی تعلیم تھی۔ لیکن یہ تمام باتیں اُس وقت تک کوئی حقیقت نہیں رکھتیں جب تک کہ عورتوں کی اخلاقی حالت کو بلند نہ کیا جائے اور

انھیں ظلم انگیز غلامی سے نجات نہ دی جائے جب تک ایسا نہ ہوگا نوجوان ترکوں کے کام صرف غلط بنے رہیں گے لیکن مذہبی شکوک اور مسلمانوں کی قدامت پرست ذہنیت آزادی نسواں کے خلاف ہے۔"

چند ممتاز مستثنیات کے علاوہ جاہل ہوتی ہے۔ اس کی جہالت کا پلہ اگر کسی چیز کے برابر ہو سکتا ہے تو وہ صرف اُس کا تعصب ہے۔ بچوں کو، جن کے لئے مائیں بہت کم تکلیف برداشت کرتی ہیں، ملازموں اور غلاموں کی نگرانی میں دے دیا جاتا ہے، جو اُن کے سامنے بُرے بُرے نمونے پیش کرتے اور اُن کو بُری بُری عادتیں سکھاتے ہیں۔ بچوں کی عادتیں خراب کر دی جاتی ہیں۔ خوشامد میں اُن کو "بے"، "صاحب"، اور "آقا" کے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ سب کو اپنے سامنے جھکتا ہوا دیکھ کر وہ سمجھتے ہیں کہ تعلیم حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بچے کا مدرسے جانا ماں کے لئے ایک نادر اور تعجب خیز بات ہے۔ باپ کے اوقات کا تین چوتھائی حصہ حرم کی نفس پرستیوں اور عیاشی میں گزرتا ہے اور وہ بچوں کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ عام طور پر ماں کا ذہن حب الوطنی کے مفہوم سے ناآشنا رہتا ہے۔ گھر کی چار دیواری کے باہر کے واقعات کا اُسے کچھ علم نہیں ہوتا۔ پھر وہ اسپارٹا کی عورتوں کی طرح، جو اپنے بیٹوں کو ڈھال کا تحفہ پیش کرتے ہوئے یہ کہا کرتی تھیں کہ "یا تو اُس کی پشت پر سوار ہو کر یا اُس کے سائے میں واپس آنا" اپنی اولاد کو کارزار عالم میں کس طرح روانہ کر سکتی ہے؟"

عورتوں کی آزادی کثرت ازدواج کا خاتمہ کر دے گی اور وہ تمام جیلر جو اُس کی حفاظت کے لئے رکھے جاتے تھے آیندہ حرم اپنے بوجھ سے پیس نہیں سکیں گے۔ متمول افراد ہی میں کثرت ازدواج کا رواج ہے۔ قصر سلطانی میں اس قدر کثرت تھی کہ جس کی کہیں نظیر نہیں ملتی۔ ۱۸۷۷ء کی جنگ میں قصر سلطانی کے افراد سے ایک پوری رجمنٹ بن سکتی تھی اور پھر بھی تمام کاموں کے انجام دینے کے لئے بہت سے آدمی بچ جاتے۔ شاہان سابق اپنے قصر میں (۷) یا (۸) ہزار آدمی نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ ملک فتح کیا کرتے تھے۔ ہر سلطان کی وفات پر اُس کی بیگموں کو اُن کا حصہ دے کر شاہی محلات میں رکھنا ہوتا تھا۔ بادشاہ کی زبان کا

ایک لفظ یا خود اُس کا عمل ایسا نمونہ تھا جس کی بنا پر ترکی میں کثرت ازدواجی کا نام بھی باقی نہ رہتا۔ اگر سلطان سلاطین قدیم کی پیروی کرتا، عیاش و نفس پرست نہیں ہوتا، خلیفۂ رسول کی حیثیت سے اگر وہ اس قرآنی تعلیم پر عمل پیرا ہوتا کہ ایک بیوی رکھنا خدا کے یہاں پسندیدہ ہے تو پھر اجتماعی اصلاحات میں کوئی دشواری ہی باقی نہ رہتی۔ حرم کے طریقے کو متروک کر دیے اور عورتوں کی آزادی سے ایک ایسی خانگی زندگی جس کا ترکوں میں قطعی فقدان ہے۔"

"ایک آزاد عورت تحصیل علم کی طرف راغب ہوگی اور اس لئے اعلیٰ طبقے کے اکثر افراد اس امر کو پسند نہیں کرتے کہ ان کی بیٹیاں تعلیم حاصل کر کے اپنی غلامانہ حالت کا اور بھی شدید احساس پیدا کر لیں۔ لہٰذا یہی بہتر ہے کہ وہ سکون جہالت ہی میں مبتلا رہیں۔"

"سلطان عبد الحمید کے عہد میں بہر حال سوسائٹی میں ایک سست خرام انقلابی کام جاری تھا۔ یہ ایک پوشیدہ کام تھا، جس سے تمام چیزوں میں انقلاب پیدا ہو جاتا۔ ترکی عورتوں میں بغاوت کی ہوائیں چل رہی تھیں اور بعض سازشی مستعدیاں ظاہر ہو کر یلدیز کو خوف زدہ کر رہی تھیں۔ علمبرداران حریت کو دوبارہ سکون کی حالت میں لانے کے لئے پولیس اور شریعت سے استمداد کیا گیا۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۱ء میں ایک شاہی فرمان نے اسلامی گھرانوں میں اجنبی اور غیر ملکی معلمات اور منتظمات کی ملازمت کو ممنوع قرار دے دیا۔ خلیفۃ المسلمین سلطان المعظم نے خلوت نشینان حرم کے متمردانہ جذبات کو اس طرح پامال کر دینا چاہا کہ اُن کے لئے غیر زبانیں سیکھنے کے ذرائع مسدود کر دئے گئے اور ان تمام امور سے اُن کو قطعی لاعلم رکھا گیا، جو قرآنی تعلیم اور اسلامی شعار و مشرب کے خلاف ہیں۔"

"جس چیز نے ترکان قدیم اور بعض نوجوان ترکوں کو بھی خائف کر دیا تھا، وہ عورتوں کا اپنی بھدی پوشاک کو ترک کر کے فرانسیسی وضع کی پوشاک اختیار کر لینے کا میلان تھا، جس میں روز بروز ترقی ہو رہی تھی۔ ذیل میں شیخ الاسلام کے متعدد احکام میں سے ایک حکم کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے:۔

"شریعت کے قوانین کی رو سے مسلمان عورتوں کا پردے میں رہنا

فرض ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ عورتیں سیر و تفریح کے وقت اور خرید و فروخت کے موقع پر اسلامی دستور کے خلاف غیر شریفانہ اور حیاسوز لباس استعمال کرتی ہیں۔ یہ حرکت انھیں ایماندار اور نیک لوگوں کی نظروں میں بدتہذیب ٹھہراتی ہے اور ان کی طرف سے نفرت پیدا کرتی ہے۔ یہ ناشائستہ لباس نہ صرف اسلامی تعلیم ہی کے خلاف ہے بلکہ اُس کے استعمال سے ہمارے آقا و فرمانروا، محافظ دین و شریعت ہز امپیریل میجسٹی سلطان المعظم کے فرامین کی بھی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گو اُن خواتین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا، جو سیر و تفریح کی شائق ہیں مگر ان عورتوں کے خلاف سختی کا عمل کرنا پڑتا ہے جو شریعت اور عفت اسلامی کے رائج کردہ طریقۂ نقاب پوشی کے خلاف خفیف سے خفیف جرم کا بھی ارتکاب کرتی ہیں یا جو بعض اضلاع میں باہم آمد و رفت رکھتی ہیں اور ناپاک ارادے رکھنے والوں مردوں کو اپنے ساتھ لئے پھرتی ہیں۔ ان مردوں کو بھی جو ایسے مشاغل میں مصروف رہتے ہیں، جو شریعت اور عفت کے خلاف ہیں سزا دی جائے گی۔ ان ضوابط و قوانین کو، جو شاہی فرمان کے مطابق شیخ الاسلام کی ہدایات سے مطابق ہوتے ہیں اس قسم کے مجرموں پر نافذ کیا جائے گا۔ اس شاہی فرمان کی تعمیل میں ہماری طرف سے اعلان کیا جاتا ہے کہ جو عورتیں ایسا لباس استعمال کریں گی اور جو مرد ایسی حالت میں شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر عورتوں کی مشایعت کریں گے، ان کو نہایت سخت سزا دی جائے گی"۔

دستوریت کے قیام جدید سے دارالسلطنت میں لوگ خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے لیکن خواتین سے زیادہ دستوریت کے اس دوبارہ قیام پر کسی کو خوشی نہیں ہوئی تھی۔ چونکہ کمیٹی نے اپنے نظام العمل کی پیشانی پر "حریت و مساوات" کے الفاظ تحریر کئے تھے اس لئے غلامی سے آزادی کے گھنٹے کی آواز اُن کے کانوں میں آتی شروع ہو گئی تھی۔ عورتیں جیسا چاہیں لباس استعمال کر سکیں گی۔ جہاں چاہیں گی جا سکیں گی۔ ان کو جھلملیوں اور لوہے کی سلاخوں میں اب بند نہیں کیا جائے گا۔ وہ عثمانی سوسائٹی میں اپنا جائز حصہ لے سکیں گی۔

لیکن ترکی خواتین کو اپنی اُن توقعات میں بہت جلد مایوسی ہوگئی جب یہ عورتیں یورپین لباس میں بغیر نقاب کے گھر سے نکل پڑیں تو مرد اوّل تو بھونچکے ہو کر رہ گئے اور پھر اُن سے غصے کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ یہی کیا کچھ کم برا تھا کہ بعض خواتین نے عورتوں کی آزادی کے مطالبات کو جرائد میں شائع کرا دیا۔ مگر یہ دوسری صورت حال اس قدر رسوائی خیز تھی کہ اس سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی تھی۔ جوشیلے پیروان شریعت نے ان خواتین کا تعاقب کرنا شروع کر دیا، جو پاپوش کے بجائے یورپین جوتے استعمال کرتی تھیں اور جنھوں نے پردے کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ نوجوان ترکوں اور دوسرے لوگوں کے غضبناک احتجاجات کی بنا پر احمد رضا بے نے اپنی بہن سلمہ خانم سے قطع تعلق کر لیا جس نے ایک پرچہ نکالا تھا اور جو عورتوں کی لیڈر بن گئی تھی۔ سلمہ خانم کے پرچے کا مقصد یہ تھا کہ اُس کو مطالبات نسوانی پیش کرنے کا ذریعہ بنایا جائے۔ آج کوششوں اور سرکاری مواعید کے باوجود ترکی خاتون پھر قیدی بن گئی ہے"۔

۱۳ اپریل ۱۹۰۹ء کی فوجی بغاوت نے شریعت کے نام سے دستوریت کا تقریباً خاتمہ کر دیا۔ لیکن مقدونیہ کی توپوں نے شریعت اور دستوریت کے اس جھگڑے میں دستوریت کے حق میں فیصلہ صادر کیا۔ فاتحین نے گویا کسی نامعلوم قوت کے حائل ہو جانے کی وجہ سے اپنی کامیابی کو جاری نہیں رکھا۔ دستوریت نے شریعت کے دامن میں پناہ لے لی اس نے شریعت کے احکام کے آگے سر جھکا دیا۔ اور یہ اعلان کر دیا کہ اس کی زندگی صرف شریعت کی وجہ اور شریعت کی شرکت سے ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ترکی مشاہیر نے جن میں فاضل علما کو مسائل اصول میں مستند تصور کیا جاتا تھا قرآن اور سنت سے اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ دستوریت کے جراثیم مقدس کتابوں میں پائے جاتے ہیں اور یہ کہ جمہوریت حکومت کا صحیح طرز ہے، جس کی اسلام نے پیش بینی کی تھی۔ بایں ہمہ حقیقی معنی میں اجتماعی اور حکومتی معاملات میں عملی طور پر دستوریت اور شریعت کی رفاقت کی ناممکنیت اسی طرح موجود تھی۔ تمام پارلیمنٹری وقائع، تمام سرکاری مفاہمتوں اور تمام سیاسی دروغ بافیوں کے باوجود ایک طرف تو شریعت کے متعلق یہ

اعلان کیا جا رہا تھا کہ وہ ایک ایسا اعلیٰ قانون ہے جس کے سامنے ریاست کو قطعی سر جھکا دینا چاہئے اور دوسری طرف غیر مسلموں کو یہ کہنے پر مجبور کیا جا رہا تھا کہ ان کی مدعوہ مساوات محض دھوکہ ہے۔

بعض حقیقی معنی میں فوقیت رکھنے والے لوگوں نے جیسے کہ احمد رضا بے، سابق صدر بیت النائبین، اور ڈاکٹر رضا توفیق بے تھے، جس نے اس زمانے میں جبکہ وہ فوجی مدرسۂ طبیہ کا پروفیسر تھا، عبد الحمید کے زیر زمین قید خانوں کی عقوبتوں کو سہہ لیا تھا، اس مشرقی حماقت سے علیحدگی اختیار کرنے کی کوشش کی جو سول اور مذہبی قانون کو خلط ملط کرنے سے باز نہیں رہتی۔ ان لوگوں کو اپنی آن بان اور تبحر کے باوجود سخت ناکامیابی ہوئی۔ جب رضا توفیق بے نے چیمبر میں اس امر کا دعویٰ کیا کہ ہر شخص کو اپنا مذہب تبدیل کر لینے کا اختیار ہے تو گویا اس نے ایک طوفان کے دروازے کھول دئے۔ نہ صرف چالیس علماہی نے، جو چیمبر کے ممبر تھے، اُس کے خلاف غصے کے ساتھ احتجاج کیا اور ایک ایسی پارلیمنٹ کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینے کی دھمکی دی، جہاں اس قسم کی مہیب تجاویز پیش کی جاتی ہیں، بلکہ رضا توفیق کی جماعت کے اکثر ممبروں اور اس کے رفقاء انجمن اتحاد ترقی نے بھی مقرر پر لعن طعن کی۔ اس خیال سے کہ زیادہ سنگین صورت حال نہ پیدا ہو جائے اُس نے کہا کہ وہ صرف غیر مسلمین سے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔

جب سلطان محمد خامس کے چیمبر میں حلف اٹھانے پر نائبین نے دستوریت کے سامنے اپنے حلف کی تجدید کی تو احمد رضا بے نے معمولی مذہبی طریقے پر قسم کھانے سے انکار کر دیا اور "واللہ باللہ" کے بجائے اُس نے اپنی عزت اور ضمیر کی قسم کھائی۔ چیمبر میں ایک قیامت برپا ہو گئی اور احمد رضا کو اپنی تنہائی کی وجہ سے سر تسلیم خم کر دینا اور مذہبی طریقۂ معمولہ پر قسم کھانا پڑا۔ اور پھر ستم ظریفی یہ ہے کہ نہ صرف مسلمانوں ہی نے بلکہ مقامی عیسائیوں نے بھی اُس پر خوب لعن طعن کی اور ان میں سب سے زیادہ مہربان جو لوگ تھے انھوں نے بھی اُس پر بے ڈھنگے پن کے فقرے کسے گویا کہ اُن کی دانست میں رضا کی اس حرکت سے صدر کے اقتدار کو صدمہ پہنچا تھا۔ یہاں یہ ایک

عجیب قابل غور بات ہے کہ یہ لوگ یورپ میں ملحد اور فرانس میں سب سے زیادہ مسلّمہ آزاد خیال انسان تصور کئے جاتے تھے، جو لوگ نہایت ہی شدّ و مد کے ساتھ ترکوں کو اس امر کا ملزم قرار دیتے تھے کہ انھوں نے اپنے مذہبی اصول کو اب تک جوں کا توں برقرار رکھا ہے، مگر یہی لوگ، جو اپنے ملک میں ملحد تھے ترکی کے متعلق اس قدر متعصب بن گئے تھے۔ جن لوگوں نے اس مظاہرے میں حصہ لیا تھا ان میں سے بہت کم ایسے تھے، جو اس کی قدر و قیمت سے واقف تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک اعلیٰ سیاست اور اسی کے ساتھ ساتھ ایک عظیم الشان مدنی جرأت کا کام تھا اس لئے کہ یہ ایک صریح انقطاع تھا جس کی بناپر شریعت اور دستوریت کے مابین پھر کبھی اتحاد جدید قائم نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ سول اور مذہبی قانون کے مابین انقطاع قطعی کے اصول کی تنصیب تھی۔

بدقسمتی سے احمد رضا بے اپنے خیال میں ثابت قدم نہیں رہا اور تاریخ کی نظروں میں وہ اس امر کا ذمہ دار قرار پاتا ہے کہ باوجودیکہ وہ دستوریت کو شریعت سے منوا لینے کی قابلیت رکھتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ میں نے اس تاریخ کی پہلی اشاعت کو "سیاسی اور اجتماعی انقلاب دو گونہ کی، جس میں اجتماعی انقلاب کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے" ضرورت کے تذکرے پر ختم کیا ہے، جس کے بغیر ترکی کی حالت درست نہیں ہو سکتی۔ اجتماعی انقلاب، جس میں کثرت ازدواج کا سدباب اور عورتوں کی غلامی سے آزادی شامل ہے، اب تک نہایت ترقی یافتہ نوجوان ترکوں کے نزدیک بھی ایک افسانے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اب رہا سیاسی انقلاب تو یہ شروع ہو چکا ہے لیکن اس وقت تک اس کی تکمیل نہیں ہوگی جب تک کہ شریعت پر دستوریت کے تفوق کو قائم نہ کر دیا جائے یا ریاست سے کلیسا کی تفوق مکمل نہ ہو جائے لیکن وہ انسان کہاں سے آئے گا اور کب آئے گا جو ان باتوں کو پورا کر سکتا ہے؟

تمت

فہرست اعلام
تاریخ دولت عثمانیہ
جلد اوّل و دوم

A

English	اردو
Abdals	عباد
Acktichi-bashi	عشی باشی
Acre	عکہ
Adjem-Oghlan	عجم اوغلان
Adrianople	ادیرنہ - ادرنہ
Ai	ای
Aian-gueli	عیانہ گویلی
Aians	عیان
Aidin	ایدین
Aidos	ایدوس
Ainaly-Cavak	عینی لی قواق
Ainejal	عینی اجل
Aivali	ایوالی
Akhisar (croia) Ak-Hissar	آق حصر - آق حصار
Akindjis Akindjes	اکینجی - اکنجی
Ak-Shemsuddin	آق شمس الدین
Aktch	آق چہ
Acktch-Hodja	اق چہ خواجہ
Aktch-Teshai	اق چای
Ala-Beg	الہ بیگ
Alaia	الویہ
Albania	ارناوط - ارناوطلقعہ
Alepo-Cryphal	کاذب
Aleppo	حلب
Alexander	اسکندر
Alexandria	اسکندریہ
Algiers	الجزائر
Aliujchkhan	الیچ خاں
Ahuta	الوتہ
Amassia	اماسیہ
Ambassador Extraordinary	ایلچی فوق العادۃ
Anatolia	اناطول

Bosnian	بوسناق
Bosnian Slavs	سقلب یا سقلبی
Bosphorus	بوغاز
Bostandjis	بستانجی
Bostandjis-bachi	بستانجی باشی
Boudak	بودق
Boulair	بلایر
Boyards	امرا
Boyars	بینی امرا
Bozuke	بوزوق
Bulgarian	بلغارستانہ۔ بلغارستان
Bulgaria	بلغار
Buykli-Mohammed	بیوکلی محمد

C

Candia	اکریط
Caspain	خزر
Catholic	کاتولیک
Caucasus	جبل قاف
Cenobites	رہبان
Ceraunien	کراولی
Cercoporta	سرکوپورتہ
Cesarni	چیزرینی
Chain of Ulemas	سلسلۃ العلما
Chebab	شہاب
Chemera	خمیرہ
Cherchell	چرچل
Cheriyati	شریعتی
Chidna	چدنا
Chimariotes	خمیرہ سولی
Chiapan	جاپان
Chouf	شوف
Chourlourli	چورلولی
Christian	نصرانی
Cilicia: Ciliciapetree	عدنہ
Circassia	جبل قاف (چرکس)
Citadel of Belgrade	قلعۂ بلغراد
Coral	مرجان
Coron	قرون
Colunbaz	قلنباز
Crimea	القرم۔ قرم
Crimean peninsula	جزیرۃ القرم
Crete	اکریت
Croatia	خروات ولایتی۔ خروات مملکتی
Croia	قرایہ
Cyprus	قبرس
Czarina	ملکۃ المسقوف

D

Dagh	طاغ
Daghestan	طاغستان
Daina	داینہ

English	اردو
Damascus	دمشق الشام یشام
Danischmends	دانشمند
Dardanelles	چناق قلعہ
David	داؤد
Deniz	دگز
Derjieh	درجیہ
Deweli-Kara Hissar	دیوہ لی قرہ حصار
Dewlet-Gherai	دولت غرای
Dgamboyloug	جمبولق
Dibra	دبرہ
Divitdar	دیویتدار
Djafer-Tchelebi	جعفر چلبی
Djamberli	جمبرلو
Djanum-Hodja	خواجہ جانم
Djebedji-bashi	جبہ جی باشی
Djehhann	جہان
Djelbans	جلبان
Djem	جم
Djem Ali	جمالی
Djouldjeilik	جولغی لق
Djouneid	جنید
Doukadjins	دوقجن
Doushan	دوشان
Dragoman to the Fleet	دریا ترجمانی
Dragoman to the porte	باب عالی ترجمانی
Drave	درار۔دراف
Drina	درن
Druzes	دروز

E

English	اردو
Ebnel-Bakri	ابن البکری
Ecbatana	ہمدان
Eddeb Ali	ادب علی
Efchar	افشار
Egean Sea	بحر الجزائر یا بحر الیونان
Emir Fakruddin Bin Maan	امیر فخرالدین ابن معین
Enimy	النعمی
Epirote	ارناوط
Epirus and Albania	ارناوطلعہ
Ermenak	ارمنک
Ermeni	ارمینی
Eshref	اشرف
Eskender	اسکندر
Eszeck	ازک
Euphrates	فرات
Eyoub	ایوب

F

English	اردو
Fanar	فنر۔فنار

Fanariotes	فنریول۔ فناریوں
Fatyh	فاتح
Fellah	فلاح
Fulek	فلیک

G

Gahrby	غزبی
Galata	غلطہ
Gauedek Ahmed Pasha	گودک احمد پاشا
Gaza	غازہ
Gelata	غلتہ
Geargia	گرجستان۔ کرجستان
Genovese	جنوفی
German	نماوی
Germany	نما
Gherai	غرای
Gherlik-baba	غیرلک بابا
Ghourebas	غربا
Giours	غیور
Golden Horn	التون قرن
Golshen'y Khoulfa	گلشن خلفا
Government of Egypt	ولایتہ مصر
Governor of Jamberli	والی جنرلو

Governor of Syria	والی شام
Gran	غران
Grand Vizier	صدر اعظم
Grand Vizirate	وزارت
Grand Seignius	بیوک پادشاہ پادشاہ
Grape of the Counsel, the	عنب الشوریٰ
Greek	روم۔ یونانستان۔ یونان۔ رومی۔ یونانی
Grossvardein	غزوسوردین
Guedik	گودک
Guemlik	گوملک
Guistiniani	جستینیانی
Guk	گوک
Gumuldjina	گمجلینہ
Gun	گون
Guns	عینس
Gurdje	گورجی
Guzel Hissar	گوزل حصار

H

Hakim-bachi	حکیم باشی
Hatti-cherif	خط شریف
Hellae	یونستان
Hellenic	یونانی
Hellespont	بوغازیہ جنک
Hersek	ہرسک

Hespodorat	حسیدار
Heyduk	ہیدک
Hodja	خواجہ
Holy Sepulchre	مزار المسیح علیہ السلام
Hungary	مجرستانہ مجرستان - او بلاد المجر ملک المجر
Hugarians	مجر
Hunkar	ہنکار
Hunyad	ہنیاد
Hunyade	ہنیادی
Hussein-Tchaouch	حسین چوش

I

Ibrahim de Heleb	ابراہیم حلبی
Ibraila	ابریلہ
Icht Oghlans	ایشت اوغلایہ
Ilderim	یلدریم
Intendent-General	مفتش
Ionian Sea	بحر ازمیر
Irade	ارادۃ
Isa Bey	عیسیٰ بیگ
Ishmael	اسمٰعیل
Iskah	اسحاق
Isle of Chio	جزیرۂ خیوس
Istambol Kadissy, the	استانبول قاضی سی

J

Jacob	یعقوب
Janina	ینیہ - یانینہ
Jedid	جدید
Jerusalem	بیت المقدس

K

Kadi	قاضی
Kadi-Kewy	قاضی کوی
Kadiswekilys	قاضی وکیلی
Kaimakam	قائم مقام
Kair Bay	خیر بے
Kanoun-Namis	قانون نامہ
Kanoun-ryathe	قانون رعایتہ
Kansou Ghauri	قانصو غوری
Kapijis	قاپوجی
Kapijis-bashi	قاپوجی باشی
Kapou-agha	قاپو آغا
Kapoudan	قاپودان
Kapoudan Pasha	قپودانہ پاشا
Kara Amid	قرہ عمد
Kara Bournou	قرہ بورنو
Karadj	خرج
Kara-Djouneid	قرہ جنید
Kara George	قرہ جورج
Kara Guez	قرہ گوزہ

Karaj	خرج وخراج
Kara Khan	قراہ خاں
Karal	قرال
Kara sheir	قرہ شہر
Karasi	قرہ سی
Karinabad	قرینہ آباد
Karmania	قرہ مانہ - قرہ مانیہ - قرہ مان - قہرامان -
Kassam	قسام
Kastamouni	کستمونی
Katib-Tcheleby	کاتب چلبی
Katirdji-Oglu	کھایہ - کحیا
Kazah	قضا
Kazah-Naib the	قضا نائبی
Kazi-asker	قاضی عسکر
Kaznader	خزینہ دار
Kehaya	کھایہ - کحیا
Kemankech	کمان کش
Kenez	کنز
Kenger	کنگر
Kermian	کرمانیہ
Keucem-Valide	کوسم والدہ
Keuturum	کوتوردم
Khalil-Djenderali	خلیل جندرہ لی
Khodja	خواجہ

Kidir beg	قدیر بیگ
Kicil Kyia	قزیل کوی
King of Hungary	قرال مجرستان
Kiniz	کنز
Kiosk	کوشک
Kirke kilissa	قرق کلیسہ
Kizil agatch	قیزیل اغاچ
Kizil-Ermak	قیزیل ایرمک
Knights	رہبان
Koinik	قوینق
Konour-alp	کوہ نورالپ
Kotshill beg	کوچی بیگ
Kouban	کوبان
Koul kchahye	قول کحیاسی
Kourani	قرانی
Koutchi	کوچی
Kral	قرال
Kupruli	کوپرولو
Kurdistan	کوردستان
Kutahia	کتاہیہ
Kyr cheri	قیرشہری
Kyslar-agha	قیزلر آقا

L

Ladislas	لودسلدس

Latin, the	الکنیسہ العربیہ
Lebanon	لبنان۔جبل لبنان
Lithoral	ساحل

M

Maidan	میدان
Makkredj	مخرج
Malakhatouna	ملک ہاتونہ
Malemel Kadissy, the	ململ قاضی سی
Malta	مالطہ۔ مالطا
Maltepe	مال تپہ
Mameluk	مملوک
Mankoub	منکوب
March	ناصینہ
Mardin	مردین
Marvelles of the full moon, the	بدیع البدور
Mastaba	مسطبہ
Master George	معلم جرجی
Maula-fanari	مولا فناری
Medresses	مدرسہ
Mekkeme	محکمہ
Mektoubdji	مکتوبجی
Melhem	ملہم
Menassib-dewridge	مناسب دوریہ
Mesopotamia	الجزیرہ
Michael Ogli	میکال اوغلو۔میخائیل اوغلو۔میکائیل اوغلی
Milosh	میلوش
Minan	منان
Mingrelia	لزستان
Mirdites	مردی
Mirditia	میردستانہ
Mohadia	مہادیہ
Mohammedel-Fathy	محمد الفاتح
Moldaia	ملداؤ
Moldo-Wallachian	بغدان و افلاقہ
Moldvia	بغدان یلطوان۔بغدانہ
Mollah-wekilys	مولا وکیلی
Montenegrins, the	قرہ طاغ یا جبل اسودین
Montenegro	قرہ طاغ یا جبل اسود
Morea	مورۃ
Morean	موری
Moscov	مسقف
Moscovite	مسقوفی
Mosul	موصل
Mouddrris	مدرس
Moudournous	مودرنو
Moulazim	ملازم

Moullah	مولا
Moultezim	ملتزم
Mouritian	مغربی
Moussa	موسیٰ
Mufti-bhai	مفتی بھائی
Munedjim-bachi	منجم باشی
Muscovites	مسقوفیول

N

Naib	نائب
Nakibul-eschraf	نقیب الاشراف
Naples	ناپولی
Nicea	نکی
Nichandji	نشانجی
Nicopolis	نیکوپلی
Nile	فرات
Nilofeu	نیلوفر
Nish	نیسہ نیس

O

Oghuz	اوغوز
Oglou	اوغلی
Oighurs	اویغور
Oladja-Hissar	علاجہ حصار
Old man of the mountain, the	شیخ الجبل
Order	رہبان
Ordou	اردو
Ordou-Kadissy, the	اردو قاضی سی
Orsova	اورسوفہ
Orta-Djami	اورطہ جامع
Orta-Hissar	اورتہ حصار
Orthodox, the	تابعین للکنسیہ الرومیہ وشرقیہ
Osmandjik	عثمان جک
Ottoman	عثمانی
Oudj-Hissar	عوج حصار
Ouloufedjis	علوفہ جی
Ouloukalani	اولوخانی
Oun-Capan-Naiby	اون قپان نائبی
Ouroundj	اوروج
Oussoulul-Hikam	اصول الحکم
Outlouk-Belli	آتلعہ بلی
Ouzoun	اوزون
Ouzoun Hassan	اوزن حسن
Ouzoun Hissar	اوزن حصار

P

Parga	پارغہ
Patras	پتراس
Patriarch	پطرس۔ پطریقہ۔ پطریک
Patrona	پاترونا
Peloponese	مورۃ
Pera	بیک اوغلو

Pesth	پست
Peswan-Oglow	پسوان اوغلی
Petchevi	پیچوی
Peterwardin	پیتروردین
Phelwan-Baba	پہلوان بابا
Philippoli	فیلیپیلی
Poland	لہستان - لہستانہ
Pole	لہی
Poles	لہیول
Porte, the	باب اعلی
Preachers	خطیب
Prefect of Police	مدیرالضبط
Priest	قسیس
Primates	مختار
Prfessor	استاذ
Prut, the	پروت

Q

Qintal	قنطال

R

Radame	روامہ
Raghyb	راغب
Rayas, the	راعیتہ
Redjeb-Pasha	رجب پاشا
Reis	رئیس
Reis-effendi	رئیس افندی
Relegion	نصرانی
Republic	جمہوریہ
Romans	رومی
Roum	روم
Roumelie	روم ایلی
Roumelia-Valicia	روم ایلی والی سی
Rousnamtschedjy	روزنامچی
Russia	بلاد المسقف یا روستان
Russian	مسقفی

S

Sadr-Anatoly	صدر اناطولی
Sadreinn	صدرین
Sadr-Roam	صدر روم
Safd	سفد
Saint Sophia	ایاسوفیہ
Sakka-bashi	سقاباشی
Salonike	سالونیکی
Samakov	سماکوی
Sandjak	سنجک
Sandjak cherif	سنجک شریف
Sangarius	سکریہ
Sarou-Khan	سارو خانہ
Savout chane	ساوچان

Taking the Turban	اذار اسلمو
Takwim-Twarik	تقویم تواریخ
Tarekli	طارق لی
Tartary	تتارستان
Tarsuss	ترسین
Tatar	تتار
Tatbikdji	تطبیقجی
Tchalderan	چلدیران
Tchausch-bachi	چاؤش باشی
Tchcharchemba	چہارشنبہ
Tchelebissy	چلبی سی
Tcherkess	چرکس
Tchoadar	چودار
Tchoibadji bashi	شوبہ جی باشی
Tchorlou	چورلو
Tekieh	تکیہ
Telkhissidji	تلخیص جی
Temeshivar	تمشوار
Tenedos	تندوس
Teskeredjy	تذکرہ جی
Thalebs	طالب
Tigris	دجلہ
Timariots	تماری
Timars	تمار
Timourtash	تیمورتاش
Tirinova	تیرنوہ
Toeuhhfethulkubar	تحفۃ الکبار
Tokat	تکاد۔ طقات
Tokay	طقائی
Topal	طوپال
Topdji-bachi	طوپچی باچی
Topdjis	طوپچی
Torghoud	طورغود
Torlak-Kemal	طورلق کمال
Toughra	طغرا
Tourna-dagh	طورنہ داغ
Toussoun	طوسون
Trebizoned	طرابزون
Tribute	جزیہ
Tripoli	طرابلوس
Tripoli in Syria	طرابلس الشام
Tsernagore	قرہ داغ یا جبل اسود
Turki	ممالک محروسہ (ترکی)
Tunis	تونس

U

Uchoq	اوچ۔ اوق
Ukrain	اوکراینہ
Ulemas	علما

V

Varna	وارنہ

Vasy	وسعہ
Vely Pasha	ولی پاشا
Venetian	بندقین
Venice	بندقیہ
Violen	مکسیحہ
Vizier the	صدر اعظم
Voivode	وو دا۔ملک۔حاکم

W

Walachia	افلاق۔اظاقہ
Wakfts	وقف
Wald	ولود
Wallachians	روبانہ۔ولوتہ
Warangians	افرانج
Warkeny	وارکونی
Warsak	ورسک
Wekayi Kiatiby	وقعی کاتبی
Weli-Deendar	ولی دیندار
Widdin	ودین
Wlad-Drakul	ولودرطراقول

Y

Yagh-Capan-Naiby, the	یاغ قپان نائبی
Yamaks	یمک
Yassy	یاسی۔یاش
Yenishehur	ینی شہر
Yildiz	ییلدیز
Youssoudj Mirza	یوسف جی مرزا

Z

Zagralie	خروات ولایتی
Zante	زنطہ
Ziamets	زعامتہ
Zoul-Kadrie	ذوالقدری

فہرست اعلام دولت عثمانیہ جلد دوم

Chakir	شاکر
Kiathane	کاغذخانہ

صحت نامہ

تاریخ دولت عثمانیہ جلد دوم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۶	۱۸	پیاسٹر	پیاسٹر[۱]	۱۷۸	۶	اردہ	ارادہ
۶۲	حاشیہ سطر ۱	(Sarafaff.)	(Strelitza)	۱۸۱	پیشانی کتاب	تاریخ دولت عثمانی	تاریخ دولت عثمانیہ
۲۷۵	۱۳	ہنگامہ پر پا	ہنگامہ برپا	〃	۱۳	اگر یہ	اگر
۱۰۸	حاشیہ نمبر ۱	مینا بازا	مینا بازار	۱۸۶	۱۸	(Giaours.)	(Ghiaours.)
۱۱۶	۲۱	جنرل رپارٹ	جنرل رپارٹ	۱۹۰	۱	مسلمانی	مسلمان
۱۴۲	۴	الگذانڈر نے	الگزانڈر نے	〃	۱۵	(Giaours.)	(Ghiaours.)
		جس تحاد کو	جس اتحاد کو	۱۹۴	۱۷	ہونی والی	ہونے والی
۱۶۱	۱	اری نین اسکول	ارمینین اسکول	〃	۱۸	کمیشن ملاحظے	کمیشن کے ملاحظے
۱۶۳	۱۹	تعق	تعلق	۱۹۶	۹	بلغاریہ کی کی	بلغاریہ کی
۱۶۶	۲	قصبہ مذلور	قصبہ مذکور	۱۹۸	۱	(Saragoff.)	(Sarafaff.)
۱۷۰	۲۳	ایسوسیشن کا	ایسوسیئیشن کا	۲۰۰	۲۲	لقانی	بلقانی
۱۷۴	۹ و ۶	سوقتائیوں	سوفتائیوں	۲۰۱	حاشیہ نمبر ۱	آئیدہ	آئندہ
۱۷۶	۱۳	قرقے کے	فرقے کے		سطر ۱		

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۰۴	۸	کروڑگری	کروڑگیری	۴۱۵	۳	ام یانا نہ	ام پانا نہ
۲۵۰	۱۲	بابلا واسطہ	یابلا واسطہ	۴۱۸	۱۷	(Ghiaows)	(Ghiaours)
۲۵۲	۱۸	نششتگاہ	نشستگاہ				
۲۶۱	۱۴	موجود	موجودہ	۴۲۰	۱	خارخی	خارجی
۲۶۲	۱۸	ذکرچھڑاتا تھا	ذکر چھڑتا تھا	۴۲۴	۲۱	لاتیحل	لایتحمل
۲۶۴	۱۶	مالکانہ قیفے	مالکانہ قبضے	۴۲۵	۱۴	مختار پاشاہ	مختار پاشا
۲۶۷	۲	بائنز نیٹم	بائنز نیتم	۴۲۸	۱۰	اخبانہ	اخبار
۲۷۰	۲۴	کمنٹی	کمیٹی	۴۲۹	۵	کے	کہ
۳۱۷	حاشیہ سطر۱	(Revue Des Deix.)	(Revue Des Deux.)	۴۳۰	۹	رکھائے گا	رکھا جائے
				۴۳۱	۱۳	قوقیت	فوقیت
۳۲۵	حاشیہ سطر۲	جنھوں ں	جنھوں	۴۳۲	۲	ہسپاہیوں	سپاہیوں
۳۳۵	۱۳	کرے کی	کرے گی	۴۵۱	۴	حکام	احکام
۳۶۸	۱۵	بڑا جھگڑ	بڑا جھگڑا	〃	حاشیہ سطر۱	قرنیاں	قربانیاں
۳۷۲	۱۵	کامابی	کامیابی	۴۵۵	۳	نکل چگے	نکل چکے
۳۸۶	۱۷	"حق" امدد "تعنین"	"حق" اور "تعنین"	۴۵۶	۱۹و۲۰	کمنٹی	کمیٹی
۳۸۹	۱۹	باوجو	باوجود	〃	۲۱	خودرسی	خوداسی
۳۹۶	۲۵	اندروغی تنظم	اندرونی تنظیم	۴۵۸	۱۵	حوشی	خوشی
۴۰۲	۹	سب زیادہ	سب سے زیادہ	〃	۲۳	ڈویژنل چینس	ڈویژنل چیفس
۴۰۳	۲۰	امدا	امداد	۴۶۰	۱۷	پروپاغدآکو	پروپاغندا کو
۴۰۴	۴	سے	سے			نہابت	نہایت
۴۰۶	۱۴	جمایت	حمایت	۴۶۱	۲۲	منقیشر	منتشر
۴۰۷	۹	متعددوافسروں	متعدد افسروں	۴۶۶	۴	غفیے	غصے
〃	〃	مستعد	مستعار	〃	۱۲	طاعت	اطاعت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۶۸	۶	لگیر	لکیر
″	حاشیہ سطر ۳	البنانیوں	البانیوں
″	″ سطر ۵	کورٹ ارشل	کورٹ مارشل
۴۷۰	۲۵	فرسٹ آمی کور	فرسٹ آرمی کور
۴۷۲	۲	یٹی	بیٹی
۴۷۴	۱۸	مفرہ رین	مفرورین
۴۷۵	۲	بریگیڈجنرل	برگیڈجنرل
۴۸۲	۱۳	بحرایچین	بحرایجین
۴۹۵	۹	اماعیلی	اسماعیلی
″	۵	(Maromites)	(Maronites)
۴۹۶	۲۰	روماملی	رومائلی
۵۰۰	۱۲	پارتھیتنیہ	پارتھینیہ
۵۰۱	۹	لکلتی	نکلتی
۵۰۵	۵	دہ لاکھ	دولاکھ
″	۷	وغیروغیر	وغیرہ وغیرہ
″	۱۴	کمینٹی	کمیٹی
۵۰۸	۱۶	متیعنیہ	متعینہ
۵۰۹	۱۱	دبا	دبا
″	۱۷	تنظلمی	تنظیمی
۵۱۰	۱۶	سیاحلی	ساحلی
۵۱۱	۱۳	(Croed)	(Creed)
″	۲۲	تونصلوں	قونصلوں
۵۱۴	۱۷	رعاتیں	رعایتیں
۵۱۹	۸ و ۱۱	اسفقوں	اسقفوں
۵۲۰	۶	اسفقوں	اسقفوں
″	۱۹	شکاتیں	شکایتیں
۵۲۱	۲	پاپندی	پابندی
″	۲۳	اسفقوں	اسقفوں
۵۲۲	حاشیہ سطر ۵	جبکہ	جبکہ
″	″ ″	بیٹھادیا	بٹھادیا
″	″ سطر ۳	جائیداد	جائداد
۵۲۴	۲	تہیں	نہیں
″	۱۱	کمزوری عیسائیوں	کمزوری نے عیسائیوں
۵۲۵	۲۵	اسفقوں	اسقفوں
۵۲۶	۱۴	اغزازات	اعزازات
۵۲۸	″	منطقے	منطقے
″	۲۴	مذہب قومت	مذہب قومیت
۵۳۲	۷	گرجستانی گروہ	گرجستانی گروہ
۵۴۸	۹	قابض	قوابض
۵۵۰	″	Talmudigts)	Talmudists)
۵۵۲	۴	تجاوز	تجاویز
″	۱۳	نازم تھا	لازم تھا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۶۳	۱۰	لطاکیہ	انطاکیہ
۵۷۸	۲۳	اسلی	اصل
۵۸۱	۲۴	سنہ ۱۹۸-۹ء	سنہ ۱۹۰۸-۹ء
۵۸۳	۵	لمیں	لمین
〃	۱۵	(۰۰ر۰۸ر۱)	(۰۰۰ر۰۸ر۱)
۵۸۶	۱۱	لینے	یعنے
۵۸۹	۵	اوئیات	ادائیوں
〃	۹	رعاتیں	رعایتیں
۵۹۰	۱۴	کیا گیا تھا	گیا تھا
〃	۲۵	اس اس کے	اس کے
۵۹۲	〃	ادا کی جائے گی	ادا کی جائیں گی
۵۹۴	۱۷	سجکوں	سنجکوں
۵۹۵	۲ و ۳	سنہ ۱۹۱۱-۱۲ء کی کی	سنہ ۱۹۱۱-۱۲ء کی
۵۹۹	۱۵	اس توڑ	اس کا توڑ
۶۰۰	۱۰و۹	کمشنرنے نے	کمشنر نے
۶۰۱	۱۰	امپیرل	امپیریل
〃	۱۵	پرواہ	پروا
۶۰۵	۷	ذرایعے	ذرایع
〃	۹	پہنچنے	پہنچتے
〃	۱۱	قسم قسم کے	قسم کے
۶۰۶	۷	یہ ان	ان
〃	۹	خزانے قضاۃ	خزانۂ قضاۃ
۶۰۷	۶	جی چاہئے	جی چاہے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۰۷	۱۸	کرتی ہیں وجہول کی	کرتی ہیں بہ مجہول کی
〃	۲۲	(دکےشش کورٹ)	(دکےشش کورٹ)
۶۰۸	۲	قانونی دیوانی	قانون دیوانی
〃	۱۲	جن تمیں	جن میں تین
۶۰۹	۱ و ۲	اوقات سے سے	اوقات سے
〃	۱۲	(Ruehdi yeh)	(Ruehdi yeh.)
〃	۲۲	(Ruehdi yeh:)	(Ruehdi yeh.)
۶۱۰	۵	آخراجات	اخراجات
〃	۹	(Ruehdi yeh.)	(Ruehdi geh.)
۶۱۱	۱۸	وہاں آفندی	وہاں آفندی
〃	۲۰	ترتیت	تربیت
۶۱۷	۷	براگیڈ	بریگیڈ
〃	۱۵	بغلنی	بغلئی
〃	۲۲	یہ ظاہر	یہ بظاہر
۶۱۸	۱۷	لیس وپیش	پس وپیش
〃	۲۵	ازمینوں	آرمینوں
۶۱۹	۱	بتادیے	بنادیے
〃	۱۰و۹	انتہارہ یہ ہے کہ	انتہا یہ ہے کہ
		اسکاؤٹنک	اسکاؤٹنگ
〃	۲۱	امیرالبحرزوریان	امیرالبحر زوریان
۶۲۰	۱۱	کیسی خدمات	کیسی کیسی خدمات

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۲۱	۸	ان کال	ان کمال
〃	۱۳	توجوانوں	نوجوانوں
〃	۲۴	بثالینونکی	بٹالینونکی
۶۲۷	۲	مداح سرائی	مدح سرائی
۶۳۰	۹	ڈورادیا	دوڑادیا
〃	۱۱	نشاہ ثانیہ	نشاۃ ثانیہ
۶۳۱	۱۳	مختار ہنے تو	مختار کردیتے تو
۶۳۳	۸	کردیا کیاگیا	کردیا گیا
۶۳۴	۲۱	یہی وجہ بھی	یہی وجہ تھی
۶۳۹	۱۱	تھے[۱]	تھے[۲]
۶۴۳	۴	پیرانےکے	پیرانے
		وزکاررفتہ	ازکاررفتہ
۶۴۷	۲	زیادہ ستانیاں	زیادہ ستانیاں
۶۵۲	حاشیہ سطر ۲	جرا سکا	جواسکا
۶۵۷	۱۳	معیادی	میعادی
〃	۲۴	کیاجاناچاہتے تھے	کیاجاناچاہئے تھا
۶۶۰	۴	الطالوی	ایطالوی
〃	۲	ان بٹالینوں	ان بٹالینوں پر
〃	۲۰	جنندرامیوں	جنندارمیوں
۶۶۵	۹	مسلئے	مسئلے
۶۶۸	۱	معیاد	میعاد

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۷۲	۱۲	حواصل	جواصل
〃	۱۳	مرویں	مردین
〃	۲۵	بلغوراو	بلغورلو
۶۷۶	۶	حیدرپادشا	حیدرپاشا
۶۷۷	۲	(Titaes)	(Tithes)
۶۸۱	۶	بن جائیں گے	بن جائیں گے
۶۸۴	۲۰	سوسانٹی	سوسائٹی
۶۸۹	۱۵	فرات میں میں	فرات میں
۶۹۳	۳	لائین	لائن
۶۹۷	۱۸	دی ٹیپس	دی ٹیمپس
۷۰۰	۹	کرورگری	کروڑگیری
〃	۱۴	کمبوں	کمبون
۷۰۸	۱۱	مابیں	مابین
۷۰۹	۶	چلارہاہے	چلاجارہاہے
۷۱۰	۹	مقتقضا	مقتضا
۷۱۳	۲۳	بحرۂ روم	بحیرۂ روم
۷۱۶	۱۲	سیلیشیہ	سلیشیہ
〃	۲۲	ایسیا	ایسا
۷۱۷	۵	غیرملکیوں	غیرملکیوں
〃	۹	(Tchiraks:)	(Tchuraks.)
۷۲۰	۳	اناری	اتاری
〃	۲۴	مرحون	مرہون
۷۳۷	۱۱	چیزوں	چیزوں کو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۳۸	۲۲	بائزنطیی	بائزنطینی	۷۴۳	۹	جانشینوں کا	جانشینوں کو
۷۴۱	۲۳	امپیریل گورنمنٹ	امپیریل گورنمنٹ	۷۴۴	۱	اسباب وعلل	اسباب وعلل کو
۷۴۲	حاشیہ ۱	(Osmaie her:)	(Osmahie her.)	۷۴۵	۱۸	قانوفی	قانونی